حسنِ نماز
پیر عبداللطیف خان نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ
نشانِ منزل
NISHANEMANZAL PUBLICATIONS

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ

(نماز میری یاد کے لئے قائم کرو)(طٰہٰ:۱۴)

سرورق

یہ کائنات طرح طرح کے رنگوں سے بھری پڑی ہے۔ ہمیں نظر آنے والے یہ تمام رنگ اللہ تعالیٰ کے نور کے صفاتی جلوے یا اس کے اسمائے حسنہ کے انوار ہیں۔ علامہ ابوالفضل کمال الدین ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ ''لسانُ العرب'' میں فرماتے ہیں کہ نور وہ چیز ہے جو خود ظاہر ہو اور اپنی روشنی سے دوسروں کو بھی آشکار کر دے۔ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے اور کسی علت یا فاعل کا محتاج نہیں۔ وہ ہر چیز کے لئے نور اور نور کا مظہر ہے۔ اس کے نور کی روشنی میں انسان حق کی طرف ہدایت پاتے ہیں اور اس کی یہ روشنی اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتی ہے۔ (البقرہ:۲۵۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''وہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے'' جیسا کہ سورۂ نور کی آیت ۳۵ میں فرمایا گیا ہے ''اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نور ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔ انسان کی عقل بھی جو ہدایت کی طرف راہنمائی کرتی ہے خدا کے نور کی ہی ایک قسم ہے۔ اس حقیقت سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ کوئی شخص جس قدر اللہ تعالیٰ کے قریب ہوگا اسی قدر اس کے نورِ عقل میں اضافہ ہوگا۔ مومن کی فراست کا نور بھی اسی نوعیت سے ہے۔ جو لوگ معبودِ حقیقی کی پہچان کرنے کی کوشش نہیں کرتے وہ ہدایت سے دور رہتے ہیں اور انسان کی خدمتِ فاخرہ ان سے واپس لے لی جاتی ہے جس کے باعث وہ خدا کی نیابت کا منصب بھی سنبھال نہیں سکتے اور معاشرے کی نگاہوں سے ان کو گرا دیا جاتا ہے۔ ان کا ظاہر سراسر ابتر اور باطن مکروہ اور بدبودار ہوتا ہے، ایسے لوگ فیضانِ سماوی یا اللہ تعالیٰ کے نور سے محروم رہتے ہیں۔

سرِ ورق کے رنگوں سے ایسے مختلف انوار کو ظاہر کیا گیا ہے جو دن کے مختلف حصوں میں نمودار ہوتے ہیں اور جو پنج وقتہ نمازوں کے اوقات کی نشاندہی بھی کرتے ہیں، سرِ ورق میں نظر آنے والے چاند، سورج، ستارے اور گلیکسیوں کے انوار بھی اس وسیع کائنات کا ایک حصہ ہیں جن میں سے فرشتوں کا گزر ہونا سورۂ المعارج میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انوارِ سماوی سے اکتساب کرنے والے انسانوں کی روحیں طبقات سماوی میں فرشتوں کی بلندیوں سے بھی بالاتر مقامات تک پرواز کر سکتی ہیں۔ انسان کی یہ پرواز اسی وقت ممکن ہے جب وہ فیضانِ سماوی (انوارِ الٰہی) کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کی عطا کردہ توفیق سے اتباعِ شریعت اور پابندیٔ صوم وصلوٰۃ کو اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے۔ احادیث سے وارد ہے کہ مجنوں اور دیوانے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں آتے تو عقل کی باتیں کرنے لگتے کیونکہ انہوں نے فیضانِ نور سے وافر حصہ حاصل کر لیا۔

زیرِ نظر کتاب ''حُسنِ نماز'' کے سرورق میں انوارِ الٰہیہ کے رنگوں کو اس لئے منتخب کیا گیا ہے کہ کسی شخص کی نماز کا حُسن اُسی حالت میں متصور ہو سکتا ہے جب وہ فیضانِ سماوی کا اس طرح اکتساب کرے کہ اس کی نماز میں نماز کے اغراض ومقاصد اور روحانی کمالات، ظاہری وباطنی آداب کے ساتھ ظاہر ہو سکیں۔ ایسی حالت میں ادا کی جانے والی نماز کے بعد ہی ایک مسلمان کے چہرے سے اطمینانِ قلب، دائمی مسرت اور حُسنِ اخلاق کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں۔

حُسنِ نماز

فریضۂ نماز رُوحانی انداز میں قائم کرنے

اور کردار سازی کے خوبصورت نکات

کی حامل کتاب

مصنف

حضرت پیر عبداللطیف خان نقشبندیؒ

خلیفہ مجاز نیریاں شریف (آزاد کشمیر)

نشان منزل پبلی کیشنز

نادر آباد نمبر 2، بیدیاں روڈ، لاہور۔ فون 03234878781 :042-35709606

Web: www.nishanemanzal.com eMail: nishanemanzal@gmail.com

نشان منزل پبلیکیشنز شاپ نمبر ۲ ظہور ہوٹل، نزد مکتبۃ المدینہ، داتا دربار

مارکیٹ، لاہور۔ 042.37114939

نام کتاب: حُسنِ نماز

نام مصنف: حضرت پیر عبداللطیف خان نقشبندیؒ

اشاعت اول: ۱۹۹۸ء میں جنگ گروپ

اشاعت دوم سے چہارم: فیروز سنز ۱۹۹۹ء، ۲۰۰۰ء، ۲۰۰۴ء

اشاعت پنجم: دسمبر ۲۰۱۲ء

ناشر : نشان منزل

تعداد: 1100

پبلشر: نشان منزل پبلی کیشنز

صفحات: 720

قیمت: 550/-

معاونت: علامہ شبیر، عارف جمیل، عاصم مجید خان، سلمان لطیف، لقمان لطیف حماد، شوکت، سرفراز، اسلم، اقبال، اور واجد

ملنے کا پتہ

ادارہ نشانِ منزل (رجسٹرڈ) نادر آباد نمبر 2، بیدیاں روڈ لاہور۔فون:042-35709606

نشان منزل پبلیکیشنز۔شاپ نمبر ۲ ظہور ہوٹل، نزد مکتبۃ المدینہ، داتا دربار مارکیٹ، لاہور۔042.37114939

(اس کتاب کے مخصوص سیلز پوائنٹ بیرون ممالک)

Arif Jamil Khan, Pleasanton,USA.Tel: 15105798668.

Salman Latif Khan, Pleasanton,USA Tel 15106769886.

Luqman Latif Khan, Vancouver, Canada Tel 17788381365

Tahir Ayub, Toronto, Canada Tel 14168225590

Asif Zaman, Bredford, England. Tel 447832930285:

تعارف مصنف

آپ کی پیدائش بھارت کے شہر جالندھر میں ۱۹۲۷ء میں ہوئی۔ تعلیم کے میدان میں آپؒ اپنی مثال آپ تھے۔ آپؒ نے ایم ایس سی کیمسٹری کے علاوہ دیگر محکمانہ تعلیمات حاصل کر رکھی تھیں۔ آپؒ نے ۴۰ برس کا عرصہ ایک ایسے محکمہ میں ممتاز عہدوں پر گزارا جہاں آپ کا تعلق ماڈرن سائنس اور فنی مہارات کے متعلقات سے وابستہ رہا مگر آپ نے محکمانہ ذمہ داریوں کے علاوہ اوائلِ شباب سے ہی دینی علوم اور تصوف کا مطالعہ کیا۔ اسلام اور سائنس کا یہ حسین امتزاج آپ کی تالیف کردہ ۲۳ دینی کتب کو منفرد مقام بخشتا ہے۔

علم جو کہ حقیقتاً صفتِ الٰہیہ ہے، اس صفتِ الٰہیہ کا فیضان انبیاء کرام اور اُن کے تصدق سے اولیائے عظامؒ کو نصیب ہوا۔ جس کو جتنا علم و معرفت حاصل ہوا وہ قُربِ وصال میں اُتنا ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔ پیر صاحب قبلہ کو اللہ تعالیٰ نے علم تصوف و طریقت کا بحرِ زخار عطا فرمایا تھا۔ آپ کے کُتب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ متقدِمین سے لے کر معاصرین تک ہر قابلِ ذکر امام اور عالم کی کتب پر بالخصوص تصوف کے حوالے سے آپ کی نظر تھی۔

آپ کی زندگی پابندیٔ شریعت سے عبارت تھی۔ کثرتِ عبادات اور خدمت دین آپ کی زندگی کا خاصہ تھا۔ عوام الناس کی مشکلات کے ازالے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے۔ ہر آنے والا آپ کا در کھلا پاتا۔ آپ درحقیقت ایک ولی کامل تھے۔

حضرت پیر عبداللطیف خان نقشبندیؒ کی تمام زندگی دین اسلام کی تبلیغ و ترویج میں بسر ہوئی۔ آپؒ کے آستانہ مبارک پر چالیس برس ہفتہ وار محفلِ ذکر سے ہر خاص و عام نے فیض حاصل کیا۔ اس کے علاوہ آپؒ مختلف مقامات پر لوگوں کے اجتماع میں درس کا اہتمام کرتے جس میں جدید سائنٹیفک انداز میں اسلامی زندگی کے ایمان افروز حقائق اور قرآن و حدیث کے خوب صورت نکات سے آراستہ گفتگو کے ذریعے لوگوں کے دلوں کو اس طرح گرما دیتے کہ ان زندگیوں میں حیرت انگیز کیفیت، زبردست انقلاب اور اسلامی ولولہ پیدا ہو جاتا۔ بسا اوقات تو آپ ایک نظر سے ہی زندگیاں بدل دیتے۔ امت کی اصلاح کی کوششوں میں ہی آپؒ کے روز و شب گزرتے۔ آپؒ کے یہ اشعار اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں:

ابلاغ سے دم لیں گے ،نہ آرام کریں گے — جب تک کہ ہیں زندہ، تیرا ہم کام کریں گے

ہے آرزو میری کہ، بہ صد جذبہ پیہم — بے دین ہیں جو مائلِ اسلام کریں گے

خوش ہوں کہ لطیف اپنی طلب ہے تو یہی ہے — ہم خدمت اسلام کو ہر گام کریں گے

آپ نے ۲۹ دسمبر ۲۰۰۹ء کو بمقام لاہور وفات پائی۔ مزار مبارک گلبرگ قبرستان میں ہے۔

حُسنِ نماز قرآن کی روشنی میں

۱: ''اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ'' (نماز کو میری یاد کیلئے قائم کرو) (طٰہٰ: ۱۱۴)

۲: ''قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خَاشِعُوْنَ'' (المومنون: ۱، ۲)

(وہ مومن فلاح پا گئے جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں)

۳: ''وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ'' (البقرۃ: ۴۵)

(اور مدد لو صبر اور نماز سے اور بے شک نماز ضرور بھاری ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر (بھاری نہیں)

۴: ''اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ''

(بے شک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور برے کاموں سے)۔

۵: ''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی''

(اے ایمان والو نماز کے قریب نہ جاؤ جب کہ تم نشہ کی حالت میں ہو) (النساء: ۴۳)۔

۶: ''رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ لَا یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ'' (نور: ۳۷)

(وہ (جوان) مرد جنہیں کوئی تجارت اور خرید و فروخت یادِ الٰہی سے غافل نہیں کرتی اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے وہ ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے کہ گھبرا جائیں گے جس میں دل اور (جس دن) آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی)۔

۷: ''فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِھِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّھَوٰتِ فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا''

(پس اس کے بعد جانشین ہوئے ان کے برے لوگ، انہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور خواہشات کے پیچھے لگے رہے۔ وہ جلد ہی شدید عذاب سے ملیں گے سوائے ان کے جنہوں نے توبہ کی) (مریم: ۵۹)۔

۸: ''یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا إِذَا قُمْتُمْ إِلَی الصَّلَاۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَأَیْدِیَکُمْ إِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَأَرْجُلَکُمْ إِلَی الْکَعْبَیْنِ''

(اے ایمان والو! جب (تمہارا) نماز کیلئے کھڑے (ہونے کا ارادہ) ہو تو (وضو کیلئے) اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں (بھی) ٹخنوں سمیت (دھولو)۔ مدارج النبوت میں ہے کہ اس آیت سے پہلے وضو مستحب تھا واجب نہ تھا۔

حسنِ نماز احادیث کی روشنی میں

۱: ”اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ“[1]

(نماز مومنین کی معراج ہے)۔

۲: ”مَنْ حَافَظَ عَلَیْھَا کَانَتْ لَہٗ نُوْرًا وَّبُرْھَانًا وَّنَجَاۃً یَّوْمَ الْقِیَامَۃِ“[2]

(جو نماز کو پابندی سے ادا کرے گا یہ نماز قیامت کے دن اس کیلئے نور، دلیل اور بخشش کا وسیلہ ہوگی)۔

۳: ”مَنْ آمَنَ بِاللّٰہِ وَبِرَسُوْلِہٖ وَأَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَصَامَ رَمَضَانَ کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ أَنْ یُّدْخِلَہُ الْجَنَّۃَ“[3]

(جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لایا اور نماز کو قائم کیا اور روزے رکھے تو اللہ پر اس کا یہ حق (ثابت) ہوجاتا ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے)۔

۴: ”وَاعْلَمُوْا اَنَّ خَیْرَ اَعْمَالِکُمُ الصَّلٰوۃُ“[4]

(جان لو کہ تمہارے اعمال سے بہترین عمل نماز ہے)

۵: ”اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوۃِ“[5]

(بندہ کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب نماز میں حاصل ہوتا ہے)۔

۶: ”مَنْ فَاتَتْہُ الصَّلٰوۃُ فَکَاَنَّمَا وُتِرَ اَھْلُہٗ وَمَالُہٗ“[6]

(جس کی نماز فوت ہوگئی تو گویا اس کے اہل و مال جاتے رہے)۔

۷: ”مَنْ لَّمْ تَنْھَہُ صَلٰوتُہٗ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ، لَمْ یَزْدَدْ مِنَ اللّٰہِ اِلَّا بُعْدًا“[7]

(جو نماز نمازی کو بدکاری سے باز نہ رکھے وہ نماز خدا سے اس کو اور دور کردے گی

۸: مُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ فَاِنَّ اللّٰہَ یَاتِیْکَ بِالرِّزْقِ مِنْ حَیْثُ لَا تَحْتَسِبُ“[8]

(اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو، پس اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے تمہارا گمان بھی نہ ہوگا)

---

۱ صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۲ھ، حدیث ۲۵۸۱، جلد ۹، صفحہ ۳۵۴، دار ابن کثیر، یمامہ۔

۲ مسند احمد، احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، حدیث ۶۲۸۸، جلد ۱۳، صفحہ ۳۲۶ موسسۃ القرطبہ، بیروت۔

۳ صحیح بخاری، حدیث ۲۵۸۱، جلد ۹، صفحہ ۳۵۴۔

۴ سنن ابن ماجہ، ابو عبداللہ محمد بن یزید القزوینی، متوفی ۲۷۵ھ، حدیث ۲۷۳، جلد ۱، صفحہ ۳۲۶، دار الفکر، بیروت۔

۵ سنن ابن ماجہ، حدیث ۲۷۳، جلد ۱، صفحہ ۳۲۶۔

۶ مسند احمد، حدیث ۲۲۵۳۴، جلد ۴۸، صفحہ ۱۳۷۔

۷ المعجم الکبیر، سلیمان بن احمد طبرانی، متوفی ۳۶۰، حدیث ۱۰۸۶۲، جلد ۹، صفحہ ۲۶۸، دار الحرمین، القاہرہ۔

۸ المغنی، ابوفضل العراقی، متوفی ۸۰۶، حدیث ۲۷۶، جلد ۱، صفحہ ۱۰۰، مکتبۃ التربیہ، الریاض۔

انتساب

بنام

حضور پُرنور محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

و

جملہ خواجگانِ نقشبند

از حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ تا خواجہ مخدومِ مَن قبلہ پیر حضرت علاّمہ علاؤالدّین صدّیقی غزنوی و مدظلّہ العالی، سجّادہ نشین دربار نیریاں شریف تراڑ خیل آزاد کشمیر...... اور اِس فقیر کے محبوب قومی شاعر علامہ اقبالؒ اور میرے درویش والدین جن کی فیض رس نگاہوں نے مجھے ملّت وقوم کی خدمت کے قابل بنایا

خادم الفقراء

عبداللطیف خان نقشبندیؒ

فہرست

حمد باری تعالیٰ

از مصنف

اب ہٹا دے اے خدا وجہ حقائق سے نقاب
جس طرح موسم کی کلیاں صبح دم ہوں بے حجاب

کرم تیرا کس پہ کتنا، کیسا، کیونکر اور کیوں؟
تیری رحمت کا خدایا ہو نہیں سکتا حساب

جس قدر خُم میں تھا میرے بادۂ روز الست
کر عطا مجھ کو الٰہی آج پھر ایسی شراب

دور کر دے ہم سے تو اندیشۂ سود و زیاں
جس طرح شعلے سے دور افتاد ہو جائے حباب

عشق دے صدیق کا اور عدل دے فاروقؓ کا
عام کر دے خوئے عثمانِ غنیؓ و بوترابؓ

لشکر اسلام کو یارب تو دے وہ اعتزاز
توڑ ڈالے جو جہانِ کفر کے بڑھ کر طناب

ملّتِ اسلام کو دے عشقِ نامِ مصطفیٰؐ
پیش امت ہو تو ہو بس اسوۂ عالی جنابؐ

وصل کو محدود نہ کر در قیودِ روز و شب
تیری قدرت کی خدایا ہے کوئی حد نہ حساب

سلسلے کا فیض ہم پہ اس طرح ہو روز و شب
جس طرح روشن شبِ تاریک میں ہو ماہتاب

عشق میں جلنا ہی رمز جاودانی ہے لطیفؔ
سوزِ درد و داغِ دل ہے ایک عاشق کا نصاب

نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(دل میں نہیں جو نقشِ یار حسنِ نماز کچھ نہیں)

دِل میں نہیں جو نقشِ یار حُسنِ نماز کچھ نہیں
دِل نہ ہو تار تار اگر، سفرِ حجاز کچھ نہیں

رہتے ہیں یوں تو رات دِن، حُسن و جمال کے نقوش
شوخیٔ دل نہ ہو اگر، عشق مجاز کچھ نہیں

مستیٔ ذوق و شوق ہے، اصلِ نماز کا نشان
تیرا قیام بے حضور، بندہ نواز کچھ نہیں

تری اذان میں کہاں، نظرِ رسولؐ کا فروغ
جذبِ بلالؓ گر نہیں، تری آواز کچھ نہیں

لمحۂ عشق مصطفی بہتر ہے زُہد خُشک سے
سجدہ گری میں بسر کی، عُمرِ دراز کچھ نہیں

عِشق کی آگ میں جلا، گیسوئے دِل کو برملا
جب تک نہ خم ہو عشق میں، زُلفِ ایاز کچھ نہیں

دیتا ہے عِشق پر اگر فتویٰ کُفر تُو اے شیخ
فتویٰ یہ تنگ دِل کا ہے، اِس کا جواز کچھ نہیں

اہلِ نظر کی رفعتِ قلب و نظر کچھ اور ہے
وہ جو اُٹھائیں اِک قدم، کوہِ فراز کچھ نہیں

تیرا کلام بے نظیر، قوم کا تُو ہے دستگیر
تیرے لئے خراجِ دِل، دانائے راز کچھ نہیں

رحمت دو جہان دی، اپنے نبیؐ کو شان دی
تیرے لئے یہ عقد و حل اے بے نیاز کچھ نہیں

میں تو لطیفؔ کہہ چکا اہل مراد سے یہ بات
عِشق ہے نامُراد وہ جس میں گداز کچھ نہیں

مناقبِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

مقربانِ خدا کی ازل سے ہے تحقیق
نبیؐ کے بعد مقرب خدا کے ہیں صدیقؓ

وہ جاں نثارِ رسالت ہیں عشق کی تصویر
یہ راز دارِ نبیؐ، آپ کی اُمت پہ شفیق

ملا مقام یہ اُنؓ کو کہ یارِ غار ہُوئے
رہے وہ عشقِ محمدؐ میں ایک بحرِ عمیق

جہاں تمیزِ من و تو روا نہیں رہتی
یہ ذات عشقِ محمدؐ کے نور میں تھی غریق

بلند آپ ہیں حُسن و جمال واُلفت میں
کمالِ ربط کی منزل کے آشنائے طریق

نہ ہو گی قوم یہ آزاد کیوں جہنم سے
امیں بخشش حق جب کہ ہیں مرد عتیق

نبی نہ تھے یہ رسالت مآبؐ کے ہمدم
ہر ایک لمحے کے ساتھی، ہر اک قدم کے رفیق

مقامِ عشق تھا پہلے تو بے مرام و مقام
ہوئی بس آپ کے دم سے ہی عشق کی توثیق

مقامِ صدیقؓ کا کمال تو دیکھو
نبیؐ کی اپنی رسالت پہ جن کی ہے تصدیق

وہ جن کو دیکھ کے قہرِ خدا بھی مِٹ جائے
ہے اُن کی ذات پہ اللہ بھی مہربان و شفیق

ہو کار زارِ طریقت یا رمزِ رُوحانی
کُھلے ہیں آپؓ کے دم سے ہی راز ہائے دقیق

عتیق سرورِ کونین سے جو اقرب ہیں
ہر اک طریق سے اقرب ہے، نقشبند طریق

لطیفۂ رمزِ طریقت دہد مرا صدیقؓ
بہ ربط عشقِ محمدؐ برو بقلب رقیق

تاثرات

پیر عبداللطیف خان نقشبندی ڈائریکٹر (ر) محکمہ موسمیات لاہور کی طرف سے اصلاح امت کے لئے مسلسل کوششوں کے نتیجے میں اب تک جو کتب زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں، ان میں سے ''نشانِ منزل''، ''بیعت کی تشکیل اور تربیت''، ''حضورِ قلب'' اور ''رابطۂ شیخ'' قابل ذکر ہیں۔ زیر نظر کتاب ''حسن نماز'' بھی بہت کاوشوں کے بعد اب شائع ہو چکی ہے۔ آپ کی ان کتب کے علاوہ تقریباً پندرہ دیگر کتب تکمیل کے آخری مراحل میں پہنچ چکی ہیں۔ آپ کی یہ خدمات یقیناً مبارکباد کی مستحق ہیں۔

عبداللطیف خان نقشبندیؒ کی مذکورہ کتابوں میں جو مضامین قائم کئے گئے ہیں ان کا معیار عام کتب سے بہت ہٹ کر نظر آتا ہے۔ ان کی کتب کے متعلق یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جن موضوعات پر آپ نے قلم اٹھایا ہے یوں اس سے پہلے کسی نے اس قدر تفصیل سے تحریریں پیش نہیں کیں۔ آپ کی تحریریں اس قدر دلکشی کی حامل ہوتی ہیں کہ ان کا مطالعہ کرنے والوں کے دل و دماغ فی الفور متاثر ہونے لگتے ہیں اور قارئین کے متعلق یہ عمومی تاثر پایا جاتا ہے کہ وہ ان کی کتابوں کو پڑھنے کے بعد مصنف سے ملاقات کے لئے بے چین ہو جاتے ہیں۔ آپ کی کتب میں موجود ایک خصوصی پہلو یہ بھی ہے کہ ان کے مطالعہ سے عوام کے بہت سے شکوک کا ازالہ ہو گیا ہے اور آپ نے بہت سی الجھنوں کو مشائخ عظام کی نہایت مستند کتب کے حوالے اور اقوال سے عام فہم زبان میں حل کر دیا ہے۔ آپ کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ مسائل کی بحث میں الجھنے کی بجائے قرآن و حدیث اور مشائخ کبار کے اقوال سے مدد لی جائے تا کہ کسی مکتبۂ فکر کے قاری کو شکایت کی نوبت ہی نہ آئے۔ یہ انداز عوام میں بہت مقبول ہوا ہے۔ آپ ہمیشہ اپنے قارئین کو یہ تلقین کرتے ہیں کہ

اے مسلمان اپنے دل سے پوچھ مُلا سے نہ پوچھ!

زیر نظر کتاب میں یہ بات قابل تحسین ہے کہ ''حسن نماز'' میں صرف نماز کے اغراض و مقاصد، فضائل، معارف اور روحانی پہلوؤں کو ہی زیر بحث نہیں لایا گیا بلکہ اس میں ایسے مضامین پر بھی سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے جن کا تعلق نماز کے حسن کو قائم کرنے کے لئے بہت اہم خیال کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے کردار اور اخلاقی سطح کو بلند کرنے میں نماز کو ایک اہم مقام حاصل ہے جسے مصنف نے بھی کھول کر قارئین کے سامنے پیش کیا ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے مولانا رومیؒ اور علامہ اقبالؒ کے متعلقہ کلام کو بھی کتاب میں شامل کیا ہے۔ آپ کی ان کوششوں کے باعث یہ کتاب صرف نماز کی صحت کو برقرار رکھنے پر ہی کفایت نہیں کرتی بلکہ لوگوں کو معیاری مسلمان بنانے میں بھی مدد دیتی ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانانِ عالم کو نماز کے مقام کا فہم عطا کرے اور اس کتاب سے پورا پورا استفادہ کرنے کا ذوق اور شوق عطا فرمائے۔ جناب خاں صاحب نے اس کتاب میں جو نماز کے محاسن کو مجتمع کیا ہے خدا ان کی کوششوں کو قبول فرمائے اور بلندیٔ درجات کے علاوہ درازیٔ عمر کا سبب بنائے۔ امین

مورخہ ۱۰ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

نیک تمناؤں کے ساتھ

پیر علاؤ الدین صدیقی غزنوی نقشبندی زید مجدہٗ

تلقینِ روحانی

(مریدوں کے نام)

از پیر عبداللطیف خان نقشبندی

قلبِ مرجوع اور عقلِ سلیم کی متوازی راہوں میں اگرچہ حوادثِ زمانہ کے قطرات ٹپکتے رہتے ہیں تو بھی ان خدائی راہوں پر چلنے والوں کو کوئی طاقت مسدود نہیں کر سکتی ایسی تنگ و تاریک نظر آنے والی راہوں سے بھی وہ شواہد نظر آتے رہتے ہیں جن کی گردِ راہ کو کسی معمولی روحانی شہنشاہ کے اِنتہائی قرب رکھنے والے رفیق ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔

روحانیت ایک لامتناہی گہرائیوں کا سمندر ہے جس میں موتی، ہیرے اور جواہرات کو اللہ تعالیٰ نے سمندر کی تہوں میں ہی محفوظ، مقدور اور مامون کر رکھا ہے، ایسے بحرِ بیکراں سے جو موجیں اُٹھتی ہیں وہ بھی سمندر کے قریب سے گزرنے والے لوگوں کو بھی کچھ دیر کے لئے مسرور کرتی ہیں لیکن سمندر میں موجود موتیوں اور عام ریگزاروں کی رفعتوں میں کوئی نسبت نہیں ہوتی، اس کی شان اس دن واضح ہوگی جب سمندر کو قیامت خیز زلزلوں سے افشا کیا جائے گا مگر اس دن کسی کو اپنے کئے ہوئے پر شرم کرنا بھی اُس کے کام نہیں آئے گا، میں جس طرح مسدود حالات کے باوجود اور ضعیف العمری کی حالت میں تبلیغی مقاصد سے دور نہیں رہا اور چار عدد کتب کو بنام اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبال، سوز و ساز رومیؒ، تہذیبِ نفس اور ''شاہیں کا جہاں اور'' کو تصنیف کیا ہے اِن چار عدد تصانیف کے علاوہ یہ فقیر گیارہ عدد کتب پہلے بھی شائع کر چکا ہے جو اُمتِ مسلمہ کے لئے بہت بڑا سرمایہ ہے، اسی طرح آپ بھی حالات کے تھپیڑوں میں خدمتِ خلق کے جذبے سے اپنے سینوں کو گرم رکھیں۔

اُمید ہے کہ یہ کتب اشاعت کے بعد شہرہ آفاق ہونے کا شرف حاصل کریں گی۔ اللہ تعالیٰ ان تصانیف کی برکات سے عالمِ اسلام کے مسلمانوں کو نیا ولولہ اور جذبۂ عمل عطا فرمائے۔

خاک پائے درویشاں
عبداللطیف خان نقشبندی
مورخہ یکم جنوری ۲۰۰۸ء

عرض ناشر

نماز کو دین میں کلیدی حیثیت حاصل ہے اور اسی لئے یہ عبادت دین کا ستون اور نبی کریم ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار پائی۔ قرآن پاک میں سات سو سے زائد مرتبہ اللہ تعالیٰ نے اس کے قائم کرنے کی تاکید فرمائی۔ مذاہب اربعہ کے ائمہ کا بھی یہ متفقہ فتویٰ ہے کہ تارک الصلوٰۃ مسلمانوں کی فہرست سے بھی خارج ہے۔ اس کے باوجود عصرِ حاضر کا عام مسلمان پابندیٔ صوم وصلوٰۃ کو فراموش کر بیٹھا ہے اور جو نماز کا اہتمام کرتے ہیں ان میں سے بیشتر وہ لوگ ہیں جو نماز کو محض رسمی حرکات وسکنات کے ادا کرنے پر کفایت کرتے ہیں۔ صوفیاء کے نزدیک نماز کی صحیح ادائیگی حاصل کرنے کیلئے چند روحانی نکات اور رموز کا علم ہونا نہایت ضروری ہے۔ مصنف نے مذکورہ تمام اسرار ورموز کو اس کتاب میں واضح کیا ہے اور بہت سے ایسے اہم نکات پر روشنی ڈالی ہے جن کا اہتمام کرنے کے بعد نماز کو حقیقتِ نماز کی صورت میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کی تحریر میں ایک منفرد انداز قائم کیا گیا ہے اور اِس میں ایسے مضامین شامل کئے گئے ہیں کہ جن کے مطالعے کے بعد قارئین جذبۂ عمل کو اپنے سینوں میں موجزن ہوتا ہوا پائیں گے۔

ذاتی احداف کے علاوہ نماز میں معاشرتی اصلاح کے پہلو بھی کارفرما ہیں۔ نماز جماعتی نظم ونسق، صفائی، یک جہتی اور یگانگت جیسے عالی قدر صفاتی گوہر پیدا کرتی ہے۔ جس قوم میں نماز جیسی عبادت کی حفاظت کی جاتی ہے اس میں اصلاحِ معاشرہ کی خوبی کا پیدا ہونا ایک جز لاینفک ہے۔ کیونکہ اس سے باہمی اخوت ومحبت، رابطہ و ہمدردی، اتفاق اور عالمگیری جذبے کا ماحول پیدا ہوتا ہے اور یہ تمام صفات معاشرے کی اصلاح کرتی ہیں اور ایک قوم کو نہایت بلند اور ارفع مقام پر لا کھڑا کرتی ہیں۔

نماز سیاسی امور میں بھی اصلاح کی ضامن ہے کیونکہ ایک امام کے پیچھے صف باندھ کر کھڑا ہونا افتراق اور تفرقہ بازی کا قلع قمع کرتا ہے اور برداشت کے جذبے کو تخلیق کرتا ہے جس سے انانیت اور کبر نفس کا خاتمہ ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا پہلوؤں پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ نماز صرف عبادات کا نہیں بلکہ انسانیت کا نچوڑ ہے۔

اس کتاب میں نماز کی اہمیت وفضیلت کے ساتھ ساتھ بے نمازیوں کو نماز کی طرف رغبت دلانے اور نمازیوں کو خشوع وخضوع سے آراستہ کرنے کی سعی اور معراج المؤمنین کے مقام کے حصول کی طرف اُن کی راہنمائی بھی کی گئی ہے۔ سورۂ اخلاص اور سورۂ فاتحہ کی تفسیر کو بھی شرح وبسط سے شامل کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ مسنون ومستجاب دعاؤں کو بھی حسین پیرائے میں رقم کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس عبادت کو اس کی اصل روح کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے بجاہِ سید المرسلین: آمین۔

مقدمہ

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کریم عَلَیْہِ التَّحِیَّۃُ وَالثَّنَاءُ وَالتَّسْلِیْمُ کو بے شمار شانوں اور ان گنت کمالات سے بہرہ ور فرما کر مبعوث کیا، یہ کمالات عالیہ حدود و احصاء سے باہر ہیں، انہیں میں سے ایک خصلت حمیدہ یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ دلوں کا تزکیہ فرماتے ہیں، وہ دل جو دینوی خواہشات سے آلودہ ہو چکے ہوں ان کی دھڑکنوں کا مرکز و محور بدل گیا ہو جو اپنے خالق و مالک کے ذکر کی حلاوت سے محروم ہو چکے ہوں، شیطانی وسوسہ اندازیوں اور نفس کی دسیسہ کاریوں کی آماجگاہ بن چکے ہوں، جب ایسے پراگندہ دل بھی آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوں گے اور آپ کی نگاہ لطف ان کی جانب اٹھ جائے گی تو ان دلوں کو وہ طہارت نصیب ہو جائے گی کہ قدسیان سمٰوٰت بھی ان پر رشک کریں گے۔ اب شیطانی حربے ان کے دلوں پر اثر انداز نہیں ہو سکیں گے بلکہ وہ توانوار ربانی کے مہبط و مرکز بن چکے ہوں گے۔

ہمارے پاک و پاکیزہ سرشت پیغمبر ﷺ کے فیض ہمایوں نے دلوں کی اجڑی ہوئی دنیا کو بہار آشنا کر دیا۔ ایسی سرمدی و دائمی بہار کہ وہ اس کے بعد کبھی بھی خزاں کی ستم رانیوں کا شکار نہیں ہو سکتی۔ نبی اکرم و اطہر ﷺ کی فیض بخشیوں کا یہ سلسلہ اولیائے کرامؒ کی صورت میں آج بھی جاری و ساری ہے۔ ان نفوسِ قدسیہ کے روحانی تصرفات اور باطنی فیوضات نے ہمیشہ دنیا میں خیر کی روایت کو زندہ رکھا۔ عصیان و لغزشوں سے آلودہ دلوں کو حق و راستی کے انوار سے روشن و منور کرنے کا سلسلہ ہمیشہ ان پاکان امت نے اپنی شبانہ روز کاوشوں سے بحال رکھا۔ اولیائے کرامؒ کی اس مساعی کے صدقے اس امت میں ایسے ارفع و اعلیٰ کردار اور ایسی برگزیدہ ہستیاں پیدا ہوتی رہیں کہ دنیا کی کوئی قوم ان جیسے نادر روزگار وجود پیش نہیں کر سکتی۔

آج جبکہ عالم اسلام گوناگوں ابلیسی سازشوں کا شکار ہے ان میں سے ایک بہت بڑی سازش اسلام کے اس روحانی نظام کو مشکوک اور بے اصل ثابت کرنے کی ہے۔ اغیار اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ یہ امت اپنے ایمان، محبت اور حق کی خاطر مر مٹنے کے لازوال جذبے کہاں سے حاصل کرتی ہے۔ ایسے میں وہ افراد بڑے خوش بخت اور فرخندہ اقبال ہیں جو اپنے اسلاف کی درخشندہ اور حیات آفریں روایات کی پاسداری کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔

محترمی عزت مآب حضرت پیر عبداللطیف خان صاحب نقشبندی کی تصنیفات عالیہ دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ فی زمانہ صوفیائے کرامؒ کی تعلیمات کو سہل انداز میں اور عصری مذاق کے مطابق نوجوان نسل اور تشکیک زدہ افراد کے سامنے پیش کرنا بہت ہی ضروری ہے۔ ان روایات کے احیاء کے بغیر امتِ مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کا مقصد کبھی بھی پورا نہیں ہو سکتا۔ ایسی مفید اور معیاری کتابوں کے مصنف یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اپنے حبیب کریم ﷺ کے صدقے اللہ رب العزت اُن کی کاوشوں کو قبولیت سے ہمکنار فرمائے اور اُن کی فیض رسانیوں کے سلسلہ کو مزید وسعت عطا فرمائے۔ آمین

اپریل ۱۹۹۸ء

خاکِ راہِ صاحب دلاں
پیر محمد کرم شاہ الازہری (رحمۃ اللہ علیہ)

غایتِ تصنیف کا ایک خوبصورت پہلو

(خدا کا دلکش اندازِ دعوت)

از مصنف

راقم الحروف کا تجربہ اس بات پر شاہد ہے کہ جب عوام کی توجہ حسبِ ذیل نکات کی طرف مبذول کی جائے تو ان کے دل حیرت انگیز طریقے سے متاثر ہو جاتے ہیں اور فوراً ہی جذبۂ ایمان و عمل سے سرشار ہو جاتے ہیں۔ ایسے بہت سے اشارات ہماری کتاب ''نشانِ منزل'' میں کافی وضاحت کے ساتھ عوام اور مبلّغین کیلئے ایک اچھی خاصی تعداد میں شائع کر دیئے گئے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان سے استفادہ کر سکیں۔ مزید برآں کچھ قرآنی حقائق جو قلیل مدت میں لوگوں کی زندگیوں کو تبدیل کر سکتے ہیں، بھی قارئین اور مبلّغین کے ذوق کیلئے پیش کئے جا رہے ہیں۔

اگر بنظرِ غائر قرآن کا مطالعہ کیا جائے تو اس بات کا انکشاف ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی راہنمائی کیلئے بہت سی روشن رموز کو پیش کیا ہے، جن کو اختصار کے ساتھ اور نہایت خوبصورتی سے نیچے دیا جا رہا ہے۔ درج ذیل نکات سے معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی انسان کو راہ راست پر لانے کیلئے انعامات دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور کہیں نہ ماننے والوں کو اپنے عذاب میں گرفت کے ذریعے ڈرایا اور دھمکایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اتباع کے بعد انسان کو جو دنیا اور آخرت کے فوائد میسر ہو جاتے ہیں، ان کو بھی قرآن نے بار ہا ذکر کیا ہے۔ ایسی کچھ آیات کا تذکرہ ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کے مستحق کون لوگ ہیں؟

اس موضوع پر قرآن مجید میں بہت سی آیات ملتی ہیں مگر ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہی ہدایت دیتا ہے جو ہدایت کی طرف کوشش میں لگے رہتے ہیں یا کم از کم اپنے رب سے ہدایت ملنے کی خواہش اور التجائیں کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی دستگیری کسی نہ کسی دن ضرور فرما دیتے ہیں۔ قانون الٰہی ہے کہ اگر التجاؤں میں تیزی ہو تو دستگیری بھی جلد ہوتی ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ دروازہ کھٹکھٹاتے رہو گے تو کسی نہ کسی دن تو ضرور اوپر سے کوئی نہ کوئی سر نکلے گا اور پوچھے گا کہ کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''اَللّٰهُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ'' (اللہ اپنے قرب کیلئے چن لیتا ہے جسے چاہے اور اپنی راہ دیتا ہے جو رجوع کرے)۔ سورۂ البقرہ کی آغاز میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو گمراہ کرتا ہے جن کے دل سیاہ ہو چکے ہیں اور پرلے درجے کے فاسق ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا نہیں چاہتا۔ فرمایا یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ'' (اللہ تعالیٰ اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہے) (النور: ۳۵)۔ ''قُلْ اِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ اَنَابَ'' (الرعد: ۲۷) (آپ

فرمادیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور اپنی راہ اسے دیتا ہے جو رجوع کرے)۔

۲۔ اللہ تعالیٰ بندوں کو مصائب اس لیے دیتے ہیں کہ شاید وہ خدا کی طرف رجوع کریں

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں لوگوں کو جہنم کا عذاب نہیں دینا چاہتا اور یہاں تک فرمایا کہ ''مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ '' (کہ اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا) (النساء:۱۴۷)۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق سے (خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو) اس قدر محبت ہے کہ وہ یہ نہیں چاہتا کہ اس کے بندوں پر ذرا سی آنچ بھی آئے۔ مفسرینِ قرآن فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اس قدر محبت کرتے ہیں کہ اگر پوری دنیا کی ماؤں کی محبت کو اکٹھا کر دیا جائے تو بھی ان سب کی محبتیں اللہ کی ایک بندے سے محبت کے عشرِ عشیر بھی نہ ہوں گی۔ لوگوں کو جہنم کے عذاب سے بچانے کیلئے وہ اپنے بندوں کو طرح طرح کے مصائب میں گرفتار کرنے کے بعد انہیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ فلاح تو صرف اللہ سے امان تلاش کرنے میں ہے۔ جب ایسے لوگ اولیائے کرامؒ کے پاس رفع مصائب کیلئے جاتے ہیں تو وہ بھی انہیں عبادت کے ذریعے خداوند تعالیٰ سے رشتہ جوڑنے کا مشورہ دیتے ہیں اور ان کیلئے دعا بھی کرتے ہیں۔ انبیاء کرام کو مبعوث کرنے کا مقصد صرف یہی تھا کہ بندگانِ الٰہی کو خالقِ کائنات کے سامنے جھکا کر عبد و معبود کا رشتہ قائم کر دیں۔ جب بندے کا خدا کے ساتھ ایسا رشتہ قائم ہو گیا تو سمجھ لو کہ تمام مراحل طے ہو گئے۔ فرمایا ''وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰـهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَتَضَرَّعُوْنَ'' (بیشک ہم نے تم سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے تو انہیں سختی اور تکلیف کے ذریعے پکڑا تا کہ (شاید) کسی طرح ہی وہ گڑگڑائیں) (الانعام:۴۲)۔

جب اللہ تعالیٰ کی گرفت آ جائے تو اس کے باوجود بھی کچھ لوگ ہوش میں نہیں آتے اور بدستور معاصی میں گرفتار رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر معافی نہیں مانگتے جیسے کہ قرآن کی حسب ذیل آیت میں فرمانِ الٰہی ہے۔ حقیقتاً ایسے لوگ ناقابلِ اصلاح اور ناقابلِ معافی قرار دیئے جاتے ہیں۔ ''وَلَقَدْ اَخَذْنٰـهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا یَتَضَرَّعُوْنَ'' (المومنون:۷۶) (اور بے شک ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا، تو نہ وہ اپنے رب کے حضور میں جھکے اور نہ گڑگڑاتے ہیں)۔ ''وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ'' (اور نہ بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی مگر یہ کہ اس کے لوگوں کو سختی اور تکالیف میں پکڑا تا کہ وہ کسی طرح زاری کریں) (الاعراف:۹۴)۔

۳۔ نیک لوگوں کو انعامات سے نوازا جاتا ہے

راقم الحروف نے زیر نظر کتاب اور اپنی تصنیف ''نشانِ منزل'' میں بھی اس بات کی وضاحت کی ہے اور ایک عنوان ''عبادت گزاروں کیلئے اللہ کے خصوصی انعامات'' کے نام سے قائم کیا ہے جس میں عبادت گزاروں کے

مقابلہ میں دوسرے لوگوں کے احوال اور بلندیٔ مرتبت کا فرق بیان کرتے ہوئے نہایت دلچسپ حقائق سے نقاب کشائی کی ہے۔قارئین اس کتاب میں اس دلکش بیان کا مطالعہ فرمائیں تو یہ ان کے دل و دماغ کو مسرور اور روشن کر سکتا ہے۔ایسے لوگ جو اللہ کے ساتھ اپنا لگاؤ پیدا کرلیں ان کے درجات بلند کر دیئے جاتے ہیں اور فرشتے ان کی جان قبض کرتے ہیں تو ان کو ان کے رتبے کے مطابق اعزاز دیتے ہیں۔عبادت گزاروں کو نور عطا کیا جاتا ہے اور ان کو صدیقین، شہداء اور صالحین کے زمرے میں شامل کیا جاتا ہے۔قرآن میں ہے ''اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ طَیِّبِیْنَ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ''(وہ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے ستھرے پن میں، یہ کہتے ہوئے کہ سلامتی ہو تم پر، اپنے کئے کے بدلے میں جنت میں داخل ہو جاؤ)(النحل:۳۲)''وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖۤ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ''(الحدید:۱۹)(اور وہ جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائیں وہی ہیں کامل سچے اور وہ دوسروں پر گواہ ہیں، اپنے رب کے یہاں ان کیلئے ان کا ثواب اور ان کا نور ہے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں وہ دوزخی ہیں)۔

مفسرین قرآن اور صوفیائے کرامؒ نے لکھا ہے کہ نیک لوگ اپنے اپنے درجے کے مطابق، گروہ در گروہ جنت میں داخل ہوں گے۔اصحاب کہف کیلئے روایات میں آیا ہے کہ وہ لوگ صوفی تھے اور قرآن میں ان کے متعلق ان کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے ''اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى''(الکھف:۱۳)(وہ کچھ جوان تھے کہ اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کو ہدایت بڑھائی)۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نیکی کی طرف آنے والوں کی بلائیں ٹال دیتا ہے اور کاموں میں آسانی کر دیتا ہے

احادیث نبوی میں آیا ہے ''مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ''(جو اللہ کا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ہو جاتے ہیں)[1] اور جس کے اللہ تعالیٰ دوست ہو جائیں تو پھر اس کیلئے کیا کوئی پریشانی رہ سکتی ہے؟ قرآن میں جا بجا اس بات کا ذکر آیا ہے کہ مومنوں کو دنیا اور آخرت میں نجات دینا اللہ تعالیٰ کی طرف بطور حق محفوظ ہے۔فرمایا ''كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ''(اس طرح ہمارے ذمۂ کرم پر حق ہے، مسلمانوں کو نجات دینا)(یونس:۱۰۳)۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے ولیوں (اور نیک بندوں) کیلئے بہت سے وعدے کئے گئے ہیں جن کا ذکر اس جگہ کرنا طوالت طلب امر ہے۔چند آیات قرآنی اس بات پر گواہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی بلاؤں کو ٹال دیتا ہے، انہیں سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے، ان کو غموں سے نجات دیتا ہے اور ان کے کاموں میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے۔متعلقہ آیات حسب ذیل ہیں ''اِنَّ اللّٰهَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ

---

[1] التفسیر الکبیر، امام فخر الدین رازی، متوفی ۶۰۴ھ، جلد ۷، صفحہ ۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

اٰمَنُوْا'' (الحج:۳۸) (بے شک اللہ بلائیں ٹالتا ہے مسلمانوں کی)۔''وَیُنَجِّی اللّٰہُ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِھِمْ لَا یَمَسُّھُمُ السُّوْٓءُ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ'' (الزمر:۶۱) (اللہ متقیوں کو نجات دے گا ان کی نجات کی جگہ پر، نہ انہیں عذاب چھوئے گا نہ انہیں غم ہوگا)۔''وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ اَمْرِہٖ یُسْرًا'' (الطلاق:۲) (جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے کام میں آسانی فرما دے گا)۔''وَ یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَیَزِیْدُھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ'' (الشوریٰ:۲۶) (اور دعا قبول فرماتا ہے ان کی جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور انہیں اپنے فضل سے اور انعام دیتا ہے)۔

ان افادات کے پیش نظر جو نیک لوگوں کیلئے قرآن میں وعدے کئے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ نیکی کے راستے پر لگے رہو، اس میں تمہارا فائدہ ہے''وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ'' (اور بھلے کام کرو اس امید سے کہ تم فلاح پاجاؤ) (الحج:۷۷)۔''وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا یَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا ھَضْمًا'' (طٰہٰ:۱۱۲) (اور جو کچھ نیک کام کرے اور ہو ایماندار تو اسے نہ زیادتی کا خوف ہوگا نہ نقصان کا)۔''وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ'' (اور جسے اللہ نور نہ دے اس کیلئے کہیں نور نہیں) (النور:۴۰)۔

۵۔ جو شخص دینِ خدا کی مدد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد کرتے ہیں

ذیل کی قرآنی عبارات میں سورہ محمد کی ایک آیت پیش کی جارہی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا وعدہ فرمایا ہے کہ ''اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ بھی تمہاری مدد کرے گا''۔ اگر غور کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہوتے ہوئے ایمانداروں سے کس نوعیت کی مدد طلب کررہا ہے تو یہ حقیقت آشکار ہوگی کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اگر تم میرے گنہگار بندوں کو جہنم کی آگ میں جانے سے روک لوگے تو تمہارا یہ کام میری مدد میں شامل ہوگا اور جو شخص میری مدد کرے گا تو لازمی طور پر میں اس کی مدد کروں گا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون بہت عام فہم ہے مگر اس آیت میں ایک بہت بڑا راز پوشیدہ ہے جسے بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔ مذکورہ آیت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا مددگار بن جائے تو اسے دین کی طرف خود کو لانا ہوگا اور دوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی اس طرف آنے کی پُرزور اور باقاعدگی سے دعوت دینی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد کا وعدہ قرآن مجید میں متعدد جگہوں پر فرمایا ہے جن میں سے چند آیات تبرکاً پیش کی جارہی ہیں۔ چونکہ انبیاء کرام اور اولیاء کرام اسی فرض کی ادائیگی پر مامور ہیں۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں اللہ تعالیٰ گروہ انبیاء کرام و اولیاء کرام کی بات کو مان لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ولایت (دوستی) کا شرف بھی انبیاء کرام و اولیاء کرام کو ہی عطا فرمایا ہے اور اپنے اولیاء کی شان میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس پر ایک نہایت مفصل تبصرہ مصنف کی تصنیف ''اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبال'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس کتاب میں فقر اور درویشی پر چار سو صفحات سے زائد بیان شامل کیا گیا ہے اور طریقت کی وضاحت میں بھی تقریباً دو سو صفحات

قلمبند کئے جا چکے ہیں۔ اس موضوع پر چند قرآنی آیات بطورِ سند پیش کی جا رہی ہیں توجہ فرمائیں "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ" (محمد:۷) (اے ایمان والو اگر تم (دین) خدا کی مدد کرو گے اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا)۔ "وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ" (الحج:۴۰) (اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس کے دین کی مدد کرے گا) "اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ" (المومن:۵۱:۵۲) (بے شک ضرور ہم اپنے رسولوں کی مدد کریں گے اور ایمان والوں کی، دنیا کی زندگی میں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے جس دن ظالموں کو ان کے بہانے کچھ کام نہ دیں گے اور ان کیلئے لعنت ہے اور ان کیلئے بڑا گھر ہے)۔ "وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ" (التوبہ:۵۹) (اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ و رسول ﷺ نے ان کو دیا اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے اب دیتا ہے ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول ﷺ، ہمیں اللہ ہی کی طرف رغبت ہے)۔ "لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ" (تاکہ اللہ ان کو بدلہ دے ان کے سب بہتر کام کا اور اپنے فضل سے انہیں انعام زیادہ دے اور اللہ روزی دیتا ہے جسے چاہے بے حساب) (النور:۳۸)۔

۶۔ نیکوکاروں کو زمین اور آسمان پر مقبولیت ملتی ہے

سورۂ مریم میں ہے کہ "اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا" (جو لوگ ایمان لانے کے بعد نیکی کی طرف آئیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنا محبوب بنا لے گا اور اپنے بندوں کے دلوں میں ان کی محبت ڈال دے گا) (مریم:۹۶)۔ بخاری اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ جب اللہ کسی شخص کو محبوب بناتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ فلاں میرا محبوب ہے۔ جبرائیل علیہ السلام اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر جبرائیل علیہ السلام آسمانوں میں منادی کرتے ہیں کہ فلاں شخص اللہ کا محبوب ہے لہٰذا سب اس کو محبوب رکھیں تو آسمان والے اس کو محبوب رکھنے لگتے ہیں۔ پھر زمین میں اس کی مقبولیت عام کر دی جاتی ہے۔[1] چنانچہ اولیائے کرام کی مقبولیت عامہ ان کی محبوبیت کی دلیل ہے۔ اگر کوئی مصنوعی ولی ہو تو اس کی جعلی مقبولیت جلد ہی ختم ہو جاتی ہے۔ "اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا" (مریم:۹۶) (بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے عنقریب ان کیلئے رحمٰن محبت بھر دے گا)۔

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۷۰۳، جلد ۳، صفحہ ۱۱۷۵۔

۷۔ اگر سُکھ چاہتے ہو تو خدا کو راضی کر لو

ہم اپنی زندگیوں کو دنیاوی وقار کے اعتبار سے بہتر بنانے کیلئے جو ذرائع اختیار کرتے ہیں وہ بالعموم خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کے منافی اور انسانیت سوز اصولوں پر مبنی ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہم مال و منال کے ہوتے ہوئے بھی پریشان حال رہتے ہیں۔ ایسی جھوٹی شان، عزت اور وقار خدائے تبارک و تعالیٰ کے ہاں چنداں اہمیت نہیں رکھتے بلکہ اس کے حضور ایسے تمام کمالات مردود قرار پاتے ہیں۔ انسانی زندگی کی کامیابی اس میں نہیں کہ صرف دنیا کے عیش اور آرام حاصل کر لیے جائیں بلکہ کامیاب زندگی کا راز خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنا ہے۔

اگر چہ یہ دنیا ہم سے ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کیلئے مال و دولت کو حاصل کرنے کا تقاضا کرتی ہے لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ ہم یہ مال و دولت ہر جائز اور ناجائز طریقے سے حاصل کرنے لگیں۔ مالِ دنیا حلال ذرائع سے بھی اتنا ہی کمایا جا سکتا ہے جتنا کہ حرام طریقوں سے کمالیا جاتا ہے۔ یہ اس لیے کہ روزی تو اسی قدر ملتی ہے جو لکھ دی گئی ہے۔ یہ دنیا مصائب کا گھر ہے اور ان مصائب کے ذریعہ ہماری آزمائش بھی کی جا رہی ہے۔ دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کا صحیح اور واحد حل یہی ہے کہ ہم اپنا تعلق اس خدا سے استوار کر لیں جو اپنی کائنات کے تمام خزانوں کو لوگوں کیلئے اپنے مخصوص اور وضع کردہ اصولوں کے مطابق تقسیم کرتا ہے۔ جب خدائے تعالیٰ اپنے نافرمانوں اور کافروں کو بھی دنیا میں رزق سے فراغت بخشتا ہے تو پھر وہ اپنے فرماں بردار مسلمان بندوں کو اپنی کرم بخشیوں سے کیوں محروم کرے گا؟

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب　　گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم　　تو کہ با دشمناں نظر داری

قرآن مجید میں ہے کہ رزق اور اس کے علاوہ ہر چیز آسمان سے نازل ہوتی ہے لہٰذا اس رزق کے حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آسمانوں کے مالک سے اپنا تعلق قائم کر لیا جائے اس کو آزما کر دیکھو تو سہی کہ رزق کے دروازے تم پر کس طرح کھول دیئے جاتے ہیں؟ بالکل اسی طرح جس طرح اس نے تم سے پہلے لوگوں پر ان دروازوں کو کھولا۔ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ اپنے وعدوں سے انحراف نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کا رزق ایک مقدار اور ایک قانونِ اکتساب کے مطابق مقرر کیا ہے لیکن اپنے فرماں بردار بندوں کیلئے رزق کی فراخی کے علاوہ دُنیا اور آخرت کو بھی مسخر کر دیتا ہے۔ صرف مال و دولت کی کثرت اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی خوبی کی حامل نہیں۔ مشکلات دنیا صرف مال سے ہی دور نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ وہ مال جو خدا سے غافل کر دے اور ناجائز یا حرام ذرائع سے کمایا جائے وہ تو تکالیف، مصائب اور بے چینیوں میں اضافہ ہی کریگا۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کیلئے ایک نہایت خوبصورت قانون وضع کیا ہے اور وہ یہ کہ اگر تم میرے ساتھ ٹھیک ہو جاؤ تو میں تمہارے ساتھ ٹھیک ہو جاؤں گا۔ اس بات کی تشریح علامہ اقبالؒ نے جاوید نامہ کے درج ذیل شعر میں فرمائی ہے۔

مردِ مومن با خدا دارد نیاز   با تو ما سازیم تو باما بساز

(مردِ مومن کا اللہ کے ساتھ ایک راز و نیاز ہے اور کہتا ہے کہ ہم نے آپ سے موافقت کی آپ ہم سے موافقت کریں)

مذکورہ بالا راز و نیاز کو ذہن نشین کرنے کیلئے مصنف اکثر اپنے مریدین کو حضرت سلیمان علیہ السلام یہ روایت سنایا کرتا ہے کہ ایک روز جب وہ تختِ سلیمان پر اپنے تین سو اصحاب کے ساتھ بیٹھ کر کسی سفر پر جا رہے تھے تو دل میں خیال آیا کہ میری سلطنت کس قدر وسیع ہے کہ جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ اس کے فوراً بعد ہی تخت کی پرواز ناہموار ہوگئی اور وہ لڑکھڑانے لگا تو سلیمان علیہ السلام نے اپنا کوڑا تخت پر زور سے مارا اور حکم دیا کہ وہ سیدھا ہو جائے۔ آپ کا یہ حکم سن کر تخت نے زبانِ حال سے کہا کہ تم ٹھیک ہو جاؤ گے تو میں بھی ٹھیک ہو جاؤں گا۔ غیبی آواز کا منشا یہ تھا کہ پیغمبر کی حیثیت سے آپ کیلئے یہ جائز نہیں کہ آپ ایسا خیال بھی دل میں لائیں۔ مصنف یہ روایت سنانے کے بعد کہا کرتا ہے کہ اگر آپ لوگ اللہ کے ساتھ اپنی اطاعت کے ذریعے ٹھیک سلوک اختیار کریں گے تو اللہ تعالیٰ بھی تمہارے ساتھ مہربانی کے ساتھ پیش آئے گا۔ اس حقیقت کو قرآن نے یوں بیان فرمایا ہے۔ "اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا" (بنی اسرائیل:۷) (اگر تم اچھے کام کرو گے تو ان کا فائدہ تمہیں ہی پہنچے گا اور اگر تم برائی کرو گے تو اس کی سزا بھی تمہیں ملے گی)۔ "عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا" (بنی اسرائیل:۸) (قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے گا اور اگر تم (فسق و فجور کی طرف) دوبارہ لوٹے تو ہم بھی لوٹیں گے)۔

قرآن مجید میں بنی نوعِ انسان پر یہ بات متعدد بار واضح کی گئی ہے کہ "لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ" (اگر تم شکر کرو گے تو ہم تمہیں اور زیادہ عطا کریں گے اور اگر نافرمانی کرو گے تو ہماری گرفت بہت شدید ہے) (ابراہیم:۷)۔ بہت سی احادیث بھی قرآن کی اس پیش کش کی تصدیق کرتی ہیں۔[1] ان سب آیات اور احادیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم سُکھ کی زندگی چاہتے ہو تو اللہ کو راضی کر لو۔

۸۔ ہر قوم میں آج بھی ہادی آتے ہیں

اتمامِ حجت کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہر بستی اور ہر زمانے کیلئے اپنے ہادی بھیجے ہیں تاکہ قیامت کے روز کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمارے پاس کوئی سمجھانے والا نہیں آیا۔ افلاطون کو جب ان کے نبی نے دعوت دی تو اس نے کہا کہ ہم تو پہلے ہی ہدایت یافتہ لوگ ہیں۔ تم ہمیں کیا ہدایت دو گے؟ اس تکرار کے باعث وہ ہدایت سے محروم ہو گیا اور اسی طرح فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت قبول نہ کی۔

مثنوی مولانا رومؒ میں ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ اگر تم ایمان لے آؤ تو تمہیں چار انعام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملیں گے۔ اول یہ کہ دراز عمر دی جائے گی۔ دوم یہ کہ دائمی صحت ملے

[1] المعجم الاوسط، سلیمان بن احمد طبرانی، متوفی ۳۶۰، حدیث ۷۰۲۳، جلد ۷، صفحہ ۱۱۸، دارالحرمین، القاہرہ۔

گی۔ سوم یہ کہ کبھی بیمار نہ ہوگے اور چہارم یہ کہ ہمیشہ بے فکر رہو گے۔ روایت میں ہے کہ فرعون نے اس بات کو تسلیم کر لیا مگر جب اس نے ہامان سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ جناب آپ تو خود خدا ہیں۔ کسی اور کو خدا ماننے میں آپ کی توہین ہے۔ ہامان کے اس مشورے پر فرعون نے خدا کے ان انعامات سے انکار کر دیا۔[1]

آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہادی ہر جگہ پر موجود ہیں اور آج بھی ایسے فرعون اور ہامان بہت ملتے ہیں جو خدائی انعامات کو ٹھکرا کر ابدی ذلت، گمراہی اور عذابِ الٰہی کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ خدا سے دُور اُفتادہ لوگوں کیلئے آج بھی یہ موقعہ غنیمت ہے کہ قرآن و حدیث کا مطالعہ کر کے حقیقتِ حال کو سمجھیں اور اپنی دُنیا اور آخرت کو درست کر لیں۔ ایسے لوگوں سے ہماری استدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان پر غور کر کے اس کے تابعدار بن جائیں۔ ''وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ'' (الشعراء:۲۰۸) (اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہ کی جسے ڈر سنانے والے نہ ہوں)۔ ''وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ'' (الشوریٰ:۳۰) (اور تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو (خدا) معاف کر دیتا ہے)۔

۹۔ اگر اپنی اصلاح نہیں کرو گے تو دنیا اور آخرت میں خسارہ ہی خسارہ ہے

زیرِ غور موضوع پر قرآن مجید میں بہت سی آیات ہماری نظر سے گزرتی ہیں مگر اکثر لوگ اس کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے۔ کچھ لوگوں کا اس طرح ذکر آیا ہے کہ وہ دُنیا اور آخرت میں خسارہ پانے والے ہیں اور کچھ کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ عارضی دنیا کی محبت میں گرفتار ہو کر ہمیشہ رہنے والی آخرت سے غافل ہو گئے ہیں۔ سورۂ کہف کی آیت ۱۰۳ اور ۱۰۴ میں فرمایا گیا ہے کہ کچھ لوگوں کی کوششیں تو صرف اور صرف حصولِ دنیا میں گم ہو گئی ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے مالِ دنیا کو جمع کر کے بہت بڑا کارنامہ کیا ہے۔ سورۂ تکاثر میں اس حقیقت کا انکشاف کیا گیا ہے کہ انسان بچپن سے لیکر قبر میں پہنچنے سے پہلے تک کثرتِ مال و جاہ کی خواہش میں لگا رہتا ہے مگر اس کو آخرت سے غفلت کا علم اس وقت ہوگا جب وہ جہنم میں پہنچ کر اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔ ایسی آیات کا کہ جس میں دنیا کے طلبگار ہونے کا ذکر ہے، اس مختصری تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ وہ لوگ جو صرف دُنیا کی لگن ہی میں مبتلا رہتے ہیں انہیں شاید یہ معلوم نہیں کہ ان کو رزق تو صرف اتنا ہی ملے گا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدر میں لکھ دیا ہے۔ انسان کو اپنے مقدور بھر رزق کو حاصل کرنے کیلئے کوشش کرنا تو فرض ہے لیکن خدا کی یاد سے غافل ہو کر ہر وقت دنیا کی طلب میں لگے رہنا خدائی غضب کو دعوت دینے والی بات ہے۔ بہت کم لوگ اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں کہ اکتسابِ رزق کیلئے کوششیں کرنا تو انسان کے ذمے عائد کر دی گئی ہیں لیکن اگر انسان رزق کیلئے صرف مناسب کوشش کرنے کے ساتھ ساتھ احکاماتِ نماز و روزہ کی ادائیگی کرتا رہے تو اسے اپنا مقدور بھر رزق بھی ملے گا اور دین کی حفاظت کرنے کا اجر رزق میں مزید اضافے اور برکات کا موجب بنے گا۔

---

[1] مسند احمد، احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، جلد ۲، صفحہ ۳۱۹، موسسۃ القرطبہ، بیروت۔

اگر انسان حرام ذرائع پر نظر نہ رکھے تو بھی رزق اسی قدر ملتا ہے جو اس کے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے مگر یہ ہو سکتا ہے کہ حلال رزق کی صورت میں کشادگی رزق کے اثرات کچھ دیر بعد نمودار ہوں۔ انسان چونکہ جلد باز ہے، وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کو اس کا رزق فوراً مل جائے خواہ حرام صورت میں ہی کیوں نہ آئے۔ قرآن میں اس بات کی تصدیق یوں کی گئی ہے "وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُوْلًا" (بے شک انسان جلد باز ہے) (بنی اسرائیل:۱۱)۔ یہاں قرآن کی چند آیات قارئین کے استفادہ کیلئے پیش کی جارہی ہیں "قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا" (آپ ﷺ فرما دیجئے کہ کیا ہم تمہیں یہ بتلائیں کہ سب سے بڑھ کر ناقص عمل کن کے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی تمام تر کوششیں دنیا کے حصول کیلئے وقف ہو گئیں اور وہ اس خیال میں ہیں کہ وہ کوئی بہت عمدہ کام کر رہے ہیں) (الکہف: ۱۰۳، ۱۰۴)۔ "اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ" (یونس:۷) (بیشک وہ جو ہم سے آ ملنے کی امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی کو ہی پسند کر بیٹھے اور اس پر مطمئن ہو گئے اور وہ جو ہماری آیتوں سے غفلت برتتے ہیں (اس سے اگلی آیت میں ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کی سزا جہنم ہے)۔ "كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ" (القیامۃ: ۲۰، ۲۱) (ہرگز یوں نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم ملنے والی (نعمت دنیا) سے محبت کرتے ہو اور آخرت کو چھوڑ رکھا ہے)۔ "بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى" (اعلیٰ: ۱۶، ۱۷) (تم لوگ دنیاوی زندگی کو ہی ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت اس سے کہیں بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے)۔

کاش مسلمان یہ بات سمجھ لیں کہ ان کی نجات صرف حصولِ دنیا میں نہیں بلکہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کی رضامندی میں پنہاں ہے اور جس کو خدا کی رضا حاصل ہو جائے تو اسے دونوں جہانوں میں عزت دی جاتی ہے۔ ایسی کامیابی کی زندگی کو چھوڑ کر صرف دنیاوی عیش و عشرت کو کافی سمجھ لینا نادانی ہی نہیں بلکہ حماقت بھی ہے۔ مسلمانوں کے زوال کے اسباب میں سب سے بڑا عنصر مسلمانوں کا دین سے انحراف کرنا اور دنیا کے مال کے حصول کیلئے ہمہ تن مشغول ہونا ہے۔

۱۰۔ غفلت میں رہنے اور حد سے بڑھ جانے والوں کو اللہ تعالیٰ راہ نہیں دیتے

دائمی غفلت کے شکار اور معاصی میں حد سے بڑھ جانے والوں کو اللہ تعالیٰ کبھی ہدایت نہیں دیتا۔ جیسا کہ فرمایا "كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ" (المومن: ۳۴) (اللہ اسے یونہی گمراہ کرتا ہے جو حد سے بڑھ جانے والا ہو اور شک کرنے والا)۔ اللہ کی منشا یہ ہے کہ اس کی بغاوت پر آمادہ رہنے والے لوگ راہِ راست پر آ جائیں اور ایسے لوگوں کیلئے وہ مواقع بھی بہم پہنچاتا ہے کہ شاید وہ کہیں سمجھ جائیں لیکن لوگوں کی اکثریت کو دنیا کی چاہت نے مجنوں کر رکھا ہے۔ وہ کب ان مواقع سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگ بوڑھے بھی ہو جاتے ہیں تو بھی دنیا کے مال اور عیش و عشرت کی امنگیں ان کے دلوں میں مچلتی

ہیں اور ان کا ضمیر اللہ تعالیٰ کی بغاوت پر انہیں ملامت نہیں کرتا۔ ایسے بہت سے لوگ دیکھنے میں آتے ہیں کہ ان کے سروں اور چہروں کے بال بھی سفید ہو چکے ہیں اور بڑھاپے سے اس قدر نحیف ہو چکے ہیں کہ موت کے سائے ان کے سروں پر منڈلاتے ہوئے واضح طور پر نظر آتے ہیں لیکن اس حالت میں بھی وہ خدا کی یاد سے قطعاً غافل اور اس دنیا کی طمع میں گرفتار دیکھے جاتے ہیں۔ یہ لوگ اس بات کا احساس نہیں کر پاتے کہ ان کے جملہ امراض اور بدحالی کے احوال کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ خدا کے نافرمان اور باغی ہیں ان کی یہ غفلت اس قدر سخت ہوتی ہے کہ اسی کسمپرسی کی حالت میں ان کا دم نکل جاتا ہے۔

علامہ اقبال ؒ نے اپنے ایک شعر میں ایسے لوگوں کی موت کا منظر یوں پیش کیا ہے کہ جب فرشتۂ موت خدا کے باغیوں کی جان قبض کرنے کو آتا ہے تو وہ خدا سے اس بات کی شکایت کرتا ہے کہ الٰہی مجھے ایسے لوگوں کی جان نکالتے ہوئے سخت ندامت محسوس ہوتی ہے کہ پسِ مرگ ان کا اعمال نامہ نیکیوں سے سراسر خالی ہوتا ہے۔ علامہ اقبال ؒ ارمغان حجاز میں فرماتے ہیں

شنیدم مرگ با یزداں چنیں گفت چہ بے نم چشم آں کز گل بزاید

(سنا ہے کہ موت نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ یہ (انسان) جو مٹی سے پیدا ہوتا ہے، اس کی آنکھ کیسی بے نم ہے)

چو جانِ او بگیرم شرمسارم ولے اُورا زمردن عار ناید[۲]

(جب میں اس کی جان قبض کرتا ہوں تو مجھے شرم آتی ہے، مگر اسے مرنے سے شرم نہیں آتی)

افسوس کی بات ہے کہ اگر مسلمان مذکورہ بالا تمام حقائق کا مطالعہ کرنے کے باوجود بھی اپنی زندگی کی اصلاح کی فکر نہ کرے۔ کسی شخص کو کسی وقت بھی موت دبوچ سکتی ہے تو پھر انسان اپنی قبر اور آخرت کی زندگیوں کو سنوارنے کی کیوں فکر نہیں کرتا۔ دیکھئے قرآن ایسے لوگوں کیلئے کیا کہتا ہے جو اپنی زندگی کو سراسر غفلت میں گزارنے پر ندامت محسوس نہیں کرتے۔ ''وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓىٕكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ'' (الانعام: ۹۳) (اور کبھی تم دیکھو جس وقت ظالم موت کی سختیوں میں ہوتے ہیں اور فرشتے ہاتھ پھیلائے ہوتے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں آج تمہیں خواری کا عذاب دیا جائے گا بدلہ اس کا کہ اللہ پر جھوٹ لگاتے تھے اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے)۔ ''اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْۤا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓىٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا'' (النساء: ۹۷) (وہ لوگ جن کی جان فرشتے نکالتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے ان سے فرشتے کہتے ہیں تم کس شغل میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین میں کمزور تھے، فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے تو ایسوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور بہت بری جگہ پلٹنے کی)۔ ''وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَیْتَهُمْ یَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ

لَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ'' (المنٰفقون:۵،۶)(اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمہارے لیے معافی چاہیں تو انکار سے اپنے سروں کو گھماتے ہیں اور تم انہیں دیکھو کہ وہ حاضری سے رک رہے ہیں تکبر کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں، ان پر ایک سا ہے تم ان کیلئے معافی چاہو یا نہ چاہو، اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا بے شک اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا)۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ کی اطاعت کی طرف رجوع نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو مال و دولت میں خوب بڑھا دیتا ہے اور وہ بظاہر اپنے مال میں خوش اور شادمان نظر آتے ہیں لیکن حقیقتاً وہ اس مال کی وجہ سے سخت پریشانیوں میں مبتلا رہتے ہیں حتیٰ کہ ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ اچانک ان کی گرفت ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو اکھاڑ پھینکتا ہے۔ اگر کسی قوم میں ایسے افراد کثرت سے پائے جائیں (جیسا کہ آج عالم اسلام میں دیکھنے کو آتا ہے) تو اللہ تعالیٰ پوری قوم کو پوری قوت سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے لیکن پوری ملت کو معاف نہیں کرتی۔ قرآن نے بھی مسلمانوں کو اس صورت حال سے کئی مقامات پر متنبہ کیا ہے۔ ''فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ'' (الانعام:۴۴) (پھر جب انہوں نے بھلا دیا جو نصیحتیں ان کو کی گئیں تھیں، ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے، یہاں تک کہ جب خوش ہوئے اس پر جو انہیں ملا، تو ہم نے اچانک انہیں پکڑا)۔ ''وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ'' (المومنون:۷۶،۷۷) (اور بیشک ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا تو نہ وہ اپنے رب کے حضور جھکے اور نہ گڑگڑاتے ہیں، یہاں تک کہ جب ہم نے کھولا ان پر کسی سخت عذاب کا دروازہ تو وہ اب اس میں ناامید پڑے ہیں)۔

۱۱۔ اللہ تعالیٰ کے باغیوں کا عبرتناک حشر

جو لوگ مسلسل عذاب اور انتباہ کے باوجود اپنی زندگیوں کو قطعاً اللہ کی اطاعت کی طرف لانے کی کوشش نہیں کرتے تو ان کو نہ صرف آخرت میں بلکہ دنیا میں بھی اور قبر میں بھی سخت عذاب کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ دنیا میں ان کی زندگیاں مسلسل بے چینیوں اور ناکامیوں کا شکار رہتی ہیں اور قبر میں جاتے ہی طرح طرح کے عذاب ملنے شروع ہو جاتے ہیں۔ مصنف کی کتاب ''نشانِ منزل'' میں بے نمازیوں کی گرفت کا مختصر سا بیان لایا گیا ہے۔

قرآن مجید میں تو کافروں اور نافرمان مسلمانوں کے عتاب اور وعید پر بے شمار آیات آئیں ہیں جن کا تذکرہ کرنا اس جگہ ممکن نہیں۔ یہاں صرف سورۃ الحاقہ میں بیان ہونے والی صورت حال کو پیش کیا جا رہا ہے اور یہ نقشہ ان لوگوں کا ہے جن کا اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ (یعنی جہنم میں جانے والوں کے ہاتھ) میں دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ فرمائے۔ ''خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝ ثُمَّ فِيْ

سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ'' (اسے پکڑو پھر اسے طوق ڈالو پھر اسے بھڑکتی آگ میں دھنساؤ پھر ایسی زنجیر میں جس کا ناپ ستر ہاتھ ہے اسے پرو دو) (الحاقۃ: ۳۰، ۳۱، ۳۲)۔

قرآن مجید میں ایسی آیات موجود ہیں جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ'' جہنمیوں کو پوچھا جائے گا کہ تم جہنم میں کیوں بھیجے گئے ہو، تو وہ کہیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے اور اس بارے میں لوگوں سے جھگڑا کیا کرتے تھے'' (المدثر: ۴۳)۔ سورۂ قلم میں ذکر آیا ہے کہ'' قیامت کے روز سب لوگوں کو کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو''۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی پنڈلی سامنے کی جائے گی تو نمازی جو اللہ کے قدموں میں سجدے کیا کرتے ہیں فوراً سجدے میں گر جائیں گے، لیکن دنیا کے بے نمازیوں کی کمر جھک نہ سکے گی اور انہیں سجدہ کرنے کی طاقت نہ ہوگی چنانچہ جہنم میں بھیج دیئے جائیں گے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے کہ'' خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُوْنَ '' (القلم: ۴۳) (ان پر خواری چڑھ رہی ہوگی اور بے شک دنیا میں سجدہ کی طرف بلائے جاتے تھے جب تندرست تھے)۔

مذکورہ بالا آیات کا مطالعہ کرنے کے بعد کچھ قیمتی حقائق ہمارے سامنے آتے ہیں اول یہ کہ وہ لوگ اللہ کے چیدہ چیدہ احکام کو مانتے ہیں وہ دنیا میں بھی کامران اور شادمان رہتے ہیں اور آخرت میں بھی ان کی مہمان نوازی کی جائے گی۔ دوم یہ کہ جو لوگ صرف مال کی طلب میں مگن رہیں تو یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کے عتاب کے حقدار ہو جاتے ہیں۔ سوم یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کا مال جمع کرنے سے یہ تو ہو سکتا ہے کہ ہم دنیا میں کوٹھیوں اور کاروں کا لطف اٹھائیں مگر مرنے کے فوراً بعد ہی قبر میں عذابِ الٰہی میں گرفتار ہونا عین ممکن بات ہے۔ بے نمازی اور بے دینی میں الجھے ہوئے لوگوں کا تو چند روز کے بعد ہی قبر میں جسم گل سڑ جاتا ہے اور قبر میں جاتے ہی فرشتے عذاب قبر پر مقرر کر دیئے جاتے ہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ دن بھر میں انسان پانچ وقت کی نماز نہ پڑھنے کے باعث طرح طرح کی سزاؤں میں گرفتار ہو جائے حالانکہ پانچ وقت کی نمازوں میں صرف ۴۰/۳۵ منٹ ہی درکار ہوتے ہیں۔ اس ذرا سی بات پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لے لینا کس قدر حماقت کی بات ہے۔

حرف آغاز

از مصنف

اسلام میں نماز کو دین کا ستون ہونے کی حیثیت حاصل ہے اور یہ وہ رکن ہے جس پر دین کی پوری عمارت کا بوجھ سنبھالنے کی اہم ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس قدر بنیاد درست ہوگی اسی قدر عمارت نہ صرف پختگی حاصل کرے گی بلکہ اس کی خوبصورتی اور دلکشی کا انحصار بھی اس کی بنیادوں کی ساخت پر موقوف ہوگا۔ کسی چیز کا حسن اس کی حقیقت کے کمال اور اس کے اندر موجود عمدگی اور خصوصیات پر مدار کرتا ہے۔ بنابریں اگر نماز میں وہ تمام خصوصیات اور کمالات موجود ہوں جو اللہ تعالیٰ نے نماز کو ودیعت فرمائے ہیں، تو ایسی نماز بلاشک وشبہ نماز کے حُسن اور رزیبائی کا سبب بنے گی۔ مصنف نے اس کتاب میں نماز کی ان تمام خوبیوں اور روحانی پہلوؤں کو قارئین کے پیش نظر کیا ہے اور اگر کوئی نمازی اپنے اندر ان خوبیوں کو سمیٹ لے تو یقیناً اس کا یہ روحانی انداز نماز کا حُسن بن کر نمازی کی روح اور جسم کو ضوفشاں کر دے گا۔ ایسے نمازی کی شکل وصورت سے ہر خاص و عام کی نظروں کو اس کی ذات کے نہایت حسین وجمیل اور روح پرور کمالات و جمالات کے جلوے ضوفشانی کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ اس کتاب کا نام ''حُسنِ نماز'' کتاب کی ان تمام ضیاء پاشیوں کی ہی عکاسی کرتا ہے۔

عصرِ حاضر کی روش کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ فرمان نظروں کے سامنے سے گزر جاتا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے ''میری امت کو زوال نہیں آئے گا اور اگر آئے گا تو دو باتوں سے، ایک مال کی محبت اور دوسرا موت کا خوف''۔ ایک اور مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ'' مجھے اپنی امت پر کثرت مال کا زیادہ فکر ہے'' یعنی کثرتِ مال سے ان کے دلوں سے دین کی محبت نکل جائے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آج وہ وقت آچکا ہے کہ مسلمانوں نے اپنی توجہات کا مرکز مال کی محبت اور سامانِ تعیّش کی فراہمی کو بنا رکھا ہے اور وہ مادی دنیا کے حصول میں اس قدر انہماک رکھتے ہیں کہ دینِ اسلام کا خیال و احترام کرنا تو ایک طرف وہ انسانیت کے بنیادی اصولوں اور اخلاقی رواداری کو بھی قطعاً فراموش کر چکے ہیں۔ پاکستان کی ہی بات نہیں، بلکہ پورے عالمِ اسلام کے لوگوں کے دلوں میں جذبۂ عیش و عشرت اور طلبِ مال کی خواہش کچھ اس طرح سما چکی ہے کہ اب ان کو کسی صدا اور ندا کی طرف دھیان دینے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

راقم الحروف یہ سمجھتا ہے کہ آج ہر صاحبِ علم، متمول اور ممتاز حیثیت رکھنے والے صاحبِ اختیار افسروں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ عوام کی بڑھتی ہوئی دینی بے رغبتی کا اندازہ لگاتے ہوئے اس مہلک مرض کی طرف بذاتِ خود متوجہ ہوں اور اپنے مال و جان کے ذریعے ایسے ذرائع اختیار کریں جن کے اثر سے لوگوں کے دلوں میں پھر سے دین کے ساتھ منسلک ہونے کا جذبہ پیدا ہو سکے۔ افسوس کی بات تو یہی ہے کہ اس زمانے

میں قوم کی اصلاح کا خیال کسی کے دل میں آیا ہی نہیں۔ اس بات میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اگر علماء اور مقتدر حضرات مل کر لوگوں کو اللہ کے دین کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا بیڑہ اٹھائیں تو چند سالوں میں مسلمانوں کا یہ مرض کورنگاہی اور دین کی طرف سے غفلت برتنے کا رویہ ختم ہوسکتا ہے۔ اس فقیر نے علماء اور مقتدر حضرات کو اس کی ذمہ داری سنبھالنے کی تجویز اس غرض سے پیش کی ہے کہ قوم کے اس موذی مرض کے علاج کیلئے اعلیٰ تعلیمی معیار کے حامل، اعلیٰ درجہ کے صاحبِ اختیار افسران اور صاحبِ حیثیت متموّل و مخیر حضرات یقینی طور پر اپنی بلند مرتبت اور بلند صلاحیتوں کے بل بوتے پر زیادہ مؤثر اور کارآمد کردار ادا کر سکتے ہیں۔ حضرت مجدّد الف ثانی ؒ نے انہی وجوہات کی بنا پر کہا کہ ایک بڑے آدمی کی اصلاح، اصلاحِ کثیر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سلسلے میں صاحبِ مقتدر حضرات کیلئے لازم ہے کہ ملک کے مختلف علاقوں میں ایسے مراکز قائم کریں جہاں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو دینی معلومات اور ایسا فہم و ادراک عطا کیا جائے جس کے سننے سے ان کے دلوں میں یکدم انقلاب پیدا ہو جائے۔ قارئین کی اطلاع کیلئے یہ بات عرض کی جاتی ہے کہ اہلِ دردلوگوں کو اس بات کا تجربہ ہے کہ اگر ایک دو گھنٹوں کیلئے دین سے غافل لوگوں کو رموزِ اسلام سے آگاہ کیا جائے تو بے دریغ اور بلا تاخیر ان کے اندر انقلابی طوفان پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ قوم صرف لاعلمی کی زد میں آچکی ہے اور ان کا تصور صرف یہ ہے جو علامہ اقبال ؒ نے حسبِ ذیل شعر میں بیان کیا ہے۔

پانی نہ ملا زمزمِ ملت سے جو اس کو — پیدا ہیں نئی پود میں اِلحاد کے انداز [۳]

یہ فقیر اپنے ملک کے صاحبِ اقتدار اور متموّل حضرات سے گزارش کرتا ہے کہ وہ اس ذمہ داری کو سمجھیں تا کہ ان کی معمولی سی توجہ سے ملک میں اس نوعیت کے مراکز قائم کئے جا سکیں۔ ایسے مراکز قائم کرنے کیلئے مالی تقاضے تو کچھ زیادہ نہیں البتہ ان مراکز کا اثر فوری طور پر رونما ہوسکتا ہے بشرطیکہ کچھ لوگ اس طرف متوجہ ہو جائیں۔ اس کتاب میں بیان کردہ مضامین اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اگر مسلمان نماز میں موجود روحانی مقاصد کو سامنے رکھیں تو ان کی نماز میں وہ کمالات پیدا ہو جاتے ہیں جن کو اقامۃ الصلوٰۃ کا نام دے کر قرآن اور احادیث میں مسلمانوں پر پیش کیا ہے اور ایسے نمازیوں پر اللہ تعالیٰ اپنے خاص عنایات و کرامات کا وعدہ فرماتا ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اس دور کے چند وہ لوگ جو نماز کو صرف رسمی طور پر ادا کرتے ہیں نماز سے حاصل ہونے والے کمالات اور فوائد سے محروم رہتے ہیں۔ اس کتاب میں نماز میں موجود تمام کمالات اور روحانی ضروریات کو بہت واضح کر کے پیش کیا گیا ہے تا کہ نماز کا مطلوبہ معیار قائم ہو سکے۔

یہ کتاب ان لوگوں کیلئے ایک نایاب تحفے کی حیثیت رکھتی ہے جو اقامۃ صلوٰۃ کے معنوں کو سمجھ کر نمازی بننے کی صلاحیت پیدا کرنا چاہتے ہیں اور ان نمازیوں کیلئے بھی یہ کتاب نہایت سود مند ثابت ہو گی جو اپنی نمازوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے مطلوبہ معیار پر لانا چاہتے ہیں۔ دیکھیں کس کو اللہ تعالیٰ یہ سعادت عطا فرماتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

خاکِ راہِ صاحب دلاں

عبداللطیف خان نقشبندی (رحمۃ اللہ علیہ)

باب نمبر ا

حسن نماز

تعارفی حروف

وہ عبادت جو حدیث کی رو سے حضرت سیدنا محمدِ مصطفیٰ ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار پائی ہو،[1] اس کا اسلام میں سب سے افضل، پسندیدہ اور اہم ہونا کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ اسلام میں نہایت اہمیت کا حامل رُکن اور تمام عبادات کی پیش رو نماز ہے۔ اسی بناء پر اسے دین کا ستون قرار دیا گیا ہے۔ حضرت مجدد نے فرمایا کہ ''نماز تمام عبادات کی جامع ہے اور یہ وہ جزو ہے جس نے جامعیت کے سبب کل کا حکم پیدا کر لیا ہے اور تمام مقرب اعمال سے برتر حیثیت کی حامل ہے''۔

نماز کی ظاہری صورت تو معروف ہے اور باطنی صورت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ سے جب پوچھا گیا کہ نماز کا فرض کیا ہے تو فرمایا ''مخلوق سے تعلقات کا توڑنا، قصد کا جمع کرنا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا''۔ عوام کے علم میں اس بات کا اضافہ کرنے کیلئے کہ نماز کو کیونکر تمام عبادات کا مغز اور سب سے اہم عبادت قرار دیا گیا ہے اور یہ کہ دیگر تمام عبادات سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا قرب نماز کے ذریعے کیونکر حاصل ہوتا ہے، اس کی وضاحت اس کتاب کے آئندہ ابواب میں تفصیلاً سپردِ قلم کر دی گئی ہے۔ اس ضمن میں فضائل نماز کا مختصر تعارف ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ دنیا میں اگر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوسکتا ہے تو وہ محض نماز کے ذریعے ہی ممکن ہے، کسی اور عبادت میں ایسا قرب ممکن نہیں۔ اس لیے کہ جو رؤیتِ باری تعالیٰ حضور اکرم ﷺ کو معراج کی رات نصیب ہوئی اور اس میں جو بہشت کی سیر میسر ہوئی وہ فدایانِ محمد ﷺ کو آپ ﷺ کے طفیل آج بھی نماز میں ملتی ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا ''اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ''[2] (نماز مومنوں کی معراج ہے) خصوصاً جو لوگ سرورِ کائنات ﷺ کی شریعت مطہرہ کے کامل متبع ہیں ان کو اس جہان میں معراج کی دولت کا فیضان نماز میں حاصل ہو جاتا ہے اگرچہ رؤیتِ حق حاصل نہیں ہوتی کیونکہ یہ جہان رؤیت کی طاقت نہیں رکھتا۔

نماز کو غمزدوں کی غم گسار، بیماروں کیلئے راحت اور آنکھوں کیلئے ٹھنڈک کہا جاتا ہے کیونکہ جب نمازی نماز میں داخل ہو جاتا ہے تو اس دنیا میں ہوتے ہوئے بھی اگلے جہاں کی لذتوں سے بہرہ مند ہوتا ہے۔ روایات میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ دنیا کے مصائب سے جب گراں بار ہوتے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ''اَرِحْنِیْ یَا

---

[1] مرقاۃ المفاتیح، ملا علی القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، جلد ۲ صفحہ ۵۷۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔

[2] مرقاۃ المفاتیح، جلد ۲، صفحہ ۵۷۹۔

بِلَالُ بِالصَّلٰوۃِ''[1] (اے بلال ہمیں (اذان سے) نماز کی راحت عطا کرو) اس طرح جب آپ ﷺ نماز کی حالت میں ہوتے تو پھر وہی قربِ الٰہی محسوس کرتے جو بوقت معراج آپ ﷺ کو نصیب ہوا تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان نہ کوئی مقرب فرشتہ ہوتا اور نہ ہی کوئی اور واسطہ۔ حضرت مجدد الف ثانی ؒ نے عاشقانِ الٰہی کی ترجمانی کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے کہ اگر نماز کا حکم اس دنیا میں نہ ہوتا، تو چہرۂ مقصود سے نقاب کون اٹھاتا اور طالب کی مطلوب کی طرف راہنمائی کون کرتا؟

نماز کا باقی عبادات حج، زکوٰۃ، روزہ وغیرہ سے اعلیٰ اور ارفع ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کی فرضیت محض کسی آیتِ قرآنی کے نزول سے نافذ نہیں ہوئی بلکہ اس کو امتِ محمدیہ ﷺ پر فرض قرار دینے کیلئے اللہ تعالیٰ نے سرورِ کونین فخر موجودات ﷺ کو آسمان پر ہی نہیں بلکہ عرشِ معلیٰ پر بلا کر اپنی حضوری میں نماز ادا کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ نماز کی اس خصوصیت کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ نماز جیسی خاص الخاص عبادت کی ادائیگی بھی کوئی ایسی معمولی بات نہیں جس کو کوئی از خود اخذ کر سکے اور بغیر کسی کی راہنمائی کے ٹھیک طریقے سے ادا کر سکے۔ یاد رہے کہ نماز کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، جس کو آئندہ ابواب میں واضح کر دیا گیا ہے۔ نماز کی صحیح ادائیگی کیلئے ظاہری اور باطنی آداب کا سیکھنا ضروری ہے کیونکہ ظاہری نماز تو علمِ ظاہر کی محتاج ہے اور نماز کے باطن کو علوم باطنی کے بغیر چارہ نہیں (وضاحت کیلئے اس کتاب میں اقامتِ صلوٰۃ کا بیان دیکھیں)۔

نماز محض قیام، رکوع اور سجود وغیرہ کا مجموعہ نہیں، اس کیلئے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونے کے آداب زیادہ اہم ہیں اور یہ آداب ان لوگوں سے سیکھے جاتے ہیں جو روحانی علوم کا مکمل فہم و ادراک رکھتے ہوں چنانچہ ان اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنا نماز اور دیگر عبادات کی صحیح ادائیگی کیلئے ضروری ہے۔ صحابہ کرام نے اس طریقے کو بواسطۂ رسالتِ مآب ﷺ سے سیکھا اور خواص کو آپ نے نماز کے روحانی پہلوؤں کی تعلیم، دیگر صحابہ کرام سے الگ، گوشۂ تنہائی میں عطا فرمائی۔ حضور ﷺ کے بعد یہ سلسلۂ تعلیم جاری و ساری رہا اور اس علم کو اسلام میں روحانیت یا علمِ تصوف سے منسوب کیا جانے لگا۔ نماز کو ان ظاہری اور باطنی شرائط کے ساتھ ادا کرنے کو قرآن میں ''اقامت صلوۃ'' (نماز قائم کرنے) کے الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے اور کسی مقام پر نماز کے محض پڑھ لینے کا ذکر نہیں فرمایا۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نماز سیکھی اور انہوں نے حضور ﷺ سے اس کو سیکھا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی نماز ایسی تھی گویا لکڑی ایک جگہ گاڑھ دی گئی ہو اور چڑیاں آکر ان کی کمر پر بیٹھ جاتیں۔ ایسی نماز دل کی گہرائیوں اور یادِ الٰہی میں ڈوب جانے کے بغیر ادا نہیں ہوسکتی۔

وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی | اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

---

[1] مسند احمد، حدیث ۲۲۰۰۹، جلد ۷، ۴، صفحہ ۶۲۔

سنی نہ مصر و فلسطین میں وہ اذاں میں نے — دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب (۴)

اس روحانی تعلیم کی ابتداء ذکر الٰہی سے کروائی جاتی ہے کیونکہ جب تک دلوں کی کثافتوں کو ذکرِ الٰہی سے دور نہ کیا جائے اس وقت تک قلبِ انسانی بارگاہِ الٰہی کے جمال کا مشاہدہ کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ اس روحانی تعلیم میں دیگر باتوں کے علاوہ سالک کو یہ بھی باور کرایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نماز میں اپنا جمال، بالواسطہ دل کی آنکھوں سے، بندوں کو عطا فرماتا ہے اور اس دیدار سے انسان کو حقیقی دیدار (معراج) جیسا لطف حاصل ہوجاتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی ؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح کعبۃ اللہ کی ایک صورت ہے اسی طرح اس کی ایک حقیقت بھی ہے۔ کعبۃ اللہ کی حقیقت انوارِ ذات باری تعالیٰ کی بے کیف اور بے رنگ پردوں کی صورت میں نظر آتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ انسان کی بھی ایک صورت (جسم) ہے اور ایک حقیقت (روح) ہے۔ آپ نے مکتوبات ربانی میں اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ کعبۃ اللہ کی ظاہری صورت تمام ملائکہ، جنات اور انسانوں کے ظاہر کیلئے مسجود الیہ ہے اور ان مخلوقات کی حقیقتوں کیلئے (یعنی ان کی ارواح کیلئے) کعبۃ اللہ کی حقیقت مسجود الیہ ہے۔ گویا نماز میں کعبۃ اللہ کی حقیقت، حقائق کونی و مکانی (ملک، جن و بشر کی حقیقتوں) اور حقائق الٰہی کے درمیان برزخ ہے یعنی حقیقتِ انسانی، حقیقت کعبہ کو درمیان میں رکھتے ہوئے حقائق الٰہی کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہے۔ اس طرح انسان دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔ نماز کو بار بار اس لیے ادا کیا جاتا ہے تا کہ بالواسطہ دیدار الٰہی کی مشق ہوتی رہے اور اس کے بعد ایسا وقت آجاتا ہے کہ انسان ہمہ وقت بلا واسطہ جمال الٰہی کے جلوے لوٹتا ہے۔ اسی دوامِ قرب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت ابو سعید ابوالخیر ؒ نے فرمایا ''اَلتَّصَوُّفُ قِیَامُ الْقَلْبِ مَعَ اللّٰہِ بِلَا وَاسِطَۃٍ '' (تصوف بندے کے دل کا اللہ کے ساتھ بلا واسطہ قائم ہوجانے کا نام ہے)۔ حضرت امداد اللہ مہاجر مکی ؒ شرح مثنوی میں یہ روایت لائے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''طریقت میرے اعمال، حقیقت میری باطنی کیفیت اور معرفت میرا راز ہے''۔[۲] چنانچہ طریقت کی دعوت حقیقت میں شریعت کی اتباع کے سوا کچھ نہیں۔

درج بالا حقائق سے روشناسی اور کیفیات قلبی کے پیدا کرنے کی ضرورت ایک اور حدیث سے بھی محسوس ہوتی ہے جیسے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''دو آدمیوں کی نماز کے اجر میں اتنا فرق ہوسکتا ہے جتنا کہ رائی اور پہاڑ میں فرق ہوتا ہے اور یہ فرق ان کی عقلوں اور نماز کی ادائیگی میں فرق کی وجہ سے ہوگا''۔[۳] حضرت داتا گنج بخش ؒ نے کشف المحجوب میں فرمایا ہے کہ جس نے اہل تصوف کی دعوت سنی اور اسے نہ مانا تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غافلین میں سے لکھا جاتا ہے۔ اسلامی روحانیت کی علوِ مرتبت کے باعث راقم الحروف نے ایک کتاب ''اسلام و روحانیت اور فکر اقبال'' کے نام سے بالتفصیل لکھ دی ہے تا کہ عوام کو اسلامی روحانیت سے کچھ

---

۱ کشف المحجوب، علی بن عثمان الہجویری، صفحہ ، ناشر نشان منزل پبلیشرز، لاہور۔

۲ تخریج احادیث الاحیاء، امام العراقی، متوفی ۸۰۶ھ، حدیث ۱۹۹۴، جلد ۹، صفحہ ۱۹۹، بیروت۔

۳ کنز العمال، علاؤالدین علی المتقی، متوفی ۹۷۵ھ، حدیث ۹۰۴۹، جلد ۳، صفحہ ۱۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

آگاہی ہو سکے۔ یہ کتاب زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے۔

اصلِ طریقت چونکہ شریعت کی مکمل طور پر اتباع کرنا ہے لہٰذا اس کے ذریعے عبادات کی ٹھیک ادائیگی کا علم حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشائخ کبار میں سے ہر ایک نے اس علم کو سیکھا۔ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح باقی علوم فرض ہیں اسی طرح علم سلوک بھی فرض ہے۔ آپ نے اس علم کو علمِ احوال القلب سے موسوم فرمایا ہے۔ حضرت شاہ عبدالحقؒ نے امام مالکؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "جس نے فقہ کے بغیر تصوف کو حاصل کیا وہ زندیق ہوا اور جس نے تصوف سیکھے بغیر فقہ کا علم حاصل کیا وہ فاسق ہوا اور جس نے ان دونوں (فقہ اور تصوف) کو ملایا وہ محقق ہوا"۔ البتہ جو لوگ شرعی احکام کی اتباع نہیں کرتے اور تصوف کے دعویدار بنتے ہیں وہ اپنے دعوے میں جھوٹے اور دین کے چور ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ ایسے لوگوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "ان کو یہ معلوم نہیں کہ کسی ایک فرض کا ادا کر دینا ان کے ایسے ہزاروں چلوں سے بہتر ہے جو شریعت مطہرہ کے دائرہ سے خارج ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک فرض کی ادائیگی کو اگر سمندر تصور کر لیا جائے تو اس کے مقابلے میں ایسے غیر شرعی چلے اور نوافل ایک قطرے کی بھی حیثیت نہیں رکھتے"۔ آپ کی اس عبارت سے فرائض کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ فرض نماز خدا کے ہاں اس قدر مرغوب ہے کہ حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ نماز سے افضل کوئی درجہ نہیں اور اگر ہے تو خدا کا مرتبۂ تجرد اور تنزہ یعنی خدا کی معبودیت کا درجہ ہے۔

نزہتہ المجالس میں ہے کہ نماز معراج کی شب مکہ مکرمہ میں فرض ہوئی اور یہ معراج کی سوغات ہے۔

"شرح اولیٰ مہذب" میں ہے کہ جو شخص نماز اور روزہ میں سے کسی کی کثرت کرنا چاہے تو نماز کی کثرت اولیٰ ہے۔ علامہ علائیؒ نے سورۂ عنکبوت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ نماز موحدین کی شادی ہے، اس میں رنگ رنگ کی عبادات مجتمع ہیں جیسے شادی میں رنگ رنگ کے کھانے مجتمع ہوتے ہیں، اس میں قیام، رکوع و سجود اور قعدہ کے علاوہ تسبیح، تہلیل، تحمید، تکبیر اور سلام وغیرہ کی صورت میں بہت سی عبادات جمع ہیں جن کی ادائیگی رضائے خداوندی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا فرمائے اور انہیں فرشتوں سے بھر دیا۔ ہر آسمان والے مختلف عبادات کرتے ہیں اور ایک گھڑی بھر کا تساہل نہیں کرتے۔ کوئی فرشتہ قیام میں، کوئی سجود میں اور کوئی تعوذ میں ہے اور کچھ فرشتے طوافِ عرش، حمد، تسبیح اور دعا وغیرہ میں مشغول ہیں۔ جبکہ اس امت کی فضیلت کا اظہار کرنے کیلئے ان تمام عبادات کو ایک نماز میں جمع کر دیا ہے تاکہ آسمان والوں کی ہر عبادت کا حصہ نمازی کو ملتا رہے، بلکہ تلاوتِ کلامِ پاک کی مزید توفیق عطا فرمائی اور مسلمانوں کو کہا کہ ان عنایاتِ الٰہی پر تم شکر کرو۔ ذرا اور غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ نماز میں تمام مخلوقات کی عبادت بھی جمع ہے کیونکہ اس میں درختوں کا قیام، چوپایوں کا رکوع، رینگنے والے سانپ اور بچھو کا سجدہ، مینڈک وغیرہ کا قعدہ، چٹانوں کا سکوت، پرندوں کا نزول اور عروج غرضیکہ ہر شے کی عبادت کا نمونہ نماز میں موجود ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ "جو پانچوں نمازوں کو مکمل شرائط کے ساتھ ادا کرتا ہے تو اس کے ساتھ اللہ کا

وعدہ ہے کہ وہ اس کو امن و امان میں رکھے گا اور اسے ہر کام میں نصرتِ الٰہی حاصل ہو گی''۔[1] مسلمان اگر گناہ کبیرہ سے کنارہ کش رہے تو باقی تمام گناہوں کیلئے یہ پانچ نمازیں کفارہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ایک حدیث میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ ''نماز جنت کی کنجی ہے'' [2]۔ منیتہ المصلی میں ہے کہ ہر چیز کی ایک علامت ہوتی ہے اور نماز ایمان کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کے بعد نماز سے بڑھ کر کسی محبوب تر چیز کو اپنے بندوں پر فرض قرار نہیں دیا اور اپنی جتنی بخششوں اور رحمتوں کے خزانے اس عبادت کیلئے مخصوص فرمائے ہیں اور کسی عبادت کیلئے مخصوص نہیں فرمائے۔ قرآن مجید میں نماز کا تذکرہ سات سو بار سے زائد آ چکا ہے اور جتنی تاکید اس نماز کیلئے مخصوص فرمائی کسی اور عبادت کیلئے ایسی تاکید نہیں فرمائی۔ اتنی بلند مرتبت عبادت ہونے اور بے پناہ برکات اور فیوضاتِ ربانی کی حامل ہونے کی بناء پر نماز کے بیان کو زیرِ نظر کتاب میں مکمل تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے تا کہ ہر مسلمان نماز کے مقام سے آگاہی حاصل کر سکے اور ایسی انمول عبادت سے کوئی بھی مسلمان محروم نہ رہے۔ امید قوی ہے کہ جو حضرات اس کتاب کا شوق اور طلبِ صادق سے مطالعہ کریں گے وہ انشاء اللہ ضرور نماز کی طرف ہدایت پائیں گے بشرطیکہ کوئی اپنی کوتاہی قسمت کے باعث ازل سے ہی محروم نہ ہو۔

ایسی روایات کثرت سے پڑھنے اور سننے میں آئی ہیں جن میں نماز تمام بیماریوں سے شفا، مصیبتوں سے نجات اور ہر بلا کے دور ہو جانے کا ذریعہ قرار دی گئی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے ''وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ'' (مصیبتوں میں صبر اور نماز سے کام لو) (البقرہ:۴۵)۔ بارش، قحط، مرض، سورج اور چاند گرہن میں نمازِ حاجت پڑھی جاتی ہے۔ احادیث نبوی ﷺ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نصف شب کے اخیر میں اور کو دن کی نماز پر اس طرح فضیلت ہے جیسے پوشیدہ خیرات دینے والے کو کھلے بندوں خیرات دینے والے پر فضیلت ہے۔ ایک حدیث کے مطابق ''جو شخص رات کو نوافل ادا کرتا ہے دن کے وقت اس کا چہرہ چمکتا ہے''۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ ''رات کی ایک رکعت دن کی دس رکعتوں سے افضل ہے''۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''کسی بندے کو اللہ کی طرف سے کوئی عطا اس سے بہتر نہیں دی گئی کہ اس کو دو رکعت نماز کی توفیق ہو جائے''۔[3] آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ''مَنْ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيْهِمَا نَفْسَهٗ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِهٖ''[4] (جس شخص نے نماز کی دو رکعت پڑھیں اور اس کے نفس نے دنیا کی کوئی بات نہیں کی تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ جو پہلے کئے گئے ہوں بخش دیتا ہے)۔

ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ ''دو رکعت نماز ادا کرنے سے انسان کو فرشتوں کے دو پروں کے برابر روحانی

---

[1] قوت القلوب، شیخ ابوطالب المکی، جلد ۲، صفحہ ۳۵۶، غلام علی سنز، لاہور۔

[2] سنن ترمذی، محمد عیسیٰ الترمذی، متوفی ۲۷۹ھ، حدیث ۴، جلد ۱، صفحہ ۱۰، داراحیاء التراث، بیروت۔

[3] سنن ترمذی، حدیث ۲۹۱۱، جلد ۵، صفحہ ۱۷۶۔

[4] صحیح بخاری، حدیث ۱۶۲، جلد ۱، صفحہ ۷۲۔

پرواز کی طاقت مل جاتی ہے"۔ اور کثرتِ عبادت سے انسان کو نورانی صفات میں کمال حاصل ہو جاتا ہے جس کے باعث اس میں فرشتوں جیسی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اطباء کا قول ہے کہ وضو کرنے والا دماغی بیماریوں میں کم مبتلا ہوتا ہے۔ ایک بہت بڑے ڈاکٹر کا تجربہ ہے کہ نمازی کا حافظہ تیز ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی نماز کے ساتھ گلوٹیمک ایسڈ جو دماغ کو آکسیجن سپلائی کرتا ہے، کا استعمال رکھے تو یہ دونوں چیزیں حافظہ کیلئے اکسیر ہیں۔ روایات میں ہے کہ تلی اور جنون کے امراض کیلئے نماز ایک علاج ہے۔ حضرت مجددؒ نے مکتوبات میں نماز کی حرکات وسکنات کو بے شمار حکمتوں اور فوائد کا خزینہ ہونا لکھا ہے۔ اطباء نے صرف مسواک میں ستر بیماریوں کا علاج ہونا ثابت کیا ہے۔

نماز کی اغراض وغایات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بندہ اللہ کے حضور پانچ مقررہ اوقات پر حاضری دیتا رہے اور نماز میں خشوع وخضوع حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کرے۔ ایک پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ "جب تم نماز پڑھو تو مجھے اپنے قلب کا خشوع وخضوع، اپنے جسم کی نیازمندی اور اپنی آنکھوں کے آنسو نذر میں پیش کرو تو اس وقت تم مجھے اپنے قریب پاؤ گے"۔ کہا گیا ہے کہ اگر نماز خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھی جائے تو اس سے زیادہ معرفتِ الٰہی کسی اور چیز میں نہیں ہے۔ ایک حدیث میں رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ "صَلٰوۃُ الرَّجُلِ فِیْ بَیْتِہٖ نُوْرٌ فَنَوِّرُوْا بُیُوْتَکُمْ"[1] (گھر میں نماز پڑھنا نور ہے (یعنی سنتیں اور نفل) اور فرمایا کہ اپنے گھروں کو نور سے چمکایا کرو)۔ روایات میں یہ بھی ہے کہ اللہ کا ذکر اور قرآن کی قرات جن گھروں میں ہو تو وہ گھر آسمان سے یوں نظر آتے ہیں جیسے زمین پر آسمان کے ستارے چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ نماز کی اہمیت کو تاجدارِ مدینہ ﷺ نے یوں بیان فرمایا کہ جو نماز نہیں پڑھتا اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔ دیلمی اور ابن ماجہ میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے "وَاعْلَمُوْا اَنَّ خَیْرَ اَعْمَالِکُمُ الصَّلٰوۃُ"[2] (جان لو کہ تمہارے اعمال میں سب سے بہتر نماز ہے)۔

کتاب المغنی میں ہے کہ نماز مسلمان کے دل میں ایمان کو واضح کرتی ہے۔ نماز سے افلاس اور تنگدستی کا دور ہونا اور رزق میں برکت ہونا بھی مروی ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "یَا اَبَا ھُرَیْرَۃَ مُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ فَاِنَّ اللہَ یَاْتِیْکَ بِالرِّزْقِ مِنْ حَیْثُ لَا تَحْتَسِبُ"[3] (اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو، پس اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے تمہارا گمان بھی نہ ہوگا)۔

ان تمام خوبیوں کی حامل ہونے اور رسول اللہ ﷺ کی محبوب اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہونے کی وجہ سے اس عبادت کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ نماز کو ہر زمان ومکاں میں فرض کیا گیا۔ کوئی بوڑھا ہو یا جوان، صحیح ہو یا

---

[1] سنن ابن ماجہ، حدیث ۱۳۶۵، جلد ۴، صفحہ ۲۸۳۔

[2] سنن ابن ماجہ، حدیث ۲۷۷، جلد ۱، صفحہ ۱۰۱۔

[3] المغنی، ابوالفضل العراقی، متوفی ۸۰۶، حدیث ۳۷۶، جلد ۱، صفحہ ۱۰۰، مکتبۃ التربیۃ، الریاض۔

شام، بیماری ہو یا آرام، خشکی ہو یا تری، سفر ہو یا حضر، مریض ہو یا تندرست، عیش و فراغت ہو یا تنگدستی، بڑا ہو یا چھوٹا، امیر ہو یا غریب ہر ایک کیلئے اس کو فرض قرار دیا اور سوائے معذور[1] کے کسی پر اس کو ساقط قرار نہیں دیا۔ اس عبادت کو جامع کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ہر عبادت خواہ وہ حج ہو یا روزہ، زکوٰۃ ہو یا صدقات، ایمان ہو یا شہادت تمام اس میں موجود ہیں (اس کی تفصیل اس کتاب کے مختلف ابواب میں دے دی گئی ہے) اس عبادت کو قولی، فعلی اور قلبی ہونے کا درجہ حاصل ہونے کے علاوہ صوری اور معنوی عبادت کی حیثیت بھی حاصل ہے جو اسے ہر پہلو سے ایک کامل تر عبادت بنا دیتی ہے۔

قلب و روح کی تسکین اور اطمینان کے علاوہ روحانی اور جسمانی مریضوں کی شفاء، مصائب سے چھٹکارا اور آرام کا حاصل ہونا نماز سے ہی ممکن ہے۔ اگرچہ اس امت کی نماز کی شکل کچھ اور ہے مگر نماز کا ہر امت کیلئے فرض ہونا قرآن سے واضح ہوتا ہے۔ سورۂ انبیاء آیت ۷۳ میں نماز کا ذکر چند انبیاء کرام علیہم السلام کے نام لینے کے بعد یوں لکھا گیا ہے: ''وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ'' (اور ہم نے ان کی طرف نیک کام کرنے اور نماز قائم کرنے کی وحی کی تھی)۔ سورۂ مریم آیت ۵۹ میں فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر انعامات کئے گئے مگر ان کی امتوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور خواہشات کی پیروی کی۔ ''فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا'' (تو ان کے بعد ان کی جگہ وہ ناخلف لوگ آئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور اپنی خواہشات کی پیروی کی تو عنقریب وہ دوزخ میں غیکو پائیں گے)۔

تفاسیر میں ہے کہ سجدہ اور رکوع کو، جو نماز کی روح اور نیاز الٰہی کی انتہائی منزل ہے، یہود و نصاریٰ نے مشکل ہونے کے باعث اور تکلیف دہ سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ انہوں نے اس طرح نہ صرف نماز کو ہی چھوڑ دیا بلکہ نماز کی ظاہری شکل و صورت کو بھی بگاڑ دیا۔ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کی موجودہ شکل تمام گزشتہ نمازوں سے افضل اور اکمل ہے۔

نماز وہ عبادت ہے کہ اس سے دین استوار ہوتا ہے اور بنیادیں قائم ہوتی ہیں، اس لیے نمازی پر شیطان بہت کڑی نظر رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ لوگ نماز کو ترک کر دیں۔ ایک حدیث کا ذکر سمرقندی نے یوں کیا ہے کہ جب نماز نازل ہوئی تو ابلیس چیخ اٹھا اور اس کی فوج جمع ہو گئی۔ پھر اس نے ان سے مشورہ کیا کہ کیا تدبیر کی جائے جس سے نماز کو مسلمانوں میں ختم کر دیا جائے۔ ابلیس نے کہا کہ ان کو نماز کے وقتوں سے غافل کر کے دیگر فضول کاموں میں مشغول رکھا جائے۔ مگر ابلیس کی فوج نے کہا کہ ہم ایسا نہ کر سکیں گے، ان کے اس جواب پر ابلیس نے کہا کہ اچھا اگر کوئی نماز پڑھنے لگے تو اسے گھیرے میں لے لو اور اس کو ادھر ادھر دیکھنے کو کہو اور اس کو ''جلدی کر، جلدی کر، جلدی کر'' کہو کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کیلئے یہ نماز بہت اجر والی لکھی جائے گی۔ چنانچہ نماز کو ترک کرنے کیلئے شیطان طرح طرح کے وسوسے دل میں ڈالتا ہے اور دنیاوی کاموں میں اتنا مشغول کر دیتا

[1] وہ عذر سات ہیں جن کے باعث ترک نماز پر شارع کی طرف سے مواخذہ نہیں ہوگا۔ ۱۔ مجذوب یا دیوانہ ۲۔ بیہوش ۳۔ حیض ۴۔ نفاس ۵۔ نیند ۶۔ غشی ۷۔ نسیان۔

ہے کہ لوگ نماز کی طرف توجہ نہ دے سکیں اور اس کی انتہائی کوشش یہی ہوتی ہے کہ لوگوں کو نماز سے دور رکھا جائے۔ چنانچہ اس کی اس قدر کوششوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک زمانے میں جو مسجدیں کھچا کھچ نمازیوں سے بھری رہتی تھیں آج وہ خالی نظر آتی ہیں۔ کسی مسجد میں ڈیڑھ صف اور کسی میں دو چار ہی نمازی پائے جاتے ہیں۔

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے[۵]

آپ کسی مسجد میں نمازیوں کی صفوں کو ایک طرف سے کھڑے ہو کر دیکھیں تو نمازیوں کی صف بندی میں جمال وجلال خداوندی کا منظر نظر آتا ہے۔ خدائے قدوس کی شان کے آگے لوگ دست بستہ کھڑے اتنے پروقار نظر آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور عظمتوں کی شان کا اندازہ ہوتا ہے۔ جب وہ رکوع اور سجود کرتے ہیں تو خدا کی بڑائی کے سامنے بندوں کی عبودیت اور عجز و نیاز کی ایک نہایت دلکش منظر کی جیتی جاگتی تصویر دکھائی دیتی ہے اور ایسے منظر کو جب شیطان دیکھتا ہے تو وہ اپنے سر میں خاک ڈالتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ خدا کی نافرمانی سے وہ خود تو راندہ درگاہ و ملعون ہوا اور مسلمان اسی سجدے سے خدا کی رضا و خوشنودی کو حاصل کر رہے ہیں۔ چنانچہ احادیث مبارکہ اور آیات قرآنی کو پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ شیطان کی سب سے بڑی کوشش یہی ہے کہ مسلمانوں کو نماز سے ہٹایا جائے اور وہ اس کوشش میں بہت کامیاب ہے۔ علامہ اقبالؒ نے ابلیس کے انہی خیالات کی ترجمانی اپنے اشعار میں اس طرح فرمائی ہے ؎

میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب — میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوں
میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا — میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں
کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزاں کو سرد — جس کے ہنگاموں میں ہو ابلیس کا سوزِ دروں[۶]

علامہ اقبالؒ ارمغانِ حجاز میں ابلیس کی مجلسِ شوریٰ کے عنوان سے ابلیس کے قول کو یوں لکھتے ہیں ؎

ہے مرے دستِ تصرف میں جہانِ رنگ و بو — کیا زمیں کیا مہر و مہ، کیا آسمانِ تو بتو
ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے — جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ — کرتے ہیں اشکِ سحر گاہی سے جو ظالم وضو[۷]

علامہ اقبالؒ ضربِ کلیم میں ”ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام“ کے عنوان سے یوں لکھتے ہیں ؎

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا — روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج — ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو
اہلِ حرم سے ان کی روایات چھین لو — آہو کو مرغزارِ ختن سے نکال دو[۸]

صحابہ کرام کے دور کو خیر القرون اور ان کی جماعت کو ”خَیْرٌ مِّنْ اَھْلِ الْاَرْضِ“ کہتے ہیں۔ ان کی عزت وعظمت پورے عالمِ اسلام میں مسلّم ہے۔ ان کے مال ومنال، شان وشوکت اور جاہ وجلال سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ اسلامی معاشرہ اس قدر امن وسلامتی کا گہوارہ تھا کہ ایسا امن ان کے بعد

نصیب نہ ہوا اور یہ سب کچھ اُن میں دین کی پابندی کی وجہ سے تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خیر البشر بعد الانبیاء فرما کر اپنے سامنے امام الصلوٰۃ بنایا۔ اس اعزاز کے بعد آپ خلیفۂ اول اور امیر المومنین منتخب ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت یہ کہہ کر کی کہ جب رسول ﷺ نے انہیں ہمارا امام الصلوٰۃ بنا کر ہمارا دین ان کے سپرد کر دیا اور اس پر ہم راضی ہو گئے تو ہمارے لیے پھر دنیا انہیں سونپنے میں کون سی چیز مانع ہوسکتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام دین کی بقاء کو نماز کی بقاء میں اور تمام دین کی اضاعت (ضائع کرنے) کو نماز کی اضاعت میں سمجھا اور خلافت پر متمکن ہو کر پہلا حکم جو جاری کیا اس میں لکھا کہ "اِنَّ اَھَمَّ الْاُمُوْرِ مِنْ دِیْنِکُمْ عِنْدِیْ اَلصَّلٰوۃُ فَمَنْ ضَیَّعَھَا فَھُوَلِمَا سِوَاءَ ھَا اَضْیَعُ"[1] (تمہارے دینی امور میں میرے نزدیک سب سے اہم نماز ہے، جس نے اسے ضائع کیا وہ دوسری طاعات کو اس سے زیادہ ضائع کرے گا)۔

جو لوگ اپنے دین کو نظر انداز کر کے اپنی نظروں کو دنیا حاصل کرنے پر جما چکے ہیں ان کے مقدر میں دونوں جہانوں میں خسارہ لکھ دیا گیا ہے۔ ایسے لوگ خدا کی یاد سے غافل رہتے ہیں اور واصل جہنم ہوں گے۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِھَا وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ" (بے شک جو لوگ ہمارے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پسند کر بیٹھے اور اس پر مطمئن ہو گئے اور وہ جو ہماری نشانیوں سے غفلت کرتے ہیں) (یونس:۷)۔

ایک حدیث میں ہے کہ "جو تھوڑی روزی پر راضی ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کے تھوڑے اعمال پر راضی ہو جاتا ہے"۔ لوگوں کو معلوم نہیں کہ روزی کی کشائش تو عبادت میں ہے۔ حضرت شفیق بلخیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے پانچ چیزیں تلاش کیں اور ان کو پانچ جگہ پایا۔ روزی چاشت میں، قبر کا نور تہجد میں، منکر نکیر کے سوالات کے جوابات قرأت میں، پل صراط سے پار ہونا روزہ اور صدقہ میں اور عرش کا سایہ خلوت میں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں۔ مال وہ جمع کرتا ہے جس کو عقل نہیں، اس میں وہ ظلم کرتا ہے جس کو علم نہیں، اس پر وہ حسد کرتا ہے جس کو سمجھ نہیں، اس کیلئے وہ کوشش کرتا ہے جس کو یقین نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ اگر تو دنیا کو اپنی طرف آتا دیکھے تو یقین کر لے کہ تجھ سے کوئی گناہ ہوا ہے جس کی سزا مل گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ وقت تھے اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ فقیر تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا جمال دیکھا تو دل خلافت سے بیزار ہو گیا۔ مسلمانوں کے زوال کا باعث یہ امر ہے کہ جس فقر پر حضور ﷺ کو ناز تھا اس سے ہم بیزار ہیں اور آج فقر سے بڑھ کر ہمیں کسی چیز سے نفرت نہیں۔ ہم کو اس بات کا یقین نہیں کہ حلال اور صحیح رزق سے پلے ہوئے بچے نہایت ذہین، تابعدار، راست باز اور راسخ العقیدہ ہوتے ہیں اور چٹان کی طرح استقامت رکھتے ہیں۔ عقاب اور شاہین پاک روزی کی قوت سے پہاڑوں اور چوٹیوں کو سر کر لیتے ہیں۔ کاش غریب کو اپنے مقام کی خبر ہوتی۔ عجز کا جو مقام غریب کو ورثہ میں ملا ہے امیر کو ۴۰ سالہ عبادت میں بھی حاصل نہیں ہوتا۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، محمد عبداللہ التبریزی، متوفی ۷۴۳ھ، حدیث ۵۸۵، جلد ۱، صفحہ ۱۸۶، مکتب الاسلامی، بیروت۔

لفظِ نماز کی لغت

نماز کو عربی میں صلوٰۃ کہتے ہیں اور یہ لفظ جن مادوں سے مشتق ہے اس کا مختصر بیان نیچے دیا جا رہا ہے۔

i) صلوٰۃ کا لفظ ''اَلصَّلْیُ'' یا ''صِلَاءٌ'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی آگ سے گرمی حاصل کرنا ہے یا خود کو دوزخ کی آگ سے دور کرنا ہے۔ ''اَلصَّلْیُ'' کے معنی سورۂ نمل کی آیت ۷ میں ''لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ'' (تاکہ تم اس آگ کو تاپو) سے ظاہر ہوتے ہیں۔[1] تفسیر نعیمی میں ہے کہ جس طرح ٹیڑھے بانس کو آگ کی گرمی دے کر سیدھا کیا جاتا ہے، نماز بھی انسان کا ٹیڑھا پن دور کرتی ہے۔ انسان میں نفسِ امارہ کے ہونے کے باعث کچھ کجی پائی جاتی ہے وہ کجی سطوتِ الٰہی اور عظمت ربانی کے شعلوں سے، جو مسلمان کو نماز میں میسر ہوتے ہیں، دور ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انوار اگر براہِ راست کسی چیز پر پڑ جائیں تو وہ جل کر راکھ ہو جائے، اس لیے خدائے تبارک وتعالیٰ نے اپنے اور بندوں کے درمیان ستر ہزار حجابات حائل کیے ہیں۔ ان میں سے کچھ نماز کی حالت میں اٹھا دیئے جاتے ہیں اور ان انوار کی گرمی سے ان کے نفس کی کجی دور ہو جاتی ہے۔ انہی معنوں میں عرب والے بھونی ہوئی بکری کو مَصْلِیَۃٌ کہتے ہیں۔[2]

ii) صَلوٰۃ کے دوسرے معنی لازم پکڑنا کے ہیں جیسے فرمایا ''تَصْلٰی نَارًا حَامِیَةً'' (الغاشیہ:۴) (داخل کیے جائیں گے (لازمی) دہکتی ہوئی آگ میں)۔ چونکہ نماز مسلمان کیلئے لازمی ہے اس لیے اس عبادت کا نام صلوٰۃ رکھا گیا۔

iii) صَلوٰۃ کے تیسرے معنی صَلْوٌ کی نسبت سے ہے جس کے معنی سرین یا پیٹھ کے ہیں۔ چونکہ نماز میں پیٹھ کو حرکت ہوتی ہے اس لیے اس کو صلوٰۃ کہا گیا ہے۔[3] تفسیر نعیمی میں ہے کہ قرآن میں صلوٰۃ کا لفظ پانچ حوالوں سے استعمال ہوا ہے۔

صلوٰۃ کے مزید معنی: لغت میں صَلوٰۃ کے کچھ مزید معنی حسب ذیل الفاظ میں کیے گئے ہیں۔

(i) صَلوٰۃ کا ایک معنی یہ بھی کیا جاتا ہے کہ یہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک ''اَلْوَصَلَۃُ'' (رابطہ) ہے۔ اللہ کی طرف سے بندے کی طرف مواصلت اور عطا صرف متقی کو ہی ملتی ہے اور متقی وہ ہے جس میں خشوع ہو اور اگر ایسا ہو تو اس پر طویل قیام بوجھ نہ بنے گا اور نہ ہی برائی سے بچنا اور نیکی پر چلنا اس کیلئے گراں ہوگا۔

(ii) صَلوٰۃ کا معنی ''بنت اسلام'' میں رخ کرنا، بڑھنا اور قریب ہونا بھی لکھا ہے۔ یہ تمام معنی نماز میں موجود ہیں کیونکہ نماز کے ذریعہ سے ہی انسان اللہ کی طرف رخ کرتا ہے اور بڑھ کر اس کا قرب حاصل کرتا اور رابطہ قائم کرتا ہے۔

قرآن میں صلوٰۃ کا ذکر

قرآن میں صلوٰۃ کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

---

[1] تاج العروس، امام الزبیدی، جلد ۳۸، صفحہ ۴۴۲، دار الھدایہ، بیروت۔

[2] تاج العروس، جلد ۳۸، صفحہ ۴۳۳۔

[3] المغرب فی ترتیب المعرب، جلد ۱، صفحہ ۴۷۹۔

۱) چونکہ عربی اور عبرانی زبان میں اس کے معنی دعا کے ہیں لہٰذا ان ہی معنوں کے ساتھ اسے قرآن میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ جیسے فرمایا ''وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ'' (توبہ:۱۰۳) (اور دعا مانگئے ان کیلئے، بے شک آپ کی دعا ان کیلئے تسکین کا باعث ہے)۔ سورۃ توبہ آیت ۹۹ میں ''صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ'' (رسول ﷺ کی دعائیں) لینے کا بیان ہوا ہے۔ اس لیے نماز کے لفظی معنی خدا سے درخواست اور التجا کے ہوئے۔ ایک جگہ فرمایا ''اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ'' (مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا جو لوگ میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں جائیں گے ذلیل ہو کر) (المومن:۶۰)۔ حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ'' اَلدُّعَآءُ هُوَ الْعِبَادَةُ''[1] (دعا ہی عبادت ہے) تفاسیر میں آیا ہے کہ نماز کے معنی دعا کے ہیں۔ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ نے لکھا ہے کہ نمازی اپنے تمام اعضاء اور جوارح سے اللہ کو پکارتا ہے اور اس کے سب اعضاء اس کی زبان بن جاتے ہیں جس کے ساتھ وہ ظاہراً اور باطناً دعا کرتا ہے۔ اگر وہ خشوع وخضوع سے پکارے گا اور خلوص سے دعا کرے گا تو اللہ بھی اسے جواب دے گا۔ ''اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ'' میں وعدہ قبولیت ہے اور قبولیت کیلئے شرط بھی کوئی نہیں لگائی گئی۔ پس دعا اگر دعا ہے یعنی اس میں خلوص اور صدق ہے اور قلب غیر اللہ کی طرف مشغول نہ ہو تو ضرور قبول ہوگی۔[2]

۲) دوسری جگہ صلوٰۃ کا لفظ تلاوت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے جیسے فرمایا: ''وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا'' (بنی اسرائیل:۱۱۰) (اور نہ نماز میں بہت بلند آواز سے تلاوت کرو اور نہ بالکل آہستہ پڑھو بلکہ درمیانی راہ اختیار کرو)۔

۳) صلوٰۃ کو تیسری جگہ درود و رحمت کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ جیسے فرمایا: ''اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ'' (الاحزاب:۵۶) (بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی مکرم ﷺ پر)۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس جگہ عظمت مصطفی ﷺ کو بیان فرماتا ہے کہ میرے نبی ﷺ کی شان یہ ہے کہ ان پر میں خود درود و رحمت بھیجتا ہوں اور میرے فرشتے بھی)۔

۴) صلوٰۃ کو چوتھی جگہ نوازشوں اور رحمتوں کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ جیسے فرمایا: ''اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ'' (البقرہ:۱۵۷) (یہی وہ خوش نصیب ہیں جن پر ان کے رب کی طرح طرح کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں)۔

۵) سورۃ الحج آیت ۴۰ میں یہود کی عبادت گاہوں کو صلوٰۃ کہا گیا ہے: ''لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا'' (الحج:۴۰) (تو ضرور ڈھادی جاتیں خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے)۔

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۳۳۷۲، جلد ۵، صفحہ ۳۷۴۔

[2] عوارف المعارف، جلد ا، صفحہ ۴۵۵۔

حق بات تو یہ ہے کہ نماز میں یہ تمام چیزیں یعنی ذکرِ الٰہی کی گرمی، دعا، تعریف باری تعالیٰ، قرآن کی تلاوت اور پڑھنے والے پر اللہ کی رحمت وغیرہ شامل ہیں۔ اس لیے صلوٰۃ کا لفظ ان تمام معانی کا جامع ہے۔

اقامتِ صلوٰت (نماز کو قائم کرنا)

قرآن میں نماز قائم کرنے کا بار بار حکم دیا گیا ہے اور جہاں نماز کو خوبی کے ساتھ ادا کرنے کا بیان ہے وہاں اِقَامَتِ الصَّلٰوۃ کا حکم دیا گیا ہے اور مُصَلِّیْنَ کا لفظ صرف منافقین کیلئے استعمال ہوا ہے جیسے فرمایا ''فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۝ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ'' (الماعون: ۴،۵) (افسوس ہے ان نمازیوں پر جو اپنی نماز سے غافل ہیں)۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''اِنَّ الْمُصَلِّیْنَ کَثِیْرٌ وَّالْمُقِیْمِیْنَ لَھَا قَلِیْلٌ''[1] (محض نماز پڑھنے والے بہت ہیں لیکن اس کے حقوق اور فرائض کے ساتھ ادا کرنے والے بہت قلیل ہیں) کچھ لوگوں نے نماز قائم کرنے کے من گھڑت معنی کیے ہیں اور یہ کہا کہ نماز قائم کرنے سے مراد یہ ہے کہ دل میں ہر وقت اللہ کی یاد قائم رہے یعنی اللہ سے دائمی رابطہ یا لگاؤ رکھو اور (نعوذ باللہ) یہ بغیر نماز کے پڑھنے سے بھی قائم ہو سکتا ہے۔ اس طرح کی تاویل کرنا کفر کی طرف لے جاتی ہے کیونکہ اس میں ظاہر نماز کی بھی نفی کی گئی ہے۔ نماز کو قائم کرنے کی وضاحت جو اکثر علماء، مفسرین اور اولیاء کرام ؒ نے کی ہے وہ یہاں بیان کی جا رہی ہے۔ اَقِیْمُوْا کسی شے کو کما حقہ اس کی تمام شرائط کو پورا کرتے ہوئے ادا کرنے کو کہتے ہیں ''اقامت'' کے لفظی معنی ''سیدھا کرنا'' کے ہیں اور جب کہا جائے ''اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃ'' تو اس سے نماز کی ظاہری اور باطنی آداب کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ہمیشگی کے ساتھ پڑھنا مراد ہے۔[2]

نماز کے ظاہری اور باطنی آداب

نماز کے ظاہری آداب یہ ہیں کہ اس کے شرائط، فرائض، واجبات، سنن، مستحبات کا لحاظ رکھ کر پڑھی جائے اور باطنی آداب یہ ہیں کہ اس کو دل میں عاجزی، حضورِ قلب، خشوع وخضوع، توجہ الی اللہ رکھتے ہوئے، ریا سے پرہیز کرتے ہوئے، صدق اور اخلاص سے پڑھا جائے۔ شرعی طور پر احکام یوں ہیں کہ جو نماز تو پڑھے مگر (۱) پابندی نہ کرے (۲) مستحب وقت پر نہ پڑھے (۳) پاکی، پلیدی کا خیال نہ کرے (۴) سنن ادا نہ کرے اور (۵) شریعت اور طریقت کی قیود سے آزاد ہو تو وہ اس آیت سے خارج ہے: یعنی ''اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃ'' کے مصداق نہیں ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے کہ ''نماز کو میری یاد کیلئے قائم کرو'' (طٰہٰ: ۱۴) یعنی جس طرح درخت ہر وقت جڑ سے منسلک

---

[1] رسالۃ الصلوٰۃ، امام احمد حنبل، جلد ۱، صفحہ ۶۱، بیروت۔

[2] روح المعانی، علامہ سید محمود آلوسی، متوفی ۱۲۷۰ھ، جلد ۵، صفحہ ۳۸۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔

ہو کر کھڑا رہتا ہے یا عمارت بنیاد پر قائم رہتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی یاد نمازوں کی بنیاد اور جڑ پر ہر وقت تروتازہ رہے۔ اسی لیے نماز کو دن میں پانچ مرتبہ فرض کیا اور عشاق کیلئے کئی بار مستحب (پسند) فرمایا ہے تاکہ نمازیں ہوتی رہیں، ذکر چلتا رہے، یاد الٰہی تازہ رہے اور کوئی خدا کو بھول نہ جائے۔ یہ سب اس لیے ہے کہ خدا اور بندے کا رشتہ ابدی ہے، اس رشتہ کو کسی حالت میں ٹوٹنے نہ دیا جائے۔ دل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا لگاؤ اور رشتہ قائم ہو جائے جس کو کاروبارِ حیات توڑ نہ سکے۔ ذریعہ معاش کی مصروفیات اس یاد کی راہ میں حائل نہ ہوں۔ کوئی لین دین اسے منقطع نہ کر سکے۔ خداوند تعالیٰ کی رضا یہ ہے کہ اس کے بندوں کی پہچان یہ رہے کہ جو انہیں دیکھ لے اسے خدا یاد آ جائے۔ کوئی شخص ان اللہ والوں کی آنکھوں میں دیکھے تو اللہ تعالیٰ کی تصویر نظر آئے اور لذت وصل الٰہی کے مزے پالے۔

اے اخی گر اولیا را یافتی ۔۔۔ پس یقیں می داں خدا را یافتی

(اے بھائی اگر تو کسی ولی اللہ کو پالے تو یقین رکھ کہ تو نے خدا کو پالیا)

ایسی ذکر والی نمازیں پڑھنے والوں میں یہ خاصیت پیدا ہو جاتی ہے کہ انتہائی مصروفیت کے وقت میں بھی وہ دنیا و مافیہا کو ترک کر کے اللہ کی نماز کی طرف آ جاتے ہیں اور اگر کوئی ان کو دیکھے تو فوراً پکار اٹھے: ''رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ'' (النور:۳۷) (یہ وہ جواں مرد ہیں جنہیں غافل نہیں کرتی تجارت اور نہ خرید و فروخت یاد الٰہی سے)۔

اقامتِ صلوٰۃ سے مقصود کیا ہے؟

اقامت صلوٰۃ کے متعلق کلام بہت طویل ہے اور اس کتاب کے احاطہ سے باہر ہے۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآنی آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ''وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ'' (طٰہٰ:۱۴) (اور میری یاد کیلئے نماز قائم کرو) میں مقصود بالذات ذکر ہے اور نماز اس ذکر کا ذریعہ ہے اگر اس سے بھی آگے جھانک کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ دراصل ذکر بھی مقصود بالذات نہیں اور ذکر کا مقصود محض مذکور (یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات) ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کا مقصود بالذات اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس نماز سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی ذات کے ساتھ رابطہ محبت قائم ہو جائے کیونکہ نماز میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور جو درجہ ذکر پر فائز نہ ہو اور کاہلی اور بے پرواہی میں ادا کی جائے تو وہ نماز ''اِقَامَةِ الصَّلٰوةِ'' کے زمرہ سے باہر ہے۔ جب نماز کی ادائیگی میں انتہائی گراوٹ آ جائے تو وہ نماز اس کے پڑھنے والے کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔ نماز کی سی صورت بنانے کا اصل درجہ یہ ہے کہ وہ نماز صرف ایک نماز کا ثواب رکھتی ہے اور اس سے محض نماز کی فرضیت ادا ہو جائے گی، اضافی نمازوں کا ثواب مرتب نہ ہوگا۔

مذکورہ بالا گفتگو سے معلوم ہوا کہ نماز خدا اور بندے کے درمیان ایک سلسلہ اور رابطہ قائم کرنے والی چیز ہے جس کے ذریعے بندۂ مومن کے دل کا خدا کے ساتھ ایک غیر مرئی قسم کا رابطہ قائم ہو جاتا ہے اور نماز کی احسن

صورت میں ادائیگی کے ساتھ مومن ہمہ وقت معیت الٰہی کا شرف حاصل کرتا ہے اور نمازی محبوبین کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ ایسے لوگ اگر ایک لحہ بھی خدا سے الگ ہو جائیں تو خود کو مرتد تصور کرتے ہیں۔ حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں۔ ''اِنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا لَوْ حَجَبُوْا عَنِ اللّٰہِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ لَارْتَدُّوْا'' (اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں کہ اگر ایک پل بھر دنیا و آخرت میں اللہ کے جمال سے محجوب ہوں تو وہ خود کو مرتد جانتے ہیں)۔

ظَلُوْمًا جَھُوْلًا کی تفسیر

عموماً سورۂ احزاب کی آیت ۷۲ ''اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَھَا وَاَشْفَقْنَ مِنْھَا وَحَمَلَھَا الْاِنْسَانُ ط اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا'' کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے (بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر، تو انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے یہ امانت اٹھالی بے شک وہ ظالم اور جاہل ہے)۔ جبکہ تربیتِ عشاق میں لکھا ہے ظلوماً جھولاً کا ترجمہ ظالم اور جاہل کیا جائے تو یہ معنی اس آیت کے سیاق و سباق کے مطابق نہیں ہوں گے بلکہ ظلوماً سے مراد ظلمت عدمی (یعنی نہ ہونے کی ظلمت) ہے۔[2] ظلمت ضد ہے نور کی اور اس کی صفت تاریکی ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ تاریک دیوار پر کثافت کی وجہ سے کسی چیز کا عکس نہیں آ سکتا لہٰذا دیوار کی صفت میں ظلمت ہے۔ چونکہ زمین اور آسمان کثیف تھے مشاہدہ باری تعالیٰ نہ کر سکے۔ اسی طرح کی ظلمت کی بابت کتاب ''قرآن و تصوف'' صفحہ ۹۴ پر ہے کہ انسان ماہیتاً معلوم ہے مگر معدوم الوجود ہے اور ظلمت اس کے اسی عدم اضافی کی تعبیر کرتی ہے۔ اب اگر وہ اپنے آپ کو خود بخود موجود سمجھنے لگتا ہے اور وجود کی نسبت فقط اپنی طرف (اصلی حیثیت سے) کرنے لگتا ہے تو غاصب قرار پاتا ہے اور اس طرح سمجھنے کی وجہ سے اس میں نفس پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ نفس شرک فی الوجود کی وجہ سے ہی پیدا ہوتا ہے اور جب وہ علم اور انا وغیرہ کو اپنا سمجھنے لگتا ہے تو ہویٰ پیدا ہو جاتی ہے۔ نفس و ہویٰ کی وجہ سے وہ امانت کی حیثیت سے نکل کر غاصبانہ حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور توحید چھوڑ کر شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ نفس کا دعویٰ ہے کہ میں ہی ہوں یا یہ بندہ میری ملک ہے حالانکہ نہ وجود اس کا ہے اور نہ ملک اس کی ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ نفس کا اپنی ہستی کو ثابت کرنا شرک ہے۔ اسی لیے حدیث شریف میں قتل کی وجہ شرک بیان کی گئی ہے (تَمُوْتُ النَّفْسُ وَھِیَ مُشْرِکَۃٌ[3])۔ ہویٰ کے ختم ہونے سے انسان نورانی ہو جاتا ہے اور نفس کے فنا ہونے سے نور ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ ''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ نَفْسِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ نُوْرًا''[4] کا مصداق بن جاتا ہے۔

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ، ناشر نشان منزل پبلیشرز، لاہور۔

[2] تربیۃ العشاق، سید محمد ذوقی، صفحہ ۳۹، ناشر محفل ذوقیہ، کراچی۔

[3] مسند احمد، حدیث ۲۰۵۴۴، جلد ۴۴، صفحہ ۱۰۔

[4] المعجم الکبیر، حدیث ۱۲۱۸۰، جلد ۱۰، صفحہ ۱۶۷۔

سرّ دلبراں میں ہے کہ جھولاً سے مراد جہل از غیر اللہ ہے۔ جہل بھی ضد ہے علم کی اور علم چونکہ نور ہے تو اس کی ضد جہل بھی تاریکی یا ظلمت ہے۔ نورانی چیز کی ظلمت کی مثال یہ ہوگی کہ شیشے کی دیوار میں کسی شخص کا عکس نہیں آسکتا کیونکہ شعاعیں اس سے پار نکل جاتی ہیں۔ فرشتے بھی سراپا نور ہونے کی وجہ سے ذاتِ باری تعالیٰ کا عکس اپنے اندر نہ دیکھ سکے۔ چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ نور محض (فرشتے وغیرہ) اور ظلمتِ محض (زمین و آسمان وغیرہ) میں عکسِ ذات نہیں آسکتا۔ چونکہ نور محض اور ظلمت کے باعث آنکھ عکس نہیں دیکھ سکتی، اس لیے زمین و آسمان اور فرشتوں نے اس امانت کو قبول نہ کیا۔[1]

انسان چونکہ نور اور ظلمت کا مرکب ہے۔ اس کی ان صفات نے آئینے کا کام کیا۔ شیشہ نور محض ہے اور اس کے پیچھے قلعی ظلمت محض ہے۔ جب یہ دونوں ملے تو آئینہ بن گیا۔ جس میں شکلوں کا نظر آنا ممکن ہو گیا۔ ایسے ہی ظلوماً جھولاً کے آئینے میں انسان نے ذات باری تعالیٰ کا عکس دیکھ لیا اور فوراً امانت کو قبول کر لیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس امانت کو زمین و آسمان اور فرشتوں وغیرہ نے اٹھانے سے انکار کر دیا اور انسان نے اسے اٹھالیا، کیونکہ وہ ظلمتِ عدمی اور جہل از غیر اللہ کا مرکب تھا۔ اس میں انسان کی ذم نہیں بلکہ مدح بیان کی گئی ہے کہ اگر اس میں یہ دونوں صفات بیک وقت نہ ہوتیں تو وہ بھی اس امانت کو نہ اٹھا سکتا۔ امانت کا مفہوم سمجھنا بھی ضروری ہے۔ ہر چیز کا مرتبہ پہچاننے اور اس کا حق ادا کرنے کا نام امانت ہے۔ مولانا جامیؒ نے فرمایا ہے ؎

ہر مرتبہ زوجود حکمے دارد   گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

(ہر ایک کا اپنا مرتبہ اور مرتبے کے مطابق حکم ہوتا ہے اگر مرتبے کا لحاظ نہ کیا جائے تو یہ زندیقیت ہے)

علامہ اقبالؒ نے بھی بال جبریل میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اے مرد مومن جو فطرت یعنی زمین و آسمان وغیرہ سے نہ ہوسکا وہ تجھے کرنا ہے ؎

فطرت کو خرد کے روبرو کر   تسخیرِ مقامِ رنگ و بو کر

بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت   جو اس سے نہ ہو سکا وہ تو کر[9]

اس امانت کا ہی احساس تھا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز کیلئے چادر سے اپنے ہاتھ نکالتے تو کانپ اٹھتے اور فرماتے کہ اس امانت کے اٹھانے کا وقت آ گیا ہے جسے زمین اور آسمانوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔

شریعتِ حقہ کیا ہے؟ یہ تمام امورِ زندگی کا حفظِ مراتب ہی تو ہے۔ اس امانت میں خیانت بھی روا نہیں۔ جب تک شریعت کا حق ادا نہ کیا جائے ذات اور صفات کی مظہریت (ظاہر ہونے) کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ وہ آئینہ زنگاری جس کا انسان مرکب ہے اس کے ایک جانب لطافتِ ملکوتی کا نور ہے اور دوسری جانب کثافتِ حیوانی کی ظلمت ہے۔ ایک جانب وجود کا نور ہے، دوسری جانب عدم کی ظلمت ہے۔ ایک جانب علم کی روشنی ہے، دوسری جانب جہل کی تاریکی ہے۔ انسان جھول اس حیثیت سے ہے کہ وہ غیر حق سے جاہل ہے

---

[1] سردلبراں، سید محمد ذوقی، صفحہ ۳۹۷، ناشر محفل ذوقیہ، کراچی۔

(بوجہ معرفت تامہ کے جو نتیجہ ہے جامعیت کا) وہ ماسوا اللہ سے رو گرداں اور ہر چیز کو حق کی جانب سے پہچانتا ہے اور حق ہی کی روشنی سے دیکھتا ہے اور مراتبِ ممکنات کو اختیاری جانتا ہے تو ظلوماً جھولاً گویا ذم کے پردے میں انتہائی درجہ کی مدح ہے جو انسان کے سوا کسی کو حاصل نہیں اور جو خدا نے اپنے خلیفہ کے حق میں ہی عطا فرمائی۔ غالب نے فرمایا۔

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی　　　چمن زنگار ہے آئینۂ باد بہاری کا

ہماری تصنیف ''نشان منزل'' میں ''فساد کے ساتھ علم اور آگہی'' کا مضمون مطالعہ فرمائیں جس میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کا بیان نقل کیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ خیر و کمال کے ساتھ نقص بھی چاہیے۔ حسن و جمال کیلئے نقص کا آئینہ درکار ہے۔ ہر وہ شے جس میں نقص اور شرارت زیادہ ہوگی وہ خیر اور کمال کی نمائندگی بھی زیادہ کرے گی۔ اس طرح ذم نے مدح کے معنی پیدا کر دیئے ہیں اور انسان کا یہ مادۂ شر اس کے کمال کا محل بن گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اسی لیے مقامِ عبدیت تمام مقامات سے بلند ہے کیونکہ یہ معنی عبدیت میں اتم اور اکمل ہیں۔ یہ مقام محبوبوں کیلئے خاص ہے۔

صوفیاء کرام اور اقامتِ صلوٰۃ

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک نماز کو قائم کرنے سے مراد اس کو اس کی جڑ یا بنیاد پر استوار یا کھڑا کرنا ہے جیسے عمارت بنیاد پر اور درخت جڑ پر قائم رہتا ہے۔ ان عاشقوں کے نزدیک نماز کی جڑ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

ہر کس کہ در نماز نہ بیند جمالِ دوست　　　فتویٰ ہمیں دہم کہ نمازش قضا کنند

(جو نماز میں جمال دوست نہیں دیکھتا، اس کیلئے میرا فتویٰ یہ ہے کہ وہ نماز کو پھر سے پڑھے)

علامہ اقبالؒ نے تو نماز کے اس پہلو پر بہت زور دیا ہے۔ اس قسم کا مضمون راقم الحروف کی کتاب ''حضورِ قلب'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس کتاب میں بھی حضورِ قلب اور نماز کے خشوع و خضوع کے عنوان کے تحت مختصر سا بیان شامل کیا گیا ہے۔ اس جگہ چند اشعار پر ہی اکتفا کیا جائے گا۔ علامہؒ نے فرمایا۔

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب　　　گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
شوکتِ سنجر و سلیم، تیرے جلال کی نمود　　　فقرِ جنید و بایزید، تیرا جمال بے نقاب
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام　　　میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے　　　عقل، غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب [10]

تفسیرِ نعیمی میں ایک لطیف اشارہ سورۃ النساء کی آیت ۴۳ کی طرف کیا گیا ہے جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ''لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكَارٰى'' (نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم نشہ کی حالت میں ہو)۔ نماز میں جب آؤ تو تمام نشے اتار کر آؤ۔ شراب کے نشہ کے علاوہ رنج و غم، مال و دولت غرضیکہ ماسوا اللہ کا کوئی نشہ نہ ہو۔ جب نماز شروع کرو تو ''اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ'' پر عمل کرو یعنی نماز سیدھی ہو، ٹیڑھی نہ ہو۔ قلب اور قالب ایک ہی

طرف ہوں کیونکہ قلب کے ٹیڑھے ہوجانے سے ہر چیز ٹیڑھی ہوجائے گی۔ بقول شاعر ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

(جب معمار پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھتا ہے، تو یہ دیوار آسمان تک ٹیڑھی جاتی ہے)

قرآن میں جہاں متعدد عبادات کا ذکر آیا ہے وہاں ایسی آیات میں تمام عبادات سے پہلے اور کبھی آخر میں بھی نماز کا ہی نام لیا گیا ہے، جس سے نماز کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ نماز کا ذکر پہلے اس لیے ہے کہ نماز ہی اسلام میں خشتِ اول ہے اور پھر زکوٰۃ اور دیگر عبادات کا ذکر فرمایا۔ خشوع وخضوع کے باب میں بیان کیا جائیگا کہ اگر نماز کی ابتداء میں خشوع اور حضوری میسر ہے تو تمام نماز خشوع وخضوع میں شمار کی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ بعد میں آنے والے خیالات کو شیطان کی طرف سے مداخلت قرار دیتا ہے اور نمازی کو معذور گردانتا ہے چنانچہ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ نماز کی ابتداء میں حضورِ قلب موجود ہو تا کہ ساری نماز ہی حضورِ قلب میں شمار ہو جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد بھی یہی ہے کہ نماز کو قائم کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے رکوع اور سجود کو اچھی طرح ادا کرے، ہمہ تن متوجہ رہے اور خشوع کے ساتھ پڑھے۔

مشائخ کے اقامتِ صلوٰۃ کے متعلق مزید ارشادات

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز کا قائم کرنا اس کے اوقات کی حفاظت کرنا ہے اور وضو، رکوع اور سجود کا اچھی طرح ادا کرنا ہے۔ قوت القلوب میں لکھا ہے کہ نماز کو قائم کرنے اور اس کے مکمل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ وقت سے پہلے (یعنی اذان سے پہلے) وضو کرے تا کہ اول وقت سے غافل ہو کر نماز نہ رہ جائے اور نماز میں تاخیر نہ ہونے پائے اور نماز باجماعت سے رہ نہ جائے۔ مزید برآں خوف کی حالت میں اور سفر یا جنگ میں نماز کے بعض آداب، ارکان اور شرائط کو معاف کر دیا گیا ہے لیکن اس خوف کے ختم ہونے کے بعد نماز کو قائم کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ جیسے قرآن میں ہے کہ "فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ" (النساء:۱۰۳) (پھر جب تم کو اطمینان ہو جائے تو نماز کو قائم کرو)۔ اس سے مراد یہی ہے کہ اقامتِ صلوٰۃ کی بات ہوتی ہے تو پھر نماز کے تمام آداب، ارکان و شرائط بجالانے ضروری ہیں۔ گویا اس سکون و اطمینان میں ارکان کے اعتدال کا اور خشوع وخضوع کا ملحوظ ہونا ضروری ہے۔ ورنہ نماز کامل نہیں بلکہ ناقص ہے۔ حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ حدیث جبریل کے مطابق مسلمان کو چاہیے کہ وہ نماز کو اس طرح پڑھے جیسے وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ "اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ"[1] (خدا کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے پس اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو (یہ سمجھ کہ) وہ یقیناً تجھے دیکھ رہا ہے)۔

اللہ ترا بیند تو ہم حاضر بہ بیں در نمازِ عاشقاں حاضر یقیں

(تیرا خدا تجھے دیکھ رہا ہے تو بھی اللہ کو حاضر دیکھ عاشقوں کی نماز میں حضوری یقینی ہوتی ہے)

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۵۰، جلد ۱، صفحہ ۲۷۔

در رکوع الہام در سجدہ شنید   در نمازے جز خدا حاضر مبین

(نمازی کو رکوع میں الہام ہوتا ہے اور سجدے میں وہ سنتا ہے اور تو نماز میں سوائے خدا کے کسی کو حاضر نہ دیکھ)

آپ (سلطان باھوؒ) فرماتے ہیں کہ ایک نماز وقتی ہے اور ایک دائمی۔ وہ نماز جس میں مشاہدہ حق ہو، کلید کونین اور کلماتِ راز کی طرح ہے۔ وہ نماز جس میں فقیر کی ذات اللہ میں محو ہو کر شناسائی کا مقام حاصل کرے اس نماز میں مومنین کی معراج ہے۔ معراج ہر چیز سے بلند پہنچ جانے کا نام اور مقام ہے جہاں ماسوا اللہ کچھ بھی نہیں۔ عارفانِ ذات کی نماز میں ماسوا سے گزر کر محوِ ذات ہونا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کا کلام اس عنوان 'حضوریٔ نماز اور صوفی شعراء'' میں مطالعہ کے قابل ہے۔

حضرت مجددؒ اور صحتِ نماز

حضرت مجدد الف ثانیؒ مکتوبات (صفحہ ۱۱۷۶) میں رقمطراز ہیں ''اللہ سبحانہ تعالیٰ کی یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ باطن ذکرِ الٰہی سے معمور ہو اور ظاہر احکام شرعی سے آراستہ ہو چونکہ اکثر آدمی اس زمانہ میں نماز کی ادائیگی میں سستی کرتے ہیں اور طمانیت اور تعدیلِ ارکان کی پابندی نہیں کرتے، اس لیے اس کے متعلق لکھتا ہوں غور سے سنو۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ 'اِنَّ اَسْوَأَ النَّاسِ سَرِقَةً الَّذِیْ یَسْرِقُ صَلَاتَهٗ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَکَیْفَ یَسْرِقُهَا قَالَ لَا یُتِمُّ رُکُوْعَهَا وَلَا سُجُوْدَهَا''[1] (بدترین چور وہ ہے جو نماز کی چوری کرے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب پوچھا تو فرمایا کہ وہ نماز کے رکوع اور سجود کو پورا ادا نہیں کرتا)۔ اور فرمایا کہ 'لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ اِلٰی صَلَاةِ عَبْدٍ لَا یُقِیْمُ ظَهْرَهٗ فِیْ رُکُوْعِهٖ وَسُجُوْدِهٖ''[2] (اللہ تعالیٰ اس بندے کی نماز کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا جو اپنے رکوع اور سجود میں پیٹھ کو ثابت (سیدھا) نہیں رکھتا)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ جو رکوع سجود پورا نہیں کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو اس حالت میں مر گیا تو دینِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نہیں مرے گا۔

فرماتے ہیں ''رکوع میں کمر کو سیدھا کرنا، رکوع کے بعد پوری طرح کھڑا ہونا، دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا اگر ٹھیک طرح نہ ہو تو نماز پوری نہیں ہوتی۔ کوئی شخص اگر نماز کو اچھی طرح ادا کرے تو نماز خوش ہوتی ہے اور نمازی کیلئے دعا کرتی ہے ورنہ بددعا کرتی ہے۔ رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ اچھی طرح بجا لانا اور صفوں کو سیدھا رکھنا ضروریاتِ نماز میں سے ہے۔ اکثر لوگ نماز کی تعدیل وطمانیت کا لحاظ نہیں رکھتے۔ ایسے اعمال کا زندہ کرنا سنت کا زندہ کرنا ہے۔ نماز کی نیت کو درست کرنے سے بہتر نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ایسے ہی کوشش کرنی چاہیے جس طرح دنیا کیلئے سرگرداں رہتے ہیں''

---

[1] مسند احمد، حدیث ۱۱۱۰۶، جلد ۲۳، صفحہ ۱۵۱۔

[2] المعجم الکبیر، حدیث ۸۱۸۲، جلد ۷، صفحہ ۳۹۶۔

باب نمبر ۲

نیت اور اخلاص

(نیت اور اخلاص کا اعمال پر اثر)

حضرت امام غزالی ؒ نے فرمایا کہ نیت وہ خواہش ہے جو تجھے کسی کام میں لگا دے اور کام وہ چیز ہے کہ جس کے کرنے پر تو قادر ہوتا ہے، یعنی آپ نے فرمایا کہ نیت اُس رغبت و کشش کا نام ہے جو دل میں صادق ہو اور عملاً اس کا اظہار ہو۔ امام غزالی ؒ فرماتے ہیں کہ کسی عمل کی نیت کا اعلان کر دینا ہی کافی نہیں کیونکہ یہ زبانی جمع خرچ ہے اور اگر صرف دل میں ہی کہہ رہا ہو تو یہ حدیثِ نفس ہے۔ جو دل میں بغیر اعلان کے صادق ہو اور عمل میں اسی طرح ہو تو وہ نیت کہلائے گی، مثلاً کوئی کھانا تو خوب کھائے اور کہے کہ ہماری نیت تو پیٹ کو بھوکا رکھنے کی ہے یا کوئی کہے کہ نکاح ادائے سنت کیلئے کر رہا ہوں اور نیت غلبۂ شہوت سے ہو، تو ایسی نیت ادائے سنت نہ کہلائے گی۔ جہاں حظِ نفس نے ڈیرے ڈال رکھے ہوں وہاں آخرت کی نیت مشکل ہوتی ہے۔ آخرت کی نیت تب ہی مقبول ہوتی ہے جب کارِ آخرت نے غلبہ کر لیا ہو (نیت درست کرنے کا طریقہ بھی اسی باب میں بیان کیا جا رہا ہے)۔

افہامِ نیت

یاد رہے کہ اعمال یا تو اطاعتِ الٰہی میں ہوتے ہیں یا معاصی (گناہ) کیلئے ہوتے ہیں اور تیسری قسم مباح (جن کے کرنے سے نہ ثواب ہے نہ گناہ) ہے۔ معاصی کے کام خواہ نیت ٹھیک بھی کیوں نہ ہو، نیکی کے زُمرے میں نہیں آسکتے۔ البتہ نیت کی وجہ سے طاعات اور مباحات کا درجہ بلند ہو سکتا ہے اور اس پر اضافہ یہ ہے کہ نیت جس قدر زیادہ اچھی ہوگی اسی قدر ثواب بھی زیادہ ہوگا۔ جس کو علمِ نیت آتا ہے وہ ایک اطاعت میں دس نیتیں کر سکتا ہے، لہٰذا اس کو ایک اطاعت سے دس اطاعتوں کا ثواب ملے گا مثلاً اگر کوئی اعتکاف کیلئے مسجد میں بیٹھے تو درج ذیل نیتیں کرے۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے جو مسجد میں گیا تو وہ اللہ کی زیارت کیلئے گیا چنانچہ اللہ کے گھر میں جاتے ہوئے اللہ کی زیارت کرنے کی نیت کرے۔ (۲) ہر نماز کے بعد دوسری نماز کا منتظر رہے کیوں کہ اس نیت کی وجہ سے وہ انتظار کے دوران بھی حالتِ نماز میں تصور کیا جائے گا۔[۱] (۳) اعتکاف میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت کی رہبانیت یہی ہے کہ مسجد نشینی کی جائے۔[۲] (۴) لوگوں کے شر اور فتنے سے بچا رہے گا۔

---

[۱] صحیح بخاری، حدیث ۶۲۸، جلد ۱، صفحہ ۲۳۴۔

[۲] معرفۃ الصحابہ، ابونعیم الاصبہانی، حدیث ۴۳۹۱، جلد ۱۴، صفحہ ۷۶، بیروت۔

(۵) دنیا سے خود کو الگ کر کے اللہ سے لو لگائے گا۔ (۶) اگر مسجد میں کسی کو شریعت کے متعلق غلطی کرتا ہوا دیکھے گا تو اسے روکے گا اور نیکی کرنے والے سے خوش ہوگا اور مزید نیکی کی تلقین کرے گا۔ (۷) اگر مسجد میں کسی اہلِ دین اور متقی سے ملاقات ہو تو اس سے برادرانہ تعلق قائم کرے گا۔ (۸) خدا سے شرم رکھے گا کہ اس سے کوئی گناہ یا لغزش سرزد نہ ہوگی۔ (۹) یہ کام میں اللہ کی رضا جوئی کیلئے کروں گا۔ (۱۰) اعتکاف کر کے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور دیگر اکابرین کی سنت ادا کروں گا۔ (۱۱) اعتکاف سے میری روحانیت بلند ہوگی اور ظلمتیں دور ہوں گی۔ (۱۲) میری اس اضافہ روحانیت سے بعد کی زندگی بہتر ہو جائے گی۔ (۱۳) اس روحانی تقویت سے میرے دوسرے بھائیوں پر اچھا روحانی اثر ہوگا اور وہ فیض یاب ہوں گے اور بہت سے لوگ ہدایت پائیں گے وغیرہ وغیرہ۔

اعمال کی تیسری قسم مباحات ہے مثلاً نئے اچھے لباس، اچھا کھانا، آرام دہ بستر جن کا شریعت میں نہ اجر ہے نہ گناہ، لیکن اگر نیت میں خرابی ہو تو مباح کام بھی گناہ بن جائے گا اور اگر نیت درست ہو تو اجر پائے گا۔ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۳۶ میں ہے کہ "کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا" (جسم کے ہر عضو کے متعلق تم سے پوچھا جائیگا) اور سورۂ التکاثر میں ہے کہ "تم سے ہر نعمت کے متعلق سوال ہوگا"۔ اس سے مباح کے متعلق سوال ہونا ثابت ہوتا ہے اگر نعمت کا شکر ادا نہ کیا یا فائدہ حاصل نہ کیا تو یہ بھی موجب نقصان ہوگا کیونکہ اس کی وجہ سے اس نے مال اور وقت کا ضیاع کیا ہے۔

احادیث میں ہے کہ "جس نے آنکھ میں سرمہ ڈالا، عطر لگایا، مٹی کا ڈھیلہ ہاتھ میں لیا، کسی کے لباس پر ہاتھ پھیرا، تو اس سے پوچھا جائے گا کہ اس سے تیری کیا مراد تھی"۔ اگر کسی نے جمعہ کو عطر اس لیے لگایا کہ اس سے امیری کا رعب ہو یا فخر جتائے کہ ہم خوشبو کے دلدادہ ہیں (جیسا کہ عام لوگوں کے ذہنوں میں ہوتا ہے) یا عورت پر ڈورے ڈالنے کیلئے ہو تو یہ مباح کام باعث گناہ ہے۔ خوشبو لگانے کی نیت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ (۱) اس سے خانہ خدا کی تعظیم کی جائے (۲) جمعہ کی نماز میں ساتھ بیٹھے ہوئے لوگ لطف اندوز ہوں (۳) بدن کی بدبو دور ہو تا کہ لوگ بیزار نہ ہوں (۴) میری وجہ سے لوگ غیبت کا شکار نہ ہوں (کہ کوئی کسی سے کہے کہ فلاں کے بدن سے بہت بو آتی ہے)۔ (۵) دماغ کو تر و تازہ کرے (۶) عطر لگانے سے سنت کا احیاء ہوگا۔ اگر عطر ان نیتوں سے لگائے تو کارِ ثواب ہوگا۔ چنانچہ ہر مباح کام کیلئے نیک نیت کرے مثلاً اچھے کپڑے پہنے تو اس لیے پہنے کہ قرآن میں اس بات کا حکم ہے کہ اللہ کے دربار میں حاضر ہو تو زینت کے ساتھ حاضر ہو۔ "یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ" (الاعراف:۳۱) (اے آدم کی اولاد اپنی زینت لو (پہن لیا کرو اپنا لباس) ہر نماز کے وقت)۔

اسی طرح حقوقِ زوجیت ادا کرنے میں نیت امت میں اضافہ، اہلیہ کی راحت، میاں بیوی کا گناہ سے محفوظ رہنا اور اپنے نفس کا حق ادا کرنا ہو تو یہ نیکی میں شامل ہوگا۔ کہتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ نے ایک دفعہ الٹا کرتا پہن

رکھا تھا لوگوں نے کہا کہ بازو اوپر کریں تا کہ ہم اس کو سیدھا کر دیں۔ آپ نے فوراً بازو سمیٹ لیے اور فرمایا میں نے اسے خدا کیلئے پہنا ہے اور سیدھا کرنا ہوگا تو اسی کیلئے کروں گا یعنی تمہارے ذوق نظر کیلئے نہیں کروں گا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کہیں مزدوری کر رہے تھے تو کھانے کے وقفے میں جب کھانا کھا رہے تھے تو کچھ لوگ حاضر ہوئے مگر آپ نے کھانے کیلئے کسی کو نہ پوچھا۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ اگر میں سارا کھانا خود نہ کھاتا تو مزدوری پوری محنت سے نہ کرسکتا تھا اور یہ مروت اور سخاوت مجھے ادائیگی فرض سے روک دیتی جو صریحاً خیانت ہے۔ حضرت سفیان ثوری کھانا کھا رہے تھے تو ایک شخص کو جو پاس موجود تھا کھانے کا نہ پوچھا اور کھا چکنے کے بعد فرمایا کہ اگر یہ کھانا میں نے قرض نہ لیا ہوتا تو یقیناً تمہیں کھانے کیلئے کہتا۔ پھر مزید فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی کو کھانے کی صلا کرے اور دل میں کراہت کرے کہ کہیں سچ مچ کھانے نہ لگ پڑے تو دوسرا شخص گو نہ بھی کھائے تو پوچھنے والے کے خلاف ایک گناہ منافقت کا تو لکھا ہی جائے گا اور اگر وہ کھا لیتا تو کھلانے والے کو دو گناہ ہوں گے۔ ایک تو وہی منافقت کا اور دوسرا یہ کہ اس کو قرض کے کھانے کے علم نہ ہونے کا۔ جسے معلوم ہونے پر دوسرا شخص کھانا کھانا پسند نہ کرتا۔

اخلاص

نماز کی ادائیگی کا مقصود فقط رضاو خوشنودیٔ خداوندی ہو۔ نماز میں خدا کے سوا اور کوئی مقصود و مطلوب نہ ہو ورنہ نماز ریا میں شامل ہو گی جیسے فرمایا۔ ''وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ'' (خدا کو اخلاص کے ساتھ پکارو) (الاعراف:۲۹)۔

اخلاص کے معنی اور تعریف: اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ'' (البینہ:۵) (اور ان لوگوں کو (کتب سابقہ میں) یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت کو اسی کیلئے خاص کریں)۔ ''إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّيْنَ ۝ أَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ'' (بے شک ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف حق کے ساتھ اتاری۔ آپ اللہ کی عبادت کریں اسی کے بندے ہوکر، یاد رکھیں کہ خالص عبادت اللہ ہی کیلئے ہے) (الزمر:۲،۳)۔

نیت کا اخلاص کے ساتھ گہرا تعلق ہے اس لیے دونوں کا سمجھنا قبولیتِ اعمال کا سبب ہے حضرت داتا گنج بخش نے مالک بن دینار کا قول نقل کیا ہے کہ ''أَحَبُّ الْأَعْمَالِ مِنَ الْأَعْمَالِ اَلْإِخْلَاصُ فِي الْأَعْمَالِ'' (عملوں میں سے محبوب ترین عمل، وہ اخلاص ہے جو عمل میں ہو) حضرت علی ہجویری فرماتے ہیں کہ عمل بالاخلاص ہی عمل ہوتا ہے اور اخلاص انسان کے جسم میں بمنزلہ روح کے ہے اور عمل بمنزلہ جسم، چنانچہ جسم بے روح جمادِ محض ہوتا ہے۔ اگر کوئی کسی سے ہزار برس محبت رکھے مگر جب تک اس کے عمل سے اخلاص نظر نہ آئے گا (وہ عمل، عمل نہ ہوگا اور) ایسی محبت کا دعویٰ بے کار اور بے معنی ہوگا۔ حضرت داتا گنج بخش نے ابوالحسن نوری

کا قول بھی نقل فرمایا ہے کہ ''فَاِنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا یَاْکُلُوْنَ بِاللّٰہِ وَیَشْرِبُوْنَ بِاللّٰہِ وَیَجْلِسُوْنَ بِاللّٰہِ وَیَقُوْلُوْنَ بِاللّٰہِ'' (اللہ کے بندوں کی ایسی جماعت بھی ہے کہ ان کا کھانا اللہ کیلئے، ان کا پینا اللہ کے واسطے اور بولنا اللہ کیلئے) گویا ان کا قیام وقعود اللہ کے واسطے ہے۔ جیسے فرمایا ''اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ'' (الانعام: ۱۶۲) (بے شک میری نماز اور میرا حج اور قربانی (سمیت سب بندگی) اور میری زندگی اور میری موت اللہ کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے)۔

فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا اللہ کے بندے مشاہدۂ حق میں رہتے ہیں اور اگر ایک لحظہ بھی مشاہدۂ حق سے انہیں حجاب آجائے تو ان کی دنیائے جسم میں جوش وخروش آجائے۔ رسالہ قشیریہ میں ہے کہ صرف اللہ کے قرب کیلئے عبادت یا کلام کرنا اخلاص ہے اس میں کچھ مدح عوام یا ریا کا شائبہ نہ ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مخلوق کی نگاہوں سے اپنے فعل کو پاک رکھنا اخلاص ہے۔[1] حضرت ابو عثمانؒ نے فرمایا کہ خالق کی طرف ہمہ وقت مشغول رہنے کی وجہ سے مخلوق کو بھلا دینا اخلاص ہے۔

ابوبکر دقاقؒ فرماتے ہیں ''اخلاص یہ ہے کہ تو اخلاص کو بھی نظر میں نہ لائے''۔ حضرت سہلؒ نے فرمایا ریا کو مخلص ہی پہچانتا ہے۔ معروف کرخیؒ نے فرمایا کہ جو ثواب کیلئے عمل کرتا ہے وہ تاجر ہے جو دوزخ سے ڈر کر یا بہشت کی نیت سے عمل کرے وہ بندہ ہے، جو خدا کیلئے عمل کرے وہ آزاد مرد ہے۔ ابو عثمان مغربیؒ فرماتے ہیں کہ جس عمل میں حظِ نفس کا مقدر یا حصہ نہ ہو، وہ عوام کا اخلاص ہے۔ خواص کا اخلاص وہ ہے کہ جو اللہ کی طرف سے ان پر جاری ہو۔ وہ اس کو اپنے ذریعہ سرزد ہونا تصور نہ کریں بلکہ اللہ کی طرف سے تصور کریں۔ اس صورت میں ان کی عبادت سے ان کا ذاتی تعلق نہیں ہوتا اس لیے ان کی نگاہ اپنے پر نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ ان اعمال کو کسی شمار میں لاتے ہیں۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں اخلاص کی علامات ہیں ایک عوام کی مدح یا مذمت بندے کے نزدیک دونوں یکساں ہوں دوسرے یہ کہ اپنے اعمال کو دیکھنا بھول جائے اور تیسرے یہ بھی بھول جائے کہ وہ آخرت میں اپنے اعمال کا ثواب چاہتا ہے۔

اعمال کا دارومدار نیت پر ہے

صرف نماز ہی کا دارومدار نیت پر نہیں بلکہ تمام اعمال کا انحصار نیت کی درستی کے ساتھ ہے، بلکہ کسی عمل کا اجر اور اس کی قدر و قیمت نیت کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ نیت تمام اعمال کی روح ہے۔ ایک حدیث شریف میں وارد ہے ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ''[2] (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے)۔ ایک اور حدیث میں حضور پاک ﷺ کا فرمان ہے ''اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ''[3] (اللہ تعالیٰ کی

---

[1] الرسالہ القشیریہ، جلد ۱، صفحہ ۹۵۔

[2] صحیح بخاری، حدیث ۱، جلد ۱، صفحہ ۳۔

[3] صحیح مسلم، حدیث ۲۵۶۴، جلد ۴، صفحہ ۱۹۸۷۔

نظر تمہارے بدنوں اور صورت پر نہیں بلکہ وہ صرف تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے)۔

ثواب نیت پر ہی مرتب ہوتا ہے، کیونکہ دل نیت کا محل و مقام ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر شخص کو اس کی عبادت میں سے ثواب صرف اس قدر ملتا ہے جس کی وہ نیت رکھتا ہے یعنی نیت درست نہیں ہو گی تو ثواب بھی نہیں ملے گا۔ اگر حج، ہجرت اور جہاد میں خیال یہ ہو کہ مال تجارت ہاتھ آ جائے یا کسی عورت کو حاصل کیا جا سکے تو یہ اعمال خدا کیلئے نہ ہوں گے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ روز حشر بہت سے اعمال ایسے بھی ہونگے جو بزرگی والے نظر آئیں گے، جن کو فرشتے اوپر لے جائیں گے مگر حق تعالیٰ ان اعمال کو لوگوں کے اعمالنامے سے کاٹ دے گا اور کچھ ایسے کام بھی ہونگے جن کو دفترِ عمل میں داخل کر دیا جائے گا جن کا فرشتوں کو بھی علم نہ ہو گا اور یہ وہ عمل ہوں گے جن کے کرنے کی نیت بندوں نے کی تھی اگرچہ کر نہ سکے تھے۔[1] اسی لحاظ سے مال خرچ کرنے والوں کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) جو مالدار ہیں اور خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ (۲) جن کے پاس مال نہیں مگر چاہتے ہیں کہ اگر ان کے پاس مال ہوتا تو وہ بھی خرچ کرتے۔ یہ لوگ پہلی قسم کی طرح ثواب پائیں گے۔ (۳) جن کے پاس مال ہو مگر عیاشی پر خرچ کرتے ہیں۔ یہ لوگ گنہگار ہوتے ہیں۔ (۴) جن کے پاس مال نہیں مگر کہتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس مال ہو تو ہم بھی عیش کریں، ان کا شمار بھی (نمبر ۳ کے) گنہگاروں کی طرح ہو گا۔

جو لوگ جنگِ تبوک میں کسی عذر سے شامل نہ ہو سکے حضور ﷺ نے ان کو بھی سفر کی تکالیف، بھوک پیاس کے رنج میں برابر کا شریک فرمایا۔ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے قحط کے دنوں میں ایک ریت کے ٹیلے کو دیکھ کر کہا کہ اگر میرے پاس اتنا اناج ہوتا تو میں اس کو بھوکوں اور غریبوں میں تقسیم کر دیتا۔ پیغمبر وقت علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اس شخص سے کہہ دو کہ ہم نے تیرا صدقہ قبول فرمایا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس کی نیت اور ہمت پر دنیا غالب ہو گی وہ ہمیشہ مفلسی اور درویشی کو اپنے سامنے حرکت میں پائے گا اور اس کا دل دنیا کے عشق میں گرفتار رہے گا اور جس کی ہمت اور نیت آخرت کیلئے وقف رہے گی اس کے دل کو حق تعالیٰ تمام جھمیلوں سے بے فکر و بے نیاز رکھے گا اور زہد دنیا کا شرف اسے حاصل ہو گا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "ثَلَاثٌ لَا يُغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ إِخْلَاصُ الْعَمَلِ وَمُنَاصَحَةُ ذَوِي الْأَمْرِ وَلُزُومُ الْجَمَاعَةِ"[2] (تین باتیں ہیں جن میں مسلمان کے دل کو خیانت نہیں کرنی چاہیے (۱) اللہ کیلئے خلوص عمل (۲) حکام کی خیر خواہی اور (۳) مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہنا)۔

---

[1] المعجم الکبیر، حدیث ۱۲۱۸۰، جلد ۱۰، صفحہ ۱۶۷۔

[2] المستدرک، امام حاکم النیشاپوری، متوفی ۴۰۵ھ، حدیث ۲۹۶، جلد ۱، صفحہ ۱۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

ہر عمل کی نیت سیکھنا نہایت ضروری ہے

حسن بصریؒ نے فرمایا کہ بہشت دائمی اور جاوداں ہے اور اس کو حاصل کرنے کیلئے چند روزہ اعمال کیا کام آ سکتے ہیں، البتہ نیت کی برکت سے ہی اسے حاصل کیا جاسکتا ہے کیونکہ نیت بے نہایت اور لامتناہی ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ اعمال نیت کی وجہ سے ہی ممتاز بنتے ہیں۔ اگر ایک کافر تمام دن بھوکا رہے گا تو اس کا کوئی ثواب نہیں۔ اگر مومن روزہ کی نیت سے بھوکا رہے تو اسے اتنا ثواب ملے گا کہ مقربین بارگاہ میں داخل ہو جائے گا، حالانکہ بظاہر دونوں کے عمل میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ صرف نیت کا فرق ہے علامہؒ نے فرمایا۔

اخلاص عمل مانگ نیاگان کہن سے شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را[1]

(اخلاص عمل کو پرانے بزرگوں یا استادوں سے مانگ، بادشاہوں کیلئے کسی فقیر کو نواز دینا کوئی عجب بات نہیں)

ایک بہت مشہور حدیث میں آیا ہے کہ: ''نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ'' (مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے)۔ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ کام کرنے سے پہلے مومن کا اس کام کیلئے نیت کرنا اس کے عمل سے بہتر ہے۔ تمام معاملات میں نیت کو عمل میں بڑا دخل ہے اور اسی لیے نیت عمل سے افضل ہے۔ اس نظریے کی حقانیت کیلئے چند دلائل ملاحظہ فرمائیں:۔

i) نیت کے ساتھ ہی آدمی ایک کیفیت سے دوسری کیفیت میں آ جاتا ہے خواہ عمل ہو یا نہ ہو، کیوں کہ انسان کے ذمے کسی کام کو شروع کرنا اور اس کے پورا کرنے کی نیت کر لینا ہے اور اگر اس کام کے پورے کرنے میں کوئی خلل واقع ہو جائے تو وہ اس سے معذور خیال کیا جاتا ہے۔

ii) نکتہ بالا (مثلاً روزہ کی نیت) سے معلوم ہوا کہ کوئی عمل بغیر نیت کے عبادت نہیں (بلکہ عمل ہی نہیں) اور نیت بغیر عمل کے بھی عبادت ہے۔ اس لیے نیت عمل سے بہتر ہوئی۔

iii) نیت عمل سے اس لیے بھی بہتر ہے کہ نیت دل سے ہوتی ہے اور عمل بدن سے ہوتا ہے اور چونکہ دل کا درجہ بدن سے بہتر ہے اس لیے نیت، بدنی عمل سے بہتر اور افضل ثابت ہوئی۔

iv) عبادت بدنی (مثلاً نماز) کا مقصد دل کی اصلاح ہے اور نیتِ دل کا مقصد بدن کی اصلاح نہیں (بلکہ اللہ کی رضا ہے) لہٰذا عمل نیت کیلئے ہوا اور نیت عمل کیلئے نہیں (یعنی عمل کے تحت نہیں) اس لیے نیت عمل سے بہتر ہوئی۔

ثابت ہوا کہ نیت عمل کیلئے نہیں بلکہ عمل نیت کیلئے ہونا چاہیے تاکہ دل درست ہو جائے اور مقصد عبادت پورا ہو جائے۔ چونکہ ہر عبادت، دل کی اصلاح کیلئے ہے اس لیے اگر دل درست ہو جائے تو سب کچھ درست ہو جاتا ہے۔ دل کی اصلاح اس وقت ہوتی ہے جبکہ وہ دنیا سے منہ پھیر لے اور حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔

---

[1] المعجم الکبیر، حدیث ۵۹۴۲، جلد ۶، صفحہ ۱۸۵۔

سجدے کے عمل سے مقصد پیشانی کو جھکانا نہیں بلکہ دل کا تکبر دور کرنا ہے (تکبر دور کرنے کی نیت سجدے کے عمل سے بہتر ہوتی ہے) اللہ اکبر سے زبان کی گردش مراد نہیں بلکہ دل سے اپنی تعظیم ترک کر کے اللہ کی تعظیم کرنا ہے (یہاں بھی نیت اس عمل سے بہتر ہے) قربانی کے عمل سے مقصود بکرے کی جان لینا نہیں، بلکہ دل کا بخل دور کرنا ہے (یہاں بھی بخل دور کرنے کی نیت عملِ قربانی سے عظیم تر ہے) ان سب اعمال کی نیت کا مقصد یہ ہے کہ تو اپنے حکم سے دستبردار ہو جائے۔

مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے

جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ہر ایک چیز میں کوئی نہ کوئی امتیازی بات ہوتی ہے اور نماز کی امتیازی بات تکبیر اولیٰ ہے کیونکہ وہ نیت اور ابتدائے نماز کا محل ہے اور ایک حدیث کے مطابق مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر قرار دی گئی ہے اس لیے تکبیر کو امتیازی حیثیت ملی۔[1]

شیخ ابو سراجؒ فرماتے ہیں کہ شیخ سالم کا قول ہے کہ نیت اللہ کے ساتھ، اللہ کے واسطے اور اللہ کی طرف ہوتی ہے اور نیت کے بعد جو آفتیں نماز میں داخل ہوتی ہیں وہ شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں اور شیطان کی آفتیں خواہ کتنی زیادہ ہی کیوں نہ ہوں، نیت کی ہم وزن نہیں ہو سکتیں کیونکہ وہ اللہ کے واسطے اور اللہ کے ساتھ ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ "نِیَّةُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ"[2] (مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے)۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت نمازی حاضر اور فارغ رہا ہو تو نماز درست ہوتی ہے۔ بعد میں شیطان مداخلت بھی کر دے تو وہ معذور تصور کیا جاتا ہے۔ نیت چونکہ متعلقاتِ نماز سے ہے اس لیے نیت کی اہمیت پر یہ مضمون الگ سے لکھ دیا گیا ہے۔ شیخ ابو سعید خرازؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے حضور اس طرح کھڑا ہونا چاہیے کہ بندہ اور اس کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہو۔

دل میں آنے والے خیالات کا مواخذہ کس حد تک ہوتا ہے؟

اب دیکھئے کہ قلبی خیالات کا نیت سے کہاں تک تعلق ہے۔ مسلم اور بخاری شریف میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "اِنَّ اللّٰہَ تَجَاوَزَ لِاُمَّتِیْ مَا حَدَّثَتْ بِهٖ اَنْفُسُهَا مَا لَمْ یَتَکَلَّمُوْا اَوْ یَعْمَلُوْا بِهٖ"[3] (میری امت کو حدیثِ نفس (نفسیاتی خیالات اور وسوسوں) سے اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے جب تک وہ بولیں یا اس پر عمل نہ کریں)۔ یعنی گناہ کا ارادہ کرے اور عملاً اس کا ارتکاب نہ کرے تو فرشتوں کو حکم دیا جاتا ہے

---

[1] المعجم الکبیر، حدیث ۵۹۴۲، جلد ۶، صفحہ ۱۸۵۔

[2] المعجم الکبیر، حدیث ۵۹۴۲، جلد ۶، صفحہ ۱۸۵۔

[3] صحیح مسلم، حدیث ۱۲۷، جلد ۱، صفحہ ۱۱۶۔

کہ اس گناہ کو نہ لکھا جائے اور اگر گناہ کر ڈالے تو صرف ایک ہی گناہ شمار ہوگا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ نیکی کا ارادہ کرنے سے ہی ایک نیکی اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جاتی ہے خواہ عملاً نہ کر سکے (مگر دھوکا بازی نہ کرے) اور اگر نیکی کرے تو ایک کی بجائے دس سے سات سو تک نیکیاں یا اس سے بھی زیادہ لکھی جاتی ہیں۔

آیات قرآنی اور احادیث سے دو طرح کی کیفیات نظر آتی ہیں۔ ایک یہ کیفیت کہ جو دل پر گزر جائے مگر انسان کے اختیار سے باہر ہو اس کا مواخذہ نہ ہوگا اور دوسرے یہ کہ جو دل کے اختیار میں ہو اس کا مواخذہ ہوگا۔ جن آیات میں قلبی خیالات پر بھی مواخذہ ہے وہ یہ ہیں۔

i) ''وَإِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللهُ'' (البقرہ:۲۸۴) (اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا تم اسے چھپائے رہو (تو) اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لے گا)۔

ii) ''إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا'' (بے شک کان، آنکھ اور دل، ان سب کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا) (بنی اسرائیل:۳۶)۔

ان آیات کی وضاحت یوں ہو سکتی ہے کہ کبر و نخوت، منافقت، ریا کاری، غرور اور حسد وغیرہ سب خصائلِ بد کا مواخذہ ہوگا اور یہ سب اور اس قسم کے دیگر امور دل سے متعلق ہیں۔ دوسری بات جن پر مواخذہ نہیں وہ ارادہ سے متعلق نہیں۔ مثلاً راہ میں جاتی عورت کو اچانک ایک نظر دیکھنے کا خیال دل میں آنا حدیثِ نفس ہے اور حدیثِ نفس پر مواخذہ نہیں اور اس کو مڑ مڑ کر دیکھتے جانے کا خیال بار بار آنا کہ کیوں نہ اسے مڑ مڑ کر دیکھا جائے، تو یہ رغبتِ دل ہے اور میلانِ طبع بھی کہلاتا ہے اور یہ شہوت کے زیر اثر ہے۔ اس کا بھی مواخذہ نہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ دل حکم دے کہ اسے ضرور دیکھو اور وہاں رکاوٹ بھی کوئی نہیں تو یہ خیال حکم دل کہلاتا ہے اور اس کا مواخذہ ہے اور چوتھی صورت یہ کہ دیکھنے کا عزم پکا کر لے اور نہ مخلوق کا ڈر، نہ خدا کا ڈر ہو۔ اس کا بھی مواخذہ ہوگا۔

کیمیائے سعادت میں ہے کہ وہ واقعات حدیثِ نفس ہیں اور قابلِ معافی ہیں جن میں دل کا ارادہ نہ ہو بلکہ دل صلاح مشورہ کر رہا ہو اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنے آپ کو خصی کر لوں تاکہ خواہشِ نکاح سے پیچھا چھوٹے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ایسا کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میری امت کا خصی ہونا اس کا روزے رکھنا ہے۔[1] (یعنی روزے سے خواہشات دب جاتی ہیں)۔ پھر عرض کیا کہ کیا میں اپنی (موجودہ) بیوی کو طلاق دے دوں؟ فرمایا ٹھنڈے دل سے کام لو کیونکہ نکاح کرنا تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت ہے۔ پھر عرض کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ راہبوں کی طرح پہاڑوں پر جا کر رہوں۔ فرمایا ایسا ہرگز نہ کرنا۔ میری امت کیلئے حج اور جہاد رہبانیت کا درجہ رکھتا ہے۔ پھر کہنے لگے کہ میرا نفس چاہتا ہے کہ گوشت کھانا ترک کر دوں۔ فرمایا اس کی بھی

---

[1] المعجم الکبیر، حدیث ۸۳۲۱، جلد ۷، صفحہ ۴۲۰۔

گنجائش نہیں کیوں کہ مجھے گوشت بھی بہت پسند ہے اور جب بھی میسر ہو تو میں کھاتا ہوں۔ یہ سب خیالات حدیثِ نفس ہیں اور قابل معافی ہیں کیونکہ یہ ارادہ نہ تھا بلکہ دل سے صلاح مشورہ تھا (عورت کو دیکھنے والی) تیسری اور چوتھی حالت میں جب آدمی ارادہ کرے اور دل قبول کر لے خواہ بعد میں کسی رکاوٹ یا خوف کی وجہ سے نہ کرے اور اس ارادہ کا ترک اللہ کے خوف کیلئے نہ ہو تو تب بھی مواخذہ ہے۔ اسی لیے وہ قاتل اور مقتول جو ایک دوسرے کو قتل کرنے کیلئے لڑائی کریں، تو دونوں کو جہنمی کہا گیا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مقتول اسی لیے جہنمی ہے کہ اگر اس کا بس چلتا تو وہ بھی دوسرے کو قتل کر دیتا۔[1] یہ سب دل کی حالتیں ہیں۔ اگر گناہ کا ارادہ کر کے اللہ کے خوف سے ترک کر دے تو نیکی اس کے دفترِ عمل میں لکھ دی جاتی ہے، خلاف طبیعت کسی چیز کا ترک کر دینا مجاہدہ ہے (یعنی دل چاہ رہا ہو اور خدا کے خوف سے ترک کر دے) قصد بد، دل کو تاریک کر دیتا ہے اور مجاہدہ دل کو روشن کرتا ہے۔

حدیث مبارکہ "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ"[2] سے مراد یہی ہے کہ عمل کیلئے نیت درست ہونا عمل کے ٹھیک یا غلط ہونے کا سبب بنتا ہے اور یہ معنی قطعاً نہیں کہ کوئی شخص کام تو ممنوعاتِ شرع کے کرے اور کہے کہ اس سے میری نیت تو نیکی کی تھی مثلاً چغلی یا غیبت کسی کو خوش کرنے کیلئے کرے یا حرام مال کمائے اور اس کا ازالہ مسجد یا پل بنانے سے کرے یا رشوت لے کر حج کیلئے جائے، ایسے کاموں کا جہل عظیم تر جہالت ہے کیونکہ جہالت سے جہالت (لاعلمی) ہونا عظیم تر جہالت ہوتی ہے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم رشوت تو لیتے ہیں مگر اس سے فقراء اور غرباء کو یا فلاں دربار پر اس کا ایک حصہ نذر کر دیتے ہیں، ایسا صدقہ یا ہدیہ مقبول نہیں۔

امام غزالی ؒ فرماتے ہیں کہ ایسے شاگرد کو تعلیم دینا حرام ہے جس کا منشا یہ ہو کہ محکمہ قضا یا اوقاف یا یتیم خانے یا شاہی خزانے کی ملازمت سے دنیاوی مال حاصل کیا جائے اور اگر مدرس ایسے شاگرد کو تعلیم دیتا رہے اور کہے کہ میری نیت تو درست ہے یہ خیال بھی جہالت اور نادانی ہے۔

نیت کے درست کرنے کا طریقہ

لوگوں کی بہت بڑی اکثریت نیت کے طریقہ سے ناواقف ہونے کے باعث اکثر امور میں درست نیت نہیں رکھتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ پہلے امور شرعی کا مناسب علم حاصل کرے اور پھر شریعت کے ان احکام پر پکا ایمان ہو۔ مثلاً نکاح کیلئے احادیث پڑھے جن میں اولاد اور نکاح کے بارے میں احکام ہیں پھر دل میں ثواب کے حصول کی تمنا یا خواہش پیدا کرے اور ڈھنڈورا پیٹتا نہ پھرے کیونکہ اس طرح یہ نکاح ادائے سنت نہ ہوگا۔ اسی طرح نماز کے ادا کرنے کیلئے اطاعت الٰہی کا جذبہ یا شوق دل میں پیدا ہو جائے اور زبانی اپنی نیت کا بغیر

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۳۰، جلد ۱، صفحہ ۵۴۔

[2] صحیح بخاری، حدیث ۱، جلد ۱، صفحہ ۳۔

ضرورت کے اظہار بھی نہ کرے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ نیت چونکہ خواہش ہے جو تجھے کسی کام میں لگا دے اور خواہش کی قدرت انسان کے اختیار میں نہیں کیونکہ خواہش کبھی ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی۔ اب خواہش پیدا کرنے کیلئے اس عقیدے کو دل میں پختہ کرے کہ میں یہ کام اس دنیا کیلئے کر رہا ہوں یا آخرت کیلئے۔ نیت نیک وہی ہے جو اللہ کیلئے ہو۔ اگر نیت درست نہ ہو تو وہ کام نہ کرے کیونکہ اس کام کا ثمرہ مرتب نہ ہوگا۔ پہلے نیت کو درست کرے پھر عمل کرے البتہ نماز یا فرائض میں کوتاہی شریعت کی چوری کے برابر ہے۔

ابن سیرینؒ نے حسن بصریؒ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی اور صاف کہہ دیا تھا کہ میں اس کی نیت اپنے دل میں حاضر نہیں پاتا۔ سفیان ثوریؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے مشہور عالم دین حماد بن ابی سلیمانؒ کی نماز جنازہ میں شرکت کیوں نہ فرمائی جواب دیا کہ اگر نیت حاضر ہوتی تو اس میں شامل ہوتا۔

طاؤسؒ سے کسی نے دعا کی درخواست کی تو فرمایا "تمہیں میری نیت کے حاضر ہونے تک انتظار کرنا ہو گا" جب آپ سے حدیث بیان کرنے کیلئے کہا جاتا تو کبھی بیان فرما دیتے اور کبھی کہتے کہ میں نیت کے انتظار میں ہوں۔ ایک بزرگ نے کہا کہ ایک ماہ ہونے کو آیا ہے کہ ہر روز فلاں مریض کی عیادت کیلئے جانے کو سوچتا ہوں لیکن ابھی تک نیت درست نہیں ہوئی۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ یاد رہے کہ دنیاوی حرص کا غلبہ اگر ہو تو نیت درست ہو ہی نہیں سکتی اور ادائے فرض کیلئے بھی بہت سے لوگوں کی نیت درست نہیں ہوتی کیونکہ اس کا درست کرنا بڑا مشکل ہے۔ بعض اوقات تو نماز، روزہ کی صحیح نیت کیلئے دل کو دوزخ کا خوف دلانا پڑتا ہے۔ نیت کے حاضر نہ ہونے پر کئی بار انسان فضیلت والے (افضل) امور چھوڑ کر مباحات (کمتر) امور اختیار کر لیتا ہے مثلاً قصاص (خون بہا یا خون کا بدلہ مال سے دینا) مباح ہے اور عفو و درگزر کرنا افضل ہے اگر عفو و درگزر کیلئے نیت حاضر نہ ہو تو قصاص لے لے کیونکہ جبری عفو و درگزر اخلاص سے خالی ہوگا۔ اسی طرح اگر نماز تہجد کی نیت درست نہ ہو اور نیت یہ ہو کہ اگر سو جاؤں تو نیند پوری ہو جائے گی اور نماز فجر قضا نہ ہوگی تو زبردستی تہجد پڑھنے سے بہتر ہے کہ فجر کی نماز وقت پر اٹھ کر باجماعت پڑھ لے۔ اسی طرح اگر بے دلی، پریشانی یا ملال کی حالت میں عبادت میں یہ محسوس کرے کہ بیوی سے کچھ مزاحیہ باتیں، دل لگی یا خوش طبعی ہو جائے اور دل بھی شگفتہ ہو جائے اور اس کے بعد دل عبادت میں لگ جائے تو اس نیت سے یہ تفریح اور خوش وقتی اس بے دلی اور زبردستی کی عبادت سے افضل اور احسن ہے۔

حضرت ابو دردا رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ کبھی کبھی اپنے آپ کو کھیل کود سے شگفتہ خاطر کر لیتا ہوں تا کہ راحت و نشاط کی یہ کیفیت حق تعالیٰ کی عبادت میں بھی کیف و سرور کا ذریعہ بن جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر تو دل کو زبردستی ایک ہی کام میں مشغول رکھے گا تو تیرا دل اندھا ہو جائے گا۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ بعض مرتبہ کسی حرارت والے مریض کو حکیم لوگ گوشت کھانے کی اجازت دے دیتے ہیں کیونکہ اس سے پیدا شدہ

توانائی سے دوائی اپنا صحیح اثر کرنے کا احتمال رکھتی ہے۔ چنانچہ جان لو کہ نیت کی وجہ سے عمل وجود میں آتا ہے۔ جنت کی خاطر عمل کرنے والا پیٹ اور فرج کا بندہ ہے اور دوزخ سے ڈر کر عمل کرنے والا بدنیت غلام کی طرح ہے جو ڈنڈے کے بغیر کام نہیں کر سکتا۔ ان کے اعمال کو اللہ سے کوئی غرض نہیں۔ طَالِبُ الدُّنْیَا مُخَنَّثٌ (دنیا کا طالب ہیجڑہ ہے) طَالِبُ الْعُقْبٰی مُؤَنَّثٌ (طالب آخرت مونث ہے) وَطَالِبُ الْمَوْلٰی مُذَکَّرٌ (اللہ کا طالب مرد ہے) کہا جاتا ہے کہ محبوب سے محبت اس کے حسن و مال و دولت کے حصول کیلئے نہیں بلکہ اس کی ذات سے ہونی چاہیے۔

حضرت رابعہ بصریؒ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ الٰہی اگر میں جنت کیلئے عبادت کرتی ہوں تو میں یہ کہتی ہوں کہ بے شک مجھے جنت سے محروم کر دے اور اگر میں دوزخ کے خوف سے عبادت کرتی ہوں تو مجھے بے شک دوزخ میں ڈال دے اور الٰہی اگر میں تیری رضا اور لقاء کیلئے عبادت کرتی ہوں تو مجھے اپنے دیدار سے محروم نہ رکھ۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جو جلال و جمال خداوندی کے طلبگار رہیں وہ اللہ کی مناجات میں مشغول ہو جاتے ہیں اور ان کی عبادت میں ذکر و فکر کا رنگ الگ نمایاں ہوتا ہے۔ اس حال میں محبوب کی فرمانبرداری بھی اسے محبوب ہو جاتی ہے۔ وہ لذتِ گناہ سے اس لیے کنارہ کش ہو جاتا ہے کہ شہوتِ گناہ اس کے لطف مشاہدہ اور لذتِ مناجات میں بدمزگی پیدا کر دیتی ہے (بلکہ گناہ کے خیال سے ہی فرق آنا شروع ہو جاتا ہے) ایسے لوگ ہی حقیقی عارف باللہ ہوتے ہیں۔ احمد بن خضرویہؒ نے خواب میں حق تعالیٰ کو فرماتے سنا کہ "لوگ تو مجھ سے کوئی نہ کوئی چیز مانگتے ہیں مگر ابو یزیدؒ مجھ سے مجھی کو مانگتا ہے"۔ حضرت شبلیؒ کو کسی نے خواب میں پوچھا کہ آپ سے اللہ نے کیا سلوک کیا تو فرمایا کہ مجھ پر عتاب ہوا کیونکہ میں نے ایک بار یہ کہہ دیا تھا کہ اس سے بڑا اور کیا نقصان ہو سکتا ہے کہ آدمی بہشت سے محروم ہو جائے حالانکہ یہ کہنا چاہیے تھا کہ اس سے بڑا اور کیا نقصان ہو سکتا ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محروم ہو جائے۔

جو اللہ سے ڈرے اس سے ہر چیز ڈرتی ہے

خلوص کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اس سے ہر چیز ڈرتی ہے۔ اس سلسلے میں بہت سی روایات پڑھنے میں آتی ہیں۔ ان سب کا نقل کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ صرف دو تین پر اکتفا کیا جائیگا۔ صاحب کشف المحجوب ایک جگہ فرماتے ہیں۔ کہ جب کوئی آدمی خلوصِ دل کے ساتھ خدا کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ باقی تمام دنیا سے منہ پھیر لیتا ہے کیوں کہ دنیا اور اہل دنیا کا خدا کی محبت میں کوئی دخل نہیں۔ قربِ خداوندی اللہ کے احکام کی تعمیل میں خلوص پیدا کرنے سے ہوتا ہے۔ جو خواہشات کا شکار ہو وہ قربِ حق سے محروم ہوتا ہے۔ انسان کی ذات کائنات کا خلاصہ ہے جو اپنی ذات سے روگرداں ہے، وہ نوعِ انسان سے روگرداں ہے، جب تک انسان اپنے آپ سے روگرداں نہ ہو، خلق سے روگردانی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ حضرت ابراہیم

بن ادھم کا قول ہے کہ خدا کی دوستی کا دامن پکڑو باقی ہر چیز سے منہ موڑ و (یہی اخلاص ہے)۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کی ہمراہی میں سفر کر رہا تھا اور ہم ایسی جگہ پہنچے جہاں سانپ بہت تھے۔ حضرت نے اس جگہ اپنا آفتابہ رکھ دیا اور وہاں بیٹھ گئے۔ جب رات ہوئی تو سانپ نکل آئے۔ میں نے حضرت کو آواز دی۔ فرمایا تم ذکر میں مصروف رہو۔ میں ذکر میں مشغول ہو گیا سانپ لوٹ گئے۔ تھوڑی دیر بعد پھر پلٹ پڑے۔ میں نے پھر شیخ کو پکارا۔ شیخ نے پھر فرمایا ذکر میں مصروف رہو، صبح تک یہی حالت رہی۔ جب ہم اس جگہ سے روانہ ہونے لگے تو شیخ کے بستر پر سے ایک سانپ نظر آیا جو کنڈلی مار کر لیٹا ہوا تھا۔ میں نے کہا آپ کو اس سانپ کا احساس بھی نہیں ہوا۔ انہوں نے فرمایا نہیں، بلکہ ایک مدت کے بعد میری رات بہت اچھی طرح گزری ہے۔ اس مثال سے معلوم ہوا کہ جو اللہ سے ڈرے اس سے ہر چیز ڈرتی ہے۔ ابو عثمان کا قول ہے کہ جس نے دنیاوی وحشت نہیں دیکھی اس نے ذکر کی محبت کی لذت نہیں چکھی۔[1]

کشف المحجوب میں ہے کہ حضرت سہل بن عبداللہ کے پاس ایک بزرگ گئے تو دیکھا کہ ان کے حجرے میں ایک سانپ ہے۔ وہ ڈر گئے۔ آپ نے آواز دی کہ ڈرو نہیں اندر آجاؤ جس کا ایمان خدا پر ہو اس سے ہر چیز ڈرتی ہے۔ جمعہ کا دن تھا پھر فرمایا کہ تم جمعہ پڑھنا چاہتے ہو۔ میں نے عرض کیا ہمارے اور مسجد کے درمیان ایک دن اور ایک رات کی مسافت ہے۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور تھوڑی دیر ہی چلے تھے کہ جامع مسجد سامنے نظر آنے لگی۔ ہم نے نماز جمعہ ادا کی پھر باہر نکل آئے۔ حضرت سہل رک گئے اور مسجد سے باہر نکلنے والوں کو دیکھنے لگے۔ پھر فرمایا کلمہ توحید پڑھنے والے تو بہت ہیں لیکن ان میں مخلص بہت کم ہیں۔

زبانی کلمہ ہر کوئی پڑھدا، دل دا پڑھدا کوئی ھُو　　جتھے کلمہ دل دا پڑھیئے اوتھے ملے زبان نال ڈھوئی ھُو

دل دا کلمہ عاشق پڑھدے کیہہ جانن یار گلوئی ھُو　　ایہہ کلمہ سانوں پیر پڑھایا باہُو میں سدا سہاگن ہوئی ھُو

(نوٹ: ۱۔ نہ ڈھوئی کے معنی گنجائش نہیں ہے۔ ۲۔ گلوئی کے معنی باتونی لوگ)

اخلاص پر اقوال مشائخ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے معاذ رضی اللہ عنہ! عمل اخلاص سے کر کہ وہ تھوڑا بھی ہو تو کافی ہے"۔[2]

ابوالحسن بوشنجیؒ: کہتے ہیں کہ اخلاص وہ چیز ہے جس کو نہ تو فرشتے لکھیں، نہ شیطان اس کو بگاڑ سکے اور نہ انسان کو اس کی اطلاع ہو۔ نزہۃ المجالس میں روایت ہے کہ ایک اعرابی نے مسجد میں ہلکی نماز پڑھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر کوڑا لے کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا نماز دہراؤ اس نے نماز اطمینان سے دہرائی، تو آپ نے

---

[1] غنیۃ الطالبین، شیخ عبدالقادر جیلانی، صفحہ ۴۴۹، مدینہ پبلشنگ، کراچی۔

[2] بریقۃ محمدیہ فی شرح طریقۃ محمدیہ، جلد ۳، صفحہ ۱۴۶، بیروت۔

فرمایا کہ نماز یہ بہتر ہے یا پہلی نماز۔ اس اعرابی نے فوراً جواب میں کہا کہ نماز تو پہلی ہی بہتر تھی کیونکہ وہ میں نے خدا کیلئے پڑھی تھی، اور یہ کوڑے کے خوف سے۔

حضرت فضیلؒ: نے فرمایا کہ لوگوں کی خاطر عمل ترک کر دینا ریا ہے، لوگوں کی خاطر عمل کرنا شرک ہے اور اخلاص ان دونوں باتوں سے محفوظ رہنا ہے۔

حضرت ابوسلیمانؒ: فرماتے ہیں کہ خدا ٹھنڈا رکھے اس خوش بخت کو جس نے اپنی عمر میں ایک قدم اخلاص سے اٹھایا۔ (یعنی اس میں سوائے خدا تعالیٰ کی رضا کے اور کسی کو نہ چاہا)۔

حضرت ابوتراب سختیانیؒ: فرماتے ہیں کہ اخلاصِ نیت اصل نیت سے بھی دشوار تر ہے۔

حضرت سہلؒ: سے پوچھا گیا کہ نفس پر کون سی چیز گراں ہے فرمایا اخلاص کیونکہ اس میں نفس کا کوئی حصہ نہیں۔

حضرت مکحولؒ: فرماتے ہیں ''جو بندہ چالیس دن تک اخلاص سے عمل کرتا رہے گا اس کے دل سے حکمت کے چشمے نکل کر زبان پر جاری ہو جائیں گے''۔

ابن ابی حواریؒ: نے ابوسلیمانؒ کو فرماتے سنا کہ جب بندے میں اخلاص پیدا ہو جاتا ہے تو وسوسوں کی کثرت اور ریا اس سے منقطع ہو جاتی ہے۔

''حیوٰۃ الحیوان'' میں علامہ دمیریؒ نے لکھا ہے کہ جب آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تو جبریل علیہ السلام نے زمین پر آ کر اعلان کیا کہ آدم علیہ السلام کو اللہ نے اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے اور ان کی تابعداری تمام اہل دنیا پر فرض کر دی ہے، چنانچہ ہرنوں کا ایک گروہ آیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو سلام کیا اور زیارت کی تو آپ نے پیار کیا اور دعا فرمائی۔ اس دعا کی وجہ سے ان ہرنوں میں مشکِ نافہ پیدا ہوا۔ جب دوسرے ہرنوں نے دریافت کیا کہ یہ مشک نافہ ان کو کیسے ملا تو انہوں نے قصۂ زیارت آدم علیہ السلام بیان کیا۔ اس پر ان کو بھی رغبت ہوئی اور اسی طرح وہ بھی حاضری کیلئے آئے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان کو دعا دی مگر مشک نافہ پیدا نہ ہوا۔ انہوں نے بیان فرمایا کہ پہلا گروہ خدا کیلئے گیا تھا اور دوسرا گروہ خدا کیلئے نہیں بلکہ نافہ کیلئے گیا تھا اس لیے محروم رہا۔

حکایت نمبر ۱: امام غزالیؒ نے ایک کافی طویل مگر بہت مشہور واقعہ احیاء العلوم میں لکھا ہے ''جو اختصار سے پیش کیا جا رہا ہے'' کہ بنی اسرائیل کے ایک عابد نے سنا کہ فلاں جگہ ایک درخت ہے جس کی لوگ پوجا کرتے ہیں۔ اس عابد نے اس درخت کو کاٹنے کا فیصلہ کیا تو راستے میں ابلیس ایک بوڑھے کی شکل میں ملا اور اس کو سمجھایا کہ تجھے کیا پڑی تو جا اور اپنی اللہ اللہ کر۔ آخر جھگڑا ہوا اور دونوں گتھم گتھا ہوئے تو عابد نے ابلیس کو دو مرتبہ چت کر لیا اور بحث ہوتی رہی۔ آخر ابلیس نے کہا کہ اے درویش! لوگ تیری خدمت کرتے ہیں اور اگر تیرے پاس پیسہ ہوتا تو پھر تو لوگوں کی خدمت کرتا اور ثواب کماتا۔ پھر کہا تو درخت نہ کاٹ میں ہر روز تیرے سرہانے دو دینار رکھ دیا کروں گا۔ وہ عابد مان گیا مگر تیسرے دن ہی وہ دینار ابلیس نے بند کر دیئے۔ اس کو غصہ آیا اور پھر درخت کاٹنے کیلئے نکل پڑا۔ اس بار وہ ابلیس سے جب گتھم گتھا ہوا تو ابلیس نے عابد کو ایک منٹ

میں چت کرلیا۔ عابد نے جب ابلیس سے پوچھا کہ تو کس طرح مجھ پر غالب آ گیا۔ اس نے جواب دیا کہ پہلے تو اللہ کیلئے درخت کاٹنے آیا تھا اس لیے حق تعالیٰ تجھے غالب کر دیتا تھا۔[1] کیونکہ ایسے کسی آدمی پر مجھے قابو حاصل نہیں ہوتا جو خاص اللہ کی راہ میں کام کر رہا ہو اور جو آدمی اپنی خواہش کے مطابق عمل کر رہا ہو وہ مجھ سے کیا مقابلہ کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شیطان کے متعلق ارشاد ہے: "إِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ" (بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کوئی زور نہیں ہوگا) (بنی اسرائیل: ۶۵)۔

حکایت نمبر ۲: امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے کسی بزرگ کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور اس نے بتایا کہ اس کے تمام اعمال اخلاص سے خالی نکلے اور اس نے ان کو گناہوں کے پلڑے میں پایا حتیٰ کہ جھوٹے اعمال بھی اپنے اپنے مقام پر دیکھے۔ اس نے اللہ سے اپنے گدھے کے متعلق پوچھا کیونکہ وہ کہیں نہ نظر آیا تھا۔ فرمایا جہاں تو نے اپنا گدھا بھیجا تھا وہیں پہنچ گیا۔ فرمایا کہ جب تیرا گدھا مرا تو تو نے یہ کہا تھا "إِلَى لَعْنَةِ اللهِ" اور اگر تو کہہ دیتا کہ "فِي سَبِيْلِ اللهِ" تو آج اسے نیکیوں کے پلڑے میں دیکھتا۔ اس شخص نے کہا میں نے ایک دن صدقہ دیا اور لوگ اسے دیکھ رہے تھے اور ان کا دیکھنا مجھے اچھا لگا لہٰذا وہ صدقہ بھی نیکیوں کے پلڑے میں نہ تھا۔

حکایت نمبر ۳: ایک شخص جہاد پر گیا اور راستے میں ایک توبرہ خرید لیا کہ چلو اس کو بیچ کر منافع حاصل کریں گے۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ اس کا نام فرشتوں نے تاجروں میں لکھا ہوا تھا۔ اس نے احتجاج کیا اور فرشتوں سے کہا کہ میرے پاس کون سا مال ہے جو تم نے مجھے تجارت کیلئے لکھا ہے۔ انہوں نے کہا اے شیخ وہ توبرہ تجارت کیلئے نہیں تو اور کس لیے خریدا تھا۔ جب اس نے رو کر کہا کہ خدا کی قسم میں تجارت کی نیت سے نہیں آیا ہوں تو ایک فرشتے نے کہا کہ اچھا یہ لکھ لو کہ یہ جہاد کی نیت سے آیا تھا مگر راستے میں اس نے توبرہ خرید لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ جو چاہے حکم فرمائے (ہر چیز کے متعلق اسی طرح چھان بین ہوگی کہ یہ مال کہاں سے آیا اور کہاں خرچ کیا)۔

زانکه مخلص در خطر باشد مدام ۔ تا زخود خالص نگردد او تمام[2]

(اہل اخلاص ہمہ وقت خطرے میں ہوتے ہیں تاوقتیکہ وہ (شائبہ خودی سے) بالکل پاک ہو کر فنافی اللہ نہ ہو جائیں)

اسی لیے صوفیاء نے کہا کہ مخلص لوگوں کا ہر وقت محتاط رہنا ضروری امر ہے۔ "وَالْمُخْلِصُوْنَ عَلٰى خَطَرٍ عَظِيْمٍ" (مخلص لوگ ہر وقت ایک عظیم خطرے کے کنارے پر ہوتے ہیں)۔[2]

حکایت نمبر ۴: روایات میں ہے کہ کسی نے جنید بغدادیؒ کو خبر دی کہ احمد بن محمد نوری بغداد (متوفی ۲۹۵ھ) بازار میں لوگوں سے سوال کرتے پھرتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے کچھ درہم منگوائے اور ان میں سے سو تول کر ایک برتن میں ڈال دیئے اور ایک مٹھی بھر بے تولے درہم بھی اس میں ڈال دیئے اور خادم سے کہا کہ یہ نوری کو دے دو۔ نوریؒ نے سو گن کر نکال لیے اور کہا یہ تو جنیدؒ کو واپس کر دو اور جو کچھ بڑھا دہ نے لیا۔ سو درہم

---

[1] احیاء العلوم، جلد ۳، صفحہ ۴۶۵۔

[2] احیاء العلوم، جلد ۳، صفحہ ۱۵۰۔

واپس کرنے کے بعد ثوریؒ نے کہا جنیدؒ چاہتے ہیں کہ دونوں طرح فائدے میں رہیں۔ جب خادم واپس آیا تو اس نے یہ قصہ جنیدؒ کو بیان کیا تو جنیدؒ نے فرمایا ''جوان کا تھا وہ انہوں نے لے لیا اور جو کچھ ہمارا تھا وہ چھوڑ دیا'' خادم یہ سب کچھ دیکھ کر بہت حیران ہوا اور آخر حضرت جنی سے دریافت کیا کہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ برائے نوازش یہ معاملہ ہمیں بھی سمجھائیں۔ فرمایا کہ سو درہم میں نے اپنی طرف سے ثواب حاصل کرنے کیلئے دیئے تھے اور اس میں سے تو لے ایک مٹھی بھر درہم خدا کے واسطے دیئے تھے۔ جو خدا کیلئے تھے وہ انہوں نے قبول کر لیے اور جو کچھ میں نے اپنے لیے دیئے تھے وہ قبول نہ فرمائے اور انہوں نے واپس کر دیئے (جنید نے جو درہم اللہ کیلئے دیئے تھے وہ مکمل طور پر پُر اخلاص تھے لہٰذا قبول کر لیے)۔

اخلاص پر مشائخ عظام کے مزید اقوال

امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ اخلاص کیا ہے فرمایا: ''اَلْاِخْلَاصُ هُوَ الْخَلَاصُ مِنْ اٰفَاتِ الْاَعْمَالِ'' (اخلاص وہ ہے جو آفات اعمال سے نجات پائے۔ (یعنی ریا قطعا نہ ہو)۔ مختلف صوفیاء نے جو کچھ اخلاص کے متعلق فرمایا ہے وہ نیچے بیان کیا جا رہا ہے۔

۱۔ غنیۃ الطالبین: میں ہے کہ اخلاص وہ ہے کہ جس میں خرابیوں کی آمیزش اور جواز کی تاویلات تلاش نہ کی گئی ہوں اور وہ عمل جو مخلوق سے پوشیدہ اور نقائص سے پاک ہو۔[1]

۲۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ظاہر اور باطن کی یکسانیت کا نام اخلاص ہے۔

۳۔ ابو یعقوب مکفوفؒ نے فرمایا کہ جس طرح برائیوں کو چھپایا جاتا ہے اسی طرح نیکیوں کو چھپانا اخلاص ہے۔

۴۔ ابو ادریس خولانیؒ نے فرمایا کہ بندہ اخلاص کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا جب تک اسے خدا تعالیٰ کیلئے عمل پر اپنی تعریف ناپسند نہ ہو (یعنی اپنی تعریف کو پسند نہ کرے)۔

۵۔ سہل بن عبداللہؒ نے فرمایا کہ اپنے عمل کو ہیچ اور حقیر سمجھنا اخلاص ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اطاعتِ حق میں مخلوق کی خوشنودی کو نہ ملانا اخلاص ہے۔

۶۔ ابو یعقوب موسیٰؒ نے فرمایا کہ جب تک لوگ اپنے اخلاص میں اخلاص دیکھتے رہیں گے (یعنی اخلاص کا دعویٰ کریں گے) ان کا وہ اخلاص سدا اخلاص کا محتاج رہے گا۔

۷۔ حضرت ذوالنونؒ نے فرمایا کہ اخلاص وہ ہے جسے دشمن خراب نہ کر سکے۔

۸۔ ابو بکر دقاقؒ نے فرمایا کہ ہر مخلص کو اپنے اخلاص کے دیکھنے سے نقصان پہنچتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی کے اخلاص کو پسند فرماتا ہے تو پھر اس کے اخلاص کو ان کی نظر سے گرا دیتا ہے یعنی اس کی نظر میں اسی کی وقعت نہیں رہتی۔

۹۔ ابو سعید مرزاؒ نے فرمایا کہ اہل معرفت کی ریا اہل ارادہ کے اخلاص سے بہتر ہے یعنی جو اخلاص ارادہ سے ہو

---

[1] غنیۃ الطالبین، جلد ۱، صفحہ ۷۴۴۔

وہ اہل معرفت کی ریا سے بھی کم درجہ پر ہے۔

۱۰۔ ابوعثمانؒ نے فرمایا کہ خالق کی طرف ہمیشہ نگاہ رکھنے والا مخلوق کی طرف دیکھنا بھول جاتا ہے یہی اخلاص ہے کہ مخلوق کی طرف دیکھنا بھول جائے۔

۱۱۔ کسی صوفی نے فرمایا کہ اخلاص یہ ہے کہ جس میں صرف حق مطلوب ہو اور صدق مقصود ہو۔

۱۲۔ کسی صوفی نے فرمایا کہ اپنے عمل پر نظر رکھنے سے گریز اور اعراض کرنا اخلاص ہے۔

۱۳۔ سری سقطیؒ نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کو دکھانے کیلئے ان چیزوں سے آراستہ ہو جو اس میں موجود نہیں ہیں وہ اللہ کی نظر سے گر جاتا ہے۔ ''مَنْ تَخَلَّقَ لِلنَّاسِ بِغَیْرِ مَا فِیْہِ فَضَحَہُ اللّٰہُ''

۱۴۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ اخلاص خدا اور بندے کے درمیان ایک راز ہے جس سے نہ کوئی فرشتہ واقف ہے کہ اسے لکھ سکے، نہ شیطان اس سے آگاہ ہے کہ اس کو روک سکے۔[1]

۱۵۔ حضرت بشر حافیؒ نے فرمایا کہ اخلاص یہ ہے کہ آفتِ اعمال سے نجات حاصل ہو یعنی عمل ریا، مکر، فریب اور غرض پرستی سے مبرّا ہو۔

ریا کی نشاندہی

کوئی مغلوبِ دنیا ہو تو لاکھ عابد ہوتے ہوئے بھی اخلاص اس کے پاس نہ بھٹکے گا۔ یہ بیان ہو چکا ہے کہ اعمال نیت کی وجہ سے ہوتے ہیں اور نیت سے عمل پورے ہوتے ہیں گویا عمل نیت کے تقاضے سے وجود میں آتا ہے۔ لیکن جونہی آمیزش، ملاوٹ یا کھوٹ آ گیا یا کوئی بھی غرض عمل میں شامل ہوگئی اور کسی غرض نے عبادت کی نیت کو مغلوب کر لیا تو اخلاص ختم ہو جائے گا اور وہ کام محض اللہ کیلئے نہ ہوگا جیسا کہ منہ سے تو کہے کہ روزہ خدا کیلئے رکھتا ہوں مگر دل میں خیال ہو کہ کھانے کے پرہیز سے صحت اچھی ہو جائے گی، گھر کا خرچ کم ہو جائے گا، کھانا پکانے سے فراغت مل جائے گی اور دوسرے کاموں کیلئے فراغت مل جائے گی۔ ایسے ہی غلام کو آزاد کرنے کیلئے یہ خیال کرے کہ اس کے خرچ اور بدخوئی سے بچوں گا یا جیسے کوئی حج سے مراد تبدیلی آب و ہوا، نئے شہروں کی سیر، اہل وعیال کے جھمیلوں سے اور دشمن کے ہاتھوں سے بچنا مقصود سمجھے تو حج میں خلوص نہ ہوگا۔ اگر کوئی تہجد اس لیے پڑھے کہ نیند نہیں آ رہی یا اسباب کی حفاظت منظور ہو تو یہ تہجد کہاں ہوگی۔ اسی طرح علم کے حاصل کرنے کا مقصد روزگار کمانا، لوگوں میں عزت، قدر و منزلت پانا ہو تو خلوص برائے علم نہ ہوگا، یا درس اس لیے دے کہ مشغول ہو جائے یا خاموشی کے رنج سے بچے گا تو درس کا مقصد پورا نہ ہوا۔ کوئی قرآن کی کتابت کرے مگر چاہتا یہ ہو کہ خط صاف اور پختہ ہو جائے، یا حج پیدل اس لیے کرے کہ کرایہ کی بچت کرے گا تو خلوص عمل کہاں رہا۔ وضو اور غسل سے ٹھنڈک حاصل کرنا اور صاف ستھرا ہونا مراد نہیں ہونا چاہیے۔ ایسے ہی سائل کیلئے خیرات اس لیے دینا کہ وہ شور نہ مچائے یا لوگ یہ نہ کہیں کہ اس نے فقیر کو کچھ نہیں دیا اور بیمار کی عیادت کو اس لیے جائے کہ وہ بھی میری عیادت کو

---

[1] غنیۃ الطالبین، جلد ۱، صفحہ ۴۴۸۔

آئے گا اور اگر نہ گیا تو لوگ کہیں گے کہ فلاں عبادت کو نہیں آیا۔ یہ سب خلوص عمل کے منافی افعال ہیں۔

امام غزالیؒ نے فرمایا کہ جو لوگ دنیا کی محبت سے مغلوب ہوں وہ لاکھ نمازیں پڑھیں اور روزے رکھیں اور ان کا میلان ادھر ہی ہوگا جدھر دل کا میلان ہوگا چنانچہ جس پر جاہِ دنیا کی دھن سوار ہو اس کے تمام کام لوگوں کو دکھانے کی خاطر ہوتے ہیں راقم الحروف کا خیال ہے کہ آج کل جو لوگ نمازی ہونے کے باوجود نمازیوں کی طرح صاحبِ اوصاف نہیں وہ اس ریاکاری کی وجہ سے ہی اپنی نمازوں کے اثرات سے محروم ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا صبح اٹھ کر منہ ہاتھ دھونا یا لباس تبدیل کرنا بھی محض عادت یا لوگوں کے دکھانے کی خاطر ہوتا ہے اور کسی بھی کام میں اخلاص کا دامن تھامنا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے جتنا کہ درس و تدریس یا روایت حدیث مشکل ہے۔ جن کاموں میں مخلوق سے تعلق ہو ان میں دلچسپی کا سبب یہی ہوتا ہے کہ قبول عام ہونے کی دھن سر پر سوار ہوتی ہے اور یہاں تک کہ کبھی مقبول عام ہونے اور قرب الٰہی حاصل کرنے کی خواہش برابر ہوتی ہے اور اگر برابر نہ ہو تو آمیزش سے بہر حال خالی نہیں ہوتی۔ اس قبولیت عام کا شکار نہ ہونا تو بڑے بڑے علماء کیلئے بھی محال ہے۔

ایک بزرگ تیس سال سے صف اول کے نمازی تھے۔ ایک روز تاخیر کے سبب دوسری صف میں جگہ ملنے پر دل میں ندامت محسوس کی کہ لوگ کیا کہیں گے کہ یہ پہلی صف والا آج دیر سے آیا ہے۔ وہ بزرگ کہتے ہیں کہ میں اس لیے خوش ہوتا تھا کہ لوگ مجھے پہلی صف میں دیکھا کریں۔ فرمایا کہ مجھے اس دن محسوس ہوا کہ میری تیس برس کی نمازیں قضا ہو چکی ہیں۔ عراقی نے خوب کہا ہے ؎

به حرم چوں سجده کردم ز زمیں ندا بر آمد　　که مرا خراب کر دی تو به سجدهٔ ریائی

(جب میں نے حرم میں سجدہ کیا تو زمین سے یہ ندا آئی کہ تم نے مجھے اس ریا والے سجدہ سے خراب کیا)

اخلاص کا جاننا اور پہچاننا بہت مشکل ہے

مندرجہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ اخلاص کا جاننا اور پہچاننا بہت مشکل ہے۔ عام مسلمان تو یہ جانتے ہی نہیں کہ نیت کا درست ہونا کیسے ہوسکتا ہے۔ ریا کی آمیزش اتنی باریک ہے کہ اس کا علم ہونا مشکل ہے اور شاید ہی کوئی شخص ہو جو اس سے واقفیت رکھتا ہو اسی لیے بزرگوں نے کہا ہے کہ ایک عالم کی دو رکعت نماز جاہل کی سال بھر کی نمازوں سے بہتر ہے کیونکہ جاہل کو اپنے اعمال کی آفات کی خبر ہی نہیں ہوتی اور اعمال میں اغراض کی ملاوٹ کا پتہ ہی نہیں ہوتا۔ اس کے نزدیک ریا والے اعمال بھی خالص ہوتے ہیں، حالانکہ عبادت میں کھوٹ ویسے ہی ہوتا ہے جیسے سونے میں، جسے صرّاف ہی جانتا ہے۔ جاہل کے نزدیک تو سونے کا زرد ہونا ہی گویا اس کا خالص ہونا ہے۔

ریا کے چار درجے

ریا ایک ایسا زہر ہے جو ہماری تقریباً تمام عبادات کے اجر کو ضائع کر دیتا ہے۔ ہم نماز میں اکثر

ریاکاری کر جاتے ہیں اور ہمیں اس کا علم بھی نہیں ہوتا چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ جب کوئی نماز پڑھتا ہو اور کچھ لوگ بعد میں آ گئے ہوں تو شیطان نمازی کو کہے گا کہ ذرا دھیان سے پڑھ لوگ کیا کہیں گے۔ لوگوں کے آ جانے کے بعد اگر نماز میں تبدیلی ہوئی تو یہ ریا ہے۔

۲۔ اگر کوئی لوگوں کے دیکھنے کی وجہ سے تبدیلی نہ کرے تو شیطان کہے گا بھائی آہستہ پڑھ تاکہ تیری نماز لوگوں کیلئے نمونہ ہو سکے۔ اگرچہ لوگ اس کی نماز کے نمونے سے فائدہ حاصل کریں مگر اس اقتداء کا ثواب تب ہی ملے گا اگر اس میں خشوع وخضوع ہے۔ جعلی دکھاوے کا خضوع اور جھومنا نہ ہو ورنہ یہ دکھاوا منافقت ہوگی۔

۳۔ اگر خلوت میں اچھی نماز اس نیت سے پڑھے کہ جب لوگوں کے سامنے پڑھوں گا تو ایسی ہی اچھی طرح پڑھوں گا تو یہ بھی پوشیدہ ریا ہے۔

۴۔ اگر نمازی یہ جانتا بھی ہو کہ خلوت یا جلوت میں لوگوں کیلئے خضوع کا ظاہر کرنا ریا ہے اور وہ یہ جان کر کہ اللہ کے دربار میں کھڑا ہے، اپنے دل میں خضوع پیدا کرے اور لوگوں کی نظر میں آراستہ ہو جائے تو اس صورت میں بھی ریا ہوگا۔ یاد رکھیں کہ جب تک نمازی کو یہ محسوس نہ ہو کہ اسے دیکھنے والے آدمی ہیں یا چوپائے، اس کی نماز ریا سے خالی نہیں، یعنی لوگوں کا دیکھنا یا نہ دیکھنا اس کیلئے یکساں ہو تو ریا نہ ہوگا۔ نماز کا ثواب کچھ اس طرح ہوگا کہ اگر نیت عبادت اور ریا وغرض برابر ہیں تو نہ ثواب ہے نہ عذاب اور ریا کچھ کم ہے تو کچھ ثواب ملے گا۔ اگر اخلاص مفقود ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ "جس کی خاطر تم نے یہ عمل کیا تھا اب اس سے جا کر اس کا اجر طلب کرو"۔ اگر عمل میں ریا کے سوا کچھ نہیں یا پھر ریا غالب ہو تو عذاب ہوگا۔

اُمت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر ایک آدمی حج کے سفر میں تجارت کرے تو اس کا حج باطل نہ ہوگا یعنی رد تو نہ کیا جائے گا البتہ وہ ثواب نہ ملے گا جو مخلص حاجی کو ملتا ہے کیونکہ اصل ارادہ تو حج کا ہے اور تجارت اس کے تابع ہے اور اگر جہاد میں مال غنیمت کا خیال ہو تو حرج نہیں البتہ نیتِ جہاد مالِ غنیمت کی وجہ سے نہ ہو۔

باب نمبر ۳

وضو

(وضو کے آداب، فضائل اور فلسفہ)

اسلام کی بناء طہارت اور پاکیزگی پر ہے۔ احادیث میں پاکیزگی کو نصف الایمان یا ''شَطْرُ الْاِیْمَانِ'' [1] (آدھا ایمان) کہا گیا ہے۔ طہارت میں وضو اور غسل کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ وضو تو عبادت کے دروازے کی حیثیت رکھتا ہے۔ بغیر وضو کے کوئی عبادت درست نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلٰوةُ وَمِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ'' [2] (یعنی جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی طہارت یعنی وضو ہے) وضو اس وقت سے فرض ہے جب کہ پہلی بار عبادت فرض ہوئی اور یہ آیت ''وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ'' (اور اپنے کپڑے پاک رکھو) (المدثر:۴) نازل ہوئی۔ ابن عبدالبرؒ کا قول ہے کہ غسل مکہ میں فرض ہوا اور نماز کبھی بھی بغیر وضو ادا نہیں کی گئی۔ سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶ میں وضو کی فرضیت کا ذکر ہے۔ ''يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ'' (اے ایمان والو! جب (تمہارا) نماز کیلئے کھڑے (ہونے کا ارادہ) ہو تو (وضو کیلئے) اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں (بھی) ٹخنوں سمیت (دھولو)۔ مدارج النبوت میں ہے کہ اس آیت سے پہلے وضو مستحب تھا واجب نہ تھا۔

طبقات سبکی میں وضو کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام ہمیشہ باوضو رہو۔ اگر تم بے وضو رہے اور تم پر کوئی مصیبت یا بلا آ جائے تو اپنے نفس کے سوا کسی کو ملامت نہ کرنا کیونکہ بے وضو رہنے سے بلا اور مصیبت پہنچتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں تک ممکن ہو ہمیشہ باوضو رہنا چاہیے کیونکہ جس وقت ملک الموت مسلمان بندے کی روح قبض کرتا ہے تو اگر بندہ باوضو ہو تو اس کو شہید کا مرتبہ ملتا ہے۔ [3] ایک حدیث میں ہے کہ مومن کے سوا کوئی باوضو نہیں رہتا۔ [4] چنانچہ اولیائے کرام بھول کر بھی بے وضو نہیں رہتے۔ جس طرح جسمانی عبادت کیلئے وضو کیا جاتا ہے اسی طرح روحانی عبادت اور حضوری کیلئے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کا ذکر کیا جاتا ہے اور یہی روحانی وضو ہے۔ ذکر کرنے سے روح اس طرح پاکیزہ ہو جاتی ہے کہ وہ اللہ کے حضور حاضر ہو سکے۔ چنانچہ عاشقانِ الٰہی پانی سے

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۳۲۸، جلد ۲، صفحہ ۳۔

[2] مسند احمد، حدیث ۱۴۱۳۵، جلد ۲۹، صفحہ ۱۸۴۔

[3] عوارف المعارف، صفحہ ۴۹۴۔

[4] سنن ابن ماجہ، حدیث ۲۷۳، جلد ۱، صفحہ ۳۲۶۔

وضو کے بعد ذکر سے روح کو جلا دیتے ہیں کیونکہ ذکر سے فکر کا دروازہ کھل جاتا ہے اور پھر خدا کے حضور آنسو بہا کر روح کی کثافت کو دور کر کے خدا کی خاص عنایت کے جو یا ہوتے ہیں۔ گویا یہ لوگ پانی کا وضو کرتے ہیں اور پھر ایک اور وضو آنسوؤں سے کرتے ہیں۔

وضو کے فرائض

وضو کے چار فرائض ہیں۔ ہاتھ کہنیوں تک دھونا، چہرہ اور پیروں کا دھونا اور سر کا مسح کرنا۔ ترتیب وضو کیلئے سورۂ مائدہ کی چھٹی آیت کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں جس میں وضو کی فرضیت کا ذکر ہے" یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ" (اے ایمان والو! جب (تمہارا) نماز کیلئے کھڑے (ہونے کا ارادہ) ہو تو (وضو کیلئے) اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں (بھی) ٹخنوں سمیت (دھولو)۔ اور وضو کے مسائل کیلئے "رکن الدین"، "ہماری نماز" اور "نماز کی سب سے بڑی کتاب" کا مطالعہ فرمائیں۔ یہاں چونکہ نماز میں روحانی باتوں پر روشنی ڈالی جارہی ہے اس لیے نماز کے مسائل اس کتاب میں شامل نہیں کیے جارہے۔

وضو کا فلسفہ

جن چار اعضاء کا دھونا وضو کے فرائض میں شامل ہے، یہ وہ اعضاء ہیں جن کی وجہ سے تمام تر گناہ سہوًا یا دانستہ طور پر سرزد ہوتے ہیں۔ وضو میں یہ بات رکھی گئی ہے کہ چونکہ انسان کیلئے اکثر ان اعضاء سے سیاہ کاری ہو سکتی ہے اس لیے حکم دیا کہ ان کو دن میں کئی بار دھو ڈالا جائے تاکہ ظاہری نجاست دور ہو جائے تو اس کے اثر سے باطن بھی درست ہو جائے۔ باطن کو درست کرنے کا طریقہ حضرت داتا گنج بخشؒ کے الفاظ میں "نماز کے روحانی معیار" میں بیان کر دیا گیا ہے (دیکھیں "نماز کے باطنی شرائط" اور "وضو کی نیت کیا ہو") اگر وضو اس انداز سے کیا جائے جیسا کہ حضرت داتا گنج بخشؒ نے بیان فرمایا ہے تو باطن بھی گناہوں سے پاک ہو جائے گا اور اسے اطاعت الہیہ میں لگایا جا سکتا ہے۔ چہرہ دل کا آئینہ ہے اور تقریبًا تمام حواس کا مرکز ہے کیونکہ بیشتر گناہ ناک، آنکھ، کان اور منہ سے ہوتے ہیں اور دل کو زنگ آلود کر دیتے ہیں۔ نظر بازی، بدنگاہی، بدکلامی، نامحرموں کی آواز سننا، گالی گلوچ، ناجائز خوشبوئیں سونگھنا، گانا سننا، ناجائز مال سے لذت اندوز ہونا، برے خیالات کا پیدا ہونا اور فتنے اور شر کا پیدا ہونا، ان چاروں اعضاء کے ذریعے ہی ممکن ہوتا ہے اس لیے ان تمام برائیوں کو ختم کرنے کیلئے ان تمام سرچشموں کو ہی بند کر دیا گیا ہے۔ ہر وضو میں ان اعضاء پر پابندی عائد کرنے سے رفتہ رفتہ یہ تمام برائیاں دور ہو جاتی ہیں کیونکہ یہ اعضاء ہی احکام الٰہی کی خلاف ورزی پر جلد متحرک ہوتے ہیں اور انسان کو آلودگی کی دعوت دیتے ہیں۔

وضو میں پہلے ہاتھ اس لیے دھوئے جاتے ہیں کہ ہاتھوں کے ساتھ مس ہونے سے پتہ چلتا ہے کہ پانی ٹھنڈا ہے، گرم ہے، صاف ہے یا گدلا۔ اس کے علاوہ چونکہ منہ مملکتِ جسم میں بادشاہ ہونے کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے پہلے ہاتھوں کو صاف کر کے منہ کو ہاتھ لگایا جائے اور کلی کیلئے پاک اور صاف ہاتھ استعمال ہوں۔ پھر منہ میں پانی ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ پانی بدذائقہ اور خراب تو نہیں۔ ناک میں پانی ڈالا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ پانی بدبودار تو نہیں اور آنکھوں پر چھینٹے مارنا تو طبی اعتبار سے آنکھوں کی لاتعداد بیماریوں کو دور کرتا ہے۔ یہ بات مجرب ہے کہ بازار سے آنے کے بعد یا گھر سے کاروبار پر آنے کے بعد اگر آنکھوں کو دھو دیا جائے تو آنکھ بیماریوں سے محفوظ رہتی ہے۔ اسی طرح بازوؤں کو دھونا بازوؤں سے جراثیم اور نجاست کو دور کرنے کیلئے ضروری ہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ سر کا مسح اور بالخصوص گردن پر پانی والا ہاتھ پھیرنے سے بہت سے امراض دور ہوتے ہیں اور عقل تیز ہوتی ہے۔ پیروں کی صفائی، تازگی صحت اور تھکاوٹ دور کرنے کیلئے مددگار ہے اور اس سے ایسی باطنی قوت پیدا ہوتی ہے کہ یہ قدم گناہ کی طرف نہ اٹھ سکیں۔

وضو کے فضائل

وضو فرائض، سنن اور مستحبات کے ساتھ کیا جائے۔ صوفیاء کا قول ہے کہ اگر وضو کرتے وقت خشوع و خضوع ہوگا تو نماز میں بھی ہوگا۔ جب وضو میں سہو یا وسوسہ ہوگا تو نماز میں بھی ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وضو آدھا ایمان ہے۔[1] یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وضو پر وضو کرنے سے نمازی نور علیٰ نور ہو جاتا ہے اور دس نیکیاں ملتی ہیں۔ سرکار ﷺ نے فرمایا جہاں تک وضو کا پانی پہنچے وہاں تک وضو کرنے والے کو قیامت کے دن زیور پہنائے جائیں گے۔[2] اور آپ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ میری امت کے لوگ قیامت کے دن اس حال میں دیکھے جائیں گے کہ ان کے اعضاء وضو کے اثر سے چمکتے ہوں گے۔[3] معراج کے بعد حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ تم کون سا عمل کرتے ہو کہ کل مجھ سے پہلے تم جنت میں داخل ہو گئے؟ بولے یا رسول ﷺ میرا معمول یہ ہے کہ جب اذان کہتا ہوں تو دو رکعت نماز لازمی طور پر پڑھ لیتا ہوں اور جس وقت وضو ٹوٹ جاتا ہے تو اسی وقت فوراً وضو کر لیتا ہوں۔[4] ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اے بلال مجھ سے بڑی امید دلانے والے عمل کا ذکر کر کہ جو تو نے اسلام کی حالت میں کیا ہو، اس لیے کہ میں نے بہشت میں تیرے قدموں کی آواز اپنے آگے سنی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں نے اسلام میں سب سے بڑا امید دلانے والا عمل اپنے نزدیک اس سے بڑھ کر نہیں کیا کہ میں نے رات یا دن کسی وقت وضو نہ کیا ہو،

[1] سنن الترمذی، حدیث ۳۴۳۹، جلد ۱۱، صفحہ ۴۲۳۔
[2] صحیح مسلم، حدیث ۳۶۸، جلد ۲، صفحہ ۵۵۔
[3] مسند احمد، حدیث ۴۴۷۰۴، جلد ۴۴، صفحہ ۲۱۳۔
[4] سنن الترمذی، حدیث ۳۶۲۲، جلد ۱۲، صفحہ ۱۴۹۔

مگر یہ کہ اپنے رب عزوجل کیلئے اس وضو سے نماز نہ پڑھی ہو، جس قدر میرے لیے مقرر کر دی گئی کہ میں پڑھوں۔[1] وضو مومن کا اسلحہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ" (اور لیے رہیں اپنے بچاؤ کا سامان اور ہتھیار) (النساء:۱۰۲)۔

اولیائے کرام نے ایک مسلمان کیلئے بچاؤ کا سامان اور اسلحہ وضو کو قرار دیا ہے اور قرآن میں ہے کہ جب گھر سے نکلو تو اپنا اسلحہ (وضو) ساتھ لے کر نکلو (جیسا کہ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۷۱) میں بھی آیا ہے)۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ جب تم وضو کر کے کھڑے ہوتے ہو تو اپنے قلب میں ایسی صفائی پاتے ہو جو وضو سے پہلے نہ تھی۔ وضو کا اثر بدن سے بڑھ کر دل تک پہنچتا ہے۔ مسواک کرنے سے نماز ستر درجے افضل ہو جاتی ہے۔

وضو کے بعد اعضاء کو پونچھنا ایک گروہ نے مکروہ جانا ہے اور بعض نے ناجائز قرار دیا ہے مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑے کے کناروں سے اعضاء کا پونچھنا ثابت ہے۔[2] ابو عمامہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی بار سنی، کہ جو شخص اچھی طرح وضو کر کے پھر نماز پڑھے تو حق تعالیٰ اس کے اس دن کے گناہ جو چلنے سے ہوئے، جو اس کے کانوں سے ہوئے اور وہ گناہ جو اس کی آنکھوں سے ہوئے اور جو اس کے دل میں پیدا ہوں سب معاف فرما دیتا ہے۔[3]

حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ ناگواری کے وقتوں میں وضو کامل کرنا، قدموں کو مسجد کی طرف لگانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا گناہوں کو بالکل دھو دیتا ہے۔[4] حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں کہ وضو کرے اور اس کو کامل کرے اور پھر کہے "أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ" تو اس کیلئے جنت کے دروازے نہ کھل جائیں کہ جس سے چاہے داخل ہو جائے۔[5]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملک شام کی طرف ایک قاصد بھیجا۔ راستے میں وہ ایک راہب کے ڈیرے سے گزرا تو اس کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر راہب نے کھولنے میں دیر کر دی۔ جب اس کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس یہ وحی آئی تھی کہ جب تمہیں کسی شیطان کا ڈر ہو تو وضو کر لیا کرو اور گھر والوں کو بھی اس کا حکم کرو کیونکہ جو باوضو ہو وہ خوف سے امن میں رہتا ہے۔ اس لیے جب تک ہم نے وضو نہ کر لیا تھا ہم نے تمہارے لیے دروازہ نہ کھولا۔

نزہۃ المجالس میں ہے کہ ایک بار حضرت جبرائیل علیہ السلام ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] عوارف المعارف، صفحہ ۴۵۰۔
[2] سنن الترمذی، حدیث ۴۹، جلد ۱، صفحہ ۹۰۔
[3] صحیح مسلم، حدیث ۳۶۰، جلد ۲، صفحہ ۴۵۔
[4] مسند احمد، حدیث ۶۹۱۱، جلد ۱۴، صفحہ ۴۵۲۔
[5] عوارف المعارف، صفحہ ۴۵۰۔

پاس تشریف لائے اور زمین پر پاؤں مارا جس سے زمین میں پانی کا چشمہ جاری ہوا۔ پھر اس پانی سے وضو کیا اور عرض کیا اے محمد ﷺ اٹھیے آپ بھی ایسا ہی کیجئے (پھر فرمایا کہ جو بھی آپ کی امت سے ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیں گے)۔

وضو میں صوفیاء کا ادب

حضرت حصریؒ رات بھر باوضو رہتے، جب سو جاتے تو اٹھ کر فوراً وضو کر لیتے۔ خواہ کتنی بار ہی اٹھتے اتنی بار ہی وضو فرما لیتے۔ ایک بزرگ تو رات کو ستر بار وضو کرتے تھے۔ شہاب الدین سہروردیؒ "عوارف المعارف" میں لکھتے ہیں کہ صوفیاء کرام کی طہارت میں ایک معمول یہ بھی ہے کہ وہ پانی کے استعمال میں اسراف نہیں کرتے کیونکہ وضو کیلئے ایک شیطان جسے ولہان کہتے ہیں، وضو میں وسوسے پیدا کرتا ہے۔ عبداللہ رودباریؒ فرماتے ہیں کہ شیطان ہر عمل میں انسان سے اپنا حصہ لینا چاہتا ہے اور وضو میں کمی بیشی کرنا شیطان کا وضو میں حصہ ہے۔

ابن کرینیؒ سے منقول ہے کہ ایک شب انہیں غسل کی حاجت ہوئی اور ان کے بدن پر مرقع (گرم چوغہ) تھا سو وہ دجلہ پر گئے اور جاڑا خوب کڑکڑاتا ہوا تھا۔ ان کا نفس پانی کے اندر جانے سے کسمساتا تھا۔ آپ نے مرقع سمیت اپنے آپ کو پانی میں ڈال دیا۔ جب پانی سے نکلے تو کہا میں نے قول و پیمان کر لیا ہے کہ میں اس مرقع کو بدن سے نہ اتاروں گا جب تک کہ وہ بدن پہ خشک نہ ہو جائے، چنانچہ آپ نے ویسا ہی کیا۔ وہ مرقع بہت سخت اور موٹا تھا اس عمل کے ساتھ انہوں نے اپنے نفس کو ادب سکھایا۔ صوفیاء اپنے جگروں کو پیاسا رکھتے ہیں، مگر وضو کیلئے پانی جمع رکھتے ہیں۔ حضرت ابراہیم خواصؒ ایک سفر میں ایک مشک پانی کی رکھتے اور مکہ سے کوفہ جاتے تو انہیں تیمم کی حاجت نہ ہوتی اور فرماتے تھے کہ جب تم صوفی کو دیکھو کہ اس کے پاس پانی نہیں ہے تو سمجھ لو کہ اس نے نماز کے ترک کرنے کا عزم کیا ہے۔

ایک صوفی کی حکایت ہے کہ انہوں نے اپنے نفس کی تادیب طہارت سے کی۔ ایک دفعہ انہوں نے فقراء کے ساتھ کئی دن قیام کیا۔ مگر کسی نے انہیں نہیں دیکھا کہ وہ بیت الخلاء میں گئے ہوں۔ (شاید وہ رات کے دوران اس وقت بیت الخلاء میں جاتے جب اس جگہ کوئی نہ ہوتا ہو)۔ منقول ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ بھی وضو اور طہارت کا اہتمام کرنے والے تھے۔ وہ ایک رات میں کچھ اوپر ستر بار اٹھتے اور ہر دفعہ تازہ وضو کرتے اور دو رکعت نماز پڑھتے۔ اصحاب رسول ﷺ کے متعلق روایات ہیں کہ وہ ظاہر کو عام طہارت میں شامل کر لیتے اور باطنی طہارت کیلئے بڑی جدوجہد کرتے۔

روایات میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصرانیوں کے گھڑے سے وضو کیا۔ حالانکہ وہ شراب سے پرہیز نہیں کرتے تھے۔ اصحاب رسول ﷺ بہ وقت ضرورت بغیر مصلے کے بھی نماز پڑھتے تھے۔ ننگے پاؤں راہوں میں چلتے پھرتے اور سوتے وقت اپنے اور مٹی کے درمیان کسی چیز کو حائل نہ کرتے۔ استنجا کے وقت بعض

اوقات ڈھیلے اور پتھروں پر انحصار کرتے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ ہمارے بعض لوگوں میں طہارت کی بڑی شدت ہوتی ہے۔ اس کی وجہ ان کے نفوس کی رعونت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتی۔ پس اگر آج کے اکثر صوفیوں میں سے کسی کا کپڑا میلا ہو گیا ہو تو اس کا دل تنگ ہوتا ہے۔ مگر جو ان کے دل میں کینہ، بغض، کبر و غرور، ریا اور نفاق ہے اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ ایسا شخص ننگے پاؤں پھرنا برا جانتا ہے حالانکہ شرع نے اس کی اجازت دی ہے مگر وہ غیبت سے پرہیز نہیں کرتا۔ یہ لوگ علماء راسخین اور اہلِ صدق سے ادب نہیں سیکھتے۔ مکہ معظمہ میں ایک عراقی نے ایک امام صاحب سے دریافت کیا کہ حرم شریف میں مکھی ماردی جائے تو اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ تم لوگ ایک مکھی کے مار دینے کا فتویٰ پوچھتے ہو حالانکہ عراقیوں نے جگر گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت بے دردی سے قتل کر دیا تھا۔ طہارت کی ایک عجیب مثال یہ ہے کہ ابو عمر زجاجیؒ مکہ میں تیس برس مجاور رہے اور وہ کبھی حرم کی حدود میں رفع حاجت نہ کرتے بلکہ بیرون حرم جایا کرتے اور اقل درجہ دورہ حرم کا ڈھائی کوس تھا۔ ایک بزرگ کے متعلق روایت ہے کہ ان کے منہ پر زخم تھا جو بارہ برس تک ٹھیک نہ ہو سکا کیونکہ پانی ان کیلئے مضر تھا مگر وہ وضو ضرور کرتے۔ ثابت بنانی نے آنکھ کا آپریشن اس لیے نہ کروایا کہ طبیب نے نماز میں سجدے سے منع کیا تھا۔

وضو میں نیت کیا ہو؟

حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا ہے کہ نماز کیلئے وضو کرے تو خیال ہونا چاہیے کہ

i) جب استنجا کرے تو باطن کو غیر کی دوستی سے پاک کرے۔

ii) جب ہاتھ دھوئے تو دل کو دنیا کی محبت سے پاک کرے (یعنی دنیا کی محبت سے ہاتھ دھو بیٹھے)۔

iii) جب ناک میں پانی ڈالے تو خواہشات شامہ (سونگھنے والی) کو اپنے اوپر حرام کرے۔

iv) جب منہ دھوئے تو خواہشاتِ نفسانی سے منہ پھیر لے۔

v) جب کہنیوں تک ہاتھ دھوئے تو اپنے نصیبوں سے الگ ہو جائے۔

vi) جب سر کا مسح کرے تو تمام کام اللہ کے حوالے کر دے۔

vii) جب پاؤں دھوئے تو نواہی کے (جن باتوں سے منع کیا گیا ہے) تمام برے کاموں سے باز رہنے کی نیت کرے۔

ان تمام باتوں کا عہد مسلمان اس وقت کرتا ہے جب وہ توبہ کر کے صحیح راستے پر استقامت کیلئے دل میں نیت کر لیتا ہے۔ لیکن جب اس عہد کو کچھ دن گزر جاتے ہیں تو انسان اپنے وعدے کو رفتہ رفتہ بھول جاتا ہے اسلام میں پانچ وقت نماز کی حکمت یہ ہے کہ مسلمان پانچوں وقت اللہ کے دربار میں حاضری دے کر اپنی روح کی جلا کا سامان مہیا کرتا رہے اور مذکورہ بالا طریقے سے نیت کو درست کرتا رہے تا کہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست

اکتساب فیض ہوتا رہے۔ اس کی رحمتوں اور عنایتوں کا شکر ادا ہوتا رہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو مسلمان نے عہد و پیمان کئے ہیں ان کو دہراتا رہے۔ اس طرح کرنے سے تجدید ایمان ہوتی رہتی ہے۔

اگر نیت صادق ہو اور اصلاح مقصود ہو تو بار بار تکلفانیت درست کرتے رہنے سے ہر روز درستگی اعمال میں اضافہ ہوتا رہے گا اور ایک دن آئے گا کہ انسان کے کردار میں خاطر خواہ تبدیلی دیکھنے میں آئے گی۔ انشاء اللہ۔

در اطاعت کوش اے غفلت شعار می شود از جبر پیدا اختیار[12]

(اے غفلت کی عادت والے اطاعت کی کوشش کر، کیونکہ خود کو بار بار مجبور کرنے سے اختیار پیدا ہوتا ہے)

وضو کا طریقہ بزرگوں سے سیکھیں

اوپر لکھے ہوئے نفیس اشاروں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بزرگوں سے جو چیزیں اخذ کی جائیں ان کے ذریعے عابد کا زاویۂ نگاہ کچھ اور ہی ہو جاتا ہے اور ان کے ارشادات پر عمل کرنے سے نماز اور عبادت کی کیفیت ہی بدل جاتی ہے۔ ہر کام اگر استاد اور خصوصی کاریگروں کے ذریعے ہو تو اس میں اور عام لوگوں کے کام میں فرق نظر آئیگا۔ نماز کو بھی صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھا اور تابعین نے صحابہ کرام سے سیکھا حتیٰ کہ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ جب نماز کے ارکان کسی شیخ کی نظر میں تیار ہوں تو اس کی بات ہی کچھ اور ہو جاتی ہے۔ گھاس پھوس جیسی چیز بھی پھولوں کے ساتھ گلدستہ میں آجائے تو بادشاہوں کے ایوانوں میں پہنچ جاتی ہے۔ اسی لیے کسی راہنما کے بغیر یہ راستہ پُرخطر ہو جاتا ہے چنانچہ بزرگوں سے ملاقات یا بیعت اخذ کرنا از حد ضروری ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا کشف

فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ وضو کے مستعمل پانی کو نجس مانتے ہیں اور امام عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ ان کے استاد سردار علی خواص فرمایا کرتے تھے کہ اگر آدمی کو کشف ہو تو وضو اور غسل کے پانی کو نہایت گھنوؤنا اور بدبودار پائے جس طرح تھوڑے پانی میں کتا یا بلی مر جائے تو انسان اس سے وضو یا غسل نہیں کرتا۔ امام شعرانیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کو اس بات پر کہ انہوں نے مستعمل پانی کو نجس کہا ہے اہلِ کشف میں شمار کیا ہے۔ اور علی خواص نے فرمایا کہ دونوں امام اعظم اور امام ابو یوسف اہل کشف تھے۔ امام اعظمؒ پانی کو دیکھ کر پہچان لیتے تھے کہ یہ دھون گناہ کبیرہ کا ہے یا صغیرہ کا یا مکروہ کا ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانیؒ نے لکھا ہے کہ انہیں (علی خواص سے) روایت پہنچی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کوفے کے حوض پر تشریف لے گئے جہاں ایک جوان وضو کر رہا تھا۔ وضو کا پانی جو ٹپکا تو امام نے اس پر نظر فرمائی اور جو ان سے فرمایا ''میرے بیٹے ماں باپ کو ایذا دینے سے توبہ کر''۔ اس نے فوراً توبہ کی۔ آپ نے ایک اور شخص کا غسالہ دیکھ کر فرمایا: اے بھائی زنا سے توبہ کر۔ اسی طرح انہوں نے شراب پینے والے کو بھی توبہ کروائی۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے مقلدوں نے چھوٹے حوضوں سے (جو 10×10 فٹ یا ہاتھ سے کم ہوں) طہارت کرنے

سے منع فرمایا ہے اور سردار علی خواص بھی چھوٹے حوضوں سے وضو نہ فرماتے اور فرماتے کہ ہم جیسوں کے بدن کو چستی اور تازگی نہیں بخشتا کیونکہ یہ پانی گناہوں کے دھلنے سے گندہ ہوگیا ہے۔

ان روایات سے اور دیگر احادیث سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ کامل وضو کے ساتھ گناہ دھلتے ہیں۔ وضو کے بعد" اَشْهَدُ اَن لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" کہنے سے بھی گناہ دھلتے ہیں۔ جس نے "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" کہہ کر وضو شروع کیا سر سے پاؤں تک اس کا سارا بدن پاک ہوگیا اور جس نے بغیر بِسْمِ اللّٰهِ کے وضو کیا اس کا اتنا ہی بدن پاک ہوگا جتنے پر پانی گزرا۔[1]

ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی خواب سے بیدار ہو تو وضو کرے اور تین بار ناک صاف کرے کیونکہ شیطان اس کے نتھنے پر رات گزارتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو ایک بار (اعضاء دھو کر) وضو کرے تو یہ ضروری بات ہے اور جو دو بار کرے تو اس کو دگنا ثواب ملے گا اور جو تین بار دھولے تو یہ میرا اور اگلے نبیوں کا وضو ہے۔[2]

ولی کو کسی کے پلید ہونے کا علم کیسے ہو جاتا ہے؟

شیخ عبدالعزیز دباغ نے فرمایا کہ اولیاء کرام کے نزدیک جنابت (جنبی ہونے) کے کئی ایک اسباب ہیں اور ہر سبب پر غسل واجب ہوتا ہے۔ مگر شریعت میں صرف ایک سبب سے ہی غسل واجب ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب انسان کی ذات اللہ سے اس طرح منقطع ہو جائے کہ اس کی تمام تر نگاہیں اللہ سے بند ہو جائیں اور اس کا رگ و ریشہ غیر اللہ کے ساتھ سرور میں لبریز ہو تو جب وہ کلی طور پر اللہ سے منقطع ہو جائے تو محافظ فرشتے اس سے بھاگ جاتے ہیں۔ اولیائے کرام کے نزدیک ہر وہ بات جس سے بندہ کُلی طور پر خدا سے منقطع ہو جائے، غسل کرنا واجب ہے جبکہ علماء کے نزدیک صرف عملِ مباشرت، احتلام یا کسی اسی قسم کی اور بات (جس سے انسان کی منی خارج ہو) کرنے سے غسل واجب ہوتا ہے۔ ولی اللہ ان فرشتوں کے بھاگنے سے سمجھ جاتے ہیں کہ یہ بندہ جنبی ہے۔ شاہ عبدالعزیز دباغ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کی توجہ جنابت کے دوران اللہ تعالیٰ سے منقطع نہ ہو تو شریعت کا حکم برائے غسل برقرار رہے گا کیونکہ اس وقت توجہ کا منقطع نہ ہونا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے اور شاذ و نادر پر کوئی الگ حکم نہیں لگتا۔

مسواک کی اہمیت وافادیت

"اَلسِّوَاکُ" کے لفظی معنی "ملنے یا منہ کے ملنے" کے ہیں اور سین کے زیر سے سواک کے معنی دانتوں کی

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ، ابن ابی شیبہ، متوفی ۲۳۵ھ، حدیث ۴، جلد ۱، صفحہ ۱۳، دار الفکر بیروت۔

[2] مسند احمد، حدیث ۵۴۷۶۰، جلد ۱۲، صفحہ ۱۳۔

لکڑی کے ہیں اور مسواک اسی سے بنا ہے۔ اس کی جمع "مِسْوِیْکٌ" ہے۔[1] حضور ﷺ پر طبرانی اور بیہقی کے مطابق تین باتیں فرض تھیں اور وہ امت کیلئے سنت ہیں۔ وتر، مسواک اور قیام اللیل۔

وضو میں مسواک کی بہت تاکید آئی ہے اور حضور ﷺ مسواک کا بہت اہتمام فرماتے۔ جبرائیل علیہ السلام اکثر ہی مسواک کیلئے تاکید فرماتے اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں مسواک کی تاکید سے یہ گمان کرتا تھا کہ کہیں مسواک کرنا فرض نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اُمّتِ محمدیہ ﷺ کو اس کی فرضیت سے محفوظ رکھا کیونکہ ایسا ہوتا تو لوگ مشقت میں پڑ جاتے، اس لیے اسے سنت تک ہی محدود رکھا۔ مسواک کے فوائد کے پیش نظر اس کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ اگر یہ بات میری امت پر شاق نہ ہوتی تو میں ان کو ہر وضو کے ساتھ مسواک کرنے کا امر فرما دیتا (یعنی فرض کر دیتا)۔[2] طبرانی اور ترمذی میں ہے کہ حضور ﷺ کو تین چیزیں مرغوب تھیں۔ (i) مسواک (ii) خوشبو (iii) نکاح (یہ چیزیں تمام انبیاء کی سنت ہیں)۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ دو رکعتیں جو مسواک کر کے پڑھی جائیں، ان ستر رکعتوں سے افضل ہیں جو بے مسواک پڑھی جائیں۔[3] شرف الدین بخاریؒ نے لکھا ہے کہ وضو، غسل اور مسواک سے ظاہر کو پاک کیا جاتا ہے مگر باطن کو بھی پاک کرنا ضروری ہے۔ اگر باطن کو پاک رکھنے سے عاجز ہو تو دعا کرے کہ الٰہی ظاہر کو پاک کرنا میرے بس میں تھا سو میں نے کر لیا اب میرے باطن کو تو پاک کر دے۔ مشائخ فرماتے ہیں کہ جو شخص افیون کھاتا ہوا سے مرتے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوگا اور جو مسلمان مسواک کا عادی ہوا سے مرتے وقت کلمہ پڑھنا نصیب ہوگا۔ یہ اللہ کا احسان ہے کہ کسی کا خاتمہ ایمان پر ہو جس پر اخروی نتائج مرتب ہوں۔

احمد بن حنبل کی روایت کے مطابق فرمان نبوی ﷺ ہے کہ مسواک کا التزام رکھو کیونکہ وہ منہ کی صفائی اور رب تعالیٰ کی رضا کا سبب ہے۔[4] بیہقی نے نقل کیا ہے کہ بندہ جب مسواک کر لیتا ہے اور پھر نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو فرشتہ اس کے پیچھے کھڑا ہو کر قرآن سنتا ہے اور پھر اس کے قریب ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنا منہ اس کے منہ پر رکھ دیتا ہے۔ یہ جو پڑھتا ہے اس کے منہ سے نکل کر فرشتے کے منہ میں آ جاتا ہے اور اگر کھانے کی کوئی چیز دانتوں میں ہوتی ہے تو ملائکہ کو اس سے ایسی سخت ایذا ہوتی ہے کہ کسی اور شے سے نہیں ہوتی۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ جب منہ میں بدبو ہو تو مسجد میں جانا مکروہ ہے اور مسجد میں داخل ہونا منع ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایسا شخص جو عادتاً منہ کو صاف نہ رکھے اس کی شفاعت نہ کی جائے گی۔

---

[1] لسان العرب، ابن منظور، جلد ۱۰، صفحہ ۴۴۶۔

[2] صحیح بخاری، حدیث ۸۳۸، جلد ۳، صفحہ ۴۰۵۔

[3] الترغیب والترھیب، ناصر الدین الالبانی، متوفی ۱۴۲۰ھ، حدیث ۲۱۵، جلد ۱، صفحہ ۳۸، مکتبۃ المعارف، الریاض۔

[4] مسند احمد، حدیث ۲۳۸۲۱، جلد ۵۲، صفحہ ۴۷۸۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ دس چیزیں فطرت سے ہیں (یعنی ہر شریعت میں ان کا حکم ہوا ہے) وہ یہ ہیں۔ مونچھیں کتروانا، داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن تراشنا، انگلیوں کی چنتیں دھونا، بغل کے بال دور کرنا، موئے زیر ناف کا صاف کرنا، استنجا کرنا اور کلی کرنا)۔ [1]

مسواک میں ستر بیماریوں کی شفا ہے اور ان میں سے یہ بھی ہے کہ نمازی کی بلغم اور صفراء ختم ہو جاتا ہے۔ دل کی بیماریاں جو اکثر دانتوں کی خرابی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں ختم ہو جاتی ہیں۔ خاص طور پر دل کا ضرورت سے زیادہ بڑھنا بند ہو جاتا ہے۔ یہ بات مشاہدے میں آتی ہے کہ دل کے بڑھنے کا مرض دل کے علاج سے ٹھیک نہیں ہوتا مگر جونہی دانتوں کا علاج کیا گیا تو دل کا بڑھنا بند ہو گیا اور کئی بار ایسا ہوا ہے کہ سینکڑوں ڈاکٹر دل کے بڑھنے کے مرض کو نہ سمجھنے کی وجہ سے مایوس ہو جاتے ہیں۔

مسواک نہ ہو سکے تو خالی انگلی ہی دانتوں پر پھیر لی جائے یا خالی برش دانتوں پر گھما دیا جائے تو اس طرح کرنے سے دانتوں کے ساتھ لگے ہوئے کچھ گلے سڑے ذرات (جو کھانے کے بعد منہ میں رہ جانے سے گل سڑ جاتے ہیں) دور ہو جاتے ہیں۔ افضل ترین بات اور سنت طریقہ مسواک ہے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو برش استعمال کیا جا سکتا ہے اور یہ بھی کسی جگہ میسر نہ ہو سکے تو درخت کی مسواک یا خالی انگلی پھیر دینے پر ہی کفایت کی جائے۔ ہر کھانے کے بعد اگر خالی برش ہی دانتوں پر گھما دیا جائے تو دانتوں کی خاصی صفائی رہتی ہے۔

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۳۸۴، جلد ۲، صفحہ ۷۴۔

باب نمبر ۴

نورِ یقین

(مردِ مومن کی شمشیر)

شجرِ ایمان کی تروتازگی، تقویت اورنشوونما، یقین کی بالیدگی اور افزونی کی مرہون منت ہے۔ یقین کا ایمان میں اس قدر حصہ ہے کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایمان یقین کا ہی نام ہے۔ حقیقی یقین کا اس دنیا میں اندازہ نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو آخرت کی ایک چیز ہے مگر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اور اولیائے کرام کو اس دنیا میں بھی یقین کی دولت سے وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔ ایمان کیلئے یقین کو اس قدر اہم تصور کیا گیا ہے کہ قرآن کی ابتداء کو ایمان اور یقین کی شرط کے ساتھ مربوط فرمایا اور اس بات کی وضاحت کردی کہ "اس کتاب میں شک وشبہ (یعنی بے یقینی) کی گنجائش نہیں اور یہ کتاب صرف ان لوگوں کو ہدایت کا مژدہ دے گی جو (فطرتاً) متقی ہیں اور غیب کی چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں"۔ جیسے قرآن کی ابتدا میں فرمایا گیا ہے "ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ"۔

مذکورہ بالا آیت میں بے یقینی، شکوک، اوہام اور گمان کو ایمان کے منافی قرار دیا جارہا ہے اور اس کے برعکس ہدایت کا عطا کرنا اہلِ یقین اور اہلِ ایمان کیلئے ہی ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔ قرآن میں اس بات کے کافی شواہد ملتے ہیں کہ انبیائے کرام کا یقین عوام کے یقین سے ممتاز اور منفرد ہوتا ہے کیونکہ ان کو آخرت کی چیزوں سے مغیبات کا شہود دوسروں کی نسبت زیادہ عطا کیا جاتا ہے۔ غیب سے مراد وہ اشیاء ہیں جو انسان کے علم اور حواس سے پوشیدہ ہیں اگرچہ وہ چیزیں ان کے سامنے موجود ہوں۔ ایسی چیزوں کا علم انبیاء کرام کو، وحی، الہام، بصیرت باطنی اور مشاہدات کے ذریعے عطا کیا گیا ہے اور عوام کو اس کا علم انبیاء کرام کے خبر دینے سے ہوتا ہے۔ جو لوگ انبیاء کرام کی ان خبروں پر یقین نہیں کرتے وہ ملحد اور بے دین قرار دیئے جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کا یقین عوام کے یقین سے فائق اور اعلیٰ ہوتا ہے لہٰذا ان کا ایمان بھی اس یقین کی مناسبت سے بدرجہا بہتر اور اعلیٰ ہوتا ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یقین کی دولت انبیائے کرام سے ہی ملتی ہے اور ان کے بعد اولیائے کرام کی صحبت سے اس دولت کو حاصل کیا جاتا ہے۔ جیسے علامہ اقبال ؒ نے فرمایا ہے۔

مقام شوق بے صدق و یقین نیست | یقیں بے صحبت روح الامیں نیست (۱۴)

(شوق کا مقام بغیر صدق ویقیں کے ہاتھ نہیں آتا اور یقین جبرائیل علیہ السلام کی صحبت کے بغیر ممکن نہیں)

انبیاء کرام کے ایمان کا درجہ اس لیے بھی عوام سے بہت زیادہ بلند ہوتا ہے کہ ان میں یقین اور مشاہدہ کی قوت کے علاوہ قوتِ تسلیم ورضا بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ "إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ" (البقرہ:۱۳۱) (جب فرمایا اس کو اس کے رب نے (اے ابراہیم) گردن جھکا دو تو عرض کیا میں نے گردن جھکا دی سارے جہانوں کے پروردگار کے سامنے)۔

یہ تسلیم و رضا کا مقام بھی یقین حاصل ہونے کے بعد ہاتھ آتا ہے۔ اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام نے خدا کے حکم پر بے دریغ اپنی گردن چھری کے نیچے رکھ دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بلا تامل آتش نمرود میں چھلانگ لگانا ان کے کامل ایمان اور یقین کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔

ایک عابد خدا کی عبادت پر ہرگز آمادہ نہیں ہوتا جب تک اسے اس بات کا یقین نہ ہو کہ اس کی یہ عبادت اسے قربِ الٰہی کی دولت سے سرفراز کر دے گی۔ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنے والے جب ایک بار ذکر کرتے ہیں تو ان کو دوسری بار ذکر کی توفیق اسی وقت ملتی ہے جب انہیں اپنے پہلے ذکر کے قبول ہونے کا یقین ہو جائے۔

پرندے ہوا میں اپنے پر اسی وقت کھولتے ہیں جب انہیں اپنی اڑان کی استطاعت پر یقین اور اعتماد ہو۔

المختصر اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی تخلیق کو یقین پر استوار کیا۔ یقین سب کی زندگیوں کی ضروریات میں سے ہے اور کاروبارِ حیات اسی پختہ یقین پر انحصار کرتا ہے۔ عبادت اور دیگر امور میں یقین کا اس قدر عمل دخل ہونے کے باعث، اس کتاب میں یقین پر کافی وضاحت پیش کی جا رہی ہے تاکہ نماز اور دیگر عبادات کو صحیح بنیادوں پر استوار کیا جا سکے۔

یقین ایک نور ہے

یقین اس نور کا نام ہے جو پردہ کھلنے کے بعد مومن کے قلب پر جلوہ افروز ہوتا ہے۔ یقین وہ ہے جس میں شک و شبہ کو مطلق دخل نہ ہو۔ یقین میں عیاں چیزوں کی اصل حقیقت کی رؤیت قوتِ ایمان کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ دلیل، حجت یا برہان کی وجہ سے۔ یقین اس چیز کا نام ہے کہ مومن کے قلب میں حقیقت کا نور ایسی حالت میں ظاہر ہو جائے کہ بشریت کے پردے اٹھ جائیں اور وجد اور ذوق پیدا ہو جائے نہ یہ کہ عقل اور نقل کی دلالت سے یقین حاصل ہو۔ چنانچہ صحابہ کرام بالخصوص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر پردہ اٹھ جائے تب بھی ہمارے مشاہدہ اور وضاحت میں کوئی فرق یا کمی بیشی نہ ہوگی۔ ایمان کا نور پس پردہ ہوتا ہے کیونکہ یہ غیبی چیز ہے جیسا کہ قرآن میں فرمایا "یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ" (وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں) لیکن یہ وہ نور ہے جو پردہ کھلنے کے بعد مومن کے قلب پر جلوہ افروز ہوتا ہے۔ حقیقت میں نورِ ایمان اور نورِ یقین ایک ہی ہیں۔ جیسے صبح صادق بھی آفتاب کی دلیل ہے اور جب سورج نکل آئے تو آفتاب کا وجود دیکھ لینے سے سورج پر یقین ہو جاتا ہے۔ صبح صادق کی مثال ایمان کی ہوگی (کیونکہ اس وقت رات کی کچھ سیاہی مٹ کر آفتاب کے وجود کی دلیل بن جاتی ہے) پس ایمان یقین کی خبر ہے اور علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین اس کی شاخیں ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ یقین ہی ایمان کامل ہے۔[1] احکام خداوندی کی بجا آوری میں مرکزی اہمیت کا مل یقین و ایمان کو حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ"

---

[1] تخریج احادیث الاحیاء، حدیث ۱۷۰، جلد ۱، صفحہ ۱۷۰۔

(الحجر:۹۹)(عبادت کیجئے اپنے رب کی یہاں تک کہ آ جائے آپ کو یقین کامل)۔

مذکورہ آیت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب وہ اپنی قوم کے مسائل میں غمگین تھے حکم ہوا کہ اپنی حیات دنیاوی میں میری عبادت کیلئے سر نیاز کو جھکائے رکھیں حتیٰ کہ آپ کو رحلت کا پیغام آ جائے یا غم واندوہ کے بادل چھٹ جائیں۔ یہاں یقین کا اشارہ یقین کامل کی طرف ہے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی نے فرمایا کہ ایسا سجدہ کروں کہ اسی سجدے میں موت آ جائے۔

اس طرح تیرے در پہ سجدہ کروں نوبت آئے نہ سر اٹھانے کی

اَلْیَقِیْنُ

اَلْیَقِیْنُ کے معنی کسی امر کو پوری طرح سمجھ لینے کے ساتھ اس کے پایۂ ثبوت تک پہنچ جانے کے ہیں۔ اسی لیے اس کا تصور صفات علم سے ہے اور اس کا درجہ معرفت اور درایہ (سند تصدیق) سے اونچا ہے۔ اس علم کو قرآن نے بھی سورۃ التکاثر میں علم الیقین کہہ کر پکارا ہے۔ معرفۃ الیقین عموماً بولنے میں نہیں آتا۔ قرآن میں ہے کہ: ''وَفِی الْاَرْضِ آیَاتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ'' (الذّٰریٰت:۲۰)(یقین کرنے والوں کیلئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں)۔

معلوم ہوا کہ یقین وہ شئی ہے جس میں شک وشبہ کو مطلق دخل نہ ہو یعنی کسی چیز کی عین کو قوتِ ایمان سے دیکھا جاتا ہے نہ کہ حجت، دلیل یا برہان سے۔ یقین ایک وہبی چیز ہے جو دلوں میں ودیعت کی جاتی ہے۔

حضرت ابو قاسم قشیریؒ لکھتے ہیں کہ صوفیاء کا قول ہے کہ سب سے پہلا درجہ معرفت کا ہے اور پھر یقین کا، پھر تصدیق کا، پھر اخلاص کا، پھر شہادت کا اور پھر اطاعت کا اور ایمان کو یہ سب چیزیں شامل ہیں۔ فرماتے ہیں کہ معرفت اس وقت تک نہیں آتی جب تک نظر صائب نہ ہو اور پھر جب دل میں دلائل متواتر پائے جائیں، جس کے ذریعے وضاحت ہو جائے تو انسان کمال بصیرت کے حصول سے ایسا کامل ہو جاتا ہے کہ وہ دلیل میں غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ یہ یقین کی حالت ہوتی ہے۔ یقین کے بعد دوسرا مرتبہ تصدیق کا ہے اور وہ یہ ہے کہ دل حق تعالیٰ کی ان خبروں کی تصدیق کرے جو رسولوں کے ذریعے مخلوق تک پہنچیں اور جو آئندہ آنے والے امور کے متعلق تھیں (مثلاً حشر ونشر وغیرہ) تیسرا مرتبہ اخلاص کا ہے (اس میں تصدیق کے نتیجے کے طور پر انسان اوامر پر کاربند ہو اور نواہی (گناہوں) سے بچے)۔ چوتھا مرتبہ شہادت ہے جس میں داعی (شارع صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مان لینا ہے اور پانچواں درجہ اطاعت کا ہے کہ توحید کے ساتھ اللہ کے احکام کی پوری پوری اطاعت کرنا ہے اور جن چیزوں سے منع کیا اس سے پرہیز کرنا ہے۔[1] ایمان کی آخری حالت کا نام ایقان ہے دیکھیں ''ایمان اور اسلام'' مصنفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری۔ ایمان جب یقین کی اس حالت کو

---

[1] الرسالۃ القشیریہ، جلد ا، صفحہ ۸۳۔

پہنچ جائے تو اسے ایمان کامل کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۲، ۳، ۴ میں ایمان کا آغاز ایمان بالغیب سے کیا گیا ہے۔ پھر اطاعت، عبادت اور احکام کی پیروی سے ایمان کو درجۂ کمال تک پہنچانے کا ذکر ہے۔ ''وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ'' یعنی ان اعمال اور افعال کے نتیجے میں اہل ایمان کو آخرت پر پختہ یقین ہوتا ہے ''وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ''۔

مجاہدات سے یقین پیدا ہوتا ہے

تمام مشائخ اس بات پر مجتمع ہیں کہ مریدین کو عبادتیں، ریاضتیں اور مجاہدے اس لیے کروائے جاتے ہیں کہ ان کے دل میں یقین محکم پیدا ہو جائے۔ کسی نے بایزید بسطامیؒ سے دریافت کیا کہ تیس سال میں آپ نے کیا ریاضتیں کیں۔ آپ نے فرمایا کہ میری ادنیٰ ریاضتوں کا تم یقین نہ کر سکو گے اور میری اعلیٰ ریاضتوں کے متعلق تو تم سن بھی نہ سکو گے۔ آپ نے کچھ ریاضتوں کا ذکر کیا اور پھر فرمایا کہ ان ریاضتوں کے بعد مجھے ''وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ'' (ہم انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) (ق:۱۶) کا یقین ہوا۔ فرمایا اگر شروع سے ہی میں اس بات کا یقین کر لیتا تو تیس سال کی مدت تک اس قدر سخت مجاہدات نہ کرنے پڑتے۔

مشائخ نے فرمایا کہ جس کا ''وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ'' پر یقین ہو اس کا کام فوراً ہو جاتا ہے۔ مراقبہ بھی تب ہی ہو سکتا ہے کہ اگر یقین پورا ہو۔ اگر یقین ہو تو تمام پردے بھی مراقبہ میں اٹھ جاتے ہیں اور ہم کلامی نصیب ہوتی ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ کلام اللہ کی صفت ہے اور اس کی صفات میں تعطل نہیں، یعنی اس کا کلام ہر وقت جاری رہتا ہے۔ اس میں شک نہ ہو تو پردے اٹھ جاتے ہیں اور اللہ سے بات ہو جاتی ہے۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ'' (میں بندے کے خیال کے مطابق معاملہ کرتا ہوں)۔[1] اس کا مطلب یہ ہے جیسا اس سے گمان رکھو گے ویسا ہی وہ سلوک کرے گا گویا اللہ تعالیٰ نے یہ بات کہہ کر بندے کی ڈھارس بندھا دی کہ جو چاہے اللہ سے منوا لے، اس میں بھی انسان کا یقین کامل ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ یقین مجاہدات سے پیدا ہوتا ہے اور اگر یقین کامل ہو بندے کا ہر کام اللہ تعالیٰ پورا فرما دیتا ہے۔

دلِ آگاہ صاحبِ یقین کی خصوصیت ہے

صاحبِ یقین کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ جو کام کرتا ہے اس سے اس کا دل آگاہ ہوتا ہے۔ اسلام کی ہر بات میں کچھ نہ کچھ مقصد ضرور ہے اور شریعت مطہرہ کا ہر فعل بے پناہ اسرار کا حامل ہے۔ اس عمل

[1] صحیح بخاری، حدیث ۸۸۵۶، جلد ۲۲، صفحہ ۴۰۹۔

کی کوئی اہمیت نہ ہوگی جس میں اس کے نصب العین کو آنکھوں کے سامنے نہ رکھا جائے۔ نماز، روزہ، حج، زکوۃ اپنی افادیت کھودیتے ہیں اگر ان عبادات کی روح کو نظر انداز کر دیا جائے۔ قوموں کی تباہی کا باعث صرف یہی امر ہے کہ وہ اعمال کے اندر مخفی مقاصد کو بھول جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ اعمال شرعی بھی ان سے فوت ہونے لگتے ہیں۔ ایسی قومیں تباہی کی طرف تیزی سے رواں دواں رہتی ہیں۔ اسی لیے اولیاء کرام اور خاص طور پر علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام میں یقین حاصل کرنے پر بہت زور دیا ہے۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں — کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور
الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن — مُلّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور[15]

مولانا رومؒ نے فرمایا کہ جب ذکر کرنے والے کا دل ذکر سے آگاہ نہ ہو تو زبان سے اللہ اللہ کا ورد تو گلیوں میں بھیک مانگنے والے فقیر بھی ہر وقت کرتے رہتے ہیں۔

دلِ آگاہ می باید وگرنہ — گدا یک لحظہ بے نامِ خدا نیست

(دل آگاہ کی ہی ضرورت ہے، ورنہ گداگر تو ایک لحہ بھی خدا کے نام کے بغیر نہیں رہتا)

حضرت سلطان باہوؒ نے فرمایا کہ پیشہ ورانہ عمل جس میں عمل کی روح موجود نہ ہو وہ تو جانوروں کے عمل کی طرح ہے۔

جے رب نہاتیاں دھوتیاں ملدا، ملدا ڈڈواں مچھیاں ھُو — جے رب ملدا اموں منایاں، ملدا بھیڈاں سسیاں ھُو

یقین مردِ مومن کی شمشیر ہے

علامہ اقبالؒ کے "مردِ مومن" کا تصور اس صاحبِ یقین مسلمان کی طرح ہے جس کی مثال صحابہ کرام نے پیش کی، لیکن آج جو مسلمان دیکھنے میں آتا ہے ایک خشک جامد اور بجھی بجھی زندگی گزارنے والا مسلمان ہے، جو اپنی سرد مہری کے باعث دنیا بھر میں بدنام ہے۔ علامہ اقبالؒ کا "مثالی مسلمان" ایمان کی قوت اور یقین کی ناقابلِ تسخیر طاقت کا حامل، اپنے دین پر اعتماد رکھنے والا، شکوک و شبہات سے پاک، شجاعت و مردانگی اور روحانی قوت سے ممتاز، توحید خالص کا علمبردار، مال و زر کی غلامی سے آزاد، وطن پرستی اور رنگ و نسل کے امتیاز سے پاک، حالات کی رو سے مقابلہ کرنے والا اور عزم و استقلال کا پیکر ہے۔ اس کو اپنے خدا اور رسول ﷺ پر مکمل یقین اور بھروسہ ہے اور کسی طاقت سے دبنے کا تصور اس لیے نہیں رکھتا کہ اسلام اسے "وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ" کا پیغام دیتا ہے۔ یہ تمام اوصاف یقین کی پیداوار ہی تو تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے جو وعدے کئے ہیں، مردِ مومن کو ان کی صداقت میں ذرہ برابر بھی شک نہیں۔ اگر اس مردِ مومن کے مختلف اوصاف کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تمام اوصاف اس کے کامل یقین کے گرد گھومتے ہیں۔ چنانچہ علامہؒ فرماتے ہیں۔

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا — تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامیں پیدا[16]
یقیں پیدا کر اے غافل، یقین سے ہاتھ آتی ہے — وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری[17]
غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں — جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم — جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں[۱۸]

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ جب بندہ ذات خداوندی کا قرب حاصل کرتا ہے تو آگ میں لوہے کی طرح اس کی صفات سے متصف ہو جاتا ہے اور یہ قرب اس کو منصبِ نیابت الٰہی پر لا کھڑا کرتا ہے۔ خدا کی ذات کی تجلیات کا بمعہ اپنی صفات کے انسان میں موجود ہونا تو ہر وقت رہتا ہے لیکن بالفعل نہیں بلکہ بالقوۃ موجود ہوتا ہے۔ انسان جب عشق کی حرارت سے ارتقائی منازل کو طے کرتا ہے تو اس میں پہلے سے ہی موجود بالقوہ صفاتِ الٰہی کو مرتبۂ ظہور میں لا کر بالفعل موجود کر لیتا ہے۔ جیسے برف جب پانی کی شکل میں آجائے تو اس کی صفات پانی میں بطون (مخفی) ہو جائیں گی۔ جب بندہ ناسوتی مرتبے پر ہو تو اس وقت ملکوتی، جبروتی اور لاہوتی مراتب کی صفات اس کے باطن میں ہوتی ہیں اور صرف ناسوتی مرتبے کی صفات ظاہر ہوتی ہیں۔ جب انسان ان مراتب کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کے یقین میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور یہ یقین لاانتہا مراتب تک پہنچا دیتا ہے۔

اگر چشمے کشائی بر دلِ خویش — درونِ سینہ بینی منزلِ خویش

(اگر تم اپنے دل کی طرف آنکھ کھول کر دیکھو گے، تو تم سینے کے اندر اپنی منزل کو دیکھ لو گے)

تب و تابِ محبت را فنا نیست — یقیں و دید را نیز انتہا نیست

(محبت کا سفر و اضطراب غیر فانی ہے، اسی طرح یقین اور مشاہدہ کی تو کوئی حد نہیں)

کمال زندگی دیدارِ ذات است — طریقش رستن از بندِ حیات است[۱۹]

(ذات خدا (کے صفات کو) دیکھنا بھی کمال زندگی ہے، حصول کمال کا طریقہ قیود زندگی سے نجات حاصل کرنا ہے)

ضمیرِ حیات یقین سے ہی پرسوز ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جذب کی ایک ایسی طاقت عطا فرمائی ہے کہ وہ ہر چیز کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور اس سے منازل شوق کی طرف آسانی سے راہنمائی ہو جاتی ہے۔ جذبِ دروں بھی جذبۂ عشق کو کہتے ہیں، جس کے ذریعے تمام مراحل طے ہو جاتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے جذبِ خاک کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ جس کے لفظی معنی تو خاک کی کشش ہے، یعنی انسان کی وہ فطرت جو اسے پستی کی طرف کھینچتی ہے، لیکن معرفت میں اس سے مراد استحکام خودی لیے جاتے ہیں جو اسے اپنی فطرت پر قابو پانے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ علامہؒ نے فرمایا ''پَرزن و از جذبِ خاک آزاد باش'' یعنی استحکام خودی کیلئے پرواز کر اور جس طرح ہر اوپر جانے والی چیز کو زمین کی کشش اپنی طرف کھینچ لیتی ہے، اسی طرح دنیا تجھے اپنی طرف نہ کھینچے۔ تیری خودی کی طاقت اس قدر مضبوط ہو کہ تعلقاتِ دنیا تجھے پرواز سے ہٹا کر اپنی جانب مائل نہ کر سکیں۔ جب تک انسان کے ضمیر میں یقین کی شمع نہ جلتی ہو اس وقت تک جذب کامل کی طاقت میسر نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس کے بغیر شیطانی امور سے مدافعت ممکن نہیں۔ علامہؒ کبھی اسی جذب کو جذبِ مسلمانی کہتے ہیں اور اس کو رُوحِ افلاک قرار دیتے ہیں اور فرماتے

ہیں کہ جب تک یہ جذبِ مسلمانی نہ ہوتو یقین اور راہِ عمل پیدا نہیں ہو سکتے۔فرماتے ہیں کہ ہمارے مدرسوں میں بھی یقین کی دولت تقسیم نہیں کی جاتی اور یہی وجہ ہے کہ ہمارا نوجوان بے بصری کا شکار ہو چکا ہے حالانکہ مومن تو آگ کی طرح اس دنیا کے مُبہم خس وخاشاک کو جلا دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔مومن کا یہی جنون اس کو صاحب ادراک بناتا ہے ۔

مئے یقین سے ضمیر حیات ہے پرسوز
نصیبِ مدرسہ یا رب یہ آب آتشناک

یہی زمانہ حاضر کی کائنات ہے کیا؟
دماغ روشن و دل تیرہ ونگہ بے باک!

تو بے بصر ہو تو یہ مانعِ نگاہ بھی ہے
وگرنہ آگ ہے مومن، جہاں خس و خاشاک

زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مشعلِ راہ
کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحب ادراک (۲۰)

اک شرعِ مسلمانی، اک جذب مسلمانی
ہے جذبِ مسلمان سِرِّ فلکُ الافلاک!

اے رہرو فرزانہ! بے جذبِ مسلمانی
نے راہِ عمل پیدا، نے شاخِ یقیں نمناک

رمزیں ہیں محبت کی گستاخی و بیباکی
ہر شوق نہیں گستاخ ہر جذب نہیں بیباک (۲۱)

یقین کی مرکزی اہمیت

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان کو اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ احکامِ اسلام کو مسلمان کے نفوس پر پورا پورا قابو ہے اور اس یقین کی علامت یہ ہے کہ مسلمان کے ان احکام کی بجا آوری میں جبر، سستی یا بے صبری کا کوئی دخل نہ ہو۔یعنی جب تک مسلمان اپنے نفس کے چنگل میں پھنسا ہوا ہے تو وہ یقین کی نعمت سے محروم ہے۔

عبادات کی ادائیگی اور احکامِ خداوندی کی بجا آوری میں مرکزی اہمیت یقین کو ہی حاصل ہے اور ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق یقین ہی ایمان کامل ہے۔[1] حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تو زمین و آسمان کے برابر عبادت کرے گا تو قبول نہ کی جائے گی جب تک تو اس پر یقین نہ کرے۔حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں ۔

اللہ ترا بیند تو ہم حاضر بہ بیں
در نمازِ عارفاں حاضر یقیں

(اللہ تجھے دیکھتا ہے تو بھی اسے حاضر تصور کر۔عارفوں کی نماز میں یہی یقین حاضر ہوتا ہے)

در رکوع الہام در سجدہ شنید
در نمازے جز خدا حاضر مبیں

(ان کو رکوع میں الہام ہوتا ہے اور سجدہ میں سماعت ہوتی ہے۔نماز میں سوائے اللہ کے کسی کو حاضر نہ دیکھو)

مرزا غالب اور قتیل شفائی نے کہا ہے کہ اگر یقینِ اجابت ہو تو دعا مانگنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی ۔

گر تجھ کو ہے یقینِ اجابت، دعا نہ مانگ
یعنی بغیر یک دلِ بے مدعا نہ مانگ

وہ سن رہے ہیں بند لبوں کی بھی گفتگو
ایسا نہیں کہ ان کا کرم ہو دعا کے بعد

---

[1] تخریج احادیث الاحیاء، حدیث ۱۷۰، جلد ۱، صفحہ ۱۷۰۔

کس منہ سے میں کہوں کہ وہ سنتے نہیں قتیل　　مجھ کو ملے جواب مری ہر صدا کے بعد

سرمد تو حدیثِ کعبہ و دیر مکن　　درکوچۂ شک چوں گم رہاں سیر مکن

(اے سرمد تو کعبہ وبت خانے کی بات نہ کر۔شک وشبہات کے کوچے میں گم کردہ راہ کی طرح سیر نہ کر)

رو شیوۂ بندگی زشیطاں آموز　　یک قبلہ گزیں و سجدۂ غیر مکن

(جااور بندگی کا طریقہ شیطان سے سیکھ۔ایک (ذات) کو قبلہ بنااور غیر اللہ کو سجدہ مت کر)

دِلا تا کے دریں کاخِ مجازی　　کنی مانندِ طفلاں خاکبازی

(اے دل اس مجازی محل میں کب تک۔بچوں کی طرح خاکبازی کرے گا)

خلیل آسا در ملکِ یقین زن　　نوائے لآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْن زن

(خلیل کی طرح ملک یقین کا دروازہ کھٹکھٹا۔اور لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْن کا نعرہ لگا)۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ دین کی جمعیت میں ہی مسلمان کی قوت ہے اور دین سارے کا سارا عزم، اخلاص اور یقین کا ہی نام ہے۔فرد واحد کیلئے شریعت محمدی ﷺ ہی یقین کا زینہ ہے اور اس شریعت سے ہی اس کے یقین کے مقامات پختہ تر ہوتے ہیں۔درج ذیل اشعار کا یہی ترجمہ ہے ؎

قوت از جمعیتِ دینِ مبین　　دیں ہمہ عزم است و اخلاص و یقیں[۲۲]

فرد را شرع است مرقاتِ یقین　　پختہ تر ازوے مقاماتِ یقیں[۲۳]

علامہ اقبالؒ رسول خدا ﷺ کے حضور قوم کا غم بیان کرتے ہیں اور ان کی حالت کو بدلنے کیلئے دعا کرواتے ہیں کہ اس امت کو آتشیں ضمیر فراہم کیجئے۔ان کے دلوں میں ایمان اور ایقان کی طاقت اور امید کی روشنی عطا کیجئے،جس سے ان کے قلب ونظر کو استحکام نصیب ہو سکے۔

زسوز ایں فقیرے رہ نشینے　　بدہ اورا ضمیر آتشینے

(اس راہ نشیں فقیر کے سوز وتاب سے،اس امت کو آتشیں ضمیر عطا فرمادیں)

دِلش را روشن و پایندہ گرداں　　زا میدے کو زاید از یقین[۲۴]

(ان کے دلوں کو روشن کردیں اور استحکام عطا فرمائیں،اس امید سے کہ ان کے یقین میں اضافہ ہوجائے)

رزق کا خوف یقین کو کم کردیتا ہے

بزرگوں کا قول ہے''رِزْقُ الْعَوَامِ فِیْ یَمِیْنِھِمْ وَرِزْقُ الْخَوَاصِ فِیْ یَقِیْنِھِمْ''(عوام کا رزق ان کے دائیں ہاتھ میں ہے اور خواص کا رزق ان کے یقین میں ہے)لیکن انسان کی تخلیق چونکہ ھَلُوْعْ جانور کی طرح بے صبری پر ہے جیسا کہ فرمایا''اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ ھَلُوْعًا''(بے شک انسان بے صبرا پیدا کیا گیا ہے)(المعارج:۱۹)اس لیے کسی حالت پر مطمئن نہیں ہوتا۔مقاتلؒ نے لکھا ہے کہ ھَلُوْعْ ایک جانور ہے جو کوہ قاف کے پیچھے رہتا ہے اور سات جنگلوں کی گھاس کھا کر اور سات دریاؤں کا پانی پی کر بھی بھوکا رہتا

ہے۔انسان کوخواہ کتنا ہی رزق مل جائے لیکن اس کی حرص ختم نہیں ہوتی کیونکہ اس کو خدا کے رزق دینے پر یقین نہیں ہوتا۔اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل کی کہ اے موسیٰ علیہ السلام رزق کی فکر نہ کرنا جب تک یہ نہ جان لو کہ میرے خزانے میں کچھ بھی باقی نہیں رہا۔

حضرت فتح موصلیؒ فرماتے ہیں کہ میں مکہ معظمہ کی زیارت کیلئے جارہا تھا کہ ایک نابالغ بچہ جنگل میں ملا جس کے پاس نہ تو کوئی سواری تھی اور نہ ہی کچھ کھانے پینے کو تھا۔ میں نے اسے کہا کہ تم شریعت کے احکام کیلئے مکلف نہیں ہو تو خود کو اتنی تکلیف میں کیوں ڈالتے ہو۔ کہنے لگا کہ اے بزرگوار! ملک الموت نے مجھ سے کم عمروں کی روحوں کو قبض کر کے خاک کو سونپ دیا ہے۔فرمایا تمہارے پاس کچھ زادِراہ بھی نہیں ہے۔ کہنے لگا کہ میرا توشہ یقین ہے، میری سواری میرے پیر (پاؤں) ہیں، میرا شوق اور عشق میرے لیے باربردار ہے۔ فتح موصلیؒ نے کہا کہ میں روٹی پانی کا پوچھتا ہوں۔اس نے پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ فرمایا فتح موصلی کہنے لگا کہ اے فتح! اگر آپ کا کوئی دوست آپ کو بطور مہمان بلائے تو کیا آپ کو یہ اچھا لگے گا کہ آپ کھانا لے کر جائیں۔ آپ نے فرمایا نہیں! کہنے لگا اے کمزور یقین والے! میرا خدا کافروں اور نافرمانوں کو بھی روزی دیتا ہے تو جب اس نے مجھے اپنے پاس بلوایا ہے تو کھانا اور پانی کیوں نہ دے گا۔

حضرت بایزید بسطامیؒ سے لوگوں نے کہا کہ آپ کہاں سے کھاتے ہیں فرمایا کہ جو خدا کُتوں کو رزق دیتا ہے کیا وہ بایزید کو رزق نہیں دے سکتا۔منقول ہے کہ آپ نے ایک عالم کی اقتداء میں نماز ادا کی تو نماز کے بعد اس نے پوچھا کہ آپ کہاں سے کھاتے پیتے ہیں؟ فرمایا پہلے مجھے اپنی نماز کو دوبارہ ادا کرنے دو کیونکہ جو شخص اپنے رازق کو نہیں پہچانتا اس کے پیچھے نماز درست نہیں۔ کسی نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ آپ کہاں سے کھاتے ہیں فرمایا اس بادشاہ کے خزانے سے جس کا کوئی چور نہیں۔لوگوں نے کہا کہ شاید آپ پر آسمان سے کھانا نازل ہوتا ہے۔فرمایا اگر زمین نہ ہوتی البتہ آسمان سے ہی ڈال دیتے۔ لوگوں نے کہا کہ تم ہمیشہ ایسی ہی باتیں کرتے ہو۔جواب دیا کہ آسمان سے بھی یہی کلام اترا ہے۔

مولانا رومؒ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات پر غور کرنے کو کہا کہ کیا وہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کیسے پیدا کیا گیا ہے "أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ" (الغاشیہ: ۱۷) بزرگوں نے کہا کہ اونٹ حلیم ہے بڑا بوجھ اٹھاتا ہے، فرمانبردار ہے، ہر شخص کی بات مانتا ہے، قناعت والا ہے، ہر قسم کی گھاس چبا لیتا ہے۔ کئی ہفتوں گھاس پانی نہ ملے تو گزر اوقات کر لیتا ہے، تحمل والا اور صابر ہے اور اس کے علاوہ اپنی نسل، حمل، دودھ، گوشت اور سواری لوگوں کو فراہم کرتا ہے۔اہل یقین میں بھی ایسی صفات کا ہونا مطلوب ہے۔

ایک حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اے بندو! اہل زمانہ کی طرف دیکھو! کیا کوئی ایسا ہے جو سب سے کٹ کر مجھ سے ملا اور میں نے اسے عزت نہ دی ہو" بزرگوں کا قول ہے کہ جب بندہ کسی غیر اللہ کی جانب متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اعراض فرما لیتا ہے تو آسمان سے لے کر تحت الثریٰ تک ہر چیز اس سے

بھاگنے لگتی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے "جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ اس کو کافی ہے" (طلاق: ۳)۔

ظن اور یقین میں فرق

لُغت کے اعتبار سے کسی چیز کی علامات کو دیکھ کر نتیجہ اخذ کرنے کو ظَن کہتے ہیں۔ جب یہ علامات قوی ہوں تو اسے علم کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور اگر قوی تر ہوں تو یقین کہلائے گا مگر جب علامات بہت کمزور ہوں تو نتیجہ وھم کہلائے گا۔ جب ظن، علم و یقین کے درجے پر ہو تو قرآن میں اس کے بعد "اَنَّ" استعمال کیا جاتا ہے۔ "اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ" (البقرہ: ۴۶) (جو لوگ یقین کئے ہوئے ہیں کہ ان کو اپنے پروردگار کے رُوبرُو حاضر ہونا ہے)۔ لیکن جب ظن کمزور ہو تو اس میں صرف اَنْ آتا ہے۔ مثلاً "فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ" (انبیاء: ۸۷) (پس (ذوالنون نے) خیال کیا کہ ہم اس پر قابو نہ پا سکیں گے)۔

درج ذیل آیات میں علم، ظن اور حق (یقین) کا ذکر ہے۔ جو لوگ فرشتوں کے نام عورتوں کے نام پر رکھتے ہیں۔ ان کیلئے فرمایا۔

i) "وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا" (حالانکہ ان کو اس کا کچھ علم ہی نہیں۔ وہ محض ظن کی پیروی کرتے ہیں اور ظن حق (یقین) کے مقابلہ میں کسی کام نہیں آ سکتا) (النجم: ۲۸)۔

ii) "اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ" (الجاثیہ: ۳۲) (ہم اس کو محض ظن ہی خیال کرتے ہیں اور یقین نہیں آتا)۔

غفلت یقین کو کھوکھلا کر دیتی ہے

کشف المحجوب میں ابوبکر بن محمد موسیٰ واسطیؒ کا قول نقل ہے کہ "اَلذَّاكِرُوْنَ فِيْ ذِكْرِهٖ اَكْثَرُ غَفْلَةً مِّنَ النَّاسِ لِذِكْرِهٖ" (ظاہری طور پر ذکر کرنے والے حقیقت میں اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتے ہوئے ذکر نہ کرنے والے لوگوں کی طرف سے غافل ہوتے ہیں) یعنی اللہ کو یاد رکھتے ہوئے اگر ذکر بھول جائے تو حرج کی بات نہیں۔ بڑا نقصان اس میں ہے کہ اللہ کو فراموش کر دے اور اللہ کا ذکر بھی کرتا ہو، اور اس کے ذکر میں خدا کا غیر بھی موجود ہو۔ قلب و دانش کی جدائی منافقت کی قسم ہے۔ ایسے لوگ محض چلتی پھرتی تصویریں ہیں جو شکل و صورت رکھتے ہوئے بھی بے جان ہیں۔ مولانا رومؒ نے خوب مثال دی ہے کہ ایسے لوگ زمین پر اُگنے والی گھاس کی طرح ہوتے ہیں جس کے پاؤں تو زمین میں بندھے ہوئے ہیں مگر ہوا کے ہر جھونکے کے ساتھ بے سوچے سمجھے سر ہلاتی ہے۔

بستہ پائے چوں گیاہ اندر زمین   سر بجنبانی بہ باد بے یقین[۲۵]

(گھاس کی طرح پاؤں تو زمین میں بندھے ہوئے ہوں اور ہوا کے بے یقین جھونکوں کی طرح سر ہلا تا رہے)

ہوا کے ساتھ جھک جانے کا مقصد یہ ہے کہ ریت کے ٹیلے کی طرح ہر طاقت کے ساتھ بہہ جانا اور دل میں استقامت اور ایمان کی قوت کا نہ ہونا ہے ؂

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب — کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید — ضمیرِ پاک و خیالِ بلند و ذوقِ لطیف[۲۶]

ہر طاقت کے ساتھ بہہ جانا مادہ پرستی کی علامت ہے۔ مسلمان کا موجودہ کھوکھلا پن معاشی تنگی کی وجہ سے نہیں بلکہ اگر عظمتِ ایمان کا احساس اور دینی جذبۂ محبت پختہ یقین کی طرح دلوں کو گرماتا رہتا تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ علامہ اقبالؒ کا پورا کلام مسلمانوں کو ترقی کی طرف قدم اٹھانے کی تلقین کرتا ہے اور اس کے حُصول کیلئے یقین کے نُور کو قلب میں پیدا کرنے کی اور اسلامی جذبۂ شوق کو اپنانے کی پرزور تاکید کرتا ہے۔ یہ طاقت ان کو روئے زمین کی فرمانروائی بخشنے کی صلاحیت رکھتی ہے، مگر مسلمان برگِ حشیش کے نشے میں مخمور ہیں اور مادہ پرستی کی زندگی کو اپنا شعار بنا چکے ہیں اور اسی مادیت میں اپنی فلاح تلاش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے تو وہ درجۂ نماز کا احساس کھو بیٹھے ہیں اور رفتہ رفتہ نماز کا رکن تقریباً ۹۵ فیصد لوگوں کے ہاتھوں سے کُلیتہً نکل گیا ہے۔ ایسا گیا گزرا حال باقی اسلامی رکنوں کے متعلق بھی مشاہدے میں آتا ہے ؂

آگ اس کی پھونک دیتی ہے برنا و پیر کو — لاکھوں میں ایک بھی ہو اگر صاحب یقین[۲۷]

علامہ اقبالؒ نے خود فرمایا ہے کہ "غلام قومیں مادیات کو روحانیات پر مقدم سمجھنے پر مجبور ہو جاتی ہیں اور جب ان میں خوئے غلامی راسخ ہو جائے تو ہر ایسی تعلیم سے بیزاری کے بہانے تلاش کرتی ہیں جس کا مقصد اصلاحِ نفس اور رُوح کا بلند ہونا ہو"۔ یہ فرارِ ایمان اور ایقان کے غیاب (غائب ہونے) کی علامت ہے۔ عقیدے کا استحکام جو کبھی عشق و جنوں بھی کہلاتا ہے، شخصیت کو نقطۂ ارتکاز عطا کرتا ہے۔ اس سے شخصیت منتشر نہیں بلکہ متحد ہوتی ہے۔ اس کے مادی اور روحانی وجود میں موافقت پیدا ہوتی ہے۔ مسلمانو! اگر عمل چاہتے ہو تو یقین پختہ ہونا چاہیے۔ بس اسی کی تلاش کرلو ؂

عمل خواہی یقیں را پختہ ترکن — یکے جوئے، یکے بیں ویکے باش[۲۸]

(عمل چاہتے ہو تو یقین کو پختہ تر کرلو، اسی کو تلاش کرو، اسی کو دیکھو اور اسی کے ہو رہو)

یہ قول و فعل کی وحدت، شخصیت کو مالا مال کر دیتی ہے اور صحیح فرد بنا دیتی ہے۔ اسی سے قوموں میں وحدت رونما ہوتی ہے خواہ افرادِ ملت مختلف خطوں کے رہنے والے ہوں سب ایک ہی مرکز و محور کے گرد گھومتے ہیں اور وہ محور دین ہے اور اگر یہ نہ ہو تو حقیقت سے دوری بے ربطی اور انتشار کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

علامہؒ نے فرمایا ؂

نقطۂ پرکارِ حق، مردِ خدا کا یقیں — اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز[۲۹]

جن کو دولتِ یقین مل جاتی ہے وہ افتراق اور انتشار کا شکار نہیں ہو سکتے۔ اس سے توحید الٰہی اور توحید شخصی کے نُور میں رابطہ پیدا ہو جاتا ہے اور اسے مرکز دین کا نور نظر آنے لگتا ہے اور اگر کسی کا یہ نقطہ نظر نہیں تو وہ کہیں کا نہیں اور خود سے زیادہ جاہل اور اجنبی ہے کیونکہ جس کی کوئی مراد نہ ہو وہ غریب ہے اور غربت مال کی کمی سے نہیں بلکہ یقین کی کمی سے ہے۔

یقین کی بابت اقوالِ مشائخ

ایک بزرگ: نے فرمایا کہ عِلْمُ الْیَقِیْنُ تفرقہ کی حالت کا نام ہے۔ عَیْنُ الْیَقِیْنُ حالِ جمع ہے اور حَقُّ الْیَقِیْنُ جمع الجمع بزبانِ توحید ہے۔ علم الیقین اولیاء کرام کیلئے ہے، عین الیقین خاص اولیاء کرام کیلئے اور حق الیقین انبیاء کرام کیلئے اور اس کی حقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھی۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا کہ مومن کا ایمان قوی ہو جائے تو اس کا نام یقین والا لکھا جاتا ہے اور جب یقین پکا اور قوی تر ہو جائے تو اس کا نام ''عارف'' رکھا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اسلام کو اس طرح ثابت کرو کہ یقین تک پہنچ جاؤ، پھر تم وہ چیزیں دیکھو گے جو پہلے نہ دیکھی تھیں۔

معین الدین چشتیؒ نے فرمایا کہ ہم عَیْنُ الْیَقِیْنُ سے حَقُّ الْیَقِیْنُ تک پہنچے اور ہم ہر قسم کے شک و شبہ، ظن و تخمین سے پاک ہو گئے۔

ایک بزرگ نے فرمایا کہ ایمان کے تین درجے ہیں۔ علم، عرفان اور ایقان۔

i) علم ایمان بالغیب ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر خدا اور اس کے فرامین پر ایمان لے آنا۔

ii) عرفان، ایمان کا دوسرا درجہ ہے یعنی جو بن دیکھے مانا جائے اس میں حقیقت کے شواہد اور قرائن کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا اور یقین کو پختہ کرنا ہے۔

iii) ایقان، پیغمبرانہ یقین کا نام ہے جو مشاہدہ کے ذریعے حاصل ہوتا ہے ان تینوں کو علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین بھی کہہ دیتے ہیں۔

چنانچہ تمام اعمال کی کارکردگی کا انحصار اور اس کی بلندی کا معیار عمل کرنے والے کی نیت، اخلاص اور یقین کے معیار کے مطابق ہوتا ہے۔ اس بات کا سمجھ لینا ضروری تھا۔ اس لیے یقین کے متعلق اس قدر تفصیل دے دی گئی ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ: نے فرمایا ''اَلْیَقِیْنُ اِرْتِفَاعُ الشَّکِّ''[1] (یقین شک کا اٹھ جانا ہے) بندہ اگر کسی شے میں متردّد ہے تو اس کا حال بھی متردّد ہوتا ہے۔ باطن میں کسی چیز کے قرار پکڑنے سے اس کا ظاہر ساکن ہو جاتا ہے اور ظاہر کا متغیر ہونا شکِ باطن کی دلیل ہے اور اگر اسے اللہ تعالیٰ کے وعدہ وعید پر یقین ہوگا تو اس کا

---

[1] الرسالۃ القشیریہ، جلد ۱، صفحہ ۸۳۔

ظاہر رنج سے سکون میں ہوگا۔ظاہر میں شک ہوتو باطن میں رنج ہوتا ہے۔جو چیز ساکن ہوتو گرنے سے محفوظ ہوگی اور جو چیز متحرک ہوتو اس کا گرنا یقینی ہے۔مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

رنگِ صدق و رنگِ تقویٰ و یقین تا ابد باقی بود بر عابدین[۳۰]

(صدق، تقویٰ اور یقین کا رنگ۔عابد لوگوں پر ہمیشہ ہمیشہ رہتا ہے)

رنگِ شک و رنگِ کفران و نفاق تا ابد باقی بود برجانِ عاق[۳۱]

(شک، کفر ونفاق کا رنگ۔نافرمانوں کی جانوں پر ہمیشہ باقی رہتا ہے)

ہر کہ محجوب است او خود کور است مرد آں باشد کہ بیروں از شک است[۳۲]

(جو بھی محجوب ہے وہ خود اندھا ہے۔مرد تو وہی ہوتا ہے جو شک وشبہ سے باہر ہو)

نوریؒ: فرماتے ہیں ''اَلْیَقِیْنُ ھُوَالْمُشَاھَدَۃُ'' (یقین ہی مشاہدہ ہے) مشاہدہ دو طرح پر ہوتا ہے۔ایک تو کسی چیز کا معائنہ ہوتا ہے اور معائنہ سِرّ ہوگا عین نہیں ہوگا۔(یعنی جو چیز واجب ہے اس پر ایمان لانا چاہیے) ایسا ایمان ہو گویا کہ اس کو دیکھ رہا ہے پھر یقین درست ہوگا اور اگر مشاہدہ سے مراد حضور لیا جائے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ اگرچہ قبر، قیامت، اعمالنامہ کا پڑھنا وغیرہ غائب ہے مگر قوتِ یقین اس کو ایسا بنا دے کہ گویا وہاں حاضر ہے۔اس یقین کی علامت یہ ہے کہ جس کام کے کرنے سے جہنم کی سزا ملتی ہے اس کام سے آسودگی حاصل نہ کرے۔اس کا ایمان ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا وہ دوزخ اور بہشت کو دیکھ رہا ہے۔چنانچہ وہ بُرے کاموں سے بھاگے گا اور نیکی کی طرف رغبت کرے گا۔

ابنِ عطاءؒ: فرماتے ہیں کہ یقین یہ ہے کہ اس سے دوامِ وقت کے ساتھ معاوضہ زائل ہو جائے یعنی یقین کی دو شرائط ہیں۔ایک زوالِ معاوضہ اور دوسری دوامِ وقت۔زوالِ معاوضہ یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہ کرے یعنی نہ عطا کا سوال کرے اور نہ ردِ بلا کی خواہش کرے۔اہلِ جنت حق تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہ کریں گے۔ہر شخص اپنے حال پر خوش ہوگا اور دوزخی بھی نہ بولیں گے۔دوامِ وقت یہ ہے کہ ان کا وقت ایک طرح ہی رہتا ہے گویا یقین جب قوی ہو تو کوئی افزائش یا کمی اثر انداز نہیں ہوتی اور اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتی کیونکہ قوی کو اپنی جگہ سے ہلانے کیلئے قوی تر کی ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت ذوالنونؒ: فرماتے ہیں کہ جس کو آنکھیں دیکھتی ہیں اسے علم بولتے ہیں اور جس کو دل دیکھے اسے یقین کہتے ہیں۔اس کی شرح یوں ہے کہ جب آنکھ کام نہ کرے تو دل جانتا ہے۔دیکھنا آنکھ کا کام ہے اور دل کا کام معرفت ہے۔دل کی ایک صفت ہے جس سے اشیاء کو دیکھتے ہیں اور اسی صفت کو یقین کہتے ہیں۔آنکھ حاضر کو دیکھتی ہے مگر دل غائب کو دیکھتا ہے۔آنکھ مرئی اشیاء کو اور قلب غیر مرئی کو دیکھتا ہے۔جب تک ظاہر کو ظاہر دیکھنے سے بند نہ کریں باطن غائب کو دیکھنے کی قوت نہیں پاتا۔اسی لیے کہا جاتا ہے۔

لب بہ بند و چشم بند و گوش بند گر نہ بینی ذاتِ حق برما بخند

(منہ، آنکھ اور کان بند کر لو اور اگر ذاتِ حق کے جلوے کو نہ دیکھو تو ہمارا مذاق اڑاؤ)

حضرت عبداللہ ؒ: فرماتے ہیں کہ یقین جدائی کی پیوستگی ہے اور اس سے جدا ہوتا ہے جو کہ جدائی کے درمیان ہے یعنی جب تک کسی چیز سے تمہاری جدائی اٹھ نہ جائے اس وقت تک تم وہاں نہیں پہنچ سکتے۔ مثلاً بندہ جب خلقت سے منفصل (جدا) ہو جائے تب حق تعالیٰ کا اتصال (ملنا) حاصل ہوتا ہے۔

مولانا رومؒ اور علم الیقین: مثنوی کی تیسری جلد کے پہلے دفتر میں مولاناؒ فرماتے ہیں کہ علم کے دو پر اور گمان کا ایک پر ہوتا ہے۔ گمان کمزور اور بے دم ہے۔ ایک پر والا پرندہ جب اڑتا ہے تو اوندھا آ گرتا ہے اور پھر دو قدم یا اس سے زیادہ اڑتا ہے تو دوبارہ گر جاتا ہے۔ جب وہ پرندہ گمان سے بچ گیا اور علم والا ہو گیا تو دو پروں والا ہو جاتا ہے لہٰذا وہ جبرائیل کے یقین والا ہو جاتا ہے اور جبرائیل کی یہ حالت ہے کہ اگر ان کے یقین کی سارا عالم تعریف کرے تو ان کی رفتار میں اضافہ نہ ہوگا اور نہ کسی کے طعن سے ان کی پرواز میں فرق آئے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یقین کا یہ عالم تھا کہ آپ نے فرمایا ''لَوْ کُشِفَ الْغِطَآءُ لِمَا ازْدَدْتُ یَقِیْنًا''[1] (اگر حالات غیب سے پردہ بھی اٹھا دیا جائے تو میرے یقین میں زیادتی نہ ہوگی)۔ یعنی ان کا یقین پہلے سے ہی درجۂ کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ فلسفی کو اسی لیے خدا کا سراغ نہیں ملتا کہ وہ محض عقل اور استدلال سے کام لیتا ہے اور ابھی تک اس کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف ہے جبکہ اہل عشق یا اہل یقین نے بڑھ کر مطلوب کی پردہ کشائی کر دی ہے اور مقصود کو پا لیا ہے۔

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ وہم اگرچہ بے اصل اور باطل ہوتا ہے لیکن نفس اور بدن میں نتائج پیدا کرنے میں نہایت مؤثر ہوتا ہے۔ آپ نے ایک مدرس کی مثال دی کہ ایک دن ان کے بہت سے شاگرد ان کے پاس باری باری آ کر کہنے لگے کہ آپ کا رنگ زرد ہو رہا ہے آج آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ جب بہت سے لڑکوں نے یہ بات کہی تو ان کو محسوس ہونے لگا کہ واقعی ان کی طبیعت آج علیل ہے چنانچہ لڑکوں کو چھٹی دے کر گھر چلے گئے اور بیوی سے خفا ہونے لگے کہ تم نے مجھے بیماری کی حالت میں مدرسے دھکیل دیا ہے۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ تخریبی عمل میں ظن کو ایک قوی عمل تصور کرنا چاہیے۔ فرماتے ہیں کہ خواہ کوئی فرد ہو یا قوم اگر کسی موہوم تصور میں گرفتار ہو جائے تو پاگلوں کی طرح تخریبی کاموں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح بادشاہوں اور امراء کی عقل کو لوگ ان کی بے جا تعریفوں سے مغالطے میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ مثلاً فاسق اور فاجر کو ظل اللہ کہیں تو بادشاہ ''اَنَا مَوْجُوْدٌ وَلَا غَیْرِیْ'' کا نعرہ لگانے لگتے ہیں۔

مولانا رومؒ یہ ثابت کرنے کیلئے کہ وہم عقل پر کس طرح غالب آ جاتا ہے ایک اور مثال دیتے ہیں کہ اگر زمین پر ایک فٹ چوڑا راستہ ہو تو انسان ادھر ادھر لڑکھڑائے بغیر، اطمینان سے کوسوں چل سکتا ہے لیکن بہت اونچی دیوار کے آثار پر اگر دو گز چوڑا راستہ بھی ہو تو وہ اس پر چلتے ہوئے گھبراتا ہے کیونکہ وہم نے یہ خیال پیدا کر دیا ہے کہ ''گرا تو مرا''۔ عقل اس کو ہزار یقین دلائے کہ دیکھو یہ دو گز چوڑا راستہ ہے اس پر تو چار آدمی دوش بدوش آسانی

[1] حلیۃ الاولیاء، جلد ۴، صفحہ ۳۴۶۔

سے چل سکتے ہیں، تجھے کیوں خواہ مخواہ خوف لاحق ہو گیا ہے، لیکن گمان کا غلبہ عقل کو معطل کر دیتا ہے (طوالت کے خوف سے مثنوی کے اشعار یہاں نقل نہیں کیے جا رہے ہیں)۔ ابلیس اہلِ دنیا کو فریبِ دنیا میں اس طرح گھیر لیتا ہے کہ انسان دنیا کی چہل پہل اور رنگینیوں میں ہی کھو کر رہ جاتا ہے اور اسے آخرت کی جزا اور سزا کا وہم و گمان تک نہیں رہتا حتیٰ کہ جب وہ مر جاتا ہے تو اپنی آنکھوں سے اپنے کیے کی سزا کو سامنے دیکھ لیتا ہے۔

یقین بصیرتِ قلبی کے مطابق ہوتا ہے

اگرچہ اس جہان میں ذاتِ باری تعالیٰ کی رؤیت ظاہر کی آنکھوں سے ممکن نہیں لیکن اس کا اجمالی مشاہدہ (اسماء اور صفات کی جہت سے) قلبی بصیرت کے ساتھ ممکن ہے۔ یقین کے درجات بھی انسان کی اس بصیرت قلبی کے مطابق ہوتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی ؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کسی شخص کو ایسی بصارت عطا فرماتا ہے جس سے وہ پوشیدہ حجابات اور روحانی پردوں کے پیچھے پوشیدہ چیزیں دیکھتا ہے (اس مشاہدے سے ہی یقین میں تقویت ہوتی ہے)۔

صوفیائے کرام اپنے باطن یعنی حریمِ دل میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے ہیں (جیسے کہ فرمایا ''وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ'' (اور تمہارے وجود میں بھی (نشانیاں) ہیں کیا تمہیں نظر نہیں آتیں) (الذاریات، ۲۱) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا مقام انسان کے اپنے اندر ہی بتایا ہے اور تمام اولیائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ وہ مقام انسان کا اپنا دل ہے۔

ہست معشوقے نہاں اندر دلت　　چشم اگر داری بیا بنمانمت[۴۳]

(تیرے دل میں ایک محبوب چھپا ہوا ہے، اگر نظر رکھتا ہے تو تو آ میں تجھے دکھا دوں)

من نہ گنجم در زمین و آسماں　　در دلِ مومن بگنجم بے گماں

(میں زمین اور آسمان میں سما نہیں سکتا، لیکن بیشک مومن کا دل مجھے اپنے اندر سما لیتا ہے)

قدم بیباک نہ در حریمِ جانِ مشتاقاں　　تو صاحبِ خانۂ آخر چرا دزدانہ می آئی[۴۴]

(اے اللہ! اپنے عاشقوں کی جان کے حرم میں بے تکلفی سے قدم رکھ، یہ تیرا اپنا گھر ہے تو پھر تو چوروں کی طرح کیوں آتا ہے)

جو لوگ صاحبِ مشاہدہ ہیں ان کے یقین میں کبھی کوتاہی رونما نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ اہل مشاہدہ کے اوقات ہمہ تن یادِ الٰہی سے معمور نظر آتے ہیں اور جن کو یقین سے کچھ علاقہ نہیں وہ ہمہ وقت اپنی نفسانی خواہشات کی اتباع میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اولیائے کرام کی صحبت سے ہی قوتِ مشاہدہ تک رسائی ملتی ہے اور یہ استطاعت ذکر و فکر پر دوام، فرائض کی ادائیگی اور اِتباعِ سنّت کے لزوم سے پیدا ہوتی ہے۔ شیخ کامل ان عبادات کا راستہ اپنی توجہ اور شیرینی کلام سے مرید پر کھول دیتا ہے اور مقامِ مشاہدہ پر لا کھڑا کرتا ہے جس سے مراتبِ یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔

یقین کے درجات

یقین کے بہت سے درجے ہیں لیکن معروف تین ہیں۔ ایمان یقین کی جڑ ہے اور علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین اس کی شاخیں ہیں۔ قرآن میں ان تینوں کا ذکر آیا ہے۔ سورۂ التکاثر میں پہلے دو کا ذکر ہے۔ سورۂ واقعہ آیت ۹۵ اور سورۂ الحاقہ آیت ۵۱ میں حق الیقین کا بھی ذکر ہے۔ یہاں ان کے متعلق کچھ وضاحت کی جارہی ہے۔

i) عِلْمُ الْیَقِیْنُ: ایسا علم ہے جو درجۂ یقین میں ہو اور کتاب اللہ کے معانی کا ادراک (جو قرآن کو سمجھنے سے ہوتا ہے) رکھتا ہو۔ ایسا علم جو ایک یقینی بات کا ہوتا ہے یا وہ علم جو دلائل و براہین سے حاصل کیا گیا ہو (یہ غور و فکر سے حاصل ہوتا ہے) اضطراب کا اس میں دخل نہیں، یہ ایسے دلائل سے ہوتا ہے جس کا تعلق ہر شخص کی عمومی سُوجھ بُوجھ سے ہو۔ کسی چیز کا علم جو تواتر خبر سے معلوم ہو، علم الیقین کہلاتا ہے۔

ii) عَیْنُ الْیَقِیْنُ: جب کوئی چیز واضح مشاہدے میں آجائے تو وہ عین الیقین کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ علم بطریقِ کشف یا بفیضِ خداوندی حاصل ہوتا ہے۔ اس میں اسرارِ الٰہی مخفی ہوتے ہیں۔ اگر علم یقین سے خالی ہو تو مشتبہ بن جاتا ہے اور اگر یقین ہو تو علم الیقین ہو جاتا ہے۔ عین الیقین مرتبۂ وثوق اور اعتماد کا نام ہے جو منطقی دلائل سے متعلق ہیں۔

iii) حَقُّ الْیَقِیْنُ: یہ علم حقیقتاً وصال کے بعد بندۂ حق کو حاصل ہوتا ہے۔ اس میں علم الیقین اور عین الیقین اشارہ کرتے ہیں۔[1] حق الیقین والے کا ظاہر تو لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے مگر باطن اللہ کے ساتھ ہوتا ہے (یعنی ذکر جاری رہتا ہے)۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے فرشتو! دیکھو یہ بندہ لوگوں میں مصروف ہے مگر باطن میں یہ میرے ساتھ لو لگائے ہوئے ہے یعنی لوگوں کے سامنے تو یہ سویا ہوا ہے مگر میرے ساتھ بیدار ہے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ علم تحقیق سے حاصل ہوتا ہے اور پھر سالک غیبی خبروں کا اس طرح مشاہدہ کرتا ہے جس طرح اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہو۔ حق الیقین معرفت کے اس مقامِ بلند سے تعبیر ہے جو براہِ راست مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص مٹکے میں پڑے کسی مشروب کو کہے کہ یہ دودھ ہے اور اسے دیکھے بغیر مان لیا جائے (خبر کی بناء پر) تو یہ علم الیقین ہوگا اور اگر ڈھکنا اٹھا کر دیکھ لیا جائے اور پھر مانا جائے تو یہ عین الیقین ہوگا اور اگر اسے پی کر ذائقہ پا کر مانا جائے کہ یہ دودھ ہے تو یہ حق الیقین ہوگا۔

کہا جاتا ہے کہ علماء کو علم الیقین ملتا ہے اور فقراء کو یقین مشاہدہ سے ہوتا ہے جو عین الیقین کہلاتا ہے مگر عرفاء کا یقین مشاہدۂ حق سے ہوتا ہے اور اس کو حق الیقین کہتے ہیں۔ جب یہ مقام ملے تو اللہ تعالیٰ بندے سے پوچھتا ہے کہ اے روح واپس جانا چاہتی ہے یا نہیں۔ (مشاہدہ حق کے بعد روح کو اپنے مقام پر نزول کرنا ہوتا

---

[1] عوارف المعارف، صفحہ ۱۸۶۔

ہے جسے نزول یا ھبوط کہتے ہیں)۔ ایسی روحیں جو معرفت میں کمزور ہوتی ہیں وہ ڈرتی ہیں کہ کہیں واپس نہ بھیج دی جائیں اور جو روحیں واپس نہ آئیں وہ لوگ مجذوب ہو جاتے ہیں۔ زیادہ استقامت والی روحیں واپس آ کر مقامِ ارشاد (رشد و ہدایت) پر متعین ہوتی ہیں۔ یہ لوگ صحو والے ہوتے ہیں۔ پرورش ہر روح کی روحِ محمدی ﷺ کرتی ہے۔ جن کو فیض بطریقِ ولایتِ محمد ﷺ ملے وہ مجذوب ہوتے ہیں جن کو فیض بطریقِ نبوت ملے وہ صاحبِ ارشاد ہوتے ہیں اور یہ دوسرے لوگوں کو بھی باکمال کرتے ہیں اور صاحب رشد و ہدایت میں سے ہوتے ہیں۔

سالک جب ذکر و اذکار اور ریاضتِ شاقّہ کرتا ہے تو واصل باللہ ہو جاتا ہے۔ یہ مقام اچھی خاصی ریاضت اور تربیتِ شیخ کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں اسی محنت کی طرف اشارہ ہے جس میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب بندہ میری طلب کرتا ہے تو مجھے پالیتا ہے، پھر وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور جب محبت کرتا ہے تو مجھ سے عشق کرنے لگتا ہے اور جب عشق کرنے لگے تو میں اس کو قتل کر دیتا ہوں، تو پھر اس قتیل عشق کا میں خود ہی خون بہا بن کر اس کی دیت بن جاتا ہوں۔ ایسے لوگوں کے ذکر قلبی کی وجہ سے نفس امارہ مُہذّب ہو جاتا ہے (یعنی خواہشات دنیا ختم ہو جاتی ہیں) اور وہ دل جو ذکر الٰہی میں مہذب ہو جائے تو اللہ کے ساتھ زندہ ہو جاتا ہے۔ ایسے دل کی علامت یہ ہے کہ اس میں اقتدار، کرسی، مال و منال، عزت و جاہ، قدرت اور بلندی کی خواہش اور حتیٰ کہ ولایت طلب کرنے کی خواہش بھی باقی نہیں رہتی۔ یہ الگ بات ہے کہ دنیا، قدرت، طاقت اور اقتدار وغیرہ اس کے قدموں کے نیچے ہوتے ہوں، مگر ان سب کا ہونا یا نہ ہونا اس کیلئے یکساں ہوتا ہے۔ اس کو دنیا کی تمام نعمتیں تلاش کرتی ہیں مگر وہ صرف اور صرف حق تعالیٰ کی رضا اور بقاء کا طالب ہوتا ہے۔ اس کی دوسری علامت یہ ہے کہ جب وہ سوتا ہے تو حضور ﷺ کی مجلس میں پہنچ جاتا ہے۔

اس راہِ طریقت میں ایک ایسا مقام بھی آتا ہے جس کو مقامِ تجلّی کہتے ہیں۔ اس میں سالک پر تجلیات کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ تجلیات بھی دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک نوری اور دوسری ناری۔ جب کسی پر ناری تجلی وارد ہو تو وہ مناظر کے مشاہدہ میں الجھ جاتا ہے اور اپنی کرامات پر آنکھ کھولے رکھتا ہے چنانچہ ایسا سالک منزل سے رہ جاتا ہے اور شیطان اس پر غالب آ جاتا ہے۔ اسی لیے ضرورتِ شیخ محسوس ہوتی ہے کیونکہ شیخ ان تمام مرحلوں سے سالک کو بخیر و خوبی لے کر گزر جاتا ہے اور اس کی آنکھ مناظرِ راہ پر نہیں کھلتی۔ اگر کسی کو مناظر نظر آئیں تو وہ آزمائش اور خطرے سے خالی نہیں ہوتا اور اس کے گمراہ ہو جانے کا خطرہ موجود رہتا ہے۔ اس لیے صوفیاء نے فرمایا "مَنْ کَانَ لَا شَیْخٌ لَہٗ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ شَیْخٌ لَہٗ"[1] (جس کا کوئی شیخ نہیں اس کا شیطان شیخ ہوتا ہے) اگر کسی کی ایسی حالت نہیں کہ وہ تنہا اس راہ سے گزر جائے تو اسے چاہیے کہ ایسوں سے تعلق رکھے جو اللہ سے تعلق رکھتے ہوں اور اس پُرخطر راہ کو طے کر چکے ہوں۔ اللہ والوں کے ساتھ رہنے سے سالک بھی اللہ والا ہو جاتا ہے۔

---

[1] ایقاظ الھمم، ابن عجیبہ، متوفی ۱۲۲۴ھ، جلد۱، صفحہ ۵۷، القاھرہ۔

کسی نے خوب کہا ہے کہ اگر ان اولیاء کی بو اپنے اندر پیدا نہ ہو سکے تو ان اولیاء کا دیدار بھی کافی ہوتا ہے۔

گردِ مستان گرد، گر مئے کم رسد، بوئے رسد   بوئے او گر کم رسد، رؤیتِ ایشاں بس است

(اللہ والے مستوں کے گرد رہو کیونکہ اگر ایسوں سے شراب میسر نہ ہو تو کم از کم شراب (عشق) کی بو تو ملتی ہے اور اگر بو بھی کم ملے تو ان کا دیدار بھی کفایت کرتا ہے)۔

دوسری تجلی کی قسم نوری تجلی ہے۔ اس میں نُورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم یا نورِ الٰہی سے فیض ملتا ہے اور ان کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے۔ کبھی ملائکہ کا نور بھی نظر آتا ہے۔ کسی کو ایک، کسی کو دو یا تین یا بہت ساری تجلّیات مل جاتی ہیں اور ہر تجلی کے اثرات الگ ہوتے ہیں۔ مثلاً یکسوئی، توکل، زُہد و تقویٰ، استغراق، محبت، عشق، جود و سخا وغیرہ کا ہونا۔ اس کے برعکس ناری تجلی شیطان یا نفس کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس کی علامت طمع، لالچ، حسد، بغض، غصہ، کینہ وغیرہ کا پایا جانا ہے۔ جس پر شیطانی تجلّی کا اثر ہو وہ تارکِ شریعت ہوتا ہے اور بالآخر وہ خود پر عبادت بھی ساقط تصوّر کر لیتا ہے اور ایسے لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اتنی عبادت کی کہ اب ہم سے عبادت اٹھ گئی۔ ایسے لوگوں کی دوستی اور تعلق کفار سے ہوتا ہے یا غلط قسم کے لوگوں سے ملتے جلتے ہیں۔ ان کو عاداتِ غیر صالح سے رغبت ہوتی ہے۔ یہ لوگ وہ ہوتے ہیں کہ جنہوں نے کچھ منزلیں طے کیں مگر شیطانی تجلی جب غالب ہوئی تو گمراہ ہو گئے۔ شیطان اپنی تجلی بڑے بڑے صوفیا پر بھی ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، جس کی مثال حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا وہ واقعہ ہے جس میں شیطان نے آپ کے سامنے جعل سازی کے ساتھ اپنی صُورت کو نورانی صُورت میں ظاہر کر کے کہا تھا کہ اے شیخ عبدالقادرؒ ہم تمہارے خدا ہیں اور ہم تمہاری عبادت سے اس قدر خوش ہوئے ہیں کہ آئندہ کیلئے عبادت آپ کو معاف کی جاتی ہے۔ آپ نے اس آواز کو شیطان کی آواز سمجھ کر فوراً فرمادیا کہ ''اِدْفَعْ یَالَعِیْنُ'' (اے لعنتی دُور ہو جا) اللہ تعالیٰ سب کو اس آزمائش سے محفوظ فرمائے، آمین۔

اسلام، ایمان اور یقین میں فرق

حدیث شریف میں ہے کہ ''اَلْیَقِیْنُ اَلْاِیْمَانُ کُلُّہٗ'' (ایمان بالکل یقین ہی کا نام ہے)[1] ایک جگہ ہے کہ یقین سیکھو یعنی اہل یقین کے ساتھ مجالست کرو۔ ان سے علم یقین سیکھو کہ وہ علماء حق ہیں۔ ان کا مشاہدہ دلیل معرفت ہے اس سے یقین حاصل ہوتا ہے۔ اس یقین کی زبان وجد ہے۔ اس کو پانے والا مقترب ہے اور یہ وجد عین الیقین کا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے یقین والے شخص کی اپنی قدرت سے اس کے نور یقین کے باعث اس کی کارسازی فرماتا ہے۔

وہ آدمی صحیح مسلمان اور صاحبِ ایمان نہیں ہو سکتا جو مشکلات اور آزمائش کے موقع پر مقابلہ کرنے کی ہمت نہ رکھتا ہو۔ سورہ الحج کی آیت گیارہ جس کی ابتداء ان الفاظ سے ہے۔ ''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰہَ

---

[1] المستدرک، حدیث ۳۶۶۶، جلد ۲، صفحہ ۴۸۴۔

عَلٰی حَرْفٍ" (الحج:۱۱) اس کا ترجمہ یوں ہے (لوگوں میں وہ شخص بھی ہے جو اللہ کی بندگی کا دم تو بھرتا ہے مگر عین کنارے پر کھڑا رہتا ہے اگر اسے بھلائی کی خبر میسر ہو تو وہ اللہ کے ضمن میں مطمئن ہے اور اگر آزمائش سے دو چار ہو تو وہ رُوگردانی اختیار کرتا ہے۔ اس نے دنیا بھی گنوائی اور آخرت بھی۔ وہ ایسے خسارے میں ہے جسے صحیح خسارہ کہتے ہیں) اس کو بڑا خسارہ اس لیے کہا کہ ایسے لوگ دنیا و آخرت میں نامُراد رہتے ہیں۔

قرآن اور احادیث کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ رسُول اللہ ﷺ نے کلمہ گو اور اسلام قبول کرنے والے کو مسلمان کے نام سے یاد کیا اور اہل یقین کو مرد مومن فرمایا۔ اسلام اور ایمان میں بہت فرق ہے۔ اسلام محض نظریہ کو تسلیم کر لینا ہے اور ایمان کا مطلب نظریہ اور اصول کا دل میں اتر جانا ہے۔ جو بات دل میں اتر جائے وہ فکر و عمل کو ضرور متاثر کرے گی اور اس سے ہی انسان کی شخصیت بنتی ہے ۔

تو عرب ہو یا عجم ہو تیرا لَا اِلٰہَ اِلَّا   لغتِ غریب جب تک تیرا دل نہ دے گواہی [۳۵]

ایمان جب ایمان کامل کی حد تک پہنچ جائے تو اسے ایقان کہتے ہیں۔ یہ وہ ایمان ہے جو رگ رگ میں سما جائے جس طرح گانے کے شوقین جب کوئی گانا سنتے ہیں تو ان کا پورا بدن جھومنے لگتا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے دو شخصوں کے یقین کے متعلق سوال کیا گیا تو فیصلہ اس بات پر ہوا کہ جس کا یقین قوی ہو (خواہ اعمال کم ہوں اور گناہ زیادہ ہوں) اس کا یقین اس کے تمام گناہوں کا صفایا کر دے گا اور یہ شخص اس شخص سے بہتر ہے جس کا یقین کمزور ہے (خواہ اعمال صالح باکثرت کرتا ہو اور گناہ بھی کم ہوں) کیونکہ اس کا شک و شبہ اس کے اعمال کو لے ڈوبے گا۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ جس کی فطرت میں عقل ہو اور خصلت میں یقین ہو اس کو گناہ ضرر نہیں دیتے اس لیے کہ وہ جب بھی گناہ کرے گا توبہ کر لےگا۔ علامہ اقبال ؒ فرماتے ہیں ۔

کافرِ بیدار دل پیشِ صنم   به ز دیندارے کہ خفت اندر حرم [۳۶]

(ایک کافر جس کا دل بیدار ہو وہ اس دیندار سے بہتر ہے کہ جو حرم میں سو رہا ہو)

اہل عرب نے حضور ﷺ کو اپنے اسلام لانے کا احسان جتایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ 'ان سے کہہ دو کہ تم ایمان تو لائے ہو مگر ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا''۔ ''قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدٰىکُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ'' (فرما دیجیے: تم اپنے اسلام کا مجھ پر احسان نہ جتلاؤ بلکہ اللہ تم پر احسان فرماتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کا راستہ دکھایا ہے، بشرطیکہ تم (ایمان میں) سچے ہو) (الحجرات:۱۷)۔ کفار جب ایمان لائے تو حضور ﷺ پر یہ احسان جتانے لگے کہ ہم نے اپنا مذہب چھوڑ کر، اسلام قبول کیا ہے، ہمیں گندم دو، ہمارے لیے سواری کا اور مکان کا انتظام کرو، تو ان کی ان باتوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نے ابھی اسلام قبول کیا ہے ابھی اسلام تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا یعنی یقین کی دولت سے مالا مال نہیں ہوئے اور اگر ہوتے تو ایسے سوالات نہ کرتے اور احسان نہ جتاتے، بلکہ احسان تو ہم نے تم پر کیا ہے کہ تمہیں جہنم کی آگ میں جانے سے بچا لیا اور غلامان مصطفی ﷺ میں تمہارا شمار کر دیا ہے۔

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ۔

شکرِ خدا کن کہ موفق شدی بخیر ز انعام و فضلِ او، نہ معطل گزاشتت

(خدا کا شکر ادا کر کہ اس نے تجھے نیکی کی توفیق دی اور اس نے تجھے اپنے انعام و احسان سے محروم نہیں رکھا)

منت منہ کہ خدمتِ سلطان ہمی کنی منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

(یہ احسان نہ جتا کہ تو بادشاہ کی خدمت کر رہا ہے، بلکہ احسان سمجھ کہ اس نے تجھے اپنی خدمت کا موقع دیا ہے)

اقوام کا معیار، دولتِ یقیں سے وابستہ ہے

چونکہ ایمان بھی یقین کے بغیر ناکارہ اور لایعنی بات ہوتی ہے اور قابل قبول نہیں اسی لیے ایمان کیلئے یقین کی شرط رکھی گئی ہے چنانچہ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ کے بعد وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ کو ایمان کی بنیادی شرط کہا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تجھے ملے اور وہ اس بات کی گواہی دے کہ ''أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ'' (خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور دل سے اس کا یقین بھی رکھتا ہو تو اس کو جنت کی بشارت دو)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ''لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ'' (نیکی یہ نہیں ہے کہ اپنے چہرے کو مشرق و مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ نیکی (کا کمال) تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان لائے اللہ پر) (بقرہ:۱۷۷)۔ یعنی اللہ پر یقین رکھے جس سے مراد یہ ہوئی کہ یقین ہی ایمان کامل ہے جیسا کہ حدیث بالا سے بھی ظاہر ہوتا ہے اور علامہ اقبالؒ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔

دین ہو فلسفہ ہو فقر ہو سلطانی ہو ہوتے ہیں پختہ عقائد کی بناء پر تعمیر

حرف اس قوم کا بے سوز، عمل زار و زبوں ہو گیا پختہ عقائد سے تہی جس کا ضمیر (۳۷)

جب کوئی قوم دین کو تھامے رہے اور ظاہری اعمال کے ساتھ ساتھ اس کے مقاصد کو بھی اہمیت دے اور اس کی غرض و غایت کو پیش نظر رکھے تو یہی اس کا تعمیری پہلو ہے اور اگر دین کے ظاہری اعمال کو ہی کوئی قوم کافی سمجھے اور مقاصد کو بھول جائے تو وہ اعمال بے جان رسوم ہو کر رہ جاتے ہیں مثلاً جو نماز نمازی کو بدکاری سے دور نہ رکھے اور اگر روزہ دار جھوٹ بولے تو وہ نماز اور روزہ اسے خدا سے اور بھی دور کر دے گا۔ یقین کے ساتھ عمل ہو تو وہ عمل اپنے مقصد تک پہنچانے میں مددگار ہو گا۔

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامیں پیدا (۳۸)

یقیں پیدا کر اے غافل یقیں سے ہاتھ آتی ہے وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری (۳۹)

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں (۴۰)

علامہؒ نے سینکڑوں اشعار ایسے لکھے ہیں جن میں سے چند پیش کیے جاتے ہیں۔ علامہؒ کے کلام میں جگہ

---

۱ صحیح مسلم، حدیث ۴۶، جلد ۱، صفحہ ۱۳۳۔

جگہ یہ پیغام ملتا ہے کہ اگر مسلمان برائے نام مسلمان ہوگا تو اس کا اجر بالکل معمولی اور دین کے منشاء کے مطابق نہ ہوگا۔ ہر عمل کو اس عمل کی روح کے مطابق ہونا چاہیے۔ محض عملِ نماز سے ہی نمازی نمازی نہیں بن جاتا۔

دل ہے مسلماں میرا نہ تیرا تو بھی نمازی میں بھی نمازی(۴۱)

زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل؟ بنایا ہے بتِ پندار کو اپنا خدا تو نے(۴۲)

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں(۴۳)

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو، زباں تو ہے یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے(۴۴)

علامہؒ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص جس کو یقین کی دولت نہ ملی ہو اس سے کبھی تخلیقی یا تحقیقی کارہائے نمایاں صادر نہیں ہو سکتے اور ایسے لوگ کسی ملت یا قوم کا سرمایہ نہیں بن سکتے۔

بے یقیں را لذّتِ تحقیق نیست بے یقیں را قوتِ تخلیق نیست

(بے یقیں کو تحقیق کی لذت حاصل نہیں ہوتی، بے یقین لوگوں میں قوتِ تخلیق بھی نہیں ہوتی)

بے یقیں را رعشہ ہا اندر دل است نقش نو آوردن اورا مشکل است(۴۵)

(بے یقیں کا دل کئی قسم کے خوف سے لرزتا ہے، ایسے دل کیلئے نئے نقش پیدا ہونا مشکل ہے)

بُوعلی قلندر فرماتے ہیں کہ وہ نماز جس میں دنیاوی خیالات ہوں وہ نماز محض عبادت کے طور پر پڑھی جاتی ہے۔ اس سے تو منہ کی سیاہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی توحید کے خلاف ہے اور ایسی نمازوں سے خدا کی پہچان نہیں ہو سکتی۔ فرماتے ہیں۔

چوں شوی ایستادہ از بہر نماز دل بود درگاؤ خر اے حیلہ ساز

(جب تو نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے، تو اے بہانے باز تیرا دل گائے اور گدھے میں ہوتا ہے)

آں نمازِ تو شود آخر تباہ فکرِ باطل ہا کند رویت سیاہ

(تیری ایسی نمازیں بالآخر تباہ ہو جائیں گی، اور بہت سے باطل خیالات تیرا منہ کالا کر دیں گے)

گر الفتِ توحید نباشد بہ دل تو حق را نشناسی زقیامے و قعودے

(اگر ترے دل میں الفت توحید نہ ہو تو، حق تعالیٰ کو محض قیام وقعود سے نہیں پہچان سکتا)

حضرت بلھے شاہؒ فرماتے ہیں۔

ایویں متھا زمین گھسائی دا پا لما محراب وکھائی دا

پڑھ کلمہ لوک ہسائی دا دل اندر سمجھ نہ لائی دا

کدی سچی بات وی لُکدی اے

اک نقطے وچ گل مُکدی اے

اہلِ یقین چٹان کی طرح خطرات سے گھبراتے نہیں

خدااور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ باطل خداؤں کی نفی کی جائے اور اس راہ میں خدااور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے علاوہ اگر کوئی اور طاقت راہ میں حائل ہو تو اس کا ایمان کی قوت کے ساتھ مقابلہ کیا جائے، یہی قرآن نے فرمایا ہے۔"یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ" (النساء:۱۳۶) (اے لوگو (جو ایمان لائے ہو) اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان (بھی تو) لاؤ۔ (دوسرے معنی یوں ہوں گے کہ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان میں پختہ رہو)۔ یہاں پر بھی ایمان لانے سے یقین کامل کا ہونا مطلوب ہے جو ماسوا اللہ سے بے نیاز کردے۔ حرص و ہوس اور امید و یاس راہِ خدا میں رکاوٹیں نہ بنیں۔ تمام طاغوتی طاقتوں سے بڑی جرأت و بہادری سے مقابلہ کرنا یقیں کی بدولت ہی ممکن ہوگا اور اس کی آخری منزل عشق ہے۔

یقیں مثلِ خلیل آتش نشینی یقیں اللہ مستی، خود گزینی
سن اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار غلامی سے بتر ہے بے یقینی

یقینِ ابراہیم کے سامنے آتشِ نمرود کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ حصولِ مقصد کیلئے اگر کوئی اس قدر بلند ہمت ہو تو پھر اللہ تعالیٰ بھی آگ کو جنت و گلزار بنا دیتا ہے۔ بندۂ مومن شوق و عشق کی آخری منزلوں پر قدرت الٰہی کا مشاہدہ کرتا ہے اور وہ کچھ دیکھتا ہے جو پہلے نہ دیکھا تھا۔ یقین کی یہ خوبی ہے کہ استقرار کو جنم دیتا ہے اور بندۂ مومن کو قرار آجاتا ہے اور استقلال کی دولت سے سرفراز ہوتا ہے کیونکہ دولتِ یقیں کے حاصل ہونے کے بعد تردّد و شک کا تصور بھی نہیں ہوتا۔ بقول علامہ اقبالؒ۔

یقیں را در کمیں بوک و مگر نیست وصال اندیشۂ ہجراں ندارد[۴۶]

(وہاں یقین کی گھات میں تردّد و شک (یعنی اگر مگر) نہیں، وصال کو فراق کا اندیشہ نہیں ہوتا)

شرح عقائد میں ہے "اَلْاِیْمَانُ لَا یَزِیْدُ وَلَا یَنْقُصُ" یعنی ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم۔ جہاں کہیں محدثین، علماء اور اصحابِ ظواہر نے ایمان میں کمی بیشی کا تذکرہ کیا ہے اس سے مراد متعلقاتِ ایمان کی کمی بیشی ہے۔ یہ اس لیے کہ ایمان تصدیق کا نام ہے اور تصدیق بسیط ہے، مرکب نہیں۔ کمی یا زیادتی مرکب ہیں۔ لہٰذا ایمان یا تو ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔ غنیۃ الطالبین میں جو لکھا ہے کہ ایمان میں کمی بیشی آتی رہتی ہے۔ یعنی "اَلْاِیْمَانُ یَزْدَادُ وَیَنْقُصُ"۔ اس قول میں ایمان سے مراد متعلقاتِ ایمان کی کمی و زیادتی ہے۔ یہ بات بہرحال یقینی ہے کہ یقین میں استقرار ہے اس کی امید میں یاس نہیں۔ صاحب یقین کی نظر کامل اور بالغ ہوجاتی ہے۔ لوگ استدلال کرتے ہیں اور اہل یقین معائنہ کرتے ہیں۔ علامہؒ کو وہ نظر حاصل ہوئی تو فرمایا۔

کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ[۴۷]

حتیٰ کہ ایک وقت آیا کہ قوم کے بچوں کیلئے دعا فرمائی کہ ان کو یہی یقین و عشق بخش دے۔

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے مرا عشق میری نظر بخش دے[48]

یہاں یہ حدیث قابل غور ہے ''اَلدُّنیا سِجنُ الْمُؤمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ'' (یہ دنیا مومن کیلئے قید خانہ اور کافر کیلئے جنت ہے)۔ احضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اس لیے فرمایا کہ مومن اس جہان میں ہمیشہ آزمائشوں میں مبتلا رہتا ہے اور اس کا بہت سی کیفیات سے دو چار ہونا ضروری ہے۔ انسانی دل کبھی اِدھر اُدھر سہارا تلاش کرنے لگتا ہے اور کبھی گمانوں کے لشکر پائے استقلال کو لغزش دینے لگتے ہیں، مگر مومن کے پائے یقین مضمحل نہیں ہوتے۔ دولتِ یقین پر اسے پورا بھروسہ اور ناز ہے اور اس دولت کو وہ اپنے حلقہ بگوشوں میں عام کرنا چاہتا ہے۔ علامہؒ نے فرمایا ؎

مرا دل مری رزمگاہ حیات گمانوں کے لشکر یقیں کا ثبات

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

مرے قافلے میں لٹا دے اسے لٹا دے ٹھکانے لگا دے اسے[49]

صحابہ کرام اور ہمارے یقین میں فرق

جب ہم یہ معلوم کرلیں کہ یقین کے بہت سے درجات ہوتے ہیں تو یہ بھی سمجھ لیں گے کہ ایک عام آدمی اور خاص آدمی کے یقین میں کتنا فرق ہوگا اور ان درجات کو انبیاء کرام کے درجات تک لے جا کر دیکھا جائے تو بے انتہا فرق محسوس ہوگا۔

اگر ہم ایک نظر صحابہ کی زندگیوں پر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کوئی ایک بھی بے نمازی نہ تھا۔ کثیر تعداد میں حافظِ قرآن تھے۔ جنگوں اور غزوات میں ہر مسلمان پیش پیش تھا۔ جذبۂ شہادت اور اس کے شوق سے ہر صحابی سرشار تھا۔ ہر ایک دین کی خاطر جان دینے کیلئے گریز نہ کرتا تھا۔ جہاں مالی امداد کیلئے آواز اٹھائی گئی تو کسی صاحبِ مال نے مال دینے سے گریز نہ کیا۔ جب ان کو بتلایا گیا کہ جھوٹ برا ہے اور یہ انسان کو ہلاک کردیتا ہے تو کوئی جھوٹ نہ بولتا۔ اگر شراب کی حرمت نازل ہوئی تو لبوں تک پہنچے ہوئے شراب کے پیالے نالیوں میں گرا دیئے گئے۔ جنگ کا بگل ہوا تو جو جہاں تھا فوراً جنگ کیلئے حاضر ہوگیا اور سہاگ رات میں عورتیں بیوہ ہوگئیں۔ وہ کیا تھا کہ یہ نوجوان اپنے خون بہانے میں سبقت لے جانا چاہتے تھے۔ اس قسم کے بہت سے مضامین ہم سب کی نظروں سے گزرے مگر یہ تمام باتیں آج مسلمانوں میں مفقود ہو چکی ہیں۔ کون ہے جو اسلام کی قدروں کو نہیں جانتا؟ کس کو معلوم نہیں کہ جھوٹ حرام ہے، شراب، جوا، چور بازاری اور رشوت حرام اور ممنوعاتِ اسلام میں سے ہیں، لیکن پھر بھی کوئی چند ہی مسلمان ہوں گے جو خود کو اس سے باز رکھتے ہیں۔ ان سب باتوں کا جواب صرف ایک ہی ہے کہ مسلمانوں کو نبی الحرمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات نے یقین کے اس درجے پر لاکھڑا کیا تھا جہاں شک وشبہ کی گنجائش بالکل نہ تھی اور صحابہ کرام سرتاپا سرگرمِ عمل تھے۔

ا سنن الترمذی، حدیث ۲۲۴۶، جلد ۸، صفحہ ۳۰۵۔

آج ہمارے کھانے پینے سے لے کر زندگی کے ہر موڑ پر جو کچھ نظر آتا ہے، شک وشبہ سے خالی نہیں ہوتا بلکہ حرام سے بھی خالی نہیں۔ آج اگر عزت ہے تو بے ایمان اور انسانیت سوز درندوں کی۔ نہ گھروں میں تربیت ہے اور نہ مدرسوں میں تعمیرِ کردار کے درس ملتے ہیں۔ بازار، مارکیٹ اور دفتروں میں لوگوں میں مادہ پرستی کا بول بالا ہے تو پھر مسلمانوں کو بے عمل دیکھ کر اس اسلام کو جو ان سب برائیوں کو مٹانے کا اعلان کرتا ہے، کون قبول کرے گا حالانکہ یہ امر بھی قابل تسلیم ہے کہ صحابہ کرام نے مال و دولت بھی اس قدر کمائی کہ آج اس کی مثال نہیں ملتی۔ فرق صرف یہ تھا کہ ان کا مال صحیح اعمال کے ذریعے آیا اور صحیح جگہ پر استعمال ہوا اور آج کا مسلمان اپنے مال کو تزئین بود و باش اور فخر و مباحات پر خرچ کر رہا ہے۔ وہاں ہوس اور لالچ نہ تھا یہاں اس دولت کے بڑھانے کیلئے لوگوں کا گلا گھونٹنے سے گریز نہیں۔ آج کے مسلمانوں کے مال جمع کرنے کی داستان اس قابل نہیں کہ اسے یہاں لکھا جا سکے۔ مسلمان پیسہ کمانے کیلئے ہر اس ذریعے کو بروئے کار لا رہے ہیں جس سے آج کافروں کو بھی شرم آ رہی ہے۔ بس پیسے کی دوڑ ہے کہ اب اس کا ختم ہونا ممکن نظر نہیں آ رہا۔

وقتِ عسرت میں حضور ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جو کوئی ایک سو اونٹ اللہ کے نام پر دے گا تو میں اس کو جنت کی خوشخبری دوں گا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سو اونٹ پیش کیے۔ آپ ﷺ نے آٹھ بار اعلان کیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے آٹھ بار ہی سو سو اونٹ پیش کیے اور نویں بار اپنی طرف سے سو گھوڑے بھی پیش کیے۔ گویا ایک مقام اور ایک وقت پر آپ کو نو بار جنت کی خوشخبری ملی اور روایات میں ہے کہ آپ کو اکیس بار جنت کی خوشخبری مل چکی ہے اور اس کے باوجود بھی آپ تمام عمر گریہ وزاری کرتے رہے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا قصہ سب کو یاد ہے کہ جس میں سب عیب تھے اور اس نے خود کو حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ صرف ایک بات چھوڑ دو تو سب کچھ چھوٹ جائے گا اور وہ یہ ہے کہ "جھوٹ نہ بولنا" اندازہ فرمائیں اس نے جھوٹ ترک کر دیا اور اس سے بالآخر سب کچھ چھوٹ گیا، مگر ہمارے وقت کے مسلمان جھوٹ نہیں چھوڑ سکتے۔ ان دونوں حالتوں پر اگر غور کیا جائے تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ حضور ﷺ جو فرماتے تھے صحابہ کرام اس کو صحیح اور سچ تسلیم کرتے تھے کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ حضور ﷺ نے زندگی بھر جھوٹ نہیں بولا۔ وہ امین اور سچے ہیں۔ جو کچھ فرماتے ہیں سچ ہے۔ اس کتاب میں نماز کے بیان میں ہی اگلے صفحات پر یہ لکھا گیا ہے کہ حضور ﷺ کی ذات گرامی پر تو کفار مکہ کو بھی یقین کامل تھا اور وہ جانتے تھے کہ جو بات آپ فرماتے ہیں اسی طرح ہو کر رہتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آج مسلمان کا ایمان حضور ﷺ پر حقیقتاً نہیں رہا اگرچہ وہ خود کو ان کا عاشق سمجھتا ہے مگر آپ کی کسی بات پر بھی یقین نہیں کرتا بلکہ یقین کی بجائے نافرمانی کرتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز کو ترک نہ کرو خواہ تمہارے ٹکڑے کر دیئے جائیں مگر کتنے عاشق رسول ﷺ ہیں جو اس پر عمل کرتے ہیں (چھ سات فیصد سے زیادہ نہیں) اس کے علاوہ آپ کے کس فرمان پر مسلمان عمل پیرا ہیں یہ بات قارئین خود فیصلہ کریں۔ اس بے یقینی کا علاج یہی ہے کہ مسلمان دین کو اہمیت دیں، اس کا مطالعہ کریں، سمجھیں اور دنیا کی دولت سے زیادہ دین کی دولت کو ترجیح

دیں۔ ایسا کرنے سے دنیا کم نہیں ہوگی، بلکہ زیادہ ہوگی۔ کاش یہ حقیقت مسلمانوں کے دلوں میں جاگزین ہو جائے کہ اللہ کا شکر کرنے سے مال بڑھتا ہے۔

قوم کی شاخِ یقین بے نم ہے

علامہ بڑے درد سے کہتے ہیں کہ افسوس بڑے بڑے اسلامی ممالک کے سربراہانِ وقت، جن کو اصولی طور پر حرم کا نگہبان ہونا چاہیے تھا، بت خانے کے پاسبان بن بیٹھے ہیں۔ ان کا یقین مردہ اور مضمحل ہو چکا ہے۔ ان کی نگاہیں مستعار اور رہین منتِ اغیار ہیں۔ یہ سب یقین کی موت اور بصارتِ قلبی کی محرومی کے باعث ہوا ہے۔ فرماتے ہیں کہ قوم کی مُردنی کا یہ عالم ہے کہ اب وہ ہمہ تن مغربیت کے جنون سے مسحور ہے اور اسلامی نظریۂ حیات پر مکمل طور پر یقین ختم کر بیٹھی ہے۔

نگہبانِ حرم معمارِ دیر است ۔۔۔ یقینش مردہ و چشمش بغیر است

(حرم کا نگہبان بت خانے کا معمار بن چکا ہے اس کا یقین مردہ اور بے نگاہ ہے)

زانداز نگاہِ او تواں دید ۔۔۔ کہ نو مید از ہمہ اسبابِ خیر است[۵۰]

(ان کی نگاہ کے انداز سے تم یہ بات دیکھ سکتے ہو، کہ وہ تمام اسباب خیر سے ناامید ہے)

علامہ اقبال "زبور عجم میں "تعمیر مردانِ آزاد" کی نظم میں فرماتے ہیں کہ کچھ وقت صحبتِ رفتگان میں گزارنا چاہیے تاکہ ان آزاد مردوں نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں تم بھی ان سے آشنائی حاصل کر سکو۔ اسی ناآشنائی کے عالم میں انسان اپنی قومی روایتوں سے دور چلا جاتا ہے جس سے ناامیدی اور بے یقینی پیدا ہوتی ہے۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی زندگیوں کا مطالعہ کرو تو معلوم ہوگا کہ وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ ہر قسم کی قوت بس یقینِ محکم میں پنہاں ہے، لیکن افسوس ہماری شاخِ یقین ہی بے نم ہو کر سُوکھ گئی ہے۔

کم نگاہ و بے یقین و ناامید ۔۔۔ چشم شاں اندر جہاں چیزے نہ دید[۵۱]

(یہ قوم) کم نگاہ، بے یقین اور ناامیدی (کے حال) میں ہے، ان کی آنکھ نے دنیا میں کوئی چیز ہی نہیں دیکھی)

محکمی ہا از یقینِ محکم است ۔۔۔ وائے من شاخِ یقینم بے نم است[۵۲]

(ہر قسم کی پائیداری تو یقین محکم میں ہے، ہم پر افسوس کہ ہماری شاخِ یقین بے نم ہے)

علامہ اقبال "عالم واقعہ میں جمال الدین افغانی کے سامنے اپنی قوم کے احوال اس طرح پیش کرتے ہیں کہ یہ ملت جو تسخیر کائنات کیلئے اٹھی تھی اب دین و وطن کے جھگڑوں اور کشمکش میں مبتلا ہے۔ اس میں اب روح کی قوت اور ایمان کی طاقت نہیں رہی۔ دین کی عالم گیری پر بھی اسے چنداں اعتبار نہیں اس لیے قومیت اور وطنیت کے سہارے لے رہی ہے۔ اہل ترک اور ایران مئے افرنگ سے مخمور اور ان کے مکر و فریب سے شکستہ اور رنجور ہیں اور مغربی قیادت نے ان کی حالت کو زیر و زبوں کر رکھا ہے۔ دوسری طرف اشتراکیت دین و ملت کی عزت سے کھیل رہی ہے اور اپنے دین سے عطا ہونے والی قوتوں سے ناامید ہے۔ گویا وہ سب اسلام میں

رہ کر ترقی حاصل کرنے سے مایوس ہو چکے ہیں۔

روح در تن مردہ از ضعفِ یقین نا امید از قوت دینِ مبین

(جسم میں روح ضعف یقین کے سبب مردہ ہے اور قوم دینِ مبیں کی قوت سے ناامید ہو چکی ہے)

ترک و ایران و عرب مست فرنگ ہر کسے را در گلوشستِ فرنگ

(ترک، ایران اور عرب، فرنگ (کی خرمستیوں) میں مست ہیں اور ہر کسی کے گلے میں انگریزوں کا پھندا ڈلا ہے)

مشرق از سلطانی مغرب خراب اشتراک از دین و ملت بردہ تاب[۵۳]

(مغرب کی شہنشاہی نے مشرق کو بھی خراب کر دیا ہے، اشتراکیت نے تو دین وملت کی تاب وتواں ختم کر دی ہے)

علامہؒ نے ملت اسلامیہ کے نوجوانوں کو یہ درس دیا ہے کہ وہ اپنے دین کے نورِ یقین کو پھر سے اپنے دلوں میں روشن کریں۔ اللہ تعالیٰ انسان کو پیدا کرنے کے بعد دوبارہ مارتا نہیں، کیونکہ اگر اس کے اعمال منشاء ایزدی کے مطابق ہوں تو وہ مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں انسان ہمیشہ اپنی بے یقینی کے باعث ہی مرتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اپنی قوم کی صورت گری چاہتے ہو تو میرے خیالات کو اپناؤ شاید تم اپنی ازسرنو تعمیر کر سکو۔

نور قدیمی را بر افروز دستِ کلیمی در آستینی

(اپنے نورِ ازلی کو بھڑکا، تیری آستین میں دستِ کلیم بھی موجود ہے)

از مرگ ترسی اے زندہ جاوید مرگ است صیدے تو دَر کمینی

(اے زندہ جاوید مسلمان! تو موت سے ڈرتا ہے۔ موت تو تیرا وہ شکار ہے کہ تو خود جس کی گھات میں ہے)

جانے کہ بخشند دیگر نگیرند آدم بمیرد از بے یقینی

(خدا جو جان بخشتا ہے پھر اس کو واپس نہیں لیتا۔ انسان اگر مرتا ہے تو بے یقینی سے مرتا ہے)

صورت گری را از من بیاموز شاید کہ خود را باز آفرینی[۵۴]

(اپنی اصلاح کرنا چاہتے ہو تو مجھ سے سیکھو ممکن ہے کہ (مجھے دیکھ کر) تم اپنی تعمیرِ نو کر سکو)

مسلمانوں کی بے یقینی اور دین سے دوری کی وجہ

مسلمانوں میں بے یقینی اور بے دینی کا عالم اس لیے عروج پر ہے کہ ان کی توجہ کا مرکز مغربی تہذیب اور عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنے کی طرف ہو گیا ہے۔ دین کو چھوڑ کر مادی دنیا کیلئے کوشاں ہونا نامرادی ہے اور گھاٹے کا سودا ہے "خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ" (الحج:۱۱) یہ لوگ زاد (توشہ) کو لیتے ہیں اور مراد کو ترک کرتے ہیں، گویا رزق کی خاطر رازق کو چھوڑ دیتے ہیں اور دنیا کو سنوارنے کی خاطر دین کو بیچ دیتے ہیں، لہٰذا نہ دین کے رہے اور نہ دنیا کے۔ یورپ سے جو بھی چیز یا جو بھی اِزم آیا اس کو لوگ قبول کرتے ہوئے اس کا احترام کرتے ہیں، مگر علامہ اقبالؒ کے نزدیک مادہ پرستانہ نقطہ نظر آدمی کو خاک نشین، دُوں مزاج اور سیاہ باطن بنا دیتا ہے۔ ان کے چالاک اور تیز دماغ، حقیقت بینی اور دولتِ یقیں سے محروم رہتے ہیں۔

برا نہ مان ذرا آزما کے دیکھ اسے فرنگ دل کی خرابی، خرد کی معموری[۵۵]

مسلمانوں میں کفار کی سی بے یقینی، بے اطمینانی اور بے کیف زندگی کا احساس بڑھ رہا ہے۔امریکہ کا ہپی اِزم کا اثر یہاں بھی آ رہا ہے۔زندگی کے مہمل ہونے کے احساس نے ان کو حیوانیت کی طرف واپس لے جانا شروع کر دیا ہے۔وہ سکون حاصل کرنے کیلئے چرس، افیون اور ہیروئن جیسی آفتوں میں گرفتار ہوتے جا رہے ہیں۔مگر بے راہ روی اور بے دینی کا مارا ہوا مسلمان اب اپنے مذہب کو بے یقینی کی بھینٹ چڑھا کر اہل مغرب کو اپنا امام بنا چکا ہے۔معاشرے کی برائیاں رشوت، قتل، کالا دھن، رہزنی، چور بازاری، منافع خوری، زنا، اغوا، خودکشی اور لوٹ کھسوٹ کے واقعات وہاں اور یہاں ترقی پذیر ہیں۔یہ سب کچھ مرکزِ دین سے دور ہونے اور بے یقینی کا شکار ہونے کی وجہ سے ہے۔یہ لوگ ان برائیوں کو مفلسی اور غربت کی وجہ سے اختیار نہیں کرتے ورنہ ان کاموں میں فقط غرباء ہی الجھتے مگر ایسا نہیں اور یہ سب ہوا و حرص کی بیماریاں اُمراء میں ہی پائی جاتی ہیں تاکہ وہ امیر سے امیر تر بنیں اور اس ہوس کی آخری منزل ہپی ازم ہی بنتی ہے اور ابتداء بے یقینی افکار سے ہوتی ہے۔علامہؒ نے فرمایا ؎

بہ آں مومنِ خدا کارے نہ دارد کہ دَرتن جانِ بیدارے نہ دارد

(اس مومن سے خدا کو کوئی سروکار نہیں کہ جس کے تن میں جیتی جاگتی روح نہ ہو)

ازاں از مکتبِ یاراں گریزم جوانے خود نگہدارے نہ دار[۵۶]

(میں اس وجہ سے دوستوں کے مدرسے سے دور بھاگتا ہوں، کیونکہ ان میں اپنی حفاظت کرنے والے جوان مفقود ہیں)

یہ ہپی ازم کے گرفتہ لوگ جن میں بڑے بڑے فاضل، ڈاکٹر، انجینئر اور ماہرینِ فن شامل ہیں، اس لیے مارے مارے پھرتے ہیں کہ کہیں کوئی سکون مل سکے اور اب مسلمان بھی اس دھن میں مبتلا ہو رہے ہیں اور جانتے نہیں کہ یہ سراسر موت ہے۔

کورِ ذَوق و نیش را دانستہ نُوش مُردۂ بے مرگ و نعشِ خود بہ دُوش[۴۹]

(یہ اندھے ذوق والے ہیں جو دانستہ طور پر زہر کھاتے ہیں۔یہ ایسے بے موت مردے ہیں کہ اپنی ہی نعش کو کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں)

ان جوانوں کو معلوم نہیں کہ جبلتوں کی تسکین رُوح کی تسکین نہیں۔یہ مریض اگر اپنے دل کی مرض کو سمجھ لیں تو اس کا علاج مشکل نہیں۔اس کے علاج کو خدا نے اپنے رسول ﷺ کی زبان سے کہلوایا اور وہ یہ ہے کہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ'' کے ذکر سے اپنے سینوں کو بساؤ اور قرآن نے فرمایا ہے کہ ''اَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ'' (الرعد:۲۸) (یاد رکھو کہ محض اللہ کی یاد سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے)

شریف کنجاہی نے اسی طرف اشارہ کیا ہے ؎

بستیاں تو نے خلاؤں میں بسائیں بھی تو کیا دل کے ویرانوں کو دیکھ ان کو بھی آباد تو کر

مگر افسوس کہ جتنا علاج آسان ہے اتنا ہی اس پر یقین کر لینا دشوار ہے کیونکہ ''ازل سے اہلِ خرد کا مقام

ہے اعراف''۔اسی لیے فلسفہ کے متعلق علامہؒ نے فرمایا ہے ۔

علاجِ ضعفِ یقیں ان سے ہو نہیں سکتا غریب اگرچہ ہیں رازیؔ کے نکتہ ہائے دقیق (۵۷)

اس بیماری کا علاج یہ لوگ اس لیے نہیں کراتے کہ یہ علاج ان کے فاسد عقائد سے ٹکراتا ہے اور وہ اسلام کے نسخۂ کیمیا پر ایمان نہیں رکھنا چاہتے۔علامہؒ نے فرمایا ہے کہ یہ مقام صدق و یقیں اور اولیائے کرامؒ کی صحبت کے بغیر نہیں مل سکتا۔

مقام شوق بے صدق و یقیں نیست یقیں بے صحبت روح الامیں نیست

(شوق کا مقام بغیر صدق و یقیں ہاتھ نہیں آتا۔اور یقیں جبرائیل علیہ السلام کی صحبت کے بغیر ممکن نہیں)

گر از صدقِ یقیں داری نصیبے قدم بے باک نہ کس در کمیں نیست (۵۸)

(اگر صدقِ یقین سے تمہیں حصہ ملا ہے تو نڈر ہو کر قدم رکھو، کوئی تمہاری گھات میں نہیں ہے)

یہاں صدق سے مراد تصدیقِ قلب، اور صُحبتِ رُوح الامین سے مراد کاملین و عارفین کی صحبت ہے کیونکہ اگر ان کی صحبت حاصل نہ کی جائے تو یقین کی تکمیل ممکن نہیں۔اس قول پر اولیاء کا اتفاق ہے۔علامہ نے بھی عمر بھر اس مہم کو چلایا ۔

با پرستارانِ شب دارم ستیز باز روغن در چراغ من بریز (۵۹)

(میں (بے یقینی) کے اندھیرے میں رہنے والوں کے ساتھ جنگ آزما ہوں (اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے چراغ میں اور روغن ڈال دیجیے)

احکامِ الٰہی انسانی وسعت سے باہر نہیں

علامہ اقبالؒ کا بیشتر کلام اس محور کے گرد گھومتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جس قسم کی زندگی گزارنے کا حکم دیا ہے وہ اس قسم کی زندگی گزارنے کی طاقت بھی رکھتا ہے کیونکہ ایسی تمام قوتیں اس کو ودیعت کر دی گئیں ہیں۔سورۂ بقرہ آیت ۲۸۶ میں فرمانِ الٰہی ہے کہ ''لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا'' (اللہ تعالیٰ کسی جان کو بھی اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا) مزید برآں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اگر ان احکام پر عمل کرنا ہماری ہمت سے باہر ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ احکام ہمارے لیے صادر ہی نہ فرماتا۔قرآن پاک کا بنیادی حکم، جس کا انسان کو مکلف بنایا گیا ہے، وہ ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ محبت کرنا اور یہی مومن ہونے کی شرط بھی قرار پائی ہے۔مردِ مومن تو ان احکاماتِ الٰہی پر یقین رکھتا ہے اور دل و جان سے اس پر عمل کرتا ہے۔چنانچہ جو شخص ان احکام پر یقین نہیں رکھتا وہ ایسے ہی ہے کہ اپنے اندر ان احکام کی پیروی کی استعداد رکھتے ہوئے ان کی طرف رجوع نہ کرے۔دین و دنیا میں کامیابی مذکورہ بالا قانون پر یقین رکھنے اور عمل کرنے کا پھل ہے۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اس حکم سے فرار کی تاویل نہ تلاش کرو اور یہ نہ کہو کہ ہم کسی

کام کے کرنے کی طاقت نہیں رکھتے بلکہ عزم واستقلال اور یقین کے ساتھ تمام منزلیں طے کرتے جاؤ۔

حکم دشوار است؟ تاویلے مجو   جز بقلبِ خویش قندیلے مجو

(یہ تاویل نہ کرو کہ حکم الٰہی پر چلنا مشکل ہے۔ اپنے قلب کے سوا کہیں سے روشنی حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو)

حفظ جاں ہا ذکر و فکرِ بے حساب   حفظ تن ہا ضبطِ نفس اندر شباب

(تمہاری روح کی بقاء کا مدار تمہارے بے شمار ذکر وفکر پر منحصر ہے اور بدن کی بقاء کا راز جوانی میں اپنے نفس کو قابو رکھنے میں ہے)

علامہؒ فرماتے ہیں کہ دونوں عالموں کی حاکیت کا راز روح اور بدن کی حفاظت کے بغیر ہاتھ نہیں آتا۔

لذت سیر است مقصود سفر   گر نگاہ بر آشیاں داری مپر

(سفرِ انسانی کا مقصود ہی لذت سیر ہے اور اگر اپنے گھر پر ہی نگاہ جمائے رکھنا چاہتا ہے تو پرواز نہ کرو)

ماہ گردد تا شود صاحبِ مقام   سیرِ آدم را مقام آمد حرام

(چاند کا سفر اسی (ماہ کامل بننے کے) مقام کی فکر میں ہوتا ہے، لیکن انسان کا (خدا کی طرف) سیر کے دوران مقام کرنا حرام ہے)

زندگی جز لذت پرواز نیست   آشیاں با فطرتِ او ساز نیست[۲۰]

(زندگی اسی ذوق پرواز کی لذت کے سوا کچھ نہیں۔ کسی جگہ آشیاں بندی کرنا (انسان کی) فطرت یا حیات کیلئے سازگار نہیں)

ترقی یافتہ یورپ بے یقینی کی جانب

علامہ اقبال ؒ بال جبریل میں مرید ہندی کا کلام بنام مولانا رومؒ میں لکھتے ہیں کہ اس دور میں ہر شخص چنگ ورباب میں مست اور بے یقینی کے دور میں سے گزر رہا ہے اور ''از کجا می آید ایں آواز دوست'' کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔ اس کی وجہ بے یقینی اور اہل یورپ کی طرح عیاشی کی طرف راغب ہونا ہے۔ فرماتے ہیں کہ آج کے مسلمان کو معلوم نہیں کہ اہل یورپ کے نغمے اسے سوئے خاک (یعنی نفسانی خواہشات کی پیروی کی طرف اور اخلاقی قدروں سے دور) کھینچ رہے ہیں۔

دور حاضر مست چنگ و بے سرور   بے ثبات و بے یقین و بے حضور

کیا خبر اس کو کہ ہے یہ راز کیا   دوست کیا ہے، دوست کی آواز کیا

آہ یورپ با فروغ و تابناک   نغمہ اس کو کھینچتا ہے سوئے خاک[۲۱]

ابلیس اپنی مجلس شوریٰ میں شکر ادا کرتا ہے کہ آج کا مسلمان یقین سے محروم ہے کیوں کہ ابلیس نے اپنی طاغوتی قوتوں کے ذریعے آئین اسلام کو مسلمانوں کی نگاہوں سے پوشیدہ کردیا ہے۔

چشم عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئین تو خوب   یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں[۲۲]

شکوک وشبہات

اَلشَّکُّ کا معنی دونقیضوں (متضاد اشیاء) کا انسانی ذہن میں برابر یا مساوی نظر آنے کو کہتے ہیں اور یہ اس لیے ہوتا ہے کہ یا تو دونوں کی علامتیں ایک جیسی پائی جاتی ہوں یا اس لیے کہ دونوں میں کسی پر بھی دلیل قائم نہیں ہوتی، چنانچہ یقین نہیں ہونے پاتا۔ شک یا تو کسی شے کی جنس پر ہوتا ہے یا اس کی صفت پر ہوتا ہے اور کبھی اس بات پر شک ہوتا ہے کہ یہ چیز وجود میں کس لیے لائی گئی ہے۔ شک جہالت کی ہی ایک قسم ہے لیکن اس سے کچھ مختلف ہے کیونکہ جہالت میں سرے سے ہی نقیضین کا علم نہیں ہوتا (جیسے اجڈ دیہاتی کو کفر اور اسلام سے لاعلمی کا ہونا) پس ہر شک جہل ہے مگر ہر جہل شک نہیں۔ (یعنی جان بوجھ کر کفر پر ڈٹا رہے تو یہ شک کی بناء پر نہ ہوگا) قرآن میں ہے ''بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ'' (الدخان:۹) (بلکہ یہ لوگ شک میں کھیل رہے ہیں)۔ شک کسی چیز میں شگاف ڈالنے کو بھی کہتے ہیں یعنی کسی چیز میں رائے کو قرار حاصل نہ ہونا اور نہ ہی اس پر اعتماد ہونا مراد ہے۔ اس سے یہ بھی مراد لی جاتی ہے کہ دو متضاد چیزوں کا اس طرح باہم مل جانا کہ رائے اور فہم سے ایک دوسرے کو الگ نہیں کر سکتے۔

''اَلشِّبْهُ'' کے معنی بھی مماثلت بلحاظ کیف کے ہیں، جیسے رنگوں اور کھانوں میں باہم مماثلت ہونا یا عدل وظلم اور دو چیزوں کا حسی یا معنوی لحاظ سے اس قدر مماثل ہونا کہ ایک دوسرے سے ممتاز نہ ہو سکیں تو یہ ''شُبْهَةٌ'' کہلاتا ہے۔ (شبہ کی بھی بہت سی انواع ہیں جن کا ذکر یہاں ضروری نہیں)۔ قرآن میں اس قسم کے شکوک وشبہات کا ازالہ کرنے کا ذکر آیا ہے کیونکہ اگر شکوک کا ازالہ نہ ہوا تو مرض تکذیب بڑھتا جائے گا حتیٰ کہ قبولیتِ حق کی استعداد ہی چھین لی جاتی ہے پھر ایسی صورت میں دل متوجہ نہ ہوگا، آنکھوں، کانوں پر غیر مرئی پردے پڑ جاتے ہیں اور ایسے لوگ فرعون کی طرح ایمان نہ لائیں گے، حتیٰ کہ وہ خدا کے عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ جو لوگ مبتلائے شک وشبہ ہوں وہ اللہ کی ذات وصفات، کتب سماوی، حیات بعد الممات اور جزا وسزا وغیرہ کے متعلق بالکل متذبذب اور بے یقین ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگ ملحد اور بے دین ہونے کی وجہ سے مذہبی اعتقادات کے ان تمام عملی فیوضات وبرکات سے محروم رہتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بندۂ مومن کیلئے مختص کیا ہے۔ ایسا شخص نیابتِ الٰہی تو کیا کر سکے گا البتہ اَسْفَلَ سَافِلِيْنْ کے پست گڑھے میں جھونک دیا جاتا ہے۔ وہ ہر وقت خوف وہراس، غم واندوہ، دماغی کوفت، احساسِ شکست وکمتری میں مبتلا رہتا ہے اور قوم کیلئے ننگ ہستی، عضوِ معطل، معاشرے پر ناروا بوجھ اور ہم جنسوں کیلئے یاس وقنوطیت کا ایک زہریلا کیڑا بن جاتا ہے۔ علامہؒ فرماتے ہیں۔

مثل حیواں خوردن، آسودن چه سود　　گر بخود محکم نهٔ بودن چه سود

(حیوان کی طرح کھانے اور آرام کرنے کا کیا فائدہ؟ اگر تو مضبوط وتوانا نہیں تو جینے کا کیا فائدہ؟)

گر فنا خواہی زِخود آزاد شو　　گر بقا خواہی بِخود آباد شو[۶۳]

(اگر تو فنا چاہتا ہے تو خود سے آزاد ہو جا اگر بقاء چاہتا ہے تو اپنے آپ میں آباد ہو جا)

گمان اور اوہام میں موت ہے

علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام میں گمان و اوہام سے بچنے اور اس کی جگہ یقین پیدا کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ بالِ جبریل میں آپ نے فرمایا۔

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن　　عشق نے مجھ سے کہا، علم ہے تخمین و ظن
بندۂ تخمین و ظن کرمِ کتابی نہ بن　　عشق سراپا حضور علم سراپا حجاب (۶۴)

علامہ اقبالؒ اپنی نظم علم و عشق میں فرماتے ہیں کہ "عشق سراپا یقین، اور یقین فتح یاب" بالِ جبریل میں بھی آپ نے فرمایا کہ دل بیدار پیدا کرنا ہو تو عمر فاروق اور حیدر کرار رضی اللہ عنہما جیسا یقین پیدا کرو کیونکہ ظن و تخمین سے یہ آہوئے تاتاری (قلب بیدار) قابو نہیں آتا ہے۔

دل بیدار فاروقی دلِ بیدار کراری　　مسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری
دلِ بیدار کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک　　نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری
مشامِ تیز سے ملتا ہے صحرا میں نشان اس کا　　ظن و تخمیں سے ہاتھ آتا نہیں آہوئے تاتاری (۶۵)

علامہ اقبالؒ "وحی" کے عنوان سے فرماتے ہیں کہ جہاں عقل امام ہے اور ظن کی راہبری ہے وہاں حیات کی زبوں کاری نظر آئے گی۔

عقلِ بے مایہ امارت کی سزا دار نہیں　　راہبر ہو ظن و تخمیں تو زبوں کارِ حیات (۶۶)

مولانا رومؒ اپنے مرید سندھی کو نصیحت فرماتے ہیں کہ زیرکی (عقل) کو چھوڑو کیونکہ یہ محض گمان ہے اور حیرت کو حاصل کرو کیونکہ حیرت میں اہلِ نظر کو حکمت ملتی ہے۔

زیرکی بفروش و حیرانی بخر　　زیرکی ظن است و حیرانی نظر (۶۷)

(عقل کو خیرباد کہو اور حیرت کو حاصل کرو، عقل تو ظن ہے اور حیرانی نظر ہے (یعنی اسی کی پرواز لامحدود ہے)

علامہ اقبالؒ جب مولانا رومؒ کی نصیحت کے مطابق عقل و خرد کو خیرباد کہتے ہیں تو جلوہ حق کو دیکھ کر حیرت و استعجاب میں گم ہوتے ہیں۔ انہیں مشاہدۂ حق حاصل ہوتا ہے اور حیرت یقینِ کامل کے ساتھ مل جاتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

پیش جاں آئینہ آویختند　　حیرتے را بالیقین آمیختند (۶۸)

(میری جان کے سامنے گویا آئینہ لٹکا دیا گیا اور میری حیرت کو یقین کے ساتھ ملا دیا گیا)

مولانا رومؒ پھر نصیحت کرتے ہیں۔

دمادم خویش را اندر کمیں باش　　گریزاں از گماں سوئے یقیں باش

(تو اپنی خودی کی ہر وقت حفاظت میں رہ، شک و شبہ کو چھوڑ کر یقین کی طرف جا)

علامہ اقبالؒ، مولانا رومؒ کی تائید میں فرماتے ہیں ۔

حسابِ روزش از دورِ فلک نیست   بخود بینی ظن و تخمین و شک نیست[۶۹]

(خودی کے زیاں کا حساب گردش افلاک سے نہیں ہوتا جب تو اپنی خودی کو دیکھ رہا ہے تو اس میں ظن و تخمین اور شک وشبہ کہاں باقی رہ جائے گا)

تب و تابِ محبت را فنا نیست   یقین و دید را نیز اِنتہا نیست[۷۰]

(محبت کا سوز واضطراب غیر فانی ہے، اسی طرح یقین اور مشاہدہ کی کوئی حد نہیں)

فرمایا کہ اگر انسان ہر بات کو شک کی نظر سے دیکھے تو وہ بحث ومباحثہ میں پڑ جائے گا اور نتیجہ یقین تک نہ پہنچ سکے گا۔

ہمانے علم تا أفتد بدامت   یقیں کم کن گرفتار شکے باش

(اگر تو چاہے کہ علم کا ہما ترے جال میں پھنس جائے تو یقیں کم کر اور ہر چیز کو شک کی نظر سے دیکھ یعنی بحث و مباحثہ کر)

علم خواہی؟ یقیں را پختہ تر کن   یکے جوئے و یکے بیں و یکے باش[۷۱]

(جب عمل چاہتے ہو تو یقین کو خوب پختہ کرو، ایک مقصود کے پیچھے لگ جاؤ، اسی کی جستجو کرو، اسی کو دیکھو اور اسی ایک کیلئے وقف ہو جاؤ)

سورۃ المائدہ آیت ۵۴ میں فرمان باری تعالیٰ ہے کہ ''اگر مسلمان اپنے دین سے پھر جائیں گے تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان پر ایسے لوگ حاکم بنا دے گا جو نرم ہوں گے ایمانداروں کیلئے، اور سخت ہوں گے کافروں پر''۔ علامہؒ فرماتے ہیں ۔

از مسلماں دیدہ ام تقلید و ظن   ہر زماں جانم بلرزد در بدن

(میں مسلمانوں میں فقط ظن و تخمین دیکھتا ہوں، اس سے میرے بدن میں میری جان ہر وقت لرزتی ہے)

ترسم آں روزے کہ محرومش کنند   آتش خود بر دل دیگر زنند[۷۲]

(میں اس دن سے ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مسلمان کو (قرآن سے) محروم نہ کردے اور اپنی محبت کی تپش کسی اور کے دل میں نہ ڈال دے)

خوشا روزے کہ خود را باز گیری   ہمیں فقر است کو بخشند امیری

(وہ مبارک دن ہوگا جب تو خودی کو دوبارہ حاصل کرلے گا فقر یہی ہے کہ جو شہنشاہی عطا کردے)

حیاتِ جاوداں اندر یقین است   رہِ تخمین و ظن گیری بمیری[۷۳]

(دائمی حیات صرف یقین میں ہے۔ اگر شک وشبہ کی راہ پکڑے گا تو ختم ہو جائے گا)

علامہؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ ایک عالم فاضل کے دلائل میں لذت پائی جاتی ہے مگر یقین کو وہ مقام حاصل ہے کہ ایک سیدھے سادھے مسلمان کا پختہ یقین والا ایک عمل، ایک عالم کی بہت سی دقیق مباحث سے بہتر ہوتا ہے۔ نشانِ منزل میں پہلے بھی لکھا جاچکا ہے کہ امام غزالیؒ نے ایک خدا کے ہونے پر پختہ یقین حاصل کرنے

کیلئے ایک سو ایک دلائل تلاش کیے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک گھسیارے سے پوچھا کہ تمہارا خدا پر ایمان ہے تو دلیل پیش کرو۔ گھسیارے نے کچھ سوچنے کے بعد کہا کہ خدا کی دلیل کیا ہوگی؟ بس ہمارا یقین ہے کہ وہ ہے۔ جب امام صاحب نے دلیل پر اصرار کیا تو گھسیارے نے کہا کہ جاتا ہے کہ نہیں! ورنہ میں اس درانتی سے تمہارا پیٹ پھاڑ دوں گا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا ایمان مجھ سے بہتر ہے اور علامہؒ فرماتے ہیں۔

بہ پیچ و تاب خرد گرچہ لذت دگر است یقین سادہ دلاں بہ زنکتہ ہائے دقیق [۷۴]

(عقل کے پیچ وتاب (عالم فاضل کے دلائل) میں لذت ہے مگر ایک سادہ دل انسان کا یقین دقیق مباحث سے بہتر ہے)

ایک حدیث شریف میں حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ "مجھے ڈر ہے تو اپنی امت کے ضعف یقین کا"۔

مسلمانوں کے شکوک واوہام کی وجوہ اور علاج

شکوک اور اوہام اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب دین سے دوری اور ناشناسی ہو، قرآن اور حدیث کا مطالعہ نہ رہا ہو، نیاگانِ کہن (بزرگانِ اسلام) کی زندگیوں کے حالات سے لاعلمی ہو، کسی نیک سیرت بزرگ کی صحبت سے دوری ہو، بلکہ اس کے برعکس کسی زندیق، بے دین اور ملحد کی صحبت سے متاثر ہو چکا ہو یا کچھ ایسی کتابوں کا مطالعہ کیا ہو جو دین سے دور لے جائیں تو ایسے انسانوں کے اذہان شکوک، اوہام اور الحاد کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان سب کا علاج مردِ مومن کی صحبت ہے کیونکہ ان کی صحبت میں بیٹھنے والا شخص اسلام کے ہر پہلو سے روشناسی حاصل کر لے گا اور دنیا کے فریب خیال سے محفوظ رہ سکے گا۔

منقول ہے کہ علامہ اقبالؒ کے ساتھ ایک دہریہ خدا کے نہ ہونے پر تین دن تک بحث کرتا رہا اور علامہؒ نے فلسفہ اور منطق کے تمام دلائل اس کے سامنے پیش کئے مگر وہ نہ مانا۔ آخر علامہؒ نے کہا چلو میں تمہیں کسی مردِ قلندر کے پاس لے جاتا ہوں۔ چنانچہ وہ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری کے پاس اس دہریہ کو لے کر جونہی حاضر ہوئے تو میاں صاحب نے بغیر کسی تعارفی کلام کے اس کی کمر پر تھپکہ لگایا اور کہا کہ "کیوں بیلیا رب ہے کہ نہیں" وہ دہریہ بغیر کسی کلام اور بحث کے مان گیا اور کہنے لگا کہ ہاں جناب رب ہے۔ چنانچہ علامہؒ نے اسی موقع کی مناسبت سے درج ذیل اشعار میں سے یہ پہلا شعر فی البدیہہ کہا۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں [۷۵]

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں [۷۶]

یہی وہ مردانِ حق ہیں جو شک وریب کی وادیٔ ظلمات میں بھٹکنے والوں کو ایک نگاہِ التفات سے ایمان و یقین کے نور سے بہرہ ور کر دیتے ہیں اور انہیں اپنی شب ظلمت کی تاریکیوں کو نورِ یقین کی شمع سے روشن کرنے کا ڈھنگ بتاتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

شبِ خود روشن از نورِ یقیں کن یدِ بیضا بروں از آستیں کن [۷۷]

(یقین کے نور سے اپنی رات کو روشن کر، چمکتا ہوا ہاتھ آستین سے باہر نکال)

باب نمبر ۵

معرفتِ حق اور قربِ الٰہی

قربِ باری تعالیٰ کا احساس

انسان کو ہر دم قرب باری تعالیٰ میسر ہے لیکن اس سے مستفیض وہی ہو سکتا ہے جو اس قرب کو سمجھتا اور جانتا ہو۔ اس قرب کو اپنی عبادات اور اطاعت سے بڑھاتے رہنا چاہیے ؎

خواب جہل از حرمِ قرب مرا دور فگند ورنہ نزدیک تر از دوست کسے ہیچ نہ دید

(جہل کی نیند نے مجھے حرمِ قرب سے دور پھینک دیا ہے، ورنہ دوست سے اس قدر نزدیک کسی شخص نے کسی کو نہیں دیکھا)

نحنُ اَقْرَبُ از کتابِ حق بخواں نسبتِ خود را بحق نیکو بداں

(''ہم بہت قریب ہیں'' والی آیت کتاب اللہ سے پڑھو، اپنے تعلق کو اللہ کے ساتھ ہونے کو خوب جان لو)

ہست حق از ما بما نزدیک تر ما ز دوری گشتہ جویاں در بدر

(خدا ہمارے اپنے سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔ ہم (اس سے) دور ہونے کی وجہ سے اسے دربدر ڈھونڈتے پھرتے ہیں)

شیخ علی المہائمیؒ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کی قربت خلق سے مکانی، زمانی اور ربطی نہیں بلکہ ذاتی قربت ہے اور بغیر اختلاط وحلول واتحاد کے ہے۔ کچھ علماء کا اختلاف ہے کہ قرب سے مراد ذاتی قرب نہیں بلکہ صفاتی قرب ہے، کیونکہ ہم مکانی وزمانی ہیں اور رب تعالیٰ زمان ومکاں سے پاک ہے، لیکن کچھ علماء کا خیال ہے کہ اولیاء کرام کو ذاتی اور صفاتی قرب بھی حاصل ہے۔ اس حدیث کی رو سے جس میں ''وَلٰكِنْ يَسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ'' (میں بندۂ مومن کے قلب میں سما سکتا ہوں اور زمین آسمان میں میرا سمانا ممکن نہیں) فرمایا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا قلبِ مومن میں سمانا ممکن ہے کیونکہ انسان کی دو جہتیں ہیں ایک مکانی اور دوسری لامکانی۔ مزید برآں سورۃ الذاریت کی آیت نمبر ۲۱ میں ''وَفِيْ أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ'' (تمہارے اپنے وجود میں بھی (نشانیاں) ہیں کیا تم نہیں دیکھتے) سے بھی یہی مراد ہے اگر اور تفصیل درکار ہو تو اس کتاب میں وہ مضمون ملاحظہ فرمائیں جہاں یہ بیان ہوا ہے ''عاشق توحیدی ہوتا ہے اور اس کی نماز میں حضور لازم ہے''۔ اس کے علاوہ ''حقیقت نماز'' کے عنوان کے تحت ''لَا يَسَعُنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَائِيْ'' کی تفسیر بھی ملاحظہ فرمائیں۔ راقم الحروف کی تقریباً تمام کتب میں قربِ الٰہی پر کافی تفصیل فراہم کر دی گئی ہے، اس لیے یہاں زیادہ تفصیل شامل نہیں کی جا رہی ہے۔

---

[1] مرقاۃ المفاتیح، جلد ۲، صفحہ ۳۲۔

معرفتِ حق بغیر یقین کے ممکن نہیں

''ربط سے معرفتِ حق ملتی ہے'' کے عنوان سے ایک باب ہماری تصنیف ''رابطۂ شیخ'' میں بیان کیا جا چکا ہے مگر اس جگہ معرفتِ الٰہی کی کچھ وضاحت کی جا رہی ہے۔ اہلِ معرفت کا اپنے یقین کے باعث اپنے یار کے حرم میں داخل ہونا ایک معلوم حقیقت ہے، جس سے منکرینِ طریقت قطعاً محروم رہتے ہیں ؂

ہر کہ شد محرمِ دل در حرمِ یار بماند　　و آنکہ ایں کار نہ دانست در انکار بماند

(جو شخص اپنے دل کا محرم ہوتا ہے وہ اپنے یار کے حرم میں رہتا ہے اور جو یہ کام نہیں جانتا وہ اپنے انکار کی وجہ سے ہی مارا جاتا ہے)

لغت: میں معرفت مطلق پہچان کا نام ہے۔ عرف میں معرفت اس علم کو کہتے ہیں جو غفلت کے بعد حاصل ہو۔ صوفیاء کے نزدیک معرفت اس علم کا نام ہے جو حق تعالیٰ کی ذات اور صفات سے متعلق ہو اور اس علم میں شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو یعنی یقین کامل کا اس میں شمول ہو۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صفات اور کمالات سے متصف جاننا، اس کو یگانہ دیکھنا، بے مثل و بے چون، زوال سے مبرّا اور اپنی حیثیت میں قائم یا قائم بذاتہ اور بے نیاز سمجھنا معرفت ہے۔ معرفت کی علامت یہ ہے کہ مشاہدہ حق اس کے قلب کی حیات بن جائے جو اس کی گفتار، کردار اور شکل و صورت میں جھلکتی ہوئی نظر آئے۔

معرفت حقیقی، رؤیت کے قریب ہوا کرتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کی روشنی کو حجاب سے ورے دکھاتا ہے اور جہاں مشاہدہ ہوا یقین کامل ہو گیا۔ یقین جہاں ایمان کا جزو ہے وہاں ایمان کے بغیر معرفت حق کا حاصل ہونا ناممکن ہے۔ گو عقل بھی معرفت کے اسباب میں شمار کی گئی ہے لیکن جو معرفت عقل کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے وہ دلائل اور آثار کے ساتھ مقید ہوتی ہے، برعکس ایمانی معرفت کے کہ وہ مطلق ہے۔ چنانچہ ایمانی معرفت اسماء اور صفات کے ساتھ متعلق ہے اور عقلی معرفت آثار کے ساتھ۔ معرفت آثاری اہل اللہ کے ہاں مطلوب نہیں ہوتی۔

اگرچہ معرفت کی بہت سی قسمیں بیان کی گئی ہیں لیکن تلخیص مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ میں تحریر ہے کہ معرفت دو قسم کی ہوتی ہے۔ پہلی قسم کا تعلق نظر و استدلال (دلائل) سے ہے اور یہ دائرہ علم میں داخل ہے اور تصور و تعقل کے قبیل (قسم) سے ہے۔ اس میں کائنات سے متعلق تمام علوم شامل ہیں۔ اس معرفت کے حاصل کرنے والے عارف کے وجود کو فنا حاصل نہیں ہوتی اور اس میں نفس کی کشاکش اس کی صفات کا اخلاقِ رذیلہ پر قائم ہونا باقی رہتا ہے۔ یعنی نفس تمرد اور سرکشی سے باہر نہیں آتا۔ اس صورت میں ایمان ہے تو صورتِ ایمان اور باقی تمام اعمالِ صالحہ اپنی صورت پر ہی قائم ہوتے ہیں۔ نہ کہ حقیقت پر۔ یہ ایمان مجازی کہلاتا ہے جو زوال اور خلل سے محفوظ نہیں۔ یہ وہ معرفت ہے جس کو علمائے کرام بیان کرتے ہیں۔

دوسری قسم کی معرفت کشف و شہود سے متعلق ہے اور دائرۂ حال میں داخل ہے اور یہ تحقیق کی جنس میں سے ہے۔ یہ معرفت اپنے حاصل کرنے والے سالک کے وجود کو فنا کرنے والی ہے اور اس میں جو علم حاصل ہوتا ہے اس کا رتبہ علمِ حضوری ہے جو بلا ذریعہ خارجی حاصل ہو جیسے انسان کو اپنی ذات و صفات کا علم حاصل ہوتا ہے، بخلاف علمِ حصولی جیسے کہ اپنے غیر کا علم۔ یہ معرفت اسلامِ نفس (سلامتی نفس) کا نتیجہ بخشتی ہے۔ اس منزل میں ایمان زوال سے محفوظ اور خلل سے مامون رہتا ہے۔ حقیقتِ ایمان اس مقام پر ہوتی ہے اور حقیقتِ اعمالِ صالح بھی یہیں جلوہ گر ہوتی ہے یعنی روزہ اور نماز، حقیقتِ روزہ اور حقیقتِ نماز کا درجہ رکھتے ہیں اور حقیقت کبھی منتفی نہیں ہوتی (نفی نہیں ہوتی)۔ اس آیت میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے "یَا اَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا آمِنُوا" (اے ایمان والو (حقیقی) ایمان پیدا کرو)۔

امام احمد بن حنبلؒ علم اور اجتہاد کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہونے کے باوجود حضرت بشر حافیؒ کی رکاب کے ساتھ خادمانہ طریقے پر چلتے تھے۔ لوگوں نے اس ادب اور احترام کا سبب پوچھا تو فرمایا "بشر" کو خدا کی معرفت مجھ سے زیادہ حاصل ہے" منقول ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اپنی زندگی کے آخری دو سال اس مقصد کی تکمیل کیلئے حضرت بہلول داناؒ کے ساتھ صرف کئے اور ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا "لَوْلَا السَّنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ" (اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا)۔ حضرت امام اعظمؒ اجتہاد و استنباط اور عبادت میں اتنا اونچا درجہ رکھتے ہوتے ہوئے بھی بہلول داناؒ کی صحبت کی طرف مائل ہوئے (تلخیص خواجہ سرہندی)۔

خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیے کہ کمال ایمان کی مقدار کے مطابق ہی قبولیت اعمال ہے اور کمالِ اخلاص کی مقدار کے مطابق اعمال میں نورانیت ہوتی ہے۔ جتنا ایمان کامل تر ہو گا اعمال کی قبولیت اسی قدر ہوگی اور جس قدر اخلاص تمام تر ہو گا، اعمال میں نورانیت بھی اسی قدر ہوگی۔ کمالِ ایمان اور کمالِ اخلاص کے ساتھ معرفت وابستہ ہے اور معرفت فنا کے ساتھ بھی وابستہ ہے۔ جو فنا میں کامل تر ہو گا ایمان میں راسخ تر ہو گا۔ اسی لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان امت کے ایمان پر راجح ہے کیونکہ آپ امت میں فنا کی نسبت میں بھی کامل ترین فرد تھے۔ ایک حدیث میں ہے کہ تمام امت کا ایمان اگر ایک پلڑے میں ڈال دیا جائے تب بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایمان ان سب سے بھاری اور وزنی ہوگا۔ جس کو اس قسم کی معرفت حاصل ہے وہ مبارک باد کے لائق ہے اور اس نے مقصود آفرینش کو پورا کر دیا۔ قرآن کی آیت "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُونِ" میں لِيَعْبُدُوْنَ سے مراد لِيَعْرِفُوْنَ ہے (ہم نے جن اور انس کو اطاعت اور فرمانبرداری کیلئے یعنی معرفت حاصل کرنے کیلئے پیدا کیا)۔[1] فرماتے ہیں کہ جس کو یہ معرفت حاصل نہیں ہوئی اس کو اس کے حصول کیلئے کوشش کرنی چاہیے اور فانی چیزوں اور لایعنی کاموں کو زیادہ اہمیت نہ دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو درجۂ عبادت میں سب سے بڑھے ہوئے تھے اس معرفت بیکراں کو دیکھ کر فرماتے "وَمَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ"[2] (اے خدا ہم نے تیری معرفت کا حق ادا نہیں کیا) کسی نے کہا ہے کہ

---

[1] سنن ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی، متوفی ۲۷۵ھ، حدیث ۴۱۰۴، جلد ۱۲، صفحہ ۱۳۸، بیروت۔

[2] روح المعانی، جلد ۱۳، صفحہ ۱۴۱۔

عقل تو صرف دنیا کے گرد چکر لگاتی ہے اور جب خالقِ دنیا کی طرف نظر اٹھاتی ہے تو پگھل جاتی ہے (اس کی تفصیل ہماری کتاب حضورِ قلب میں دے دی گئی ہے)۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے بھی فرمایا ہے کہ معرفت دو قسم کی ہے۔ ایک معرفت تعرف اور دوسری معرفت تعریف، تعرّف کے معنی ہیں کہ اللہ خود اپنی ذات کی تعریف کر دے اور پھر اشیاء سے متعارف کرا دے یعنی اشیاء انسان کو بتا دیں کہ ان کی کائنات میں کیا حیثیت ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا "لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ" اور معرفت تعریف کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے آثار آفاق اور خود ان کی جانوں میں دکھا دے اور بتا دے کہ ان کا خالق میں ہوں جیسے فرمایا "اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ" (الغاشیہ:۱۷) (کیا یہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے پیدا کیا)۔ اس کے علاوہ سورۃ النساء میں فرمایا گیا "یہ قرآن پر غور نہیں کرتے" سورۃ الاعراف میں فرمایا "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں)۔ یہ کیا خوب بات ہے کہ علم معرفت سے ثابت ہوتا ہے اور عقل علم سے، مگر معرفت بذات خود اللہ کی عطا سے ملتی ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ ظاہری صورت کے مطابق اشیاء کا واضح ہو جانا علم ہے اور ان کے باطن کے کھل جانے پر اشیاء کا واضح ہو جانا معرفت ہے۔ گویا علم کا لفظ عام لوگوں کیلئے ہے اور معرفت کے ساتھ خاص مخصوص ہیں۔ ابوسعید فرازؒ فرماتے ہیں کہ معرفت یہ ہے کہ ہم اللہ کو پا لینے سے پہلے اللہ کا علم حاصل کریں اور اللہ کو پا لینے کے بعد علم باللہ حاصل کریں یعنی علم باللہ معرفت باللہ سے زیادہ مخفی ہے گویا جس کی معرفت حاصل کرنا مطلوب ہو اس کی حقیقت کو پا لینا ہی معرفت حاصل کرنا ہے۔ ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ اہلِ معرفت گناہ کرنے کے ارادے کے ساتھ ہی جلال خداوندی سے شرمسار ہو جاتے ہیں اور گناہ سے رک جاتے ہیں۔ یہی معرفت کی پہچان ہے۔ ایک صوفی کا قول ہے کہ جب حق ظاہر ہو، مخلوق فنا ہو جائے، حواس جاتے رہیں اور اخلاص مٹ جائے تو مشاہدۂ حق شروع ہوتا ہے۔ حضرت سہلؒ فرماتے ہیں کہ جن کو اللہ کی معرفت حاصل ہے وہ اصحابِ اعراف کی طرح ہیں (سورہ اعراف والے) جو اعراف پر کھڑے ہر ایک کو پہچانتے ہیں۔ اس بیان سے ظاہر ہوا کہ اہل معرفت احکامِ الٰہی کے پابند اور اس کے حق کو ادا کرنے والے لوگ ہیں۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کے متعلق جامع کرامات اولیاء میں منقول ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ آغاز کار میں اللہ تعالیٰ مجھے اپنی آیات اور اکرامات دکھایا کرتے تھے اور میں ان اکرامات کی طرف نظر التفات نہ ڈالتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اس حال میں ملاحظہ فرمایا تو میرے سامنے اپنی معرفت کے دروازے کھول دیئے۔ سبع سنابل میں آپ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے چالیس سال کی ریاضت کے بعد اسی ہزار پردے اٹھائے اور گڑگڑایا کہ اب مجھے راہ دکھائی جائے۔ خطاب ہوا کہ تمہیں اس ٹوٹے ہوئے پیالے اور پوستین کے ٹکڑے کے ہوتے ہوئے راہ نہیں مل سکتی۔ میں نے وہ فوراً پھینک دیا۔ ندا آئی کہ اے بایزیدؒ ان مدعیان فقر سے کہہ دو کہ بایزیدؒ نے چالیس سال کی ریاضت کے باوجود جب تک ٹوٹا ہوا پیالہ اور پوستین کا ٹکڑا نہ پھینک دیا اسے کوئی ثمرہ نہ ملا۔ تم اتنے تعلقات سے بندھے ہونے کے باوجود فقر کے مدعی بنتے ہو۔ تم نے

طریقت کو اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کا جال بنا رکھا ہے۔ قسم ہے تم ہرگز کوئی پھل نہ پا سکو گے۔ ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ اولیاء نے امارت کے باوجود اپنے گھروں میں سوائے چٹائی اور مٹی کے چند برتنوں کے کچھ نہ رکھا۔ ایک بزرگ نے لکھا ہے حضرت خضر علیہ السلام ان صوفیوں سے رابطہ نہیں رکھتے جن کے گھر میں دوسرے دن کا نان ونفقہ موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ولیوں کو بہت سخت حالات میں رہنے کیلئے پسند فرمایا ہے اور عوام کو ان پر چھوڑا ہے کہ ان پر زبان طعن دراز کریں اور انہیں رسوا کریں تا کہ وہ اپنے حقیقتِ جمال کو دیکھ کر تکبر کی آفت میں نہ پڑیں۔ اس لیے وہ اپنے ولیوں کو لوگوں کی نظروں سے مخفی رکھتا ہے اور فرماتا ہے کہ میرے ولیوں کو سوائے میرے کوئی نہیں پہچانتا ''لَا يَعْرِفُهُمْ غَيْرِيْ''[1]۔

حجابِ معرفت

حق تعالیٰ کے اسرارِ معرفت ان لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتے جو حجاب میں ہوں۔ حجابات کئی طرح کے ہوتے ہیں، کبھی نفس اور اس کی خواہشات کے حجابات، کبھی بدنظری اور بدعقیدگی کے حجابات، کبھی تکبر، اور علم کے بھی حجابات رونما ہوتے ہیں۔ حجابات ظلمانی، گناہوں کی وجہ سے ہوتے ہیں اور حجابات نورانی، نیک اعمال کو مستحسن سمجھنے یا ان میں کوتاہی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ حبِ جاہ ومنصب اور حُبّ الدُّنیا میں الجھنا معرفت سے دور کر دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ كَأَنَّكَ عَابِرُ سَبِيلٍ وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ أَهْلِ الْقُبُورِ''[2] (دنیا میں اس طرح زندگی بسر کرو جس طرح کوئی مسافر ہوتا ہے یا پُل سے گزرنے والا اور اپنے نفس کو اصحاب قبور میں شمار کرو)۔ خدا نے شریعتِ مطہرہ کی اتباع کرنے والوں میں اسی لیے معرفت کو چھپایا ہے کہ ان کے ہر عمل میں ایک انوکھی معرفت پنہاں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ جس نے آداب (یعنی تصوف) سے سستی برتی وہ سنن سے محروم ہو گیا۔ جس نے سنن سے لاپرواہی کی وہ فرائض سے محروم ہو گیا اور جس نے فرائض سے سستی برتی (منہ موڑا) وہ معرفت سے محروم ہو گیا۔ ہوا میں اڑنا اور پانی پر چلنا شریعت کی نظر میں بڑی بات نہیں بلکہ شریعت کا ہر عمل معرفت کا حامل ہے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ جس نے قرآن حفظ نہیں کیا اور کتابتِ حدیث نہیں کی وہ ہمارے مسلک میں مقتدیٰ (امام) بننے کے قابل نہیں اس لیے کہ ہمارا طریقہ (یعنی معرفت) سراسر مقید بالکتاب والسنہ ہے۔ خواجہ احرارؒ نے فرمایا کہ اگر تمام احوال اور مواجید ہمیں دیئے جائیں اور ہماری حقیقت کو اہلِ سنت و الجماعت کے ساتھ متجلی نہ کیا جائے تو ہم اس کو سوائے خرابی کے کچھ نہ تصور کریں گے۔ حضرت یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ تو جتنا خدا کے احکام میں مشغول ہو گا مخلوق بھی تیرا اتنا ہی کہا مانے گی۔ اسی عزم سنت اور حبِ اسلام کی وجہ سے مسلمان تمام دنیا پر چھا گئے تھے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے

[1] احیاء العلوم، جلد ۳، صفحہ ۷۴۴۔

[2] سنن ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی، متوفی ۲۷۵ھ، حدیث ۴۱۰۴، جلد ۱۲، صفحہ ۱۳۸، بیروت۔

مومن از عزم و توکل قاہر است گرنہ دارد ایں دو جوہر کافر است

(مومن کے غلبے کا راز عزم وتوکل ہے، یہ دونوں خوبیاں اگر اس میں نہ ہوں تو وہ گویا کافر ہے)

خیر را او باز می داند زشر از نگاہش عالمے زیر و زبر

(مومن خیر کو شر سے الگ جانتا ہے اور اس کی نگاہ سے پورا عالم زیروزبر ہوجاتا ہے)

کوہسار از ضربت او ریز ریز در گریبانش ہزاراں رستخیز[٤٨]

(اس کی ضرب سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجاتے ہیں، اس کے گریبان میں ہزاروں ہنگامے ہوتے ہیں)

خواجہ سرہندیؒ نے فرمایا کہ لوگوں کی نظر میں بجائے معارفِ الٰہی کے خوارق (کرامات) زیادہ عزیز ہیں حالانکہ معارفِ الٰہی کشفِ اسرارِ ذات وصفاتِ خالق ہیں مگر کرامات، ذکرِ کشفِ احوال مخلوقات ہیں۔ بس جتنا فرق خالق اور مخلوق میں ہے اتنا ہی فرق معارفِ الٰہی اور کشفِ خوارقِ عادات اور کشف ومغیبات میں ہے۔ معارفِ صحیحہ کمالِ ایمان میں داخل ہیں اور زیادتیٔ ایمان کا سبب ہیں اور خوارق کو کمالِ انسانی سے وابستگی نہیں۔ اہلُ اللہ جن کو خوارق بھی حاصل ہیں ان کی فضیلت معارفِ الٰہی کی وجہ سے ہے نہ کہ کشف وکرامت کی بناء پر۔ اہل اللہ کرامات کی طرف توجہ نہیں دیتے اور ان جوگیوں اور برہمنوں سے افضل ہیں جو ریاضتوں کی وجہ سے اظہارِ خوارق کرتے ہیں۔ یہ خوارقِ قربِ الٰہی کی ہرگز دلیل نہیں ہوتے۔ جو طالب خوارق (کرامات) میں گرفتار ہے اس کو قرب و معرفت سے کیا واسطہ ہے۔ ابلیس لعین سے بھی خوارق صادر ہوتے ہیں ۔

زابلیس لعینی، بے سعادت شود پیدا ہزاراں خرقِ عادت

(ابلیس لعین اور بے سعادت سے بھی ہزاروں طرح کے خوارق رونما ہوئے ہیں)

فرماتے ہیں کہ جو کوئی خود کو اظہارِ کرامات سے ممتاز کرے، یقیناً وہ کبروعجب میں گرفتار ہے (یعنی تکبر میں) ایسا شخص مشہورِ خلائق تو ہوسکتا ہے مگر عبادت اور سلوک سے محروم رہے گا۔ اس کیلئے معرفت کا راستہ بالکل مسدود (بند) ہوجائے گا۔ شیخ الاسلام ہروی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اکثر پڑھے لکھے آدمی بھی خرق عادات کو بہت عزیز جانتے ہیں اور ایسے عاملوں کو اہلُ للہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اہلُ اللہ اگر اہلِ حق ہیں تو مخلوقات کے بارے میں خبر کیوں نہیں دیتے اور اگر وہ یہ نہیں کر سکتے تو اس سے اونچے درجے کے کشفِ الٰہی پر کس طرح قادر ہوسکتے ہیں۔ چنانچہ وہ اہلُ اللہ کو اہلِ معرفت نہیں سمجھتے اور یہ نادان نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان حضرات (اہل حق) کیلئے جو عزت ہے اس کے باعث اللہ تعالیٰ ان کو احوالِ خلق کے پیچھے نہیں پڑنے دیتا۔ اگر یہ اہلُ اللہ ان کاموں میں پڑ جائیں تو مرتبۂ عُلیا کے مستحق نہیں ہوتے۔ آپ کا قول ہے "پس اہل حق شایانِ خلق نہیں، جس طرح اہلِ خلق شایانِ حق نہیں"۔ اگر اہلُ اللہ توجہ کریں تو خوارق میں دوسروں سے بڑھ جائیں۔ ہاں بعض اولیاءِ کرام کو کسی مصلحت کے تحت اظہارِ خوارق کی اجازت عطا کردی ہے۔

اب قربِ فرائض اور قربِ نوافل کا فرق ملاحظہ کریں تاکہ اس کے حصول کی طرف توجہ مبذول ہو اور یہ معلوم ہو کہ عبادت قرب اور معرفتِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔

وہ قُرب جو نوافل سے ملتا ہے

فرض، سنت اور نوافل کی عبادات میں فرق اس کتاب میں ہی ''اہمیت نماز'' کے باب میں بیان کر دیا گیا ہے۔ یہاں جو قرب بیان کیا جارہا ہے یہ وہ قرب ہے جو عباداتِ نافلہ پر مرتب ہوتا ہے، جس میں وجودِ سالک درمیان میں رہتا ہے۔ یہ قرب فنا کنندہ نہیں کیونکہ صاحبِ قرب کا وجود ہنوز درمیان میں حائل ہے۔ اسی لیے بزرگوں نے کہا ہے کہ قربِ نوافل وہ قرب ہے کہ بندہ فاعل ہو اور حق تعالیٰ آلۂ فعل (جس سے فعل ظاہر ہو) جیسے حدیث میں آیا ہے۔ ''لَایَزَالُ عَبۡدِیۡ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحۡبَبۡتُهٗ کُنۡتُ سَمۡعَهُ الَّذِیۡ یَسۡمَعُ بِهٖ وَ بَصَرَهُ الَّذِیۡ یَبۡصُرُ بِهٖ وَ یَدَهُ الَّتِیۡ یَبۡطِشُ بِهَا'' (میرا بندہ برابر نوافل کے ذریعے مجھ سے قرب حاصل کرتا ہے یہاں تک میں اس سے محبت کرتا ہوں جب میں محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے)۔ ایک حدیث میں ہے ''فَبِیۡ یَسۡمَعُ وَبِیۡ یُبۡصِرُ'' (وہ مجھ سے ہی سنتا ہے اور مجھ سے ہی وہ دیکھتا ہے)۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

چوں قبولِ حق بود آں مردِ راست   دستِ او در کارہا دست خداست[79]

(چونکہ اللہ نے اس مرد صادق کو قبول کرلیا، اس کا ہاتھ ہر کام کیلئے خدا کا ہاتھ ہو جاتا ہے)

ایں دعائے شیخ نے چوں ہر دعاست   فانی است و گفتِ اُو گفتِ خداست

(اسی طرح شیخ کی دعا عام دعاؤں کی طرح نہیں، شیخ فنا (کی منزل) طے کرچکا ہے اس لیے اس کا کہنا خدا کا کہنا ہوتا ہے)

علامہ ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ قرب دو قسم کا ہے۔ ایک وہ جو ہر کسی کو حاصل ہے۔ جیسے فرمایا ''وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ'' (ہم (انسان کی) شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) (ق:۱۶)۔ یہ قرب ہر شے اور ہر ذرے کو حاصل ہے۔ دوسرا قرب وہ ہے جو خاص بندوں کو حاصل ہے وہ قرب صحبت ہے۔ اس کے بہت سے درجے ہیں اور یہ وہ قرب ہے جو مذکورہ بالا حدیث میں بیان کیا گیا ہے (اس کا ذکر آگے بھی آئے گا)۔ یہ قرب آفتابِ رسالت کے انوار کا انعکاس دل پر ہونے سے اور جمالِ محمدی ﷺ سے روح کو منور کرنے سے ملتا ہے اور یہ نعمت صرف انہی کو دی جاتی ہے جو بارگاہ رسالت میں یا اولیائے امتؒ کی صحبت میں بکثرت حاضر رہتے ہیں۔ مولانا رومی نے فرمایا ؎

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا   او نشیند در حضورِ اولیاء[80]

(جو خدا کے ساتھ ہم نشینی چاہتا ہے، وہ اولیائے کرام کے حضور بیٹھا کرے)

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۶۰۲۱، جلد ۲۰، صفحہ ۱۵۸۔

وہ قُرب جو فرائض سے حاصل ہوتا ہے

فرائض کی ادائیگی میں چونکہ محض حکم الٰہی کی تکمیل ہے اس لیے وجودِ عابد درمیان سے ہٹ جاتا ہے۔ لہٰذا کہا جاتا ہے کہ قربِ فرائض وہ قرب ہے جس میں فاعل حق تعالیٰ ہو اور آلہ فعل (جس سے فعل ظاہر ہو) بندہ ہو۔ جیسے حدیث شریف میں آیا ہے۔ "اَلْحَقُّ يَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ" [1] (اللہ تعالیٰ زبان عمر رضی اللہ عنہ پر گفتگو کرتا ہے) یعنی بولنے والا (فاعل) اللہ ہے زبانِ عمر رضی اللہ عنہ صرف ایک آلہ ہے۔ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ "اِتَّقُوْا غَضَبَ عُمَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَغْضِبُ اِذَا غَضَبَ" [2] (عمر رضی اللہ عنہ کے غصے سے بچو اس لیے کہ ان کے غضب کے وقت دراصل اللہ تعالیٰ غصے ہوتا ہے)۔ پس قربِ فرائض میں وجودِ سالک فنا ہو جاتا ہے اور قربِ نوافل میں ایسا نہیں ہوتا۔ حضرت خواجہ سربندیؒ فرماتے ہیں کہ جمع بینِ القربین یہ ہے کہ فاعل بھی حق تعالیٰ ہو اور آلہ فعل بھی حق تعالیٰ ہو اور بندہ درمیان میں کچھ نہ ہو جیسے فرمایا "وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" (الانفال:۱۷) (اے محبوب! آپ نے مٹھی بھر خاک نہیں پھینکی، جب آپ نے پھینکی، بلکہ اللہ نے پھینکی)۔ اہلِ معرفت جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو حجابات درمیان سے اٹھتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ان کے دل میں وسواس اور خطرات بالکل نہیں گزرتے۔ ان کے دل میں خوفِ الٰہی کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو خس وخاشاک کے مثل بھی نہیں سمجھتے۔ خواجہ سربندیؒ فرماتے ہیں کہ یہ کیفیت منتہی کی نماز کے ساتھ مخصوص ہے یہی وجہ ہے کہ اسے جو قرب نماز میں میسر آتا ہے نماز سے باہر نہیں۔ حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ مبتدی کے لائق یہ امر ہے کہ وہ خود کو فرائض اور سنن کی ادائیگی کے بعد ذکر میں مشغول رکھے اس کیلئے ذکر اسم ذات اور نفی اثبات متعین اور ضروری ہیں۔ متوسط کیلئے قرآن کی تلاوت اور منتہی کیلئے عبادات نافلہ (فرائض کے بعد) ان کے حال سے مناسبت رکھتے ہیں یعنی متوسط اور منتہی کیلئے دونوں ذکر متعین نہیں بلکہ تلاوت یا جس چیز سے بھی غفلت دور ہو سکتی ہو کرے یا جس میں جمعیتِ قلب اور حظ ملتا ہو اس میں مشغول ہو جائے۔ منتہی کیلئے نماز کے علاوہ مشغولی مرغوب نہیں کیونکہ اس میں ان کو حظ نصیب ہوتا ہے۔ ان کی شان یہ ہے جو حرف نماز میں اپنے مخرج سے نکلتا ہے وہ مسرتوں کا اظہار کرتا ہے اور وہ انہیں دوسری جگہ (مقام عرش) پر پہنچاتا ہے اور نماز کی یہ حالت اصل کا نشان دیتی ہے یعنی ذاتِ حقیقی کا کیونکہ اس میں ظلّیت کا شائبہ نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کیلئے عباداتِ نافلہ میں کثرت بہتر ہے۔

فنا

فنا، جو کہ سالک کیلئے حصولِ معرفت کا باعث ہے، کا مطلب یہ ہے کہ سالک اپنی ذات کو حق میں گم کر دے۔ فنائیت عدم شعور کو کہتے ہیں۔ فناء الفناء یہ ہے کہ اپنی اس فنا کا بھی احساس نہ رہے بلکہ ایک قسم کی

---

[1] مسند احمد، حدیث ۲۰۳۳۳، جلد ۲۹۹، صفحہ ۳۳۔

[2] کنز العمال، علاؤ الدین المتقی، متوفی ۹۷۵، حدیث ۳۲۷۸۶، جلد ۱۱، صفحہ ۵۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

لاشعوری کی کیفیت طاری ہو جائے اور سوائے خدا کے کسی اور کا شعور نہ رہے ؎

ہستی من رفت و خیالش بماند　　ایں کہ توبینی نہ منم بلکہ اوست

(میری ہستی ختم ہوئی اور اس کا ہی خیال رہ گیا، اس طرح کرے تو نہ تو دیکھتا ہے اور نہ میں بلکہ خدا ہی دیکھتا ہے)

فنائے ذاتی یہ ہے کہ اس میں اپنی اور خلق کی ذات کو حق میں فنا کر دینا ہوتا ہے۔ فناء صفات میں ان دونوں کی صفات کی نفی کرنا ہے۔ فنا کے بعد رجوع الی اللہ میں ثابت قدم رہنا بقا کہلاتا ہے۔ اس کو جمع الجمع یا رجوع الی البدائیہ بھی کہتے ہیں۔ ابن حجرؒ سے منقول ہے۔ "حَاسِبُوْا اَعْمَالَكُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا وَزِنُوْا اَنْفُسَكُمْ قَبْلَ اَنْ تُوْزَنُوْا وَمُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا"[1] (اپنے اعمال کا محاسبہ اس وقت سے پہلے کرو جبکہ تم سے محاسبہ کیا جائے اپنے نفسوں کا موازنہ اس وقت سے پہلے کر لو جب تمہیں موازنہ کیلئے پکارا جائے اور مرنے سے پہلے ہی مر جاؤ!)۔

آپ کا یہ قول فنا کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ سالکوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ خدا کی راہ پر چلنا تن آسان، نازک مزاج اور دنیا پرستوں کا کام نہیں ہے۔ بڑے کاموں کیلئے مصیبتیں بھی بڑی ہوتی ہیں۔ مرد راہ کیلئے شجاعت، ہمت اور قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مولانا رومؒ نے فرمایا ؎

چوں دلش آموخت صبر آموختن　　آفتاب او را نیارد سوختن[81]

(جب سالک کا دل صبر کرنا سیکھ لے، تو آفتاب کی تمازت اسے نہیں جلاسکتی)

حافظؒ نے فرمایا ؎

خواب و خورت ز مرتبه عشق دور کرد　　آں دم رسی بہ دوست کہ بے خواب و خور شوی

(تیرے کھانے اور سونے نے تجھے مرتبہ عشق سے دور کر دیا ہے، تجھے وصال دوست اس وقت نصیب ہوگا جب تو بے خواب و خور ہو جائے گا)۔

فناء میں اخلاق رذیلہ ختم ہو جاتے ہیں۔ یحییٰ ابن معاذؒ نے فرمایا کہ جب کوئی علم، حلم اور حکمت کے ذریعے دنیا طلب کرے تو یہ تینوں جاتے رہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ کوئی اگر تیری تعریف کرے یا مذمت کرے تو اسے خرافات میں شمار کر۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں دنیا میں راحت طلب نہ کرو کہ ایسے لوگ ہمیشہ تکلیف میں رہتے ہیں اور اگر تمہارے کسی دوست کو حکومت (میں اعلیٰ کرسی) مل جائے تو جس قدر اس کو تجھ سے محبت تھی اس سے دسویں حصہ پر تیار رہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت اسی قبیل سے ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا "یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ اَكْیَسُ قَالَ اَكْثَرُهُمْ لِلْمَوْتِ ذِكْرًا وَاَحْسَنُهُمْ لَهٗ اِسْتِعْدَادًا"[2] (یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل ایمان میں کون زیادہ عقل والا ہے، فرمایا جو موت کو اکثر یاد کرتے ہیں اور اس کیلئے اچھی تیاری کرتے ہیں)۔

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث ۳۴۴۵۹، جلد ۷، صفحہ ۹۶۔

[2] کنز العمال، علاؤ الدین المتقی، متوفی ۹۷۵، حدیث ۴۲۷۸۶، جلد ۱۱، صفحہ ۵۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

اس کے بعد فرمایا کہ جب دل میں نور داخل ہو جاتا ہے تو اس کا دل کشادہ اور وسیع ہو جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی کہ اے اللہ کے نبی ﷺ اس کی علامت کیا ہے؟ فرمایا اس کی نشانی یہ ہے کہ وہ ہر وقت دارِ آخرت کی طرف متوجہ رہتا ہے اور وہ اس دھوکہ دینے والی دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا شروع کر دیتا ہے۔ (فنا اور بقا کے عنوانات سے مزید تفصیلات ہماری تصنیف ''اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبال'' میں تفصیل سے شائع ہو چکی ہے)۔

عارف کا علم

معرفت کی پہلی قسم میں علم اور استدلال کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ علم کتابی علم کے زمرہ میں تھا۔ مگر وہ علم جو عارفانِ الٰہی کو دیا جاتا ہے اور معرفت کی دوسری قسم سے تعلق رکھتا ہے، وہ علم حضوری سے منسوب ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جس نے بے عمل سے علم سیکھا اس نے اپنی جہالت کو ترقی دی۔ ادب (تصوف) سے علم ذہن نشین ہوتا ہے اور جو سرداری سے بھاگے تو سرداری اس کے پیچھے آتی ہے۔ جس نے ناشکرے پر احسان کیا اس نے اپنی نیکی ضائع کی۔ جس نے اپنی خواہشات کو ترک کر دیا اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کے دل میں ذکرِ الٰہی کی خواہش پیدا کر دے گا۔ جس نے ادب (یعنی تصوف) میں ترقی کی وہ اپنے ہم عصروں کا سردار ہوا۔ یہ تمام چیزیں فنا کی پیداوار ہیں۔

علم کے بارے ہماری تصنیف ''سرمایۂ ملت'' میں ایک الگ باب لکھا گیا ہے کیونکہ علم کا عمل سے گہرا تعلق ہے اس لیے اس کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ بشر حافیؒ فرماتے ہیں کہ نعمتوں کی ناشکری کی وجہ سے آفتیں آتی ہیں۔ عمل میں صدق نہ ہو تو ایسے لوگ اس کے باعث مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں نہ کہ قلتِ عمل کی وجہ سے۔ ہم کثرتِ گناہ کی وجہ سے تباہ نہیں ہوتے بلکہ حیاء کی کمی کے باعث۔ فرماتے ہیں کہ کثرتِ ذکر سے باطن روشن ہوتا ہے اور گفتگو حکمت سے معمور ہو جاتی ہے اور اس سے تو اپنے زمانے کا حکیم بن جائے گا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ سورۂ بقرہ کی اس آیت ''كَمَآ أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ'' (اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تم میں سے (اپنا) رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں (نفساً وقلباً) پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ (اسرارِ معرفت و حقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے) (البقرۃ:۱۵۱) میں يُعَلِّمُكُمْ کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ علم کتاب اور حکمت کے علاوہ ہے اور اس علم سے الگ نوعیت رکھتا ہے، غالباً اس سے مراد علم لَدُنِّی ہے جو قرآن کے باطن اور نبی اکرم ﷺ کے روشن سینے سے حاصل ہوتا ہے اور اس کا حصول بوجہ تعلیم نہیں بلکہ انعکاس ہے، یعنی قرآن اور نبوت کی کرنیں دل پر منعکس ہوں۔ فرماتے ہیں کہ اولیاء کاملین جو نبوت کے صحیح

وارث ہوتے ہیں اپنے مریدانِ باصفا پر اسی قسم کے علوم اور معارف کا القاء اور فیضان فرماتے ہیں، مگر اس طریقہ سے ذکر کرنے والے ہی مستفید ہوتے ہیں۔ قرآن میں آیا ہے "وَاذْکُرُوْہُ کَمَا ھَدٰکُمْ" (ذکر کرو اس ذات کا جس طرح اس نے تمہیں سکھایا) آپ فرماتے ہیں کہ اتباع دو قسم کی ہوتی ہے ایک عملی اور دوسری حالی۔ آج کل کے معلمین عمل کو تو دیکھتے ہیں مگر حال کو نہیں دیکھتے۔ علم پڑھ لیتے ہیں مگر تزکیہ سے بے بہرہ رہتے ہیں۔ علم پڑھ کر بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں مگر ان کے حال اور قال میں سخت تضاد ہوتا ہے۔

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ مسلمانوں میں یوں تو نمازیوں کی تعداد بہت ہی کم ہے اور جو نمازی ہیں ان میں بھی بھاری اکثریت نمازیوں کی سی صفات نہیں رکھتی۔ یہ لوگ بھی جھوٹ، بے ایمانی اور رشوت جیسی قبیح لعنتوں سے پاک نہیں ہوتے۔ اس کے اگلے مرحلے پر اگر دیکھا جائے تو صوفی منش لوگ بھی جو سلوک کی منزلیں طے کرنے کے درپے ہیں اپنی خواہشات کے غلام نظر آتے ہیں۔ جب سلوک نے ان کی بری خصلتوں کو نہیں بدلا تو انہیں سلوک سے کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ وہی غصہ، کینہ، بغض، بخل، کبر جو سلوک سے پہلے تھا اب بھی جوں کا توں ہے اور خود کو بہت بڑے عارف اور صوفی سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

باب نمبر ۶

خشوع وخضوع اور حضورِ قلب

(جمالیات کی حِس اور روحِ نماز کا پیدا کرنا)

جو لوگ روحانی دنیا کی ارتقائی منزلوں کو طے کرنے کے آرزومند ہیں ان کیلئے خشوع وخضوع اور حضورِ قلب کے زینے کی مدد سے ان روحانی منازل کا طے کرنا نہایت ضروری امر ہے۔ جس طرح روحانیت کی منازل کو طے کرنے کیلئے شریعت کا التزام ناگزیر ہے، اسی طرح نماز میں معراج کی بلندیوں کو چھونا حضورِ قلب کے بغیر بعید از قیاس ہے۔ خشوع وخضوع اور حضورِ قلب، جمالیات اسلام کے وہ خوبصورت باب ہیں، جن کے ذریعے نہ صرف جمالِ الٰہی کا مشاہدہ ہو سکتا ہے بلکہ ایک ولی کامل پروردگار کے حسین وجمیل اور خوشنما شاہکاروں کو اپنے دل کی آنکھ سے اس طرح دیکھ لیتا ہے جو سر کی آنکھوں کے دیکھنے سے کسی صورت بھی کم نہیں۔ زیرِ غور موضوع پر تشنگانِ طریقت کیلئے اگرچہ راقم الحروف نے ایک بسیط کتاب ''حضورِ قلب'' کے نام سے تصنیف کی ہے، تاہم زیرِ نظر کتاب چونکہ نماز کے روحانی پس منظر کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، اس لیے اس کتاب کے قارئین کو بھی حضورِ قلب پر مفید معلومات سے محروم رکھنا قرینِ مصلحت نہیں، لہٰذا حضورِ قلب سے چند اقتباسات اس کتاب میں بھی شامل کئے جا رہے ہیں۔

روحانی دنیا میں ذکر، اذکار اور روحانی مشاغل کے علاوہ روحانیت کی فضائے بسیط اور ارتقائی منزلوں سے گزرنے کے بعد ایک قطرہ بھر آگہی میسر ہوتی ہے اور یہی آگہی ایک حال کی سی کیفیت پیدا کرتی ہے جو سالک کے دل میں حضورِ قلب کا کمال اور جمال پیدا کر دیتی ہے۔ مغرب کے بہت سے دانشوروں نے اپنی تصنیفات میں کھلے بندوں یہ اعتراف کیا ہے کہ دینِ اسلام ایک سچا مذہب ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ آر. ڈبلیو. سٹوبارٹ نے کہا ہے ''جب تم دنیا کے مختلف حصوں میں لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھو تو تسلیم کر لو کہ محمد ﷺ کا دین سچا ہے، زندہ ہے اور ابدالآباد تک زندہ رہے گا''۔ ایل. وی. واگلیئری نے ''اسلام آور چوائس'' میں لکھا ہے ''اگر کوئی مذہب انسان کی ذہانت اور جمالیات میں اضافہ نہیں کرتا تو ایسا مذہب زندہ نہیں رہتا۔ محمد ﷺ دنیا میں ایک ایسا دین لے کر آئے جو انسان کے ذہن کو ترقی دیتا ہے اور یہ جمالیات کی حِس کو بیدار، تیز اور مکمل کرتا ہے''۔ اس باب میں حضورِ قلب کی انہی حقیقتوں سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

خوب تر نماز کی ادائیگی کیلئے عموماً خشوع وخضوع، حضورِ قلب، تبتل، تضرّع، اخلاص اور ذکر کی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں اور ان کا نماز کی صحیح ادائیگی سے گہرا تعلق ہے۔ ان اصطلاحات کی تفصیل کا معلوم ہونا ضروری ہے تاکہ نماز بہترین صورت میں ادا کی جا سکے اور جن مقاصد کیلئے اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے وہ مقاصد پوری طرح حاصل ہو سکیں۔ ان اصطلاحات کے علم کے بعد انشاء اللہ خشوع وخضوع

اور حضورِ قلب کو ضروری تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

حضورِ قلب سے کیا مراد ہے؟

حضور یا حضوری کے معنی، قلب کا خلقِ خداوندی سے ہٹ کر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اس طرح حاضر ہونا کہ سوائے اللہ کے اور کچھ دل و دماغ میں نہ ہو، اسے مقامِ وحدت بھی کہتے ہیں۔

مرا بیگانگی از خلق باحق آشنا کرداست　　بطبع من بہ کس کم ساختن بسیار می سازد

(خلق سے بیگانگی نے مجھے آشنا کر دیا ہے کسی سے کم موافقت کرنا میری طبیعت کے بہت موافق ہے)

غیبت و حضور

حضورِ حق و مشاہدہ میں مشغول رہتے ہوئے دل کا خلق کے مشاہدے سے اس طرح دور رہنا، کہ بندے کے ظاہر میں کوئی تبدیلی نہ ہو، غیبت کہلاتا ہے۔ گویا جو مخلوق سے دور اور مشاہدۂ حق میں غرق ہو تو وہ خود سے غائب ہوتا ہے۔ آسان الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ غیبت و حضور سے مراد اپنے نفس سے اور خلق سے غائب اور حق تعالیٰ کے حضور میں حاضر رہنا ہے۔ حضرت علی ہجویری ''کشف المحجوب'' میں فرماتے ہیں کہ حضور کا متضاد غائب ہے یعنی غائب ہونا اور حضور سے مراد حضورِ دل ہے کہ وہ یقین کے ساتھ حاضر ہو۔[1] تصوف میں غیبت سے مراد دل کی غیبوبیت ہے یعنی غیر اللہ سے اس طرح غائب ہو کر خود کو غائب کر لے اور اس کی علامت یہ ہے کہ رسم و رواج سے روگرداں ہو جائے (رسمی نماز سے حقیقی کی طرف آجائے)۔

مقصد یہ ہے کہ طالب اس طرح اپنے سے غائب ہو کر حضورِ حق میں حاضر ہو گا کہ وہ خود سے لازمی غائب ہو گا۔ اس کے دل کا مالک حق تعالیٰ ہے۔ جب حق تعالیٰ کی کشش طالب کو متوجہ کر لے تو غیبتِ دل حضور کی طرح ہوتی ہے۔ اس حالت میں کسی حرکت یا فعل کو طالب کا اپنی طرف منسوب کرنا قطع ہو جاتا ہے اور فرماتے ہیں کہ یہی مطلب اس آیت میں ہے۔ ''وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ'' (انعام:۹۴) (تم ہمارے حضور اس طرح تنہا آ گئے ہو جس طرح ہم نے تم کو پہلی مرتبہ تنہا پیدا فرمایا)۔ اس آیت میں اس بات کا اشارہ ہے کہ ایسی حالت میں حاضر ہونا حضور ہے۔ آسان الفاظ میں غیبت و حضور سے مراد اپنے نفس سے اور خلق سے غائب اور حق تعالیٰ کے حضور میں حاضر رہنا ہے۔

دل کی دنیا

حضورِ قلب کی بات سمجھنے کیلئے قلب اور اس کی استعداد کا سمجھنا ضروری ہے۔ راقم الحروف کی تقریباً ۴۰۸ صفحات پر مشتمل کتاب ''حضورِ قلب'' میں قلب، معارفِ قلب اور اس کے اسرار و رموز پر اچھی خاصی

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ　ناشر نشان منزل۔

تفصیل دے دی گئی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ سالک کو روحانی مقامات سے گزرنے کیلئے قلب کے کن معاملات کی طرف توجہ دینا ضروری ہے۔

قلب کو قلب اس لیے کہتے ہیں کہ یہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف بہت جلد منقلب ہو جاتا ہے۔ یعنی دنیا سے آخرت کی طرف اور آخرت سے دنیا کی طرف ہو جاتا ہے۔ اس کی غذا غم اور رنج و الم ہے اور اگر یہ شکستہ ہو تو خدا کی نظر میں عزیز تر بن جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے کہ مومن کے اضطراب میں سکون نہیں ملتا اور اس کا دل بے خوف نہیں ہوتا جب تک وہ دوزخ کے پل سے گزر نہ جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ غمگین اور متفکر رہا کرتے تھے۔ دل ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جس کے اندر ایک اصلی، نورانی اور روحانی دل کا مقام ہے۔ اگر اس دل کی اصلاح ہو جائے تو پورے بدن کی اصلاح ہو جاتی ہے۔[1]

احادیث میں آتا ہے کہ اگر کوئی چالیس دن تک گوشہ نشینی اور خلوت اختیار کرے تو اس کے دل اور زبان سے حکمت کے چشمے جاری ہونے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اے داؤد! لوگوں کو اپنی خواہشات کی چیزوں سے بچاؤ اس لیے کہ جن کے دل دنیا کی خواہشات میں لگے رہتے ہیں ان کی غفلتیں مجھ سے حجاب میں آ جاتی ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ٹوٹے ہوئے دلوں میں خدا رہتا ہے اور غم بصیرتِ قلبی کو کھول دیتا ہے۔ لذتِ غم وہ میوہ ہے جو صرف اللہ والوں کو ہی ملتا ہے۔ اہلُ اللہ کو غموں سے کنارا کشی ممکن نہیں۔ قلب انسانی بمنزلہ عرش ہے بلکہ اس سے بھی بزرگ تر ہے۔ جو شخص ذکر الٰہی کی ضربوں سے دل کی گہرائیوں کو چیرتا چلا جاتا ہے اس پر اسرارِ الٰہی کھلتے چلے جاتے ہیں۔

دل میں برے خیالوں کے آنے اور بری صحبت میں رہ کر برائی کے راستوں پر چلنے سے دل میں فساد برپا ہو جاتا ہے اور ایسے افراد کے دلوں پر زنگ اور میل کچیل جمع ہو جاتا ہے جس کی اصلاح اتباعِ شریعت کے اختیار کرنے اور نیک بندوں کی صحبت کے ذریعے ہی ممکن ہوتی ہے، ورنہ جس شخص کے دل کا آئینہ لغویات یا کج روی میں گرفتار ہو جائے یا اس میں غلط آرزوؤں کا ہجوم ہو تو اس کے دل پر اللہ کی طرف سے مہر لگ جاتی ہے۔ نفس کی سہولت اور گناہوں میں گرفتار ہونے والے کا دل بھی ہلاکت و بلا میں گرفتار ہو جاتا ہے اور جو قلوب ان تمام آفات میں گرفتار ہو جائیں تو وہ خشوع و خضوع اور حضورِ قلب کی سعادت کے لائق نہیں رہتے۔

ذکر و اذکار اور شریعت کے کاموں میں انہماک رکھنے والے لوگوں کے دل ذکر الٰہی کے باعث زندہ رہتے ہیں اور قلب کی بیداری ایسے لوگوں کو ہی ملتی ہے۔ ایسے لوگوں کے دل یقین، سکون اور اللہ کی محبت سے سرشار رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کر لیتا ہے۔ مومن باعمل کے دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قدر وسعت مل جاتی ہے کہ زمین اور آسمان اگر اس میں ڈال دیں تو وہ دل کے سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرے کی بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا زمین اور آسمانوں میں سمانا ممکن نہیں

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۵۰، جلد ۱، صفحہ ۹۰۔

البتہ بندۂ مومن کے دل میں اس کا سمانا ممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ لامکان ہے اور بندۂ مومن کا دل بھی لامکانیت کا درجہ رکھتا ہے لہٰذا لامکان کا لامکان میں سمانا ممکن ہوگیا۔ چونکہ زمین وآسمان اور پوری کائنات انسان کے دل میں موجود ہے اس لیے بندہ مومن اپنے دل میں ہر چیز کا معائنہ اور مشاہدہ کر لیتا ہے۔

ذکر

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ''وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي'' (اور میری یاد کیلئے نماز قائم کرو)(طٰہٰ:۱۴)۔ آیت مذکورہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نماز درحقیقت خداوند تعالیٰ کی یاد کو تازہ رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ دن میں پانچ مرتبہ نماز پر مداومت پورے دن یادالٰہی میں مگن رہنے کا داعیہ پیدا کرتی ہے۔ ذکرالٰہی جب نماز کے ذریعہ قائم ہوجائے تو نمازی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس ذکر کے وسیلہ سے رشتہ ورابطہ قائم کر لیتا ہے اور خدا کے ساتھ نہ ختم ہونے والی معیت حاصل کر لیتا ہے خواہ وہ خلوت میں بیٹھا ہو یا کاروبارِ حیات میں مشغول ہو نمازی شب و روز کے ہر لمحہ میں لذت آشنائی محسوس کرتا ہے۔ ''رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ'' (النور:۳۷) (وہ (جوان) مرد جنہیں غافل نہیں کرتی تجارت اور نہ خرید و فروخت یادالٰہی (یعنی نماز) سے)۔

منقول ہے کہ حضرت شبلیؒ کا جب وقت نزع تھا تو آپ سے کہا گیا کہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہو آپ نے فوراً جواب میں کہا کہ جس کے دل میں ہروقت اللہ کی یاد ہو اس کو کلمہ پڑھنے کا کیا کہتے ہیں آپ نے یہ شعر پڑھا۔

اِنَّ بَيْتَنَا اَنْتَ سَاكِنُهُ غَيْرُ مُحْتَاجٍ اِلَى السُّرُجِ

(بے شک جس گھر میں تو ساکن ہے، وہ گھر چراغ کا محتاج نہیں ہے)

فیضی از ظاہر پرستانِ ارادت نیستم مابطوفِ کوئے اُو از راہِ پنہاں می رویم

(اے فیضی میں ارادت کے ظاہر پرستوں میں سے نہیں ہوں، میں اپنے محبوب کے کوچے کا حقیقی طواف ایک مخفی راستے سے کرتا ہوں)۔

حضورِ قلب، بندے اور خدا کے درمیان ایک رابطہ

اللہ تعالیٰ نے کائنات کو انسان کیلئے پیدا کیا اور انسان کو اپنے لئے پیدا فرمایا۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اس کی اطاعت کریں اور اپنا دیدۂ دل ہمہ وقت خدا کی طرف کھلا رکھیں۔ دیدۂ دل کو ہمہ وقت خدا کی طرف متوجہ رکھنا ہی حضورِ قلب کہلاتا ہے۔ انسان کی تخلیق کی غرض وغایت بھی خداشناسی اور اس کے ساتھ ربط قائم رکھنا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور بندوں کے درمیان اس راز و نیاز کی بات کو قائم رکھا ہے کہ اگر تم میری طرف متوجہ رہو تو میں بھی تمہاری طرف متوجہ رہوں گا۔

مردِ مومن با خدا دارد نیاز با تو ما سازیم، تو با ما بساز[82]

(مردِ مومن خدا کے ساتھ یہ راز و نیاز رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم نے آپ سے موافقت کی، آپ ہم سے موافقت کریں)

حضورِ قلب کی کیفیت پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ نہایت خشوع و خضوع اور عاجزی کے ساتھ اپنی توجہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف مرکوز کر دیا جائے اور وہ کیفیت پیدا کرے جو مراقبہ میں ہوا کرتی ہے۔ اس طرح مراقب ہونے سے رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیضان کا نزول شروع ہو جاتا ہے جو انسان کی بصارتِ قلبی کو کھول دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے صفاتی جلوے نظر آنے لگتے ہیں۔ (مراقب ہونے اور رجوع الی اللہ کا طریقہ راقم الحروف کی کتاب ''اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبال'' میں بھی شامل کر دیا گیا ہے اور اس کے علاوہ کسی شیخ کامل سے رجوع کرنے سے بھی اس کی تعلیم حاصل کی جا سکتی ہے)۔

بہت کم بندوں کو معلوم ہے کہ اگر بندے کو خدا کی تلاش رہتی ہے تو خدا بھی بندے کی تلاش میں رہتا ہے۔ بندہ اگر خدا کے کام کرتا ہے تو خدا بھی بندوں کے کاموں میں لگا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انسان خدا کو تلاش کرتا ہے تو خود کو پالیتا ہے اور اگر اپنی تلاش کرتا ہے تو خدا کو پالیتا ہے۔ ''مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ'' [1] (جس نے اپنے آپ کو پہچانا پس اس نے اپنے رب کو پہچان لیا)۔

درجِ بالا حقائق کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ خدا کو انسان سے بڑھ کر کوئی چیز زیادہ مرغوب نہیں اور انسان سے بڑھ کر اور کوئی چیز خدا کی عاشق نہیں۔ خدا کو ہمارے بغیر اور ہمیں خدا کے بغیر چین نہیں آتا۔ اس لیے فرمایا کہ ''یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان ہوتا ہے''۔ گویا بندہ اور مولیٰ دونوں ایک دوسرے کیلئے بے تاب ہیں۔ حضورِ قلب کو اسی لیے رواج دیا گیا ہے کہ جب ذرا گردن کو جھکایا تو خدا کو دیکھ لیا بلکہ کائنات کی ہر شے کا دیکھنا حضورِ قلب کے ذریعے ممکن ہو جاتا ہے۔ حضرت بہاؤ الدین نقشبندؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم چالیس سال سے آئینہ داری کرتے آئے ہیں اور ہمارے آئینے نے کبھی غلطی نہیں کی۔ ان کا یہ دیکھنا اس نورِ فراست کی وجہ سے تھا جو اللہ تعالیٰ نے راسخ مومنین کے سینوں میں رکھ دیا ہے اور حضورِ قلب کی دولت سے نوازا ہے۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ اولیائے کرام جو کچھ دیکھتے ہیں اپنے اندر ہی دیکھتے ہیں۔ حضورِ قلب اپنے اندر ہی سفر کرنا کہلاتا ہے۔ جو لوگ وصلِ الٰہی چاہتے ہیں انہیں چاہیے کہ اپنے ہی نزدیک ہو جائیں۔ اولیائے کرام کی بزرگی اور دیگر کمالات حضورِ قلب سے ہی وابستہ ہیں۔ جو لوگ دیدارِ الٰہی کے جلوے لوٹتے ہیں انہی کی زندگیوں میں جمالِ الٰہی کا حسن نظر آتا ہے۔ یہ حضور کی دولت بنی آدم کو ورثہ میں بھی ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ انسانوں کی قسمت میں اپنی محبت کی آگ میں جلنا لکھ دیا ہے۔ باقی مخلوقات اس عنایت خاصہ سے محروم ہیں۔ انسان کو اللہ نے کائنات کا امام بنایا ہے۔ وہی صلوٰۃ، وہی قرآن، وہی لوح اور وہی قلم ہے۔ اس کیلئے تمام مغیبات حضور کا درجہ رکھتی ہیں بشرطیکہ وہ اپنے آپ کو پہچانے اور اپنی رضا کو

---

[1] کشف الخفاء، حدیث ۲۵۳۲، جلد ۲، صفحہ ۲۶۲۔

رضائے الٰہی کے مطابق ڈھال دے۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ جو کبوتر شوخی، گرم جوشی اور مستیٔ ذوق سے ''اللہ ھُو'' کرتے ہیں تو ان میں ایسی طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ شاہین کے سر سے بہادری کا تاج بھی چھین لیتے ہیں، لیکن مسلمان اس عظمت اور بزرگی کے مقام سے نیچے گر گیا ہے۔ مسلمانوں کو جو مقام شرف وعظمت دیا گیا تھا وہ اس سے گر کر ''اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ'' کے مقام کی طرف جا رہا ہے۔ اتباعِ شریعت، پابندیٔ صوم وصلوٰۃ تو کیا اسے اپنے آپ اور اپنے اندر موجود صلاحیتوں کا بھی علم نہیں رہا۔ چنانچہ اقوام عالم میں وہ اپنا مقام کھو چکا ہے۔

غافل ترے زمرد مسلماں نہ دیدۂ ام　　　دل درمیانِ سینہ و بیگانۂ دل است(۸۲)

(میں نے مسلمان سے غافل تر کسی کو نہیں دیکھا ہے اس کے پہلو میں دل ہے اور وہ اس سے بیگانہ ہے)

مسلمان کی نجات اور فلاح دارین صرف دین کی روش کو اپنانے اور خود کو محبتِ الٰہی کے سانچے میں ڈھالنے پر انحصار کرتی ہے۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ انسان ایک پیدائش کے ذریعے اس دنیا میں آیا ہے اور اس دنیا سے نکل کر خدا کے حضور آنا (بذریعہ حضور قلب) بھی ایک پیدائش ہے۔ انسان روحانی زندگی میں اس وقت تک قدم نہیں رکھ سکتا جب تک اس کی پیدائش دوسری بار نہ ہو۔ پہلی پیدائش شکستِ شکم مادر سے وجود میں آتی ہے اور دوسری پیدائش شکستِ رشتۂ عالم سے ہوتی ہے۔ دوسری پیدائش کے بعد انسانوں کو دونوں جہانوں کی بادشاہی دے دی جاتی ہے اور پوری کائنات ان کیلئے مسخر کر دی جاتی ہے۔ اے مرد مسلمان! تو اپنے لیے اس خس و خاشاک کی دنیا کے ملنے پر راضی نہ ہو بلکہ اپنے عزم و استقلال کے ذریعے خدا پر کمند ڈال تا کہ سب عرشی اور فرشی تجھ پر رشک کریں۔ (کمند سے مراد خدا کو اپنی طرف کھینچنا ہے)۔

کاموں کا مدار لوگوں کی عقول اور شخصیتوں پر ہے

کہنے میں آتا ہے کہ جیسی روح ویسے فرشتے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو کوئی کام کرتا ہے وہ اپنی استطاعت، ظرف اور شخصیت کے مطابق کرتا ہے حتیٰ کہ خدا کے کاموں میں بھی خدائی قوت، عظمت، کبریائی وغیرہ جھلکتی ہے۔ اس نے کائنات کو پیدا کیا تو اس کے کمالاتِ تخلیق اس میں جھلکتے ہوئے نظر آتے ہیں اور وہ خود اپنے کارنامے پر فرماتا ہے۔ ''هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ'' (الملک:۳) (کیا تمہیں میری تخلیق میں کوئی فتور نظر آتا ہے)۔ پھر خود ہی فرماتا ہے کہ تم لاکھ کوشش کرو۔ تمہیں ایک بال برابر نقص نظر نہیں آئے گا۔ اس میں اس کی کارہ گری کے ذاتی کمالات اور صفات نمایاں ہیں۔ جب اس نے انسان کو بنایا تو اس میں بھی وہ تخلیقی عجائبات ظاہر فرمائے کہ عقلیں آج تک اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ چونکہ خدا کی ذات وہ ہے جو سمجھ میں نہ آسکے تو لامحالہ اس کو اس کی جملہ صفات سے ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ موضوع بہت وسیع ہے اور علم وعقل کے میدان کی حدود سے بھی آگے تک پھیلا ہوا ہے۔ یہاں اس مضمون کو بیان کرنا بھی مطلوب نہیں بلکہ اس امر کی طرف اشارہ کرنا

مقصود ہے کہ ہر انسان جو کام کرتا ہے اپنی صلاحیتوں کے مطابق ہی کرتا ہے۔ اس فلسفہ کو علامہ اقبالؒ نے کس خوبصورتی کے ساتھ بیان فرمایا ہے ملاحظہ کریں ۔

تراشیدم صنم بر صورتِ خویش بشکلِ خود خدا را نقش بستم[۸۴]

(میں بتوں کو اپنی ہی صورت پر تراشتا ہوں اور اپنی شکل کے مطابق ہی خدا کا تصور کرتا ہوں)

مرا از خود بروں رفتن محال است بہر رنگیے کہ بستم خود پرستم

(میرا اپنی شخصیت سے باہر جانا ممکن نہیں، میں ہر صورت میں خود اپنے آپ کا پجاری ہوں)

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ''اِنَّ اللہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ'' [۱] (بیشک اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) جب انسان کی شخصیت اس کے ہر کام میں جھلکتی ہوئی نظر آتی ہے تو نماز اور دیگر عبادات کی روشنی بھی اس میں جھلکتی ہوئی دکھائی دے گی۔ اسی طرح ہر فرد اپنی یگانگت رکھتا ہے اور کیوں نہ ہو کہ اس میں ہر ایک کی اپنی فطرت کا حصہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک شخص مسجد کی طرف جاتا ہے اور وہاں نماز ادا کرتا ہے مگر اس کی نماز مچھر کے بازو کے برابر نہیں ہوتی جب کہ ایک (اور) آدمی مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھتا ہے تو اس کی نماز اُحد کے پہاڑ کے برابر ہوتی ہے، بشرطیکہ وہ اس سے زیادہ عقلمند ہو۔ آپ ﷺ نے عقلمندی کی تشریح فرمائی کہ عقلمند وہ ہے جو ان دونوں میں زیادہ حرام سے بچے اور نیک کاموں کا زیادہ آرزومند ہو خواہ عمل اور نوافل میں اس سے کم ہی کیوں نہ ہو۔[۲] آپ ﷺ نے فرمایا کہ عقل کی تقسیم لوگوں میں بہت مختلف ہے۔ نیکیاں لوگوں کی برابر ہو سکتی ہیں مگر عقل میں اتنا فرق ہوتا ہے جیسے کوہِ اُحد اور ذرہ میں فرق ہے۔

حضورِ قلب معرفتِ حق کا ذریعہ ہے

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اگر اس کائنات کو انسان کیلئے بنایا ہے تو انسان کو اپنے لیے بنایا۔ قرآن میں بھی جن اور انس کی تخلیق کا مقصد ''لِیَعْبُدُوْنَ'' (یعنی عبادت کرنا) فرمایا گیا ہے (الذٰریٰت:۵۶)۔ صوفیاء نے ''لِیَعْبُدُوْنَ'' کے معنی لِیَعْرِفُوْنَ [۳] (خدا کی معرفت حاصل کرنا اور پہچان کرنا) مراد لیے ہیں، لہٰذا خدا کی پہچان کرنا انسان کا منصبِ اولین ہے؟ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی پہچان کرنا ظاہراً ایک مشکل امر نظر آتا ہے کیونکہ اس کو آنکھوں سے دیکھنا ممکن نہیں ہے اور اس کی پہچان یہی ہے کہ وہ پہچان میں نہ آسکے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ۔

آنچہ مقصودِ تگ و تازِ خیالِ من و تست ہست در دیدہ و مانند نظر پیدا نیست[۸۵]

(جو خدا میری اور تیری تگ و تاز کا مقصود ہے وہ ہماری آنکھ میں ہی ہے اور نظر کی طرح ظاہر نہیں ہوتا)

---

[۱] صحیح ابن حبان، محمد بن حبان، متوفی ۳۵۴ھ، حدیث ۵۶۰۴، جلد ۱۲، صفحہ ۴۲۰، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت۔

[۲] کنز العمال، حدیث ۷۰۴۹، جلد ۳، صفحہ ۱۵۵۔

[۳] روح المعانی، جلد ۱۹، صفحہ ۲۱۱۔

بنا بریں، صوفیائے کرام اور حکماء نے اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کیلئے علمِ معرفت کو رواج دیا ہے اور مختلف طریقوں سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کی جاتی ہے (معرفت اور حکمت کی کچھ تفصیل راقم الحروف کی کتاب ''رابطہ شیخ'' کے علاوہ ''اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبال'' میں بھی بیان کی گئی ہے)۔ خدا کی معرفت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ حضورِ قلب ہے جس کو قدرے تفصیل کے ساتھ یہاں بیان کیا جائے گا۔

علامہ اقبالؒ نے حضورِ قلب کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اپنے کلام میں اس کی اہمیت پر کافی بحث کی ہے اور نہایت دلچسپ انداز سے مسلمانوں کو اس بے پایاں دولت کو سمیٹنے کیلئے اپنے کلام کا ایک اچھا خاصہ حصہ وقف کر دیا ہے۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پاکیزہ ضمیر، نگاہِ پاک اور آسمانوں پر پرواز کرنے والے روحانی باز وعطا فرمائے ہیں۔ اگر انسان اپنی خداداد صلاحیتوں کو بیدار کر لے اور ان سے کام لینا چاہے تو یہ انفس (نفس انسانی کا ظاہر اور باطن) اور آفاق (کائنات میں جو کچھ ظاہر و باطن ہے) کی سیر کر سکتا ہے اور ان سے بطریقِ کشف و شہود آگاہ ہو سکتا ہے۔ چونکہ یہ عالم حقیقت انسانی کا ہی تفصیلی ظہور ہے اس لیے جو آفاق میں تفصیلی طور پر موجود ہے وہ انفس میں بھی ہے مگر اجمالی طور پر موجود ہے (یعنی آفاق میں ہر چیز تفصیلی طور پر موجود ہے مگر انفس میں وہ اجمالی (یعنی مختصر) طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ (اگر کوئی شخص آفاق و انفس کی یہ وضاحت نہ سمجھ سکے تو وہ جان لے کہ جو کچھ تمام کائنات میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے اسے اللہ تعالیٰ نے اختصار کے ساتھ انسان کے اندر بھی موجود کر دیا ہے اور اگر بصیرتِ قلبی ہو تو اپنے اندر وہ سب کچھ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے جو آفاق میں موجود ہے)۔

آفاق و انفس اللہ کی نشانیوں کے محل و منظر ہیں جن سے حق تعالیٰ کا پتہ چلتا ہے۔ جس انسان نے ان نشانیوں کو دیکھنے کی صلاحیت پیدا کر لی اور اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی قوتوں کو پہچاننے لگا تو اس نے انسان ہونے کا حق ادا کر دیا اور جو اس مقام و مرتبہ تک نہ پہنچ سکا وہ انسانیت سے گر گیا اور وہ خدا کے نزدیک جانوروں سے بھی بدتر ہو گیا۔ ایسے لوگوں کو سورۂ الانفال میں بہرے، گونگے اور جانوروں سے بدتر کہا گیا ہے، کیونکہ ایسے لوگ عقل نہیں رکھتے۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ زندگی سراسر مجاہدے اور کوشش کا نام ہے اور انسان کو انسانیت کا حق صرف انسان کے گھر میں پیدا ہو جانے سے نہیں ملتا بلکہ خدا کی پہچان سے ہی انسان انسان کہلاتا ہے اور اگر یہ پہچان نہ کر سکے تو جانوروں سے بھی بدتر ہے۔

اے ترا فطرت ضمیر پاک داد　　از غمِ دیں سینۂ صد چاک داد

(اے انسان اللہ نے تجھے پاکیزہ ضمیر عطا فرمایا اور تجھے دین کے غم میں خوب چاک ہونے والا سینہ دیا ہے)

زندگی جہد است و استحقاق نیست　　جز بعلم انفس و آفاق نیست(۸۶)

(زندگی سراسر جہد ہے استحقاق نہیں ہے، یہ سوائے علم انفس و آفاق کے اور کچھ نہیں)

قارئین کیلئے یہ بات باعثِ مسرت ہو گی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک نئے طریقے سے ذکر

کرنے کا سبق اپنے زمانہ کے صحابہ کرام کو دیا تھا جسے "وقوف عددی" کا نام دیا جاتا ہے اور حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس کو مکتوباتِ ربانی (مکتوب ۲۹۰، دفتر اول، حصہ پنجم) میں بھی بیان کیا ہے۔ اس ذکر میں سانس بند کر کے ایک سانس میں ایک بار (ایک خاص طریقے سے) ذکر کیا جاتا ہے اور پھر تین بار، پانچ بار حتیٰ کہ ایک سانس میں ۱۲۱ بار ذکر کیا جاتا ہے۔ ایسا ذکر اگر ۲۱ دن تک کیا جائے تو ذاکر کے دل کی آنکھ کھل جاتی ہے اور وہ عالمِ امر کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے (اگر کسی کو ایسا ذکر کرنا درکار ہو تو شیخ کامل سے رابطہ کرے ورنہ سخت سے سخت نقصان ہونے کا احتمال پیدا ہو جاتا ہے)۔ عام ذکر اور مراقبہ سے بھی یہی بات پیدا ہو جاتی ہے مگر اس کیلئے ذرا طویل مدت تک ذکر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

حضور، یہ ہے کہ اپنے سینے کو اپنی منزل بنایا جائے

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ اہلُ اللہ جو کچھ دیکھتے ہیں اپنے اندر ہی دیکھتے ہیں۔ حضرت بہاؤالدین نقشبندؒ فرماتے ہیں کہ چالیس سال سے ہم آئینہ داری کرتے رہے ہیں اور ہمارے آئینے نے کبھی غلطی نہیں کی۔ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ اولیائے کرام جو کچھ بھی دیکھتے ہیں وہ اس نور کی باعث دیکھتے ہیں جسے نورِ فراست کہا جاتا ہے اور یہ نور اللہ کی طرف سے ایک عطا ہوتی ہے جو عموماً ان لوگوں کو ملتی ہے جو خود کو مجاہدوں سے مزیّن کرتے ہیں جس کے باعث ان پر حضورِ قلب کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے اسی بات کو یوں فرمایا ہے کہ تم اپنی ہی طرف رجوع کرو اور ہمہ وقت (جب تم کاروبارِ حیات سے فارغ رہتے ہو) اپنے سینے کو اپنی منزل بنالو۔ فرماتے ہیں کہ یہ سینہ بھی کھیتی کی طرح ہے۔ اس کھیتی کو میں نے تیار کر کے حضورِ قلب کا بیج ڈال دیا ہے اب اس کی پیداوار کو تم خود کاٹو ؎

بخود باز آ و دامانِ دلے گیر — درونِ سینۂ خود منزلے گیر[۸۷]

(تم اپنی ہی طرف رجوع کرو اور اپنے دل کا دامن تھام لو اور اپنے سینے کو ہی اپنی منزل بنالو)

بدہ ایں کشت را خونابۂ خویش — فشاندم دانہ من، تو حاصلے گیر

(اس دل کی کھیتی کو اپنے خون سے سینچ، دانہ تو میں نے (کھیتی میں) ڈال دیا ہے اب پیداوار کو تو سمیٹ)

علامہؒ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مجاہدات میں قدم رکھنا تو بڑے بڑے اولیاء کا کام ہے۔ بایزیدؒ اور جنیدؒ کی طرح مجاہدات کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ ایسے مجاہدات کی طاقت نہ تُو رکھتا ہے اور نہ میں۔ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ اگر ہم دل میں چھپے ہوئے چراغ کی حفاظت کرلیں تو اتنا کام کرنے سے ہی ہم کو نورِ فراست عطا ہو سکتا ہے اور یہ حضورِ قلب کی طرف آپ کا لطیف اشارہ ہے۔

نماز میں خشوع وخضوع ذاتی محنت ومجاہدہ پر منحصر ہے

مذکورہ حدیث میں اس بات کا ذکر ہوا ہے کہ لوگوں کے اعمال ان کی عقل اور شخصیت کے مطابق ہوتے

ہیں، چنانچہ کسی کی نماز کا اچھا یا بہت اچھا ہونا اس کی شخصیت پر منحصر ہے۔ حضرت جنیدؒ اور بایزید بُسطامیؒ کی نمازوں اور دین میں کمال حاصل کرنے کی مثال دی جاتی ہے کیونکہ ان حضرات نے ابتدائے عمر سے اخیر تک نہایت محنت، مشقت اور جانفشانی سے دین کو سیکھا اور پھر اس کے احکامات پر عمل کیا۔ ان کے مقابلے میں اگر آج کسی نوجوان کو دیکھا جائے تو دونوں کے دین میں بے تحاشا فرق نظر آئے گا۔ یہ اس لئے کہ آج کا آزاد جوان جو بھول کر بھی دین کا کوئی حرف سیکھنا پسند نہیں کرتا وہ جنیدؒ اور بایزید بسطامیؒ کی نماز کہاں اور کب سیکھنے کیلئے تیار ہوگا۔ اگر وہ نماز پڑھے تو بمشکل نماز کی صورت ہی بنائے گا۔ حقیقی نماز پڑھنے کی توفیق تو خال خال لوگوں کو ہی نصیب ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ اگر ہم نماز کو نماز کے طور پر ہی ادا کرنا چاہتے ہیں تو نماز کے آداب سیکھنے ہوں گے۔ اس سلسلے میں یہاں ضرورت سے زیادہ تفصیل دے دی گئی ہے۔ اسے پڑھیں، اس کے خلاصے کو ذہن میں رکھیں بلکہ ایک کاپی میں اس کے لطیف اشارات کو یادداشت کی صورت میں اختصار سے لکھ لیں۔ انہیں بار بار پڑھیں اور اپنائیں۔ اگر کمی رہ جائے تو اس وقت تک کوشش کو نہ چھوڑیں جب تک نماز میں وہ تمام باتیں پیدا نہ ہو جائیں جو اس کتاب میں مذکور ہیں۔ اس کے دسویں یا بیسویں حصے پر راضی نہیں ہونا چاہیے بلکہ مکمل طور پر اپنانے کی کوشش کریں، خواہ قسطوں میں ہی کیوں نہ ہو، یہ مواد جو دیا جا رہا ہے برسوں کی محنت سے اکٹھا کیا گیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس کے پڑھنے اور عمل کی طاقت بخشے۔ وَمَا التَّوْفِيْقُ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

حضرت سہیل بن عبداللہ ؒ فرماتے ہیں کہ بندہ تکمیلِ فرائض کیلئے سنتوں کا محتاج ہے (فرض میں کمی سنتوں کی ادائیگی سے پوری کی جاتی ہے) اور تکمیلِ سنت کیلئے نوافل کا اور نوافل کی تکمیل کیلئے آداب کا محتاج ہے اور ادب میں ایک چیز ترکِ دنیا ہے۔ جب تک نماز میں دنیا کے خیالات ترک نہ کرے اس کے آداب پورے نہیں ہوتے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک خالصہ (خلاصہ یا نچوڑ) ہوتا ہے اور برگزیدہ ہونے کا باعث ہوتا ہے۔ ایسے ہی نماز کا ''صفوۃ'' تکبیر اولیٰ ہے کیونکہ وہ محل نیت ہے۔ ابونصر سراجؒ نے حضرت سالم سے سنا کہ نیت اللہ کی طرف سے اور اللہ کے واسطے ہوتی ہے اور وہ آفتیں جو نماز میں نیت کے بعد آئیں اگرچہ کتنی ہی زیادہ ہوں نیت کے برابر نہیں ہوسکتیں، چنانچہ بزرگوں نے فرمایا کہ خشوع اگر بوقتِ نیت موجود ہے تو تمام نماز خشوع میں شمار ہوگی اور اگر بعد میں کچھ وسوسے آئیں تو نمازی معذور تصور کیا جائے گا۔

خشوع کا معنی ومفہوم

''لسان العرب''[1] میں خشوع کا معنی بدن کا جھکا ہوا ہونا، آواز کا پست ہونا، آنکھیں نیچی ہونا، خدا کے سامنے ہر ادا سے عاجزی، بیچارگی، افتادگی، مسکنت، ذلت، تواضع کا ظاہر ہونا ہے اور یہی نماز کا اصل مقصود ہے۔

---

[1] لسان العرب، جلد ۸، صفحہ ۷۱۔

"لسان الفقہ" میں خشوع کے معنی دب جانا، عاجزی سے جھک جانا، دل و دماغ اور سب کچھ خدا کے حضور جھکا ہوا ہونا، دل میں خدا کی ہیبت چھائی ہونا اور ماسویٰ پر گزر نہ ہونا بھی شامل ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ دل کا خشوع یہ ہے کہ آدمی کسی کی ہیبت یا عظمت سے مرعوب ہو اور جسم کا خشوع یہ ہے کہ جب اس کے سامنے جائے تو سر جھک جائے، اعضاء ڈھیلے پڑ جائیں جیسے کوئی کسی زبردست اور باجبروت ہستی کے حضور میں پیش ہو رہا ہو۔

حضور ﷺ نے ایک شخص کو نماز میں داڑھی سے کھیلتا ہوا دیکھا تو فرمایا "لَوْ خَشَعَ قَلْبُهٗ خَشَعَتْ جَوَارِحُهٗ"[1] (اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو جسم میں خشوع ہوتا)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگر کسی کو نماز میں گردن لٹکائے ہوئے دیکھتے تو اسے کوڑا مارتے اور فرماتے "تیرا بھلا ہو خشوع تو دل میں ہوتا ہے"۔ علامہؒ فرماتے ہیں۔

ناصبوری ہے زندگی دل کی   آہ وہ دل کہ ناصبور نہیں
بے حضوری ہے تری موت کا راز   زندہ ہو تو تو بے حضور نہیں (۸۸)

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ "غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ عاجزی و انکساری، خوف و خشیت الٰہی، رغبت و رشوق سے نماز ادا کرنے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ نماز کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور مناجات کیلئے پڑھنا چاہیے۔ دوران رکوع و سجود یہ جانے کہ میں اللہ کے سامنے نماز پڑھ رہا ہوں، نماز قابل قبول ہوگی یا نہ ہوگی، اس نماز کے بعد دوسری نماز تک زندہ رہوں گا یا شاید یہ زندگی کی آخری نماز ہو۔[2]

حضور ﷺ نے فرمایا جو نماز خشوع و خضوع سے پڑھی جاتی ہے آسمان کے دروازے اس کیلئے کھول دیئے جاتے ہیں، وہ نماز بہت نورانی ہوتی ہے۔ ایک جگہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ سب سے پہلے لوگوں کی نمازوں میں سے خشوع اٹھایا جائے گا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا کہ خالص یقین کے ساتھ قلب کا اس غائب کیلئے حاضر رہنا جو اس کے عیان (آنکھ ناک وغیرہ) سے غائب ہو، حضور کہلاتا ہے۔ اگر سالک کو اس طرح کی کیفیت حاصل ہو تو غائب بھی اس کیلئے حاضر کی مانند ہو جاتا ہے۔ ابوالحسن نوریؒ نے فرمایا "اِذَا تَغَيَّبْتُ بَدَا وَاِنْ بَدَا غَيَّبَنِيْ" (جب میں غائب ہوتا ہوں تب وہ ظاہر ہو جاتا ہے اور اگر وہ ظاہر ہوتا ہے تو مجھے غائب کر دیتا ہے)۔ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

بخدا خبر نه دارم چو نماز می گزارم   کے تمام شد رکوعے، کے امام شد فلانے

(جب میں نماز پڑھتا ہوں تو بخدا مجھے یہ خبر نہیں ہوتی کہ رکوع ختم ہوا یا نہیں اور یہ کہ امام کون تھا)

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ جو آپ سے غائب ہوگا وہ لامحالہ حق تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوگا جیسے مولانا رومؒ نے فرمایا کہ حضوری والے کو خود اپنا پتہ نہیں ہوتا۔ داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ ذوالنون مصریؒ کے مرید جب بایزید بسطامیؒ کی زیارت کیلئے حاضر ہوئے اور ان کے دروازے پر دستک دی تو حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کون ہو؟ کسے چاہتے ہو؟ مرید نے عرض کیا بایزیدؒ کو! آپ نے فرمایا کہ وہ کون ہے؟ کہاں

---

[1] مصنف عبدالرزاق، ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام، متوفی ۲۱۱ھ، حدیث نمبر ۳۳۰۸، جلد ۲، صفحہ ۲۶۶، المکتب الاسلامی، بیروت۔

[2] غنیۃ الطالبین، صفحہ ۵۳۳، مدینہ پبلشنگ، کراچی۔

ہے؟ مجھے مدت ہوگئی کہ میں بایزید کو ڈھونڈ رہا ہوں اس کو اب تک نہیں پایا۔ جب وہ مرید ذوالنون مصریؒ کے پاس واپس آیا اور بایزیدؒ کا حال سنایا تو آپ نے فرمایا: ''اَخِیْ ذَھَبَ فِیْ الذَّاھِبِیْنَ فِی اللہِ'' (بھائی بایزید جانے والوں کے ساتھ حق تعالیٰ کے حضور میں چلا گیا)۔ مرزا غالب نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے ؎

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی

حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں ''جو اپنے سے غائب نہیں وہ حاضر بحق نہیں ہوسکتا اور جو حق میں حاضر ہو وہ غائب اور یقیناً غائب ہے'' فرماتے ہیں کہ حضرت جنیدؒ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ایک وقت ہم پر ایسا ہوتا ہے کہ زمین اور آسمان والے میری حیرت پر روتے تھے اور پھر ایسا وقت آیا کہ مجھے ان کی غیبت پر رونا پڑا اور کبھی مجھے نہ ان کی خبر ہوتی ہے اور نہ ہی اپنی۔ یہ حضوری کی طرف عمدہ اشارہ ہے۔

علامہ اقبالؒ نے بھی اسی طرح خود کو نہ پانے کے متعلق کلام فرمایا ہے کہ ؎

ڈھونڈتا پھرتا ہوں اے اقبالؔ اپنے آپ کو آپ ہی گویا مسافر آپ ہی منزل ہوں میں (۸۹)

مجھ کو بھی تمنا ہے کہ اقبالؔ کو دیکھوں کی اس کی جدائی میں بہت اشک فشانی

میں خود بھی نہیں اپنی حقیقت کا شناسا گہرا ہے مرے بحرِ خیالات کا پانی

اقبالؔ بھی اقبالؔ سے آگاہ نہیں ہے کچھ اس میں تمسخر نہیں واللہ نہیں ہے (۹۰)

اسی اقبالؔ کی میں جستجو کرتا رہا برسوں بڑی مدت کے بعد آخر وہ شاہیں زیرِ دام آیا (۹۱)

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اپنی ذات سے غائب ہونا، حضورِ حق کی راہ ہے۔ اگر منزل پر پہنچ جائے یعنی حضور حاصل ہوجائے تو راہ درکار نہیں۔ غیب کا حامل حضور ہے اور غیبت بے حضور بیکار ہے۔ غیبت حضور کے ذریعہ ہے اور مقصود کے حضور حاصل ہونے کے بعد ذریعہ کار کی ضرورت نہیں رہتی، (خود بخود حضور ہوجاتا ہے) فرماتے ہیں ''غائب وہ نہیں جو اپنے شہر سے غائب ہو بلکہ غائب وہ ہے جو ہر آرزو سے غائب ہو۔ حاضر وہ نہیں جس کی کوئی آرزو نہ ہو۔ حاضر وہ ہے جس کے دل میں دورنگی نہ ہو اور اس کی آرزو فقط ذاتِ باری تعالیٰ ہو۔''

حضرت ہجویریؒ، ابوالحسن علی بن محمد الاصفہانیؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ حضوری یقین سے بہتر ہے کیونکہ حضور ایک مستقل کیفیت ہے اور یقین بدلنے والی چیز ہے۔ حضوری کا مقام دل ہے جو فراموش نہیں ہوسکتی۔ یقین ایک آنی جانی چیز ہے۔ جن کو حضور حاصل ہے وہ بارگاہِ الٰہی میں باریاب ہیں اور اہلِ یقین گویا آستانے پر پڑے ہیں۔ یقین کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں یقین مسلسل ہو تو حضوری حاصل ہوجاتی ہے۔

اگر درویش در حالے بہ ماندے سرِ دست از دو عالم برفشاندے

(اگر درویش ایک ہی حال میں رہے تو وہ فی الفور دونوں عالم سے بے نیاز ہوجائے)

---

۱ کشف المحجوب، صفحہ ، ناشر نشان منزل۔

حضرت علی ہجویریؒ نے ابو سلیمان بن عبدالرحمٰن درانیؒ کا واقعہ نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ ایک دن احمد بن ابی الحواریؒ نے ان سے کہا کہ ایک رات مجھے خلوت میں نماز ادا کرنے میں بے حد لذت محسوس ہوئی۔ جب اس کا ذکر ابو سلیمانؒ سے کیا تو انہوں نے کہا کہ بہت کمزور انسان ہو "خلوت میں کچھ اور ہو جلوت میں کچھ اور" کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں جو بندے اور خدا کے درمیان حائل ہو سکے۔

حضرت عثمان الہجویریؒ فرماتے ہیں کہ دلہن کا نقاب اٹھانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سب اسے دیکھ لیں اور اس کی عزت اور توقیر میں اضافہ ہو، مگر دلہن کیلئے یہ زیب نہیں کہ اس کی نظر بجز دولہا کے اور کسی کی طرف اٹھے کیونکہ رؤیتِ غیر اس کیلئے ذلت کا باعث ہے۔ اگر زاہد کی شان پر سارے عالم کی نظر ہو تو کچھ حرج نہیں لیکن وہ خود اپنی شان کو دیکھنے میں منہمک ہو جائے تو بھٹک جاتا ہے۔

خشوعِ نماز اور اقوالِ مشائخ

حضور ﷺ نے فرمایا کہ نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے سے شیطان نمازی کے خشوع کو اُچک لیتا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز میں نفاق کے خشوع سے بچو یعنی ظاہر میں خشوع اور دل میں نہ ہو۔[1]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ: نے فرمایا کہ نفاق کے خشوع سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ: فرماتے ہیں خشوع دل سے ہوتا ہے (دل سے نماز میں متوجہ ہونا) اور یہ بھی اس میں داخل ہے کہ کسی طرف توجہ نہ کرے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ: فرماتے ہیں کہ خشوع کرنے والے وہ ہیں جو اللہ سے ڈرنے والے اور نماز میں سکون سے رہنے والے ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ: نے فرمایا کہ دل کا خشوع اللہ کا خوف ہے اور نگاہ کو نیچی رکھنا۔

شاہ ولی اللہؒ: فرماتے ہیں کہ جب نماز رسمی پڑھی جائے تو رسمی (عام) برائیاں دور ہو جاتی ہیں اور اگر حضورِ دل اور نیک نیت سے پڑھی جائے تو اس نماز سے زیادہ معرفتِ الٰہی کسی اور چیز میں نہیں۔[2]

جز خضوع و بندگی و اضطرار — اندریں حضرت نہ دارد اعتبار

(خضوع و بندگی اور تڑپ کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں کوئی چیز معتبر نہیں)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنتِ عدن کو پیدا فرمایا اور اس میں ایسی چیزیں پیدا فرمائیں جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گزرا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اے جنتِ عدن کلام کر" تو اس نے تین بار

---

[1] کنز العمال، حدیث ۲۰۰۸۹، جلد ۷، صفحہ ۲۱۳۔

[2] حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، جلد ۱، صفحہ ۱۲۹، بیروت۔

کہا ''قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ '' (المومنون:۱، ۲) (تحقیق ان مومنوں نے فلاح پائی جو اپنی نمازوں میں خشوع وخضوع کرتے ہیں)۔[1]

منقول ہے کہ جب کسی چیز پر تجلیاتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے تو وہ شیٔ اللہ کے حضور خشوع وخضوع کرتی ہے۔ ''وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ '' (رعد:۱۳) (گرج اسے سراہتے ہوئے اس کی پاکی بولتی ہے اور فرشتے اس کے ڈر سے (پاکی بولتے ہیں)۔ اللہ کی تجلیات کا نزول عموماً اس وقت ہوتا ہے جب انسان اللہ کی طرف رجوع کرے یعنی رجوع سے تجلیات کا ظہور ہوگا اور تجلیات کے ظہور کے بعد خشوع اور خضوع نمودار ہوگا۔ خشوع کے ساتھ لامحالہ فلاح پائے گا اور خشوع کے بغیر فلاح بھی محال ہوگی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز میں گناہوں سے روک ہے اور گناہوں سے ہٹانا ہے اور جو نماز ایسی نہ ہو تو وہ بجائے اللہ کے قرب کے اللہ سے دوری کا باعث ہوتی ہے۔

حضرت ابوالعالیہؒ کا قول ہے کہ ''اِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ '' کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں تین چیزیں ہوتی ہیں، اخلاص، اللہ کا خوف اور اللہ کا ذکر۔ اخلاص نیک کاموں کا حکم دیتا ہے، اللہ کا خوف بُری باتوں سے روکتا ہے اور اللہ کا ذکر قرآن ہے اور یہ تینوں چیزیں بُری باتوں سے بچاتی ہیں۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ ''نماز آخرت کی چیز ہے، میں جب نماز میں داخل ہوتا ہوں تو دنیا سے نکل جاتا ہوں''۔ ایک بزرگ سے پوچھا گیا کہ کیا نماز میں آپ کو کوئی چیز یاد آتی ہے فرمایا ''کیا نماز سے بھی کوئی محبوب تر چیز ہوسکتی ہے جو یاد آئے''۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے ''آدمی کی سمجھداری یہ ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے اپنی ضروریات پوری کرلے تاکہ جب نماز شروع ہو تو اس کا دل ہر چیز سے فارغ ہو''۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ جس نماز میں تیرا قلب حاضر نہ ہو وہ ثواب کے مقابلے میں سزا کی جانب زیادہ تیزی سے لے جانے والی ہے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے مختصر سی نماز ادا کی تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے اس قدر ہلکی پھلکی نماز پڑھی؟ فرمایا کیا تم نے دیکھا کہ میں نے حدودِ نماز میں کچھ بھی کمی کی؟ کہا نہیں! فرمایا میں نے جلدی کر کے شیطانی وسواس اور سہو کو پیچھے ڈال دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ بندے کی نماز صرف اسی قدر لکھی جاتی ہے جو اس نے سمجھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس کو نماز میں (دنیا کے) غم وفکر گھیر لیں اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوا۔

حضرت ابوالعالیہؒ سے سورۃ الماعون کی اس آیت کے متعلق پوچھا گیا ''اَلَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ '' (وہ نمازی جو اپنی نماز سے غافل ہیں) فرمایا اس سے مراد وہ شخص ہے کہ جو نماز میں غفلت کے باعث بھول جائے اور وہ نہیں جانتا کہ ایک رکعت ہوئی یا دو۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''کہ نماز سے غافل

---

[1] المعجم الکبیر، حدیث نمبر ۱۱۴۳۹، جلد ۱۱، صفحہ ۱۸۴۔

وہ ہے جو نماز کے وقت سے غافل ہوا حتیٰ کہ آخری وقت نکل جائے اور فرمایا کرتے تھے" اللہ کی قسم اگر انہوں نے نماز چھوڑ دی تو یہ کافر ہوئے البتہ سہواً وقت سے رہ جائے تو اور بات ہے۔ بعض نے کہا اس سے یہ مراد ہے کہ جو شروع وقت میں یا باجماعت نماز ادا کرے تو خوش نہ ہو اور اگر وقت کے بعد پڑھے تو اسے غم نہ ہو۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ بعض کی پانچ اور بعض کی پچاس نمازوں میں سے ایک نماز مکمل ہوتی ہے۔

حضور کیلئے صوفیا کے مزید اقوال

حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں ہر فقرہ اور لفظ کا جواب ملتا ہے جب بندہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہے تو خدا فرماتا ہے لَبَّیْكَ یَا عَبْدِیْ (یعنی ہاں میرے بندے تمام تعریفیں میرے لیے ہی ہیں) فرماتے ہیں کہ پکار کا جواب تو صرف بت ہی نہیں دیتے عبادت بت پرستی نہیں جو جواب نہ ملے کیونکہ بت مردہ ہیں اور خدا حی و قیوم ہے اور جواب دیتا ہے جب بندہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہتا ہے تو جواب ملتا ہے حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ (میرے بندے نے میری تعریف کی) جب اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہتا ہے تو فرماتا ہے اَثْنٰی عَبْدِیْ (میرے بندے نے میری ثناء کی) اور جب مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کہتا ہے تو فرماتا ہے مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ (میرے بندے نے میری بندگی بیان کی) اسی طرح ہر بات کا جواب ملتا ہے۔

حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ عوارف المعارف میں حدیث نقل فرماتے ہیں کہ بندہ جب نماز میں بسم اللہ پڑھتا ہے تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعظیم کی۔ اسی طرح اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ پر کہتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف کی۔ جب بندہ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کہتا ہے تو فرماتا ہے کہ میرے بندے نے سارے کام میرے سپرد کر دیئے۔ جب اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کہتا ہے تو فرماتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان (معاملہ) ہے.........اور آمین کے بعد فرماتا ہے کہ جو کچھ اس نے طلب کیا وہ پورا ہو گا اور فرماتا ہے کہ نماز میرے اور اس کے درمیان ایک پیوند اور تعلق ہے۔[1] حضرت باہو" فرماتے ہیں کہ عارف باللہ کو ہر دم ہر ساعت "لَبَّیْكَ عَبْدِیْ" کا جواب ملتا ہے۔ حافظؒ فرماتے ہیں

حضوری گرہمی خواہی از و غائب مشو حافظ مَتٰی تَلْقَ مَنْ تَہْوٰی دَعِ الدُّنْیَا وَاَمْہِلْہَا

(اے حافظ اگر حضوری چاہتا ہے تو اس سے غائب نہ ہو، جس کی تو خواہش رکھتا ہے اس سے کیسے ملے گا دنیا کو وداع کر اور اسے چھوڑ دے)

اللہ تعالیٰ کا "لَبَّیْكَ عَبْدِیْ" کہنے کے متعلق مولانا رومؒ نے جو اشعار فرمائے ہیں وہ اس کتاب میں دعا کے باب میں "خدا کی صفتِ کلام اور بندے سے ہم کلامی" کے عنوان کے تحت پیش کر دیئے گئے ہیں۔
صوفیا نے فرمایا کہ نماز یوں ادا کرو گویا کسی کو رخصت کر رہے ہو یعنی اس نماز کے ذریعے خود کو اپنے نفس

---

[1] صحیح مسلم، حدیث نمبر ۳۸، جلد ۱، صفحہ ۲۹۶۔

سے الگ کردو، بلکہ کچھ لوگ تو ضربِ لَآ اِلٰهَ سے بھی نفس کو الگ کردیتے ہیں۔اس طرح غیر حق کو اگر رخصت کردیا تو نماز میں انہماک ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے باتیں کررہے ہوتے تھے کہ نماز کا وقت آجاتا تو یوں معلوم ہوتا گویا وہ ہم کو اور ہم ان کو پہچانتے بھی نہیں اور حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہوجاتے۔ احادیث میں ہے کہ جس نماز میں دل حاضر نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھتے بھی نہیں۔

خشوع وخضوع اصلِ نماز ہے

اگر ہم اس بات کا غور سے مطالعہ کریں کہ نماز میں کون سی چیز ہے جس کو نماز کی روح کہا جاسکتا ہے تو وہ نماز کا خشوع وخضوع اور حضور ہی ہوگا۔ ذرا سی توجہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ دینی اعمال دو قسم کے ہیں۔ ایک تو احکام اصل اور دوسرے اعمال تابع یا محافظ اصل۔ ان دونوں میں مقصود بالذات تو اصل احکام ہیں اور اعمال تابع ان کی حفاظت کیلئے ہوتے ہیں۔ اگر اعمالِ تابع بحالت عذر چھوٹ جائیں تو شریعت ان کے ترک کو منع نہیں کرتی مثلاً نماز میں قیام، رکوع وسجود، قومہ، جلسہ وغیرہ عذر کی حالت میں ساقط ہوجاتے ہیں مگر نماز کا خشوع اور خضوع اصلِ نماز ہونے کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا لہٰذا اس خشوع وخضوع کو ترک نہیں کرنا چاہیے اور اسے اہمیت دینا چاہیے اور کوشش سے برقرار رکھنا چاہیے تاکہ نماز صحیح ہو، مگر اس سے یہ اندازہ نہیں لگانا چاہیے کہ ظاہری اعمال بے مقصد ہیں بلکہ یہ بھی قلب پر اثر پیدا کرتے ہیں۔ قیام اور رکوع وغیرہ درست ہوں تو خشوع وخضوع پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح قلب متاثر ہو چکا ہو تو اس کا اظہار اعضائے بدن سے ضرور ہوگا۔ یہی بات ہے کہ نماز کی ظاہری حرکات وسکنات پر شریعت نے بہت زور دیا ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوگا کہ ظاہری وضو سے پیدا شدہ طہارت، قلب میں محسوس ہوتی ہے اور طہارت کی یہ کیفیت وضو سے پہلے نہیں پائی جاتی۔

لوگ خشوع وخضوع کیلئے کوشش نہیں کرتے

نمازیوں کی بہت بڑی تعداد تو طوطے کی طرح رٹی رٹائی نماز ادا کر کے خود کو نماز سے بری الذمہ سمجھ لیتی ہے اور بمطابق حضرت بُلھے شاہ ”لینا اک نہ دینا دو“ نماز سے کچھ حاصل نہیں کرتے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ عمر بھر الحمد شریف، التحیات اور آیاتِ قرآنی کے معنی سمجھنے کی سرے سے ہی کوشش نہیں کرتے۔ نماز کے مسائل تو درکنار ان میں سے بیشتر تو نماز ہی غلط پڑھتے ہیں اور بوڑھے ہوجانے کے باوجود دعائے قنوت اور اس کے معنی جاننے سے ایک بھاری اکثریت محروم ہے۔ ان میں سے ایک جماعت ایسی بھی ہے کہ جو خشوع وخضوع حاصل کرنا تو چاہتی ہے مگر بدقسمتی سے یہ لوگ اس کی طرف ایک قدم بھی نہیں اٹھاتے۔ دیکھا گیا ہے کہ زندگی کے ہر پہلو میں تو لوگ ترقی کے خوب دِلدادہ اور خواہاں ہوتے ہیں۔ گھر بار، لباس، کاروبار اور دیگر شعبوں میں ہر ایک ترقی کی راہ کا خواہشمند ہوتا ہے، مگر نماز کی حالت کو بہتر بنانے کیلئے شاید ہی کوئی ہوگا جو دس منٹ نماز

کے متعلق معلومات حاصل کرنے لیے صرف کرنا پسند کرتا ہو۔ اس سے آپ خود ہی اندازہ فرمائیں کہ نماز میں عروج اور ترقی کیسے ممکن ہوسکتی ہے کوئی ڈھونڈنے والا ہو تو اسی کو اس دنیا کے مقامات نصیب ہوتے ہیں۔ جوئندہ یابندہ (تلاش کرنے والا پانے والا ہوتا ہے)۔

خشوع کی چند آیات اور احادیث

عبدالعزیز بن ابوداؤدؒ نے فرمایا کہ جب اصحاب رسول ﷺ میں مزاح شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللهِ'' (الحدید:١٦) (کیا ایمان والوں کیلئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر پر عاجزی کریں)۔اس کے بعد صحابہ نے خوش طبعی ترک کردی اور خشوع اختیار کیا۔روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ شروع میں صحابہ کرام کی نظریں نماز کے دوران اِدھر اُدھر اٹھتی تھیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ''قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ'' (المومنون:١،٢) (وہ مومن فلاح پاگئے جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں)۔

مذکورہ بالا آیت کے نازل ہونے کے بعد نظریں اِدھر اُدھر اٹھنا بند ہوگئیں (اور مخصوص) جگہوں پر نظر جمانے کیلئے حکم ہوا، اسی سورۃ کی آیت ١٠، ١١ میں فرمایا گیا ہے کہ ''أُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ'' (المومنون:١٠،١١) (یہی وہ لوگ ہیں جو وارث بنیں گے فردوس بریں کے)۔

حدیث شریف میں ہے کہ فردوس جنت کا اعلیٰ اور افضل ترین حصہ ہے اس پر عرشِ الٰہی ہوگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم جنت کی دعا کرو تو جنت الفردوس مانگا کرو۔[1]

سورۃ حج آیت نمبر ٣٤ میں ''وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ'' (خوش خبری سناؤ عاجزی کرنے والوں کو) کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ یہ لوگ ہیں کہ جن کو ذکرِ الٰہی سنایا جائے تو ان کے قلوب لرز جاتے ہیں اور جب مصائب آئیں تو ان پر صبر کریں اور نماز کو قائم کریں جو ان کو رزق دیا جائے تو اس میں سے خرچ کریں اور یہی لوگ خشوع کرنے والے ہیں۔ مُخْبِتِيْن کا ترجمہ خٰشِعِيْنَ بھی کیا جاتا ہے۔[2] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب ربیع بن خثیم رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو فرماتے ''وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ'' اور فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم اگر حضرت محمد ﷺ تمہیں دیکھتے تو خوش ہوتے۔حضرت خثیم رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جب میں نماز میں داخل ہوتا ہوں تو میرا فکر صرف وہ کلمات ہوتے ہیں جو میں کہتا ہوں یا مجھے کہے جاتے ہیں۔مولانا رومؒ نے بھی اس حدیث کو یوں بیان فرمایا۔

بشنو از اخبارِ آں صدرِ الصُّدُوْر   لَا صَلٰوةَ إِلَّا بِالْقَلْبِ الْحُضُوْرِ[12]

(ان سب سے بڑے مسند نشین حضور ﷺ کی حدیث سن لو کہ نماز حضورِ قلب کے بغیر درست نہیں)

---

[1] صحیح بخاری، حدیث نمبر ٧٢٦٣، جلد ٣، صفحہ ١٠٢٨۔

[2] تفسیر الکشاف، محمود بن عمر الزمخشری، متوفی ٥٣٨، جلد ٤، صفحہ ٢٩١، بیروت۔

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ''لَا یَنْظُرُ اللّٰہُ اِلَی الصَّلٰوۃِ لَا یَحْضُرُ الرَّجُلُ فِیْھَا قَلْبَہٗ'' (اللہ تعالیٰ اس نماز کی طرف نہیں دیکھتے جس میں (انسان اپنے بدن کے ساتھ) اپنے دل کو بھی حاضر نہیں کرتا)۔

ایک جگہ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

جان کمالست و ندائے او کمال مصطفیٰ گویاں اَرِحْنَا یا بِلَال (۹۳)

(جو جان کامل ہے وہ خود بھی اور اس کی آواز بھی عین کمال ہے چنانچہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اے بلال رضی اللہ عنہ (اذاں دے کر) نماز سے ہمیں راحت پہنچاؤ)

اس میں رمز یہ ہے کہ آپ ﷺ محبوب کا نام اور وہ بھی عارف کامل (بلال رضی اللہ عنہ) کی زبانی سننا چاہتے تھے گویا یہ آواز روح کیلئے باعث صد سکون ہوتی ہے۔ روحانی غلبہ سے بلال رضی اللہ عنہ روح مجرد بن گئے تھے اور ان کی ندا ندائے روح تھی جس سے حضور ﷺ لذت گیر ہوتے تھے۔

حصولِ حضور کیلئے لطیف نکات

حضور کب حاصل ہوتا ہے؟

یہ موضوع بہت عمیق ہے اور اس میں غوطہ لگانا محض خواص کا ہی حصہ ہے، مگر چونکہ اس کتاب کا مقصد عوام الناس کو نماز کی بہتر کیفیات سے روشناس کرانا ہے چنانچہ مناسب تفصیل کے ساتھ حضوری کے حصول سے متعلق کچھ بیان یہاں شامل کیا جا رہا ہے۔ حضورِ قلب عام لوگوں کو کبھی کبھی اور خواص کو اکثر اور خاص الخاص لوگوں کو ہر وقت حاصل رہتا ہے۔ یہ ایک کیفیت ہے جسے باقی کیفیات کی طرح بیان کرنا ممکن نہیں۔ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ حضور میں مسلمان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا قرب محسوس ہوتا ہے۔ اس قرب کی تجلیات حاصل ہو جانے پر نیم سکر اور وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس میں اضطراب، جوش، ولولہ، شوق، عشق، جذبہ، محبت، امنگ اور سرُور کی ملی جلی کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ حضور والوں میں سے کسی میں خفیف اور کسی میں اچھا خاصا نشہ پیدا ہو جاتا ہے اور کبھی حضور اس قدر ترقی کر جاتا ہے کہ سالک کو مشاہدہ شروع ہو جاتا ہے اور اس کو چیزوں کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ حضور کی کیفیت کو حاصل کرنے کیلئے جو لوگ زیادہ محنت کرتے ہیں ان پر ایک ایسا مقام آ جاتا ہے کہ وہ بے خود ہو جاتے ہیں۔ کبھی وہ مشاہدہ میں ایسا کھو جاتے ہیں کہ کھانا، پینا، سونا اور نماز روزہ کا بھی احساس ختم ہو جاتا ہے اور بالآخر اپنے پہلے مقام پر آ جاتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جو بایزید بسطامیؒ کے متعلق لکھا گیا ہے جب انہوں نے ''سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمُ شَانِیْ'' کا نعرہ بلند کیا (ہم پاک ہیں اور ہماری شان بلند ہے)۔

---

۱ المغنی، ابوالفضل العراقی، متوفی ۸۰۶، حدیث ۴۰۰، جلد ۱، صفحہ ۱۰۵، مکتبہ طبریہ، الریاض۔

حضرت سلطان باہوؒ کا ارشاد ''امیر الکونین'' میں ہے کہ ''معرفت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک باطن میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دستِ بیعت نہ کر لے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مصافحہ کا شرف حاصل نہ کر لے۔ یہ مقام حضور سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ مقام اس کو حاصل ہوتا ہے جس نے اپنے نفس کو فنا کر دیا ہو ورنہ عبادات کی سرسری کیفیت رہ جاتی ہیں اور قُربِ ربانی حاصل نہیں ہوتا''۔

سلطان العارفین حضرت باہوؒ ایک اور جگہ (عقلِ بیدار میں) فرماتے ہیں ''اہلِ محبت، محبت کے آئینہ میں دیکھا کرتے ہیں۔ آئینہ محبت (کیا ہے) شرفِ حضور ہے، جس میں اہلِ حضور کو جمعیتِ حضور بامراد حاصل ہوتی ہے۔ جو دیدارِ حضور کو پہنچ گیا اسے مذہب وملت (کی فرقہ بندیوں) سے کیا سروکار'' یعنی اس کا قلبِ فانی سے تبدیل ہو کر قلبِ صافی ہو جاتا ہے اور روح ''باقی'' ہو جاتی ہے، ایسا شخص مذہب وملت (کی فرقہ بازی) سے بیزار اور مستی کا دوست دار ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا ؎

باجھ حضوری نئیں منظوری پئے پڑھن بانگ صلاتاں ھُو
روزے، نفل، نماز گزارن پئے جاگن ساریاں راتاں ھُو
باجھوں قلب حضور نہ ہووے پئے کڈھن سے زکاتاں ھُو
باجھ فنا رب حاصل نائیں، نہ تاثیر جماتاں ھُو

''توفیق ہدایت'' میں فرمایا کہ ''اگر زمین کے سارے خزانے دکھا دیں اور جن، انسان اور فرشتے تابع ہو جائیں تو یہ کام آسان ہے لیکن مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور استغراق مع اللہ دائمی طور پر حاصل کرنا سخت مشکل ہے۔

اس مضمون سے یہ واضح ہو گیا کہ حضورِ قلب کے بہت سے درجات ہیں اور ابتدائی حضوری معمولی محنت سے حاصل ہو جاتی ہے۔ عام آدمی کو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ حضورِ قلب جیسی نعمت تو سلطان باہوؒ اور بابا فرید الدین گنج شکرؒ جیسے بزرگ ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر یہ جان لینا چاہیے کہ حضور کو تو ہر کوئی حاصل کر سکتا ہے مگر عام طور پر کچھ لوگ اس کو اتنا مشکل سمجھتے ہیں کہ اس میدان میں چھلانگ لگانے سے گھبراتے ہیں اور بہت سے لوگ تو ادھر رغبت ہی نہیں رکھتے۔ اس کے حصول کیلئے سب سے اولین بات ایک رہبر کامل کی رہنمائی ہے جو سالک کی استطاعت کے مطابق اس سے شرعی حدود کے اندر کچھ معمولی سطح کی ریاضتیں کرواتا ہے۔ ان ریاضتوں میں پانچ وقت کی نماز، شریعت کی حتی الوسع پابندی، کچھ مختصر سے اوراد اور ذکر کا طریقہ شامل ہیں۔ یہی تصوف کی ابتدا ہے۔ اس طرح سالک کا قلب مجلّی ہو جاتا ہے اور دل کے آئینہ میں اسے ہر چیز نظر آنے لگتی ہے۔ علامہؒ فرماتے ہیں ؎

مجھے رازِ دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے[94]

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

صد کتاب و صد ورق در نار کن روئے دل را جانب دلدار کن[95]

(سو کتابیں اور سو اوراق آگ میں جھونک دو، اور اپنے دل کو اپنے محبوب کی طرف پھیر دو)

کسی نے خوب فرمایا ہے کہ ؎

در خرابات مغاں نور خدا می بینم وِیں عجب بیں کہ چہ نورے زکجا می بینم

(میں پیر مغاں کی ظاہری خرابات میں خدا کا نور دیکھتا ہوں یہ عجیب بات دیکھو کہ میں کیا نور کس جگہ سے دیکھتا ہوں)

سوزِ دل، اشکِ رواں، آہِ سحر، نالۂ شب ایں ہمہ از اثرِ لطفِ شما می بینم

(دل کا سوز، بہتے ہوئے آنسو آہِ سحر اور رات کا گریہ، یہ سب کچھ میں آپ کے ہی لطف کے اثر سے دیکھتا ہوں)

تصوف کے ان معاملات کیلئے جس میں نمازیں، مختلف اوراد اور ذکر بھی شامل ہیں ابتدا میں پچاس منٹ یومیہ سے زائد درکار نہیں اور آخر میں یہ مجاہدات دو تین گھنٹے یومیہ تک ہو جاتے ہیں، لہٰذا اس سے محض کم ہمت لوگ ہی گھبراتے ہیں۔ جو شخص دن میں آدھ گھنٹہ نمازوں کیلئے اور ۲۰ منٹ اوراد کیلئے نہیں وضع کر سکتا تو اسے دیندار ہونے اور حضورِ قلب حاصل کرنے کی بات ہی نہیں کرنا چاہیے اور اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ پکا دنیا دار ہے۔ نمازوں کے تارک ہونے کے باعث وہ قرآن اور فقہ کی رو سے اول درجے کا فاسق ہے" اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ "(الحشر:۱۹) ایسا بے نمازی، حضورِ قلب، خشوع وخضوع کو کیسے حاصل کر سکے گا جب کہ اس نے عمل کے میدان میں ابھی تک قدم ہی نہیں رکھا۔ یہ بات یقینی ہے کہ جو صرف ابتدائی مرحلہ کی مذکورہ محنت کو اپنا لے اگرچہ اپنے اوراد کو زیادہ بڑھا بھی نہ سکے تو بھی یہ مختصری نمازیں اور وظائف اسے کسی اچھے مقام تک لے جانے کیلئے بہت کافی ہیں، لیکن افسوس کی بات ہے کہ اتنی معمولی ہمت بھی صرف چند لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ اس موضوع پر اس سے زیادہ لکھنا اس کتاب کے احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ جن حضرات کو ضرورت ہو وہ کسی کامل پیر سے رجوع کریں۔ یاد رکھیں کہ عاشقانِ خدا نہ صرف ظاہری نماز کی ادائیگی میں محکم ہوتے ہیں بلکہ ہر دم محبوبِ حقیقی کے حضور سر بسجود رہتے ہیں اور دنیاوی آلائشوں سے بلند تر ہو جاتے ہیں اور پھر ایسا مسلمان قرآن کی اس آیت کے مصداق ہو جاتا ہے کہ "فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ "(البقرہ:۱۱۵) (تم جس طرف بھی منہ پھیرو گے وہیں ذات الٰہی کو پاؤ گے)۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ تم جہاں بھی کھڑے ہو جاؤ اپنا منہ اسی طرف کر لو، اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ، پس اسی جگہ خدا کا حضور اور قرب ہے۔

زندگانی کیلئے نارِ خودی ہی نورِ حضور ہے

ضربِ کلیم میں علامہؒ نے فرمایا ہے ؎

روح اسلام کی ہے نورِ خودی، نارِ خودی زندگانی کیلئے نارِ خودی نور و حضور

یہی ہر چیز کی تقویم، یہی اصل نمود گرچہ اس روح کو فطرت نے رکھا ہے مستور[۹۶]

ان اشعار کو سورہ الاحزاب کی اس آیت کی تشریح کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں جس میں فرمایا گیا ہے "اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا "(الاحزاب:۷۲) (بیشک ہم نے پیش کی یہ امانت

آسمانوں زمین اور پہاڑوں کے سامنے (کہ وہ ذمہ داری اٹھائیں) تو انہوں نے انکار کر دیا اس کے اٹھانے سے اور وہ ڈر گئے اس سے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے)۔ علامہ پانی پتی ؒ نے اس آیت کی تشریح میں لکھا ہے کہ امانت سے مراد احکامِ شرعیہ نہیں کیونکہ عبادت کرنے پر جب فرشتے اور دیگر مخلوقات بھی مامور ہیں تو انسان کی اس میں فضیلت کیا ہوئی۔ فرمایا صوفیائے کرام نے اس امانت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ امانت جو انسان کے سوا کسی نے قبول نہ کی وہ تھی ''نورُ العقل'' اور نارُ العشق'' کیونکہ انسان نورُ العقل کے ساتھ استدلال قائم کرتا ہے (اور ہر چیز پر عقلی دلائل پیش کرتا ہے) اور پھر اس استدلال سے خدا کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ فرماتے ہیں نار العشق انسان کے دل میں عشق کی وہ آگ ہے جو خدا اور بندے کے درمیان ہر قسم کے حجابات کو جلا کر رکھ دیتی ہے اور بندے کو اکمل اور مکمل معرفتِ الٰہی تک پہنچا دیتی ہے۔

علامہ پانی پتی ؒ لکھتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی ؒ کے ارشادات سے جو نتیجہ میں نے اخذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ امانت سے مراد وہ استعداد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ماہیتِ انسانی (یعنی انسان کی اصل یا جوہر) میں رکھی ہے اور اس کے باعث انسان تجلیاتِ ذاتِ الٰہیہ کو قبول کر لیتا ہے حالانکہ جن اور ملائکہ کو عبادت کے بعد تجلیاتِ صفاتیہ ہی ملتی ہے کیونکہ وہ تجلیاتِ ذاتیہ کے برداشت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ ہمارے خواجہ حضرت پیر علاؤ الدین صدیقی غزنوی مدظلہ العالی فرمایا کرتے ہیں کہ یہ تجلیاتِ ذاتیہ کی عطا مسلمانوں میں سے بھی امت محمدیہ ﷺ کیلئے مخصوص ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں کو اپنی نعمتوں کے یاد کرنے یاذکر کرنے کا حکم دیا ہے جیسے فرمایا۔ ''یَا بَنِیٓ اِسۡرَآئِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ'' (البقرہ: ۴۷) (اے اولادِ یعقوب یاد کرو میرا (نعمتوں کا) وہ احسان جو میں نے تم پر کیا) جب کہ امت محمدیہ ﷺ کیلئے حکم فرمایا کہ تم میرا ذکر کیا کرو۔ جیسا کہ قرآن میں وارد ہوا ہے ''فَاذۡکُرُوۡنِیۡٓ اَذۡکُرۡکُمۡ'' (البقرہ: ۱۵۲) (پس تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا)۔ گویا باقی تمام امتوں کو اپنی صفات (نعمتوں) کے ذکر کرنے کا حکم دیا جب کہ امتِ محمدیہ ﷺ کو اپنی ذات کے ذکر کرنے کا حکم دیا۔

علامہ پانی پتی ؒ کے درج بالا بیان سے معلوم ہوا کہ خدا کی معرفت عامہ تو نُورُ العقل یعنی علم اور استدلال سے ہو جاتی ہے مگر معرفتِ ذاتی نُورُ العقل کے ساتھ نار العشق کے جمع ہونے سے ہی وابستہ ہے۔ یہی وہ آگ ہے جو حجابات کو اٹھا دیتی ہے اور بندے کو آقا کے سامنے بے حجاب کر کے واصل باللہ بنا دیتی ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ انسان کو یہ آگ ذکر و اذکار، شریعت کے مطابق ریاضتِ شاقہ اور انجذابِ قلبی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیائے کرام فرائض کی ادائیگی کے بعد نفلی عبادات میں کثرت کرتے ہیں اور اپنے اندر وہ استطاعت پا لیتے ہیں جس کا تذکرہ اولیائے کرام کے کمالات اور تصرفات کے زُمرہ میں کیا جاتا ہے۔ اگر یہ آگ نہ ہوتی تو اولیائے کرام ان تمام کمالات (یعنی خلافت و نیابت) سے محروم رہتے جو بنی آدم کا خاصہ بن چکے ہیں۔ اب اگر آپ علامہؒ کے درجِ ذیل شعر کو پڑھیں تو مطلب واضح ہو جائے گا۔

روح اسلام کی ہے نورِ خودی، نارِ خودی زندگانی کیلئے نارِ خودی نور و حضور(۹۷)

مسلمان کیلئے سب سے بڑی خوبی اس کا نورِ خودی اور نارِ خودی سے موصوف ہونا ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اور مسلمان کی بزرگی کے کمال کا جلد حاصل ہونا نارِ خودی کی وجہ سے ہے کیونکہ اس سے اس کو نور اور حضور میسر ہوتا ہے۔ جب تک یہ نارِ خودی (یا نارُ العشق) نہ ہو تو حق تعالیٰ کی حضوری ناممکن ہے۔ دوسرے مصرے میں علامہ ؒ فرماتے ہیں کہ انہی دونوں قسم کے انوار کے دم سے دنیا قائم ہوئی تھی اور اب بھی قائم ہے اور اسی وجہ سے ہر چیز ظہور میں آئی اور اس روح جہاں کو (یعنی نورُ العقل اور نارُ العشق) انسانوں کے سینوں میں مستور رکھا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا کچھ حصہ دنیا کی باقی اشیاء کو بھی عطا کیا گیا ہو جیسے کہ حیات کی صفت انسان کو دی مگر باقی مخلوقات کو بھی حیات کی صفت سے متصف فرمایا۔

حضورِ قلب سے خودی کی تقویت

خودی کیا ہے؟ یہ بحث ہماری تصنیف ''عقل و عشق اور فلسفہ خودی'' میں تفصیل سے کی گئی ہے۔ اس جگہ صرف اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ مسلمانوں کا زوال افلاطونی اور ویدانتی افکار کے باعث تھا کیونکہ وہ خودی کی نفی اور خود فراموشی کی تعلیم دیتے تھے۔ اس نظریے کو ماننے والے لوگ دشواریوں سے گریز کرتے ہوئے سکونِ قلب کے طلب گار رہتے تھے لہٰذا ان کی تہذیب جامد (منجمد، ساکن) اور غیر متحرک ہو کر غیر تخلیقی ہو جاتی تھی، لیکن اس کے برعکس اسلام کے مطابق خودی کے سبب انسان میں عملِ تخلیق جاری رہتا ہے۔ اسلام نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ خدا سب سے بڑا ہے اور مسلمان خدا کی اس تخلیقی صفت کو اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب خودی کی نفی کی بجائے خودی کا اثبات ہو تا کہ انسان بھی تخلیق کی خوبی حاصل کر لینے کے باعث عدیم المثال بن سکے۔ انسان کی زندگی کی اعلیٰ ترین شکل انفرادی خودی ہے۔ جس میں انسان خود ایک مکمل اور سالم مرکز بن جاتا ہے۔ خودی ایک لازوال حقیقت ہے جو کائنات کے ہر ذرے میں نمایاں ہے مگر اس کا انتہائی کمال انسان میں ظاہر ہوتا ہے۔ انسانی زندگی کو یہ خودی کا جذبہ حرکت میں لاتا ہے اور تخلیق کی صفت کے سبب زندگی کو بقاء کی صورت عطا کرتا ہے۔

خودی کی بدولت انسان خدا کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ وہ خود خدا کے اندر جذب نہیں ہوتا۔ حیاتِ انسانی ایک انجذابی حرکت ہے جس میں خدا کی صفات بلکہ خدا کی راہ پر چلنے کی تمام رکاوٹیں بھی جذب ہو جاتی ہیں۔ اسرارِ خودی جب منکشف ہو جائیں تو پانی کا قطرہ گوہر تابدار بن جاتا ہے اور سبزہ زمین کے سینے کو چاک کر کے باہر آ جاتا ہے۔

علامہ ؒ فرماتے ہیں کہ خودی ایک نور ہے جو ہمارے جسم خاکی میں ودیعت کیا گیا ہے جو عشق کو اپنانے کے بعد تابناکی حاصل کر لیتا ہے۔ عشق کی وجہ سے خودی میں سوز پیدا ہوتا ہے جس میں وہ کائنات کو منور کر سکتی ہے اور مٹھی بھر خاک کو کیمیا بنا سکتی ہے۔ عشق میں عاشق اپنے محبوب (اللہ تعالیٰ) کی عادات کی تقلید کرتا ہے اور اپنے محبوب کی خصوصیات کو اپنے اندر جذب کر کے اس کے قریب تر ہو جاتا ہے (یعنی قربِ خدا حاصل ہو جاتا

ہے)۔حضرت بایزید بسطامیؒ کو (اور دیگر اولیائے کرام کو بھی) حضور ﷺ سے والہانہ عشق تھا اور اس کامل عشق کی بدولت ان کو مقامات بلند تک رسائی حاصل ہوئی۔ مسجود ملائک انسان وہ انسان تھا جس کی خودی عشق کی بدولت طاقتور ہوگئی تھی اور پھر وہ خدا کی زمین پر حکومت کرنے کا اہل بنا۔ جاوید نامہ میں علامہؒ نے حلاج اور زندہ رود کے درمیان گفتگو کو قلم بند کیا ہے اور حلاج کے قول میں سراپا ذوق وشوق پائے جانے کو اس طرح بیان کیا ہے

با مقامے در نمی سازیم و بس   ما سراپا ذوق پروازیم و بس[۹۸]

(ہم کسی ایک مقام کے ساتھ موافقت نہیں کر سکتے، ہم سراپا ذوقِ پرواز ہیں اور بس)

ہر زماں دیدن، تپیدن، کار ماست   بے پر و بالے پریدن کار ماست[۹۹]

(اور ہر لحہ دیکھنا اور تڑپتے رہنا ہمارا کام ہے بغیر پر و بال کے اڑنا ہمارا کام ہے)

علامہ اقبالؒ نے اس بات پر مختلف مقامات پر تاکید کے ساتھ کلام درج کیا ہے کہ اگر دل میں آہ وزاری، ذوق وشوق اور اپنے مقصود حاصل کرنے کی پر اضطراب لگن پیدا نہ کی جائے تو مقصود کا حاصل ہونا بہت دور کی بات ہوگی۔ جو لوگ اللہ کے حضور میں خود کو آتشِ عشق سے پگھلا دیتے ہیں وہی ذات باری تعالیٰ کا سراغ لگا سکتے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ عاشق کا عشق اپنے مطلوب (اللہ) کے سوا ہر چیز کو جلا دیتا ہے۔

زمن با شاعر رنگیں بیاں گوئے   چہ سود از سوز اگر چوں لالہ سوزی[۱۰۰]

(شاعر رنگین بیان کو میری طرف سے کہو کہ، تو اگر گل لالہ کی طرح جلا تو کیا جلا)

نہ خود را می گدازی ز آتش خویش   نہ شامِ درد مندے برفروزی

(نہ تو اپنی آگ میں خود کو پگھلاتا ہے، اور نہ کسی دردمند کی شام کو روشن کیا)

کسی دردمند کی شام کو روشن نہ کرنے سے یہ مراد ہے کہ تم نے محروم ہدایت کو ہدایت کی دولت سے مالا مال نہیں کیا۔ بزرگوں نے ہمیشہ ہدایت کی شمع کو تا حدِ استطاعت دور دور تک روشن کیا۔ حضورِ قلب میں اللہ کی طرف توجہ کی جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ بھی انسان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور خدائی انعامات عطا فرماتا ہے۔ ان انعامات یعنی فیضانِ الٰہی کا (انوار کی شکل میں) ورود ہونا شروع ہو جاتا ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کی تمام صفات (کلام، سمع، بصر، نور، علم، حلم، قہر وغضب وغیرہ) کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے جس سے اس کی شخصیت میں ایک بے مثل کمال و جمال پیدا ہو جاتا ہے اور اسرارِ الٰہی کا ایک سمندر اس پر کھلنے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہؒ فرماتے ہیں کہ انسانی خودی میں اللہ تعالیٰ کا ادراک حاصل ہوتا ہے اور انسان کی یہ خودی درستیٔ انعال کیلئے ایک بہت بڑی محرک ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ خود کو سمجھنے کے بغیر خدا کو سمجھنے کی کوشش بے معنی اور فضول ہے۔ فرماتے ہیں کہ خدا کو بے نقاب کرنے کیلئے خودی کا استحکام ضروری ہے۔

بیا اقبال جامے از خمستانِ خودی درکش   تو از میخانۂ مغرب زخود بیگانہ می آئی[۱۰۱]

(اقبال آ اور خودی کے میخانے سے ایک جام پی تو میخانہ مغرب سے شرابِ خودی سے بیگانہ (محروم رہ کر) آیا ہے)

علامہؒ فرماتے ہیں کہ انسان کا سینہ خودی کا نشیمن بنایا گیا ہے اور یہ شرف صرف انسان کو ہی نصیب ہوا ہے۔ مسلمان کو اس امانت سے جو اس کے سینے کو دی گئی ہے غافل نہیں رہنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نورِ خودی کا امین بنایا ہے اور یہ دولت حضورِ قلب کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔

نماز میں جھولنا اور جھکنا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی والدہ حضرت اُمِّ رُومان رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے نماز میں ادھر ادھر جھکتے ہوئے دیکھا تو بہت جھڑکا۔ قریب تھا کہ میری نماز ٹوٹ جاتی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب تم میں سے کوئی نماز میں کھڑا ہو تو چاہیے کہ اس کے ہاتھ پاؤں یہودیوں کی طرح خم نہ ہوں۔ یہودی ظاہری کاموں کو زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ منافقانہ طرز سے خشوع نہ کرو۔[1] فرمایا خشوع کا نفاق جسم کا جھکنا اور جھومنا ہے جس میں حضورِ قلب نہ ہو۔ کبھی روح بھی بارگاہِ الٰہی کے نظارے کیلئے بلند ہونے کا ارادہ کرتی ہے۔ اس وقت روح کا قلب کے ساتھ گہرا تعلق ہونے کی وجہ سے روح کے ساتھ جسم بھی جنبش میں آجاتا ہے۔ یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باطنی رمز پہچانے بغیر جھومنے لگے اور اس طرح بنی اسرائیل کے دل سے خدا کی عظمت نکل گئی۔

نماز میں کیفیتِ وجد

حضرت مجدد الف ثانیؒ مکتوبات (صفحہ ۷۵۷ ترجمہ مولانا سعید احمد) میں فرماتے ہیں کہ سماع اور وجد اس جماعت کیلئے نفع مند ہیں جن کے اوقات کے مطابق احوال بدلتے رہتے ہیں جو کبھی تو حاضر ہوتے ہیں اور کبھی غائب ہوتے ہیں جو کبھی اپنے مقصود کو پالیتے ہیں اور کبھی گم کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ اربابِ قلوب میں سے ہوتے ہیں جو تجلیاتِ صفاتیہ کے مقام میں ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف اور ایک اسم سے دوسرے اسم کی طرف منتقل ہوتے اور بدلتے رہتے ہیں۔ دائمی حال کا نصیب ہونا ان کیلئے محال ہے۔ کبھی حالتِ قبض میں ہوتے ہیں اور کسی وقت بسط میں۔ یہ لوگ ابن الوقت ہیں اور حال کے مغلوب ہیں۔ ان کو کبھی تو عروج نصیب ہوتا ہے کبھی نزول (نیچے اتر آنا)۔ یہ صاحبِ تکوین ہوتے ہیں جن کی حالتیں بدلتی رہتی ہیں۔

گہے گریاں، گہے خنداں، گہے حیراں، گہے نالاں   بجز ایں شغل یک لحظہ نہ بودے روزگارِ من

(کبھی گریہ کبھی ہنسنا کبھی حیران ہونا اور کبھی رونے کے شغل کے علاوہ ہمارا ایک لمحہ بھر کیلئے اور کوئی کام نہیں ہوتا)

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے برعکس کچھ لوگ تجلیاتِ ذاتیہ والے ہیں جو مقامِ قلب سے مکمل طور پر باہر آچکے ہیں اور مقلب القلوب (اللہ تعالیٰ) سے پیوستہ ہو چکے ہیں۔ احوال کی غلامی سے نکل کر احوال میں تبدیلی پیدا کرنے والے (رب) کے ساتھ آزادی حاصل کر چکے ہیں۔ سماع اور وجد کے محتاج

---

[1] کنز العمال، حدیث ۲۰۰۸۹، جلد ۷، صفحہ ۲۱۳۔

نہیں کیونکہ ان کا وقت اور حال دائمی ہے، بلکہ ان کیلئے کچھ وقت اور حال نہیں اور یہ لوگ ابوالوقت اور اصحاب تمکین ہوتے ہیں (مقام استقرار میں یعنی ایک حالت پر رہتے ہیں) مغلوب الحال نہیں اور یہی وہ واصل ہیں جو رجوع سے قطعاً محفوظ ہیں (غیر مرجوع منتہی) ان کا مقصود ان سے گم نہیں ہوتا اور جب عدم اور یافت ان کیلئے متصور نہیں تو یافت اور وجد بھی ان کیلئے نہیں ہیں۔

مردماں در من و بیہوشی من حیرانند   من در آنکس کہ ترابیند و حیراں نشود

(لوگ مجھ پر اور میری بے ہوشی پر حیران ہیں، لیکن میں وہ ہوں کہ تجھے دیکھتا ہوں اور حیران نہیں ہوتا)

ایک حدیث میں حضور ﷺ کا فرمان ہے "لِیْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ"[1] (میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہوتا ہے جس میں کسی مقرب فرشتے اور نبی مرسل کی گنجائش نہیں ہوتی)۔ کچھ لوگوں نے اس سے ثابت کیا کہ وقت دائمی نہیں ہوتا مگر کچھ مشائخ اس حدیث سے مطلب یہ لیتے ہیں کہ "لِیْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ مُّسْتَمِرَّةٌ" (مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمیشہ ایسا وقت نصیب رہتا ہے)۔

اس سے یہ بھی مُراد ہوسکتی ہے کہ وہ وقت تو آپ کا مستمر تھا مگر کسی وقت کوئی خاص کیفیت میسر آتی ہو اور اس وقت سے وہ نادر وقت مراد ہو۔ ان دونوں صورتوں میں کوئی اشکال (شک و شبہ یا اعتراض) نہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی ؒ فرماتے ہیں کہ اس کیفیت کا حصول غالباً ادائے نماز کے وقت ہوتا تھا اور بیرون نماز بھی کسی وقت اس کیفیت کا حصول ہوتا ہو تو وہ بھی نماز کے نتائج اور ثمرات سے ہوگا۔ اسی لیے سرکار ﷺ نے فرمایا "قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ" نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔[2] درج ذیل حدیث کا مطلب بھی یہی ہے۔ "اَقْرَبُ مَا یَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوةِ"[3] (بندہ کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب نماز میں حاصل ہوتا ہے)۔

حضرت مجدد ؒ فرماتے ہیں کہ کامل ولی جن کے نفوس، ولایت میں وصول کے بعد مقام بندگی میں اُتر آئے ہیں، اُن کی ارواح نفس کی مزاحمت کے بغیر خدا کی طرف متوجہ رہتی ہے۔ ان کا نفس مطمئنہ ہر وقت مقام بندگی میں راسخ ہو چکا ہوتا ہے اور ان کی روح کو مدد پہنچتی رہتی ہے، اس کی وجہ سے انہیں اللہ تعالیٰ سے خاص مناسبت پیدا ہو جاتی ہے، لہٰذا ان کو عبادت میں آرام ملتا ہے اور اطاعت میں تسکین ملتی ہے۔ ان کی طبیعت میں عروج کی طرف رغبت کم ہوتی ہے اور باطن میں بلندی کی طرف چڑھنے کا شوق کم ہوتا ہے۔ اُن کی پیشانی متابعتِ شریعت سے روشن ہوتی ہے اور وہ دور سے ہی چیز کو دیکھ لیتے ہیں کیونکہ وہ مقام بندگی میں نورِ اصل سے منور ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اس مقام کی وجہ سے عظیم شان رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کو سماع اور وجد کی کوئی حاجت نہیں ہوتی اور اہلِ سماع اور اہلِ وجدان کی عظمت سے ناواقف ہوتے ہیں اور خود کو عاشقوں میں شمار

---

[1] کشف الخفاء، حدیث نمبر ۲۱۵۹، جلد ۲، صفحہ ۲۲۶۔

[2] سنن نسائی، احمد بن شعیب النسائی، متوفی ۳۰۳ھ، حدیث ۸۸۸۸ جلد ۷، صفحہ ۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

[3] مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث ۳۴۸۷، جلد ۷، صفحہ ۱۴۸۔

کرتے ہیں (حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے)۔ حضرت مجدؒ نے فرمایا کہ ان مبتدیوں کیلئے جو ارباب قلوب نہیں ہیں ان کیلئے سماع اور وجد مضر ہے اور عروج کے منافی ہے (یاد رہے) کہ منتہی وہ ہے جو فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو۔ ایسے لوگ واصلِ کامل ہوتے ہیں۔ سماع صرف متوسط اور منتہی حضرات کے ایک طبقہ کیلئے فائدہ مند ہے۔ وہ بھی اگر سماع شرائط کے مطابق ہو۔

''لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ'' سے مراد حضورِ حق ہے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے ''لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ'' (میرا اللہ کے ساتھ ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ جس میں کسی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل کی گنجائش نہیں ہوتی)[1] آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حال اس وقت ہوتا تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذوق، قُربِ الٰہی کیلئے بے تاب کرتا۔ یہی کیفیت اصل مقام عبدیت ہے جو قُرب و وصال کا افضل ترین مقام ہے۔ اس لیے اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ (خدا نے اپنے بندے کو سیر کرائی) فرمایا۔ اس مقام میں عبادت و استعانت کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اولیائے کرام نے اگر مقامِ قُرب حاصل کیا تو وہ بھی اسی عبادت کی مدد سے حاصل کر سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی قُربِ معراج سخت ریاضتوں کے بعد حاصل ہوا۔ اتنی عبادات اور تکالیفِ شرعیہ برداشت کرنے کے بعد مسلمان کو بھی وہی قربِ الٰہی حاصل ہو سکتا ہے جس کا تذکرہ ''اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ''[2] کی حدیث میں ہے اور یہ انتہائے حضور کی طرف اشارہ ہے۔ مشاہداتِ شاقہ کے بعد یہ حضور نصیب ہوتا ہے۔ مولانا رومؒ نے مثنوی کے مندرجہ ذیل اشعار میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ دولت مُرشدِ کامل کے بغیر ممکن نہیں ؎

باہمہ قربے کہ وارد با خدا   از ریاضت نیست یکدم او جدا

(ان سب کے حق میں جنہوں نے قُربِ خدا حاصل کیا یہ بات صادق آتی ہے کہ وہ ایک لحہ بھر بھی عبادت و ریاضت سے الگ نہ تھے)

زانکہ ہر کو مقتدائے راہ شد   وز بد و نیکِ جہاں، آگاہ شد

(یہ اس لیے کہ جو بھی مقتداءِ راہ (مرشد) بنا وہ اس دنیا کے نیک و بد سے آگاہ ہوتا ہے)

گر نہ باشد درعمل ثابت قدم   چو رہاند خلق را از دستِ غم

(اگر وہ عمل میں ثابت قدم نہ ہوتے تو وہ مخلوق کو مصائب کے پنجے سے کیسے چھڑا سکتے تھے؟)

---

[1] کشف الخفاء، حدیث نمبر ۲۱۵۹، جلد ۲، صفحہ ۲۲۶۔

[2] مرقاۃ المفاتیح، جلد ۲، صفحہ ۵۷۹۔

باب نمبر ۷

خشوع وخضوع کے معاون ومنافی عناصر

خشوع وخضوع کے معاون عناصر

شہاب الدین سہروردی ؒ فرماتے ہیں کہ نمازی کو چاہیے کہ سنتوں اور نفلوں کے رکوع وسجود میں حتی الامکان دیر کرے تاکہ ان کے بدن پر ہیبتِ الٰہی طاری ہو جائے اور لذتِ رکوع وسجود اس کو حاصل ہو جائے پھر اس کے قالب سے قلب پر ہیبت برقرار رہے گی۔ فرماتے ہیں عجلتِ رکوع وسجود سے فتوح غیبی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔[1]

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ جب میں نماز پڑھتا ہوں تو اپنی قرأت کے سوا اور کسی چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ شیخ عامر بن عبداللہؒ سے پوچھا گیا کہ آپ کو نماز میں دنیاوی باتوں کا خیال آتا ہے تو فرمایا کہ تیروں کی نوک سے مجھے چھیدا جانا زیادہ گوارا ہے بمقابل اس کے کہ مجھے نماز میں ان چیزوں کا دھیان ہو جن کا تم کو نماز میں دھیان آتا ہے۔ بعض حضرات اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو انابت کے درجے کو پہنچتے ہیں۔ درج ذیل آیت میں رجوع کا ذکر تقویٰ اور اقامتِ الصلوٰۃ سے پہلے کیا گیا ہے۔ ''مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ'' (الروم:۳۱) ((مسلمانو! تم اپنا رخ اللہ کی طرف کرلو) اللہ کی طرف رجوع کرو اور اس سے ڈرو اور نماز قائم کرو)۔

انہماک والے نمازیوں کے دلوں کی فضا میں اللہ کے خوف کی وجہ سے قرآن کے کلمات گونجتے رہتے ہیں اور ان کے علاوہ ان کو کوئی اور آواز سنائی نہیں دیتی۔ ان کلمات کے ظاہری معنی ان کے نفسوں کی غذا ہیں اور ان کا تعلق عالمِ شہادت سے ہوتا ہے، جو نفس کے قریب ہے اور نفسِ مطمئنہ ان معنوں کو حاصل کر لیتا ہے۔ قرآن کے باطنی معنی کا انکشاف عالمِ ملکوت کی طرف سے ہوتا ہے اور وہ معنی نفس کی بجائے دل کی غذا ہے جن کی وجہ سے رُوح عظمتِ الٰہی کا مشاہدہ کرتی ہے۔ روح کا مطالعہ عالمِ جبروت کے ذریعے شوق اور محبت کے گردرہ کر کامل استغراق کے بعد نصیب ہوتا ہے۔ ایسا استغراق کہ نماز پڑھتے ہوئے خواہ کچھ بھی ہو جائے اسے علم نہیں ہوتا (خواہ بارش ہو یا عمارت گر جائے یا سانپ اوپر سے گزر جائے اسے کچھ خوف نہیں ہوتا)۔

رکوع تواضع اور عجز سے کرے، قومہ میں سیدھا کھڑا ہونا ضروری ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس نمازی کی طرف نہیں دیکھتا جو رکوع اور سجود کے درمیان اپنی پیٹھ سیدھی نہ کرے۔[2]

سجدہ کرنے والے کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ میں کس لیے اور کیوں سجدہ کر رہا ہوں۔ بعض سجدہ کرنے والوں

---

[1] عوارف المعارف، جلد ا، صفحہ ۴۵۷۔

[2] مسند ابی یعلی، ابو یعلی موصلی، متوفی ۳۰۷ھ، حدیث ۳۶۲۴، جلد ۶، صفحہ ۳۰۸، دار المأمون، دمشق۔

کو یہ کشف ہوتا ہے کہ میں سجدے میں زمین کی آخری حدوں تک پہنچ رہا ہوں۔ کچھ لوگ سجدے میں کون و مکاں کی بساط کو طے کرتے ہوئے محسوس کرتے ہیں۔ اس وقت اس کے سامنے کائنات کے نقوش مٹ جاتے ہیں۔ کبھی کسی کی روح فضل و کرم کی بناء پر بلندیوں تک پہنچ جاتی ہے۔ کچھ ایسے ہیں جن کو انانیت (شعور)، حضور، غیبت، فرار و قرار، اسرار و اظہار کے تمام مراتب حاصل ہوتے ہیں اور وہ دریائے شہود میں شناوری کرتے ہیں۔[1]

دنیا تو ایسی بنائی گئی ہے کہ لوگوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے مگر نمازی اپنے دل کو کسی معمولی یا اہم چیز کی طرف مشغول نہ کرے اور کسی چیز سے دل بستہ نہ ہو۔ دانشمندوں نے دنیا کو چھوڑ کر نماز کو اختیار کیا ہے تاکہ مقام قرب کی طرف راغب ہو سکیں۔ اس لیے شریعت نے نمازی کو پہلے قضائے حاجت، کھانا پینا، خانگی امور، غم و غصہ سے فراغت حاصل کرنے کو کہا ہے، غرضیکہ ظاہری اور باطنی انتشار کی حالت میں نماز نہ پڑھے اور مکمل ہیئتِ نماز اختیار کرنے کے بغیر داخلِ نماز نہ ہو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ تمام اعضاء پُرسکون ہوں اور اِدھر اُدھر نہ دیکھے اور یہ تصور کرے کہ میں احکم الحاکمین کے حضور کھڑا ہوں۔ بدن کو کھجانے سے بھی پرہیز کرے گو نماز میں صرف تین سے کم پے در پے حرکات کی اجازت دی گئی ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ وہ شخص نماز کی چوری کرتا ہے جو رکوع اور سجود کو مکمل نہیں کرتا اور قرأت پوری نہیں کرتا اس کی نماز میں خشوع نہیں ہوتا۔[2]

شیخ سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں تلاوت اس طرح کرے گویا قرآن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سن رہا ہے۔ جب قرآن پڑھے تو اس کے معنی کا انکشاف اسی وقت ہوتا ہے جب رجوع الی اللہ اور حضورِ قلب ہو۔ جب تک حضور نہ ہو علم کچھ مدد نہ دے گا۔ علامہؒ نے فرمایا ؎

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب گرہ کشا ہے نہ رازی، نہ صاحب کشاف

ابو عمرو بن علاؒ ایک بار نماز پڑھانے کیلئے کھڑے ہوئے تو تکبیر کہتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ ہوش آیا تو فرمایا کہ جب میں نے نمازیوں سے کہا کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ تو ہاتف کی آواز آئی "کیا تم بھی اللہ کے ساتھ سیدھے کھڑے ہو؟"۔ شیخ خواصؒ فرماتے ہیں کہ مخلوق نے دو باتوں کی خاطر اللہ سے تعلق قطع کر لیا ہے۔ ایک یہ کہ نفل ادا کرتے ہیں اور فرائض کو ترک کر دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کا عمل ظاہری ہوتا ہے اور ان کے اندر خلوص اور سچائی پیدا نہیں ہوتی حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ خلوص کے بغیر عمل قبول نہیں کرتا۔

علماء نے فرمایا ہے کہ نماز میں آنکھوں کا کھلا رہنا بند رہنے سے بہتر ہے سوائے اس کے کہ نمازی اپنی آنکھوں کو اِدھر اُدھر پھیرنے سے روکنا چاہے چنانچہ نفی کرنے یا خیالات کو ہٹانے کیلئے کچھ دیر آنکھیں بند کر دے تو حرج نہیں۔ جمائی کو نماز میں روکے اور ٹھوڑی کو سینے سے نہ ملائے۔ تکبیرِ تحریمہ جب کہی جائے تو سوائے نماز کے باقی تمام کام اور خیالات حرام ہو جانے چاہئیں اور نماز سے حلال ہونا (باہر آنا) سلام کے بعد ہوگا۔

---

[1] عوارف المعارف، جلد ا، صفحہ ۴۶۶۔

[2] عوارف المعارف، جلد ا، صفحہ ۴۷۴۔

قرآن نے خشوع کا طریقہ بیان کیا ہے

خشوع قائم کرنے کا آسان طریقہ جو قرآن میں غور کرنے سے ملتا ہے وہ اس آیت میں موجود ہے "فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَاذْكُرُوا اللهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلَى جُنُوبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ" (النساء:۱۰۳) (پس جب تم ادا کر چکو نماز تو ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے) پھر جب مطمئن ہو جاؤ (شیطان دشمن سے) تو ادا کرو نماز)۔

اس آیت میں نماز سے پہلے اور نماز کے بعد ذکر کا حکم دیا گیا ہے۔ جو اس پر عمل کرتے ہیں وہ خود کو خدا کے حضور پاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر خوف یا دنیا کے الجھاؤ میں پھنس کر تم نماز کو طمانیت قلبی سے پڑھنے کے قابل نہیں ہو تو جس حالت میں بھی ہو ذکر میں مصروف ہو جاؤ اور پھر جب وہ خوف یا الجھاؤ دور ہو جائے تو نماز کو اصلی ہیئت کے مطابق ادا کرو۔ یہ نسخہ آزمودہ ہے۔ ایک نماز سے دوسری نماز کے درمیان اگر اکثر ذکر الٰہی ہوتا رہے تو قلبی کیفیت بہت بہتر ہو جاتی ہے۔ اگر زیادہ نہیں تو اتنا ہی خیال رکھیں کہ نماز سے پہلے نماز کی جگہ پر دو یا ایک منٹ بیٹھ کر نفی اثبات یا اسمِ ذات کا ذکر یا مراقبہ شروع کریں تو انشاء اللہ ایک یا دو منٹ میں ہی کیفیت رونما ہو جائے گی۔ اگر پانچ یا دس منٹ اس طرح ذکر جاری رکھیں تو کیفیت کا یہ حال ہوگا کہ رقت کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ (یہ طریقہ اگر کسی شیخ کامل سے سیکھا جائے تو اثرات بہت بہتر رونما ہوتے ہیں) جب یہ کیفیت میسر آئے تو پھر اس کی پرورش اور حفاظت کرنا ضروری ہے ورنہ چند دنوں میں یہ کیف ختم ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت کو بڑھاتے بڑھاتے اپنی ہمت کے مطابق جس بلندی پر چاہیں لے جا سکتے ہیں۔ یہی ایک راز ہے جس سے نماز درست ہو سکتی ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ سالک عرش پر نماز ادا کرتا ہے۔

آیتِ توجہ کی برکات

بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ آیت توجہ سے کیا برکات ملتی ہیں جب نماز کی ابتداء کرے تو قبلہ رو ہو کر باطن میں بارگاہ الٰہی کی طرف توجہ کرے اور سورۃ الناس پڑھے اور دل میں آیت توجہ پڑھے۔ آیت توجہ یہ ہے "إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ" (بے شک میں نے پھیر لیا ہے اپنا رخ اس ذات کی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمان اور زمین کو، یکسو ہو کر اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے) (الانعام:۷۹)۔ اس آیت کی طرف توجہ سے دل میں کشادگی پیدا ہوتی ہے اور قبلہ رُو ہونے کے بعد اللہ سے مدد ملتی ہے۔ پھر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو قبلہ رو کر کے کندھوں تک اٹھائے اور دونوں انگلیاں حالت اعتدال میں رکھے۔ نہ زیادہ کھولے اور نہ بالکل بند رکھے۔ پھر "اَللّٰهُ اَكْبَرْ" کہے اور "ب" اور "ر" کے درمیان الف کی آواز پیدا نہ کرے یعنی اَللّٰهُ اَكْبَارْ نہ کہے۔ اللہ کے لام کو لمبا کرے مگر "ہ" کو لمبا نہ کرے (یعنی هُوَ اَكْبَرْ نہ کہے)۔ تکبیر اس وقت کہے جب ہاتھ اوپر کانوں تک اٹھ جائیں اور تکبیر کے

بعد دونوں ہاتھوں کو جھٹکا مارنے کے بغیر چھوڑ ے۔ نیت اور تکبیر میں زیادہ وقفہ نہ کرے۔

عموماً پوری جماعت میں ایک بھی صاحبِ حضور نہیں ہوتا

آج بھی جب ہم مسجدوں کی طرف نظر کرتے ہیں تو بقول علامہ اقبالؒ مسجدیں مرثیہ خواں نظر آتی ہیں اور زبانِ حال سے کہتی ہیں کہ نمازی نہ رہے۔ صاحبِ اوصاف تو خال خال ہی ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اس قوم کو بیدار کرنے کی جو کوششیں کی ہیں وہ ان کا کلام پڑھنے والوں پر خوب آشکار ہیں۔ مگر جس سرد مہری سے قوم نے اُن کی دعوت کا جواب دیا ہے وہ بھی کوئی راز کی بات نہیں۔ آج ہمیں اس قوم میں جو دینی معیار، کردار، اخلاق اور شعار دکھائی دیتا ہے، اس کی تفصیل دیتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے تمام کلام کو مسلمانوں کی ذہنی، معاشی، سیاسی اور اسلامی تعمیر کیلئے وقف کر دیا تھا مگر اس سے فائدہ اٹھانے والے چند ہی اشخاص ہیں۔ نماز میں حضور اور سُرور کے مفقود ہونے کی بابت علامہؒ کے چند اشعار لکھے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کی موجودہ حالت کو دیکھ کر جارج برنارڈ شا کے الفاظ یاد آتے ہیں۔ اس نے کہا کہ اگر میں نے دنیا میں کوئی بہترین چیز دیکھی ہے تو وہ اسلام ہے اور جو بدترین چیز دیکھی ہے وہ مسلمان ہیں۔

علامہؒ نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں میں محبتِ اسلام کے نہ ہونے کی وجہ سے ان کی رگوں میں اب مسلمانوں کا سا خون باقی نہیں رہا اور پوری مسجد میں شاید ہی کوئی نمازی ہو جس کی نماز میں حضور کی کیفیت پائی جاتی ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ بسا اوقات پوری مسجد میں ایک صاحبِ حضور نمازی بھی دکھائی نہیں دیتا ؎

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے — مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق — کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے (۱۰۲)

عقل گو آستاں سے دور نہیں — اس کی تقدیر میں حضور نہیں
کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں — ایک بھی صاحب سرور نہیں
ناصبوری ہے زندگی دل کی — آہ وہ دل کہ ناصبور نہیں
بے حضوری ہے تیری موت کا راز — زندہ ہو تو تو بے حضور نہیں
ہر گہر نے صدف کو توڑ دیا — تو ہی آمادۂ ظہور نہیں (۱۰۳)

حصولِ خشوع و خضوع کیلئے مزید اشارے

۱۔ نماز کے دوران اگر کچھ دیر کی جائے یعنی قیام اور رکوع وغیرہ طویل کیا جائے تو نفس کی مخالفت ہوتی ہے۔ نفس کی مخالفت سے خشوع و خضوع پیدا ہوتا ہے، چنانچہ حضور ﷺ نے نماز کیلئے ہر رکن میں قرار پکڑنے کا حکم فرمایا تا کہ سکون اور اطمینان کے ساتھ رک رک کر ہر رکن کو ادا کیا جائے جلدی پڑھنے والی نماز

میں خشوع نہ ہوگا۔

۲۔ ایک طریقہ حصولِ حضور کا یہ بھی ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ نماز کی جگہ پر شوروغیرہ یا توجہ کو ہٹانے والی کوئی چیز موجود تو نہیں نماز ایسی جگہ پڑھی جائے جہاں کسی قسم کا شوروغل نہ ہو۔

۳۔ نماز سے پہلے ہر اس چیز سے بے فکری حاصل کر لی جائے جس سے نماز میں توجہ ہٹنے کا اندیشہ ہو تا کہ نماز میں کسی طرف خیال نہ جائے مثلاً جوتے کی حفاظت یا سامان کو سنبھال لیا جائے اگر جسم پر کھجلی ہو تو کھجلا لیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نماز کے وقت قرآن تلوار اور ہر چیز کو اپنے آپ سے جدا کر دیتے تا کہ دل کسی طرف متوجہ نہ ہو۔ عابد لوگ عموماً تنگ مکانوں میں رہتے تھے جہاں کوئی چیز جاذب نظر نہ ہو کیونکہ فراخ مکانوں میں توجہ بٹ جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن نماز ادا کرنے کے بعد اپنے جوتے کا نیا تسمہ بدل دیا کیونکہ نماز کے دوران اس نئے تسمہ کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر چلی گئی تھی۔

۴۔ نماز کے دوران کوئی پراگندہ یا دنیاوی خیال نہ آئے اور اگر آ بھی جائے تو اس کو دھکیل کر ذہن سے باہر کر دیا جائے اور خود سے یہ کہہ دیں کہ ایسی باتوں کو نماز کے بعد دیکھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ انسان پر حیرت کرتے ہیں کہ یہ شخص کچھ دیر کیلئے بھی نماز میں بغیر کسی خیال کے نہیں گزار سکتا۔

۵۔ مشہور ہے کہ اگر خوشخطی چاہتے ہو تو لکھتے ہی رہا کرو ۔

گر تو می خواہی کہ باشی خوش نویس می نویس و می نویس و می نویس

(اگر تو چاہتا ہے کہ خوش نویس ہو جائے تو لکھ اور لکھ اور لکھ)

نماز میں اگر حضور درکار ہو تو اس کے حصول کے طریقوں کا مطالعہ کریں اور خوب مشق کریں اور خوب نفلی نمازیں پڑھیں ذکر اذکار اور مراقبہ سے حضور کی مشق کریں۔ پانچ دس منٹ یا پندرہ منٹ اگر مراقبہ کر لیا جائے تو حضور حاصل ہونے میں مدد ملتی ہے۔

۶۔ حضور حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ نفل نماز کے دوران کبھی سجدوں کو لمبا کرے اور نماز کے بعد بھی سجدے میں گر کر خدا کے حضور اپنی نا اہلی کا اعتراف کرے اور چند آنسو بہائے اور حضور کے حاصل ہونے کیلئے دعا کرے۔ تنہائی کا وقت بالخصوص تہجد کے بعد کا وقت ہوتا ہے جو اس عرض و نیاز کیلئے موزوں ترین سمجھا جاتا ہے۔

۷۔ یاد رکھیں کہ نماز کا مقصود نماز میں دل کو خدا کے ساتھ درست رکھنا ہے اور اپنے دل میں یادِ الٰہی کو کمالِ تکریم و تعظیم کے ساتھ تازہ رکھنا ہے۔ جس نماز میں یہ بات نہ ہو وہ غافل دل کی نماز کہلائے گی اور ذکرِ الٰہی سے بھی یہی مقصود ہے کہ ہمہ وقت دل خدا کی یاد میں رہے چنانچہ جب بھی خیال اِدھر اُدھر الجھنے لگے تو فوراً دل کو اللہ کی طرف راغب کریں۔

۸۔ نماز کو غور اور توجہ سے پڑھنا سیکھے تو کیفیتِ حضور پیدا ہوگی جیسے سب کو معلوم ہے کہ قرآن کو غور سے

پڑھا جائے تو پڑھنے والے پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ حدیث ہے کہ ''مَنْ اَرَادَ اَنْ یُحَدِّثَ رَبَّهٗ فَلْیَقْرَأِ الْقُرْآنَ''[1] (یعنی جو کوئی اپنے رب سے بات کرنا چاہے تو اُسے چاہیے کہ قرآن پڑھے) اور اگر کسی کی اللہ سے بات ہو جائے تو حضور لازمی ہوگا۔

۹۔ ہماری تصنیف ''حضورِ قلب'' کا گہرا اور بغور مطالعہ خشوع وخضوع کے حصول کیلئے سودمند ثابت ہوگا۔

قیام وسجود کے راز بجز محرمِ راز کسی پر کھولے نہیں جا سکتے

علامہ اقبالؒ مسافر (مثنوی پس چہ باید کرد) میں اپنے سفرِ کابل کو بیان کرتے ہیں اور امیر نادر شاہ کی خدمت میں حاضری کا حال بیان کرتے ہیں۔ وہ شہرِ کابل اور نادر شاہ کے دربار کے متعلق اپنی خیال آرائی کرتے ہیں۔ نادر شاہ نے علامہؒ سے کہا کہ میں علامہؒ کے سوزِ عشق کی تعریف کرتا ہوں اور اسی سوز کے باعث انہیں اپنے بھائیوں سے زیادہ عزیز جانتا ہوں۔ علامہؒ نے ان کو قرآن کا تحفہ دیا اور قرآن کے کمالات پر دونوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور پھر عصر کی اذان ہوئی تو سب نے مل کر نماز ادا کی۔ ان کی نماز کے اثراتِ ظاہری و باطنی کو علامہؒ یوں لکھتے ہیں ؎

وقتِ عصر آمد صدائے الصَّلٰوت　　آنکہ مومن را کند پاک از جِہات

(وقت عصر اذان کی آواز آئی، (نماز وہ چیز ہے) جو مومن کو حدودِ جہات سے باہر لے جاتی ہے)

انتہائے عاشقاں سوز و گداز　　کردم اندر اقتدائے او نماز[۱۰۴]

(عاشقوں کی انتہا سوز وگداز ہے میں نے اس کی اقتداء میں نماز پڑھی)

راز ہائے آں قیام و آں سجود　　جز بہ بزمِ محرماں نتواں کشود

(اس نماز کے قیام وسجود کے رازوں کو صرف محرمِ راز کی بزم میں بیان کیا جا سکتا ہے)

مسلمان نماز میں جلوۂ حق سے محروم ہیں

یہ ڈھکی چھپی بات نہیں کہ آج کل مسلمانوں کی ایک نہایت قلیل جماعت ایسی ہے جو صوم وصلوٰۃ کی پابند ہے اور جو لوگ نماز کی پابندی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں وہ بھی نماز کے آداب اور لوازمات کی تعلیمات سے نابلد ہیں۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان نماز کے مطلوبہ معیار اور اس کی تقاضیات سے مکمل طور پر آگاہ تھے اور ان کی نماز میں لَآ اِلٰہَ کے اسرار موجود تھے۔ ان کی عاجزی میں سینکڑوں ناز اور محبوبی صفات پائی جاتی تھیں جو کہ آج کل کے مسلمانوں کی نماز میں نظر نہیں آتیں۔ یہ بے توجہی غالباً اس لئے ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت کا دل مال و دولت اور دنیا میں ہی اٹکا رہتا ہے۔

---

[1] کنز العمال، حدیث نمبر ۲۲۵۷، جلد ۱، صفحہ ۲۵۷۔

قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے صوم وصلوٰۃ کا یہ عالم تھا کہ ان کی نماز کے باعث ان کے چہروں پر نور برستا ہوا نظر آتا تھا اور ان کی زندگی کے ہر شعبہ میں عظمتِ حق اور جلالِ الٰہی کی جلوہ گری ٹپکتی ہوئی محسوس کی جاتی تھی۔ ان کا جینا مرنا اور زندگی کی ہر جنبش اور حرکت فقط خدا کیلئے ہوا کرتی تھی مگر آج مسلمانوں کا مطمح نظر صرف حبِ مال وجاہ اور موت سے ڈرتے رہنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ اسلام کی تمام عبادات میں اللہ تعالیٰ نے کچھ اغراض ومقاصد کو پنہاں کیا ہے تاکہ مسلمانوں میں ان عبادات کے مقاصد کا ظہور ان کی شخصیتوں سے ہوتا رہے اور مسلمان دنیا میں ایک مثالی قوم کی صورت میں ابھریں لیکن جب اس قوم نے نماز و روزہ کی روح کو ضائع کر دیا تو ہر فرد افراتفری اور قومی بدنظمی کا شکار ہو گیا۔ ایسی قوم میں حضورِ قلب جیسی دولت کا پایا جانا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔

لا الہ اندر نمازش بود و نیست　　ناز ہا اندر نیازش بود و نیست[۱۰۵]

(کبھی اس کی نماز میں لا الہ (کا رنگ) تھا مگر اب نہیں اس کی نازمندی میں ناز تھا مگر اب نہیں ہے)

نور در صوم و صلوٰۃِ او نہ ماند　　جلوہ در کائنات آو نماند

(اب اس کی صومِ وصلوٰۃ میں نور نہیں رہا اور نہ اس کی کائنات میں جلوہ حق ہے)

آنکہ بود اللّٰہ اُورا ساز و برگ　　فتنہ اُو حُبِّ مال و ترس مرگ[۱۰۶]

(مسلمان جو اللہ کو ہی سب کچھ سمجھتا تھا آج کل حُبِّ مال اور موت کے خوف میں مبتلا ہے)

روح چوں رفت از صلٰوت و از صیام　　فرد ناہموار و ملت بے نظام

(جب نماز و روزے سے (ان عبادات کی) روح نکل گئی تو ہر شخص بے لگام ہو گیا اور ملت بے نظام ہو گئی)

قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا حضور

علامہؒ نے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی نمازوں کا بار بار تذکرہ کیا ہے اور تعریف فرمائی ہے۔ وہ مسلمان اپنے دین اور نبی ﷺ کے عاشق تھے اور ان کی نماز بھی عاشقانہ انداز میں پڑھی جاتی تھی۔ نماز میں سب سے زیادہ قُرب سجدے میں ہوا کرتا ہے (دیکھئے سورۃ العلق کی آخری آیت) مگر ان لوگوں کے رکوع میں بھی سجدوں جیسا قرب تھا۔ باقی وہ لوگ جب جلال کبریائی کا ملاحظہ کرتے ہوئے اللہ اکبر کہتے تھے تو ان پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی کہ اس کا موازنہ ہماری پنج وقتہ نماز سے بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ابن الجوزیؒ نے اپنی ایک تصنیف ''مولد العروس'' میں لکھا ہے کہ امام حنبلؒ کے شاگرد عباس بن حمزہؒ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے حضرت بایزید بسطامیؒ کے پیچھے ظہر کی نماز ادا کی تو جب آپ نے تکبیر تحریمہ کیلئے ہاتھ اٹھانے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ کے اسمِ گرامی کے جلال سے ہاتھ اٹھانے کی قدرت نہ رہی اور کندھے اور سینے کے درمیان کا گوشت کانپنے لگ گیا۔ یہاں تک کہ میں نے ان کی ہڈیوں کی کڑکڑاہٹ کی آواز سنی اور اس

حالت نے مجھے بھی ہول زدہ کر دیا۔

چہ پرسی از نمازِ عاشقانہ رکوعش چوں سجودش محرمانہ
(عاشقانہ نماز کا کیا پوچھتے ہو اس کا رکوع بھی اس کے سجود کی طرح قرب کا حامل ہے)

تب و تابِ یکے اللہ اکبر نہ گنجد در نمازِ پنجگانہ
(اس کی نماز کے "اللہ اکبر" کی حرارت عام لوگوں کی پنج وقتہ نماز میں بھی نہیں سما سکتی)

علامہؒ فرماتے ہیں کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان جب نماز ادا کرتے تو ان کے سجدوں کی ادائیگی پر زمین اور پہاڑوں میں لرزہ طاری ہو جاتا۔ فرماتے ہیں کہ کوئی چیز ان کے جلال کی تاب نہ لا سکتی تھی حتیٰ کہ چاند و سورج ان کی مرضی کے مطابق گردش کرتے تھے اگر ان کے سجدے کا نشان پتھر پر پڑتا تو وہ اس کی تاب نہ لاتے ہوئے ہوا میں تحلیل ہو جاتا گویا دنیا کی ہر شے مسلمانوں کے حکم کے تابع تھی کیونکہ وہ خود مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے تابع تھے۔

علامہؒ فرماتے ہیں کہ آج کے مسلمانوں کی نماز میں محض رسمی طور پر سر کو جھکا دیا جاتا ہے۔ آج مسلمان جوان ہوتے ہوئے بھی بوڑھوں کی طرح کمزور اور نحیف نظر آتے ہیں۔ ان میں پرانے مسلمانوں کے سجدوں میں کہے جانے والے الفاظ "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" کی شان اب کہاں رہی۔ علامہؒ پوچھتے ہیں کہ ہمارے نوجوانوں میں اس شان کا نہ پایا جانا ان کی خطا ہے یا ہماری خطا ہے یعنی ہم ان کی تربیت نہ کر سکے۔ اب قوم کی یہ حالت ہے کہ بڑے چھوٹے کا ادب اور لحاظ باقی نہیں رہا ہر فرد خواہ بیٹا ہو یا بھائی بزرگوں کی شان میں بے ادبی، سرکشی اور واہی حرکات کا اظہار کرتا ہے پوری قوم بے لگام ہو چکی ہے یہ سب گراوٹ اس لئے ہے کہ ان کو کسی نے نماز اور روزہ کی برکات اور آداب سے آگاہ نہیں کیا۔

سجدہ کزوے زمیں لرزیدہ است بر مرادش مہر و مہ گردیدہ است
(وہ سجدہ جس سے زمین کانپنے لگتی تھی، اور چاند و سورج جس کی مرضی کے مطابق گردش کرنے لگتے تھے)

سنگ اگر گیرد نشانِ آں سجود در ہوا آشفتہ گردد ہمچو دُود
(اگر پتھر پر اس سجدے کا نشان رہ جاتا تو وہ دھوئیں کی طرح ہوا میں تحلیل ہو جاتا)

ایں زماں جز سر بزیری ہیچ نیست اندر و جُز ضعفِ پیری ہیچ نیست
(اس زمانے میں سجدہ سر جھکانے کے سوا کچھ نہیں اب اس میں بڑھاپے کے ضعف کے سوا کچھ نہیں)

آں شکوہِ رَبِّیَ الْاَعْلٰے کجاست ایں گناہِ اوست یا تقصیرِ ما ست؟
(رَبِّیَ الْاَعْلٰی کی وہ شان اب کہاں ہے؟ یہ اس (نئی نسل) کا جرم ہے یا ہم لوگوں کی خطا ہے)

ہر کسے بر جادۂ خود تُندرَو ناقۂ ما بے زمام و ہرزہ دَو
(ہر شخص اپنے طریقہ کار پر ڈٹا ہوا ہے، ہماری ہر ناقہ بے لگام اور بیکار کاموں میں لگی ہوئی ہے)

گر خدا سازد ترا صاحبِ نظر روزگارے را کہ می آید نگر[۱۰۷]
(اگر اللہ تعالیٰ تجھے صاحبِ نظر کر دے تو آنے والے ایام (میں کیا حشر ہوگا) اس کا خود جائزہ لے)

تہذیبِ مغرب کے دلدادہ کو حضور کہاں؟

جو لوگ مغربی تہذیب کے دلدادہ ہو چکے ہیں ان کیلئے فلاح کی راہ پر آنا ایک مشکل امر ہو چکا ہے کیونکہ ان کا دل ان کے اپنے ہاتھوں میں نہیں ہے۔ وہ غیر اسلامی کاموں میں ایسے اُلجھ چکے ہیں کہ اب وہاں سے ان کا واپس آنا آسان کام نہیں علامہؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ نسوانیت مغرب کے آگے سر جُھکا چکے ہیں اب ان سے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جیسے سجدوں کی توقع نہیں رکھی جاسکتی غور کی نظر سے دیکھا جائے تو راگ ورنگ کی محافل میں جس قدر لوگ موجود ہوتے ہیں وہ سب پڑھے لکھے مغرب زدہ اور امراء کے طبقات سے تعلق رکھتے ہیں اس طرز کے لوگ دینی محافل میں بہت کم نظر آتے ہیں کیونکہ ان آزادروش لوگوں کا مطمعِ نظر مغربی تہذیب بن چکا ہے۔

مسلمانے کہ دربندِ فرنگ است   دلش در دستِ اُو آساں نیاید[۱۰۸]

(مسلمان جو فرنگی تصورات کا غلام ہے اس کا دل آسانی سے اس کے ہاتھوں میں نہیں آتا)

نمازِ بے رُوح کے اسباب

مفکرینِ اسلام نے مسلمانوں کی موجودہ پس ماندگی، دین سے لاتعلقی اور نماز میں بے حضوری کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ اس کی اہم وجوہات اس کتاب میں ''مسلمانوں کے زوال کے اسباب'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ جو اسباب اسلام کے زوال کیلئے دیئے گئے ہیں ان میں اہم سبب مسلمانوں کا اسلام سے فرار اور نماز میں بے حضوری کی شکایت کا پایا جانا ہے۔ مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت میں جو ایمان، چاشنی، ولولہ اور عشق حاصل کیا تھا وہ بُعدِ رسالت اور حالات زمانہ کے مطابق کم ہوتا گیا حتیٰ کہ مسلمانوں میں جب فتوحات بڑھ گئیں، مال کی فراوانی ہوئی تو رفتہ رفتہ تن آسانی اور تعیش سے لگاؤ بڑھتا گیا یہاں تک کہ یہود و نصاریٰ جو اب تک مسلمانوں کے ایمان کی طاقت کی تاب نہ لا سکتے تھے باقاعدہ مسلمانوں سے جنگ آزما ہوئے اور بہت سے علاقے مسلمانوں سے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور پھر یہ وقت بھی آیا کہ تمام دنیا پر مسلمانوں کی سلطنت تقریباً نابود ہوگئی اور تمام دنیا پر یہود و نصاریٰ کی شہرت کا سورج چمکنے لگا۔ یہ وہ وقت تھا کہ بیچارے مسلمان پوری دنیا میں غلام بن گئے یہاں تک کہ برسوں غلامی کی حالت میں رہے۔

تا غلامم در غلامی زادہ ام   زآستانِ کعبہ دور افتادہ ام[۱۰۹]

(کیونکہ میں غلام ہوں اور غلامی میں پیدا ہوا ہوں اس لیے آستانِ کعبہ سے بہت دور گر چکا ہوں)

اس غلامی کی حالت میں بھی مسلمانوں میں کچھ ولولہ انگیز ہستیاں پیدا ہوتی رہیں جو اسلامی سلطنت کو پھر سے معرضِ وجود میں لانے کیلئے ان کو اُبھارتی رہیں۔ یہود و نصاریٰ کو خطرہ تھا کہ یہ شیر پھر سے بیدار نہ ہو جائیں۔ اس لیے مسلمانوں کو اس قدر دبایا گیا کہ ان کی بیشتر تعداد روٹی کپڑے کی محتاج ہوگئی اور انتہائی مفلسی کا شکار ہو گئی۔ تنگیٔ روزگار کے سبب مسلمانوں میں دین اس قدر مفقود ہو گیا کہ انہیں دن بھر کی مشقت کے بعد اگر کھانے

کو دو روٹیاں مل جاتیں تو وہ اس کو غنیمت جانتے ایسی حالت میں پھر کہاں کا دین کہاں کی نماز اور کہاں کی اسلامی تعلیمات۔ لوگوں کی حالت کا نقشہ ہماری تصنیف ''سرمایۂ ملت'' میں زوال اسلام کے باب میں ملاحظہ کریں۔ کئی علاقے تو ایسے تھے جہاں الحمد شریف تو ایک طرف کلمہ طیبہ اور جانور ذبح کرنے کی تکبیر تک کسی کو یاد نہ تھی ایسے لوگوں کو بھلا یہ کیسے معلوم ہو سکتا تھا کہ خشوع وخضوع یا حضورِ قلب کیا ہوتا ہے اور روحِ نماز کیا ہے اس کے آداب ارکان اور شرائط کیا ہیں افسوس اس بات کا ہے کہ اب جب کہ مسلمانوں کی حکومت کئی ملکوں میں قائم ہو چکی ہے اور لوگ مالی فراغت کی حالت میں لوٹ آئے ہیں مگر ابھی تک دین کے جاننے کا جذبہ بہت کم لوگوں میں پایا جاتا ہے زبردستی پکڑ دھکڑ کے بعد مبلغین کچھ لوگوں کو دین کی طرف لاتے ہیں تو محض چند اشخاص اس طرف آنے میں دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں ورنہ کثیر تعداد اس وقت پیسے کی لوٹ کھسوٹ میں مبتلا دنیاوی زندگی میں مست اور عیش وعشرت کی دلدادہ بن چکی ہے۔ ان میں دین سے لگاؤ پیدا کرنے کی رغبت مفقود ہے۔ اس کتاب کے لکھنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ عوام کو سستی قیمت پر ایسی کتاب دستیاب کردی جائے جس میں دین کے ضروری بنیادی پہلوؤں کو دلچسپ انداز میں اور تفصیل کے ساتھ پیش کر دیا جائے۔

خشوع وخضوع کے منافی عناصر

نماز کی درستی کیلئے خشوع وخضوع کیلئے مانع امور کا علم ہونا ضروری ہے اس مقصد کیلئے مندرجہ ذیل معلومات پیش خدمت ہیں۔

۱) نشہ یا غفلت ہو تو عقل حاضر نہیں رہتی

امام غزالیؒ مکاشفۃ القلوب میں فرماتے ہیں کہ بعض نے خشوع وخضوع کو افعال قلب سے بتایا ہے عین اسی طرح جس طرح کہ خوف اور ڈر کسی کے دل میں ہوتا ہے۔ بعض نے اس کو ظاہری اعضاء کی کیفیت کا نام دیا ہے۔ جیسے سکوت، اِلتفات اور ترکِ فضولیات ہیں۔ دل میں پیدا ہونے والے خیالات سے نماز میں غفلت پیدا ہوتی ہے اور اس کو دور کرنے کا طریقہ اندھیرے میں نماز پڑھنا، خوبصورت کپڑوں اور چیزوں سے الگ ہو کر نماز پڑھنا ہے۔ جتنا نماز میں انہماک ہوگا اتنا ہی نماز کا ثواب ہوگا۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ نماز کا ثواب عقلوں کے مطابق ہوتا ہے۔[۱] حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو انسان ایک ہی عمل کریں مگر ان کے ثواب میں رائی اور پہاڑ جتنا فرق ہوتا ہے اور یہ ان کی عقلوں کے فرق کی بنا پر ہے۔ کسی کی نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہو جاتی ہے اور کسی کو صرف ایک نماز کا ثواب ساٹھ نمازوں کے ادا کرنے کے بعد ملتا ہے۔ قرآن میں ارشادِ ربانی ہے کہ ''لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ'' (نماز کے نزدیک مت جاؤ جب تم نشے کی حالت میں ہو یہاں تک کہ تم جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو)۔

---

[۱] کنز العمال، حدیث ۷۰۵۲، جلد ۳، صفحہ ۱۵۵۔ عوارف المعارف، جلد ۱، صفحہ ۴۵۵۔

چونکہ حکمِ الٰہی یہ ہے کہ نماز کو میرے ذکر کیلئے قائم کرو لہٰذا اگر نماز ذکر کے درجے پر نہ ہو تو درست نہ ہو گی۔ نشہ کی حالت میں نمازی کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے لہٰذا اس کی یہ نماز ذکر کے درجے پر نہ ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ نشے کی طرح غفلت میں بھی عقل حاضر نہیں رہتی اور غیر اللہ کی طرف توجہ دراصل نشہ کی طرح ہوتی ہے۔ مال و دولت دنیا یا کاروبار یا اولاد سے زیادہ محبت نشے سے کم نہیں۔ اس آیت کریمہ "وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ" (الاعراف:۲۰۵) (اور غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ) میں اشارہ بھی غفلتِ نماز کی طرف ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوتا ہے اور جب دنیاوی چیزوں کی طرف توجہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اے ابن آدم کیا وہ (چیز جسے تو سوچتا ہے) تیرے لیے مجھ سے بہتر ہے۔ میری طرف منہ کر میں تیرے حق میں اس سے بہتر ہوں" اور اگر وہ نہیں باز آتا تو اللہ تعالیٰ اس سے اعراض کر لیتے ہیں۔[1]

۲) غفلت میں خطرات کا دل پر اثر

طبقاتِ اولیاء میں ہے کہ حضرت ابو السعو د رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو تمہیں دنیا یاد دلائے اور تمہارے سامنے اس کی تعریف کرے اس سے بھاگو۔ جو اللہ تعالیٰ سے غفلت کا سبب بنے اس سے منہ موڑ لو اور ایسے کاموں سے منہ پھیر لو جس سے دنیا کی محبت پیدا ہوتی ہو۔ خطرات کو اگر دل میں جگہ دو گے تو میلان پیدا ہوگا۔ میلان طبع سے غفلت پیدا ہوگی اور ارادہ بن جاتا ہے۔ ارادہ قوی ہو گیا تو ہوس غالب ہو جائے گی۔ جب ہوس غالب ہوئی تو دل کمزور ہو جائے گا اور اس کا نور چلا جائے گا اور بسا اوقات بالکلیہ چلا جاتا ہے۔ دل کمزور ہو گیا تو عقل کنارا کر جائے گی۔ گویا عقل پر پردہ پڑ جائے گا اور برا عمل سرزد ہو جائے گا۔ ایسا شخص نماز میں ہو گا تو اس کی عقل حاضر نہ ہونے کی وجہ سے حضورِ دل سے کھڑا نہیں ہو سکتا۔

۳) نماز میں شیاطین کیسے اثر انداز ہوتے ہیں؟

قوت القلوب میں احادیث کے حوالے سے لکھا ہے کہ مومن صاحب یقین جس وقت نماز کیلئے وضو کرتا ہے تو شیاطین اس سے دور بھاگ جاتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے حضور حاضری کی تیاری کرتا ہے اور جب وہ "اللہ اکبر" کہتا ہے تو شیطان چھپ جاتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ اللہ اور بندے کے درمیان حجابات اٹھا دیئے جاتے ہیں۔ شیطان نمازی کے قلب کی طرف دیکھتا ہے اور اگر اس کے دل میں اللہ کے سوا کچھ نہیں ہوتا تو وہ کہتا ہے کہ تو نے اپنے دل میں اللہ کی تصدیق کی جیسا کہ تو کہتا ہے، یعنی "اللہ اکبر" کہنے کے بعد واقعی تو نے اللہ کو بڑا سمجھا۔ اس کے دل سے نور جھلکنے لگتا ہے اور وہ نور ملکوتِ عرش تک جا پہنچتا ہے اور اس نور کی وجہ سے

---

[1] عوارف المعارف، جلد ا، صفحہ ۴۵۵۔

اسے آسمانی اور زمینی ملکوت کا مکاشفہ حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر جب ایک غافل اور جاہل نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو اسے شیاطین اس طرح گھیر لیتے ہیں جس طرح مکھیاں شہد کے چھتے پر چاروں طرف سے آگرتی ہیں۔ جب وہ اللہ اکبر کہتا ہے تو شیطان اس کے قلب کی طرف جھانکتا ہے اور اگر اس کے دل میں دنیا کی کوئی چیز موجود ہوتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ تو جھوٹ بولتا ہے کہ اللہ بڑا ہے، یعنی جو تیری زبان پر ہے وہ تیرے دل میں نہیں۔ اس وقت اس کے دل سے ایک دھواں اٹھتا ہے جو کہ آسمانوں کے کناروں تک پہنچتا ہے اور یہ اس کے قلب کا ملکوت سے حجاب بن جاتا ہے اور شیطان اس کے قلب کو لقمہ بنالیتا ہے اور پھر ہمیشہ اس میں پھونک مارتا ہے اور وسوسے پیدا کرتا ہے حتیٰ کہ وہ نمازی نہیں جانتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو دل اللہ سے غافل ہو تو شیطان اس میں اپنی چونچ رکھ دیتا ہے اور طرح طرح کے وسوسے پیدا کرنے لگتا ہے۔[1]

ہماری کتاب ”تہذیب نفس“ میں خطرات نفس اور خطرات شیطانی پر اچھی خاصی تفصیل شامل کر دی گئی ہے جو قارئین کے لئے بہت سودمند ثابت ہو سکتی ہے۔

اگر شیاطین دل پر اثر انداز نہ ہوتے تو ابنِ آدم ملکوت کا مشاہدہ کرتا

ایک حدیث شریف میں ہے کہ اگر شیاطین بنی آدم کے دلوں پر چھائے ہوئے نہ ہوتے تو وہ مَلَکُوْتُ السَّمٰوٰتِ کا مشاہدہ ضرور کر لیتا۔[2] وہ اہل دل جنہوں نے آداب سیکھے ہیں ”اللہ اکبر“ کہتے ہی آسمان میں داخل ہو جاتے ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو شیاطین سے محفوظ رکھا ہے اس لیے ان کے دل بھی شیاطین سے محفوظ رہتے ہیں۔ البتہ بعض لوگوں کے دلوں میں خواہشاتِ نفسانیہ (ہواجس) موجود رہتے ہیں مگر مقربین کے دل تو رفتہ رفتہ عرش تک پہنچ جاتے ہیں اور ان کے قلوب سے ہواجس بھی کلیتاً ختم ہو جاتے ہیں اور نفس کی تاریکیاں دل کے نور میں اس طرح گم ہو جاتی ہیں جس طرح رات دن میں گم ہو جاتی ہے۔ ملائکہ میں خواہشاتِ نفسانی رکھی ہی نہیں گئیں یہ صرف ابن آدم کا حصہ ہے تاکہ اسے کچل کر جہاد فی سبیل اللہ کا درجہ حاصل کرے۔

عوارف المعارف میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ”فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ“ میں اِنْحَرْ کا اشارہ ناحر کی طرف ہے جو سینے کے نیچے کو عرفاً کہتے ہیں۔ آپ اس سے مراد یہ لیتے ہیں کہ سینے کو نماز میں کعبے کی طرف کرے کیونکہ اس طرح کرنے سے پردہ ہائے غیب سے نمازی کی طرف مخفی راز منکشف ہوتے ہیں اور نحر اونٹ کے ذبح کرنے کو بھی کہتے ہیں جس کا یہ مطلب ہے کہ نحر پر ہاتھ رکھنے سے نفسانی خواہشات کٹ جاتی ہیں۔[3]

اس بات کی تفصیل بہت طوالت طلب ہے کہ جو کچھ کائنات میں ہے انسان میں بھی موجود ہے اور یہ کہ انسان تمام کائنات کا مجموعہ اور خلاصہ ہے۔ انسانی بدن میں ناف کے اوپر کا حصہ اسرارِ سماوی کی طرح ہے۔

---

[1] قوت القلوب، ابوطالب المکی، جلد ۲، صفحہ ۳۴۹، شیخ غلام علی سنز۔

[2] قوت القلوب جلد ۲، صفحہ ۳۵۰۔

[3] عوارف المعارف، جلد ۱، صفحہ ۴۶۲۔

قلب اور روح کا محل بھی اسی حصے میں ہے اور نیچے والے نصف حصہ میں زمین کے اسرار موجود ہیں اور یہ نفس کا محل ہے۔ روح کے جذباتِ نفس سے مقابلہ اور جنگ کرتے ہیں اور یہ مقابلہ نماز کے دوران زیادہ شدید ہوتا ہے۔ اگر اوپر والا حصہ غالب رہا تو فرشتے کی آمد ہوتی ہے (دل نفس پر غالب آجاتا ہے) ورنہ دوسری صورت میں شیطان دل پر مسلط ہو جاتا ہے۔ نفس کے جذبات اپنے مرکز سے نصف اوپر کی طرف جانا چاہتے ہیں اور جب ہم نماز میں ناف کے اوپر ہاتھ رکھتے ہیں تو نفس کے جذبات اوپر جانے سے رک جاتے ہیں اور حدیثِ نفس یعنی وسوسہ نماز میں ختم ہو جاتا ہے اور روح کے جذبے غالب ہو جاتے ہیں۔ اس طرح روح سرتاپا انسان کے بدن پر غالب ہو جاتی ہے جبکہ نفس مغلوب ہو جاتا ہے اور مرکزِ روح نور سے تاباں ہو جاتا ہے جو رفتہ رفتہ عرش تک چھا جاتا ہے اور نفس کی کشش جاتی رہتی ہے۔

ان آفات کا علاج جو نماز کو سُودمند ہونے سے روکتی ہیں

''تزکیۂ نفس'' میں ہے کہ نماز صحیح وہی ہے جس میں ''وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي'' کی تاثیر ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (اگر مجھے یاد رکھنا چاہتے ہو تو نماز اس طرح پڑھو کہ وہ میرا ذکر ہو جائے چنانچہ نماز کو اس انداز سے ادا کرنا مقصود ہے تو نمازی اپنی نماز میں مخل ہونے والے نفسانی تاثرات کا تدارک کرے جس کا طریقہ حسب ذیل نکات میں بیان کیا جارہا ہے۔

ا۔ کسل مندی دور کرے: غفلت کے متعلق الگ بیان لکھ دیا گیا ہے کہ غفلت نماز میں شراب کے نشے کا سا اثر رکھتی ہے۔ منافقین کا یہ شعار تھا کہ جب وہ نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو سستی سے کھڑے ہوتے۔ ''وَإِذَا قَامُوْا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوْا كُسَالَىٰ'' (النساء: ۱۴۲) (اور جب کھڑے ہوتے نماز کی طرف تو کھڑے ہوتے ہیں کاہلی کے ساتھ)۔ ''فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ'' (الماعون: ۴،۵) (افسوس ہے ان نمازیوں پر کہ جو اپنی نماز سے غافل ہیں)۔ ان آیات سے بھی ایسے لوگ مراد ہیں جو اپنی نمازوں میں غفلت کرتے ہیں۔ منافقین کا یہ طریقہ تھا کہ مسلمان جب دیکھتے تھے تو منافق نماز پڑھ لیتے ورنہ گول کر جاتے اور کبھی آخر وقت میں ٹھونگے مار کر پڑھ لیتے۔ ایسے غافلوں کے دل دنیاوی افکار سے لبریز ہوتے ہیں۔ ایسی نماز ان کی ریاکاری کے باعث ہوتی ہے اور ان کے نیک اعمال دنیا میں لوگوں سے عزت کا مقام حاصل کرنے کیلئے ہوتے ہیں۔ لذتِ نماز ان لوگوں کے نصیب میں نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ وقت اور جماعت کی پابندی کرتے ہیں۔ ان کی نماز میں خشوع وخضوع بھی نہیں ہوتا اور یہی کسل مندی والی نمازیں ہیں۔ اگر یہ غفلت طبعی نوعیت کی ہو تو اس سے مراد نماز کی اہمیت سے لاعلمی، سستی، تکان، نیند، مشغولیت اور نماز سے لگاؤ نہ ہونا ہے۔ نفاق کا کسل منافقت کی وجہ سے ہے۔ نفاق کیلئے ایک باب ہماری تصنیف ''متاعِ اخلاق'' میں لکھ دیا گیا ہے۔ طبعی غفلت جس وجہ سے ہو اس وجہ کا علاج کیا جائے۔

۲۔ وسوسوں سے بچے: ہماری تصنیف ''تہذیب نفس'' میں وسوسوں کے متعلق کافی تفصیل دے دی گئی ہے۔ یہاں صرف یہ بتا دینا ضروری ہے کہ نماز میں وسوسوں کا ہجوم شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ ان کی بہتات ایسے ہوتی ہے جیسے برسات کی رات میں شمع کے گرد پروانوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ شیطان کی فوج نمازی کے گرد جمع ہوتی ہے اور دل میں خیالات کی بھر مار کر دیتی ہے، لیکن چونکہ نمازی آیت توجہ یعنی ''اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ'' (الانعام:۷۹) کہتا ہے اور اس کے علاوہ تعوذ اور تسمیہ بھی پڑھتا ہے تو وہ خدا کی پناہ میں آجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیطان نماز کو تڑوا نہیں سکتے البتہ وساوس ضرور ڈال دیتے ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک کوٹھی پر ہم کسی دوست کو ملنے جائیں تو اُن کے برآمدے میں بندھا ہوا کتا بھونکنا شروع کر دیتا ہے لیکن چونکہ یہ کتا بندھا ہوا ہے اِس لیے ملنے والا کھٹ سے اندر داخل ہو جاتا ہے اور کتا بھونکتا ہی رہتا ہے اور ملنے والوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتا پھر جب آنا جانا بہت زیادہ ہو جائے تو یہ کتا بھی مانوس ہو جاتا ہے بلکہ پیار کرنے لگتا ہے شیطان اِسی کتے کی طرح ہے۔

۳۔ مداخلتِ شیطان کو روکے: اس کا علاج یہ ہے کہ نماز سے پہلے یہ دعا کرے ''وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ'' (المؤمنون:۹۸) (اور کہیے میرے رب میں پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے وسوسوں سے، اور تیری پناہ مانگتا ہوں (اے رب) اِس سے کہ وہ میرے پاس آئیں)۔

۴۔ تکبیرِ تحریمہ کہتے ہی سب کچھ اپنے اوپر حرام کرے: دل میں یہ خیال کرے کہ نماز میں آنے والی باتیں نماز کے بعد سوچ لی جائیں گی۔ کتنی شرم کی بات ہے کہ اگر ہم پانچ منٹ کیلئے بھی دنیاوی خیالات کی نفی نہ کر سکیں اور مختصر وقت کیلئے اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے جلال اور سطوت کا احترام کرتے ہوئے خلوصِ قلب کے ساتھ کھڑے نہ ہو سکیں۔ نماز کے معنی دل میں سمجھ کر پڑھے اور اتنی اونچی آواز سے پڑھے کہ خود کو سنائی دے اور دوسروں کو سنائی نہ دے۔ اس طرح توجہ بٹتی نہیں سِرّی نمازوں (ایسی نمازیں جن میں قرأت آہستہ کی جاتی ہے) میں بلند آواز سے نہ پڑھیں بلکہ ایسا پڑھیں کہ صحت لفظی کا پتہ چلتا رہے۔ اس کے علاوہ حضورِ قلب اور خشوع کی بابت جو لکھ دیا گیا ہے اسے پڑھیں سوچیں اور اپنائیں۔

۵۔ نیک خیالات کی پرورش کرے: اگر کوئی نیک خیالات کی پرورش کرے اور نیک باتوں کے متعلق سوچتا رہے تو وسوسے کم ہو جاتے ہیں۔ اس بات کا تجربہ ہو چکا ہے کہ مطالعہ کتب، صحبتِ مردِ کامل، مطالعۂ قرآن وحدیث اور نیک لوگوں کی مجلسوں میں شرکت کی جائے تو نیک خیالات بڑھانے میں مدد ملتی ہے۔

۶۔ شکوک کا ازالہ کرے: کچھ لوگ متقی ہوتے ہوئے بھی شکوک کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں اور توہمات کی وجہ سے بے معنی سوچوں میں ڈوبے رہتے ہیں اور اپنے ہر کام کو مشتبہ سمجھتے ہیں کہ شاید ہمارا وضو ٹھیک ہوا یا نہیں۔ نماز درست تھی یا غلط رہی۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ شریعت نے سہل راستہ اختیار کیا ہے اور آسانی کی طرف فیصلہ دیا ہے اور طاقت سے زیادہ تردّد کرنے کیلئے انسان کو معذور تصور کیا ہے۔ بعض شکوک مسائل شرعیہ

کے صحیح علم سے رفع ہو جاتے ہیں مثلاً اگر سورۂ فاتحہ کے ساتھ قرآن کی تلاوت بھول گیا یا دعائے قنوت بھول گیا تو سجدۂ سہو کرے اور نماز کو درست سمجھے۔ مسائل کا حل معلوم ہو تو بہت سے شکوک رفع ہو جاتے ہیں۔

۷۔ نماز کی اہمیت اور فضائل کے متعلق اپنی کم علمی دور کرے: اکثر لوگ نماز کو وظائف اور دیگر کاموں سے بھی ہلکا سمجھ کر جنتر منتر کی طرح پڑھ لیتے ہیں اور نماز کے معنی، برکات، فوائد، فضائل اور مسائل سے واقف نہیں ہوتے۔ ایسے لوگ نماز کے ساتھ ہر برا کام کرنے کو جائز سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نماز اپنی جگہ ہے اور رشوت، چوری اور شراب اپنی جگہ۔ کچھ لوگ نماز کے معنی تو جانتے ہیں مگر ان کی طرف توجہ نہیں کر پاتے۔ درج بالا کمی کا علاج اس طرح ہو سکتا ہے کہ اگر نمازی کو نماز کے معنی نہ آتے ہوں تو وہ معنی سیکھے۔ جب دنیاوی معاملات مثلاً سینما، تماشہ، گانے اور کرکٹ بازی کی باتیں یاد ہو سکتی ہیں تو نماز کے معنی مشکل نہیں۔ اصل میں لوگ دوسری باتوں کو اہمیت دیتے ہیں مگر نماز کے لوازمات کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتے۔ جن کو نماز کی عربی عبارت کے معنی آتے ہیں انہیں معنوں کی طرف توجہ دینا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ ہم پانچ بار دن میں اللہ کے سامنے باندھے ہوئے عہد کی تجدید کرتے ہیں اور اس عہد کو تازہ رکھنے کیلئے بار بار نماز پڑھی جاتی ہے تاکہ دوسری طرف خیال نہ جائے۔ اللہ سے توبہ کی التجا کرے۔ استغفار پڑھے ایک وقت آئے گا کہ مطلوب حاصل ہو جائے گا۔

۸۔ نماز کی چوری نہ کرے: شرائطِ نماز، ارکانِ نماز اور نماز کے دیگر فرائض، سنن اور مستحبات کے صحیح ادا نہ کرنے سے یا کسی ایک چیز کے ترک ہونے سے نماز کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ چوری عموماً یا تو مسائل سے لاعلمی یا جلد بازی کی وجہ سے ہوتی ہے اس لیے اس کا علاج نماز اور وضو کا مکمل علم حاصل کرنے اور ان کی صحیح ادائیگی کا علم حاصل کرنے سے ہوگا۔

۹۔ دُنیاوی آلائشوں کا دخل نہ ہو: غصہ کی حالت میں یا اگر کسی معاملہ میں دل مشغول ہو یا کسی شدید حال کے غلبہ میں دل الجھا ہوا ہو تو نماز پڑھنا مکروہ ہے اور امامت بھی نہ کرے (قوت القلوب) اس لیے ضروری ہے کہ تمام حاجات سے فارغ ہو کر نماز کی طرف رجوع کرے۔ غصہ اور خوف وغیرہ کو پہلے رفع کرے۔ لاحول اور استغفار کا پڑھنا غصہ کو رفع کرتا ہے۔ سورۂ قریش کی تلاوت خوف کو دور کر دیتی ہے۔ خوف کا یہ علاج حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مجرب نسخہ کے طور پر مکتوبات میں لکھا ہے چنانچہ ایسی دعاؤں کی طرف رجوع کرے۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ اگر دل میں انتشار ہو تو نماز سے چند منٹ پہلے نماز کی جگہ پر بیٹھ جائے اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جائے۔ چند منٹ کیلئے نفی اثبات کا ذکر یا مراقبہ کرنے سے طبیعت سنبھل جاتی ہے اور ذہنی انتشار دور ہو جاتا ہے پھر نماز کی طرف رجوع کرے۔

۱۰۔ ان چیزوں کو دور کرنا جو نماز کی راہ میں حائل ہوں: صوفیاء کا طریقہ تھا کہ جب کوئی چیز نماز کی راہ میں حائل ہوتی تو اس چیز کو ہی اپنے راستے سے ہٹا دیتے تھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے

اپنے نعلین مبارک میں نیا تسمہ ڈالا اور نماز میں اس تسمے کی طرف خیال گیا تو نماز کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے جوتے میں پرانے تسمے ہی ڈال دو (تاکہ خیال دوسری طرف نہ جائے) [1] نماز کی راہ میں جو بھی چیز حائل ہو اسے دور کر دیا جائے تو اس قسم کے خیالات پیدا بھی نہ ہوں گے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے تیز رفتار گھوڑوں کے پاؤں کاٹ دیئے تھے کیونکہ ان کی وجہ سے ان کی عبادت میں خلل واقع ہو گیا تھا۔ [2]

نماز میں امورِ آخرت منافیٔ خشوع نہیں

امام غزالیؒ نے خشوع کو نماز کی شرط قرار دیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اعضاء بدن کا قرار سے رہنا اور کسی بری شے کی طرف دل کا میلان نہ ہونا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک نماز میں معمولی شکوک وشبہات سہو (بھول) اور امورِ آخرت کی طرف قلب کا حاضر ہونا خشوع کے منافی نہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب بغیر وسواسِ قلب کے نماز کی نیت باندھی کہ ایسی نماز پڑھنے کیلئے حضور ﷺ نے اپنی اونٹنی دینے کا وعدہ فرمایا تھا لیکن وہ جونہی نماز ختم کرنے لگے تو دل میں یہ خیال آ گیا کہ نہ جانے دو اونٹنیوں میں سے کون سی عطا فرمائیں گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاؤں پر لگا ہوا تیر نماز کی حالت میں نکالا گیا تو انہیں علم بھی نہ ہوا مگر جب سائل آیا تو اس کی طرف انگشتری سے اشارہ کیا اور نماز کی حالت میں انگشتری اس کو دے دی تو پھر بھی خشوع ختم نہ ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز کی حالت میں سامانِ لشکر کی تجاویز کیا کرتے تھے اور کبھی فوجوں کو لڑانے کے نقشے تیار فرماتے۔ نماز کی حالت میں اکثر انبیاء کرام کو وحی اور الہام ہونے کا ذکر آیا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام جب محراب میں نماز پڑھ رہے تھے تو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت بذریعہ فرشتہ ملی۔ حضور ﷺ کو تحویلِ کعبہ کا حکم نماز کی حالت میں آیا۔ بعض بزرگوں کو نماز میں الہام بھی ہوتا ہے۔ نماز کا مقصد جب توجہ الی اللہ ٹھہرا اور وحی کا ہونا ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف عین توجہ ہے تو یہ خشوع کے منافی نہ ہوا۔

علماء نے لکھا ہے کہ شیطان ویران گھر (یعنی ایسا قلب جس میں دنیاوی خیال یا وساوس نہ ہوں) کا ارادہ نہیں کرتا۔ کچھ لوگ کسی قسم کا بھی خیال آئے تو فکر مند ہو جاتے ہیں جیسا کہ حضرت شبلیؒ نے فرمایا کہ جب میرا دل دنیا کی طرف نظر کرتا ہے تو میں غسل کر لیتا ہوں اور اگر آخرت کی طرف نظر کرے تو وضو کرتا ہوں۔ نماز میں سات باتیں شیطانی حرکات میں شامل ہیں۔ نکسیر پھوٹنا، اونگھنا، وسوسے، جمائی لینا کھجلانا، ادھر ادھر دیکھنا اور کسی چیز سے کھیلنا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز میں خشوع اس امر کا نام ہے کہ نمازی کو اپنے دائیں بائیں کی کچھ خبر نہ ہو۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے مطابق جو کوئی نماز میں قصداً یہ معلوم کرے کہ اس کے دائیں بائیں کیا ہے یا کون کھڑا ہے تو اس کی نماز نہیں (یعنی کامل نہیں) سفیان ثوریؒ تو فرماتے

---

[1] قوت القلوب، صفحہ ۲۰۷۔

[2] ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ، جلد ۴، صفحہ ۲۴۰، ضیاء القرآن پبلیکیشنز۔

ہیں کہ جس کی نماز میں خشوع نہیں اس کی نماز فاسد ہے (یعنی مقصد سے دور ہے) بعض علماء کا فرمان ہے کہ جس نے نماز کی حالت میں فرش یا دیوار پر لکھا ہوا ایک جملہ پڑھ لیا اس کی نماز فاسد ہو گئی یعنی خشوع و خضوع جاتا رہا۔ اگر نماز میں جمائی آئے تو ہونٹوں کو بند کر لے، نماز میں ٹھوڑی ہینے سے نہ لگائے، اس قسم کے مکروہاتِ نماز اور دیگر مسائل نماز کی کتب میں ملاحظہ فرمائیں۔

نماز کی حالت میں مسائل حل کرنے پر اعتراض

امام محمد غزالی ؒ کے چھوٹے بھائی حامد غزالی بڑے کامل ولی اللہ تھے اور امام محمد غزالی کے پیچھے نماز نہ پڑھتے تھے۔ جب آپ کی والدہ نے پوچھا تو بتایا کہ امام صاحب کا قالب تو نماز میں ہوتا ہے مگر قلب کتابوں میں اور فقہی الجھنوں میں پھنسا رہتا ہے والدہ نے کہا کہ یہ مرض تو تم میں بھی ہے کیونکہ وہ تو نماز میں مسائل ڈھونڈتا ہے اور تم نماز میں اس کی عیب جوئی کرتے ہو وہ تم سے بہتر ہے۔ کامل نماز تو جب ہوتی ہے کہ تمہیں ماسوی اللہ کے کچھ خبر نہ ہو۔[1]

نیت میں فتور کا آنا اور عبادت میں لذت کا پایا جانا

حضرت مجدد ؒ نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ نسبت میں فتور آنے اور عبادات میں حلاوت نہ ہونے کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں اور جو وجہ فتورِ رابطہ کی ہوتی ہے وہی حلاوتِ عبادت کو بھی روک دیتی ہے۔ ان دو وجوہات میں ایک تو قبض ہے جو سلوک میں عموماً ہو جاتی ہے دوسری وجہ کسی لغزش کے ارتکاب سے (خواہ چھوٹی ہی کیوں نہ ہو) کدورت کا طاری ہو جانا ہوتا ہے۔ دوسری وجہ کا علاج توبہ استغفار سے کرنا چاہیے تاوقتیکہ اللہ کی مہربانی سے لغزش کا اثر زائل نہ ہو جائے۔ قبض والی وجہ بُری نہیں لیکن چونکہ قبض اور کدورت میں فرق معلوم کرنا مشکل ہے اس لیے قبض کی صورت میں بھی توبہ و استغفار فائدہ مند ہے۔

کبھی ساٹھ سال میں ایک بھی نماز قبول نہیں ہوتی

حدیث شریف میں ہے کہ انسان ساٹھ سال تک نماز پڑھتا ہے اور پھر بھی اس کی ایک بھی نماز قبول نہیں ہوتی کیونکہ اس کی نماز کے قیام، رکوع، سجود وغیرہ میں کمی رہ جاتی ہے۔[2] بعض روایات میں چالیس سال میں ایک نماز بھی قبول نہ ہونے کا ذکر ہے اور کچھ روایات میں ہے کہ بعض لوگوں کی پانچ اور بعض کی پچاس نمازوں سے ایک ہی نماز مکمل ہوتی ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایسا نمازی اگر مر جائے تو اس کی موت فطرت اسلام پر نہیں ہوتی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو اکڑ اکڑ کر اترا کر چلتا ہے اللہ

[1] تربیۃ العشاق، محمد ذوقی، صفحہ ۱۵۵، محفل ذوقیہ، کراچی۔

[2] مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث ۲۹۶۳، جلد ۱، صفحہ ۲۵۷۔

تعالیٰ اس کی طرف نہیں دیکھے گا اور جس کی نماز میں رکوع، سجود پورا نہیں اللہ تعالیٰ اس کی نماز کو قبول نہیں فرمائے گا۔ صحابہ کرام اس قدر عاجزی کرتے کہ زمین پر بھی نماز پڑھ لیتے اور مٹی سے پرہیز نہ کرتے تھے اور پیشانی اپنے اور مٹی کے درمیان کوئی چیز حائل نہ رکھتے تھے۔ حضور ﷺ کا مسجد نبوی کے پانی اور مٹی کے درمیان سجدہ کرنے کی روایات ملتی ہیں۔

مسلمان کی نماز اور کردار

یہ بات ہر کسی کے مشاہدے میں ہے کہ آج کے مسلمانوں کی بھاری اکثریت نماز سے غافل ہے اور کچھ لوگ جو نماز ادا کرتے ہیں ان کی اکثریت محض رسمی طور پر فریضہ نماز کو ادا کرتی ہے۔ یہ امر بھی قابلِ تسلیم ہے کہ جو نماز مسلمان کے اخلاق اور کردار پر اثر انداز نہ ہو وہ نماز یقینی طور پر ناقص ہے۔ مسلمان کا علم اور کردار اس کی نماز کیلئے کسوٹی ہے۔ عام نمازی کو دیکھیں تو اس میں بہت سی برائیاں موجود ہوتی ہیں اور ان برائیوں کے دور ہونے کی رفتار عموماً بہت کم ہوتی ہے۔ کوئی عجب نہیں کہ برنارڈ شا نے کہا تھا "اگر میں نے دنیا میں کوئی بہترین چیز دیکھی ہے تو وہ اسلام ہے اور جو بدترین چیز دیکھی تو وہ مسلمان ہے"۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ جو مسلمان نماز ادا کرتے ہیں اور اچھے خاصے دیندار بھی ہیں تو پھر ان میں یہ اخلاقی برائیاں اور غیر معیاری کردار کیوں دیکھنے میں آتا ہے؟ اس کی پہلی وجہ وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی کہ ایسے نمازی عادتاً یا رسمی طور پر نماز پڑھتے ہیں اور نماز کے اغراض و مقاصد اور اس کی روح رواں سے واقفیت نہیں رکھتے (اس کتاب میں نماز کے اسی پہلو پر زیادہ روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ اس کے پڑھنے والوں کو نماز کے فوائد اور کمالات کا علم ہو سکے)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگ جو مذہب سے گہرا لگاؤ نہیں رکھتے، نماز کی ظاہری صورت پر ہی اکتفا کر لیتے ہیں اور محبت یا عشق کی حد تک اس سے وابستہ نہیں ہوتے کیونکہ ہر شخص کی فطرت اور طبیعت اس طرف مائل نہیں ہوتی اس لیے وہ نماز جس میں محبت، عشق یا خدا سے پیوستگی نہ ہو تو وہ ان کیلئے سطحی حیثیت ہی رکھتی ہے۔ نماز سے گہرا لگاؤ رکھنا ان کی طاقت سے باہر ہے۔ ایسے نمازی نماز سے مکمل استفادہ نہیں کر سکتے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ایسے نمازی بالعموم جذباتی ہونے کی وجہ سے تعلیمات اولیاء کرام اور علماء کرام سے وقتی طور پر تو بہت متاثر ہوتے ہیں مگر زیادہ دیر تک ان کی تعلیمات کا اثر اپنے دلوں میں محفوظ نہیں رکھتے چنانچہ اِدھر پند و نصیحت سنی اُدھر اس کا اثر بھی جاتا رہا۔ افسوس کی بات ہے کہ مسجدوں کے وعظ اور نصیحت کا معیار عوام کے نزدیک لحنِ تقریر اور حسنِ بیان تک ہی محدود ہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ شعلہ بیان مقرر کو ہی سنا جائے۔ ایسے مقررین کا اثر ان پر ہوتا تو ہے مگر چونکہ یہ محض سامعین کی ذہنی عیاشی کو پورا کرتا ہے اور سامعین ایسا وعظ سن کر محظوظ تو ہوتے ہیں مگر چند منٹوں کیلئے۔ اس کے بعد یہ وعظ ان کے ذہنوں سے چکنے گھڑے پر پانی کی طرح پھسل جاتا ہے۔ رقت آمیز وعظ بھی ہوتے ہیں۔ سیرت رسول اللہ ﷺ کی باتوں سے لوگوں پر

کیفیت طاری بھی ہوتی ہے مگر سننے والے پر اس کا اثر چند منٹوں سے زیادہ نہیں رہتا۔ ان کا غصہ، تکبر، بغض، حسد، کینہ، ھوا، بے ایمانی، بدکرداری اور فسق و فجور کی عادات بدستور باقی رہتی ہیں۔ اس لیے ایسے نمازی نماز کی خوبیوں سے محروم رہتے ہیں۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ چونکہ خواہشاتِ نفسانی کا تبدیل ہو جانا بہت مشکل امر ہے اور ان کو تو ریاضتِ شاقہ، شریعت کے احکام کی پابندی اور نماز کی حسن ادائیگی کے سوا تبدیل کرنا ممکن نہیں۔ لہٰذا جب نماز کا یہ معیار نہ ہو تو نفس جوں کا توں باغی اور سرکش رہتا ہے۔ پانچویں وجہ صحبت صالحہ سے فرار ہے جو آج کل عام لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ یاد رہے کہ کبھی اولیائے کرام کی صحبت میں گزارے جانے والے چند لمحات ہی انسانوں کی زندگیوں کو بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی وجوہات ہیں جو ان وجوہات کے مقابلے میں زیادہ اہمیت کی حامل نہیں۔

اپنی عبادات کا جائزہ لیتے رہو تا کہ خامیاں دور کی جا سکیں

بزرگوں کا قول ہے کہ ایک عالم کی دو رکعت نماز جاہل کی سال بھر کی عبادت سے افضل ہے کیونکہ جاہل کو اپنے اعمال کی آفات کی خبر ہی نہیں ہوتی۔ لہٰذا سالک ان آفات کو معلوم کرے اور پھر اس کے صحیح ہونے کی پڑتال کرتا رہے۔ بزرگوں کا یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنا محاسبہ کرتے ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کئی سال تک مجاہدات کرتے رہے تو پھر بھی اپنے اندر تکبر اور ریا وغیرہ کی آمیزش کو محسوس کیا۔ پھر آپ نے دو دو سال تک ان خصائل میں سے ہر خصلت کو دور کرنے کیلئے مجاہدات کئے۔ جب مکمل تزکیہ ہوا تو پھر یہ عالم تھا کہ جس وقت آپ رات کو اپنے حجرہ میں بیٹھ کر پوری دنیا کی طرف توجہ فرماتے تو تمام جنات اپنی اپنی جگہوں پر تھر تھر کانپتے کہ ہم پر آپ کوئی گرفت نہ فرمائیں۔ آپ کے مناقب بہت مشہور ہیں جس کو سن کر لوگ دنگ رہ جاتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ امارت کے زمانے میں اپنے نقائص کے متعلق صحابہ کرام سے پوچھتے تھے۔ کبھی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھتے کہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو منافقین کی فہرست لکھوائی ہے کیا ان میں میرا نام تو نہیں؟ اس کتاب کے عبادت کے باب میں "امتحان خویش کن و ہشیار باش" والا مضمون اس بیان کے ساتھ مطالعہ فرمائیں۔

مشائخ کے مجاہدات کا عجب انداز

حضرت بایزید بسطامیؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ اپنے تیس برس کی ریاضتوں اور مجاہدوں کا حال ہمیں بھی بتائیں۔ فرمایا کہ میری ادنیٰ ریاضتوں کا تم یقین نہیں کرو گے اور اگر اعلیٰ ریاضتوں کی کیفیت بیان کر دوں تو تم سُن نہیں سکو گے۔ کہا اپنی کوئی ادنیٰ ریاضت ہی بیان فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے نفس نے پلاؤ کھانے کی خواہش ظاہر کی لیکن میں اس کی مخالفت کرتا رہا۔ جب نفس نے بہت مجبور کیا تو میں نے کہا اچھا تیری خواہش پوری کئے دیتا ہوں مگر اس شرط پر کہ اور کچھ خواہش نہ کرو گے۔ جب نفس نے مان لیا تو میں نے

پلاؤ پکوایا اور کہا اب خوب کھاؤ جتنی تیری مرضی ہے۔ پلاؤ کھانے کے بعد نفس نے کہا ''پانی'' میں نے کہا خبردار اب کوئی خواہش نہ کرنا، تیرے ساتھ شرط طے ہوئی تھی۔ چنانچہ میں نے سال بھر اس کو پانی نہ دیا۔

تربیت عشاق میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت بایزید بسطامیؒ نے اپنے نفس کا معائنہ کیا تو اسے بہت موٹا پایا۔ آپ نے فرمایا ''اے نفس! میں تو تمہیں بہت کم کھانا کھلاتا ہوں، کم سُلاتا ہوں، تمہاری کوئی خواہش پوری نہیں کرتا پھر تم اتنے موٹے کیوں ہو گئے ہو'' اس نے جواب دیا کہ ''اس یاقوتی کی بدولت جو مجھے مل جاتی ہے'' (موٹا ہو جاتا ہوں) آپ نے پوچھا کون سی یاقوتی؟ نفس نے کہا وہی جب آپ بازار جاتے ہیں تو سب لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں عزت کرتے ہیں ہاتھ چومتے ہیں بس اس میں اپنا کام بن جاتا ہے۔ فرمایا ''اچھا یہ بات ہے''۔ رمضان کے مہینے میں نفس کے علاج کیلئے آپ نے روٹی کا ایک ٹکڑا منہ میں لے کر چبانا شروع کر دیا۔ اب لوگوں میں بدظنی شروع ہو گئی اور باتیں بننے لگیں۔ بہت سے لوگوں نے نفرت شروع کر دی۔ پھر آپ نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ نفس بہت نحیف ہو گیا ہے۔[1] یہاں ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں، قارئین کے ذوق کے لئے اس نوعیت کے واقعات راقم الحروف کی کتاب ''جنیدؒ و بایزیدؒ'' میں بہت تفصیل کے ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں وہاں مطالعہ فرمائیں۔

ان باتوں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ پہلے اپنے ایمان کو صحیح کرے، پھر اعتقادات کی طرف توجہ کرے۔ اس کی حقیقت صحیح العقیدہ بزرگوں سے اور کتب سے بھی معلوم ہو سکتی ہے۔ عقائد کی درستگی کے بعد عبادات کی طرف آنا تاکہ فرائض اور سنن کی ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو صحیح مسلمان ہونے کیلئے ضروری ہے۔ اپنی ان عبادات کے اثر کو گاہے گاہے آزمانا بھی ضروری ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ عبادات اپنی صحیح صورت میں ادا ہو رہی ہیں یا صرف رسمی صورت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر یہ اثرات اس میں پائے جاتے ہیں تو نماز درست ہے ورنہ ان کی درستگی کی فکر کی جائے اور درستی نماز کیلئے متعلقہ تجاویز کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ خامی کہاں رہ گئی ہے۔ اگر یہ بات نہ سمجھ آئے تو شیخِ کامل سے رجوع کریں اور جو وہ رائے دے تو اس پر عمل کریں۔

عبادات ادا کر لینے کے بعد کچھ مزید مجاہدوں اور ریاضتوں کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ مقامات میں بلندی پیدا ہو اور پھر یہ مجاہدات بھی کسی کامل شیخ کی نگرانی میں ہونے چاہییں تاکہ وہ بوقت ضرورت اصلاح کرتا رہے۔ ایک شخص حضرت بایزید بسطامیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ جناب میں گزشتہ تیس سال سے مجاہدات اور ریاضات میں بہت کوشش کر رہا ہوں اور آپ کی تمام باتوں پر اعتقاد بھی رکھتا ہوں، مگر جو کمالات اور کیفیات آپ کی ذات سے ظاہر ہوتی ہیں وہ مجھے میسر نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم اس طرح تیس سال تو کیا تین سو سال بھی عبادت کرو گے تو تمہارے اندر بزرگوں جیسے کوائف پیدا نہیں ہو سکتے۔ تمہارے لیے مشکل ہے۔ اس کے اصرار پر حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ بازار جاؤ اور اپنے بال منڈوا کر

---

[1] تربیۃ العشاق، صفحہ ۸۰، ۸۱۔

ایک تھیلے میں بہت سے اخروٹ بھرلو اور اپنے محلے میں جہاں تمہیں سب جانتے ہیں آجاؤ اور بچوں کو اکٹھا کر کے کہو کہ جو مجھے ایک تھپڑ مارے اس کو ایک اخروٹ دوں گا اور جو دو تھپڑ مارے اس کو دو اخروٹ ملیں گے۔ اس نے کہا کہ یہ تو بہت مشکل بات ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے تجھے نہ کہا تھا کہ تم اس کا علاج نہیں کر سکتے؟

درج بالا بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک سالک تکبر، حسد، کینہ اور دیگر آفاتِ نفس سے آزاد نہ ہو جائے اور تمام لوازماتِ طریقت پورے نہ کئے ہوں تو بزرگی اس کے پاس سے بھی نہیں گزرتی۔ موقع کے مطابق اپنی کجی کا علم ہوتا رہے اور ساتھ ساتھ اس کا علاج بھی کرے۔ یہ وہ کام ہے کہ جو بغیر کسی شیخ کے ہونا مشکل ہے۔ اگر کوئی خود بخود ریاضت اور مجاہدات کرے گا تو اس کے گمراہ ہونے یا بھٹکنے یا دھوکہ کھانے اور شیطان کے فریب میں آجانے کا خطرہ رہتا ہے۔

باب نمبر ۸

درجۂ معراج اور مقربین کی نمازیں

(نماز میں قربِ الٰہی اور مشاہدۂ حق)

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ

حضرت داتا گنج بخش ؒ نے کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ جب سرکارِ دو عالم ﷺ کو معراج پر لے جایا گیا تو پہلے مقام جمع اور تفریق پر پہنچایا، پھر دل کو جان کے درجے پر اور جان کو سر کے درجے پر اور سر کو درجۂ فنا سے محویت پر پہنچایا۔ جب سرّ تمام درجوں سے فانی ہوا تو تمام مقاموں سے محو ہوا اور آپ ﷺ نشانیوں سے بے نشان ہوئے اور مجاہدے میں اللہ کے مشاہدے میں دنیا کے مشاہدے سے غائب ہوئے اور معائنے سے دور ہوئے، شرفِ انسانی دور ہوا۔ بشری قویٰ (مادۂ نفسانی) جل گیا اور قویٰ طبعی نابود ہوئے تو مشاہداتِ ربانی اپنی ولایت میں عیاں ہوئے۔ آپ سے آپ میں رہے اور معنی معنی کو پہنچے اور مکاشفۂ لم یزل (خدا) میں محو ہوئے اور اپنے اختیار سے باہر ہو کر راہِ شوق اختیار کر کے عرض کی "الٰہی مجھے اس بلا خانے میں واپس نہ لے جا اور قید ہوا میں نہ ڈال" حکم ہوا کہ ہمارا فرمان یہی ہے کہ آپ دنیا میں واپس جائیں اور قانونِ شرع قائم کریں اور جو کچھ ہم نے آپ کو یہاں دیا ہے وہاں بھی ملے گا۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ مَّعْلُوْمٌ لَایَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ" (میرا اللہ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہوتا ہے جس میں میرے اور اللہ کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہوتی نہ کوئی مقرب فرشتہ اور نہ ہی کوئی نبی مرسل)[1] اس حدیث کے بارے میں حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا وہ وقت نماز میں ہوتا تھا اور وہی لطف اور کیف جو معراج میں آپ ﷺ کو میسر ہوا تھا وہ دنیا کی کیفیتوں کے مطابق یہاں بھی آپ ﷺ کو میسر ہوتا۔ چنانچہ جب آپ ﷺ کو دنیا کی مشکلات درپیش ہوتیں اور طبیعت غمگین ہوتی تو کمالِ حیرت سے محلِ شوق کے طالب ہوتے پھر نماز ہی میں آپ ﷺ اپنی راحت ڈھونڈتے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرماتے "اَرِحْنَا یَا بِلَالُ بِا الصَّلٰوۃِ"[2] (اے بلال ہمیں نماز سے خوش کرو)۔ نیز فرمایا کرتے "قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ"[3] (نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے) حضور ﷺ کے توسّل سے اُمت کو بھی اس معراج سے حصہ ملا ہے اور اسی لیے فرمایا "اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ

---

[1] شرح سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر ۴۲۳۹، جلد ۱، صفحہ ۳۱۳۔

[2] احیاء العلوم، جلد ۱، صفحہ ۱۶۵۔

[3] سنن نسائی، احمد بن شعیب النسائی، متوفی ۳۰۳ھ، حدیث ۸۸۸۸، جلد ۷، صفحہ ۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

الْمُؤْمِنِیْنَ"[1] (نماز مومنین کیلئے معراج ہے) کیونکہ یہ بندوں کو خدا سے مِلا دیتی ہے اور ہم کلام کر دیتی ہے۔

علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے ؎

در بدن داری اگر سوزِ حیات ہست معراجِ مسلماں در صلوٰت[110]

(اگر بدن میں سوزِ حیات رکھتے ہو تو مسلمان کی معراج نماز میں (ہی) ہوتی ہے)

احادیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ جب رسول ﷺ کو کسی نعمت یا انعام سے نوازتے ہیں تو آپ ﷺ کی اُمت کو بھی اس انعام میں ضرور شامل فرماتے ہیں اور معراج بھی ان انعامات میں سے ایک ہے۔ لہٰذا جہاں خدائے لم یزل نے فرمایا "إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ" (بیشک اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں) تو پھر یہ بھی فرمایا "هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ" (خدا کی ذات اور فرشتے (اے مومنوں) تم پر بھی درود بھیجتے ہیں) (الاحزاب ۵۶، ۴۳)۔

حضرت مجددؒ مکتوب نمبر ۷۷ (صفحہ ۱۴۸۰، مترجم سعید احمد) میں ایک حدیث کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ معراج پر گئے تو یہ آواز سنی "قِفْ يَا مُحَمَّدُ فَإِنَّ اللهَ يُصَلِّي"[2] (اے محمد ﷺ ٹھہر جایئے کہ اللہ تعالیٰ صلوٰۃ پڑھ رہے ہیں) فرماتے ہیں کہ وہ عبادت جو اللہ تعالیٰ کی جہت کے لائق ہے وہ مراتبِ وجوب سے صادر ہوتی ہے نہ کسی اور سے یعنی اللہ نے اپنے اوپر مخلوق کیلئے رحمت بھیجنا واجب کر لیا ہے اللہ تعالیٰ کا صلوٰۃ ادا کرنے سے مراد صلوٰۃ کی اہمیت ظاہر کرنا ہے یعنی یہ کہ مراتب نماز کے اوپر کوئی مقام نہیں جو عابدوں کیلئے ہو، اس سے اوپر معبودیت کا مقام ہے۔ حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ ٹھہرنے کا حکم وہی کوتاہی قدم کی طرف اشارہ ہو یعنی قدم آگے نہ رکھیئے کہ نماز کے مرتبہ کے اوپر (جو کہ مرتبہ وجوب سے صادر ہے) اللہ تعالیٰ کا مرتبہ تجرد و تنزہ (عیب سے پاک ہونا) ہے۔ اس جگہ قدم کی جولانگاہ نہیں اور نہ گنجائش ہے۔ (یعنی نماز سے اوپر کوئی قدم نہیں رکھا جاسکتا)۔

یہ نماز ہی ہے جو منتہی لوگوں کا وصف ہے، دوسری عبادتیں شاید نماز کی تکمیل میں مدد دیتی ہیں یا جو اس کے نقصان کی تلافی کریں (یعنی نماز میں کمی ان عبادات سے پوری ہوتی ہے) یہی وجہ ہے کہ نماز کو ایمان کی طرح حسن لذاتہ کہتے ہیں۔ دوسری عبادتیں بذاتِ خود حسن نہیں ہیں چنانچہ ہر نماز میں آپ ﷺ کیلئے معراج اور تقرب تھا خلقت کی نگاہوں میں آپ ﷺ نماز میں ہوتے، دراصل آپ کی جان اور دل نیاز میں ہوتے اور سرراز میں اور بدن گداز میں ہوتا۔ آپ کا تن پاک اس ملک میں ہوتا اور جان ملکوت میں ہوتی اس لیے کہ تن انس (انسان) ہے اور جان اُنس (محبت یا اختلاط) ہے۔ "قِفْ يَا مُحَمَّدُ ﷺ" والی حدیث کے حوالہ جات اور حضرت مجددؒ کی تشریحات کیلئے ہماری تصنیف "اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبال" کا بھی مطالعہ فرمائیں۔

---

[1] مرقاۃ المفاتیح، جلد ۲، صفحہ ۵۷۹۔

[2] تفسیر روح البیان، جلد ۱۱، صفحہ ۷۳۔

حضرت علی ہجویری ؒ کا نظریۂ حضور

حضرت علی ہجویری فرماتے ہیں کہ بعض بزرگ کہتے ہیں کہ جو نماز سے پہلے غائب ہوتے ہیں وہ نماز میں حاضر ہو جاتے ہیں اور جو پہلے حاضر ہوتے ہیں نماز میں پہنچ کر غائب ہو جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ نماز نہ آلۂ حضور ہے اور نہ آلہ غیبت کیونکہ امر کسی چیز کا آلہ نہیں ہوتا اگر نماز حضور کا آلہ ہوتی تو نماز کے بغیر حضور نہ ہو سکتا اور اگر غیبت کا آلہ ہوتی تو غائب ترکِ نماز پر بھی حضور میں ہوتا۔ نماز غیبت اور حضور میں محدود نہیں نماز تو ایک قوت ہے۔ حضرت علی ہجویری ؒ فرماتے ہیں کہ اہل مجاہدہ اپنے مریدوں کو دن رات میں چار سو نفل کا حکم دیتے ہیں تاکہ بدن کو نماز کا خوگر بنا لیں اور اہلِ استقامت شکرانے میں بہت سے نفل ادا کرتے ہیں۔ حسین بن منصور ۴۰۰ نفل پڑھتے تو لوگ کہتے کہ آپ تو مقرب ہیں اتنے نفل کیوں پڑھتے ہیں۔ فرماتے کہ یہ رنج وراحت تو تمہارے حال میں ہیں۔ جو فانی الصفت ہو گیا اس پر رنج وراحت کا اثر نہیں ہوتا۔

حضرت داتا گنج بخش ؒ رماتے ہیں کہ صاحبِ حال مقام جمع میں ہوتے ہیں اور رات دن نماز میں رہتے ہیں۔ سنت اور نفلیں ادا کرتے ہیں اور جو تفریق میں ہوتے ہیں فرائض اور سنت سے زائد نہیں پڑھتے (جمع اور تفریق کی تفصیل نیچے دے دی گئی ہے) اور جمع کے متعلق فرماتے ہیں کہ

اَلْجَمْعُ مَا جُمِعَ بِاَوْصَافِہٖ وَالتَّفْرَقَۃُ مَافُرِّقَ بِاَفْعَالِہٖ

(جمع وہ ہے جو اپنے اوصاف سے جمع ہو اور تفرقہ وہ ہے جو اپنے افعال سے جدا ہو)۔[1]

پس بندہ جب مجاہدہ سے راہ بنا رہا ہو تو تفریق میں ہوتا ہے اور ہدایت حق ہونے لگے تو مقام جمع میں ہوتا ہے۔ جو افعال عادت کے خلاف ہوں (کرامات) ان کا فاعل اللہ ہے، یہ جمع ہے اور جو افعال مطابق عادت ہیں وہ تفریق ہیں۔ اہل حق کیلئے مقامِ خصوصیت جمع کہلاتا ہے اور دورانِ ریاضت یا عرصۂ عبودیت کیلئے تفرقہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ پاک محمد مصطفٰے ﷺ کو معراج پر لے گئے اور مقامِ جمع اور تقرب میں پہنچایا تو آپ ﷺ کا نفس دنیا کے بندے سے چھڑا دیا گیا اور پھر معراج کے بعد واپس آئے تو اس مقامِ معلّٰے کا شوق بار بار آتا تو پھر آپ ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کیلئے فرماتے۔ رسالہ غوثیہ میں ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے القا فرمایا کہ ''اس شخص کی کوئی معراج نہیں جس کی نماز نہ ہو (یہ اس لیے کہ معراج مومن کیلئے ہے)''۔

صوفیاء نے فرمایا ہے کہ عام لوگوں کی معراج یہ ہے کہ غیبت، بے ہودہ کاموں، حدث اور ظاہری پلیدی کو چھوڑ دیں۔ خاصوں کی معراج یہ ہے کہ خطرات نفسانی، شیطانی، باطنی پلیدی اور دوئی کو چھوڑ دیں اور خاص الخاص کی معراج یہ ہے کہ خودی، دوئی اور ہستی، شعور، ترکِ وحی اور سِرّ سے نکل آئیں۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۵۰۰۔

"اَلْمُصَلِّیْ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ "(نمازی اپنے رب کے ساتھ مناجات کرتا ہے)۔ [1]

مشاہدۂ حق

مشاہدۂ حق کے اعتبار سے نماز بھی تین قسم کی ہے۔ ایک عام آدمی کی نماز کہ نمازی یوں محسوس کرے گویا خدا اس کے ظاہری اور باطنی حالات کو دیکھ رہا ہے "اِنَّہٗ یَرَاکَ" کا درجہ (وہ تمہیں دیکھ رہا ہے) دوسری قسم خاص آدمی کی نماز ہے کہ وہ اس طرح پڑھے گویا کہ حق تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے۔ ایسا استغراق ہو جائے کہ گویا حق تعالیٰ کا مشاہدہ کر رہا ہے "کَاَنَّکَ تَرَاہُ" کا درجہ [2]۔ تیسرے خاص الخاص کی نماز جو صحابہ کرام اور مشائخ اکابرین کی نماز ہے کہ وہ نماز میں اپنے شعور سے بالکل بے خبر رہتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے "لَمْ اَعْبُدْ رَبًّا حَتّٰی اَرَاہُ" [3] (میں پروردگار کی عبادت نہیں کرتا جب تک کہ میں اسے دیکھ نہ لوں (کَاَنَّکَ تَرَاہُ کا اعلیٰ درجہ)۔ یہ دیکھنا قلبی بصیرت سے ہوتا ہے۔ قاری طیب کی کتاب فلسفۂ نماز میں ہے کہ ہر مسلمان کو نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے پانچ وقت معراج نصیب ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ صحیح نماز میں بندے کی نظر اللہ کے چہرہ پر ہوتی ہے اور اس کا سر اللہ کے قدموں میں ہوتا ہے اور کلام بھی سب اللہ سے ہوتا ہے۔ اہلِ مشاہدہ اس معراج کو دنیا میں ہی دیکھ لیتے ہیں اور ایسے ہی معاملے میں کہا گیا ہے ؂

امروز گر جمالِ تو بے پردہ ظاہر است ۔۔۔ در حیرتم کہ وعدہ فردا برائے چیست

(یعنی اگر خدا کا جمال آج بھی نظر آتا ہے تو پھر میں حیران ہوں کہ کل (قیامت کو) دیدار کا وعدہ کس لیے ہے؟)

مراقبہ والے معراج کو معرفت کے درجے تک پہچان لیتے ہیں۔ اہلِ مجاہدہ ایمان رکھتے ہیں اور ان کے مشاہدے کا وقت موت کے بعد آتا ہے اور وہ جان لیں گے کہ یہ تجلی ان کی روحوں پر دنیا میں کھلا کرتی تھی اور موت کے بعد ان کو جو زندگی میں معراج ہوا کرتی تھی پہچان لیں گے۔ "یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ" (القلم:۴۲)۔ یعنی خدا کی پنڈلی کی تجلی والی آیت کی تشریح جو اس کتاب میں پہلے تحریر کر دی گئی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

چلّوں کے متعلق اسلامی نظریہ

غیر اسلامی مقاصد کیلئے یعنی غیر شرعی چلّوں کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ اس جگہ چلّہ کی اسلامی حیثیت کے متعلق چند معروضات پیش کی جا رہی ہیں۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ تاجدارِ مدینہ نے فرمایا کہ جو شخص چالیس دن اخلاص کے ساتھ ایسی نماز پڑھے کہ تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو تو اس کو دو

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۵۰۸، جلد ا، صفحہ ۱۹۸۔

[2] صحیح بخاری، حدیث ۴۸، جلد ا، صفحہ ۸۷۔

[3] تفسیر روح البیان، محمد اسماعیل حقی، جلد ۳، صفحہ ۱۹۶، بیروت۔

پروانے ملتے ہیں۔ ایک جہنم سے چھٹکارا اور دوسرا نفاق سے بری ہونا۔[1] ایک حدیث میں ہے کہ انسان چالیس دن نطفہ رہتا ہے، چالیس دن گوشت کا لوتھڑا اور مختلف حالات میں چالیس دن گزارنے کا بیان آیا ہے۔[2] اس لیے صوفیاء کے ہاں چالیس دن کا چلہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ امداد السلوک میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ایسا بھی ہے کہ جو شخص چالیس دن حق تعالیٰ کے ساتھ اخلاص کا برتاؤ کرے تو اس کے دل و زبان سے حکمت کے چشمے پھوٹنے لگیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چالیس دن کوہِ طور پر گزارنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غارِ حرا میں کئی کئی دن گزارنا بھی مستند روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آج کل مسلمانوں نے چند عملیات کو سفلی عاملوں سے سیکھ کر حرام روزی کا ذریعہ بنا لیا ہے اور قوم کی اکثریت ان کے کمالات کی معترف ہو چکی ہے۔ حضرت مجددؒ کا فرمان ہے کہ ''ایسے بنے ہوئے صوفی نہیں جانتے کہ ایک فرض کا جماعت کے ساتھ ادا کر دینا ان کے ایسے غیر شرعی ہزاروں چلوں سے بہتر ہے''۔ اس بات کا ذکر مسلمانوں کے کردار کے بیان میں تفصیل کے ساتھ کر دیا گیا ہے رجوع فرمائیں۔

مسلمانوں کی جماعت میں ایک ایسا گروہ آج بھی دیکھنے میں آتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ نماز اللہ کے ذکر کے سوا کچھ بھی نہیں اور جب اللہ کی یاد دل میں موجود ہو تو نماز اور عبادات اٹھ جاتی ہیں۔ یہ سراسر لادینیت ہے۔ عوارف المعارف میں حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ سراسر غلطی پر ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ نماز سے مقصود اللہ کا ذکر ہے اور جو یہ کہتے ہیں کہ جو ذکر میں مشغول رہا اس کیلئے نماز کی کیا ضرورت ہے، یہ گمراہی ہے۔ جب تک انسان دنیا میں موجود ہے اس کا دینی اعمال (فرائض، سنن ونوافل) سے گریز قطعی سرکشی ہے۔ جس طرح اعمال احوال سے پاکیزہ بنتے ہیں اسی طرح احوال بھی اعمال سے نشوونما پاتے ہیں۔ جب اعمال نہ ہوں گے تو احوال بھی نہ ہوں گے۔ ہاں اگر اعمال ہوں تو احوال سے اعمال کا تزکیہ ہوتا ہے (نوٹ کریں کہ ذکر واذکار اور صوفیاء کے وظائف کیف وجذب پیدا کرتے ہیں اور ان کی مدد سے شرعی اعمال کو تقویت ملتی ہے)۔

مکتوب نمبر ۹۵ صفحہ ۱۲۲۱ پر مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت اربابِ سکر کی تقلید میں سیدھے راستے سے بھٹک گئی ہے اور نقصان اور گمراہی کے کوچے میں جا پڑی ہے۔ انہوں نے اپنے دین کو برباد کر لیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ان کو یہ علم نہیں کہ کچھ شرائط جو اربابِ سکر میں تو پائی جاتی ہیں لیکن یہ ان میں مفقود ہیں (یعنی سکر کا بہانہ کرتے ہیں) اور ان شرائط میں سے سب سے بڑی شرط اللہ کے ماسویٰ کو بھول جانا ہے۔ حق پرست بزرگ باوجود سکر اور بے شعوری کے شریعت کے خلاف بال برابر حرکت نہیں کرتے۔ حضرت منصورؒ باوجود اَنَا الْحَقّ کہنے کے قید خانہ کے اندر پاؤں میں بھاری زنجیریں ہوتے ہوئے بھی

---

[1] العلل المتناہیہ، ابن جوزی، متوفی ۵۹۷ھ، حدیث ۷۳۴، جلد ۱، صفحہ ۴۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

[2] صحیح بخاری، حدیث ۶۲۲۱، جلد ۶، صفحہ ۲۴۳۳۔

ہر رات پانچ سو نفل نماز ادا کرتے تھے اور وہ کھانا جو ظالموں کے ہاتھوں سے ان تک پہنچتا تھا اگرچہ وہ حلال کمائی سے تھا نہیں کھاتے تھے۔ خواجہ شمس الدین سیالوی ؒ فرماتے ہیں کہ جو نفلی عبادت کریں اور فرض کو ترک کردیں وہ ایسے ہیں جیسے قرض خواہ کو بار بار تحفے ادا کرتے ہیں مگر اصلی رقم نہیں دیتے۔

عبادت کی پہچان (زیادہ برا اور کم برے میں فرق)

تربیتِ عشاق میں لکھا ہے کہ جب شیطان دیکھتا ہے کہ اللہ کے نیک بندے پر اس کا داؤ نہیں چلتا تو وہ ایک اور چال چلتا ہے وہ یہ کہ اسے اعلیٰ عبادت سے ہٹا کر ادنیٰ عبادت میں مشغول کردیتا ہے۔ یہ اس لیے کہ ادنیٰ اور اعلیٰ عبادت کی پہچان بہت مشکل ہے۔ ایک دفعہ چند اولیاء کرام باتیں کررہے تھے کہ عاقل کون ہے؟ سب نے کہا کہ عقلمند وہ ہے جو نیکی اور بدی میں تمیز کرسکے۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے فرمایا کہ غلط ہے۔ یہ کام تو کتا بھی کرلیتا ہے۔ کتے کی طرف ہڈی پھینکو تو آتا ہے اور پیار کرنے لگتا ہے لیکن اگر پتھر پھینکو تو بھاگ جاتا ہے اور ناراض ہونے لگتا ہے یہ کون سی بڑی بات ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ پھر آپ ہی بتائیے۔ انہوں نے کہا عاقل وہ ہے جو دو نیکیوں میں تمیز کرسکے کہ ان میں سے افضل کون سی ہے اور دو برائیوں میں تمیز کرسکے کہ ان میں سے بدتر کونسی ہے۔ جب یہ فرق معلوم ہوجائے تو شیطان کا بس اس پر نہیں چلتا۔ شیطان اس وقت آسانی سے انسان پر قابو پالیتا ہے جب کوئی بزرگ کرامات دکھانے کی طرف مائل ہو۔ کشف و کرامات کا ظہور اولیاء میں اس وقت ہوتا ہے جب وہ صفات میں مشغول رہیں (یعنی اسمائے صفاتی کے ورد میں مشغول ہو جائیں) البتہ جو لوگ ذات یا ظلال کی بجائے اصل الاصل میں مشغول رہیں ان کا راستہ بہت محفوظ رہتا ہے۔

مقربینِ بارگاہِ الٰہی کی نمازیں

غُنیۃُ الطالبین میں ہے کہ اللہ کے بندے دل کو بیدار رکھتے ہیں۔ خشوع و خضوع اور مراقبہ کرتے ہیں دلوں کی خواہشات کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان کی نماز کی حقیقت اور ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت یوسف بن عصام خراسانیؒ کی کسی مسجد میں پہنچے تو ایک صوفی یعنی حضرت حاتمؒ کو ایک بہت بڑے حلقے میں دیکھا اور کہا کہ چلو ان سے کچھ سوال کرتے ہیں۔ اگر جواب ٹھیک دیا تو بیٹھیں گے اور ان کا وعظ سنیں گے ورنہ چلے آئیں گے۔ جا کر کہا ہم نے چند مسائل دریافت کرنے ہیں۔ حاتمؒ نے کہا پوچھے۔ یوسفؒ نے کہا کہ نماز کے متعلق پوچھنا چاہتے ہیں۔ فرمایا آدابِ نماز یا معرفتِ نماز کے متعلق پوچھنا چاہتے ہو؟ یوسفؒ نے کہا کہ میرا سوال آدابِ نماز کے بارے میں ہے۔

حضرت یوسفؒ کے درج بالا سوال کے جواب میں حضرت حاتمؒ نے فرمایا کہ آدابِ نماز یہ ہیں کہ حکم کے مطابق اٹھو، ثواب کی نیت سے مسجد کو چلو، پھر نیت کرکے عظمت کے ساتھ تکبیر کہو، ترتیل کے ساتھ قرآن پاک پڑھو، خشوع سے رکوع کرو، عاجزی سے سجدہ کرو، اخلاص سے تشہد پڑھو، رحمت کے ساتھ سلام پھیرو۔

درج بالا سوال کے بعد حضرت یوسفؒ نے جب معرفتِ نماز کے متعلق پوچھا تو حضرت حاتم نے کہا کہ معرفت نماز یہ ہے کہ جنت کو دائیں طرف، دوزخ کو پیچھے، پل صراط کو پیروں کے تلے اور میزان کو آنکھوں کے سامنے خیال کرو اور یقین رکھو تم خدا کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ مرتبہ نہ ہو تو یہ سمجھو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یوسفؒ نے پوچھا کہ اس قسم کی نماز آپ کب سے پڑھ رہے ہیں۔ فرمایا بیس سال سے۔ یوسفؒ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اٹھو تا کہ ہم پچاس برس کی نمازوں کو دوبارہ ادا کریں۔ جب پوچھا کہ آپ نے یہ طریقہ کہاں سے سیکھا۔ تو حاتم نے کہا ان کتابوں سے جو آپ نے ہمارے فائدے کیلئے لکھی ہیں۔[1] غور فرمائیں کتابیں لکھنے والے سے کتابیں پڑھنے والے زیادہ عالم اور عامل نکلے۔ ان کی کیفیت دیکھ کر لکھنے والے خود دنگ رہ گئے۔

الغرض عارفانِ الٰہی کی نمازیں عام لوگوں سے مختلف ہوتی ہیں۔ گو شریعت ہم سے ایسی نمازوں کے وجوب کی توقع نہیں رکھتی مگر چونکہ عرفاء کا تعلق عاشقوں کی جماعت سے ہے اور عاشقوں کی نماز ہی صحیح روح والی نماز ہوتی ہے اس لیے ان کی نمازوں کی کیفیت معلوم کرنا چاہیے تا کہ عام مسلمان بھی اپنی نمازوں میں (ایسی کیفیت اگر چہ نہ سہی) کم از کم اس کوچہ محبت میں قدم رکھنا تو سیکھ لیں۔

صد کتاب آموزی از اہل ہنر — خوشتر آں درسے کہ گیری از نظر[111]

(سینکڑوں کتابیں تم اہل ہنر سے پڑھتے ہو لیکن وہ درس بہت بہتر ہے جو اولیاءؒ کی نظر سے حاصل کرتے ہو)

جھوٹے اور سچے احوال میں امتیاز

یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ لوگوں کی ایک جماعت میدانِ عشق میں قدم رکھنے کا دعویٰ تو کرتی ہے مگر ان کی حرکات کچھ ایسی ہوتی ہیں کہ ان پر خلافِ شرع کا حکم درست ہوتا ہے۔ ایسے لوگ مجذوب بنتے ہیں مگر حقیقتاً وہ مجذوب نہیں ہوتے۔ شریعت نے صرف ان طالبان صادق کو جو جذب اور مستی میں سچے ہیں معذور تصور کیا ہے۔ مثال کے طور پر دربار نیریاں شریف کے ایک مجذوب صادق کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ نماز نہیں پڑھتا تھا اور ہمہ وقت مشاہدہ میں ہی غرق رہتا تھا۔ لوگ گواہی دیتے ہیں کہ وہ خورد و نوش کی بھی حاجت محسوس نہ کرتا تھا۔ جب اس کی شکایت شیخ کامل حضرت محی الدین نقشبندیؒ (نیریاں شریف کے سجادہ نشین) سے کی گئی تو اگر چہ وہ اس کی کیفیت سے آگاہ تھے مگر اتمامِ حجت کیلئے اپنے اس مرید کو طلب کیا اور پھر حکم دیا کہ جاؤ وضو کرو اور نماز پڑھو۔ وہ شخص گیا اور پانی کے نالے پر وضو کرنے لگا مگر جونہی ہاتھ دھونا شروع کئے تو کیفیت جذب طاری ہو گئی اور تین دن رات مسلسل ہاتھ ہی دھوتا رہا۔ کسی نے حضرت صاحب کو اطلاع کی کہ آپ کا مرید تین دن سے وضو کر رہا ہے مگر ابھی وضو نہیں کر پایا ہاتھ ہی دھونے میں الجھا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ وہ نماز نہیں پڑھتا اور ایسی حالت میں شریعت اسے معذور تصور کرتی ہے۔ ہاں وہ جھوٹے قلندر جو دنیا

---

[1] عوارف المعارف، جلد ۱، صفحہ ۵۳۵۔

کا ہر شوق تو پورا کرتے ہیں مگر نماز کے وقت قلندر بن جاتے ہیں اور خود کو ہر وقت نماز میں مستغرق ظاہر کرتے ہیں وہ بنے ہوئے جھوٹے اور متصوف جاہل ہیں۔

حضرت علی ہجویریؒ نے ابن معاذ رازیؒ کا قول کشف المحجوب میں نقل کیا ہے کہ تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے بچو۔ ایک غافل بے عمل دوسرے فقیر مداہن تیسرے غیر شرعی عامل اور متصوف جاہل سے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے شروع سے ہی صوفیاء کو بدنام کیا ہے اور تمام مشائخ نے اپنے اپنے زمانے میں ان کے ہاتھوں تکلیف اٹھائی ہے اور ان کی مذمت بیان کی۔ ان لوگوں نے گروہ صوفیاء کے چہروں پر بدنما داغ لگانے کی کوشش کی ہے اور آج بھی ایسے بہت سے متصوف جاہل ملیں گے جو خود کو ملنگ یا قلندر کہتے ہیں۔ جھوٹے صوفیوں کے چلّوں کے متعلق کچھ بیان دے دیا گیا ہے تاکہ سالکین کو صحیح اور غلط صوفیوں کا اندازہ ہو سکے۔

کیفِ جذب و عشق والوں کی عجیب نمازیں

غلبۂ عشق والوں کی نماز کی بابت کسی نے خوب کہا ہے کہ وہ خونِ جگر سے طہارت کرنے کے بعد ادا ہوتی ہے۔

نماز در خمِ آں ابروان محرابی کسے کند کہ بہ خون جگر طہارت کرد

(ان محرابی ابروؤں کے بیچ میں نماز صرف وہی ادا کرسکتا ہے جس نے خونِ جگر سے طہارت کی ہو)

مولانا جلال الدین رومیؒ نے ان پاک باز عشاق اور صادق صوفیاء کی تعریف اپنی مثنوی میں کی ہے جس کا بیان اس کتاب کے احاطہ سے باہر ہے۔ جن احباب کو ذوق ہو وہ مثنوی پڑھیں۔ البتہ ان کا کچھ کلام ہماری ایک الگ کتاب ''اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبال'' اور ''سوز و سازِ رومی'' میں کافی تفصیل کے ساتھ دے دیا گیا ہے۔ کسی صوفی نے کہا ہے کہ یہ لوگ نماز کیلئے جب کھڑے ہوتے ہیں تو وہ اس جہان سے اس طرح بے تعلق ہو جاتے ہیں جیسے کسی بسمل کی جان آسانی کے ساتھ اس کے تن سے جدا ہو جاتی ہے اور وہ اس دنیا سے باہر ہو جاتا ہے۔

او چوں باتکبیرہا مقرون شدند ہمچو بسمل از جہاں بیروں شدند

وہ اصحاب جو کمالِ ادب سے واقف ہیں اور جن کے جسم کی اصلاح ہو چکی ہے وہ تکبیر کہتے ہی آسمان میں داخل ہو جاتے ہیں اور وہ جگہ شیاطین کے تصرف سے محفوظ ہوتی ہے مگر وسوسے پھر بھی دلوں میں رہتے ہیں سوائے مقربین کے جن کی بلندیوں کے ساتھ ساتھ ظلمتِ نفس کم ہو جاتی ہے اور جب وہ عرش کے پاس پہنچتے ہیں تو ان کے تمام وسوسے بھی ختم ہو جاتے ہیں۔

روایت میں ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ نے ایک رات نماز پڑھی تو صبح مریدوں نے دیکھا کہ نماز کی جگہ ایسا تازہ تازہ خون پڑا ہے جیسے بکرا ابھی ذبح کیا ہو۔ آپ کے مریدوں نے عرض کیا کہ حضرت رات کی کیفیت کچھ ہم کو بھی بتلایئے شاید ہم کو بھی اس سے کوئی فائدہ پہنچے۔ فرمایا رات کو جب نماز کی نیت باندھی تو عرشِ الٰہی کے سامنے پہنچا۔ دیکھا کہ عرشِ الٰہی ہانپ رہا ہے جیسے جانور تھک کر ہانپنے لگ جاتا ہے۔ میں نے

پوچھا کہ میرے محبوب یعنی رب العالمین کا پتہ بتا کیونکہ ہم کو بتایا گیا ہے کہ" اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" (طٰہٰ:۵)(وہ رحمٰن عرش پر استواء ہوا، جیسا اس کی شان کے لائق ہے) عرش نے کہا کہ اے بایزید تم کو یہ بتایا گیا کہ اللہ عرش پر ہے اور عرش سے یہ کہا گیا کہ ربُّ العالمین مومنین کے دلوں میں ہے۔ عرش کی یہ بات سن کر مجھ پر وجد اور بے خودی طاری ہوگئی۔

تذکرہ غوثیہ میں سید گل حسن قادری نے درج ذیل آیت کے ضمن میں حضرت مجددؒ کا ایک واقعہ لکھا ہے۔"فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ" (النساء:۱۰۳)(جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو کھڑے ہو کر بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں کے بل لیٹے ہوئے)۔ آپ نے لکھا ہے کہ امام ربانی (حضرت مجدد الف ثانی) ایک روز نماز فجر کیلئے مسجد میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ایک شخص قبلہ رخ ہو کر داہنی کروٹ لیٹا سو رہا ہے۔ خیال کیا کہ شاید نماز پڑھ کر سو گیا ہوگا، ظہر، عصر اور مغرب میں بھی اسے اسی حالت میں پایا۔ جب مغرب کا وقت تنگ ہو گیا تو اسے جگا دیا اور فرمایا کہ نماز قضا ہوئی جاتی ہے۔ وہ شخص بیدار ہوا، وضو کیا تو پہلے فجر کی نماز کی نیت کی تو دیکھتے ہیں کہ ٹھیک صبح کا وقت اور نور کا تڑکا ہے۔ جب ظہر کی نیت کی تو ظہر کا وقت تھا اور عصر کی نیت کی تو عصر کا وقت ہونے لگا اور جب مغرب کی نیت کی تو مغرب کا وقت موجود تھا۔ پھر اس شخص نے مجدد صاحبؒ سے کہا کہ نماز کیلئے تو آپ نے جگا دیا مگر میری نیند کی کیفیت کو نہ پہچانا۔ جن کو یہ حالت میسر ہو وہ ہر لحہ حالت نماز میں رہتے ہیں۔ دراصل ایسے لوگ کبھی سالک اور کبھی مجذوب ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا روایتوں پر تعجب نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ایسے کئی واقعات معتبر کتب میں نقل کئے گئے ہیں۔ حضرت غوث الاعظمؒ نے فرمایا کہ شیخ قضیب البان موصلیؒ ظاہراً ہوش میں تھے مگر باطناً مجذوب تھے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ نماز نہیں پڑھتے غوث الاعظمؒ نے فرمایا خبردار ان کے بارے میں یہ نہ کہو وہ خانہ کعبہ میں سجدہ کرتے ہیں (نفحات الانس) اس بات کا خیال رکھا جائے کہ عام آدمی کیلئے یہ بات نہیں ہو رہی۔

قوت القلوب میں ہے کہ بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ بصرہ میں اللہ کا ایک بندہ ہے کہ وہ بیٹھے بیٹھے اپنا ایک پیر اٹھاتا ہے اور اسے کوہ قاف پر رکھ دیتا ہے۔ مشائخ بتاتے ہیں کہ ساری دنیا ایک ولی کیلئے ایک قدم اٹھانے کے برابر ہے اور اللہ کا ایک ولی ایک قدم میں ۵۰۰ برس کا فاصلہ طے کر لیتا ہے۔ بلقیس کا بہت بڑا تخت آنکھ جھپکنے میں سینکڑوں میل سے لے آنا تو قرآن میں بھی موجود ہے۔ یہ لوگ اہل حال ہیں ان کے معاملات ان کے ساتھ ہیں اور ہمارے معاملات ہمارے ساتھ ہیں۔ ہم کو یہ سوچنا نہیں چاہیے کہ یہ کیوں اور کیسے ہوا یا یہ کہ اگر فلاں ولی نے کیا تو رسول ﷺ نے کیوں دوسرا راستہ اختیار کیا اور کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ایسا کمال ہو سکتا ہے کہ تخت ایک لحہ میں آ گیا تو رسول ﷺ تجارت کیلئے اتنے لمبے سفر کیوں اختیار کرتے تھے۔ ان کا خیال ہے کہ تخت لایا نہیں گیا بلکہ بہت تھوڑی دیر میں ویسا ہی تخت بنا دیا گیا تھا۔ ایسے جھگڑوں میں جو الجھ گیا پھر بحث بہت طویل ہو جاتی ہے اور حاصل کچھ نہیں ہوتا۔ نہ ماننے والا ہمیشہ خسارے

میں رہتا ہے۔اولیاء کی بات اولیاء کے ساتھ ہے۔آپ اپنے لئے اپنی سی بات ہی اختیار کریں ورنہ لاکھوں کرامات کو کتابوں سے نکال دینا پڑے گا۔

عرش پر نماز کی ادائیگی

تربیتِ عشاق میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادیؒ اپنے مرید خاص حضرت ابوبکر شبلیؒ کو ساتھ لے کر شہر سے باہر تشریف لے گئے۔ایک مقام پر ابدالوں کی جماعت ہوا میں اڑ کر آپ کے پاس آئی۔ جنیدؒ نے شبلیؒ سے فرمایا کہ یہ ابدالوں کی جماعت تمہاری زیارت کیلئے آئی ہے۔کچھ دیر صحبت گرم رہی اور اتنے میں نماز کا وقت آ گیا۔حضرت جنیدؒ نے ابوبکر شبلیؒ کو امامت کا حکم دیا۔نماز کے دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ شبلی کے چند مرید جو کشتی میں سوار تھے طوفان میں گھر گئے۔ وہ اپنے شیخ (شبلی) کی روحانیت کی طرف متوجہ ہوئے۔حضرت شبلیؒ نے نماز کے دوران ہی دست توجہ دراز کیا اور کشتی کو ڈوبنے سے بچالیا۔جب ابدالوں نے (جوان باتوں پر خبر رکھتے ہیں) یہ رنگ دیکھا تو نیت توڑ دی اور کہا کہ ہم ملاح کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ شبلیؒ نے اگر ملاحی کی ہے تو تم نے بھی نماز میں جاسوسی کی ہے۔نماز پڑھنا تم میں سے کسی کو بھی نہیں آتا۔آؤ ہم نماز پڑھاتے ہیں چنانچہ جب آپ نے امام بن کر نیت باندھی تو سب نے دیکھا کہ خانہ کعبہ آنکھوں کے سامنے ہے۔جب نیت باندھ چکے تو معلوم ہوا کہ جیسے عرش پر نماز پڑھ رہے ہیں۔نماز پڑھنے کے بعد حضرت جنیدؒ نے فرمایا''کمال اسے کہتے ہیں، ہوا میں اڑنا اور پانی پر چلنا کمال نہیں، ہوا میں تو پرند بھی اڑتے ہیں اور پانی پر تنکا بھی چلتا ہے۔کمالِ انسانی کچھ اور ہے۔''[1]

بغیر آگ کے کھچڑی کا تیار ہونا

نماز کے بعد جنیدؒ ابدالوں کی جماعت کو لے کر گھر آئے اور شبلیؒ سے فرمایا کہ مہمانوں کیلئے کھچڑی تیار کرو۔کھچڑی پکاتے پکاتے لکڑی کم پڑ گئی۔ اس کمی کے باعث شبلیؒ نے اپنی ٹانگ چولہے میں ڈال دی۔ جنید اندر آئے تو پوچھا کھچڑی کو کیوں دیر ہوئی۔عرض کی لکڑی کم ہو گئی تھی اور میری ٹانگ کو آگ اثر نہیں کرتی۔ فرمایا آگ اس لیے اثر نہیں کرتی کیونکہ میری ولایت، ولایت ابراہیمی ہے۔تم ہٹ جاؤ ہم کھچڑی خود پکائیں گے۔یہ کہہ کر آپ نے ہنڈیا کی طرف توجہ کی اور وہ فوراً پکنے لگی اور کھچڑی تیار ہو گئی۔پھر ابدالوں کو کہا کہ آیئے کھانا کھا لیجئے۔اس کھانے کو دیکھ کر ابدالوں نے کہا''ہمارا اتنا ظرف کہاں کہ آپ کی توجہ سے پکی ہوئی کھچڑی کھا سکیں''۔اس کے بعد حضرت جنیدؒ اور شبلیؒ نے مل کر وہ کھچڑی کھائی۔اس کے باوجود حضرت شبلیؒ سمجھتے تھے کہ میں کچھ بھی نہیں۔یہ شیخ کے کمال کی علامت ہے کہ مرید کو اعلیٰ مراتب پر پہنچا دینے کے بعد بھی اپنی بزرگی کو

---

[1] تربیۃ العشاق، صفحہ ۶۱۰،۶۱۱۔

اس پر ظاہر نہیں کرتے جب کہ کچھ لوگ تو مرید کو دو باتیں بتا کر خود کو بہت کامل سمجھنے لگتے ہیں۔[1]

''کیا تمہارے قاضی کو نماز پڑھنا آتی ہے''

حضرت نظام الدینؒ نے عینُ الفقر (از سلطان باہوؒ حصہ دوم) کی شرح میں لکھا ہے کہ قاضی نجم الدینؒ ''ایک معروف عالم تھے۔ ایک روز شیخ تبریزیؒ ان کے مدرسے میں آئے اور طلباء سے پوچھا ''کیا تمہارے قاضی نماز پڑھنا جانتے ہیں'' قاضی صاحب نے یہ بات سنی تو فوراً باہر آئے اور پوچھا کہ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ شیخ تبریزیؒ نے کہا کہ علماء کی نماز اور ہے اور فقراء کی نماز اور ہے۔ علماء کی نماز یہ ہے کہ جب تک قبلہ برابر نہ کرلیں نماز ادا نہیں کرتے اور اگر قبلہ پوری طرح معلوم نہ کرسکیں تو تحری (قبلہ کے تعین میں غور وخوض) کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں اور جس طرف ان کا دل گواہی دے وہ اسی طرف نماز پڑھ لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ فقراء کی نماز یہ ہے کہ وہ جب تک عرش کو برابر نہیں دیکھ لیتے نماز نہیں پڑھتے۔ یہ بات سن کر قاضی صاحب گھر میں آگئے اور جب سو گئے تو خواب میں دیکھا کہ شیخ تبریزیؒ عرش معلیٰ پر مصلیٰ گزار رہے ہیں۔ قاضی صاحب یہ معاملہ دیکھ کر ہیبت میں آئے اور جب بیدار ہوئے تو شیخ سے معذرت کی۔ شیخ نے کہا اے قاضی! تم نے جو مجھے عرش پر مصلیٰ بچھائے نماز پڑھتے دیکھا ہے یہ مقام درویشوں کے مقامات میں سے ایک کم ترین درجہ ہے اور ان کے مقامات اس سے بھی بڑھ کر ہیں۔

نماز میں کیفیتوں کا ہجوم کیسے پیدا کیا جائے

زیر غور موضوع یہ ہے کہ نماز کیلئے موزوں کیفیت کس طرح پیدا کی جائے۔ آگے بیان آئے گا کہ کچھ لوگ تو قوالی کے اشعار سے اس کیفیت کا ورود حاصل کرتے ہیں۔ کچھ نعتِ رسول ﷺ یا حمد باری تعالیٰ جلّ جلالہٗ سے جذب وکیف حاصل کرلیتے ہیں۔[2] ایک انوکھی بات یہ ہے کہ نماز کی ابتدا تکبیر تحریمہ سے اس لیے کرنے کا حکم ہے کہ اپنے لیے تمام دنیاوی امور کو حرام کردیا جائے اور اللہ کے دربار میں حاضر ہونے کی حرمت کا لحاظ رکھتے ہوئے دنیاوی خیالات کو دور کرکے حضور کی کیفیت حاصل کی جائے۔ اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ نمازی یہ سوچے کہ نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کی تلاوت کو کیوں واجب کیا گیا ہے؟ اس سورۃ کو بار بار پڑھنے سے ایک عجیب تاثیر اور کیفیت طاری ہوتی ہے بشرطیکہ اس کے الفاظ کی طرف دھیان ہو۔ اس کو بار بار پڑھنے کی حکمت کی طرف توجہ رہے اور اللہ سے ہم کلامی کی کیفیت پیدا ہوتی ہوئی محسوس کرے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کے ساتھ کچھ دیر بیٹھنے سے کیفیت کا رنگ ابھر آتا ہے یا کبھی کسی کتاب کے پڑھنے سے بھی حالت قلب بہتر ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے تمام کی تمام نماز اچھی حالت میں پڑھی جاتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا

---

[1] تربیۃ العشاق، صفحہ ۶۱۰، ۶۱۱۔

[2] مصنف کی کتاب ''ثنائے خواجہ'' جو حمد، نعت، منقبت اور مسلمانوں کی حالت زار پر منظوم کلام شائع ہوچکا ہے۔

ہے کہ نماز سے پہلے ذکر یا مراقبہ کر لینے سے ہی کیفیت بن جاتی ہے۔ جس کو جو بھی میسر ہو وہ اپنے حال کے مطابق سامانِ کیف مہیا کر سکتا ہے۔ بعض لوگ اذان کی آواز کو اللہ کا بلاوا سمجھ کر اپنے اوپر حال کا غلبہ محسوس کرتے ہیں اور کچھ قرآن کی تلاوت سے ایسا اثر پاتے ہیں جیسے فرمایا ''إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ'' (الانفال: ۲) (صرف وہی سچے ایماندار ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ کا تو کانپ اٹھتے ہیں ان کے دل) ''الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللهِ'' (الرعد: ۲۸) (جو لوگ ایمان لائے اور مطمئن ہوتے ہیں جن کے دل ذکر الٰہی سے) ''ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللهِ'' (الزمر: ۲۳) (پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے بدن اور دل اللہ کے ذکر کی طرف)۔

جس کا دل جس بات سے رقت آمیز ہو جائے اسے وہ طریقہ بار بار استعمال کرنا چاہیے حتیٰ کہ جب ذرا سا اشارہ پائے تو حالتِ کیف سے بھرپور ہو جائے۔ مولانا رومؒ جب شمس تبریزؒ سے بچھڑ گئے تو انہیں ذرا ذرا سی بات پر وجد طاری ہو جاتا۔ ایک دن صلاح الدین زرکوبؒ کی دکان سے چاندی کے ورق کوٹنے کی آواز نے حالِ سماع کی کیفیت طاری کر دی اور گھنٹوں رقص کرتے رہے اور دوپہر سے عصر تک یہ شعر پڑھتے رہے

یکے گنجے پدید آمد ازیں دکانِ زرکوبی   زہے صورت زہے معنی زہے خوبی زہے خوبی

(ایک خزانہ مل گیا اس ورق کوٹنے والے کی دکان سے، کیا ہی اچھی صورت، اچھے معنی اور خوبی کا ظہور ہوا)

قوالی سے کیف کا حصول

شمس العارفین حضرت شمس الدین سیالویؒ فرماتے ہیں کہ جب محکم دین سیرانیؒ نماز کیلئے تیار ہوتے تو پہلے قوالوں کو پاس بلواتے۔ جب وہ کچھ بول کہہ لیتے تو حضور دل سے نماز کی نیت باندھتے اور اسی کیفیت میں نماز ختم کرتے۔ حضرت شمس الدین سیالویؒ فرماتے ہیں کہ کئی عاشق ایسے ہیں کہ عشق کے شدید غلبے کی وجہ سے ان کے بدن سے خون جاری ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ ایک بزرگ کو جب نماز پڑھانے کیلئے کہا جاتا تو فرماتے کہ نماز پڑھاؤں گا تو سورہ فاتحہ نہیں پڑھ سکوں گا اور اگر پڑھوں گا تو ''إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ'' نہیں پڑھ پاؤں گا اور جب زبردستی کھڑا کر دیا تو اس آیت پر آ کر رو ئیں روئیں سے خون جاری ہو گیا۔

حضرت سید محمد گیسو درازؒ تبیان میں لکھتے ہیں کہ نماز میں مختصر قرأت پڑھنا طالب صادق کیلئے بہتر ہے تاکہ حضورِ قلب کی کیفیت سے غافل نہ ہو۔ مکتوبات قدسیہ (صفحہ ۲۱۹) میں ہے کہ شیخ الاسلام شیخ فتح اللہ اودھیؒ ایک مرتبہ تین دن حالتِ سماع میں رہے اور پانچوں وقت نماز ادا کرتے رہے جب ہوش میں آئے تو نماز کے متعلق دریافت کیا۔ لوگوں نے بتایا کہ آپ سکر کی حالت میں بھی نماز باقاعدہ ادا کرتے رہے ہیں۔ شیخ محمد عیسیٰؒ سے جب فتویٰ طلب کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اصلی نماز تو یہی تھی جو حالت بے خودی میں آپ پڑھتے رہے مگر رعایتِ شریعت کیلئے دوبارہ قضا کر کے پڑھنی چاہیے تاکہ ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ'' (النساء: ۴۳) (نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ) پر عمل ہو۔

قوالی سے کیفیتِ وجد طاری ہونے پر اعتراض کا ازالہ

قوالی سے کیفیت وجد طاری کرنے پر کچھ لوگ فوراً فتویٰ لگا دیتے ہیں اور اس کو ناجائز تصور کرتے ہیں۔ غضب یہ ہے کہ ہر جگہ ہر کوئی اپنا خیال پیش کرنے سے گریز نہیں کرتا۔ دین کی بات ہو تو ہر کوئی خود کو مفتی اعظم سے کم تصور نہیں کرتا۔ خواہ اس کو دین سے قطعاً واقفیت نہ ہو۔ علامہ ؒ نے ایسے لوگوں کیلئے فرمایا ہے

تنگ برما راہ گزار دیں شد است ہر لئیمے راز دار دیں شداست[112]

(ہر کم ظرف نے خود کو دین کا راز دار سمجھ رکھا ہے ہم کو دین کی راہ پر چلنا بہت مشکل ہو گیا ہے)

حضرت علی ہجویریؒ اور دیگر اکابرین نے لکھا ہے کہ قوالی کے متعلق یک لخت فیصلہ دے دینا کہ یہ جائز ہے یا ناجائز ہے بالکل نامناسب ہوگا۔ یہ فیصلہ اکثر بزرگوں نے دیا ہے کہ قوالی چند شرائط کے تحت جائز ہے۔ اب دیکھیں کہ صوفیاء چشتیہ نے وقت کی ضرورت کو سمجھتے ہوئے قوالی کو ہندوستان میں رائج کیا اور اس قوالی ہی کی وجہ سے کروڑوں ہندوؤں کو مسلمان کیا ان کے اس فیصلہ کو کون بدعت یا حرام کہہ سکتا ہے۔ حضرت قطب الدین بختیار اوشی ؒ کا وصال بھی سب لوگ جانتے ہیں کہ ایک شعر کے تکرار پر ہوا جس کے الفاظ یہ تھے۔

کشتگانِ خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

(تسلیم کے خنجر سے جو قتل ہوئے ان کو غیب سے ہر گھڑی ایک نئی زندگی ملتی ہے)

رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِيْنُ (مصنفہ سلمان منصور پوری) میں لکھا ہے کہ ایک وقت تھا کہ زار روس نے روس کے علماء وقت سے دریافت کیا کہ اگر شراب کی اجازت دی جائے تو ہم اسلام قبول کرنے کو تیار ہیں مگر اس وقت کے علماء نے اس کو یہ جواب دیا کہ شراب کی اجازت کسی صورت نہیں مل سکتی۔ منصور پوریؒ نے لکھا ہے کہ اگر حکمت عملی سے کام لیتے اور ان کو راسخ العقیدہ ہونے تک اجازت دے دیتے تو آج تمام روس مسلمان ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے مشروط طریقے پر کچھ چیزوں کی لوگوں کو اجازت دی ہے۔ ایسے طریقے جن میں کراہت تو ہو مگر قطعاً حرام نہ ہوں ان کو عارضی طور پر اپنانے سے اگر کثیر فوائد مرتب ہوں تو ان کا کر لینا نادرست نہ ہوگا۔ آج بھی لاکھوں مسلمان شراب کو حرام سمجھتے ہوئے پیتے ہیں۔ بلکہ روایات میں ایسا بھی آیا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ایک رئیس عرب کو صرف چالیس روز نماز پڑھنے کے بعد اس کیلئے نماز کے معاف ہونے کا حکم دے دیا تھا کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ یہ شخص چالیس روز کی نماز سے متاثر ہو کر باقاعدہ نماز پڑھنے لگے گا اور آخر ایسا ہی ہوا۔

نماز کا مقصود لذت نماز نہیں بلکہ بندگیٔ باری تعالیٰ ہے

یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں کہ بعض صوفی نماز میں لذت کی عادت ڈال لیتے ہیں تاکہ اس سے لطف اندوز ہو سکیں، لیکن یاد رہے کہ یہ لذت بھی نشہ کی قسم سے تعلق رکھتی ہے۔ نماز کا مقصد محض لذت حاصل کرنا

نہیں۔ایک مرید نے شیخ سے کہا کہ مجھے نماز میں لذت محسوس نہیں ہوتی۔آپ نے جواب دیا ؎

بندۂ خدا باش، بندۂ ذوق مباش!

(خدا کا بندہ بن، ذوق اور شوق کی لذت کا غلام نہ بن)

شیخ نے فرمایا کشف اور کرامات کو مدعا نہ بناؤ بلکہ خدا کو مدعا بناؤ کیونکہ یہ کشف و کرامات حجابات بن جاتے ہیں جن کو حجابِ نورانی کہا جاتا ہے اور ان سے ترقی رک جاتی ہے (جیسا کہ بایزید بسطامیؒ کئی سال تک ایک ہی منزل میں رہے اور'' سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمُ شَانِیْ '' کا نعرہ لگایا کرتے تھے مگر اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز ستر مقاماتِ بلند طے فرماتے اور کبھی ایک جگہ پر نہ رکے) حجابات نورانی کے برعکس حجابات ظلمانی گناہ کے سرزد ہونے سے چھا جاتے ہیں۔ایسے صوفی جو لذت میں پھنس جائیں اصحابِ تمکین (اصحاب مقام جو مغلوب الحال نہ ہوں) کہلاتے ہیں اور ان کو''چٹورا صوفی'' بھی کہتے ہیں جیسے بچے کو مٹھائی کا شوق ہوتا ہے۔طالب کی نگاہ منزل مقصود پر ہونی چاہیے۔نماز لذت کیلئے نہ پڑھے لیکن اگر اس میں از خود لذت ملے تو حرج نہیں۔ مکتوباتِ ربانی (۳/۱۳۷) میں حضرت مجددؒ نے فرمایا''عبادات میں لذت کا حاصل نہ ہونا اور رنج و تکالیف کا نہ ہونا بڑی نعمت ہے۔خاص طور پر نماز میں منتہی کو لذت نہیں ہوتی البتہ مبتدی کو نمازِ نفل میں (اللہ تعالیٰ) لذت بخشتے ہیں اور نہایت میں لذت فرائض سے وابستہ ہو جاتی ہے اور نوافل میں منتہی خود کو بے کار جانتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک فرائض کا ادا کرنا ہی بڑا کام بن جاتا ہے (اور بالآخر منتہی اس لذت کو بھی خاطر میں نہیں لاتا) ؎

ایں کار دولت است کنوں تا کرا دہند

(یہ بڑی دولت ہے خدا جانے کس کو ملے)

فرماتے ہیں کہ یاد رکھیں وہ لذت جو نماز میں ملتی ہے اس میں نفس کو کچھ فائدہ نہیں ہے بلکہ نفس تو اس لذت میں نالہ و فغاں کر رہا ہوتا ہے۔

باب نمبر ۹

نماز بے حضور کا تدارک

نماز کس طریقے سے ادا کی جائے

صالحین کا طریقہ ہے کہ وہ وقت سے پہلے ہی نماز کی تیاری شروع کر دیتے ہیں اور بعض کے چہروں پر تو دوران وضو ہی اللہ کی عظمت کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ حضرت وکیع ؒ نے فرمایا کہ جس نے وقت سے پہلے نماز کی تیاری نہ کی اس نے اس کی حفاظت نہ کی اور جس نے تکبیر تحریمہ سے سستی کی تو وہ اپنا ہاتھ اس نماز کی حفاظت سے دھولے۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چالیس سال سے جماعت میں میری تکبیر تحریمہ فوت نہیں ہوئی۔ حضرت عبدالرزاق ؒ نے ۲۰ سال سے مسجد میں اذان سنی۔

بعض صوفیائے کرام تو ''حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ'' کی آواز سنتے ہی حضور میں پہنچ جاتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا چہرہ نماز کے وقت زرد پڑ جاتا اور حالت بدل جاتی۔ آپ جب نماز کی تیاری کیلئے چادر سے سر باہر نکالتے تو لرز جاتے اور فرماتے کہ وہ امانت اٹھانے کا وقت آ گیا ہے جس کو اٹھانے کیلئے زمین اور آسمان نے انکار کر دیا تھا اور یہ سوچتے کہ معلوم نہیں میں اس امانت کا ادب پورا کر سکتا ہوں یا نہیں۔ حافظ شیرازیؒ نے درج ذیل شعر میں فرمایا ہے ہمیں وہ بوجھ اٹھانا ہوتا ہے جس امانت کا بوجھ آسمان نہ اٹھا سکا۔ اس امانت کا ذکر سورۂ احزاب کی آیت ''اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا'' (احزاب: ۷۲) (بے شک ہم نے (اطاعت کی) امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے اس (بوجھ) کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھا لیا، بے شک وہ (اپنی جان پر) بڑی زیادتی کرنے والا (ادائیگیٔ امانت میں کوتاہی کے انجام سے) بڑا بے خبر و نادان ہے) میں بیان کیا گیا۔ حافظؒ فرماتے ہیں کہ اس امانت کا قرعہ مجھ دیوانے کے نام ہی پڑا ؎

آسماں بارِ امانت نہ توانست کشید قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ روزانہ ایک ہزار رکعت پڑھتے اور تہجد کے ناغے کا تو سوال ہی نہ ہوتا تھا۔ جب وضو فرماتے تو چہرہ زرد ہو جاتا، جسم پر لرزہ آ جاتا۔ کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ تمہیں خبر نہیں کہ کس کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں۔ آپ کا ارشاد ہے کہ مجھے تعجب ہے کہ جو کل تک نطفہ تھا اور کل مردار ہو جائے گا پھر تکبر کرتا ہے۔ لوگ فنا ہو جانے والے گھر کی تو فکر کرتے ہیں اور ہمیشہ رہنے والے گھر کی فکر نہیں کرتے۔ آپ رات کو صدقہ کرتے اور کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ کس نے دیا۔ آپ کے وصال کے وقت معلوم ہوا کہ سو گھرانوں کا گزر آپ کی مالی امداد پر تھا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز پڑھتے تو گھر والوں کی باتوں کا تو کیا اگر کوئی ڈھول بھی بجا تا تو ان کو خبر نہ ہوتی۔لوگوں نے پوچھا کہ تمہیں نماز میں کسی چیز کی خبر بھی ہوتی ہے؟ فرمایا ہاں مجھے اس بات کی خبر ہوتی ہے کہ ایک دن اللہ کی بارگاہ میں کھڑا ہونا ہوگا اور دونوں گھروں (جنت یا دوزخ) میں سے ایک گھر میں جانا ہوگا۔فرمایا مجھ میں تیروں کی بھالیں گھس جائیں یہ اچھا ہے اس سے کہ مجھے نماز میں تمہاری باتوں کا کچھ پتہ چلے۔

شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ کچھ لوگ نماز کے تین امور کو نماز کے اصل امور قرار دیتے ہیں۔ایک یہ کہ اللہ کی بزرگی اور جلال کو دیکھ کر دلی عاجزی کرنا۔دوسرے خدا کی عظمت اور اپنی خاکساری کو خوش بیانی سے ظاہر کرنا۔تیسرے خاکساری کی حالت کے موافق، اعضا سے آداب کا اظہار کرنا (نعمتوں کا فائدہ بھی تین چیزوں کو پہنچتا ہے۔ہاتھ، زبان اور پوشیدہ دل) حضرت سلطان باہو فرماتے ہیں

یار یگانہ ملسی جے سر دی بازی لائی ھُو — عشق اللہ وچ ہو مستانہ ہُو ہُو سدا الائیں ھُو
نال تصور اسم اللہ دے دم نوں قید لگائیں ھُو — ذاتے نال جے ذات رلے تد باہو نام سدائیں ھُو

آپ کے کلام کے معنی واضح ہیں۔عشق میں رہتے ہوئے سر کی بازی لگانا اسم ذات کے تصور کا ہر وقت ذکر کرنا اور اللہ کی ذات میں فنا ہو کر اس کی ذات میں گم ہو جانا ضروری ہے اور اگر کوئی ایسا کر سکے تو اللہ ملتا ہے یعنی قرب بارگاہ الٰہی میسر ہوتا ہے۔پھر ایسی نماز عاشقوں کی نماز ہوگی۔

حضرت شہاب الدین فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ نماز کے وقت سے پہلے طہارت کی خاطر وضو کریں اور وضو کو نماز کے وقت کیلئے ہی موقوف نہ کریں بلکہ پہلے ہی وضو کر لیں تاکہ نماز کے آداب کی پابندی ہو سکے۔[1] جب سے نماز کے انتظار میں باوضو ہوگا، اس وقت سے وہ نماز ہی کی حالت میں تصور کیا جائے گا۔یہ بیان بہت طویل ہے مگر یہاں اسی پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

سنت ادا کرنے میں حکمتیں

عوارف المعارف میں ہے کہ سالک وقت کا لحاظ رکھے تاکہ صحیح وقت پر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے۔پہلے سنت ادا کرے کیونکہ سنت ادا کرنے میں یہ برکت ہے کہ دنیاداروں کے ساتھ میل جول رکھنے، کھانے، پینے، دیکھنے، بولنے، سونے سے جو پراگندگی ہمت میں آگئی ہو یا جو روح میں سہو اور نسیان عادتِ انسان کے مطابق آگیا ہو، سنت کی ادائیگی سے، اس انتشار کی ظلمت اور کدورت نمازی کے باطن سے دور ہو جاتی ہے اور اللہ کے سامنے عرض و معروض کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور باطن فرض کی ادائیگی کیلئے موزوں ہو جاتا ہے۔یہ ایک قسم کی مشق یا ریہرسل ہے جو فرائض کے صحیح کرنے کیلئے کی جاتی ہے اور بڑی بات یہ بھی ہے کہ نماز میں اگر کوئی کوتاہی رہ جائے تو وہ سنن اور نوافل کے طفیل دور کر دی جاتی ہے۔

---

[1] عوارف المعارف، جلد ا، صفحہ ۵۹ ہ۔

حضرت شہاب الدین ؒ فرماتے ہیں کہ سنت کی ادائیگی کے بعد عام اور خاص گناہوں سے توبہ کرے جو اس سے ہو چکے ہیں۔ عام گناہوں سے مراد صغیرہ اور کبیرہ گناہ ہیں اور خاص گناہ اس بندے کے اپنے خاص گناہ ہیں جو اس کی روحانی حالت سے متعلق ہیں جس کو وہ خود یا صاحب حال ہی جان سکتا ہے (گو وہ شریعت میں گناہ نہ ہو مگر طریقت میں گناہ ہوتے ہیں) جیسے فرمایا۔ ''حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ''[1] (بے شک ابرار کی نیکیاں مقربین کی برائیوں کی طرح ہوتی ہیں)۔

حضور ﷺ نے فرمایا ''جو دو رکعت پڑھے اور ان دونوں میں دنیا کی کسی چیز کا اپنے جی میں خیال نہ لائے تو اس کے تمام گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔[2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خشوع یہ ہے کہ نمازی کو یہ خبر نہ ہو کہ اس کے دائیں بائیں کون ہے۔''

قوت القلوب میں ہے کہ جس قدر نماز میں سکون و طمانیت، روحانی لذت اور مزہ ہو گا اسی قدر نمازی کی حالت قیامت کے دن بہتر ہو گی۔ نماز کا درست ہونا یوں ہوتا ہے کہ الفاظ سمجھ کر پڑھے، معانی پر دھیان دے، توجہ الی اللہ رکھے اور اللہ کی طرف رغبت رکھے۔ رحمت واجر کی آیت پڑھے تو اللہ سے رحمت مانگے۔ عذاب کی آیت پڑھے تو ڈرے اور عذاب سے پناہ مانگے۔ حمد و ثنا، تسبیح و تحمید کی آیت پڑھے تو اس میں اس کے تاثرات ہوں۔ دل کا ان چیزوں کی طرف دھیان دینا زبان سے کہنے کے برابر ہے۔

جب اللہ اکبر کہے تو دل میں سب سے بڑا اللہ کو ہی خیال کرے۔ حضور ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ جب تو ایک نماز پڑھے تو اپنے آپ کو وداع کرنے والے کی طرح پڑھ گویا تو اپنی خواہش کو وداع کر رہا ہو یا یوں کہ میں اپنے مولا کریم کی طرف جا رہا ہوں جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے کہ ''یَا اَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰی رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ'' (انشقاق:۶) (اے انسان تجھ کو ضرور دوڑنا ہے اپنے رب تک سہہ سہہ کر)۔ یعنی انسان اپنے کام کیلئے کوشش تو کرتا ہے مگر آخر موت کے بعد اللہ کے سامنے اس کو حاضر ہونا ہوتا ہے۔ اور یہ فرمایا ''وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ'' (اور اللہ سے ڈرو اور جانو کہ تم نے اللہ کو ملنا ہے) (البقرہ:۲۲۳)۔

نماز درست کرنے کے مزید طریقے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک صحابی کو نماز پڑھنے کا طریقہ تعلیم فرمایا کہ ''جب تم نماز کیلئے کھڑے ہو تو تکبیر کہو، پھر جتنا قرآن تمہارے لیے پڑھنا آسان ہو اس کو پڑھو، پھر رکوع کرو یہاں تک کہ رکوع میں اطمینان سے ہو جاؤ پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ سجدہ میں اطمینان سے ہو جاؤ پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ اور اپنی پوری

---

[1] تفسیر ابن کثیر، ابن کثیر، متوفی ۷۷۴ھ، جلد ۴، صفحہ ۳۰۲، بیروت۔

[2] عوارف المعارف، جلد ۱، صفحہ ۴۷۷۔

نماز میں اس طرح اطمینان، آہستگی سے رکوع اور سجود وغیرہ کرو (یعنی نماز کو بیگار کی طرح نہ ٹالو)۔[1] حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ افضل نماز وہ ہے جس میں لمبی لمبی رکعتیں ہوں۔[2] ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ" (اور (نماز میں) کھڑے رہو اللہ کے سامنے مؤدب ہو کر) (البقرہ:۲۳۸)۔

حضرت مجاہدؒ نے لکھا ہے کہ قنوت میں رکوع، خشوع اور لمبی رکعت کا ہونا داخل ہے اس کے علاوہ آنکھوں کو پست رکھنا اور بازوؤں کو جھکانا یعنی اکڑ کر نہ کھڑا ہونا اللہ کے ڈر میں شامل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ بہت طویل نماز ادا کرتے تھے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے پاؤں مبارک پر ورم آجاتے۔[3] اسی لیے سورۂ طٰہٰ اور سورۂ مزمل میں حکم ہوا کہ اتنا طویل قیام نہ کریں کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں اور کچھ رات کا حصہ آرام بھی فرمالیا کریں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے صحابہ کو جس قدر وہ تحمل کرنے کی طاقت رکھتے، اتنا ہی لمبا قیام کرنے کو فرمایا اور زیادہ سے منع فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ قٰنِتِيْنَ کے معنی خٰشِعِيْنَ کے ہیں یعنی خشوع سے نماز پڑھنے والے۔

احادیث میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وہ بندہ بہت پسند ہے بلکہ اسے دیکھ کر ہنستا ہے کہ جو سردی کی رات میں نرم بستر پر لحاف میں لیٹا ہوا آرام کر رہا ہو اور پھر تہجد کیلئے اٹھے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ اس بندے کو کس بات نے مجبور کیا کہ اس طرح کھڑا ہو گیا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ آپ کے لطف وعطا کی امید نے اور آپ کے عتاب کے خوف نے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اچھا جس چیز کی اس نے مجھ سے امید رکھی وہ میں نے عطا کی اور جس چیز کا اس کو خوف ہے اس سے امن بخشا۔

صحابہ کرام واکابرین کی نمازیں

عاصم بن یوسفؒ فرماتے ہیں کہ حاتم اصمؒ سے میں نے پوچھا کہ آپ نماز کس طرح پڑھتے ہیں فرمایا کہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو ایک ظاہری وضو کرتا ہوں اور ایک باطنی، ظاہری وضو پانی سے اور باطنی وضو توبہ سے، پھر مسجد کی طرف جاتا ہوں تو خانہ کعبہ میرے سامنے ہوتا ہے، مقامِ ابراہیم دونوں ابروؤں کے درمیان، داہنے بازو کی طرف بہشت کو تصور کرتا ہوں اور بائیں پر دوزخ اور پل صراط کو زیر قدم جانتا ہوں اور ملک الموت کو اپنے پیچھے تصور کرتا ہوں۔ پھر تکبیر کو تعظیم سے کہتا ہوں اور باادب قیام کرتا ہوں اور قرأت خوف کی حالت میں کرتا ہوں، رکوع تواضع سے اور سجود تضرّع کے ساتھ اور جلسہ حلم اور وقار سے اور سلام شکر کے ساتھ کرتا ہوں۔ خوف الٰہی کو اپنے دل میں جگہ دیتا ہوں۔ نماز کے قبول نہ ہونے کا ڈر دل میں لے کر کھڑا ہوتا ہوں اور آئندہ تمام عمر ایسی نماز پڑھنے کا عہد کرتا ہوں۔ پورے تیس سال سے اسی طرح نماز پڑھ رہا ہوں۔ عاصم

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۷۲۴، جلد ۱، صفحہ ۲۶۳۔

[2] کنز العمال، حدیث ۲۰۱۱۱، جلد ۷، صفحہ ۵۳۱۔

[3] صحیح بخاری، حدیث ۴۵۵۶، جلد ۴، صفحہ ۱۸۳۰۔

بن یوسفؒ یہ سن کر بہت روئے اور کہا اے پاک ذات ہمیں بھی ایسی نماز کی توفیق عطا فرما۔[1]

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حال نقل کیا ہے کہ وہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ایک لکڑی گڑھی ہوئی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اور آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نماز سیکھی۔

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی نماز ایسی تھی گویا لکڑی ایک جگہ گاڑ دی گئی ہو۔

ایک شخص کہتے ہیں کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ جب سجدہ کرتے تو اس قدر لمبا اور بے حرکت ہوتا کہ چڑیاں آ کر کمر پر بیٹھ جاتیں۔ بعض اوقات رات کو اتنا لمبا رکوع کرتے کہ صبح تک رکوع میں رہتے اور بعض اوقات سجدے میں پوری رات گزر جاتی۔ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے اور بچہ پاس لیٹا ہوا تھا کہ چھت سے ایک سانپ گرا اور بچے کو لپٹ گیا۔ جب بچہ رویا تو گھر والے سب اکٹھے ہو گئے۔ ایک شور مچ گیا۔ سانپ کو مار دیا گیا مگر ابن زبیر رضی اللہ عنہ اسی اطمینان سے نماز پڑھتے رہے۔ سلام کے بعد فرمایا کہ کچھ شور کی سی آواز آئی تھی! کیا تھا؟ بیوی نے کہا اللہ تم پر رحم کرے بچے کی تو جان بھی گئی تھی اور تمہیں پتہ ہی نہیں چلا۔ فرمانے لگے تیرا ناس ہو، نماز میں اگر دوسری طرف توجہ کر لیتا تو نماز کہاں باقی رہتی۔

حاتم اصمؒ سے کسی نے ان کی نماز کی کیفیت پوچھی تو فرمایا کہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو وضو کے بعد اس جگہ پہنچتا ہوں جہاں نماز پڑھوں۔ پھر تھوڑی دیر وہاں بیٹھتا ہوں کہ بدن کے تمام حصوں میں سکون پیدا ہو جائے۔ پھر نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہوں اور اس کے بعد آپ نے وہ طریقہ ارشاد فرمایا جو آپ کے حوالے سے اوپر لکھ دیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غزوہ سے تشریف لا رہے تھے کہ راستے میں ایک جگہ شب کو قیام فرمایا اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور عبادہ بن بشر رضی اللہ عنہ نے عرض کی ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہرہ دیں گے۔ دونوں نے باری باری سونے کا فیصلہ کیا۔ حضرت عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے نماز کی نیت باندھ لی اور کفار نے تین بار تیر برسائے مگر انہوں نے نماز نہ چھوڑی۔ خون گرنے پر حضرت یاسر رضی اللہ عنہ بھی جاگ اٹھے۔ جب کفار نے حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو گھبرا گئے کہ نہ جانے اس جگہ ان کے کتنے اور ساتھی ہوں گے۔ مہاجر صحابی نے کہا کہ تم نے پہلے مجھے کیوں نہ جگا دیا۔ تو کہنے لگے کہ میں نے سورۂ کہف شروع کی تھی میرا دل نہ چاہا کہ اس کو ختم کرنے سے پہلے رکوع کروں۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم مقدم تھا کہ حفاظت کرو ورنہ میں مر جاتا اور سورۃ چھوڑ کر رکوع نہ کرتا۔

احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز پڑھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں اس قدر جوش ہوتا گویا تانبے کی دیگ آگ پر جوش کھا رہی ہو۔[2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب فجر کی نماز پڑھتے تو آپ رضی اللہ عنہ کے رونے کی آوازیں بلند ہوتی کہ کئی صفوں تک لوگ سنتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بدن پر نماز کی حالت میں لرزہ طاری

---

[1] غنیۃ الطالبین، صفحہ ۵۳۵، ۵۳۶۔

[2] صحیح ابن حبان، محمد بن حبان، متوفی ۳۵۴، حدیث ۷۵۳، جلد ۳، صفحہ ۳۰، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت۔

ہو جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نماز ایسی پڑھا کرو گویا یہ تمہاری زندگی کی آخری نماز ہے، جس طرح وہ شخص پڑھتا ہے جس کو یہ گمان ہو کہ اس وقت کے بعد اس کو دوسری نماز کی نوبت نہ آئے گی۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ" (اپنی صفوں کو سیدھا رکھو ورنہ اللہ تمہارے چہروں میں فرق پیدا کر دے گا) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے کہ صفوں کو سیدھا رکھنے سے نماز کی تکمیل ہوتی ہے اور اگر لوگ آگے پیچھے ہوں تو ان کے دلوں میں پھوٹ پڑ جاتی ہے۔ روایات میں ہے کہ جب تک صفیں درست نہ ہو جاتیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تکبیر نہ کہتے۔ زیر بحث عنوان پر اس کتاب میں دیگر مقامات پر بھی خوبصورت نکات پر مشتمل گفتگو شامل کی جا چکی ہے۔ ان کا بھی مطالعہ کیا جائے۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں ایک پرندہ درختوں میں آیا اور پھنس گیا جس کی وجہ سے ان کے باغ کے پھل ضائع ہو رہے تھے۔ یہ پرندہ جدھر جاتا ان کا خیال بھی ادھر ہی جاتا۔ اس طرح آپ رضی اللہ عنہ کو نماز میں رکعت بھول گئی۔ آپ نے وہ پورا باغ ہی اللہ کے نام دے دیا جو نماز میں خلل کا باعث بنا۔[2]

درِ منثور میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں جب پانی اتر آیا تو آنکھ بنانے والے حاضر خدمت ہوئے۔ کہنے لگے "اجازت ہو تو آنکھ بنا دیں لیکن پانچ دن نیچی جگہ سجدہ نہ کرنا ہوگا" انہوں نے فرمایا کہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ واللہ ایک رکعت بھی مجھے اس طرح پڑھنا قبول نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مجھے معلوم ہے کہ "مَنْ تَرَكَ صَلَاةً لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ"[3] (جو شخص ایک نماز بھی جان بوجھ کر چھوڑ دے وہ حق تعالیٰ سے اس طرح ملے گا کہ حق سبحانہ اس پر ناراض ہوں گے)۔

کچھ مفسرین نے سورہ ص کی آیت ۳۱، ۳۲ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے سامنے بہت تیز رفتار تین پاؤں پر کھڑے ہونے والے عمدہ اور نئی نسل کے گھوڑے پیش کئے گئے اور آپ ان کے ملاحظہ میں اس قدر محو ہوئے کہ ان کا وظیفہ یا نماز عصر قضا ہو گئی تو آپ نے ان گھوڑوں کی گردنیں اور ٹانگیں کاٹ ڈالیں کیونکہ ان کی وجہ سے نماز یا وظیفہ قضا ہوا۔ اس کا ذکر قرآن میں یوں کیا گیا ہے۔ "فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي حَتَّى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ" (ص:۳۲) (آپ علیہ السلام نے کہا مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی ہے اپنے رب کی یاد کیلئے (پھر انہیں چلانے کا حکم دیا) یہاں تک کہ چھپ گئے پردے کے پیچھے)۔[4]

بزرگان دین کا یہی قاعدہ رہا ہے کہ جو چیز بھی نماز میں حائل ہوئی اس کو سرے سے ہی ہٹا دیا جاتا تا کہ پھر یہ حائل ہونے کیلئے باقی نہ رہ جائے۔

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۶۸۵، جلد ۱، صفحہ ۲۵۳۔

[2] صحیح بخاری، حدیث ۱۷۲۶، جلد ۳، صفحہ ۱۰۱۹۔

[3] الدر المنثور، امام جلال الدین السیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جلد ۲، صفحہ ۱۰۰، دار الفکر، بیروت۔

[4] ضیاء القرآن، جلد ۴، صفحہ ۲۴۱۔

نماز میں خیالات کی کڑی نگرانی اور علاج

جب آدمی نماز میں آتا ہے تو چونکہ وہ ایک ماحول سے نکل کر نماز کے ماحول میں آتا ہے اس لیے کامل توجہ کا ایک دم حاصل ہو جانا مشکل کام ہے لہٰذا اذان کے بعد وضو کے دوران اور جماعت کے کھڑے ہونے تک کیفیتِ قلب کو اپنے ذہنی اشغال سے دور کرے۔ اپنی توجہ نماز کی طرف لائے اور سوچے کہ اللہ کے دربار میں جا رہا ہوں۔ توجہ کی درستگی کے مطابق ہی نماز درست ہوگی۔ اس کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ نماز کی جگہ بیٹھ کر ایک منٹ سے پانچ منٹ تک مراقبہ کرے اور جب دھیان اللہ کی طرف ہو تو پھر نماز کی طرف آئے۔

یہ بھی خیال رہے کہ کھانے پینے، جوتے کی حفاظت، جسم کھجلانے وغیرہ سے اگر خیال الجھتا ہے تو پہلے ان کا بندوبست کر لے۔ یعنی کھانا کھا کر آئے، جوتے سنبھال کر رکھ لے، جسم کی کھجلاہٹ کو دور کر لے اور پھر نماز کی طرف آئے۔ جہاں شوروغل یا دلچسپ باتیں ہو رہی ہوں وہاں نماز نہ پڑھے۔ نماز میں وسوسے اس طرح آتے ہیں جیسے شیطان کے تیر۔ کئی خیالات ایسے ذہن میں منقش ہوتے ہیں کہ نماز کے دوران بھی ذہن پر سوار رہتے ہیں۔ اس کا علاج تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوا (یعنی نماز سے پہلے مراقبہ) دوسرے یہ کہ معنوں کی طرف غور کرے، تیسرے یہ کہ خانہ کعبہ کا مشاہدہ کرے۔ چوتھے یہ کہ خود کو خدا کے سامنے تصور کرے۔ پانچویں یہ کہ حاتمؒ اور صحابہ کی سی نماز پڑھنے کے طریقے کو سامنے رکھے، جیسے کہ اوپر بیان ہوا کہ سامنے کعبہ ہو، دائیں طرف جنت، بائیں طرف دوزخ، پل صراط کو قدموں کے نیچے اور ملک الموت کو اپنے پیچھے تصور کرے)۔

اولیائے کرام کا تو یہ طریقہ ہے کہ جب بھی وہ چاہیں خود کی نفی کر لیتے ہیں۔ جونہی ہاتھ اللہ اکبر کیلئے اٹھے تو ساتھ ہی وہ نفی ہو جاتے ہیں (یعنی ہر چیز کو ذہن سے باہر نکال دیتے ہیں) اور خود کو بھی اس دنیا سے باہر نکال لیتے ہیں۔ وہ دنیا سے بےتعلق ہو جاتے ہیں۔ ایک قسم کا نشہ اور غلبہ ان پر طاری ہو جاتا ہے۔ اگر خدانخواستہ کوئی خیال نماز کے دوران پھر آ گیا تو اسی وقت پھر نفی کر لیتے ہیں۔ اس بات کی ان کو مشق ہو جاتی ہے اور وہ گم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ مشاہدۂ حق کرتے ہیں اور انہیں محسوس ہوتا ہے کہ خدا سامنے ہے۔ یہ احساس حاصل کرنا تو ہر صوفی کا کام نہیں البتہ بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق محسوس کر لیتے ہیں اور ایک شہود کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور کچھ لوگ اصل الاصل کا مشاہدہ کر لیتے ہیں اور ایسے ہی خوش نصیب کیلئے کسی بزرگ نے کہا ہے۔

امروز گر جمال تو بے پردہ ظاہر است — در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست

(اگر تیرا (خدا کا) جمال آج ہی بے پردہ ظاہر ہے تو پھر میں حیران ہوں کہ (تو نے) کل آخرت کیلئے دیدار کا وعدہ کس لیے کیا؟)

حضرت قطب عالم بختیار کاکیؒ نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے کہ اگر کسی کو نماز میں جمال دوست نظر نہ آئے تو میں یہی فتویٰ دیتا ہوں کہ وہ اپنی نماز قضا کرے۔ علامہ اقبالؒ کے اشعار بھی اسی ضمن میں حضورِ قلب کے باب میں بیان ہو چکے ہیں۔

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام — میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب [۱۱۳]

نماز میں شیخ کا تصور بے ساختہ آنا

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے (دفتر دوم حصہ ششم مکتوب ۳۰ میں) فرمایا ہے کہ خواجہ محمد اشرف نے لکھ کر پوچھا کہ میرا رابطہ شیخ (شیخ سے روحانی تعلق کے قائم ہونے) کی نسبت یہاں تک غالب ہوگئی ہے کہ نمازوں میں اس کو اپنا مسجود جانتا اور دیکھتا ہوں۔ اگر بالفرض اس کو دور بھی کرنا چاہوں تو نہیں ہوسکتا۔ آپ نے اس کو جواب میں لکھا کہ اے محب محترم! طالبانِ حق اسی دولت کی تمنا کرتے ہیں اور یہ نسبت ہزاروں میں سے ایک کو ملتی ہے۔ ایسے حال والا شخص کامل مناسبت کی استعداد رکھتا ہے اور شیخ مقتداء کی قلیل صحبت سے شیخ کے تمام کمالات کو جذب کر لیتا ہے۔ فرمایا ''رابطہ کی نفی کیوں کرتے ہو۔ رابطہ مسجود الیہ ہے نہ کہ مسجود لہ'' محرابوں اور مسجدوں کی (دیواروں کی) نفی کیوں نہیں کرتے۔ اس قسم کی دولت سعادت مندوں کو ہی میسر آتی ہے تاکہ تمام احوال میں صاحب رابطہ کو اپنا وسیلہ سمجھیں اور تمام اوقات اسی کی طرف متوجہ رہیں، نہ کہ ان بد بخت لوگوں کی طرح جو اپنے آپ کو مستغنی جانتے ہیں اور توجہ کے مرکز کو اپنے شیخ کی طرف سے پھیر لیتے ہیں قیوم نظر نے کیا خوب کہا ہے ؎

تیری نگہ سے، تجھ کو خبر ہے کہ کیا ہوا؟ دل زندگی سے بارِ دگر آشنا ہوا

حضور قلب کی بابت ایک درویش پر القائے خداوندی

خشوع اور حضورِ قلب کے متعلق جو کچھ لکھ دیا گیا ہے اس کے علاوہ ایک درویش کے القاء کا تذکرہ کر دینا بہت سود مند ہوگا جس سے ان کو نمازوں میں حضورِ قلب نصیب ہوا۔ اس بیان کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کیلئے روحانی اصطلاحات اور کیفیات کا ابتدائی علم ہونا ضروری ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے بتیس سال تک بحر تصوف میں شناوری کی مگر پوری نماز میں حضورِ قلب میسر نہ ہوتا تھا اور کچھ دیر کے بعد دنیاوی خیالات حضور کے راستے میں حائل ہو جاتے۔ ایک روز رحمت خداوندی کا ظہور دوران نماز ہی رونما ہوا اور مجھے حضورِ قلب کا طریقہ سکھا دیا گیا اور جو سکھایا اس پر عمل پیرا بھی کروا دیا گیا۔ پھر آپ نے یہ طریقہ اپنے دوستوں کو بیان کیا جو قارئین کیلئے تحریر کیا جا رہا ہے۔

فرمایا کہ جب نماز کیلئے آؤ تو ایک آدھ منٹ کیلئے ذکرِ خفی کرو، یا مراقب ہو کر بیٹھو اور پھر نماز کی ابتدا اس طرح کرو کہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ مکمل نفی ہو جائے اور تمہارا خیال خداوند قدوس کی بارگاہ میں پہنچ جائے۔ کس قدر شرم کی بات ہے کہ اگر نماز کے پانچ منٹ کیلئے کوئی شخص دنیاوی خیالات کو اللہ کی خوشنودی کیلئے خیر باد نہ کہہ سکے۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے سخت ناراض ہوتے ہیں کہ کوئی اللہ کو زبان سے تو بڑا کہے (اللہ اکبر کہے) اور اپنے خیالات کو دنیا کے کاموں کی طرف الجھائے رکھے۔ نفی کے بعد ضروری ہے کہ قلب سے ایک سلسلۂ ربط اس طرح اللہ کے ساتھ منسلک ہو جائے کہ تم گویا ایک لاسلکی تعلق کے ذریعے اللہ کے ساتھ ربط قائم ہوتا ہوا محسوس کرو اور اللہ کی بارگاہ سے براہِ راست فیض محسوس کرنے لگو۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ جب اللہ سے تعلق قائم ہو

جائے تو دل میں ایک خاص قسم کی لذت اور کیفیت کی لہر محسوس ہونے لگتی ہے۔ خدا سے محبت، لگاؤ اور انس کے جذبات محسوس ہونے لگتے ہیں اور سالک خود کو نہ خدا سے منفصل پاتا ہے اور نہ متصل۔ اس کیفیت میں خدا سے ایک آشنائی یا قرب محسوس ہونے لگتا ہے اور یہی کیفیت حضور ہے یہ کیفیت ہر ایک کو میسر نہیں ہوتی۔ عوام میں سے کسی کو کبھی ایک آدھ بار اور کسی کو کبھی کبھار ملتی ہے۔ خواص کو وہ کئی بار اور خاص الخاص لوگوں کو ہمہ وقت میسر رہتی ہے۔ عوام کیلئے اس کیفیت کو زیادہ دیر برقرار رکھنا مشکل امر ہے اور جوں ہی دنیاوی خیالات غالب آنے لگتے ہیں تو حضور رخصت ہو جاتا ہے اور نمازی پوری طرح شیطان کے شکنجے میں آجاتا ہے۔

جب ابتدائے نماز میں ایک بار یہ کیفیتِ حضور (جو کوشش کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے) مل جائے تو اس سے باہر ہرگز نہ نکلو۔ طریقہ یہ ہے کہ اگر کوئی دنیاوی خیال آئے تو اس وقت نماز کی عبارت کے معنوں کی طرف دھیان کرے اور اس کے بعد ہی فوراً اسی وقت اس کو پیچھے لوٹا دو اور دل کی قلعہ بندی کر لو۔ اس خیال کو دل کی طرف نہ آنے دو۔ دل کی اس طرح حفاظت کرو جس طرح اجناس خوردنی سے گندگی کی آمیزش کو روکتے ہو یا دودھ میں بول و براز کی چھینٹ پڑنے سے احتیاط کرتے ہو۔ گویا نماز کی پاکیزہ روحانی جنس میں شیطانی اور دنیاوی خیالات کی غلاظت شامل نہ ہونے پائے۔ جونہی کوئی خیال آنے لگے اسے دھکیل دو اور دل کو حضورِ الٰہی (جو خیال کے آنے سے پہلے حاصل ہوا تھا) کی طرف متوجہ رکھو۔ دل میں یہ بات ٹھان لو کہ جو آنے والے خیالات ہیں ان کی طرف نماز کے بعد توجہ کی جائے گی اور سختی سے خیالات کو مذموم سمجھتے ہوئے دل کے دائرے کے پاس بھی بھٹکنے نہ دو۔ یہ سوچو کہ نماز میں ہمارا مطلوب محض اللہ ہی ہے اور اس کے سوا ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی خیال نماز میں آ گیا تو مقصود ہاتھ سے جاتا رہے گا اس قدر سختی اگر قائم کر دی جائے تو خیالات واقعی پاس نہ بھٹک سکیں گے۔ مشکل تو جب ہوتی ہے اگر نمازی خیالات کو خوش آمدید کہے اور اس کے روکنے کی طرف توجہ بھی نہ کرے۔

بزرگ نماز میں دنیا سے کیوں کٹ جاتے ہیں

بہت سی روایات ایسی سننے میں آئی ہیں کہ نمازیوں کو دنیاوی امور کے ہولناک اور ہنگامہ خیز خیالات کی بھی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ یہ سب اس لیے ہوتا ہے کہ چونکہ روح کا اصل وطن عالم ارواح ہے جہاں سے وہ آئی ہے اور جہاں سے جدائی کی شکایت وہ مولانا روم کی بنسری کی آواز میں یوں کرتی ہے۔

بشنو از نے چه حکایت می کند   وز جدائی ہا شکایت می کند [۱۱۳]

(بنسری سے سنو کہ وہ کیا کہانی کہہ رہی ہے، وہ اپنی جدائیوں کی شکایت کر رہی ہے)

روح عالمِ ارواح کی جدائی میں نہایت بے چین رہتی ہے۔ اس کی بے چینی کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں آنے سے پہلے وہ عالمِ ارواح میں اللہ تعالیٰ کے دیدار و قرب کے نشے سے ہمہ وقت سرشار اور سرمست رہتی تھی۔ نماز میں جب روح کو شرابِ وحدت کا جام نوش کرنا ملتا ہے تو ملتے ہی بے خود ہو جاتی ہے اور وہ دنیا کی کسی بات کی طرف التفات نہیں کرتی، ماسوا ان روحوں کے جن کے بدن دنیا کی محبت میں شدت سے گرفتار ہیں۔

درِ منثور میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ'' کی شرح میں لکھا ہے کہ جس کو نماز فحشاء (بدکاریوں) اور منکر (یعنی وہ امور جو شریعت میں ممنوع قرار دیئے گئے ہیں) سے نہ روکے وہ صحیح نماز نہیں۔[1] حقیقتاً نماز کے درجے پڑھنے والوں کی ذات کے مطابق ہوتے ہیں۔ نمازیوں کو تین اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ (۱) عوام الناس کی نماز کہ ان کو ان کی نماز صرف کھانے پینے، بولنے، ہنسنے اور ادھر ادھر دیکھنے اور حرکت کرنے سے روکتی ہے۔ (۲) خاص لوگوں کی نماز جو انہیں اللہ کے ماسوا دوسروں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے اور خیال لے جانے سے روکتی ہے (۳) اولیاء و مقربین حق کی نماز جو ان کے جسم اور جان کے باہمی تعلق اور اتحاد کو روک دیتی ہے، اس لیے ان کے جسم کو روح کا اور روح کو جسم کا کچھ احساس نہیں رہتا اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان کا جسم بھی روح کا حکم ماننے لگتا ہے یا روح کے حکم میں آجاتا ہے۔ اس لیے جسم کے خواص جسم سے ترک ہو جاتے ہیں اور جسم، جسم نہیں رہتا۔ اس کی روح کو مشاہدہ اور دیدارِ الٰہی میسر ہو جاتا ہے۔ دنیا کی طرف التفات نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کی روح کو جسم سے زیادہ پیاری چیز نماز میں نظر آتی ہے اس لیے ان کی روح نماز میں جسم سے بے تعلق ہو جاتی ہے۔ جس طرح زنانِ مصر نے بھی انہماکِ حسنِ یوسف میں اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔ ان باتوں سے انکشاف ہوتا ہے کہ اللہ والے نماز میں اللہ کے پاس ہوتے ہیں اور ان کے جسم کو کاٹ بھی دیا جائے تو ان کو علم نہیں ہوتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پنڈلی کا تیر جو حالت نماز کے علاوہ باہر نکالا نہ جاسکتا تھا نماز کی حالت میں جب نکالا گیا تو ان کو خبر بھی نہ ہوئی۔ سفیان ثوری ؒ کے دشمن نے نماز کی حالت میں ان کے پاؤں کی سات انگلیاں کاٹ دیں اور انہیں پتہ بھی نہ چلا۔

روحِ نماز کا پیدا کرنا

امام غزالیؒ نے نسخہ کیمیا میں لکھا ہے کہ جب اذان سنو تو فوراً کام بند کر دو۔ پہلے زمانے میں ایسا ہی ہوتا تھا کہ جونہی اذان سنی تو لوہار کا ہتھوڑا جہاں ہوتا رک جاتا، موچی چمڑے کی سلائی کو وہیں روک دیتا، لوگ اذان سن کر روزِ قیامت کی منادی کو یاد کرتے اور وہ سمجھتے تھے کہ قیامت کی منادی ان کیلئے سوائے خوشخبری کے اور کچھ نہ ہوگی۔ فرماتے ہیں کہ نماز کے متعلق مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا لوازماتِ نماز میں سے ہے ان کا لحاظ رکھنے سے نماز درست ہوتی ہے۔ یہ باتیں اگرچہ ظاہری معنوں کی طرف محمول ہیں لیکن باطن کی طرف بھی توجہ دینے سے نماز کامل ہوتی ہے۔

۱۔ طہارت: لباس اور بدن کا پاک ہونا ظاہری طہارت ہے۔ باطنی طہارت توبہ، پشیمانی، ندامت اور صفا کے ساتھ صاف ہونا اور اخلاقِ بد سے دل کا دور رہنا ہے کیونکہ دل ہی حقیقتِ نماز کا مقام ہے اور تن صورت نماز کا۔

۲۔ ستر کا پوشیدہ ہونا: ظاہری ستر کو عوام سے اور باطن کی بدنمائی کو حق تعالیٰ سے پوشیدہ رکھے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ گناہوں سے توبہ کرے یا کم از کم دل میں کردہ گناہوں پر خجالت (شرمندگی) محسوس کرے جیسے کوئی

---

[1] الدر المنثور، جلد ۸، صفحہ ۴۰۔

بھگوڑا غلام اپنے آقا کے پاس لوٹ آنے پر محسوس کرتا ہے۔ اپنے گناہوں کا اعلان نہ کرتا پھرے بلکہ توبہ کرنے کے بعد ان کو چھپائے۔

۳۔ قبلہ رخ ہونا: ظاہری چہرہ کو ہر طرف سے ہٹا کر قبلہ کی طرف کرے اور دل کو دونوں جہانوں سے موڑ کر باری تعالیٰ کی طرف کرے۔ ظاہری قبلہ ایک ہے اور باطنی قبلہ (باری تعالیٰ کی ذات) بھی ایک ہے۔ دل میں وسوسے یا اندیشے رکھنا ایسا ہی ہے جیسے منہ کا ادھر ادھر پھیرنا حالت نماز میں ممنوع ہے ۔

به حرم چوں سجده کردم ززمیں ندا بر آمد   که مرا خراب کر دی تو به سجدهٔ ریائی

(جب میں حرم میں سجدہ کرتا ہوں تو زمیں سے یہ صدا آتی ہے کہ تو نے مجھے سجدہ ریا سے خراب کیا ہے)

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا   ترا دل تو ہے صنم آشنا، تجھے کیا ملے گا نماز میں (۱۱۵)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نماز میں کھڑا ہو کر اپنی خواہش، اپنے منہ اور اپنے دل کو تصور الٰہی میں منہمک کر دیتا ہے تو وہ نماز ادا کر کے ایسا ہی واپس آتا ہے گویا اسی روز شکم مادر سے باہر آیا ہو۔

۴۔ قیام: نماز میں نمازی غلامانہ انداز میں سر جھکائے کھڑا رہے۔ دل اور بدن تمام حرکات سے رک جائیں۔ ایسے قیام کرے جیسے قیامت کے روز انسان کے تمام راز ظاہر کرنے کا وقت ہو گا اور لوگ اسے دیکھ رہے ہوں گے۔ نماز پڑھتے ہوئے اگر کوئی نمازی کو دیکھ رہا ہو تو وہ یقیناً نماز کو صحیح انداز میں اور آرام سے پڑھے گا۔ نمازی کو معلوم ہونا چاہیے کہ حق تعالیٰ ہر وقت ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ انسان کو حق تعالیٰ سے شرم کس طرح آنی چاہیے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جیسے اپنے گھر کے صالح اور پرہیزگار لوگوں سے کیا کرتے ہو۔

۵۔ رکوع اور سجود: ظاہری رکوع اور سجود میں بدن کے ذریعے عاجزی کا اظہار ہوتا ہے اور باطنی طور پر دل میں یہ سمجھے کہ چہرے کے زمین پر رکھنے کا یہ مطلب ہے کہ جسم کے عزیز ترین عضو کو خاک پر رکھ دیا ہے، جس خاک سے بڑھ کر کوئی چیز خوار نہیں ہوتی اور اس حقیقت کو جان لو کہ اس خاک میں سب نے ملنا ہے۔ اگر یہ سمجھے تو انسان کبھی تکبر نہ کرے گا۔ حضرت داتا گنج بخش کا بیان اس کتاب کے اخیر "میں نماز کے باطنی شرائط" کے عنوان سے دیا گیا ہے، اس مضمون کے ساتھ مطالعہ فرمائیں۔

خدا کو خود سے کم تر نہ سمجھو

ایک بزرگ نے فرمایا کہ ہر شخص کے ذہن میں اگرچہ متکبر ہونے کا احساس نہیں ہوتا مگر اس میں تکبر ضرور پایا جاتا ہے اور اس کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا۔ شاید ہی کوئی شخص تکبر سے خالی ہو۔ یہ بھی تکبر کی علامت میں سے ہے کہ ہم بعض اوقات خدا سے خود کو بڑا سمجھتے ہیں۔ اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ حضرت سلیمان تونسویؒ کے پاس ایک عالم آئے اور دورانِ ملاقات انہوں نے حضرت سے عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ آپ تو عالم ہیں آپ کو ہم کیا نصیحت کر سکتے ہیں۔ عرض کیا کہ حضور کچھ تو نصیحت

فرمائیں۔آپ نے فرمایا کہ مولانا ایک نصیحت کرتا ہوں کہ خدا کو خود سے کمتر نہ سمجھنا۔کم از کم اپنے جیسا ہی سمجھ لیا کریں۔وہ عالم بہت خفا ہوئے اور کہنے لگے کہ حضرت یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں نعوذ باللہ خدا کو اپنے سے کم تر سمجھوں۔آپ نے فرمایا کہ اچھا پھر کبھی بتائیں گے۔

رات کو حضرت نے مولانا کو کھانا بھیجا۔جس میں ایک دال کا پیالہ اور باسی روٹی تھی اور اسی طشت میں بھنا ہوا گوشت اور تازہ روٹی رکھ دی۔عین کھانے کے وقت ایک درویش آ گیا جس نے اللہ کے نام پر کھانے کا سوال کر دیا۔مولانا نے اس کے سوال پر باسی روٹی اور دال کا پیالہ اس فقیر کو دے دیا اور باقی خود کھا لیا۔ دوسرے دن صبح جب حضرت کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ مولانا رات کو آپ اگر درویش کو اپنا آدھا تازہ اور آدھا باسی کھانا دے دیتے تو خود کو خدا کے برابر سمجھتے ہوتے مگر آپ نے تو باسی کھانا درویش کو خدا کیلئے دیا اور اچھا کھانا خود کھایا۔اس طرح آپ نے خدا کو خود سے کمتر سمجھا۔مولانا سمجھ گئے اور بہت شرمندہ ہوئے۔اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ جب کوئی کپڑا یا کوئی چیز کسی کام کے لائق نہ رہے تو اسے اللہ کے واسطے دے دیتے ہیں حالانکہ خدا کے نام تو وہ چیز دینی چاہیے جس سے انسان کو پیار ہو، جیسے فرمایا ''لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ'' (تم بھلائی کو ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب تک تم (خدا کی راہ میں) وہ نہ خرچ کرو جو تمہیں سب سے عزیز ہو)۔

صوفیاء کا قول ہے کہ ناقص نماز سے توبہ کرنی چاہیے۔خود کو اپنی عبادت پر بڑا نہیں سمجھنا چاہیے اور اس سے کبھی راضی نہیں ہونا چاہیے، بلکہ یہ سمجھے کہ الٰہی میں تیرے دربار میں سجدے کے لائق بھی نہیں ہوں، یہ تیرا کرم ہے کہ تو نے مجھے سجدے کی توفیق عطا فرمائی۔ میں تو اس کرم کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا، کیونکہ تیرا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے وہ بھی تیرے ہی کرم اور توفیق سے ہوگا تیرا شکر ادا ہو جائے تو یہ کرم بالائے کرم ہوگا۔ عاجزی کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اپنی اسی بے بسی کا اظہار گریہ وزاری سے کرے کیونکہ وہ خدا کو بہت پسند ہے۔

بے حضوری کا علاج

امام غزالیؒ نے فرمایا کہ بے حضوری دو وجوہ سے ہوتی ہے۔ایک ظاہری وجہ اور دوسری باطنی۔ ظاہری وجہ یہ ہے کہ نماز میں آنکھ، ناک، کان اکثر دوسری طرف مشغول ہو جایا کرتے ہیں لہٰذا ان کی نگرانی کرے۔ اگر کمرہ تاریک ہو تو بہتر ہے یا پھر آنکھیں بند کر لے۔ بزرگوں نے اپنے حجرے تنگ اور تاریک اس لیے بنائے ہیں کہ کشادہ جگہ پر دل پراگندہ ہو جاتا ہے۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نماز کے وقت قرآن، تلوار اور ہر شے کو اپنے آپ سے الگ کر دیتے تھے کہ توجہ ادھر نہ چلی جائے۔

باطنی وجہ دل کی پریشانی یا مشغولیت کی وجہ سے ہوتی ہے۔اس کا علاج یہ ہے کہ دل کو اس کام سے فارغ کرے جس کی وجہ سے پریشانی ہے۔مثلاً اگر کھانا، بول و براز یا کام کی وجہ سے پریشانی ہو تو پہلے ان کاموں سے فارغ ہو جائے۔دوسری باطنی وجہ وہ پریشانیاں بھی ہیں کہ جو ختم نہ ہو سکیں یا یہ کہ عادتاً انسان پریشان یا آوارہ خیال

رہتا ہو۔ اس کا علاج یہ ہے نماز کی عبارت (یعنی الفاظ) کے معنوں کی طرف غور کرے اور اگر توجہ نماز کی طرف نہ رہے تو ان کاموں کو ترک کر دے جن کے خیالات نے تنگ کیا ہے (مثلاً کھیل، مشغلہ یا باغبانی، گھوڑوں کی نسل افزائی، آرائش خانہ اور لباس کا ضرورت سے زیادہ خیال رکھنا وغیرہ جو عام طور پر انسان کے ذہن پر سوار ہو جاتے ہیں)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک کرتا پہنا جس میں نقش و نگار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی تو فوراً نماز کی حالت میں ہی اتار دیا۔ ایک بار جوتے میں نیا تسمہ ڈالا اور جب اس کی طرف نظر گئی تو اچھا لگا پھر فرمایا پرانا تسمہ ہی بہتر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تسمہ اتار دیا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا باغ (بیرحاء) تھا۔ جس میں ایک پرندہ پھڑ پھڑایا تو خیال نماز سے ہٹ گیا اور رکعت بھول گئی۔ آپ نے وہ باغ صدقہ کر دیا۔[1] حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کا تذکرہ بھی پہلے گزر چکا ہے۔ آپ علیہ السلام نے ان گھوڑوں کو ختم کروا دیا جن کی خاطر وظیفہ یا نماز قضا ہوئی۔

تدارکِ بے حضوری اور حصولِ خشوع و خضوع کیلئے مفید اشارات

خشوع و خضوع کے حصول کیلئے مندرجہ ذیل معلومات بیان کی جا رہی ہیں جو حصولِ مقصد کیلئے آسانی پیدا کریں گی۔

۱۔ **علوم متعلقہ سے آگہی:** جس بیماری کا علاج مقصود ہو پہلے اس کی نوعیت معلوم کر لی جاتی ہے اور اس کے بعد صحیح علاج کی طرف قدم اٹھایا جاتا ہے پھر فضلِ ایزدی کی مدد سے اس بیماری کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں جو کچھ اس کتاب میں لکھ دیا گیا ہے وہ تمام معلومات حصول خشوع سے متعلقہ علوم کا مختصر سا جائزہ ہے تاکہ خشوع و خضوع کے منافی اور معاون طاقتوں کا علم ہو سکے۔ امید ہے کہ ان معلومات کے حصول کے بعد ہر مخلص اور متمنی حضور اپنی مراد پا سکتا ہے۔ ''وَاِنَّمَا التَّوْفِيْقُ بِاللّٰهِ''

''ہماری نماز'' (مرتبہ مفتی محمد خلیل برکاتی) میں امام غزالی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ جو عالم نہ ہوا امام ابن المبارک نے اسے آدمی شمار نہیں کیا۔ اس لیے کہ آدمی اور چوپائے میں علم ہی کا فرق ہوتا ہے۔ اسی سے انسان کو شرف حاصل ہے، جسم سے نہیں جسم تو ہاتھی، شیر اور اونٹ وغیرہ کا زیادہ طاقتور اور قوی ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''كُنْ عَالِمًا اَوْ مُتَعَلِّمًا اَوْ مُسْتَمِعًا اَوْ مُحِبًّا وَلَا تَكُنْ خَامِسًا فَتُهْلِكَ''[2] (اس حالت میں صبح کرو) کہ تم عالم ہو یا متعلم یا عالم کی باتیں سننے والے ہو یا عالم کو چاہنے والے ہو اور پانچویں نہ ہونا کہ ہلاک ہو جاؤ گے)۔

۲۔ **علمِ تصوف سے لگاؤ:** حضرت ابوالسعود فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک ایسی چیز عطا فرمائی ہے جس کی وجہ سے ان کے نفوس کی اصلاح بلا تاخیر اور بطریق احسن ہو سکتی ہے اور وہ ہے شریعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع۔ جو لوگ شریعت پر عمل پیرا ہونا چاہتے ہیں ان کا شریعت پر عمل کرنا طریقت کہلاتا ہے۔ اس کے متعلق عبدالوہاب شعرانی طبقات الکبریٰ میں اپنے خیالات کو درج ذیل الفاظ میں لکھتے ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۱۷۲۶، جلد ۳، صفحہ ۱۰۱۹۔

[2] التفسیر الکبیر، امام فخر الدین الرازی، متوفی ۶۰۶ھ، جلد ۲، صفحہ ۱۷۵، بیروت۔

''علم تصوف اس علم کا نام ہے جو ولیوں کے دلوں میں اس وقت ظہور پذیر ہوتا ہے جب کتاب و سنت پر عمل کرنے سے وہ منور ہو جاتے ہیں اور تصوف اس کے سوا کچھ اور نہیں کہ بندے کا شریعت پر عمل کرنا اس کا ماحصل بن جائے اور اس (صوفی) کا عمل علتوں اور نفس کی لذتوں سے پاک ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ولیوں کے اس شریف گروہ کو عوام الناس اور جھگڑنے والے لوگوں کے ساتھ بتلا کیا ہے۔ ایسے جھگڑالو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہاں ولی تو ہوتے ہیں مگر اب کہاں ہیں۔ یہ سب فریب خوردہ لوگ ہیں۔ یہ لوگ ہر ولی کے متعلق عیب نکالتے ہیں اور اس کے ولی اللہ نہ ہونے پر حجتیں دھرتے ہیں، حالانکہ ان کو یہ معلوم نہیں کہ اولیاء کی صفات اولیاء ہی سمجھ سکتے ہیں۔ جو خود ولی نہیں وہ ولی کی نفی کیسے کر سکتا ہے''۔[1]

سیدی ابو العباس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ولی کو پہچاننا اللہ عزوجل کے پہچاننے سے بھی زیادہ مشکل اور دشوار ہے کیونکہ اللہ اپنے اعمال اور جمال کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے اور وہ جو تمہاری طرح کھاتا پیتا ہے اس کو تم کیسے پہچان سکتے ہو۔ حضرت علی ہجویریؒ نے لکھا ہے کہ ولی کی شرط ہی کتمان (چھپا ہونا) ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مخلوق سے مخفی رکھا ہے۔

یہاں صرف اتنا ہی بتانا مقصود ہے کہ کچھ لوگوں کو تصوف کے نام سے اس قدر نفرت ہے کہ اس کا نام بھی سننا پسند نہیں کرتے اور اسے اسلام کے منافی جانتے ہیں۔ ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ تصوف عملِ رہبانیت اور بے دینی کا نام نہیں، بلکہ جو پکے اور سچے مسلمان تھے وہ سب صوفی تھے، خواہ وہ کسی زمانے میں ہوں۔ سب اہلِ تصوف کا مسلک ایک شریعت کی اتباع ہے، البتہ مختلف زمانوں میں اس کی شکل میں کچھ تبدیلی آتی رہی۔ ان اللہ والوں کے پاس بیٹھنے سے عبادت اور کردار میں نہایت بلند پایہ نتائج مرتب ہوتے ہیں اور ان ہی لوگوں میں بیٹھ کر خشوع و خضوع جیسی نعمت میسر ہونے میں مدد ملتی ہے۔ ان کے منکرین ایسی نعمتوں سے محروم رہتے ہیں۔

مولانا رومؒ نے مثنوی میں یہ بھی فرمایا ہے کہ لوگ انبیاء اور اولیائے کرام کو اپنی طرح قیاس کرتے ہیں۔ ان کا یہ قیاس درست نہیں۔ اس دنیا میں سچ اور جھوٹ غلط ملط ہے اور بعض لوگ جو سچ کو بھی جھوٹ تصور کرتے ہیں عقل کے اندھے ہیں اور نہیں جانتے کہ اصل اور نقل میں کیا فرق ہے۔ ایسے لوگ خود فضل و کرامات سے نابلد ہوتے ہیں اور بزرگوں کی کرامات اور ان کی بزرگی کے بھی منکر ہو جاتے ہیں۔ منکرینِ طریقت کے ذہنی ارتعاش کا ازالہ ہماری تصنیف ''بیعت کی تشکیل اور تربیت'' میں بہت خوبصورت انداز میں کر دیا گیا ہے۔

۴۔ **عملی طور پر اللہ تعالیٰ سے صلح کرے تو ہر چیز صلح کر لیتی ہے:** جو لوگ ذکر و اذکار اور عبادت الٰہی سے اپنے نفوس کو پاک کر لیتے ہیں تو وہ لوگ اللہ کے حکم سے روئے زمین بلکہ کون و مکان کی ہر بات پر آگاہی حاصل کر لیتے ہیں۔ ''روض الریاضین'' میں ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ شیخ عبدالواحدؒ نے جناب باری تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ الٰہی جنت میں جو لوگ میرے رفیق ہوں گے ان کی زیارت مجھے دنیا میں نصیب فرما دے۔ ان کو بذریعہ الہام اطلاع دی گئی کہ ان میں سے ایک میمونہ سوداؒ ہے، اس کو جا کر دیکھو۔ شیخ عبدالواحدؒ لوگوں سے

---

[1] طبقات الکبریٰ، امام الشعرانی، جلد ۱، صفحہ ۲، بیروت۔

پوچھتے پوچھتے وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ موصوفہ بکریاں چرانے گئی ہے۔ آپ جب جنگل میں پہنچے تو دیکھا کہ وہ ایک درخت کے نیچے نماز پڑھ رہی ہیں اور اس کی بکریاں، بھیڑیوں کے ساتھ مل جل کر پھرتی ہیں۔ اس تمام ماجرے کو وہ بہت حیرت سے دیکھتے رہے۔ میمونہؒ نے سلام پھیرا تو کہا اے عبدالواحدؒ! ملاقات کی جگہ تو جنت ہے، دنیا نہیں۔ تم یہاں کیسے آ گئے۔ آپ نے فرمایا جو ہوا سو ہوا مگر تم مجھے اتنا بتا دو کہ تمہاری بکریوں نے بھیڑیوں کے ساتھ کب سے صلح کر لی ہے۔ میمونہؒ نے کہا کہ جب سے میں نے اللہ پاک سے صلح کر لی تب سے ہر شے نے مجھ سے صلح کر لی ہے۔ شیخ عبدالواحدؒ محبت الٰہی اور یاد الٰہی کا ایک بہت بڑا سبق میمونہ سے لے کر واپس چلے آئے۔

علامہ اقبالؒ نے اپنے اردو اور فارسی کلام میں مردِ مومن کی صفات کا ذکر کیا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ مومن اپنے خیالات کو اس طرح ڈھالتا ہے کہ وہ اپنی مرضی کو حق تعالیٰ کی مرضی میں گم کر دیتا ہے۔

رضایش مرضیِ حق گم شود   ایں سخن کے باورِ مردم شود[۱۱۶]

(اس کی مرضی میں اللہ تعالیٰ کی مرضی ڈھل جاتی ہے۔ لوگ اس بات کو کیسے مان سکتے ہیں)

اقبالؒ اکادمی کی کتاب افکارِ اقبال میں اس شعر کی تشریح میں حضرت رابعہ بصریؒ کا ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ وہ ایک سفر کیلئے دریائے دجلہ کو عبور کر رہی تھیں تو جب کشتی دریا کے بیچ پہنچی تو اسے سخت طوفان نے گھیر لیا۔ مسافروں کی چیخ و پکار اور آہ و بکا بلند ہوئی۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص کشتی کے ایک کنارے پر نہایت اطمینان سے اس طرح لیٹا ہوا ہے جیسے اس کو طوفان کی کوئی خبر ہی نہ ہو۔ اس کی اس حالت کو دیکھ کر آپ سخت متعجب ہوئیں اور اس سے پوچھا کہ کیا آپ کو طوفان کے آنے کا کوئی علم نہیں حالانکہ اس وقت حال یہ ہے کہ کشتی قریب الغرق ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ "میرا اللہ ہم سب کو دیکھ رہا ہے۔ اگر اس کی مرضی کشتی کو ڈبونے کی ہے تو میں کون ہوں جو اس کی مرضی کے خلاف کچھ کر سکوں۔ انہوں نے اس شخص سے کشتی کی سلامتی کیلئے دعا کی درخواست کی تو اس شخص نے اپنی چادر اٹھائی اور جس سمت سے طوفانی ہوائیں چل رہی تھیں، اس سمت میں اپنی چادر کو اونچا کر دیا۔ چادر کا ہوا کے آنے والی سمت میں کرنا ہی تھا کہ ہوا تھم گئی اور طوفان ختم ہو گیا۔ حضرت رابعہ بصریؒ کو تجسس ہوا کہ یقیناً یہ شخص اللہ تعالیٰ کا کوئی محبوب بندہ ہے۔ جب اس شخص سے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ یہ تو کوئی ایسی انہونی بات نہیں۔ یہ تو تم بھی کر سکتی ہو۔ جب حضرت رابعہ بصریؒ نے مزید دریافت فرمایا تو اس نے کہا۔ "تَرَكْنَا مَانُرِيْدُ لِمَا يُرِيْدُ فَتَرَكَ مَا يُرِيْدُ لِمَا نُرِيْدُ" (ہم نے اپنے ارادے اور مرضی کو اللہ کی مرضی کیلئے چھوڑ دیا۔ پس اس نے اپنی مرضی کو ہماری مرضی کیلئے ترک کر دیا)۔ ایسے سبق کتابوں سے نہیں بلکہ بزرگوں کی صحبتوں اور نظروں سے ہی سیکھے جاتے ہیں۔ اولیائے کرام پہلے تو مریدین کو اپنی طرف راغب کرتے ہیں اور پھر انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس قسم کے تعلقات استوار کرنے کا سبق دیتے ہیں جس کا ذکر اوپر ہوا ہے اس سلسلے میں اپنے شیخ کے ساتھ ایک مضبوط ربط کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ مرید پر اپنی روحانی کیفیت کو وارد کر سکے اور خشوع و خضوع کی دولت سے بھی ہمکنار ہو سکے۔

۴۔ **صرف اللہ کے ساتھ لو لگا کر عبادت کرنا (جو اللہ کا ہو گیا اللہ اس کا ہو گیا):** "قرآن اور تصوف"

میں ذوالنون مصریؒ کا قول ہے کہ صوفیاءِ کرام وہ ہیں جنہوں نے تمام چیزوں پر خدائے عزوجل کو ترجیح دی اور اس کو پسند کرلیا تو خدائے عزوجل نے بھی تمام چیزوں پر ان کو ترجیح دی اور پسند فرمایا۔ حسین بن منصورؒ نے فرمایا کہ صوفی واحدانی الذات ہوتا ہے یعنی نہ اس کو کوئی قبول کرتا ہے اور نہ وہ کسی کو قبول کرتا ہے۔ وہ غیر اللہ سے منقطع ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''مَنْ رَكَعَ اِلٰى مَوْلٰى وَمَالَ اِلَيْهِ اَحْرَقَهُ اللّٰهُ بِنُوْرِهٖ حَتّٰى يَصِيْرَ جَوْهَرًا لَا قِيْمَةَ لَهٗ'' [1] (جو اپنے مولا کی طرف جھکتا ہے اور اس کی طرف مائل ہوتا ہے تو اللہ اسے اپنے نور سے جلا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ ایک بیش قیمت جوہر بن جاتا ہے)۔

آناکہ رضائے حق بجاں می جوئیند　　در راہِ رضائے او بسر می پویند

(جو اللہ کی رضا کو دل و جان سے تلاش کرتے ہیں، وہ اس کی رضا کی راہ میں اپنا سر ڈال دیتے ہیں)

ہر یک ہمہ آں کند کہ حق فرماید　　حق نیز ہماں کند کہ ایشاں گویند

(ہر ایک تو وہ کرتا ہے جو اللہ فرماتا ہے (مگر) اللہ وہ کرتا ہے جو (یہ) کہتے ہیں)۔

جہاں ''فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ'' (تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا) ہے وہاں ''اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا'' (الاحزاب:۴۱) (تم بہت ذکر کرو تاکہ میں بھی خوب ہی تمہارا چرچا کرتا رہوں) بھی فرمایا۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ بندے کے راضی ہو جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ بھی بندے سے راضی ہو جاتے ہیں۔ حضرت رابعہ بصریؒ کا قول ہے کہ اگر کوئی یہ معلوم کرنا چاہے کہ کیا خدا اس سے راضی ہے تو اسے یہ معلوم کرنا چاہیے آیا کہ وہ خود خدا سے راضی ہے یا نہیں۔ اگر بندہ خدا سے راضی ہے تو سمجھ لو کہ خدا بھی اس بندے سے راضی ہے۔ ''وَلَنِعْمَ مَاقِيْلَ'' (اور کیا اچھا ہے جو کہا گیا ہے)۔

خواجگاں را خواجگی از بندگی است　　بندگی کردن کمالِ خواجگی است

(خواجگاؤں کو خواجگی بندگی سے ہی ملتی ہے اور بندگی کرنا تو خواجگی کا کمال ہے)

من ازاں روزے کہ دربندِ تو ام آزادم　　بادشاہم کہ بدستِ تو اسیر افتادم

(میں جس روز سے تیری فکر میں لگا ہوں آزاد ہو گیا ہوں، میں شہنشاہ ہو گیا ہوں کیونکہ میں تیرے ہاتھ پر غلام ہو گیا ہوں)

۵۔ انبیاءِ کرام سے تعلق بکثرتِ درود: حضورِ قلب یا تو خدا کی طرف سے عطا ہوتا ہے یا کسبی ہوتا ہے۔ عطا کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور عموماً اس کا ذریعہ کوئی اللہ کا مقبول بندہ بنتا ہے۔ اس کی صحبت میں بیٹھنے سے حضوری کی کیفیت رفتہ رفتہ پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر کسی نیک مقبول بندے کی صحبت میسر نہ ہو تو کثرتِ درود شریف اور بزرگوں کے فرمودات کا مطالعہ کرنے سے حصول حضور میں مدد ملتی ہے۔ اس کے علاوہ طالب کو چاہیے کہ نماز میں حضوری کی کیفیت پیدا کرے خواہ ایک منٹ کیلئے ہی کیوں نہ ہو یا دورانِ ذکر اور درود خوانی خود کو بذریعہ نفی غائب کرے اور روضۂ رسول ﷺ کا تصور کر کے خود کو وہاں حاضر سمجھے۔ اگر روضۂ مبارک کی زیارت خواب میں یا ویسے میسر ہو چکی ہو تو ٹھیک ورنہ تصویر دیکھ کر ہی تصور پیدا کرے۔ (شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مدارج النبوت حصہ دوم ۔ ۔

---

[1] طبقات الکبریٰ، جلد ا، صفحہ ۱۲۱۔

اخیر میں ایسا ہی فرمایا ہے)۔اس طرح تھوڑی تھوڑی مشق کرنے کے بعد طویل عرصہ کیلئے حضورِ قلب میسر ہو جاتا ہے۔انہی مقاصد کیلئے تصورِ شیخ اور تصور رسول ﷺ کروایا جاتا ہے تاکہ طالب فنافی الشیخ اور فنافی الرسول کے بعد فنافی اللہ کی منزل پر پہنچ کر اپنی عبادات کو حضور کے مقام تک لے جاسکے علامہ اقبالؒ نے فرمایا ؎

نہ بادہ ہے نہ صراحی نہ دور پیمانہ فقط نگاہ سے رنگیں ہے بزمِ جانانہ

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ کہ میں ہوں محرمِ راز درونِ میخانہ (۱۱۷)

۶۔ حضور کیلئے رجوع اِلی اللہ کی تعلیم: تربیتِ عشاق میں لکھا ہے کہ حضوری یہ ہے کہ اللہ کی شکل وصورت کا تصور اگر ذہن میں ہو تو اس کی بھی نفی کرے (کیونکہ اللہ تعالیٰ بے چون وچگون ہے) اور اس کی تجلی کا منتظر رہے۔اس کی کوئی صورت نہیں۔وہ اپنے بندوں پر تجلی فرماتا ہے۔انسان یہ خیال کرے کہ میں اللہ کے سامنے ہوں اور اس کیلئے رکوع وسجود کر رہا ہوں، پھر ہر وقت اللہ کی طرف دھیان رہے اور وساوس دل میں نہ لائے۔[1] یہ حقیقت اسی بات میں بیان کر دی گئی ہے کہ جو اللہ کی طرف توجہ یا رجوع کرے تو اس پر اللہ کی تجلیات کا نزول ہوتا ہے اور اللہ کی تجلیات سے خشوع وخضوع نمودار ہوتا ہے۔یہی رجوع الی اللہ یا مراقبہ کہلاتا ہے جس کا سبق اولیاءِ کرام اپنے مریدین کو دیتے ہیں۔علامہ اقبالؒ نے فرمایا ؎

وہ آتش آج بھی تیرا نشیمن پھونک سکتی ہے طلب صادق نہ ہو تیری تو پھر کیا شکوۂ ساقی

دلوں میں ولولے آفاق گیری کے نہیں اٹھتے نگاہوں میں اگر پیدا نہ ہو اندازِ آفاقی (۱۱۸)

یہ بیان بھی آگے آئے گا کہ ''اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' (اللہ زمین اور آسمانوں کا نور ہے) سے مراد یہ ہے کہ اللہ کا نور ہر طرف پھیلا ہوا ہے اور چونکہ عقل بھی نور ہے تو جتنا کوئی اللہ کے قریب ہوگا اتنا ہی عقل یعنی نور میں اضافہ ہوگا۔اللہ کی طرف رجوع کرنے سے فیوضاتِ سماوی حاصل ہوتے ہیں اور حضور میں اضافہ ہوتا ہے اور لامحالہ عقل بڑھے گی۔صوفیائے کرام کا قول ہے کہ چونکہ اللہ کی صفات میں تعطل نہیں تو صفتِ کلام میں بھی تعطل نہیں۔صوفیائے کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ ہر وقت اپنے بندوں سے ہمکلام رہتا ہے۔اگر دل میں ذکر کے بعد، مراقبہ میں یہی خیال رہے تو اللہ سے ہم کلامی ہو جاتی ہے۔یہ تصور حضورِ قلب کیلئے مددگار ثابت ہوتا ہے۔

علامہؒ نے فرمایا ؎

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر کرتے ہیں خطاب آخر، اٹھتے ہیں حجاب آخر

احوالِ محبت میں کچھ فرق نہیں ایسا سوز وتب وتاب اول، سوز وتب وتاب آخر (۱۱۹)

نماز بے حضور سے بے زاری کا اظہار کیوں ضروری ہے

نماز بے حضور، مردہ اور بے روح نماز ہے۔نماز اگر ریا سے خالی بھی ہو تو اس کے پڑھنے سے فرضیت تو ادا ہو سکتی ہے مگر نمازی ان انعامات سے محروم ہو جاتا ہے جن کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے کیا ہے۔یہی وجہ ہے

---

[1] تربیۃ العشاق، صفحہ ۵۷۶۔

کہ اکثر نمازی لاعلمی کے باعث نماز کی برکات سے محروم رہتے ہیں۔نمازیوں کی تعداد تو ویسے ہی بہت کم ہے (تقریباً ۵ فیصد) اور جو لوگ نمازی ہیں ان میں اکثر ہی نماز کو عادتاً پڑھتے ہیں اور ان کی نمازیں بے روح اور بے کیف ہوتی ہیں۔ایسے نمازیوں کے متعلق صوفی شاعروں نے بہت کچھ لکھا ہے۔بُلھے شاہؒ نے فرمایا ؎

بیتی عمر وچ مسیتی دلوں نماز کدے نہ نیتی
تھی وانگوں رہیا کھلو لینا اک نہ دینا دو

علامہ اقبالؒ نے بے حضور اور بے روح نمازوں کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے چند اشعار پیش کئے جارہے ہیں۔ان اشعار کی وضاحت کی ضرورت نہیں ؎

دل ہے مسلماں میرا نہ تیرا ۔۔۔ تو بھی نمازی میں بھی نمازی(۱۲۰)

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو ۔۔۔ تری نگہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام
تری نماز میں باقی جلال ہے نہ جمال ۔۔۔ تری اذاں میں نہیں ہے مری سحر کا پیام(۱۲۱)

خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو ۔۔۔ وہ سجدہ جس میں ہے ملت کی زندگی کا پیام(۱۲۲)

ایسی نماز سے بے زاری کی ضرورت یوں بھی ہے کہ اگر کوئی عادتاً ہی نماز پڑھتا رہے تو اس پر یہ بات صادق آئے گی کہ ''لینا اک نہ دینا دو'' تو پھر عمر بھر ایسی نماز میں ہی الجھا رہے گا تو نماز کی برکات حاصل نہ ہو سکیں گی۔افسوس تو اس بات پر ہے کہ جب مسلمانوں میں ماں باپ کی بھاری اکثریت خود ہی پیدائشی ''اپ ٹو ڈیٹ'' اور زمانہ ساز ہوتے ہیں۔لہٰذا یہ والدین دینی زندگی سے بیزار اور دین سے کوسوں دور ہوتے ہیں اور ان کو خود یہ معلوم نہیں ہوتا کہ دین کیا ہے یا خشوع وخضوع اور حضورِ قلب کیا ہے تو ان شاہین بچوں کو شہبازی کے طریق کون بتلائے گا۔اس پر طرّہ یہ کہ اکثر والدین کو پیروں اور اولیاء کرام سے سخت چڑ اور نفرت ہوتی ہے،لہٰذا ان کے بچے نہ تو والدین سے ہی دین سیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی مشائخ کرام سے مستفید ہو سکتے ہیں۔اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ایسے بچوں کو سینما،ٹی وی اور وی سی آر کے لچر پروگرام دیکھنے کی ہی تربیت ملتی ہے،جہاں وہ ماں باپ اور پورے خاندان کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کر باجماعت واہیات پروگرام دیکھتے ہیں۔مزید برآں ٹی وی پر جب کوئی دینی یا اخلاقی انداز کا سلجھا ہوا پروگرام ہو یا خبروں کا وقت ہو تو ٹی وی کو بند کر دیا جاتا ہے۔اگر نوجوانوں کی تربیت کا یہ حال ہے تو پھر اس نئی پود میں ہپی ازم اور ٹیڈی ازم کیوں نہیں آئے گا۔کیا ایسے لوگ باشعور مسلمان بن سکیں گے؟ ماں کی گود پہلی درسگاہ ہوتی ہے جہاں اب وہ سبق دیئے جاتے ہیں جس سے اخلاق سوزی اور دل آزاری پیدا ہو۔علامہ اقبالؒ نے فرمایا ؎

گلہ تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا ۔۔۔ کہاں سے آئے صدا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
حدیثِ دل کسی درویشِ بے گلیم سے پوچھ ۔۔۔ خدا کرے تجھے تیرے مقام سے آگاہ(۱۲۳)

وہ دین کی اتباع اور بالخصوص نماز کی ادائیگی کا اثر تھا کہ جس کو اپنانے سے مسلمانوں نے پوری دنیا میں اسلام کا پرچم لہرا دیا تھا اور جس نے قیصری وکسریٰ کے ایوانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ان مسلمانوں نے جو

کمالات حاصل کئے تاریخ ان پر شاہد ہے۔ مگر افسوس کہ آج نہ اس دین کا احترام دلوں میں رہا اور نہ ان نمازوں کی تمنا مسلمان جوانوں کے دلوں میں باقی ہے۔ نماز پڑھنے والوں کو مُلّا کا نام دے کر مذاق اڑایا جاتا ہے۔ لفظِ مُلّا اس نفرت کے اظہار کا ذریعہ ہے جو مغرب زدہ مسلمانوں کے دلوں میں یہود اور نصاریٰ نے پیدا کیا ہے۔ یہ وہ قوم ہے جس نے مسلمانوں سے ان کی دینی روح نکال لی اور اس کی جگہ فرنگی ذوق وشوق بھر دیا، جس نے قومی یکجہتی کا جذبہ نکال کر قومی اور صوبائی تعصب کوٹ کوٹ کر بھر دیا، جس نے ان کا دینی شعار چھین کر مغربیت کا لبادہ پہنا دیا، اور پوری قوم کو اپاہج کر کے رکھ دیا، اب وہ مسلمانوں کا مکمل طور پر شیرازہ بکھیرنے میں کامیاب ہو چکی ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی مغربیت اور سامریت کے اثرات کی نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ مسلمان اب پوری طرح تباہ ہو چکے ہیں اور کسی نصیحت کرنے والے کی ندا اور صدا سننے کو قطعاً تیار نہیں۔ دین کی اصلاح کرنے والوں کی طرف دھیان دینا تو ایک طرف، لوگ اب دینی ماحول کی طرف توجہ کرنے کو گھٹیا پن اور ہتک آمیز امر تصور کرتے ہیں۔ ایسے لوگ بیک نشستِ چھ چھ گھنٹے وی سی آر کیلئے وقف کر دیتے ہیں مگر نماز کیلئے ان کے پاس پانچ منٹ کا وقت بھی میسر نہیں ہوتا۔ علامہ اقبالؒ نے اور دیگر مصلحین نے جو فکر آموز کلام لکھا وہ دوسری قوموں کے کام آیا، مگر ان کے کلام کی طرف اپنی قوم نے کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ ان کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اسلام کے مصلحین نے ان کیلئے کیا کچھ نہ کیا۔ مولانا رومؒ اور علامہ اقبالؒ جو کاوشیں اپنی قوم کو ابھارنے کیلئے عمر بھر کرتے رہے، اس پر ایک بھرپور حصہ ہماری کتاب ''سرمایۂ ملت'' میں ''ملتِ اسلامیہ کا چراغ'' کے نام سے دے دیا گیا ہے۔ جو لوگ اپنی اس غفلت اور فسق و فجور کی دنیا سے نکلنا چاہتے ہیں ان کو نیک لوگوں کے پاس بیٹھ کر درس علم و حکمت لینے کے بغیر چارہ نہیں تاکہ وہ اپنی کھوئی ہوئی دولت کو پھر سے پالیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ نمازی بن سکیں اور پھر باحضور نماز قائم کرنے کیلئے اہلُ اللہ سے سبق حاصل کریں۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے ؎

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں　　ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں (۱۲۳)

نمازِ بے حضور اور بے دینی کی زندگی مسلمان کا شیوہ نہیں، قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں میں نماز کیلئے کس درجہ ذوق وشوق تھا وہ اس کتاب میں بیان کر دیا گیا ہے۔

وہ سجدہ جس سے روحِ زمیں کانپ اٹھتی تھی

اپنی لاعلمی کے باعث مسلمان اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے تمام کائنات کا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے اور وہ اس درجے پر اس وقت ہی متمکن ہو سکتا ہے جب وہ خود کو اس کا اہل ثابت کرے۔ مسلمان کو اللہ تعالیٰ نے وہ طاقت بخشی ہے کہ اگر وہ خدا پر یقین لائے، ایمانداری سے برتاؤ کرے، محنت شاقہ سے کام لے، عبادات میں انہماک رکھے اور اپنی دینی و دنیاوی ذمہ داری نبھائے تو اس پوری کائنات میں کسی چیز کو اس کی فرمانبرداری کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اولیائے کرام تسخیر کائنات کے معاملے میں کہاں تک پرواز کر سکتے ہیں، اس کی کوئی انتہا نہیں۔ جب ولی کامل اپنی کاوشوں کو مکمل طور پر بروئے کار لائے تو اس کا حکم، حکمِ الٰہی

بن جاتا ہے۔ جب وہ اللہ اکبر کہہ کر نماز میں داخل ہوتا ہے تو عرش عظیم پر پہنچ جاتا ہے۔ اس کی ایک آہ سرد سے آسمانوں کے کناروں میں ہلچل مچ جاتی ہے۔ اس کے ایک اشارے پر ہواؤں کا رخ بدل جاتا ہے، مگر افسوس کہ وہ اس طاقت کے حاصل کرنے میں پیش رفت نہیں کرتا۔ وہ نماز کی ضروریات اور اس کے آداب نہیں سیکھتا۔ وہ روحِ نماز سے ناآشنا ہے۔ وہ اس مقام کو حاصل کرنے کیلئے محنت شاقہ سے گریز کرتا ہے۔ وہ کسی معروف کرخیؒ کی غلامی میں آکر بایزید بسطامیؒ بننا کارِ دشوار سمجھتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کا عقیدہ ہے کہ

تو اے اسیر مکاں، لامکاں سے دور نہیں ۔۔۔ وہ جلوہ گاہ ترے خاکداں سے دور نہیں (۱۲۵)

مومن کی یہ تمام تر شان اس کے بے مثال عمل کی مرہونِ منت ہے جس کیلئے اگر وہ آج بھی قدم اٹھائے تو منزل اس سے دور نہیں رہ سکتی۔ ایک ایسے مسلمان کی سی شان حاصل کرنے کیلئے کسی مردِ مومن کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ فقر جنیدؒ کے پیچھے کتنی ہستیاں تھیں۔ تصوف کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سری سقطی، المعروف کرخیؒ، المحاسبیؒ، محمد القصابؒ، ابن الکرنبیؒ، القنطریؒ اور ابوحفص الحدادؒ کے علاوہ اور کئی ممتاز صوفیائے کرام سے آپ نے اکتساب فیض کیا۔ بقول اقبالؒ ۔

اگر کوئی شعیب آئے میسر ۔۔۔ شبانی سے کلیمی دو قدم ہے (۱۲۶)

علامہ اقبالؒ نے اس پہلو پر بہت روشنی ڈالی ہے۔ حضور ﷺ کے فدائیوں نے آپ کی صحبتوں سے بہت کچھ حاصل کیا اور سیکھا۔ انہوں نے نماز کو بہت اہمیت دی اور پابندیٔ شریعت کے علاوہ مجاہداتِ طریقت کے ذریعے روحانی کمالات حاصل کئے۔ یہ وہ دور تھا کہ ہر صحابی بذاتِ خود ایک شعیب علیہ السلام کا انداز اپنائے ہوئے تھا۔ ہر صحابی جبرائیل علیہ السلام کی رفاقت کا حامل تھا اور اقبالؒ نے ایسے لوگوں کیلئے کہا ہے ''ہمسایۂ جبریلِ امیں بندۂ خاکی''۔ ایسے لوگوں کے متعلق زیادہ تفصیل اس کتاب کی وسعت سے باہر ہے، اس کیلئے ہمارا کتابچہ ''مقامِ آدم'' اور دیگر کتبِ تصوف سے رجوع کریں۔ اب علامہؒ کے چند وہ اشعار ملاحظہ فرمائیں جن میں انہوں نے مومن کی عبادات کی بے مثل شان بیان کی ہے ۔

وہ سجدہ روحِ زمین جس سے کانپ جاتی تھی ۔۔۔ اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

سنی نہ مصر و فلسطین میں وہ اذاں میں نے ۔۔۔ دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب (۱۲۷)

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود ۔۔۔ ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا (۱۲۸)

سجودے دہ کہ از سوز و سرورش ۔۔۔ بہ وجد آرم زمین و آسماں را (۱۲۹)

(وہ سجدہ عطا کردے جس کے سوز و سرور سے میں زمین اور آسماں کو وجد میں لے آؤں)

اگر لہو ہے بدن میں تو خوف ہے نہ ہراس ۔۔۔ اگر لہو ہے بدن میں تو دل ہے بے وسواس

جسے ملا یہ متاعِ گراں بہا اس کو ۔۔۔ نہ سیم و زر سے محبت ہے، نے غمِ افلاس (۱۳۰)

باب نمبر ۱۰

نماز کی اہمیت

(قرآن اور حدیث کی روشنی میں)

اپنی افادیت کی بنا پر اسلام کے تمام ارکان بہت اہمیت رکھتے ہیں مگر نماز کو ان سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ یہ اہمیت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ نماز کو دین کا ستون کہا گیا ہے۔ نماز کی اہمیت اس بات سے بھی واضح ہو جاتی ہے کہ تمام فرائضِ اسلام مثلاً حج، زکوٰۃ، صیام وغیرہ کے احکام جب نازل ہوئے تو ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مختلف آیات نازل فرمائیں اور آیات کے ذریعے ان کو فرض قرار دیا گیا۔ مثلاً روزے کے متعلق آیت نازل ہوئی۔ ''یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ'' (البقرہ: ۱۸۳) (اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تمہاری پرہیز گاری کیلئے)۔

اسی طرح حج اور زکوٰۃ کے احکامات بھی نازل ہوئے، مگر نماز کو صرف آسمانوں سے نازل ہونے والی آیات کے ذریعے ہی فرض نہیں کیا بلکہ عرشِ الٰہی پر خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنے سامنے حضوری میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج پر بلا کر نماز کو فرض کیا۔ اس سے اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ نماز کو کس قدر اہمیت دی گئی ہے اور یہ کہ اسے تمام عبادات سے الگ اور ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے فرمایا کہ نمازی کیلئے تین خصوصی عزتیں ہیں (جو احادیث میں بھی وارد ہیں)۔ ایک یہ کہ جب یہ نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو سر سے لے کر آسمان تک اس پر رحمت الٰہی کی گھٹا چھا جاتی ہے اور نیکیاں بارش کی طرح برستی ہیں۔ دوسرے یہ کہ فرشتے نمازی کے چاروں طرف جمع ہو جاتے ہیں اور اس کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں اور اس کی زیارت کرتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ جب نماز کی نیت باندھتا ہے تو رب العالمین کی تجلیات سامنے آجاتی ہیں اور ایک فرشتہ پکارتا ہے کہ اے نمازی اگر تو دیکھ لے کہ تیرے سامنے کون ہے اور تو کس سے یہ تمام بات کر رہا ہے ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' (وغیرہ کے کلمات کہنا اللہ سے گفتگو ہے) تو خدا کی قسم تو قیامت تک نماز سے سلام نہ پھیرے اور نماز کی حالت میں ہی مر جائے اور کبھی بھی بس نہ کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں مملکتِ اسلامیہ کے تمام حکام کے پاس ایک حکم نامہ ارسال کیا تھا کہ سب سے زیادہ مہتمم بالشان چیز میرے نزدیک نماز ہے جو اس کا اہتمام کرے گا وہ دین کی دوسری باتوں کا بھی اہتمام کرے گا اور جو اس کو ضائع کر دے گا وہ دین کے اور اجزا کو بھی ضائع کر دے گا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے تمام گورنروں کو فرمان بھیجا۔ جس کے الفاظ یہ تھے ''نماز کے وقت تمام کام چھوڑ دو کیونکہ جس شخص نے نماز کو ضائع کیا وہ فرائض اسلام کا سب سے زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا''۔

(ایک روایت اس کتاب کے پہلے باب میں گزر چکی ہے)۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج میں نماز ملی اور جب وہ فرض ہوگئی تو پھر اس کو وہ رتبہ ملا کہ اسے کفر اور اسلام کے درمیان ایک آڑ قرار دیا گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ بندہ (مسلمان) اور کفر کے درمیان صرف نماز کی دیوار حائل ہے۔ ترک نماز اس فرق کو دور کر دیتی ہے۔[1]

طبرانی ؒ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات چیزوں کی نصیحت فرمائی، جن میں سے دو یہ ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ بنانا اگرچہ تمہارے ٹکڑے کر دیئے جائیں یا تجھے آگ میں جلا دیا جائے۔

۲۔ نماز جان بوجھ کر نہ چھوڑنا، کیونکہ جو شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑتا ہے وہ ملتِ اسلامیہ سے نکل جاتا ہے۔[2]

ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اللہ کسی شخص کو ایک لمحہ بھر کیلئے جنت یا دوزخ کا نظارہ کروا دے تو وہ شخص تمام دنیا کے کاموں کو ترک کر دے اور ساری عمر عبادت میں ہی گزار دے۔ (اگر ایسا ہوتا تو کاروبارِ دنیا مکمل طور پر بند ہو جاتے اور سب ہی مسلمان ہو جاتے)۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کے دن جب نمازیوں کو جنت میں جانے کا حکم ہوگا تو سب سے پہلے ایک جماعت جنت میں جائے گی جن کے چہروں کی چمک سورج کی چمک کی طرح ہوگی۔ فرشتے ان سے دریافت کریں گے کہ تم کون لوگ ہو اور دنیا میں کیا عمل کرتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ ہم مسلمان ہیں اور نماز کی حفاظت کرنا ہمارا عمل تھا۔ فرشتے پوچھیں گے کہ کس طرح حفاظت کرتے تھے۔ جواب دیں گے کہ ہم نماز سے پہلے ہی آ کر مسجد میں بیٹھ جاتے تھے۔ اس جماعت کے بعد ایک اور جماعت داخلِ جنت ہوگی جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے، ان سے پوچھا جائے گا تو کہیں گے ہم اذان سے پہلے باوضو ہو کر بیٹھ جاتے تھے اور اذان سنتے ہی مسجد میں پہنچ جاتے تھے۔ تیسری جماعت کے چہرے ستاروں کی طرح چمکدار ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اذان سن کر وضو کرتے اور مسجد میں پہنچ جاتے اور تکبیرِ اولیٰ کا خیال رکھتے تھے۔

اہلِ ایمان قبروں سے نکل کر جب حشر کے میدان میں تشریف لائیں گے تو ان کی عجیب شان ہوگی۔ ان کے آگے بھی نور ہوگا اور ان کے دائیں جانب بھی نور ہوگا (اور اس کی روشنی چاروں طرف ہوگی) یہ نور قوتِ ایمان اور اعمالِ حسنہ کے مطابق ہوگا۔ احادیث میں ہے کہ بعض مومن ایسے ہوں گے جن کے نور سے مدینہ اور عدن کی طویل مسافت جگمگا رہی ہوگی۔ بعض کے نور سے مدینہ اور صنعا کا درمیانی علاقہ روشن ہو رہا ہوگا اور بعض کے نور سے ان کے قدم رکھنے کی جگہ روشن ہوگی۔ کچھ احادیث میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا ذکر کرنے والوں کا نور اس قدر روشن ہوگا کہ اس کے سامنے چاند سورج اور ستاروں کی روشنی ماند پڑ جائے گی۔

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۱۱۷، جلد ۱، صفحہ ۲۲۹۔

[2] المعجم الکبیر، حدیث ۱۶۵۸۳، جلد ۱۴، صفحہ ۴۸۹۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ'' (الحدید:١٢) (جس روز آپ دیکھیں گے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو کہ ضوفشانی کر رہا ہوگا ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں جانب بھی)۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے پہلے مجھے سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی اور سب سے پہلے مجھے ہی سجدہ سے سر اٹھانے کا اذن ہوگا۔ میں آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھوں گا۔ ساری امتوں سے اپنی امت کو پہچان لوں گا۔ ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اُمتوں کے ہجوم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو کس طرح پہچانیں گے۔ فرمایا کہ میں ان کو پہچان لوں گا، کیونکہ ان کے ہاتھ اور پاؤں وضو کے اثرات سے چمک رہے ہوں گے۔[1] یہ چیز دوسری امتوں میں نہ پائی جائے گی۔ فرمایا میں ان کو پہچان لوں گا، کیونکہ ان کے نامۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے، میں ان کو اس نشانی سے پہچان لوں گا جو ان کے چہروں میں ہوگی۔ میں انہیں اس نور سے پہچان لوں گا جو ان کے سامنے ضوفشانی کر رہا ہوگا۔ خدائے تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہمیں ایسی نمازوں اور اعمال کی توفیق عطا فرمائے کہ ہمارے چہروں پر بھی ان کے امتی ہونے کے ممتاز نشانات پائے جائیں۔ آمین

سورۃ الحدید کی تیرھویں آیت میں ہے کہ قیامت کے روز منافقین اور کفار کا یہ حال ہوگا کہ (وہ تاریکیوں میں ہوں گے اور وہ مومنین سے کہیں گے کہ اے نیک بختو! ہمارا بھی انتظار کرو تا کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کر لیں، لیکن ان کو اجازت نہ دی جائے گی۔ ''يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنَافِقُوْنَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِيْنَ آمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ'' (جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے ذرا ہم پر (بھی) نظرِ (التفات) کرو ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں، ان سے کہا جائے گا تم اپنے پیچھے پلٹ جاؤ اور (وہاں جا کر) نور تلاش کرو (جہاں تم نور کا انکار کرتے تھے)، تو (اسی وقت) ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا، اس کے اندر کی جانب رحمت ہوگی اور اس کے باہر کی جانب اُس طرف سے عذاب ہوگا)۔

مومن کو نماز سے نور ملتا ہے

سورۃ الحدید کی انیسویں آیت میں ہے کہ (اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والے اللہ کی جناب میں صدیق اور شہید ہیں اور ان کیلئے خصوصی اجر اور ان کیلئے مخصوص نور ہے)۔ ''وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ أُولٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ'' ان آیات میں بتایا گیا

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ٣٦٧، جلد ٢، صفحہ ٥٣۔

ہے کہ کچھ لوگ دنیا کی زندگی کو سنوارنے میں اس قدر فریفتہ ہیں کہ انہیں اپنی عاقبت سنوارنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ یہ لوگ دنیا کی خاطر بڑی سے بڑی تکلیف برداشت کرتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ سب کھیل کود اور تماشا ہے۔ دنیا کی زینت و آرائش عورتوں کا شیوہ ہے۔ مالی تکاثر (کثرت) اور تفاخر (فخر) میں احمق اور نادان ہی اپنے آپ کو مصروف رکھتے ہیں۔ اے بندۂ مومن تری زندگی اس لیے نہیں کہ تو ان میں ہی کھو جائے، بلکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری اصل مقصودِ زندگی ہے۔ تری ذات خود بڑی حسین وجمیل ہے تو ان عارضی آرائشوں کیلئے نہیں۔ ہماری تصنیف "اسلام وروحانیت اور فکر اقبال" میں اپنی پہچان کی بابت ۴۰ صفحات پر مشتمل ایک مضمون بعنوان "مَنْ اَنَا" کا مطالعہ فرمائیں۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے ؎

نہ تو زمیں کیلئے ہے نہ آسماں کیلئے جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کیلئے
مقامِ پرورشِ آہ و نالہ ہے یہ چمن نہ سیرِ گل کیلئے ہے نہ آشیاں کیلئے[۱۳۱]

کسی نے خوب فرمایا ہے کہ جس چہرے کو دیکھ کر دل آرام پکڑتے ہیں (یعنی جو حقیقی طور پر حسین وجمیل ہے) ان کیلئے کنگھی شیشہ یا بناؤ سنگھار کی ضرورت نہیں ؎

حاجت مشاطہ نیست روئے دل آرام را

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک بہت پیاری حدیث ہے فرمایا۔ "مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ"[۱] (مسلمان کے اسلام کی یہ خوبی ہے کہ ہر غیر ضروری چیز کو نظر انداز کرتا چلا جاتا ہے یعنی جو کام کی باتیں ہوں وہی مومن کا مطلوب ہیں)۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ "أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ قَالَ اَلصَّلَاةُ عَلٰى مِيقَاتِهَا قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ اَلْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ" (اللہ کے ہاں سب سے محبوب عمل کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نماز، میں نے پوچھا اس کے بعد فرمایا والدین کے ساتھ حسنِ سلوک میں نے عرض کیا اس کے بعد فرمایا جہاد)۔[۲] کچھ اور احادیث میں بھی آیا ہے کہ تمہارے اعمال میں سب سے بہتر عمل نماز ہے۔

اسی طرح سورۂ تحریم کی آٹھویں آیت میں آیا ہے "يَوْمَ لَا يُخْزِي اللهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهُ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا" (اللہ اس روز رسوا نہ کرے گا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایمان لائے۔ اس روز ان کا نور ایمان دوڑتا ہوگا ان کے آگے اور ان کے دائیں جانب، وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب مکمل فرما دے ہمارے لیے ہمارا نور اور ہمیں بخش دے) (تحریم:۸)۔

مؤمنین اللہ تعالیٰ سے یہ دعا اس لیے کریں گے کہ جنت تک پہنچنے سے پہلے ان کا یہ نور بجھ نہ جائے، اس

---

[۱] صحیح مسلم، حدیث ۳۶۷، جلد ۲، صفحہ ۵۳۔
[۲] صحیح مسلم، حدیث ۳۶۷، جلد ۲، صفحہ ۵۳۔

لیے زیادتی نور کیلئے دعا کریں گے۔ مذکورہ آیت اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کو کس قدر اہمیت دی گئی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ آخرت کے نور کا نماز سے گہرا تعلق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کی طرف بھی خیال جاتا ہے جس میں آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تھی کہ الٰہی میرے ظاہر اور باطن کو میرے اوپر، نیچے، آگے اور پیچھے نور ہی نور کر دے۔ اگرچہ آپ ﷺ نور علیٰ نور تھے مگر پھر بھی نور کیلئے دعا فرمائی۔ آپ ﷺ کی اس دعا فرمانے سے یہ مطلب نہ لیا جائے کہ آپ ﷺ مجسمہ نور نہ تھے ورنہ یہ دعا نہ مانگتے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ ﷺ سراپا ہدایت یافتہ ہونے کے باوجود مزید ہدایت کیلئے دعا فرماتے اور ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' کی دعا مانگتے تھے۔

جو فرض نماز ادا نہ کرے اس کی کوئی عبادت قبول نہیں

حضرت امام ترمذی کی ''کتابُ الصلوٰۃ'' میں حدیث منقول ہے کہ ''إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهِ صَلَاتُهُ فَإِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ وَأَنْجَحَ وَإِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ'' (قیامت کے دن سب سے پہلے جو سوال بندے سے پوچھا جائے گا وہ نماز کے متعلق ہوگا (اگر کوئی نماز پڑھتا ہوگا اور) وہ قبول ہوئی ہوگی تو اس کی وجہ سے اس کے سارے عمل قبول ہو جائیں گے۔ اور اگر نماز قبول نہ ہوئی تو سارے عمل رد کر دیئے جائیں گے)۔[1] شیخ سعدیؒ نے بھی فرمایا ہے ؎

روزِ محشر کہ جاں گداز بود — اولیں پرسش نماز بود

(قیامت کے روز جب جان پگھل رہی ہوگی سب سے پہلے نماز کی پوچھ ہوگی)

یہ بات سمجھانے کیلئے کہ فرض اور واجب عبادات کو ترک کر دینے سے کوئی نفلی عبادت یا خیرات قبول نہیں ہوتی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ وہ یہ کہ اپنی خلافت کے دوران آپ نے ایک روز صبح کی نماز کے بعد دریافت فرمایا کہ فلاں شخص کو کیا ہوا کہ وہ فجر کی نماز میں شامل نہیں ہوا۔ کسی نے عرض کیا کہ وہ آج تمام رات عبادت میں مصروف رہا اور شاید وہ گھر پر صبح کے وقت فجر کی نماز پڑھ کر سو گیا ہو اور مسجد میں نہیں آ سکا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ اگر وہ عشاء اور فجر کی نماز باجماعت پڑھ لیتا تو یہ اس کی تمام رات کی عبادت سے بہتر ہوتا۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ایک مسلمان تمام رات گھر میں بیٹھا نوافل پڑھتا رہے مگر عشاء اور فجر کی نماز کے فرائض بالکل نہ پڑھے تو کیا اس کی تمام رات کی عبادت قبول ہو سکے گی؟ ہرگز نہیں۔ ایسی عبادت جو فرائض کو ترک کر کے کی جائے ہرگز قبول نہ ہوگی، خواہ کتنی ہی اعلیٰ عبادت کیوں نہ ہو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے اور لاکھوں روپے خیرات کر دے تو اس کی خیرات قبول نہ ہوگی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات شریف میں فرمایا ہے کہ ایک پائی زکوٰۃ کا ادا کرنا لاکھوں روپے خیرات

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۳۷۸، جلد ۲، صفحہ ۱۸۸۔

کرنے سے بہتر ہے' چنانچہ یہ بات واضح ہو گئی کہ اگر کوئی شخص نیک عمل کرے مگر فرائض سے اجتناب کرے تو اس کے نفلی نیک اعمال ہرگز قبول نہیں ہوتے خواہ اس کے یہ اعمال بغیر ریا کے کیوں نہ ہوں۔ امام غزالیؒ نے فرمایا کہ اگر نفلی حج کی راہ میں کوئی فرض فوت ہو جائے تو ایسی حالت میں نفلی حج نہ کرنا بہتر ہے۔ فرض عبادات اور نفلی عبادات میں سمندر اور قطرے کی نسبت ہونے کا ذکر پہلے بیان ہو چکا ہے۔

بہت سے لوگ یوں کہہ دیا کرتے ہیں کہ اگر ہم نماز نہیں پڑھتے تو کیا؟ ہم کسی سے برا سلوک تو نہیں کرتے یا کسی کی دل آزاری تو نہیں کرتے بلکہ نیکی کے بہت سے ایسے کام کرتے ہیں جو نمازی لوگ بھی نہیں کرتے۔ ان کو یہ بھی کہتے سنا گیا ہے کہ ہم بے نمازی ہوتے ہوئے بہت سے نمازیوں سے بہتر ہیں کہ جو برائی بھی کر لیتے ہیں اور نماز کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی نمازی ہوتے ہوئے برائی کرتا ہے تو یہ بندہ قابلِ مثال نہیں اور نہ ہی ایسے شخص سے مقابلہ کرنے کو پسند کیا جا سکتا ہے کیونکہ جو کام برا ہے وہ برا ہی کہلایا جائے گا۔ مگر کسی کیلئے اس کی برائی سند نہیں ہو سکتی۔ دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی نمازی نہیں اور نماز کے علاوہ دوسری نیکیاں کرتا ہے تو اس کی یہ نیکیاں قابلِ قبول نہیں کیونکہ نماز بنیادی جزو ہے۔ اصل کے مقابلے میں فرع کی کوئی اہمیت ہی نہیں رہتی۔ نیک اعمال کے قبول ہونے کی شرط ایمان ہے اور ایمان اسی وقت صحیح ہے جب ارکانِ اسلام کا اہتمام کرتا ہو۔ اس کو دل و جان سے تسلیم کرتا ہو۔ اس کا عمل پیرا ہونا اس کے تسلیم کرنے کا ثبوت یا علامت ہے۔ یہ بات درست ہے کہ اسلام کو دل و جان سے تسلیم کرنے پر انسان ایمان میں داخل ہو جاتا ہے مگر نماز روزہ ادا کرنے پر اس کو خدائی قانون کے مطابق سزا بھگتنا پڑے گی۔ ایسے دوسرے نیک کاموں کا کیا فائدہ ہو گا اگر نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے اسے ہزاروں لاکھوں سال' جہنم میں رہنا پڑ جائے۔ درج بالا کلام سے ثابت ہوا کہ نماز اور فرائض کی ادائیگی کے بغیر عباداتِ نافلہ بے معنی اور نا قابلِ قبول ہیں۔

فرض' سنت اور نفل کے مقامات میں فرق

اس بات کو ذہن نشین کرنے کے بعد کہ نماز کے بغیر کوئی نیک عمل قبول نہیں ہوتا اب اس حقیقت سے پردہ اٹھانا ضروری ہے کہ مختلف قسم کی عبادات کے کیا کیا درجات ہوتے ہیں اور اہلِ تصوف کے رہنما' حضرت مجددّ الف ثانیؒ نے مکتوبات شریف میں اس سے متعلق کن رازوں کو افشاں فرمایا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت مجددّ الف ثانیؒ نے فرائض اور سنن پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اسلام میں سب سے اہم حصہ یہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ سے قُرب عطا کرنے والے اعمال فرائض اور اس کے بعد سنن اور پھر نوافل ہیں۔ فرائض کے سامنے نوافل کی کچھ حیثیت نہیں۔ کسی وقت میں فرائض میں سے ایک فرض کا ادا کرنا ہزار سال نوافل ادا کرنے سے بہتر ہے' اگر چہ نفل عبادت نیت خالص سے ہی کیوں نہ کی جائے، ادائے فرض کے بعد سنت اور مستحبات کی نگہداشت کا بھی یہی حکم ہے۔ ایک مستحب کا خیال رکھنا اور مکروہ (تنزیہی یا

تحریکی) کام سے بچنا کئی مرتبہ ذکر، فکر، مراقبہ اور توجہ سے بہتر ہے۔ اگر سنت اور مستحب کی نگہداشت رکھے اور مکروہات سے بچ کر ذکر و فکر کو ساتھ جمع کرے تو عظیم کامیابی حاصل ہو جائے گی ورنہ خار دار درخت پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے (یعنی بیکار ہے)۔

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ نفل کا مقام فرض کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ اس کو یوں بیان فرمایا کہ عبادات کا تعلق یا تو عالمِ خلق سے ہے یا عالمِ امر سے ہے (انسان کی روح ان دونوں عالموں میں ہوتی ہے۔ رُوح کا نچلا حصہ عالمِ خلق میں اور بالائی حصہ عالمِ امر میں ہوتا ہے) اس حقیقت کی کچھ تشریح نیچے دی جا رہی ہے۔

روح کے عالمِ خلق اور عالمِ امر والے حصوں پر عبادات کا اثر

یہ بات مصدقہ ہے کہ عبادت سے رُوح کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ فرائض کی ادائیگی سے عالمِ خلق والا حصہ متاثر ہوتا ہے جبکہ نوافل سے عالمِ امر والا حصہ تقویت حاصل کرتا ہے۔ اس کا مطلب یوں سمجھ لیجئے کہ نفلی عبادات مثلاً ذکر، تسبیح اور نوافل وغیرہ سے عابد کی روح کا وہ حصہ جو عالمِ امر میں ہے قوت حاصل کرتا ہے اور فرض عبادات سے عالمِ خلق والا حصہ مقوّی ہوتا ہے۔ عالمِ امر میں رُوح کا بالائی حصہ ہوتا ہے اور عالمِ خلق میں روح کا نچلا حصہ ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل ہماری کتاب ''اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبال'' میں دی گئی ہے۔ انبیاء کرام نے دعوت کو عالمِ خلق پر منحصر رکھا۔ اسلام کی بنا پانچ چیزوں پر ہے اور چونکہ قلب کو عالمِ خلق سے زیادہ مناسبت تھی اس لیے قلب سے تصدیق کی بھی دعوت فرمائی۔ بہشت کی نعمتیں اور دوزخ کے رنج سب عالمِ خلق سے وابستہ ہیں اور عالمِ امر سے ان کو کچھ تعلق نہیں۔ وہ اعمال جن کا تعلق عالمِ خلق کے ساتھ ہے فرائض، واجبات اور سنن ہیں اور اعمالِ نافلہ (نوافل) عالمِ امر کا نصیب ہیں۔ وہ قُربِ الٰہی جو فرائض کے ادا کرنے کا ثمرہ ہے عالمِ خلق کا نصیب ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نوافل، فرائض کے مقابلے میں کسی گنتی میں نہیں آتے۔ کاش ان میں قطرے اور دریائے محیط کی نسبت ہوتی (یعنی فرض کو اگر سمندر تصور کیا جائے تو نفل اسکے مقابلے میں ایک قطرہ کی حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ نفل کی سنت کے مقابلے میں بھی یہی نسبت ہے (یعنی سنت کو اگر سمندر کہیں تو نفل اس کے مقابلہ میں ایک قطرہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتا)۔ اگرچہ سنت اور فرض کے درمیان قطرہ اور دریا کی نسبت ہے پس فرضوں، نفلوں اور سنتوں کے قربوں کے درمیان بھی یہی نسبت ہے (یعنی فرائض کی مدد سے حاصل ہونے والا قرب مثلِ سمندر ہے تو سنت کے ذریعے مثل قطرہ ہی قُرب نصیب ہوگا اور نفل میں اس سے بھی کم)۔ اکثر لوگ ان معنیٰ کو نہیں سمجھتے اور فرائض کو ضائع کر کے نوافل کی ترویج (رواج دینے) میں کوشش کرتے ہیں۔

فرائض کی بجائے نفلی کاموں میں اُلجھنا سخت قبیح ہے

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ صوفیاء خام ذکر و فکر کو ضروری سمجھ کر فرضوں اور سنتوں کو بجالانے میں سستی کرتے ہیں اور ریاضتیں اختیار کر کے جمعہ اور جماعت کو ترک کر دیتے ہیں (کچھ لوگ عملیات اور وظائف میں

ایسے الجھے رہتے ہیں کہ نماز اور جماعت کو ترک کر کے عملیات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں)۔ حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ وہ نہیں جانتے کہ ایک فرض نماز کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا ان کے ہزاروں چلوں سے بہتر ہے۔ ہاں آدابِ شرعیہ کو بجالانے کے ساتھ ذکر وفکر میں مشغول ہونا بہت بہتر اور ضروری ہے۔

فقہ کی روایتیں نفلی نماز کی باقاعدہ جماعت کی کراہت پر ناطق ہیں (چند آدمیوں سے زیادہ باقاعدہ اعلان کے ساتھ نفلی نماز باجماعت پڑھنا مکروہ ہے) اور فرضوں میں علمائے بے سرِ انجام جماعت کی چنداں قید (پرواہ) نہیں رکھتے اور ایک دو آدمیوں کی جماعت پر قناعت کر لیتے ہیں بلکہ بسا اوقات تنہا نماز ادا کرنے پر ہی کفایت کرتے ہیں (یعنی اکیلے گھر پر نماز پڑھ لیتے ہیں)۔ فرماتے ہیں کہ جب پیشواؤں کا یہ حال ہے تو عوام کا کیا حال ہوگا؟ اس کم بختی کی وجہ سے اسلام میں ضعف پیدا ہو گیا ہے اور اسی فعل کی ظلمت سے بدعت اور ہویٰ ظاہر ہو گئی ہیں۔

مختلف عبادات کے قُرب میں فرق

حضرت مجددؒ مزید فرماتے ہیں ''نیز نفلوں کا ادا کرنا ظلی قُرب بخشتا ہے (وہ قرب جس میں خدا کے نور کو دیکھا جائے۔ اس کی اصل صورت کو نہ دیکھا جائے۔ یاد رہے کہ عدم کا ظہور جس نور سے ہو اس کو ظل کہتے ہیں) اور فرائض کا ادا کرنا قُربِ اصل دیتا ہے ہاں وہ نوافل جو فرائض کی ادائیگی کے علاوہ ادا کئے گئے ہوں، قُربِ اصل کا باعث بنتے ہیں'' (اور ان نوافل کی کثرت سے ایک حدیث[1] کے مطابق بندہ مومن کا ہاتھ خدا کا ہاتھ بن جاتا ہے، اس کا کہنا خدا کا کہنا ہو جاتا ہے)۔ پھر فرماتے ہیں کہ فرائض اگرچہ سارے اصلی قرب بخشتے ہیں لیکن ان میں افضل اور اکمل نماز کے فرائض ہیں، اس لیے فرمایا گیا ہے۔ ''اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ''[2] (نماز مومنوں کی معراج ہے)۔ ''اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوۃِ''[3] (بندے کو سب سے زیادہ قُربِ الٰہی نماز میں ہوتا ہے)۔

دیدار، عالمِ خلق سے متعلق ہے مشاہدہ، عالمِ امر سے

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ بزرگانِ نقشبند قدس سرّھم نے جو سیر اختیار کی اس کو عالم امر سے شروع کیا ہے اور عالمِ خلق کی طرف لے آئے ہیں۔ عالمِ امر نے آج اس جگہ پورا نصیب لے لیا ہے اور مشاہدہ اور معائنہ حاصل کر لیا ہے۔ کل بہشت میں معاملہ عالم خَلق کے ساتھ پڑے گا اور بلا کیف دیدار الٰہی بھی اس میں حاصل ہوگا۔ فرماتے ہیں ''نیز مشاہدہ کا تعلق ظلال (پرچھائیں) میں سے ایک ظل کے ساتھ ہے اور دیدارِ

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۶۵۰۲، جلد ۱۹، صفحہ ۴۴۴۔

[2] مرقاۃ المفاتیح، جلد ۲، صفحہ ۵۷۹۔

[3] صحیح مسلم، حدیث ۴۴۷، جلد ۳، صفحہ ۲۹۔

باری تعالیٰ آخرت میں ہوگا۔ پس جس قدر فرق مشاہدہ اور دیدار میں ہے اتنا ہی فرق عالمِ امر (جس میں مشاہدہ ہوتا ہے) اور عالمِ خلق (جس میں دیدار ہوتا ہے) میں ہے۔ یعنی عالم امر میں عبادتِ نافلہ سے ظلی مشاہدہ ہوتا ہے اور عالمِ خلق میں فرض عبادات سے دیدارِ الٰہی یا رؤیتِ حقیقی ملتی ہے جو آخرت میں ہوگی۔ جس صوفی کو عالم امر سے زیادہ مناسبت ہوگی اس کا قدم کمالاتِ نبوت میں بڑھ جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ولایت میں قدم آگے رکھتے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کا قدم نبوت میں زیادہ تر تھا، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں عالم امر کی نسبت بلند ہے جس کے باعث وہ غائب ہو گئے اور روحانیوں میں مل گئے اور موسیٰ علیہ السلام میں عالم خلق کی نسبت غالب ہے جس کی وجہ سے انہوں نے مشاہدہ پر کفایت نہ کرتے ہوئے رؤیتِ باری تعالیٰ (رؤیت بصری) طلب کی اور "رَبِّ أَرِنِيْ أَنْظُرْ إِلَيْكَ" (اعراف:۱۴۳) کا تقاضا کیا۔

عالمِ خَلق اور امر کے درمیان قلب برزخ ہے

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ایک مکتوب شریف میں قلبِ مومن کی کافی طویل وضاحت فرمائی ہے اور اس ضمن میں اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ قلب عالمِ خلق اور عالمِ ارواح (امر) کے درمیان برزخ ہے گویا قلب کا نصف حصہ عالمِ خلق سے ہے اور نصف عالمِ ارواح سے ہے۔ عالم خلق والے نصف حصے کو پھر نصف کریں (یعنی قلب کا چوتھا حصہ) تو معاملہ عنصرِ ہوائی (ہوس) پر جا پڑے گا (یعنی ہوا و ہوس کا اثر رہتا ہے) اور یہ عالم عناصرِ اربعہ سے نسبت رکھتا ہے۔ جو شخص اس کی گرفتاری میں ہوا اس کو ہوا (ہوس) کے سوا کچھ نہیں حاصل ہوتا۔ اگر قلب کا یہی چوتھا حصہ طے کیا جائے تو مقامِ فنا حاصل ہو جاتا ہے اور باقی تین حصے بعد میں طے ہوں تو واصل باللہ اور بقا باللہ سے ملقب ہو جاتا ہے (زیادہ تفصیل کیلئے مکتوب ۸۷ دفتر اول حصہ پنجم دیکھیں)۔

حلاوتِ عبادت سے جذبہ اور کشش کا پیدا ہونا

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ (سلسلہ نقشبندیہ میں) سیر کی ابتدا عالمِ امر سے ہوتی ہے (یعنی عبادتِ نافلہ سے) اور اس ابتدا میں ادا کی جانے والی عبادت سے سالک اپنے اندر حلاوت پاتا ہے جو جذبہ اور کشش کا ہر اول دستہ ہے۔ اگر یہ اثر (حلاوت) پیدا نہ ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سالک کی رُوح کا وہ حصہ جو عالمِ امر میں ہے عالمِ خلق والے حصے کی نسبت کمزور ہے اور یہ کمزوری راہ کی رکاوٹ ہے اور یہ اس وقت تک ہوتی ہے جب تک عالم امر والا حصہ عالمِ خَلق والے پر غلبہ اور قوت حاصل نہ کرلے اور معاملہ برعکس نہ ہو جائے (یعنی روح کا وہ حصہ جو عالمِ امر میں ہے عالمِ خَلق والے حصے کی نسبت زیادہ قوی نہ ہو جائے) اس ضعف یا کمزوری کا علاج یہ ہے کہ مکمل تصرف والا مرشد پورے تصرف سے کام لے۔ نقشبندی سلسلہ کے علاوہ اس کا علاج یہ ہے کہ پہلے تزکیۂ نفس کیا جائے پھر ریاضت اور مجاہداتِ شاقہ موافقِ شریعت کیے جائیں۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ دیر سے حلاوت کا پیدا ہونا استعداد کے ناقص ہونے کی علامت نہیں، بلکہ کئی دفعہ مکمل استعداد والے اس بلا میں مبتلا اور گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اس کا علاج کوشش اور توجہ مرشد سے ہو جاتا ہے۔ حوصلہ ہار کر راہِ سلوک کو چھوڑ نہیں دینا چاہیے۔ بعض اوقات تو تصورِ شیخ سے بہت سے معاملے درست ہو جاتے ہیں، اس سلسلے میں حضرت مجددؒ کا مزید کلام ہماری تصنیف ''حضورِ قلب'' میں مطالعہ فرمائیں۔

درج بالا کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ جو سالک نوافل سے قُرب حاصل کرے اس کو ظلی قُرب اور ظلی مشاہدہ حاصل ہوگا اور ایسے سالک میں عالم امر کی نسبت غالب ہوگی جب کہ فرض عبادات میں قُربِ اصلی اور رویت حقیقی یعنی دیدار حاصل ہوگا اور نسبت عالمِ خلق کے ساتھ غالب اور قوی ہوگی۔

چلّوں سے عوام میں مقبولیت تو ہے، قُربِ الٰہی نہیں

دیکھنے میں آتا ہے کہ کچھ لوگ عملیات اور چلّوں کی مشقت اٹھا کر کچھ قوت حاصل کر لیتے ہیں اور وہ مخلوق میں بہت مشہور ہو جاتے ہیں۔ وہ لوگ زیادہ زور چلّوں پر دیتے رہتے ہیں اور فرائض میں کوتاہی یعنی غفلت کرتے ہیں۔ ایسے لوگ مقبولِ عام تو ہو جاتے ہیں مگر اللہ کے دربار میں ان کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہوتی، بلکہ اُلٹے گنہگار ہوتے ہیں تاوقتیکہ وہ فرائض اور سنن کو ادا نہ کریں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ عوام بھی ان ہی لوگوں کے پاس جاتے ہیں اور ان کے عملیات کے ذریعے اپنی مشکلات کا حل تلاش کرتے ہیں اور اس پر طرہ یہ کہ حقیقی نیک اور بزرگ لوگوں کی چنداں پرواہ نہیں کرتے اور نہ ان کا احترام کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے بزرگ تو عوام میں پہچانے بھی نہیں جاتے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ چلّوں کی مشقت اٹھانے والے (بلاتمیز مذہب) ایک خاص مقام جسے ''ہمہ اوست'' کہا جاتا ہے تک پرواز حاصل کر لیتے ہیں جو بزرگوں کی غیر محدود اور بلند تر روحانی پرواز سے کہیں کم ہوتی ہے۔ عامل اور شعبدہ باز لوگوں کے صرف محدود مقام تک کے کمالات کو دیکھ کر عوام ان کے معترف ہو جاتے ہیں۔ ان کے ایسے کمالات کو کرامات نہیں بلکہ استدراج کہا جاتا ہے۔ یہ عام لوگ کاملینِ اولیائے کرام کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے اور محض عملیات کے باعث ولایت کے حقدار نہیں بن سکتے۔

کفار سے کوئی نیکی قبول نہیں کی جاتی

قرآن میں اس بات کا ذکر ہے کہ کافروں کا تو کوئی مولیٰ ہی نہیں اور نہ ان کا کوئی دین ہے۔ قرآن میں ایک جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ ''مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ'' (المومن: ۴۰) (جو شخص نیک عمل کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ ایمان دار ہو تو یہ لوگ جنت میں داخل کیے جائیں گے)۔

آخرت کی جزا کیلئے ایمان شرط ہے۔ جیسے فرمایا گیا ہے۔ "لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ" (کفار کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں) (آل عمران:۷۷)۔ اسی طرح ان کے عذاب میں بھی تخفیف کی نفی کی گئی اور فرمایا گیا "فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ" (البقرہ:۸۶) (ان کے عذاب میں کمی نہ کی جائے گی)۔ کفار کو ان کے اچھے کاموں کا بدلہ دنیا میں ہی دے دیا جاتا ہے۔ شہرت، عزت، مال، اولاد، دنیا کے آرام کا دیا جانا، سکرات الموت میں کمی کا ہونا سب اسی قبیل سے ہیں کہ ان کے اچھے کاموں کا دنیا میں بدلہ چکا دیا گیا۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ کفار میں سے کسی کو عذاب زیادہ دیا جاتا ہے کسی کو کم۔ کوئی بہت گہرے جہنم میں بھیجا جاتا ہے اور کوئی مقابلتاً بہتر جہنم میں رکھا جاتا ہے۔ یہ ان کے جرائم اور کفر میں زیادتی یا کمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کچھ لوگ کافر ہوتے ہوئے بھی بری باتوں سے بچتے ہیں اور اسلام کی مخالفت نہیں کرتے۔ ان کی سزا دوسروں سے کم ہو سکتی ہے۔ کچھ روایات ایسی بھی ملتی ہیں جن میں کفار نے مسلمانوں سے نیکی کی یا بنی نوع انسان کی خدمت کی تو اس پر ان کو جہنم کا ایسا حصہ دیا جاتا ہے جو دوسروں سے کچھ بہتر ہے۔ ابولہب کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ اس نے اپنے بھتیجے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش پر خوش ہونے کی وجہ سے اپنی لونڈی ثویبہ کو اس وقت آزاد کر دیا تھا جب ثویبہ نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خبر دی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ اس کے اس عمل پر اسے دوشنبہ (پیر) کے روز جہنم میں اس انگلی سے سیراب کیا جاتا ہے جس کے اشارے سے اس نے ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔[1] اس واقعہ کو بڑے بڑے صوفیاء نے تسلیم کیا ہے۔ کئی بار ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کا عمل بھی نیت کی خرابی کی وجہ سے قبول نہیں کیا جاتا، یا اس کو دنیا میں ہی اس کے کام کا اجر دے دیا جاتا ہے، چنانچہ آخرت میں اس کے عمل کے بدلے میں کچھ نہیں دیا جاتا۔ کچھ لوگ فرائض کے ترک سے جہنم میں کفار کے ساتھ ہوں گے۔

عمل کا اجر اس کی صحت پر مرتب ہوتا ہے

نیت پر اعمال کی صحت دلالت کرتی ہے مگر عمل کا معیار اور مقدار بھی اثرات کے مرتب ہونے پر خاصا اثر رکھتے ہیں۔ یہ تو بیان ہو چکا ہے کہ ایک مسلمان جو نماز، روزہ اور فرائض کی ادائیگی سے کوتاہی کرتا ہے اس کے نفلی اعمال قبول نہیں کئے جاتے۔ جب ایک مسلمان نماز، روزہ وغیرہ کی پابندی شروع کر دیتا ہے تو اسے اجر ملنا شروع ہو جاتا ہے، مگر اس کی عبادت کی ادائیگی کا معیار یا طریقہ اور مقدارِ عبادت کے اجر کو مرتب کرے گی۔ عام مسلمان جو اوامر و نواہی کا خیال رکھتا ہے اس کیلئے اللہ نے اتنا بڑا احسان فرمایا کہ ادائیگی فرائض کے بعد اس کا ہر عمل عبادت میں شمار ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اس کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کمانا، کام کرنا، سونا، کھانا پینا، لیٹنا وغیرہ سب عبادت میں شمار کیا جاتا ہے۔

---

[1] دلائل النبوۃ، ابوبکر الحسین البیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، جلد ۵، صفحہ ۳۸۶، دار الریان، القاہرہ۔

اگر ہم اس سے بھی ذرا آگے چلیں تو ایک مسلمان عقل، فہم، اخلاص اور نیت کو بہتر کرنے کے بعد جو عبادت کرے تو اس کا درجہ اور جزا بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے حتیٰ کہ ایک ہی عمل کرنے سے دو مسلمانوں کے اجر میں اتنا فرق ہوسکتا ہے جتنا رائی اور پہاڑ میں ہوتا ہے۔ صوفیاء کا قول ہے کہ اگر ذکر الٰہی کسی شیخ سے اخذ کیا جائے تو اس حالت میں ذاکر کے جسم کا ایک ایک ذرہ بھی ذکر کرتا ہے بلکہ اس کے اردگرد کی اشیاء اور در و دیوار سے بھی ذکر جاری ہو جاتا ہے۔ اس سے دونوں کے اعمال میں فرق کا اندازہ فرمالیں کہ اعمال میں کس طرح زمین و آسمان کا فرق ہوسکتا ہے۔ مولانا روم ؒ فرماتے ہیں۔

صحبتِ پیرِ روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش　　　لاکھ حکیم سربجیب، ایک کلیم سربکف (۱۳۲)

نماز ہی اسلام کے پھیلنے کا ذریعہ تھا

رسول مقبول ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ اختیارات عطا فرمائے گئے تھے کہ جس کو چاہیں کسی رکن اسلام سے مستثنیٰ فرمادیں یا فقہی مسائل میں سے کسی پر کچھ آسانی فرمادیں۔ ایسے بہت سے واقعات سیرت اور کتب احادیث میں مل جاتے ہیں کہ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی وقت اگر کسی کا دل اسلام کی طرف مائل ہوتا تو آپ ﷺ اسے اسلام کی طرف آنے کا پورا موقع دیا کرتے، خواہ کسی اہم شرائع اسلام میں سے اس کو کچھ رعایت ہی دینا پڑتی۔ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ یہ رعایت چند دنوں کے بعد خود بخود ختم ہو جاتی اور کچھ دیر بعد وہ نو مسلم اسلام کے چھوٹے سے چھوٹے شرعی امر کو بھی چھوڑنے کو تیار نہ ہوتا۔ ایسے لوگ چند دنوں میں ہی بہت ذوق و شوق سے اسلام کی ہر بات پر دل و جان سے عمل پیرا ہو جاتے اور ہر برائی سے دست بردار ہو جاتے۔ یہ اسلام کی خوبی ہے کہ وہ اپنے عمل کرنے والے کو سچائی سے محبت کرنے والا، ہر برائی سے روکنے والا، نفس کا تزکیہ کرنے والا اور اندھیروں سے باہر نکال کر نورانیت میں داخل کرنے والا بنا دیتا ہے۔ سیرت کی کتابوں میں چند مثالیں ملتی ہیں جن کو دیکھنے کے بعد اسلام کا یہ پہلو دل میں اپنا واضح مقام پیدا کر لیتا ہے۔ ایسے واقعات میں وہ حدیث بہت معروف ہے جس میں حضور ﷺ نے ایک صحابی سے صرف یہ وعدہ لیا تھا کہ وہ صرف جھوٹ بولنا ترک کردے گا۔ آپ نے باقی عیوب کے متعلق وعدہ اس لیے نہ لیا کہ جھوٹ کے ترک کرنے سے وہ خود بخود تمام عیوب ترک کردے گا اور پھر ایسا ہی ہو کر رہا۔ ذیل میں کچھ مثالیں دی گئی ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

۱) جس مذہب میں نماز نہیں اس میں کوئی خوبی نہیں: حضور ﷺ کی سیرت کو بیان کرتے ہوئے قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ نے ''رحمۃ للعالمین'' جلد اول صفحہ ۱۶۵ پر نقل کیا ہے کہ ایک وفد سن ۹ ہجری میں خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا جس کا سردار عبدِ یا لیل تھا یہ شخص طائف میں تقریباً دس سال پہلے حضور ﷺ کی دعوت کو ٹھکرا چکا تھا یہاں تک کہ اس نے آپ کے وعظ سننے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوی ﷺ میں ایک روز حاضر ہو کر عرض کی کہ اہل ثقیف میری قوم میں سے ہیں اور آج کچھ لوگ ہمیں

ملنے کیلئے آئے ہیں۔ کیا میں انہیں اپنے پاس اتارلوں اور ان کی تواضع کروں؟ حضور ﷺ نے فرمایا "لَا اَمْنَعُكَ اَنْ تُكْرِمَ قَوْمَكَ" (میں تمہیں اپنی قوم کی عزت کرنے سے منع نہیں کرتا) لیکن ان کو ایسی جگہ اتارو جہاں قرآن کی آواز ان کے کان میں پڑے۔[1] چنانچہ مسجد کے صحن میں ان کے خیمے لگائے گئے اور لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر ان کے دل میں اسلام کی رغبت ہوئی۔ اُنہوں نے حضور ﷺ سے بیعت کرنا چاہی مگر پہلے یہ اجازت طلب کی کہ ان کو ترکِ نماز کی اجازت دے دی جائے آپ ﷺ نے فرمایا۔ "لَا خَيْرَ فِيْ دِيْنٍ لَيْسَ فِيْهِ رَكُوْعٌ" (اس دین میں کوئی خوبی نہیں جس میں نماز نہیں)۔[2] پھر اُنہوں نے کہا ہمیں جہاد کیلئے نہ بلایا جائے اور نہ زکوٰۃ ہم سے لی جائے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ شرط قبول فرمالی اور صحابہ سے فرمایا کہ اسلام کے اثر سے یہ خود بخود دونوں کام کرنے لگیں گے۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ آپ کس طریقہ سے کفار پر شرائط اسلام کی تعلیم کا بارڈالتے تھے۔

۲) صرف چالیس دن نماز پڑھنے کی قید: ایک روایت میں ہے کہ ایک رئیس حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کرنے لگا کہ میں نے اسلام کو پسند کرلیا ہے مگر اس میں نماز ایک ایسی بات ہے کہ جو ہم جیسے نوابوں کی شان کے شایاں نہیں کیونکہ اس میں جھکنا اور سجدہ کرنے میں اپنی پشت کو اونچا کرنا ضروری بتایا جاتا ہے۔ اگر نماز کی شرط ہم سے ہٹا لی جائے تو ہمارا پورا علاقہ اسلام قبول کرنے کو تیار ہو گا۔ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ صرف چالیس دن بلا ناغہ ہمارے پاس رہ کر نماز باجماعت پڑھ لو اور اس کے بعد اگر نماز ادا نہ کرنا چاہو تو تمہاری مرضی ہے۔ اس نے یہ جان کر کہ چلو چالیس دن نماز پڑھنے کے بعد اگر نماز سے نجات مل جائے تو یہ کوئی بڑی بات نہ ہوگی۔ چنانچہ چالیس دن نماز پڑھنے کی شرط کو قبول کرلیا اور مسلمان ہو گیا۔ ایک ایک کرکے دن گزرتے رہے اور یہ نواب دنوں کا شمار کرتا رہا اور صحابہ کرام سے روزانہ یہ کہتا رہا کہ اب میری مدت نماز میں صرف اتنے دن باقی رہ گئے ہیں اور آخری دن آیا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ تھی اور جب چالیس دن پورے ہوئے تو اس دن اس نے صحابہ کرام سے کہا کہ کل سے تم لوگ نماز پڑھنا، میرے لیے تو نماز کل سے معاف ہوجائے گی۔

اکتالیسویں دن جب صبح کی اذان ہوئی تو حسبِ معمول اذان کی آواز سنتے ہی اس نواب کی آنکھ کھل گئی۔ مگر یہ جان کر کہ آج سے تو اسے نماز معاف کردی گئی ہے، وہ نہایت مطمئن ہوکر سونے کی کوشش کرتا رہا، مگر اس بات کا اندازہ کریں کہ جس نے چالیس دن محبوبِ خدا اور امامُ الانبیاء ﷺ کے پیچھے پانچ وقت نماز پڑھی ہو اور اس کے شانہ بشانہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ صف آرا ہو چکے ہوں تو اس کی کیفیت کا کیا حال ہوگا۔ جب نماز کی لذت نے اس کے دل پر گرفت کی تو اس کیلئے اذان کے بعد سونا کتنا

---

[1] دلائل النبوۃ، ابوبکر الحسین البیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، جلد ۵، صفحہ ۳۸۶، دار الریان، القاہرہ۔

[2] مسند احمد، حدیث ۱۷۲۳۵، جلد ۳۶، صفحہ ۳۳۵۔

مشکل کام ہوگا۔ بیچارہ اپنے بستر پر نہ رہ سکا۔ اٹھا اور مسجد نبوی ﷺ کی طرف دوڑا مگر جب مسجد کے دروازے کو بند پایا تو دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہوا اور نماز میں شامل ہو گیا۔ یہ ہدایتِ محمدی ﷺ کا طریقہ تھا۔ آپ کو معلوم تھا کہ جس نے اسلام قبول کر لیا اور لذتِ قرآن اور نماز سے آشنا ہو گیا تو شیطان بھی اس کے سامنے بے دست و پا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ اسلام کیلئے بڑی انوکھی شرائط کو بھی منظور فرما لیتے تھے۔ معاہدۂ رضوان میں آپ نے کیا کیا شرائط تسلیم فرمالیں، کیونکہ آپ کو اس حقیقتِ حال کا بخوبی اندازہ تھا جو ظہور میں آنے والی تھی اور پھر ویسا ہی ہوا کہ آپ فاتح مکہ ہو کر مکہ میں داخل ہوئے۔ اس قسم کے بے شمار واقعات کتبِ تاریخ و سیرت میں ملتے ہیں۔ تبرکاً دو تین واقعات پیش کر دیئے گئے ہیں اور اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۳) ایک عالم میں معاملہ فہمی ہوتی تو سارا روس آج مسلمان ہوتا: ''دعوتِ اسلام'' کے صفحہ ۴۶۴ پر ہے کہ والی ویمبر، زارِ روس اس شرط پر مسلمان ہونے کیلئے تیار تھا کہ وہ شراب کا پینا ترک نہ کرے گا۔ اس وقت کے عالم نے اس شرط کو قبول نہ کیا۔ زار مذکورہ جو بت پرستی سے متنفر ہو گیا تھا مایوس ہو کر عیسائی بن گیا۔ اگر اس عالم کو ہدایتِ محمدی ﷺ کی واقفیت ہوتی تو آج سلطنتِ روس میں تقریباً سب مسلمان ہوتے۔ غور کا مقام ہے کہ کتنے مسلمان آج بھی شراب کو حرام سمجھتے ہوئے پیتے ہیں اور پھر جب نفرت ہو جائے تو ترک کر دیتے ہیں۔

قرآن میں نماز کی تاکید

قرآن مجید میں سات سو سے زیادہ مرتبہ نماز کا ذکر آیا ہے۔ کسی آیت میں نماز نہ پڑھنے پر عتابِ الٰہی کا ذکر ہے اور کہیں اس کی افادیت اور انعامات کا تذکرہ ہے۔ اِس جگہ وہ آیات بیان کی جارہی ہیں جن میں نماز کی اہمیت، فوائد اور برکات کو بہت خوبصورت انداز میں منظرِ عام پر لایا گیا ہے۔ کچھ آیات ترکِ نماز کے بارے میں الگ دے دی گئی ہیں۔ ان کی تشریح بھی ساتھ ساتھ دی جارہی ہے۔ وہ آیات جن میں نماز کا ذکر خصوصیت سے قرآن میں آیا ہے حسبِ ذیل ہیں۔ حوالہ جات ضیاء القرآن سے ماخوذ ہیں۔ یہاں ان آیات کی مکمل اور مفصل تشریح کرنا مقصود نہیں لہٰذا نہایت اختصار کے ساتھ نماز کی اہمیت کو واضح کیا جارہا ہے۔

۱۔ سُورۃ العنکبوت: ''اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَاَقِمِ الصَّلَاةَ اِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللهِ اَكْبَرُ وَاللهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ'' (عنکبوت: ۴۵) (آپ ﷺ اس کتاب کی تلاوت کیجئے جو آپ کی طرف وحی کی گئی اور نماز صحیح ادا کیجئے بے شک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور گناہ کرنے کو اور واقعی اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم کرتے ہو)۔ اس آیت میں تین باتوں کا حکم دیا جارہا ہے۔ تلاوت قرآن پاک، اقامتِ صلوٰۃ اور ذکرِ الٰہی۔

تلاوتِ قرآن: تلاوت میں رُوحانی، اخلاقی، اصلاحی اور اَن گنت لازمی اور متعدی فوائد ہیں جن کا الگ الگ بیان طوالت طلب ہے۔ انوار کی بارش، دل کا زنگ اور تاریکی کا صاف ہونا، کسل مندی کا دور ہونا، تازگی

اور شگفتگی محسوس کرنا، تفکر، تدبر اور تعقل کا پیدا ہونا، تلاوتِ قرآن کی واضح کیفیات ہیں، جن کو قرآن کے پڑھنے والا کچھ عرصے کے بعد ہی اپنے اندر پا سکتا ہے۔ قرآن کریم زندگی سنوارنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہ ایک کامیاب زندگی گزارنے کا واحد حل ہے۔ پڑھنے والے پر اس کی تلاوت سے ہی اثر ہونا شروع ہو جاتا ہے، اگر چہ بغیر سمجھے ہی پڑھے۔ مگر سمجھ کر پڑھنے سے تو بے شمار انوار اور اسرار کھلتے ہیں، چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ اس کو ضرور پڑھو، خواہ جتنا بھی ہو سکے۔ "فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ" (قرآن میں سے جتنا بھی آسانی سے پڑھ سکو پڑھو) (مزمل:۲۰)۔ قرآن کی عظمت، کرامت، حکمت اور اس کے اسرار کے متعلق ایک الگ بیان ہماری تصنیف "سرمایہ ملت" میں رقم کر دیا گیا ہے جس میں نہایت دلچسپ معلومات شامل کر دی گئی ہیں۔

ب۔ اقامتِ صلوٰۃ (نماز کا اپنی حقیقی شکل میں ہونا): دوسرا حکم نماز کو قائم کرنے کا ہے اور فرمایا جا رہا ہے کہ نماز برائی اور بے حیائی کے کاموں سے روکتی ہے۔ کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ بہت سے نمازی بے حیائی کے کاموں میں ملوث پائے جاتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، چور بازاری کرتے اور دھوکا فریب کے کاموں میں مشغول پائے جاتے ہیں۔ ان کی اس بات کا جواب یہ ہے کہ ایسے نمازی صرف نماز کو پڑھتے ہی ہیں قائم نہیں کرتے۔ اِقَامَتِ الصَّلٰوۃ کا بیان (جو پہلے گزر چکا ہے) دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ نماز اگر اپنے شرائط اور آداب کے ساتھ پڑھی جائے تو اس صورت میں وہ قائم کی جانے لگے گی اور فوائد بھی مرتب ہوں گے۔ نماز میں اگر احسان کی کیفیت قائم ہو جائے (كَاَنَّكَ تَرَاهُ) اور ان حالات میں خشوع، خضوع بھی میسر ہو جائے تو یہی نماز ذوق و شوق والی ہو گی اور بلا شک و شبہ دین کا ستون بنتی ہے۔ اسی سے مومن کو معراج بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی نماز سے بے حیائی اور بدکاریاں رُک جاتی ہیں، بلکہ انسان ان بے حیائیوں سے متنفر ہو جاتا ہے۔ انسان کی روح نماز کے بعد بھی اسے کوئے محبوب کی طرف لے جاتی ہے۔

نماز کا ادنیٰ درجہ صورتِ نماز کہلاتا ہے جس پر قبولیت کا وعدہ تو ہے مگر فوائد کم مرتب ہوتے ہیں۔ بہترین درجہ حقیقتِ نماز ہے۔ جس سے انسان نماز کی حقیقتوں کو پالیتا ہے اس کا اجر بھی کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ (حقیقتِ نماز کے بیان میں صورتِ نماز اور حقیقت نماز کے فرق کا بیان مطالعہ فرمائیں) ایک بات جو قابلِ ذکر ہے وہ یہ کہ صحابہ کرام نے نماز کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھا اور ان کے بعد بھی لوگ نماز کو سیکھتے چلے آئے۔ آج بھی جو لوگ مردانِ حق سے نماز سیکھتے ہیں وہ نماز کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ اگر نماز کا آغاز ہی غفلت، سستی، ریاکاری اور بے توجہی سے ہو تو یہ غفلت اور بے خبری نماز میں حجاب بن جاتی ہے۔ ایسی نماز اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کے درجے سے گر جانے کی وجہ سے برائیوں کو دور نہیں کرتی۔ ایک انصاری کا واقعہ پیچھے گزر چکا ہے جو نماز کے باوجود گناہوں سے بچتا نہ تھا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "اِنَّ الصَّلٰوةَ سَتَنْهٰهُ" (یہ نماز عنقریب اسے برائیوں سے روک دے گی) اور جب وہ ٹھیک ہو گیا تو آپ نے فرمایا "اَلَمْ اَقُلْ لَكُمْ اِنَّ الصَّلٰوةَ

سَتَنْهٰهُ''[1] (کیا میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ اس کی نماز عنقریب اسے ٹھیک کر دے گی)۔
علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ کوشش کر کے خشوع و خضوع پیدا کر و اور بہ تکلف کسی کام کو کرنے کی کوشش کرو یعنی جب اپنے آپ پر جبر کرو گے اور محنت کرو گے تو ایک دن سچ مچ تم اس کام کو کرنے لگو گے جو چاہتے ہو۔

در اطاعتِ کوش اے غفلتِ شعار   می شود از جبر پیدا اختیار(۱۳۲)

(اے غافل تو اطاعت کی کوشش کر کیونکہ خود کو مجبور کر دینے سے اختیار پیدا ہو جاتا ہے)

جس کو نماز بے حیائی سے نہ روکے وہ خدا سے دور ہو جائے گا۔ اس ضمن میں ایک حدیث قابل ذکر ہے اور وہ یہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''مَنْ لَّمْ تَنْهَهُ صَلَاتُهُ عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ لَمْ يَزِدْهُ مِنَ اللّٰهِ اِلاَّ بُعْدًا وَلَمْ يَزِدْ بِهَا مِنَ اللّٰهِ اِلاَّ مَقْتًا''[2] (جس کو اس کی نماز بے حیائی اور برے کاموں سے نہیں روکتی وہ نماز اسے خدا سے دور کر دے گی اور اس کی (نماز) میں نہیں کچھ بڑھتا مگر خدا کی ناراضگی)۔ حضرت سلطان العارفین سلطان باہوؒ نے فرمایا۔

اوہو نفس اساڈا بیلی جو نال اساڈے سدھا ہو   جو کوئی اس دی کرے سواری نام اللہ اس لدھا ہو

نماز اور قرآن میں یہ اعجاز ہے کہ وہ اپنے پڑھنے والوں کو برائی سے بچاتے ہیں اور ''مِنْ حَيْثُ الْكُلِّ شِفَآءٌ'' عطا کرتے ہیں۔ قرآن کی یہ افادیت بھی قرآن کی درج ذیل آیت سے ظاہر ہوتی ہے جیسے کہ فرمان الٰہی ہے۔ ''وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا'' (اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن مجید میں وہ چیزیں جو (باعث) شفا اور سراپا رحمت ہیں اہل ایمان کیلئے اور قرآن نہیں بڑھاتا ظالموں کیلئے مگر خسارہ) (بنی اسرائیل: ۸۲)۔ اس آیت میں اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جو قرآن کو نہیں پہچانتے اور پہچاننے کیلئے کوشش بھی نہیں کرتے۔ ان کی بدبختی میں اضافہ ہوتا ہے اور زندگی کا مطلع تاریک ہو جاتا ہے۔ یہی ناکام لوگ ہیں، خواہ کتنے ہی مالدار کیوں نہ ہو جائیں۔ جو لوگ قرآن کی تلاوت اس کے حقوق کو مدنظر رکھنے کے بغیر ہی کیا کرتے ہیں ان کیلئے نبی آخر الزماں ﷺ کا فرمان ہے کہ ایسے لوگوں پر قرآن لعنت کرتا ہے (مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''اقامت الصلوٰۃ'' کا مطالعہ کیجئے)۔

ج۔ اللہ کا ذکر: تیسری عبادت مذکورہ بالا آیت میں ''اللہ کا ذکر'' ہے جس کے متعلق ایک الگ بہت طویل بیان ہماری تصانیف ''بیعت کی تشکیل اور تربیت'' ''اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبال'' میں تفصیل کے ساتھ دے دیا گیا ہے۔ ذکر کی بابت یہ بیان تقریباً ایک کتاب کی ضخامت رکھتا ہے۔

۲۔ سُورۃ النَّحل: نماز میں موجود اوصاف کو بیان کرنے والی ایک اور اہم آیت سورۃ النّحل میں موجود ہے جس

---

[1] مسند احمد، حدیث ۱۶۷۱، جلد ۴، صفحہ ۳۶۹۔

[2] المعجم الکبیر، حدیث ۱۰۸۶۲، جلد ۹، صفحہ ۲۶۸۔

کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ نماز اپنے پڑھنے والوں میں کیا کیا خوبیاں پیدا کر دیتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کہ فاحشات اور منکرات سے روکنے والی چیز نماز ہی تو ہے اور آیت میں مذکور باقی ماندہ اوصاف نماز کے باعث ہی مسلمان میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ "إِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ" (النحل:۹۰) (بے شک اللہ حکم دیتا ہے کہ ہر معاملے میں انصاف کرو اور بھلائی کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور منع فرماتا ہے بے حیائی سے اور برے کاموں سے اور سرکشی سے۔ اللہ تعالیٰ نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو)۔

یہ آیت جب نازل ہوئی تو ولید بن مغیرہ جیسے دشمنِ اسلام اِس آیت کی جامعیت، اعجاز، شیرینی، کاملیت، حلاوت، رنگینی اور معنویت دیکھ کر بہت دنگ ہوئے۔ یہ آیت قرآن کی جامع ترین آیتوں میں سے ہے کیونکہ اس ایک چھوٹی سی آیت میں بہت اہم اور زبردست باتیں کہہ دی گئی ہیں۔ اس میں تین چیزوں کے کرنے کا حکم ہے اور تین چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔ جن کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ عدل، احسان اور رشتے داروں سے اچھا سلوک کرنا ہے اور جن باتوں سے منع کیا گیا وہ فحشاء، المنکر اور البغی ہیں۔ ہر ایک کی مختصر تشریح نیچے دی جا رہی ہے۔

ا۔ عدل: (۱) حضرت سفیان بن ابو عیینہؒ نے فرمایا "عدل کے معنی ظاہر اور باطن کا یکساں ہو جانا ہے"

(۲) اصحاب لغات میں سے بعض نے لکھا ہے کہ عدل معاملہ میں میانہ روی اختیار کرنا ہے خواہ عقائد، عبادات، اخلاق یا معاملات جو کچھ بھی ہوں۔ ان میں افراط و تفریط سے بچتے رہنا عدل ہے۔

ب۔ احسان: اس سے مراد یہ ہے کہ باطن ظاہر سے بھی زیادہ پاکیزہ ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "اَلْعَدْلُ اَلْاِنْصَافُ وَالْاِحْسَانُ اَلتَّفَضُّلُ"[1] (عدل تو انصاف کرنا ہے اور احسان کسی پر فضل کرنا ہے)۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ احسان یہ ہے کہ اگر کوئی تجھ پر زیادتی کرے تو تو بدلہ لینے پر مصر نہ ہو، بلکہ عفو و درگزر سے کام لے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ "اَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ"[2] (احسان یہ ہے کہ تو اس طرح عبادت کرے کہ گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہ دیکھ سکے تو یہ خیال کرے کہ وہ (خدا) تجھے دیکھ رہا ہے)۔ ارباب قلوب پہلے درجۂ احسان میں ہوتے ہیں اور جن کی رسائی یہاں تک نہ ہو تو وہ دوسرے درجے یعنی درجۂ ایمان "فَاِنَّهٗ يَرَاكَ" میں ہوتے ہیں۔

ج۔ صلہ رحمی: اس کا مطلب یہ ہے کہ خود اگر کوئی عیش و عشرت اور خوشی و مسرت کی زندگی گزار رہا ہے تو اپنے عزیزوں کو بھی ان خوشیوں میں شامل کرے اور ان کے دکھ سکھ میں شریک ہو۔ مسلمان پر اولاد اور قرابت داروں کی کفالت فرض ہے۔ علاوہ ازیں معاشرے میں رہنے والے مفلوک الحال غریبوں، ضرورتمندوں کی حاجت روائی کیلئے حتی المقدور کوشش کی جائے۔ پڑوسیوں اور رشتہ داروں سے حسنِ سلوک اور خوش اسلوبی

---

[1] تفسیر القرطبی، ابو عبداللہ القرطبی، متوفی ۶۷۱ھ، جلد ۱۰، صفحہ ۱۶۵، بیروت۔

[2] صحیح بخاری، حدیث ۴۸، جلد ۱، صفحہ ۸۷۔

سے پیش آنا صلہ رحمی کے ضمن میں آتا ہے۔

د۔ الفحشاء: اس کے معنی ہیں "کُلُّ قَبِيْحٍ مِّنْ قَوْلٍ وَّ فِعْلٍ" یعنی ہر وہ فعل یا بات جس سے افراد یا قوم کے اخلاق بگڑنے کا اندیشہ ہو الفحشاء میں آجاتا ہے۔ علامہ بیضاویؒ لکھتے ہیں "قوتِ شہوانیہ کی متابعت میں افراط کو فحشاء کہتے ہیں۔[1] اسی لیے قرآن نے زنا کو فحشاء میں شمار کیا ہے"۔ علامہ اقبالؒ نے اسی آیت کے مطابق فرمایا۔

لا اله باشد صدف گوہر نماز   قلبِ مسلم را حجِ اصغر نماز

(لا الہ اگر سیپ ہے تو اس کا موتی نماز ہے مسلمان کے دل کیلئے نماز حج اصغر ہے)

در کفِ مسلم مثالِ خنجر است   قاتلِ فحشاء و بغی و منکر است[۱۳۴]

(مسلمان کے ہاتھ میں وہ خنجر ہے کہ جو فحشاء، برے کام اور سرکشی کو قتل کرتا ہے)

ہر قسم کی بداخلاقی، بدکاری، فحش گوئی، فحش کلامی الفحشاء میں شامل ہے اور جو شخص پورے حضورِ قلب سے اور خشوع وخضوع سے اللہ کی بارگاہ میں سجدہ گزیں ہوتا ہے وہ ہر قسم کی فحشاء سے محفوظ رہتا ہے۔ الفحشاء کا ارتکاب عبادت کی حقیقی روح سے محروم کر دیتا ہے۔ آج ہماری نمازیں اس لیے بھی ہمارے قلب و باطن میں انقلاب پیدا نہیں کرتیں کہ ہم سجدے بھی کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہر قسم کی فحاشی میں مبتلا بھی ہوتے ہے۔ عبادت گزاریاں بھی ہوتی ہیں اور ساتھ تہذیبِ مغرب کے لائے ہوئے فحاشی وعریانی کے سیلاب میں بھی اپنے تشخص اور شرم وحیا کو روشن خیالی کے نام سے بہائے جارہے ہیں اور یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ اسلام اور کفر، نیکی اور بدی، خیر اور شر، کبھی ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ اگر انہیں ملانے کی کوشش کی جائے تو نیکی اور خیر مغلوب حالت میں کھچ جاتے ہیں، اس لئے ایمانی جذبہ اور غیرت وحمیت ختم ہوتی جارہی ہے۔

ح۔ المنکر: منکر "نَكِرَ" سے بنا ہے جس کا معنی ہے غیر مانوس "مَا اَنْكَرَهُ الشَّرْعُ بِالنَّهْىِ عَنْهُ" (جس چیز کو شریعت نے ناپسند کیا ہو)۔[2] ان سے مکروہات تحریمی اور تنزیہی مراد ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز اگر جملہ تقاضوں اور آداب کے ساتھ بحضورِ ایزدی اظہارِ بندگی کیلئے ادا کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کے روحانی و اخلاقی اثرات ہماری شخصیتوں پر مرتب نہ ہوں۔ نماز طہارت و پاکیزگی کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اس لیے منکرات اور مکروہات سے بھی منع کرتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آج ہم نے حلال وحرام اور شریعت میں پسندیدہ اور ناپسندیدہ کو باہم خلط ملط کر رکھا ہے۔ آج بھی اگر ہم نماز کو نماز سمجھ کر پڑھیں تو ہماری سیرت و کردار میں شریعتِ اسلامیہ کی جھلک نظر آئے گی اور ہمارے چہرے نورِ الٰہی سے تمتما سکتے ہیں۔ علامہ بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ قوتِ غضبیہ کے مشتعل ہونے کے وقت یعنی غصے سے مغلوب ہو کر جو کام کیا جائے منکرات میں شامل ہے۔

---

[1] تفسیر بیضاوی، جلد ۳، صفحہ ۳۰۷۔

[2] تفسیر القرطبی جلد ۱۰، صفحہ ۱۶۷۔

و۔ اَلْبَغْیِ: اس سے مراد حد سے تجاوز کرنا ہے۔ اس میں تکبر، ظلم، حسد اور زیادتی کرنا سب شامل ہیں۔[1]
علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں البغی کا مفہوم لوگوں پر جبر اور تشدد کرنا اور اُن پر بالا دستی قائم کرنا ہے اور یہ قوتِ وہمیہ کا نتیجہ ہے۔ نماز البغی میں شامل جُملہ رذائل اخلاق سے انسان کو دست کش ہونے پر مجبور کر دیتی ہے۔[2]

نماز سے جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت ملتی ہے۔ جیسا کہ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ "کُنْتُ أَبِیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَيْتُهٗ بِوَضُوْئِهٖ وَحَاجَتِهٖ فَقَالَ لِی سَلْ فَقُلْتُ أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِی الْجَنَّةِ قَالَ أَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ قَالَ فَاَعِنِّی عَلٰی نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ"[3] (میں رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں رہا کرتا تھا اور وضو کیلئے پانی پیش کیا کرتا تھا، ایک روز آپ نے فرمایا ربیعہ مانگو کیا مانگتے ہو۔ میں نے آپ سے عرض کی جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کچھ اور مانگ!" حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میرا مقصود تو یہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (اس مقصد کے حصول کیلئے) میری مدد کثرتِ سجود سے کرو)۔ اتنا بڑا رتبہ کہ جس سے جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت مل جائے تو وہ نماز سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

"اَشِعَّةُ اللَّمْعَات" میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "سَلْ" کہ مانگ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی چیز کی تخصیص نہ کی کہ یعنی جو جی چاہے مانگ۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے اجازت دی ہے کہ جو کچھ کوئی مانگتا ہے اللہ کی اجازت سے آپ خود اسکو عطا فرماتے ہیں۔ جیسے فرمایا "اَنَا قَاسِمٌ وَاللهُ يُعْطِیْ" (دینے والا اللہ ہے اور میں تقسیم کرنیوالا ہوں)۔[4]

۳۔ سورۃ الحج: "وَلَيَنْصُرَنَّ اللهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللهَ لَقَوِیٌّ عَزِيْزٌ ۝ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ" (الحج: ۴۰-۴۱) (اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائینگے اسکی جو اس (کے دین) کی مدد کریگا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ قوت والا (اور) سب پر غالب ہے۔ وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں اقتدار بخشیں زمین میں تو وہ صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور (لوگوں کو) نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں)۔

ان آیات میں باری تعالیٰ نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ میری مدد کن لوگوں کیلئے ہوتی ہے۔ اس کا یہ قاعدہ بیان فرمایا کہ جو اس (اللہ) کے نام کو بلند کرتا ہے، جو اسکے دین کی اشاعت کرتا ہے، جو شمع توحید کو

---

[1] تفسیر القرطبی جلد ۱۰، صفحہ ۱۶۷۔
[2] تفسیر بیضاوی، جلد ۳، صفحہ ۷۱۳۔
[3] صحیح مسلم، حدیث ۷۵۴، جلد ۲، صفحہ ۴۰۔
[4] صحیح بخاری، حدیث ۶۹، جلد ۱، صفحہ ۱۲۶۔

ہاتھ میں لے کر طوفانوں اور آندھیوں سے الجھتا ہوا آگے بڑھتا ہے تا کہ وہ لوگوں کے دلوں کے ظلمت کدوں کو منور کردے' تا کہ کفر' شرک اور فسق و فجور کی وادیوں میں' جہاں صدیوں سے اندھیرا ہے وہاں کلمۂ حق اور نام خدا سے اجالا کردے' تو یہ لوگ اللہ کی تائید و نصرت کے مستحق ہیں۔ یہ قانون الٰہی کل بھی تھا' آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا' مگر افسوس کہ اللہ کے دین کی مدد کرنے کا کسی کے دل میں خیال نہیں آتا۔

عاشق کے شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد　　　اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

(وہ عاشق کیسے ہوسکتا ہے کہ محبوب اس کے حال پر نظر نہ کرے، اے خواجہ تمہیں کوئی درد ہی نہیں ورنہ طبیب تو موجود ہے)

اللہ تعالیٰ کی مدد کا یہ وعدہ ان کیلئے ہے جو مسندِ حکومت پر بیٹھتے ہیں تو عیش و عشرت اور خود غرضوں میں نہیں الجھتے بلکہ اللہ کے حکم کو رائج اور نافذ کرتے ہیں' بدکاری اور فسق و فجور کو طاقت سے ختم کرتے ہیں اور خود بھی نیکی اور تقویٰ کو اپناتے ہیں۔ دین اسلام کا یہ انمول اصول اور دستور ہے جسے قرآن کی ایک آیت میں سمو دیا گیا ہے۔ اگر اس دستور کو اپنایا جائے تو مسلمان دنیائے عالم کی اولین طاقت بن سکتے ہیں' جیسے وہ کبھی تھے' جب ان کا دستور انہی آیات قرآنی کے مطابق تھا۔

ایک اور جگہ قرآن میں سورۂ محمد میں فرمایا گیا ہے 'یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَیُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ'' (محمد:۷) (اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرتے رہو گے تو وہ تمہاری مدد فرماتا رہے گا اور (میدان جہاد میں) تمہیں ثابت قدم رکھے گا)۔ ایک حدیث میں ہے کہ ''مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ یَطْلُبُ الْعِلْمَ لِیُحْیِیَ بِهِ الْاِسْلَامَ فَبَیْنَهُ وَبَیْنَ النَّبِیِّیْنَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِی الْجَنَّةِ''[1] (جو شخص علم حاصل کر رہا ہو کہ اس سے اسلام کو زندہ کرے اور اسی اثنا میں اسے موت آجائے تو روزِ محشر اس کے اور انبیاء کرام کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا)۔ بندہ نواز گیسو درازؒ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کو خدمتِ ارشاد سپرد ہوتی ہے' ان کی بخشش ضرور ہوتی ہے۔ احادیث میں ہے کہ جسے عمل کے ساتھ دین کا علم دیا گیا ہو اسے اللہ تعالیٰ حکومت بھی اور مال بھی عطا کر دیتے ہیں۔ وہ اجر اور درجات جو اللہ کی طرف سے مبلغین کو عطا ہوتے ہیں' اس کتاب کے اختتامیہ میں مطالعہ فرمائیں۔

۴۔ سورۃ النور: ''رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءِ الزَّكٰوةِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ'' (نور:۳۷) (وہ (جوان) مرد جنہیں کوئی تجارت اور خرید و فروخت یادِ الٰہی سے غافل نہیں کرتی اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے وہ ڈرتے رہتے ہیں' اس دن سے کہ گھبرا جائیں گے جس میں دل اور (جس دن) آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی)۔ مذکورہ آیت میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ کچھ لوگ مشاغلِ دنیا کی کثرت کے باوجود نہ ذکرِ الٰہی سے غافل ہوتے ہیں اور نہ نماز و

---

[1] سنن الدارمی، ابو محمد الدارمی، متوفی ۲۵۵ھ، حدیث ۳۶۲، جلد ۱، صفحہ ۳۹۷، الموسوعۃ العربیہ، بیروت۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں۔ روزِ حشر کی ہولناکی سے ان کے دل ڈرتے ہیں' اس لیے نماز اور روزہ وغیرہ سے غفلت نہیں کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ایک بار کسی شہر میں گئے تو دیکھا کہ نماز کے وقت تمام بازار بند ہو گیا۔ فرمایا یہ (مذکورہ) آیت ان ہی لوگوں کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

۵۔ سورۃ المریم: ''وَکَانَ یَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا'' (مریم:۵۵) (اور وہ (اسمٰعیل علیہ السلام) حکم دیا کرتے تھے اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اور اپنے رب کے نزدیک بڑے پسندیدہ تھے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ تبلیغ کا آغاز گھر والوں سے کرنا چاہیے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یہی حکم ملا تھا۔ ''وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ'' (اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ) (الشعراء:۲۱۴) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کو جا کر سمجھایا کہ اے بیٹی تو نبی کی بیٹی ہے' لیکن تمہارا اعمال نامہ ایسا ہونا چاہیے کہ روزِ قیامت مجھے شرم نہ آئے (بلکہ فخر ہو کہ رسول کی بیٹی کے اعمال رسول کی شان کے مطابق ہیں)۔ درجِ بالا آیت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پسندیدہ ہونے کی ایک وجہ گھر والوں کو نماز پڑھنے کی ہدایت کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا لکھی ہے۔ ان کے دیگر تمام اعمال میں سے پسندیدگی کی اہم بات نماز اور زکوٰۃ کو قرار دیا اور ان کو ہی دینِ قیمہ قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ تحریم (آیت:۶) میں یہ بھی فرمایا ہے کہ ''قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا'' (اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ)۔ نماز کی ادائیگی کو اس قدر ضروری سمجھا گیا ہے کہ یہ اولاد کو جہنم سے بچائے گی اور اسکو فرض قرار دیا کیونکہ سب مسلمانوں کی جہنم سے بچنا ضروری ہے۔

۶۔ سورۃ البقرہ: ''وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ'' (البقرۃ:۴۵) (اور مدد لو صبر اور نماز سے اور بے شک نماز ضرور بھاری ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر (بھاری نہیں) جو یقین کرتے ہیں کہ وہ ملاقات کرنے والے ہیں اپنے رب سے اور وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں)۔ صبر کے لغوی معنیٰ ''روکنے اور باندھنے'' کے ہیں۔[1] یعنی مشکلات کے باوجود قلب و ضمیر کے راستے پر قائم رہنا۔ اگر یہ صبر کا جذبہ پیدا ہو جائے اور اسکے ساتھ نماز کو بھی جمع کر لے تو پھر کوئی چیز مسلمان کا راستہ نہیں روک سکتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ کو جب بھی کوئی مشکل درپیش آتی تو فوراً نماز میں مشغول ہو جاتے۔ ترمذی کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حاجات نماز کے ذریعے پوری کی جاتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی مشکل میں ہو تو وہ وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے پھر اللہ کی حمد و ثنا کرے اور اسکے بعد مجھ پر درود شریف کثرت سے پڑھے اور پھر وہ دعا مانگے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ ...... الخ[2] (یہ دعائیں ''دعا'' کے باب میں ملاحظہ فرمائیں)۔ اولیائے کرام بھی اس پر عمل کرتے اور جب لنگر میں کچھ نہ ہوتا تو نوافل کیلئے کھڑے ہو جاتے تو

---

[1] مختار الصحاح، جلد ۱، صفحہ ۱۷۰۔

[2] سنن الترمذی، حدیث ۴۴۱، جلد ۲، صفحہ ۲۹۶۔

فوراً غیب سے مدد آتی اور لنگر خانہ بھر جاتا۔

۷۔ سورۃ البقرہ: ایک اور آیت میں ہے: "یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللهَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ" (البقرۃ: ۱۵۳) (اے ایمان والو مدد طلب کیا کرو صبر اور نماز کے ذریعے بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے)۔ یہاں "مَعَ الصّٰبِرِیْنَ" میں اللہ کی سنگت کا ہونا صابر نمازی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور جس کو اللہ کا ساتھ مل جائے تو اسے کس چیز کی حاجت رہ سکتی ہے۔ اس کی تفصیل بہت طویل ہے مگر اتنا ہی کہہ دینا کہ صبر کے ساتھ نماز ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہو جاتی ہے نماز کے اہم ہونے کیلئے بہت بڑی اور واضح دلیل ہے۔ اگر کوئی مشکل درپیش ہو تو اس کا واحد حل صبر یعنی استقامت سے ڈٹے رہنا اور نماز پڑھنا ہے۔ اس سے پہلے ایک آیت میں فرمایا گیا ہے "فَاذْكُرُوْنِیْ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ" (تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو) ذکر کا تعلق بدن سے ہے اور شکر کا مال سے۔ اب بدن سے نماز اور صبر کا حکم دیا جا رہا ہے۔ جس کا تعلق بدن اور روح دونوں سے ہے یعنی پہلے مفرد نسخہ تھا اب مرکب نسخہ ہے۔

۸۔ سورۃ البقرہ: مزید ایک اور آیت ہے "لَیْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِیِّیْنَ وَآتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْیَتَامٰى وَالْمَسَاكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّائِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوْا وَالصَّابِرِیْنَ فِی الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِیْنَ الْبَأْسِ أُولٰئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ" (البقرۃ: ۱۷۷) (نیکی (بس یہی) نہیں کہ (نماز میں) تم اپنے رخ پھیر لو مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف بلکہ نیکی (کا کمال) تو یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان لائے اللہ پر اور روز قیامت پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور سب نبیوں پر اور دے اپنا مال اللہ کی محبت میں رشتے داروں کو اور مسکینوں کو اور یتیموں کو اور مانگنے والوں کو اور (خرچ کرے) غلام آزاد کرنے میں اور صحیح صحیح پورا کیا کرے وعدوں کو جب کسی سے وعدہ کرے۔ اور کمال درجہ نیک ہیں وہ جو صبر کرتے ہیں مصیبت میں اور سختی میں اور جہاد کے وقت۔ یہی لوگ ہیں جو راست باز ہیں اور یہی لوگ حقیقی پرہیز گار ہیں)۔

ہر عبادت کے پیچھے اس کے حقیقی مقاصد ہوتے ہیں سورۃ البقرہ کی مذکورہ آیت نمبر ۱۷۷ میں بتایا گیا ہے کہ مذہب دو قسم کی بات بتاتا ہے۔ ایک ظاہری اعمال اور دوسرے یہ کہ ان اعمال کے پیچھے حقیقی مقاصد کیا کچھ ہیں؟۔ ظاہری اعمال تو حقیقی مقاصد کی طرف انسان کو لے جاتے ہیں۔ جب کسی قوم کا زوال شروع ہو تو پہلے یہ بات رونما ہوتی ہے کہ اس قوم میں ظاہری اعمال تو کچھ باقی رہ ہی جاتے ہیں مگر اس کا حقیقی مقصد قوم کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے یعنی ان کے اعمال رسمی طور پر باقی رہ جاتے ہیں اور روحِ عمل یعنی مقاصدِ حقیقی کی پہچان نہیں رہتی۔ جیسے نماز اور روزہ ہے کہ لوگ رسمی طور پر ادا کرتے ہیں، علامہ اقبالؒ نے فرمایا ؎

واعظ قوم کی پختہ خیالی نہ رہی   برقِ طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی　　فلسفہ رہ گیا، تلقینِ غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے　　یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے (۱۳۵)

علامہ اقبالؒ نے خاص طور پر جواب شکوہ میں اور عام طور پر دیگر مقامات پر قوم کی خستہ حالی اور زبوں کاری کا حال بیان کیا ہے۔ ہماری تصنیف ''سرمایہ ملت'' کے علاوہ ''عقل و عشق اور فلسفہ خودی'' میں علامہ اقبالؒ کے فلسفہ خودی کی بابت مفصل بیان لکھ دیا گیا ہے جس میں اس موضوع پر چیدہ چیدہ اشعار شامل کر دیئے ہیں۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

نماز کے حقیقی مقاصد کو ظاہر کرنے کیلئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''مَنْ لَّمْ تَنْهَهُ صَلَاتُهُ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ لَمْ يَزِدْ مِنَ اللّٰهِ إِلَّا بُعْدًا''[1] (جو نماز نمازی کو بدکاری سے باز نہ رکھے وہ نماز خدا سے اس کو اور دور کر دے گی)۔ اسی طرح روزے کے متعلق ارشاد فرمایا۔ ''مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ أَنْ يَّدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ''[2] (روزے دار اگر جھوٹ بولنے اور برا عمل کرنے سے باز نہ آئے تو اللہ کو اس کے بھوکے رہنے اور پیاسا رہنے کی کوئی حاجت نہیں)۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ نیکی اور اطاعت صرف اعمال صالحہ کے کر لینے میں نہیں، بلکہ ان اعمالِ صالحہ کے مقاصدِ حقیقی کا حصول ہے۔ پورا اسلام ان چار باتوں میں ہے جو مذکورہ آیت میں بیان کی گئیں ہیں۔

۱۔ عقائد (مَنْ اٰمَنَ سے نَبِیّٖنَ تک)
۲۔ دوسرے معاملات (اٰتَی الْمَالَ سے فِی الرِّقَابِ تک)
۳۔ تیسرے عبادات (اَقَامَ الصَّلٰوۃَ سے لے کر وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ تک)
۴۔ اخلاق (باقی حصہ صبر اور راستبازی وغیرہ کے متعلق) ہے۔

اسلامی نظام عبادات کے دو اہم ترین رکن، نماز اور زکوٰۃ بتائے گئے ہیں، اس کے بعد اسلامی ضابطہ اخلاق کی پابندی بھی بیان کر دی گئی ہے۔ کاش ایسے مکمل اور بے مثل دستورِ حیات رکھنے والی امت اس پر عمل کرنے کو ضروری سمجھتی اور عمل کرتی تو دنیا بھر میں انقلاب پیدا کر دیتی۔ انسان جب صحیح مسلمان ہو جائے تو اس کی کائنات ہی بدل جاتی ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ؎

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود　　جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود (۳۶)

(جب جسم سے جاں چلی جاتی ہے تو ایک نئی جان پیدا ہو جاتی ہے اور جونہی جان اور ہو گئی تو جہان بھی اور ہو جاتا ہے)

۹۔ سورۃ النساء: ''اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى'' (بے شک منافقین (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ سزا دینے والا ہے انہیں

---

[1] المعجم الکبیر، حدیث ۱۰۸۶۲، جلد ۹، صفحہ ۲۶۸۔
[2] صحیح بخاری، حدیث ۶۰۵۷، جلد ۶، صفحہ ۲۷۴۔

(دھوکہ دہی کی) اور جب نماز کی طرف کھڑے ہوتے ہیں تو کھڑے ہوتے ہیں کاہل بن کر) (النساء: ۱۴۲)۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ نماز میں سستی اور کاہلی کرنا منافقین کا کام ہے جو اللہ کو دھوکہ دینے کیلئے نماز پڑھا کرتے تھے اور سلام پھیرتے ہی جوتیاں اٹھائیں اور بھاگ گئے۔ یہ لوگ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں اور جو لوگ نماز کے قریب ہی نہیں جاتے تو ایسے مسلمان کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود — یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود![۱۴۷]

۱۰۔ سورۃ المائدہ: ''وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ لَىٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ'' (اور فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم صحیح صحیح ادا کرتے رہے نماز اور دیتے رہے زکوٰۃ اور ایمان لائے میرے رسولوں پر اور مدد کرتے رہے ان کی اور قرض دیتے رہے اللہ کو، قرضِ حسنہ، تو میں ضرور دور کردوں گا تم سے تمہارے گناہ) (المائدہ: ۱۲)۔ جن کاموں کے عوض اللہ تعالیٰ بندوں کا ساتھ دینے کا وعدہ فرماتا ہے ان میں نماز کو سرِ فہرست رکھا ہے۔ اس سے نماز کی خاص اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

۱۱۔ سورۃ المائدہ: ایک اور آیت میں ہے ''اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ'' (اے مومنو!) تمہارا مددگار اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ایمان والے ہیں جو صحیح صحیح نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور وہ بارگاہ الٰہی میں جھکنے والے ہیں) (المائدہ: ۵۵)۔ درج بالا آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مومنوں کا مددگار اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان والے ہیں اور ان لوگوں کی صفت میں نماز اور زکوٰۃ کو نمایاں بیان کیا گیا ہے۔

۱۲۔ سورۃ الانفال: ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ'' (صرف وہی سچے ایماندار ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا تو کانپ اٹھتے ہیں ان کے دل اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر اللہ کی آیتیں تو یہ بڑھا دیتی ہیں ان کے ایمان کو اور وہ صرف اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں اور جو صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو نیز جو ہم نے ان کو دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں) (انفال: ۲، ۳)۔ اس آیت میں مومن کی صفات (نشانیاں) بیان ہوئی ہیں جن میں نماز کو ممتاز حیثیت حاصل ہے۔

۱۳۔ سورۃ الرعد: ''وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً وَّیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ اُولٰٓىٕكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآىٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓىٕكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ'' (اور جو لوگ (مصائب اور آلام میں) صبر کرتے رہے اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اور صحیح صحیح ادا کرتے رہے نماز کو، اور خرچ کرتے رہے اپنے مال سے جو ہم نے ان کو دیا پوشیدہ طور پر اور اعلانیہ طور پر اور مدافعت کرتے رہے ہیں نیکی سے برائی کی۔ ان ہی لوگوں کیلئے دار الآخرت کی راحتیں ہیں (یعنی) وہ سدا بہار باغات جن میں وہ داخل ہوں گے اور

(وہ بھی) جو صالح ہوں گے ان کے باپ دادوں، ان کی بیویوں اور انکی اولاد میں سے اور فرشتے یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے ان پر ہر دروازے سے (کہ تم پر سلامتی ہو جس طرح تم نے صبر کیا) (الرعد: ۲۲: ۲۳)۔

جو لوگ نماز پڑھتے ہیں اور انفاق فی سبیل اللہ کرتے ہیں اور اچھا سلوک کرنے والے ہیں، قرآن مجید نے ان تینوں صفات والوں میں سب سے مقدم نماز پڑھنے والوں کو رکھا اور ان سے نعمتوں کا وعدہ فرمایا اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان کے طفیل ان کے وہ عزیز و اقارب بھی جنت میں داخل کئے جائیں گے جو مومن تو تھے مگر ان کے پلے جنت میں لے جانے والے اعمال نہ تھے۔

مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے والدین، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد کو (بشرطیکہ وہ ایمان کی صفت سے متصف ہوں) کاملین کے درجات پر فائز فرمادیں گے اگرچہ وہ اس کے اہل نہ ہوں اور یہ عنایت محض اپنے مقبول بندوں کے دل کو خوش کرنے کیلئے فرمائی جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن ہر حسب اور نسب ختم ہو جائے گا، ماسوائے میرے حسب اور نسب کے۔ اس سے مولانا پانی پتیؒ نے استنباط کیا ہے کہ اہلِ ایمان کی قرابتیں اور دوستیاں باقی رہیں گی، کیونکہ یہ رشتے داریاں اور دوستیاں حضور ﷺ کے روحانی فرزند ہونے کے سبب ہیں۔

یہ تمام خوش نصیبیاں نماز وغیرہ کے سبب ہیں۔ احادیث میں ہے کہ "اہل صبر کو بغیر حساب کتاب جنت میں بھیج دیا جائے گا۔ فرشتے پوچھیں گے کہ تمہارے صبر کی کیا حقیقت تھی؟ تو وہ کہیں گے کہ ہم نے اپنے نفسوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رکھا اور اس کی نافرمانی سے خود کو بچایا اور دنیا کے مصائب اور آلام پر صبر سے کام لیا۔ تو پھر فرشتے کہیں گے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ، نیک عمل کرنے والوں کا بہت اچھا اجر ہوتا ہے" سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ"[1] یہی الفاظ حضور اکرم ﷺ جنگ بدر کے شہیدوں کے مزارات پر ہر سال کے بعد جب وہاں جاتے تو فرماتے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفائے راشدین بھی ایسا ہی کرتے رہے"۔

۱۴۔ سورۃ الانفال: کی ایک اور آیت "اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ" (الانفال: ۳۔۴) (وہ جو رب پر بھروسہ رکھتے (اور) جو صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو اور جو ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، یہی لوگ سچے مومن ہیں، انہی کیلئے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور بخشش ہے اور باعزت روزی)۔

اس آیت میں نماز پڑھنے اور صاحب انفاق کو سچا مومن گردانا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے دنیا اور آخرت کے درجات میں بلندی عطا فرماتا ہے اِس آیت میں بھی نماز کو اولیت حاصل ہے۔

---

[1] المستدرک، حدیث ۳۴۹۳، جلد ۲ صفحہ ۸۱۔

۱۵۔ سورۃ ابراھیم: ''قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا يُقِيمُوْا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً'' (آپ ﷺ فرمادیں میرے بندوں کو جو ایمان لائے ہیں کہ وہ صحیح صحیح ادا کیا کریں نماز اور خرچ کیا کریں، اس میں سے جو ہم نے ان کو رزق دیا، پوشیدہ اور علانیہ طور پر) (ابراھیم:۳۱)۔
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو فرمایا کہ جو میرے بندے ہیں وہ نماز پڑھیں اور مال کو خرچ کریں تا کہ قیامت کے دن کی مشکل سے بچ جائیں، یعنی اپنے بندوں کیلئے خصوصیت سے نماز کا حکم دیا جا رہا ہے کیونکہ اس کے بغیر کوئی بات ممکن ہی نہیں۔

۱۶۔ سورۃ طٰہٰ: ''إِنَّنِي أَنَا اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِيْ'' (یقیناً میں ہی اللہ ہوں (اور) میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری عبادت کیا کرو اور نماز ادا کیا کرو مجھے یاد کرنے کیلئے) (طٰہٰ:۱۴)
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا جا رہا ہے کہ نماز ادا کیا کرو تا کہ میری محبت کی لذت سے تم لطف اندوز ہو سکو اور یہ بھی فرمایا کہ تم مجھے یاد کیا کرو میں تم کو یاد کرتا رہوں گا۔

۱۷۔ ______: ''فَإِنْ تَابُوْا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ'' (اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز کو صحیح ادا کریں اور زکوٰۃ کو ادا کریں، تو وہ تمہارے بھائی ہیں دین میں) (توبہ:۱۱)۔ توبہ کر لینے (یعنی ایمان لانے) کے بعد اور نماز پڑھنے سے کافر اگر بھائی بن سکتا ہے، خواہ اس کافر کے ساتھ کتنی ہی دشمنی کیوں نہ ہو، تو پھر مسلمان کی مسلمان کے ساتھ نماز پڑھنے سے اخوت اور بھی بڑھ جاتی ہے اور یہ نماز کی ہی برکت ہے کہ کافر ایمان کے بعد اگر نماز پڑھیں تو بھائی بن جاتے ہیں اور مسلمان بھائیوں میں اخوت بڑھ جاتی ہے۔

۱۹۔ سورۃ النور: کی ایک اور آیت ''كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيْحَهُ'' (النور:۴۱) (ہر ایک جانتا ہے اپنی (مخصوص) دعا اور اپنی تسبیح کو)۔ اِس آیت میں فرمایا کہ کیا تم غور نہیں کرتے کہ سارے زمین اور آسمان والے اور پر پھیلائے ہوئے پرندے اپنی مخصوص دُعا اور تسبیح کو جانتے ہیں اور اللہ ہر ایک سے، جو وہ کرتا ہے خوب واقف ہے۔ اللہ کے نُور کے جلوے ہر طرف نظر آتے ہیں اور ہر چیز قالًا، حالًا، طوعًا یا کرھًا اپنا سر اپنے خالق کے آگے جھکا رہی ہے۔ چیونٹی سے لے کر سورج، چاند، ستارے تک ہر چیز کی نماز وہی ہے جو کام وہ کر رہی ہے جس کا اسے اللہ سے حکم ملا ہے لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر چیز اللہ کی نماز پڑھ رہی ہے۔ سورج کی نماز یہ ہے کہ وہ وقت پر نمودار ہو کر روشنی اور گرمی پہنچائے۔ آگ کا جلانا، پھول کا خوشنما دکھائی دینا، گھاس کا سرسبز ہونا، درختوں کا پھل پھول دینا ان کی نماز ہی تو ہے۔ چیزوں کا سایہ جب زمین پر گرتا ہے تو یہ ان کا سجدہ ریزی پر دلالت کرتا ہے۔

۲۰۔ سورہ مائدہ: کی ایک اور آیت ''وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا'' (اور جب تم بلاتے ہو نماز کی طرف (یعنی اذان دیتے ہو) تو وہ اسے مذاق اور تماشا بناتے ہیں) (المائدہ:۵۸)۔ یہود و نصاریٰ کو اذان کی آواز بہت بری لگتی تھی۔ علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے۔ کہ جب مؤذن ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کہتا تو

ایک عیسائی کہا کرتا تھا "حُرِّقَ الْکَاذِبُ" (جھوٹے کو جلایا جائے) چنانچہ ایک روز وہ سو رہا تھا کہ اس کے گھر میں آگ لگی اور وہ اور اس کا پورا کنبہ جل گیا۔ اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ کون جھوٹا تھا۔ کفار اور منافقین کا یہی کام ہے کہ نماز کو مذاق بنائیں۔ جب اذان ہو تو مسلمان نماز کی طرف دوڑتے ہیں۔ جو لوگ اذان سن کر نماز کو (باجماعت یا منفرد) نہیں پڑھتے وہ عملاً نماز کو جھٹلاتے ہیں (ترکِ نماز کی سزا اگلے صفحات میں انشاء اللہ آئے گی)۔

۲۱۔ سورہ مائدہ: کی مزید ایک اور آیت "إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ" (یہی چاہتا ہے شیطان کہ ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور بغض۔ شراب اور جوئے کے ذریعے سے اور روک دے تمہیں یادِ الٰہی سے اور نماز سے۔ تو کیا تم باز آنے والے ہو؟) (المائدہ:۹۱)۔

شراب اور جُوا کو حرام کیا گیا ہے کیونکہ ان میں بے شمار خرابیاں ہیں۔ مذکورہ بالا آیت میں بیان کردہ برائیوں میں سے دو یہ بیان کی گئی ہیں کہ شراب اور جوئے کی عادت کے ہونے سے آپس میں عداوت بڑھتی ہے اور گہرے دوست خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔ ان دونوں عیوب میں ایک اور برائی یہ بھی ہے کہ انسان نماز اور یادِ الٰہی سے غافل ہو جاتا ہے، کیونکہ اذان ہو رہی ہوتی ہے اور شرابی اپنے نشے میں مست رہتا ہے اور جوا باز اپنی بازی میں یوں کھویا ہوتا ہے کہ اس کو نماز کا خیال تک نہیں آتا۔ شطرنج اور تاش بھی انہی وجوہات سے حرام ہیں۔ ان بیماریوں کی تفصیل مصر کے رسالے "مَاذَا خَسِرَ الْعَالَمُ" میں بہت تفصیل کے ساتھ دی گئی ہے اور اس کی کچھ تفصیل ہماری تصنیف "کتاب رزق اور انفاق" میں شامل کی گئی ہے جو عنقریب شائع ہونے والی ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں ایک بات غور طلب ہے کہ ان آیات سے اور دیگر احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ شراب اور جوا وغیرہ نماز کی نقیض (مخالف) ہیں۔ ان کے درمیان جو تضاد پایا جاتا ہے اسے اس کتاب کے ہی اگلے صفحات میں "حقیقتِ نماز کا حصول" کے عنوان کے تحت بیان کر دیا گیا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ شراب کو تدریجاً حرام کرنے کا بیان ذیل کی سطور میں جاری ہے۔

۲۲۔ سورہ النساء: کی ایک اور آیت "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى" (اے ایمان والو نماز کے قریب نہ جاؤ جب کہ تم نشہ کی حالت میں ہو) (النساء:۴۳)۔ یہاں آدابِ بارگاہ الٰہی سکھائے جا رہے ہیں اور شراب کی حالت میں نماز نہ پڑھنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس حکم سے نماز کا احترام بھی واضح کیا جا رہا ہے۔ یہاں یہ بھی بیان کر دینا ضروری ہے کہ شراب کی حرمت تدریجاً ہوئی پہلے مرحلے میں یہ آیت نازل ہوئی)۔ "يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا" (وہ پوچھتے ہیں آپ ﷺ سے شراب اور جوئے کی بابت۔ آپ ﷺ فرمائیے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور کچھ فائدے بھی ہیں لوگوں کیلئے اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ان کے

---

[۱] تفسیر القرطبی، جلد ۶، صفحہ ۲۲۴۔

فائدے سے)(البقرہ:۲۱۹)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ سوال کیا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شراب کے متعلق حکم دیں کیونکہ یہ تو عقل کو ضائع کرنے والی اور مال ضائع کرنے والی ہے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی مگر پھر بھی کچھ لوگ شراب پیتے رہے کیونکہ اس آیت میں شراب کی صراحتاً ممانعت نہ تھی۔ایک روز حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے شام کی نماز پڑھائی اور اس نشے کی وجہ سے سورہ کافرون کی تلاوت میں کچھ تغیر ہو گیا۔اس وقت حکم الٰہی ہوا''لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارٰى''(نماز کے نزدیک مت جاؤ جب تم نشہ کی حالت میں ہو)اس کے بعد ایک روز عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک محفل کا اہتمام کیا،جس میں کچھ لوگوں کا جھگڑا بھی ہوا۔ایک شخص نے انصار کی ہجو میں شعر پڑھا۔تو ایک انصار نے شعر پڑھنے والے کے سر پر اونٹ کی ہڈی مار کر اس کا سر پھوڑ دیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں شکایت کی جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی بارگاہ میں التجا کی کہ اے اللہ!شراب کے بارے واضح حکم نازل فرما۔اس پر سورہ المائدہ کی آیات ۹۰ اور ۹۱ نازل ہوئیں۔جس میں اس کی قطعی حرمت آئی ہے یعنی''يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ إِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ''اور(اے ایمان والو!بے شک شراب اور جوا اور(عبادت کیلئے)نصب کیے گئے بت اور(قسمت معلوم کرنے کیلئے)فال کے تیر(سب)ناپاک شیطانی کام ہیں۔سو تم ان سے(کلیتاً)پرہیز کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ،شیطان یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان عداوت اور کینہ ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روک دے۔کیا تم(ان شرانگیز باتوں سے)باز آؤ گے؟)۔

بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر نماز پڑھتے وقت تم پر نیند کا غلبہ ہو جائے تو نماز کو چھوڑ دو اور جا کر سو جاؤ،پھر نیند پوری کرنے کے بعد جب ہوش و حواس درست ہو جائیں تو نماز ادا کرو۔تا کہ نماز کے دوران کوئی غلط بات منہ سے نہ نکل جائے۔[1]

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز کی اہمیت کے پیش نظر تمام ان چیزوں سے منع کیا گیا ہے جو نماز میں رکاوٹ بنتی ہیں۔اولیاء کرام نے نماز کی راہ میں آنے والی ہر چیز کو ترک کرنے کا فیصلہ کیا ہے یعنی رکاوٹ بننے والی ہر جائز چیز کو بھی ترک کر دیا جاتا ہے،حتیٰ کہ پیٹ بھر کر کھانا اور زیادہ پانی پینے سے اگر نیند زیادہ آئے تو ان دونوں کو بھی کم کر دیتے ہیں اور اپنے نفس کی تادیب کرتے ہیں۔

۲۳۔سورۃ البقرہ: کی مزید ایک آیت:''حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ

---

[1] صحیح بخاری،حدیث ۲۱۰،جلد ا،صفحہ ۸۷۔

قَانِتِیْنَ'' (پابندی کیا کرو سب نمازوں کی اور خصوصاً درمیانی نماز کی اور کھڑے رہا کرو اللہ کے آگے عاجزی کرتے ہوئے) (البقرہ:۲۳۸)۔ احکامِ طلاق خُلع اور عدت وغیرہ کے بعد اس آیت میں نماز کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ نماز ہی ذکر (یعنی اللہ کی محبت) کا سب سے مؤثر اور اعلیٰ طریقہ ہے۔ ذکر الٰہی اسلام کی رُوح ہے۔ اس میں جسم، رُوح دل و دماغ عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ قرآن نے ''حَافِظُوْا عَلَى الصَّلٰوةِ'' فرمایا (یعنی نماز کی حفاظت کرتے رہو) اور احْفِظُوْهَا (اس کی مطلق حفاظت کرو) نہیں فرمایا، کیونکہ لفظ علیٰ کے معنی بار بار اور علیٰ الدّوام (ہمیشگی) کے ہوتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ مطلق حفاظت کرنا بشری طاقت سے بعید تھا۔

احمد اور طبرانی کی روایات میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا وَّبُرْهَانًا وَّنَجَاةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَهٗ نُوْرٌ وَّلَا بُرْهَانٌ وَّلَا نَجَاةٌ وَّكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَاُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ''[1] (جو نماز کو پابندی سے ادا کرے گا یہ نماز قیامت کے دن اس کیلئے نور ہوگی۔ جس نے نماز کی پابندی نہ کی اس کے پاس یہ نور نہ ہوگا اور نہ ہی ایمان کی کوئی دلیل ہوگی اور نہ ہی بخشش کا کوئی وسیلہ ہوگا۔ ایسے شخص کا حشر قارون، فرعون، ہامان اور ابی ابن خلف کے ساتھ ہوگا)۔

صلوۃ الوسطیٰ سے مراد نمازِ عصر ہے

اکثر علماء اور فقہاء کا راجح قول یہ ہے کہ صَلٰوةُ الْوُسْطٰى سے مراد نماز عصر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول یہی ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ جنگِ خندق میں حضور ﷺ کی عصر کی نماز قضا ہوگئی تھی اور ایک متفق علیہ حدیث کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''مَلَاَ اللّٰهُ بُيُوْتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطٰى حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ''[2] (اللہ تعالیٰ ان کفار کی قبروں کو آگ سے بھر دے، انہوں نے ہمیں درمیانی نماز سے مشغولیت میں رو کے رکھا حتیٰ کہ سورج غائب ہوگیا)۔ یہ حدیث نماز کی انتہائی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی نماز تو جنگ میں بھی معاف نہیں مگر دشمن کے حملے کے وقت اتنی آسانی ضرور کر دی گئی ہے کہ پیدل چلتے ہوئے یا اپنی سواری پر بھی جدھر بھی رخ ہو نماز پڑھ سکتے ہیں۔ روایات میں ہے کہ ایک صحابی کی عصر کی نماز قضا ہوگئی تو فرمانے لگے کہ اگر میرا گھر بار لٹ جاتا تو مجھے اتنا افسوس نہ ہوتا جتنا کہ نماز کے قضا ہو جانے سے ہوا۔

تفسیر نعیمی میں ہے کہ حَافِظُوْا میں شرکت بھی ہے اور مبالغہ بھی۔ مبالغہ یہ کہ اس نماز کو ہمیشہ پڑھنا، وقت پر پڑھنا، فرائض اور واجبات، سنن اور مستحبات کا خیال کرنا اور حضورِ قلبی سے پڑھنا ہے۔ شرکت یہ ہے

---

[1] مسند احمد، حدیث ۶۲۸۸، جلد ۱۳، صفحہ ۳۲۶۔

[2] صحیح بخاری، حدیث ۲۷۱۴، جلد ۱۰، صفحہ ۸۰۔

کہ اس کو قضا نہ ہونے دے اور نماز کی انسان ہر نازک وقت پر حفاظت کرے، دنیا میں گناہ سے رکا رہے تاکہ قبر کے حساب میں آسانی ہو جائے۔ اس حفاظت سے مراد یہ بھی ہے کہ میاں بیوی کو اور بیوی میاں کو اور دوست دوست کو نماز کا پابند بنائے۔ یاد رہے کہ باقی عبادتوں کے ادا کرنے کا حکم ہے مگر نماز کیلئے فرمایا کہ اس کو قائم کرو یا کبھی فرمایا کہ اس کی حفاظت کرو کیونکہ نماز نفس پر سخت گراں ہے اور اکثر لوگ نماز میں آ کر فیل ہو جاتے ہیں۔ ''وسطیٰ'' اوسط کا مؤنث ہے جس کے معنی بیچ والی کے بھی ہیں اور افضل کے بھی ہیں اور دونوں معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی بیچ والی نماز سب سے افضل ہے۔ بعض کے نزدیک نماز وسطیٰ فجر کو کہتے ہیں اور بعض تو ظہر یا مغرب یا عشاء بھی سمجھتے ہیں۔ مگر اکثر علماء کا خیال نمازِ عصر کے حق میں ہے کیونکہ جنگِ خندق میں حضور ﷺ کی نماز عصر ہی قضا ہوئی تھی۔ حضرت علی، ابن عباس اور ابن مسعود کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ، امام نخعی رضی اللہ عنہم اور دیگر آئمہ حنفاء کا یہی خیال ہے کہ نمازِ وسطیٰ سے مراد نمازِ عصر ہے۔

نمازِ عصر کی اہمیت کیوں ہے؟

حدیث شریف میں ہے کہ جب آدمی مرے گا تو قبر میں اس کو عصر کا وقت معلوم ہو گا، خواہ اس کو رات کے وقت دفن کیا جائے یا صبح سویرے۔ جب منکر نکیر قبر میں آ کر اس سے دریافت کریں گے کہ ''مَنْ رَّبُّكَ وَمَنْ نَّبِيُّكَ'' وغیرہ تو وہ آدمی (اگر نمازی ہو گا تو) کہے گا کہ ٹھہرو عصر کا وقت جا رہا ہے، پہلے میں نماز پڑھ لوں پھر تمہارے سوالوں کا جواب دوں گا۔ (اس کے اس جواب سے ان کے سوالوں کے متعلق اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ یہ دیندار انسان ہے)۔

صوفیائے کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ چونکہ عصر کی نماز کا وقت بہت مصروفیت کا وقت ہوتا ہے اور کاروبار خرید و فروخت اور دیگر مصروفیات اس وقت بہت زوروں پر ہوتی ہیں اس لیے اس نماز کے قضا ہونے کا بہت زیادہ احتمال ہوتا ہے۔ چونکہ حکم دیا گیا کہ نمازوں کی حفاظت کرو اور خاص طور پر نماز عصر کی۔ کچھ صوفیا کا خیال ہے کہ قیامت عصر کے وقت قائم ہو گی اور قیامت کسی بھی روز عصر کے وقت آ سکتی ہے۔ اگر وہ اس وقت نماز میں ہو گا تو کچھ اور بات ہو گی۔

عصر کے وقت رات دن کے فرشتے بھی بدلتے ہیں۔ تجارت اور سیر و تفریح کیلئے بھی یہی وقت مخصوص ہوتا ہے اس لیے اِس نماز کے ضائع ہونے کا امکان رہتا ہے۔ سورہ ص میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب گھوڑوں کی نسل کا معائنہ کر رہے تھے تو آپ کی بھی نمازِ عصر قضا ہوئی تھی (ص ۳۱، ۳۳)۔ اس کے علاوہ کچھ علماء کا خیال ہے کہ عصر سے پہلے ایک قصری نماز ہے (ظہر) اور ایک نا قابل قصر (فجر) اور اس کے بعد بھی ایک قصری (عشاء) اور ایک نا قابلِ قصر نماز (یعنی مغرب) ہے۔ ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز عصر قضا ہوئی تھی جس کیلئے ڈوبا ہوا سورج واپس کیا گیا تھا۔ کچھ علماء کا یہ بھی خیال ہے کہ باقی تمام نمازوں

کے اوقات محسوس ہو جاتے ہیں مگر عصر کے وقت کی کوئی ظاہری علامت محسوس نہیں ہوتی (بلکہ علمی قواعد سے معلوم کیا جاتا ہے) اور اس نماز کے ضائع ہونے کا زیادہ امکان ہوتا ہے لہٰذا تاکید کی گئی ہے۔

احادیث میں نماز کی تاکید

جہاں نماز کی تاکید قرآن میں کی گئی ہے وہاں احادیث نبوی ﷺ میں بھی نماز کی اہمیت کو بہت واضح کیا گیا ہے۔ چہل حدیث جن میں نماز کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے، مسجدوں میں عموماً آویزاں کی جاتی ہیں اور کتبِ اسلامیہ میں ان کو شامل کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں ایسی احادیث کیلئے الگ فصل قائم نہیں کی گئی البتہ جہاں کہیں موضوع کے اعتبار سے احادیث کی ضرورت محسوس ہوئی وہاں ان کا حوالہ دے دیا گیا ہے اور اس طرح احادیث کا اچھا خاصا مجموعہ اس کتاب میں شامل ہو چکا ہے۔ لہٰذا ان بیان کردہ احادیث پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔ اگر مزید احادیث درکار ہوں تو کتب احادیث سے رجوع کریں۔

احادیث میں نمازیوں کیلئے اللہ تعالیٰ کے وعدے

درِ منثور میں ہے کہ حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ میں نے آپ کی امت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور میں نے اس کا عہد کر لیا ہے کہ جو شخص ان کو وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کرے تو اس کو اپنی ذمہ داری پر جنت میں داخل کروں گا، ورنہ میں اس پر سے اپنی ذمہ داری ہٹا لوں گا۔[1]

مشاہدے میں یہ بات آ چکی ہے کہ ہم نماز کی وجہ سے خدا کی حفاظت میں رہتے ہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نمازیوں کی ذمہ داری لیتا ہے تو اس میں حفاظت بھی شامل ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اے موسیٰ علیہ السلام اگر تم پر کوئی مصیبت یا بلا نازل ہو جائے، اس حالت میں کہ تم باوضو نہ ہو، تو پھر اپنے سوا کسی اور کو اس کا ذمہ دار نہ سمجھو یعنی یہ بلا یا مصیبت وضو نہ ہونے کی وجہ سے نازل ہوگی اور باوضو رہنے سے بہت سی بلائیں خود بخود ٹل جاتی ہیں اور انسان پر اثر انداز نہیں ہوتیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ بے وضو رہنے کا یہ حال ہو تو بے نمازی پر نازل ہونے والی آفات کیا کچھ نہ ہوں گی۔

حدیث شریف میں ہے کہ "مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ" (جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لایا اور نماز کو قائم کیا اور روزے رکھے تو اللہ پر اس کا یہ حق (ثابت) ہو جاتا ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے)۔[2] صوفیاء کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق واجب نہیں لیکن وہ اپنے مقبول بندوں کو اپنے فضل و کرم سے حق دیتا ہے کہ ایمان

---

[1] الدر المنثور، جلد ۲، صفحہ ۹۳۔

[2] صحیح بخاری، حدیث ۲۵۸۱، جلد ۹، صفحہ ۳۵۴۔

باللہ، ایمان بالرَّسُول اور نماز وروزہ کے عوض ان کو جنت میں داخل کرے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی مدد اور نجات کا وعدہ فرمایا ہے۔ ترغیب وترہیب میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''جس شخص نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے سخت ناراض اور خشمگین ہونگے، یعنی غصہ کے ساتھ پیش آئیں گے'' [1]۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں سے محبت رکھتے ہیں۔ ایک صدقہ وخیرات دینے والا، دوسرا وہ شخص جو تہجد پڑھتا ہو جب کہ لوگ سو رہے ہوں، تیسرا وہ شخص جو جہاد میں دشمنوں سے مقابلہ کرتا ہو جب کہ لوگ شکست کھا کر بھاگ گئے ہوں۔

راقم الحروف کا مشاہدہ ہے کہ جن گھرانوں کے افراد دین پر عمل پیرا ہوں اور سب نماز روزہ کے پابند ہوں ان کے گھروں میں نہ تو کوئی خطرناک مرض اور بلا دیکھنے میں آتی ہے اور نہ ہی کسی قسم کی کوئی آفت یا پریشانی باقی رہتی ہے۔ گویا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق ہے کہ جہاں کوئی نماز کی پابندی کرتا ہو وہاں سے مصیبت اٹھادی جائے گی۔

علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ جہاں لوگ نمازی ہوں وہاں سے مصیبت اٹھادی جاتی ہے۔ جہاں لوگ بے نمازی ہوں وہاں مصیبتوں کے علاوہ زلزلوں، سیلابوں، آندھیوں بجلیوں کے گرنے، مکانات کو زمین دوز کردینے والے عذاب عام طور پر آتے رہتے ہیں۔ جہاں خباثت اور برائی کا رواج عام ہوجائے اور نمازی لوگ ان کو منع نہ کریں یا ہدایت جاری نہ کریں تو اس آبادی کے علماء کو بھی عذاب میں شامل کردیا جاتا ہے، لیکن جس علاقے میں عابد اور علماء امر بالمعروف کرتے رہیں، تو ان کی وجہ سے بہت سے عذاب ٹل بھی جاتے ہیں۔ نماز نہ ادا کرنے والوں پر عتاب نازل ہونے کی ایسی بے شمار روایات مطالعہ میں آتی ہیں مگر طوالت کے خوف سے انہیں یہاں نقل نہیں کیا جارہا۔ البتہ اس کتاب میں ''عبادت کے فوائد'' کے عنوان کے تحت کچھ مزید تفصیل دے دی گئی ہے۔ یہ بات قابل افسوس ہے کہ مسلمان آج طرح طرح کے مصائب میں گرفتار ہیں مگر وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ان کی پریشانی ان کے دین سے دور رہنے کی وجہ سے ہے۔ ایسے لوگ طرح طرح کی بیماریوں اور مصائب میں مبتلا رہتے ہیں۔ یہ بات بارہا تجربے میں آئی ہے کہ راقم الحروف نے جس کو بھی نماز وروزے پر پابند ہونے میں مدد کی، اس کے تمام دُکھ درد جاتے رہے اور اس کے تمام مصائب چھوٹ گئے۔ یہ بات تصدیق شدہ ہے کہ بیماری اس گھر کا رخ نہیں کرتی جہاں نماز پڑھی جاتی ہو اور صبح کو قرآن کھولا جاتا ہو، کیونکہ شیاطین اور بیماریوں کا ریلا غافلوں کے گھروں کی طرف ہی رخ کرتا ہے۔

---

[1] الترغیب والترھیب، حدیث ۵۷۳، جلد ۱، صفحہ ۱۳۹۔

باب نمبر ۱۱

فضیلت و برکاتِ نماز

الترغیب والترھیب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد نقل ہے کہ نماز دین کا ستون ہے۔[1] اور اس میں دس خوبیاں ہیں۔

۱۔ چہرے کی رونق
۲۔ دل کا نور
۳۔ بدن کی راحت اور تندرستی کا سبب
۴۔ قبر کا انس
۵۔ اللہ کی رحمت اُترنے کا ذریعہ
۶۔ آسمان کی کنجی
۷۔ اعمال نامے کا ترازو میں وزنی ہونا
۸۔ اللہ کی رضا کا سبب
۹۔ جنت کی قیمت
۱۰۔ دوزخ کی آڑ

منہاج الصالحین میں آیا ہے کہ جس نے نماز کو قائم کیا اس نے دین کو قائم کیا۔ جس نے اسے چھوڑ دیا اس نے دین کو چھوڑ دیا۔ زواجر مکی میں ہے کہ حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے دادا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ

(۱) نماز حق تعالیٰ کی رضامندی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ (یعنی جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنا چاہے اسے چاہیے کہ وہ نماز کی پابندی کرے)۔

(۲) نماز فرشتوں کی محبت کا وسیلہ ہے (نمازی سے فرشتے محبت رکھتے ہیں)۔

(۳) نماز طریقہ ہے انبیائے سابقین کا (یعنی ہر نبی نماز کا پابند تھا جو اس وقت اللہ کی طرف سے ان پر فرض تھی)۔

(۴) نماز معرفتِ الٰہی کی مشعل ہے (نماز سے معرفتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے)۔

(۵) نماز اسلام کی جڑ اور بنیاد ہے (احادیث میں اس کو دین کی بنیاد اور ستون کہا گیا ہے)۔

(۶) نماز دعا قبول ہونے کا سبب ہے (یعنی بے نمازی کی دعا کی قبولیت بہت مشکل سے ہوتی ہے۔ دُعا کے باب میں تفصیل دیکھیں)۔

(۷) نماز کے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی (اعمالِ دین کی بنیاد نماز ہے۔ اگر بنیاد نہ ہو تو کوئی عمل کیسے قبول ہوسکتا ہے۔ اِس کی تفصیل پہلے بھی دی جاچکی ہے)۔

(۸) نماز سے روزی میں برکت ہوتی ہے (نماز اور روزی کی بابت بہت سی احادیث ہماری تصنیف ''اکتسابِ رزق اور انفاق'' میں دے دی گئی ہیں) جو عنقریب شائع ہونے والی ہے۔

(۹) نماز نفس اور شیطان کے مقابلے کیلئے سب سے بڑا ہتھیار ہے۔

---

[1] الترغیب والترھیب، حدیث ۵۷۳، جلد ۱، صفحہ ۱۳۹۔

(۱۰) نماز موت کے وقت موت کے فرشتے سے نمازی کیلئے سفارش کرے گی کہ اس کی جان آسانی سے نکل جائے۔

(۱۱) نماز مومن کے دِل کا نُور ہے اور قبر کے اندر روشنی کا ذریعہ ہے۔

(۱۲) نماز قبر میں مردہ کی طرف سے منکر نکیر کے سوالات کا جواب دے گی۔

(۱۳) نماز قیامت تک مردے کی غمخوار اور ساتھی رہے گی۔

(۱۴) نماز قیامت کے روز نمازی پر سایہ کرے گی جس روز خدا کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

(۱۵) نماز نمازی کے سر کا تاج اور بدن کا لباس ہوگی۔

(۱۶) نماز قیامت کے اندھیرے میں نُور بن کر نمازی کے سامنے دوڑے گی۔

(۱۷) نماز حساب و کتاب کے وقت نمازی اور جہنم کے درمیان آڑ بن جائے گی۔

(۱۸) نماز اللہ کے سامنے نمازی کو بخشوانے کیلئے حجت کرے گی اور سند بن کر پیش ہوگی۔
(ایک حدیث میں ہے کہ رمضان اور قرآن کی بھی شفاعت قیامت کے دن قبول کی جائے گی)۔[1]

(۱۹) نماز کا وزن سب گناہوں پر حاوی ہو جائے گا۔

(۲۰) نماز پُل صراط کیلئے پروانہ راہداری بن جائے گی۔

(۲۱) نماز جنت کی کنجی ہے جو جنت کے بند دروازے کھول کر نمازی کو اُس میں داخل کروا دے گی۔

نماز کی فضیلت میں مندرجہ بالا تمام خصائص احادیث میں بھی موجود ہیں، چنانچہ ان کی تفصیل مع احادیث الگ الگ اپنی جگہوں پر بیان کردی گئی ہے۔ نماز کے مذکورہ فضائل کو اگر تفصیل سے بیان کیا جائے تو یہ ایک بہت طویل بیان ہوگا۔ چنانچہ مختصر بیان پر ہی اِکتفا کیا گیا ہے۔ درج بالا نکات کو اگر بیان کیا جائے تو اس کی تفصیل کو واضح کرنے کیلئے تین گھنٹے درکار ہوتے ہیں۔

نمازی کے درجات اور انعامات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص پورا وضو کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتے ہیں''۔[2] طبرانی کی حدیث میں ہے کہ مسلمان جب وضو کرتا ہے تو اس کے کان، آنکھ، ہاتھ اور پیر کے گناہ دھل جاتے ہیں۔[3] احادیث شریف میں ہے کہ ''اَلصَّلَوَاتُ كَفَّارَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ'' (نمازوں کے درمیان کیے گئے گناہوں کا کفارہ نماز ہے)۔[4] بے شک نیکیاں برائیوں کو کھا جاتی ہیں۔ اس

---

[1] مسند احمد، حدیث ۶۶۳۷، جلد ۱۳، صفحہ ۳۷۵۔

[2] الترغیب والترہیب، حدیث ۳۵۷، جلد ۱، صفحہ ۱۳۹۔

[3] المعجم الکبیر، حدیث ۶۴۴۷، جلد ۷، صفحہ ۱۳۴۔

[4] المعجم الکبیر، حدیث ۳۳۸۲، جلد ۳، صفحہ ۲۷۹۔

سے مراد گناہ صغیرہ ہیں۔ جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے "إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ" (ہود: ۱۱۴) (بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں)۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اپنے گناہوں کو نیکیوں سے تبدیل کر لیا کرو یعنی گناہ کے بعد توبہ کرو اور نیک کام زیادہ کیا کرو تاکہ بدیاں ڈھل جائیں اور نیکیوں میں تبدیل ہو جائیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں مذکور ہے کہ جمعہ کے دن نہانا اگلے جمعہ تک گناہوں کا کفارہ ہے۔[1] آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خواہ رات کے کھانے کے پیسے پانی خریدنے پر صرف کر دے مگر جمعہ کے دن نہانا ضروری ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو نمازوں کو ادا کرے گا اور ان کو ہلکا سمجھ کر ان میں سے کچھ ضائع نہیں کرے گا تو ایسا مسلمان جنت میں داخل کیا جائے گا۔[2] حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے اور منافقین کے درمیان عشاء اور صبح کی نماز کا فرق ہے۔ وہ ان دونوں کی سکت نہیں رکھتے۔

"وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ" (البقرہ: ۴۵)

(اور مدد لو صبر اور نماز سے اور بے شک نماز ضرور بھاری ہے، مگر عاجزی کرنے والوں پر (بھاری نہیں))۔

سجدے سے زیادہ قرب کسی عبادت میں نہیں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ پوشیدہ سجدے کے سوا (یعنی تہجد یا نوافل میں سجدوں کے علاوہ) کوئی چیز ایسی افضل ترین نہیں جو بندے کو اللہ کا قرب عطا کرے۔ ایک حدیث میں ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ" (بندہ اللہ کے قریب ترین تب ہوتا ہے جب وہ سجدہ میں ہوتا ہے۔)[3] قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ" (اور سجدہ کرو اور قرب حاصل کرو) (العلق: ۱۹)۔

منقول ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ صرف مٹی پر ہی سجدہ کرتے تھے۔ (کیونکہ اس میں عاجزی زیادہ ہے) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے قریب ترین اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ کرے اس لیے اس وقت خوب دعا کرو[4] (دعا نفلی نماز کے سجدوں میں کی جاتی ہے)۔ سجدے میں قربِ الٰہی کی مزید تفصیل اگلے صفحات میں "سجدے کا مقام" کے عنوان کے تحت دیکھیں۔

دو رکعت نماز، جنت سے بہتر ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بندے پر اللہ کا سب سے بڑا فضل اور احسان یہ ہے کہ اسے دو رکعت نماز

---

[1] شعب الایمان، حدیث ۲۸۸۴، جلد ۷، صفحہ ۲۹۔
[2] المعجم الصغیر، حدیث ۷۷۳، جلد ۲، صفحہ ۱۳۴۔
[3] الترغیب والترھیب، حدیث ۵۷۳، جلد ۱، صفحہ ۱۳۹۔
[4] صحیح مسلم، حدیث ۷۴۴، جلد ۳، صفحہ ۲۹۔

پڑھنے کی توفیق دی گئی۔ حضرت محمد بن سیرینؒ کا فرمان ہے کہ اگر مجھے اختیار دیا جائے کہ جنت اور دو رکعت میں سے ایک چیز کو اختیار کروں تو میں دو رکعت کو اختیار کروں گا اس لیے کہ دو رکعت کے ادا کرنے میں اللہ کی رضا ہے اور جنت میں میری رضا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ بارگاہ الٰہی میں ہر صبح و شام نمازیوں کا ذکر ہوتا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری کی درج ذیل روایت میں موجود ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "یَتَعَاقَبُوْنَ فِیْکُمْ مَلَائِکَۃٌ بِاللَّیْلِ وَمَلَائِکَۃٌ بِالنَّھَارِ وَیَجْتَمِعُوْنَ فِیْ صَلَاۃِ الْفَجْرِ وَصَلَاۃِ الْعَصْرِ ثُمَّ یَعْرُجُ الَّذِیْنَ بَاتُوْا فِیْکُمْ فَیَسْاَلُھُمْ وَھُوَ أَعْلَمُ بِھِمْ کَیْفَ تَرَکْتُمْ عِبَادِیْ فَیَقُوْلُوْنَ تَرَکْنَاھُمْ وَھُمْ یُصَلُّوْنَ وَأَتَیْنَاھُمْ وَھُمْ یُصَلُّوْنَ"[1] (رات دن کے ملائکہ نمازِ فجر اور عصر میں جمع ہوتے ہیں اور وہ اللہ کے حضور میں عرض کرتے ہیں کہ جب ہم فلاں فلاں کے پاس گئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور اے الٰہی ہم ان کو نماز پڑھتا ہوا چھوڑ کر تیرے پاس حاضر ہوئے ہیں)۔ حدیث شریف میں ہے کہ نمازی کو اللہ تعالیٰ نے عنایاتِ الٰہی کیلئے منظور فرمایا ہے۔ مسلم کی حدیث میں ہے کہ نمازی کا ثواب ایسا ہے جیسے کفار کی سرحد پر حمایتِ بلادِ اسلام کیلئے گھوڑے باندھنے کا ہوتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان جہنم میں جائے گا تو اس کے پورے بدن کو آگ کھائے گی سوائے اعضائے سجود کے کہ اللہ نے ان کا کھانا آگ پر حرام کر دیا ہے۔

شیطان اور نماز

روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ابلیس سے کہا کہ میں تجھے حَیٌّ وَ قَیُّوْمٌ کی قسم دیتا ہوں (سچ بتا) کہ وہ کونسی شے ہے جو تیری پشت شکن ہے۔ یہ سن کر وہ زمین پر پچھاڑ اکھا کر گر گیا اور کہنے لگا کہ اگر حَیٌّ و قَیُّوْمٌ کا واسطہ نہ ہوتا تو میں آپ کو کبھی نہ بتاتا۔ سنیئے! (وہ عمل) گھر میں نماز پڑھنا ہے، سوائے فرض نماز کے۔ (پچھلے صفحات میں شیطان اور نماز کا کچھ بیان ہو چکا ہے)۔ ایک حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ مسلمان جب تک پانچوں نمازوں کے پڑھنے کا اہتمام کرتا ہے تو شیطان اس سے ڈرتا رہتا ہے اور جب نماز میں کوتاہی کرنے لگتا ہے تو شیطان کو اس پر جرأت ہو جاتی ہے اور اس کو بہکانے کی طمع کرنے لگتا ہے۔[2]

حضرت سفیان ثوریؒ پر ایک بار غلبہ حال طاری ہوا اور سات روز تک گھر میں رہے اور اپنے اوقات اس حال میں گزارے کہ نہ کھاتے تھے نہ پیتے تھے اور نہ سوتے تھے۔ ان کے شیخ کو اس کی اطلاع کی گئی تو انہوں نے پوچھا کہ نماز کے اوقات تو محفوظ رہتے ہیں کہ نہیں؟ لوگوں نے کہا نماز اپنے اوقات پر محفوظ ہے اور نماز وقت پر پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَجْعَلْ لِلشَّیْطَانِ عَلَیْہِ سَبِیْلًا" (اللہ کا شکر ہے جس نے شیطان کو اس پر مسلط نہ ہونے دیا)۔

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۵۲۲، جلد ۲، صفحہ ۳۹۰۔

[2] کنز العمال، حدیث ۱۹۰۶۰، جلد ۷، صفحہ ۳۱۹۔

شیاطین نمازیوں کے سخت دشمن ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ بندے اور خدا کے درمیان رابطہ منقطع ہو جائے۔نماز کیلئے شیاطین کا ایک لشکر مقرر ہے جو مختلف امور پر متعین ہے۔ شیطان کا نماز میں دخل دینے کے بارے میں یوں ذکر کیا جاتا ہے کہ طلوع وغروب آفتاب کے اوقات میں ادائیگی نماز دیگر مصلحتوں کے علاوہ اس لیے بھی ممنوع قرار دی گئی ہے کہ ان اوقات میں شیطان کے اثرات کارفرما ہوتے ہیں ۔صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ''اذان کے وقت شیاطین ہجوم بنا کر آنے لگتے ہیں مگر اعلانِ حق کی تکبیر سے اُن کے سر پر زد پڑتی ہے اور یہ گوز کرتے ہوئے بھاگ جاتے ہیں''۔[1] پھر نماز کے وقت عین صفوں میں گھس آتے ہیں تاکہ باہمی میل میلاپ میں فرق ڈالیں اور نمازیوں کو کچھ سنگھا کر مدہوش کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ ذکر سے غافل ہو جائیں۔جب کوئی نمازی جماعت سے رہ جائے تو اسے خطرہ میں ڈالتے ہیں جیسے ریوڑ سے رہ گئی بکری کو بھیڑیا اچک لیتا ہے اسی طرح شیطان نمازی کے دل میں وسوسے ڈال کر یکسوئی توڑ دیتا ہے جس کی وجہ سے نمازی کو کبھی رکعتیں بھول جاتی ہیں اور کبھی قرأت میں شک پڑ جاتا ہے۔گویا شیطان ہر طریقے سے نمازی کو طریقِ وصالِ ربانی سے ڈگمگا دیتا ہے،اس لیے نمازیوں کو حکم ہے کہ شیطان کے وسوسوں سے بچیں۔

شیاطین سے بچنے کے راستے

حدیث شریف میں ہے کہ نماز شیطان کو رُوسیاہ کر دیتی ہے اور صدقہ اس کی کمر توڑ دیتا ہے۔صوفیاء کا قول ہے کہ توجہ الی اللہ، باہمی محبت اور کسی نیک عمل میں باہم ہونا شیطان کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔پس جب تم یہ طریقہ استعمال کرو گے تو شیطان تم سے اتنا ہی دور ہو جائے گا جتنا مشرق اور مغرب میں بُعد ہے۔ نماز میں سب سے بڑا ہتھیار تعوذ ہے (یعنی اَعُوْذُ بِاللہِ پڑھنا) جس سے شیطان سے پناہ ملتی ہے۔اگر صفوں میں مل کر کھڑے ہو جائیں تو شیطان گھس نہیں پائے گا۔یہ سب باتیں جہاد کا سبق دیتی ہیں یعنی جیسا دشمن ہو ویسا ہی اسلحہ فراہم کرو۔مذکورہ شیاطین جو نماز کے راستے میں خلل ڈالتے اور لوگوں کو راہِ راست سے ہٹانے پر متعین ہیں ان میں سے چند کے نام دیئے جاتے ہیں۔

(۱) مدحش — علماء کو ورغلانے کیلئے۔

(۲) حدبث — نماز اور ذکر سے ہٹا کر کھیل کود پر لگاتا ہے۔ جمائی اور اونگھ کا نشہ بھی یہی دیتا ہے۔وضو ٹوٹ جائے تو کہتا ہے کہ وضو نہیں ٹوٹا (ایسے وضو کو صحیح تصور کرنے والا سخت گنہگار ہوتا ہے) یہ گناہ اس صورت میں ہے جب کہ یقین اور ظن غالب ہو کہ وضو ٹوٹ گیا ہے اور پھر بھی وضو نہ کرے۔

(۳) ذلبنون — بازار میں کم تولنے،جھوٹ بولنے اور مال کی تعریف پر اکساتا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری،حدیث ۳۰۲۳،جلد ۱۱،صفحہ ۶۳۔

(۴) بتر — نوحہ خوانی، چاک گریبانی اور رودا ویلا کرنے سے اجر ضائع کروا دیتا ہے۔
(۵) منشوط — دروغ گوئی، جھوٹ اور طعن و تشنیع پر اکسانے والا ہے۔
(۶) واسم — مرد اور عورت کو برائی پر اکساتا ہے۔
(۷) اعور — چوری پر مامور ہے۔ چور کو کہتا ہے کہ اگر چوری نہیں کرے گا تو بھوکا مر جائے گا۔ پھر توبہ کر لینا یا کچھ پیسہ اللہ کے واسطے دے دینا، ایسا کرنے سے گناہ برابر ہو جائے گا۔

عبادت میں بیماریوں سے شفا ہے

زادُ المعاد میں حافظ ابن قیم نے فرمایا ہے کہ نماز صحت کی محافظ، دَافِعُ الْاَمْرَاضِ اور مَقْوِیُّ الْقَلْبِ ہے۔ نماز چہرے اور دِل کو منور کرنے والی، جان کو فرحت بخشنے والی، اعضاء میں نشاط پیدا کرنے والی، کاہلی کو دُور کرنے والی، اللہ کے انعام کی محافظ، عذابِ الٰہی سے حفاظت کا سبب، شرح الصدور، رُوح کی غذا، شیطان کو دور کرنے والی اور حق سے قُرب دِلانے والی ہے۔ رُوح و بدن کی محافظت میں اس کو خاص دخل ہے، نیز دنیا اور آخرت کی مضرتوں کو دُور کرنے اور دونوں جہانوں میں نفع دینے میں اِس کو خصوصیت حاصل ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ''هَجَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَجَّرْتُ فَصَلَّيْتُ ثُمَّ جَلَسْتُ فَالْتَفَتَ إِلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَشِكَمَتْ دَرْدْ قُلْتُ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ قُمْ فَصَلِّ فَإِنَّ فِي الصَّلَاةِ شِفَاءً''[1] (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو میں بھی آپ کے ساتھ تھا، نماز کے بعد لیٹ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا کیا پیٹ میں درد ہے؟ عرض کیا جی ہاں فرمایا کہ اٹھ اور نماز پڑھ نماز میں شفا ہے)۔

حافظ ابن حجرؒ نے منبہات میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص نماز کی محافظت کرے اور اوقات کی پابندی سے اس کا اہتمام کرے تو حق تعالیٰ نو چیزوں کے ساتھ اس کا اکرام فرماتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس کو محبوب رکھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کو تندرستی عطا فرماتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ فرشتے اُس کی محافظت فرماتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ اس کے گھر میں برکت عطا فرماتے ہیں۔ پانچویں یہ کہ اس کے چہروں پر صلحاء کے اَنوار ظاہر ہوتے ہیں۔ چھٹے یہ کہ اس کا دل نرم فرماتے ہیں۔ ساتویں یہ کہ پُل صراط سے بجلی کی طرح گزر جانے والا بنا دیتے ہیں۔ آٹھویں یہ کہ جہنم سے نجات عطا فرماتے ہیں اور نویں یہ کہ جنت میں ایسے لوگوں کا پڑوس عطا فرماتے ہیں جن کے حق میں ''لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ'' فرمایا گیا ہے۔ (یعنی ان کو نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے) نماز کو دل کی بیماریوں کی دوا بھی کہا گیا ہے۔

---

[1] سنن ابن ماجہ، حدیث ۳۴۴۹، جلد ۱۰، صفحہ ۲۶۵۔

نماز دل کی بیماریوں کی دوا ہے

پانچ چیزوں میں دل کی بیماریوں کیلئے شفا ہے۔ ایک تلاوت قرآن اور اس کے معنوں پر غور کرنا۔ دوسرا پیٹ کو زائد از ضرورت غذا سے خالی رکھنا۔ تیسرا رات کو نماز یعنی تہجد پڑھنا۔ چوتھا رات کے آخری حصہ میں اللہ کے سامنے اِلحاح وزاری اور دعا کرنا۔ پانچواں نیک لوگوں کی صحبت کرنا۔

قرآن شفاء ہے

قرآن کی ہر آیت اور بالخصوص سُورۂ فاتحہ میں شفاء ہے۔ روایات میں ہے اور تجربے سے بھی ثابت ہے کہ الحمد شریف کو پڑھ کر دم کرنے سے بہت سی بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ الحمد شریف کی افادیت کے پیش نظر اس کتاب میں اس کی خصوصیات کو (''سورۂ فاتحہ اور اس کے مخفی اثرات'' کے بیان میں) تفصیل سے لکھ دیا گیا ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ ایک ماہر طبیب مدینہ شریف میں وارد ہوا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کرنے لگا کہ میں مدینہ شریف میں قیام کرنا چاہتا ہوں تاکہ مسلمانوں کا علاج کیا کروں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو قیام کی اجازت مرحمت فرمائی اور وہ وہیں پر رہنے لگا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ حضور میں تو تمام دن بیٹھا رہتا ہوں، یہاں کوئی مریض میرے پاس نہیں آتا۔ کیا مدینہ شریف کے لوگ بیمار نہیں ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا۔ ''نَحْنُ قَوْمٌ لَا نَاْكُلُ حَتّٰى نَجُوْعَ وَاِذَا اَكَلْنَا لَا نَشْبَعُ'' (ہم ایک ایسی قوم ہیں کہ جب تک ہمیں بھوک نہ ہو ہم نہیں کھاتے اور جب کھائیں تو پیٹ بھر کر نہیں کھاتے)۔ احادیث میں ذکر ہے کہ صرف وضو کے وقت مسواک کر لینے کی برکت میں سے یہ ہے کہ اس میں ستر بیماریوں سے شفا ملتی ہے۔ یہ موضوع بہت طوالت طلب ہے مگر خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس گھر میں لوگ نماز پڑھتے ہوں اس گھر میں بیماری شاذ و نادر ہی گھستی ہے۔

''تربیتِ عشاق'' میں نقل ہے کہ ایک پاکستانی ڈاکٹر امریکہ گئے تو وہاں انہوں نے ایک سینی ٹوریم دیکھا جس میں بیماریوں کی شفاء کیلئے مختلف پودے اور ساز یکجا کئے گئے تھے اور ان چیزوں سے پیدا ہونے والے ماحول کا اثر ایک آلہ میں ریکارڈ ہوتا تھا۔ اس میں مختلف قسم کے پرندے اور جانور بھی شامل کئے گئے تھے۔ اس کے علاوہ وہاں پرندوں اور سازوں کی آوازوں سے ایک عجیب قسم کا سماں پیدا کیا گیا تھا۔ ان کا خیال ہے کہ ان آوازوں کے سننے سے جسم پر ایسا اثر ہوتا ہے جو بیماریوں کو دور کرتا ہے۔ پھر ایک ایسا آلہ ایجاد کیا جس میں اس سینی ٹوریم کے اثرات معلوم ہو جاتے تھے۔ وہ اس بات پر تجربہ کر رہے تھے کہ کون سی آواز، ساز اور موسمی حالات ایسے ہیں جن سے مریض کی صحت پر اچھا اثر ہوتا ہے۔ دورانِ گفتگو وہاں کے ڈاکٹروں نے پاکستانی ڈاکٹر سے پوچھا کہ ہم نے سنا ہے کہ تمہارے ملک میں لوگ کچھ پڑھ کر دم کرتے ہیں جس سے مریض ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ وہ لوگ کیا پڑھتے ہیں؟...... پاکستانی ڈاکٹر نے کہا کہ ہمارے

صوفی لوگ کچھ پڑھتے ہیں۔ مجھے تو اس کا کوئی علم نہیں۔ پوچھا کہ وہ کس قسم کا کلام پڑھتے ہیں۔ انہوں نے کہا وہ قرآن میں سے کچھ آیات پڑھتے ہیں۔ امریکی ڈاکٹروں نے کہا۔ ''آپ قرآن میں سے کچھ پڑھیں۔ تا کہ ہم اس کا بھی تجربہ کر سکیں''۔ ڈاکٹر صاحب نے دل میں کہا کہ مجھے اَلْحَمْدُ شریف ہی آتی ہے وہی پڑھ دیتا ہوں۔ جب اَلْحَمْدُ شریف پڑھی تو امریکی ڈاکٹر نے اِس کلام کو چار بار دُہرانے کیلئے کہا اور آخر انہوں نے حیرانگی کے ساتھ بتایا کہ یہ نہایت عجیب بات ہے کہ جو اثرات اس سینی ٹوریم میں اتنا خرچ کرنے کے بعد حاصل ہوئے ہیں وہ صرف ایک بار الحمد شریف پڑھنے سے ہی حاصل ہو جاتے ہیں۔ دیکھئے آج سائنس والے ہی یہ ثابت کر رہے ہیں کہ قرآن میں شِفاء ہے، جیسا کہ قرآن بھی یہی کہتا رہا ہے مگر مسلمان اس پر یقین نہیں رکھتے۔ ''وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ'' (بنی اسرائیل: ۸۲) (اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں وہ چیزیں جو (باعث) شِفاء ہیں اور سراپا رحمت ہیں مومنوں کیلئے)۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان جن ذہنی، قلبی، جسمانی اور اخلاقی بیماریوں سے دوچار ہوتا ہے، اس نسخۂ کیمیا میں ان تمام روگوں کیلئے شفاء موجود ہے۔ غفلت، کدورت، شک و ارتیاب (شبہ) کی تاریکی اور کفر و شرک کی نجاست اِس کے فیض سے دُھل جاتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کو دیانتداری سے اپنا رہنما بنالیا جائے، پھر دیکھیئے کہ اِس میں سے کیا کیا چشمے پھوٹتے ہیں۔ افسوس کہ آج کے مسلمانوں نے دین اور قرآن کو پسِ پشت ڈال رکھا ہے اور وہ ایک عرصے سے دنیا کے ہر شعبے میں خسارے سے دوچار ہو رہے ہیں۔ دین کی خوبیوں کو دیکھتے ہوئے بھی اِس سے رُوگرداں ہیں اور ان کی موجودہ سیاہ بختی کا سبب بھی یہی ہے۔

راقم الحروف کو یقینِ کامل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں مفلسی، بیماری اور ہر مصیبت کا پکا اور سچا علاج موجود ہے جس کو ہم نے ہزاروں لوگوں پر آزمایا اور مؤثر پایا۔

نمازی کے اعزاز

مثنوی میں مولانا رومؒ نے ایک بادشاہ کے متعلق لکھا ہے کہ اس نے اپنے بیٹے کی شادی کسی زاہد اور پرہیز گار خاندان میں کرنا چاہی۔ ملکہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس نے کہا کہ شہزادے کی شادی کیلئے صاحبِ تقویٰ، صالح اور زُہد والے خاندان کو تلاش کیوں کرتے ہو، یہ خاندان تو ہمارے مقابلے میں عزت و مال کے اعتبار سے بہت کمتر ہے۔ بادشاہ نے کہا اے بیوقوف دور ہو جا تو نہیں جانتی کہ جو شخص دین کا غم اختیار کرتا ہے خدا اس کے تمام دنیاوی غموں کو دُور کر دیتا ہے۔

گفت رو ہر کو غمِ دیں برگزید — باقی غمہارا خدا ازوے برید[۱۳۸]

(کہا جاؤ جس کسی نے دین کا غم اختیار کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے باقی سب غم کاٹ لیے)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ دو بھائی چالیس دن کے وقفے میں فوت ہوئے تو

لوگوں نے پہلے کی تعریف کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا دوسرا مسلمان نہ تھا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ وہ بھی مسلمان تھا اور اس میں بھی کوئی برائی نہ تھی۔ آپ نے فرمایا کہ تم کیا جانو کہ اس کی نماز نے (جو اس نے اپنی بھائی سے چالیس دن زیادہ پڑھی) اسے کس درجے پر پہنچا دیا ہو۔ (یعنی ایک آدمی اگر چالیس دن کی نمازیں زیادہ پڑھ لیتا ہے تو وہ دوسرے سے ممتاز ہوگا جس نے چالیس دن اس سے کم نمازیں ادا کی ہیں)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس زمین پر نماز پڑھی جاتی ہے وہ زمین کا حصہ اپنی چاروں طرف والی زمین پر فخر کرتا ہے اور نہایت خوش ہو کر اس پر پڑھی جانے والی نماز کی وجہ سے پھولا نہیں سماتا، پھر اس کی خوشی کی انتہا ساتویں آسمان تک جاتی ہے۔ حصن حصین میں اسی قسم کی ایک روایت اللہ کا ذکر کرنے والوں کی شان میں بھی لکھی گئی ہے۔ نیک نمازیوں کی خاطر عذاب کا ٹال دیا جانا، دین و دنیا میں برکات کا نازل ہونا اور نماز کی دیگر بہت سی برکات واعزازات دوسرے ابواب میں بیان ہو چکے ہیں۔

عبادت کرنیوالوں کیلئے اللہ کے خصوصی انعامات

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی اطاعت پر جو انعامات بخشنے کا طریقہ اختیار فرمایا ہے وہ روزِ روشن کی طرح واضح ہے، لیکن مسلمان کی کوتاہ اندیشی دیکھیے کہ وہ ان حقیقتوں کو جانتے ہوئے بھی ان انعامات کو حاصل کرنے سے اعراض کیے ہوئے ہیں۔ اس اعراض کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ بھی ایسے مسلمانوں سے اعراض کر لیتے ہیں لہٰذا ایسی قوم کا انجام محرومی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

اس بات کو سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی عنایات دو طرح کی ہیں ایک تو عام عنایات جن کا ہر ہر کافر اور لادین طبقہ (ہندو، سکھ، عیسائی اور یہودی وغیرہ) ان کا مستحق ہوتا ہے اور دوسری قسم صرف مومنوں کیلئے خاص کی گئی ہے۔ پہلی قسم میں عالم اسباب کو زیادہ دخل ہے یعنی جو شخص اسباب کی شرط پوری کر لے تو وہ فتح یاب اور کامران ہو جائے گا۔ جو قوم اسباب کو پورا کر لیتی ہے وہ چاند پر پہنچ سکتی ہے...... اور جو لوگ کاہل، سست اور اسباب کے اصولوں سے غافل ہیں وہ دنیا میں ذلت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جو مومنوں کیلئے مختص ہے، اس میں بھی اسباب تو ضروری ہیں مگر مسبب الاسباب ان کے اسباب میں اس قدر اضافہ کر دیتا ہے کہ وہ پہلی قسم کے لوگوں سے بہت اعلیٰ اور ارفع درجات حاصل کر لیتے ہیں۔ بعض اوقات ان کے نیک اعمال کی کثرت اور مقبولیت کی وجہ سے اسباب قطعاً اٹھا دیئے جاتے ہیں لیکن یہ صرف بڑے بڑے بزرگوں کیلئے ہی روا ہوتا ہے۔ یہ بزرگ اگر دریا کو پار کرنا چاہیں تو انہیں کشتی کی حاجت نہیں ہوتی اور اگر کسی دور دراز علاقے میں جانا چاہیں تو بغیر سواری کے ہی چلے جاتے ہیں۔ اس باب کا یہ مضمون مذکورہ بالا دوسری قسم سے تعلق رکھتا ہے اور اس میں اس بات کی تفصیل دی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت گزاری اور عبادت کے سبب مومنوں کے ساتھ دوسرے لوگوں کی نسبت کس طرح بہتر سلوک کرتا ہے اور مسلمانوں کو دوسروں کے مقابلے میں کیا مراعات بخشی جاتی

ہیں، گویا یہ بیان نافرمانوں اور اطاعت گزاروں میں واضح فرق کی نشان دہی کرے گا۔ اللہ اللہ کرنے والوں کے کچھ خصوصی انعامات حسبِ ذیل ہیں جو دوسروں کو ہرگز نہیں عطا کیے جاتے۔

ا۔ سیدھے راستے کی ہدایت کا عطا ہونا

زندگی میں کئی ایسے مشکل مقام آتے ہیں جس میں لوگ پھنس کر رہ جاتے ہیں اور پوری عمر ان مصائب سے نکل نہیں پاتے۔ ان کو ان مشکلات سے نکلنے کی راہ سمجھ میں نہیں آتی، مگر مومنین کیلئے سورہ یونس کی آیت نمبر ۱۰۳ میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ مومنین کو نجات کی راہ عطا فرمائے گا جیسے فرمایا۔ ''حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ'' (یہ ہمارا ذمہ ہے کہ ہم انہیں بچالیں گے)۔ گویا ہمارے ذمے ان کا حق ہے کہ ہم ان ایمان والوں کو نجات کی راہ دکھائیں۔ ایک جگہ فرمایا۔ ''إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيْمَانِهِمْ'' (یونس:۹) (یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کا رب ان کو (منزل مقصود تک) ہدایت دے گا، ان کے ایمان کے باعث)۔ اور ایک جگہ یوں فرمایا ''وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ'' (العنکبوت:۶۹) (جو (بلند ہمت ہم کو راضی کرنے کیلئے) مجاہدے کرتے ہیں تو ہم ضرور دکھا دیں گے ان کو اپنے راستے، بے شک اللہ ہر وقت نیکوں کے ساتھ ہے)۔

مذکورہ آیت میں ہدایت کا معنی ایسی چیز ہے جو مطلوب تک پہنچا دے اور سُبُلُ کے معنی وہ راستے ہیں جو مطلوب یا منزل تک پہنچا دیں۔ عبادت گزار لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ مشکلات کا صحیح صحیح حل ان کے ذہنوں میں ڈال کر تنگیوں سے باہر نکال دیتے ہیں اور اپنی طرف آنے کی رہنمائی کے راستے کھول دیتے ہیں۔ اولیائے کرام کے سامنے تو ہر چیز منکشف کر دی جاتی ہے۔ اور کبھی کشف کے علاوہ سچے خوابوں سے بھی رہنمائی کر دی جاتی ہے۔ اگرچہ کفار بھی اپنے گیان دھیان یا لگاؤ سے کچھ معلوم کر لیتے ہیں مگر ان دونوں کے انکشافات میں زمین آسمان جتنا فرق ہوتا ہے جس کو بیان کرنا یہاں ممکن نہیں۔ مسلمانوں کو مراقبہ میں القاء ہونا بھی مطلوب تک رسائی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس سلسلے میں چند صفحات قبل آپ سائنس دانوں کی نظر میں عبادت کے اثرات کے مضمون کا مطالعہ ''قرآن شفا ہے'' کے عنوان کے تحت فرما چکے ہیں۔

۲۔ قبولیتِ دعا کے دروازے کھل جاتے ہیں

یوں تو اللہ تعالیٰ ہر شخص کی دعا کو سنتا ہے اور جب چاہتا ہے بلا امتیازِ مذہب قبول کر لیتا ہے خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان، مگر یہ صرف مومن کی زبان کو ہی شرف بخشا گیا ہے کہ ''گفتہ او گفتہ اللہ بود'' (کہ اس کا کہنا اللہ کی زبان سے کہا ہوا بن جاتا ہے)۔ اس کے علاوہ نیک لوگوں کیلئے شرف قبولیت کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ ''وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِنْ فَضْلِهٖ'' (وہی قبول کرتا ہے دعائیں ان لوگوں کی جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ان کے حق سے بھی زیادہ انہیں اجر

عطا کرتا ہے اپنے فضل سے)(الشوریٰ:۲۶)۔قبولیتِ دعا کیلئے اس کتاب کے اخیر میں ''دعا'' کا باب ملاحظہ فرمائیں۔ جہاں کافی وضاحت سے نیکوں کی دعاؤں کا قبول ہونا بیان کر دیا گیا ہے۔

۳۔رزق میں برکت ہوتی ہے

عبادات اور بالخصوص نماز کے ادا کرنے سے رزق میں برکت رکھی گئی ہے۔سورۂ طٰہٰ کی آیت ۱۳۱ جو گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہے، اس میں فرمانِ الٰہی ہے کہ ''اپنے گھر والوں کو حکم دیں، اور خود بھی نماز کی پابندی کرتے رہیے، ہم آپ سے روزی کا سوال نہیں کرتے بلکہ ہم ہی آپ کو روزی دیتے ہیں''۔مفسرین نے اس آیت کی تشریح میں لکھا ہے کہ رزق کے خزانوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور جو اس کی شکر گزاری کرے گا اس کو وہ رزق بھی زیادہ عطا فرماتا ہے۔ایک جگہ مشکلات کو نماز سے دفع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔قرآن میں نہایت لطیف مگر واضح اشارات موجود ہیں فرمایا ''اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں اتنا کھلا رزق دے دیا جائے گا کہ کچھ حاجت نہ رہے گی''۔ایک اور جگہ فرمایا ہے۔''وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ''(الذاریات:۲۲) (تمہارا رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، آسمان میں ہے)۔اس آیت میں یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ تمہارا رزق آسمان سے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ آسمان والے سے تعلق قائم کر لو اور جو ایسا کرے گا اسے آسمان سے ہر شے ملے گی۔

منقول ہے کہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا کرتا اور دستِ سوال دراز کرتا۔آپ ہمیشہ اسے کچھ نہ کچھ عطا فرما دیتے لیکن ایک مرتبہ آپ نے پوچھا ''اے شخص عمر کا دروازہ اچھا ہے یا اللہ کا''اس نے کہا کہ دروازہ تو اللہ کا ہی اچھا ہے۔حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر جاؤ اور قرآن کو پڑھو شاید تمہیں فہم نصیب ہو، وہ شخص گیا اور پھر کبھی نہ آیا۔آپ نے اس کے متعلق دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ اب وہ کہیں بھی جا کر سوال نہیں کرتا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا چلو اس سے حال دریافت کرتے ہیں۔آپ گئے اور اس سے نہ آنے کا سبب دریافت فرمایا تو اس نے کہا کہ آپ نے ہی تو فرمایا تھا کہ جاؤ اور قرآن پڑھو چنانچہ میں نے قرآن پڑھا اور اب مجھے ہر چیز گھر بیٹھے بٹھائے ہی مل جاتی ہے۔آپ نے پوچھا کہ قرآن میں تم نے کیا پڑھا؟ کہا جب میں نے قرآن کھولا تو یہ آیت نظر آئی ''وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ''(الذاریٰت:۲۲) جب میں نے آیت پڑھی تو سوچا کہ جب میرا رزق آسمانوں پر ہے تو میں اسے زمین پر کیوں ڈھونڈتا ہوں۔بس اسی دن سے میں نے آسمان والے سے دوستی لگا لی اور اب مجھے ہر شے گھر بیٹھے مل جاتی ہے۔(جیسے حضرت مریم علیہا السلام کو ہر شے ملتی تھی)اس کا یہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ زار و قطار رونے لگے۔راقم الحروف نے بھی اس روایت کی حقیقت کو درست پایا ہے۔

مشہور صوفی بزرگ حضرت شفیق بلخی ؒ کا قول ہے کہ ہم نے پانچ چیزیں تلاش کیں اور ان کو پانچ برابر جگہ

پر پایا۔ اول، روزی کی برکت چاشت کی نماز میں۔ دوم، قبر کی روشنی تہجد کی نماز میں۔ سوم، منکر نکیر کا سوال طلب کیا تو اسے قرأت میں پایا۔ چہارم، پل صراط کو بہ سہولت پار کرنا روزہ اور صدقہ میں پایا۔ اور پنجم عرش کا سایہ خلوت میں پایا۔ سورۂ انبیاء کے آخری رکوع میں ہے "وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُوْنَ" (ہم نے زبور میں لکھ دیا ہے کہ میری زمین کے وارث نیک بندے ہوں گے اور یہ کہ ان باتوں میں عبادت گزاروں کیلئے کھلے اشارات موجود ہیں)۔ چنانچہ اگر دین کی راہ پر چلنے کی کوشش کی جائے تو رحمت باری لبیک کر آتی ہے۔ مگر افسوس کہ مسلمان کو اس پر یقین نہیں۔

روپیہ پیسہ یا رزق ایک ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے اکثر لوگ اپنا ایمان بیچ دیتے ہیں۔ چونکہ دو ٹکے کے فائدے کیلئے لوگ دین کی زندگی کو خیر باد کہنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں اور پیسہ ہی مسلمان کو کفر کی حدود تک لے جاتا ہے، اس لئے اس موضوع پر ایک نہایت بسیط گفتگو ہماری ایک تصنیف "اکتسابِ رزق اور انفاق" میں ملاحظہ فرمائیں جو عنقریب شائع ہونے والی ہے۔

اولیاء کرام کا فقر اختیاری ہوتا ہے

عبادت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ رزق بے حساب اور فراخ عطا فرماتے ہیں۔ انہیں زندگی میں چین اور اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ اللہ اللہ کرنے والے قلت اور فاقہ کا شکار نہیں ہوتے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنے لئے کچھ نہ رکھیں اور دوسروں کیلئے ایثار کر دیں اور خود روکھی سوکھی کھا کر اپنا پیٹ بھر لیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کیلئے فراخیٔ رزق پسند نہیں فرماتے اور ان کیلئے آخرت کی نعمتوں اور خزانوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔

بغور مطالعہ کے بعد معلوم ہوگا کہ تمام اولیائے کرامؒ نے اپنی زندگیاں اس حالت میں گزار دیں کہ خود اپنے لیے کچھ نہ رکھتے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے زمانۂ خلافت میں ایک شخص ایک مسجد میں اپنے سفر کے دوران افطاری کیلئے گیا اور شام کے وقت لنگر سے کھانا لے کر مسجد میں آ کر بیٹھ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ساتھ ہی ایک نوجوان اور ایک بوڑھا سوکھی روٹی پانی میں ڈبو کر نرم کر رہے ہیں۔ اس نے بوڑھے سے کہا کہ بابا تم بھی جا کر لنگر سے اچھا کھانا کیوں نہیں لے آتے، سوکھی روٹی کیوں کھا رہے ہو؟ تو اس جوان نے جو کہ پاس ہی بیٹھا ہوا تھا کہا کہ میں حسین رضی اللہ عنہ ہوں اور یہ میرے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ لنگر ان کے ذاتی خرچ سے ہی چل رہا ہے مگر خود سوکھی روٹی کھاتے ہیں اور لوگوں کیلئے اچھے کھانوں کا بندوبست کرتے ہیں۔

منقول ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک بار ایک لاکھ درہم بطور ہدیہ آئے۔ آپ نے شام سے پہلے ہی تمام درہم تقسیم کر دیئے۔ شام کو جب خادمہ نے کہا کہ آپ افطار میں گوشت پکانے کیلئے کچھ پیسہ رکھ لیتیں تو فرمایا کہ تم مجھے پہلے یاد کروا دیتی تو میں تمہیں کچھ درہم گوشت کیلئے دے دیتی۔ نیک لوگوں کی

زندگی کی سب سے بڑی علامت ان کا زہد اور اطاعتِ الٰہی ہے۔ مال و منال کا ہونا یا نہ ہونا فقر کی علامت نہیں۔ فقر کی بنیاد اتباعِ شریعت اور سنتِ رسول ﷺ کی پیروی کرنا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی کوئی بدکار انسان نیکی کا عمل کرے تو اس کا اجر اس کو دنیا میں ہی دے دیا جاتا ہے اور رزق کشادہ ہو جاتا ہے لیکن یہ کشادگی بزرگی یا نیکی کی علامت نہیں، کیونکہ نیکی اور خیرات وغیرہ فرائض کی ادائیگی کے بغیر قبول نہیں کی جاتیں۔ دنیا اولیاء کرام کے ہاتھ میں ہوتی ہے، دل میں نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دعا فرمایا کرتے تھے۔ ''اَللّٰھُمَّ ابْسِطْ لِیَ الدُّنْیَا وَزَھِّدْنِیْ فِیْھَا'' (اے اللہ میرے لیے دنیا کو فراخ کر دے اور مجھے دنیا میں زہد عطا فرما)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ دعا فرمایا کرتے تھے۔ ''اَللّٰھُمَّ تَنْزِعُ الدُّنْیَا مِنْ قَلْبِیْ وَلاَ تَنْزِعُھَا مِنْ یَدِیْ'' (اے اللہ میرے دل کو دنیا سے خالی رکھ لیکن ہاتھوں کو دنیا سے خالی نہ رکھ)۔

حضرت زہریؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں سے خلافت پر بیعت لی تو آپ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا ''خدا کی قسم میں اس خلافت اور امارت کا حریص اور طمع نہ کرتا تھا اور کسی رات دن میں اس کی خواہش میرے دل میں نہیں ہوئی اور میری رغبت اس طرف نہیں اور نہ ہی میں نے کبھی اللہ کے حضور خفیہ و اعلانیہ اس کیلئے دعا کی اور مجھے اس میں کوئی راحت اور خوشی نہیں ہے''۔[1]

جیسا کہ سورۂ احقاف کی آیت ۲۰ میں ہے کہ کفار اپنا رزق اور مقدر دنیا میں ہی پورا وصول کر لیتے ہیں۔ ''وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَلَی النَّارِ اَذْھَبْتُمْ طَیِّبَاتِکُمْ فِیْ حَیَاتِکُمُ الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِھَا فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ بِمَا کُنْتُمْ تَسْتَکْبِرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَبِمَا کُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ'' (اور جس دن کافر لوگ آتشِ دوزخ کے سامنے پیش کیے جائیں گے (تو ان سے کہا جائے گا)، تم اپنی لذیذ و مرغوب چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں ہی حاصل کر چکے اور ان سے (خوب) نفع اندوز بھی ہو چکے۔ پس آج کے دن تمہیں ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی اس وجہ سے کہ تم زمین میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے (بھی) کہ تم نافرمانی کیا کرتے تھے) (الاحقاف: ۲۰)۔ غرضیکہ نیک مسلمان جو اس دنیا میں عبادت کریں گے ان کا حصہ اگلے جہاں میں ہوگا اور اس جہان میں بھی ملے گا لیکن کفار کو ان کے اعمال کا اجر دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے۔

۴۔ عبادت میں دکھوں سے نجات ہے

دکھوں کی بہت سی صورتیں ہیں۔ کہیں مقدمہ بازی، دشمنی، لڑائی جھگڑے، کہیں بے سکونی، خوف و ہراس، کہیں پولیس اور حکومت کی پکڑ دھکڑ، کہیں فقر و فاقہ، یہ سب لادینی زندگی کے ماحصل ہیں۔ جہاں خلوص اور عبادت کے ساتھ گناہوں سے توبہ ہوگی وہاں کوئی پریشانی نہیں رہے گی۔ ایسے لوگوں کیلئے قرآن گواہی دیتا

---

[1] السیرۃ الحلبیہ علی بن برھان الحلبی، متوفی ۱۰۴۴ھ، جلد ۳، صفحہ ۲۹۹، دارالمعرفہ، بیروت۔

ہے کہ انہیں کسی قسم کا خوف و ملال نہ رہے گا۔" أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ "
(یونس: ۶۲) (یاد رکھو کہ اللہ کے دوستوں کو کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ انہیں کوئی پریشانی ہوگی)۔ مزید فرمان الٰہی
ہے۔" وَيُنَجِّي اللهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ " (الزمر: ۶۱) (اور اللہ تعالیٰ نیک بندوں کو ہر الجھن سے
کامیاب بنا کر نکالتا ہے۔ انہیں نہ کوئی دکھ ستاتا ہے اور نہ پریشانی)۔

علامہ قرطبیؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے کہ" قیامت
کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال سمیت میدان حشر میں حاضر کرے گا۔ مومن کے عمل کی شکل بڑی
خوبصورت اور اس کی مہک بڑی دل افروز ہوگی۔ جب کہیں خوف اور ڈر ہوگا تو وہ اسے تسلی دیتے ہوئے کہے گا
کہ تم مت گھبراؤ۔ یہ خوف اور ڈر تمہارے لیے نہیں ہے۔ وہ مومن کہے گا کہ تو نے مجھ پر بڑے احسان کیے ہیں
تو ہے کون؟ وہ جواب دے گا کہ تم مجھے نہیں پہچانتے۔ میں تمہارا نیک عمل ہوں۔ دنیا میں تو نے میرے بوجھ کو
اٹھائے رکھا۔ اب تمہیں میں اٹھاؤں گا اور تجھ سے ہر مصیبت کو دُور کروں گا"۔[1] اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ
نے مندرجہ بالا آیت میں فرمایا ہے۔ ایسے ہی ایک دوسری جگہ فرمایا" وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ " (العنکبوت: ۷) (ہم نیک اور
ایماندار لوگوں کے دکھ درد یقیناً دور کر دیں گے اور ہم بہت عمدہ بدلہ دیں گے (ان کو اعمال کا) جو وہ کیا کرتے
تھے)۔ یہاں بھی سَيِّئَاتِهِمْ سے مراد دکھ درد ہیں۔ ایک اور جگہ ارشاد باری ہے۔" فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا
يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى " (طٰہٰ: ۱۲۳) (تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی وہ نہ بھٹکے گا نہ بدنصیب ہوگا)۔

۵۔ عبادت کی وجہ سے بات میں وزن ہونا

اپنے عبادت گزار بندوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت عطا فرمائی ہے کہ اگرچہ ان کی قابلیت دوسرے
مذاہب والوں کے برابر ہو تو بھی وہ اپنے اسلامی شعار کی وجہ سے اپنے دائرۂ فن میں دوسرے مذہب والوں
سے ہر طرح فوقیت رکھیں گے۔ علماء اور ماہرین ہر مذہب میں ہوتے ہیں۔ مگر اسلام کے علماء اور ماہرین کا ہم
پلہ کوئی نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ مسلمانوں میں بھی یہی امتیاز قائم رہے گا، یعنی جو زاہد اور متقی ہوتا ہے وہ عام مسلمانوں
سے مختلف وزن رکھتا ہے بلکہ ان میں جو سب سے زیادہ نیک اور مجاہدات کرنے والا ہو تو اس کا ہم پلہ مسلمانوں
میں بھی کوئی شاید اور باید ہی ہو۔ داتا گنج بخشؒ جیسے بزرگ کا کہیں نظر آنا مشکل ہے۔ امام غزالیؒ کے پایہ کا عالم
صرف ایک ہی ہوا، جنیدؒ اور بایزید بسطامیؒ اپنی مثال آپ تھے اور دوسرا کوئی رومیؒ پیدا نہ ہو سکا۔ اقبال جیسا
اقبال کسی کا نہ ہوا۔ اقبالؒ نے خود فرمایا۔

نہ اٹھا پھر کوئی رومیؔ، عجم کے لالہ زاروں سے   وہی آب و گلِ ایراں وہی تبریز ہے ساقی

---

[1] تفسیر روح البیان، جلد ۵، صفحہ ۳۰۰۔

علامہؒ نے اپنے لیے بھی خود فرمایا کہ میں رومی کے قافلہ شوق کا ایک راہی ہوں۔

تو بھی ہے اِسی قافلۂ شوق میں اقبال جس قافلۂ شوق کا سالار ہے رُومیؒ (۳۹)

غیر مسلموں کی مثالوں پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ قانی بھی شاعر تھا اور سعدیؒ بھی شاعر تھے۔

ابنِ طولون مصریؒ نے ساڑھے سات سو کتابیں تصنیف کیں اور رومیؒ کی تصانیف ابنِ طولون سے زیادہ نہ تھیں مگر دونوں کی شہرت میں کس قدر فرق ہے۔ اسی طرح سعدی اور رومی کا جو مقام ہے، ان میں سے کسی اور کا نہ تھا۔ کیا امام حنبلؒ اور امام غزالیؒ، حریریؒ اور بدیع الزماںؒ سے بہتر عربی لکھ سکتے تھے؟ مگر امام حنبلؒ اور امام غزالیؒ کی بات ان میں نہیں تھی۔ قابلیت، زبان دانی، علم و ہنر تو سب کا ایک ہی تھا مگر جن کا رابطہ اللہ سے تھا وہ تو ایک چیز دیگر بن گئے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کفر کی حالت میں جنگِ اُحد میں شکست کھائی مگر جب انہوں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدم بوسی کی تو لوگوں کا خیال اتنا راسخ ہو گیا تھا کہ وہ یہ سمجھنے لگے کہ اسلامی فتوحات خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ہی ہو رہی تھیں۔ لوگوں کے اس ظن کو ختم کرنے کیلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں سپہ سالاری سے الگ کیا تا کہ لوگوں کے دل میں ایسا خیال پیدا نہ ہو۔

غلامیٔ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاثیر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگر اسلام کے حلقہ بگوش نہ ہوتے تو شاید ان کا دنیا میں نام لینے والا کوئی نہ ہوتا مگر اسلام میں آنے کے بعد قیصر و کسریٰ کے در و دیوار ان کا نام سن کر لرزہ براندام ہو جاتے۔ ان کا اپنا قول ہے کہ اسلام سے پہلے میرے والد مجھے اس بات پر ڈانٹتے تھے کہ ان ایام میں میرے لیے دس اونٹوں کو بھی سنبھالنا مشکل تھا، مگر غلامیٔ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آنے کے بعد اتنی وسیع مملکت کے سنبھالنے کی اِستعداد پیدا کر لی۔ آپ کی حکومت کا جلال ایسا تھا کہ تاریخ ایسے حکمران کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ وہ صحابہ کرام در رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر نگاہِ فیض رساں سے فیض حاصل کرتے تھے انہوں نے زمانے کو بتا دیا کہ یہ انہی کا حصہ تھا جو پورے عالم میں ان کی نظیر نہیں ہے۔ جعفر طاہر کا شعر کچھ ترمیم کے ساتھ پیش ہے

اٹھتی تھی کس طرح میرے آقا کی چشمِ فیض   وہ لوگ پھر ملے نہ وہ بستی نظر پڑی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر جن صحابہ پر پڑی ان کی بستی کی کایا پلٹ گئی۔ اس کے بعد ایسے لوگ پورے عالم میں نظر نہ آئے۔ روایات میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وصال کا دن تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کیلئے جراح کو لینے کیلئے گئے مگر اچانک راستے سے ہی پلٹ آئے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وصال کا اندازہ ان کو راستے ہی میں ہو گیا تھا۔ جب لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انتقال فرما گئے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے راستے میں دیکھا کہ ایک بکری دوسرے شخص کے کھیت میں منہ مارنے لگی ہے تو اس سے میں سمجھ گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا ہے ورنہ ان کے زمانۂ خلافت میں کسی بکری کو یہ مجال نہیں

ہوتی تھی کہ غیر شخص کے کھیت میں منہ مارتی۔

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہر مسلمان جو اسلام میں داخل ہوا وہ مثال میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح اپنی اِستعداد کے مطابق حیرت انگیز تبدیلیوں کا مظہر بنا۔ ان سب تبدیلیوں کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی پر مہربان ہوتا ہے تو دنیا میں اس کا نام ایک منادی کے ذریعے سب پر مُشتہر کر دیا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''إِذَا أَحَبَّ اللهُ عَبْدًا نَادٰی جِبْرِيْلَ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ فَيُحِبُّهُ جِبْرِيْلُ فَيُنَادِي جِبْرِيْلُ فِي أَهْلِ السَّمَاءِ اِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوْهُ فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِي أَهْلِ الْأَرْضِ''[۱] (جب اللہ تعالیٰ کسی کو دوست رکھتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو فرما دیتا ہے کہ اے جبریل علیہ السلام فلاں شخص کو میں دوست رکھتا ہوں تم بھی اسے دوست رکھو۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام یہ اعلان فرشتوں میں کرتے ہیں اور فرشتے اہلِ زمین میں اس کی منادی کر دیتے ہیں لہٰذا زمین والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں)۔ گویا جب خدا راضی ہو جائے تو سارا زمانہ راضی ہو جاتا ہے۔ مرزا غالب کا شعر ہے کہ ؎

سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا ۔۔۔ مجھ پہ گویا اِک زمانہ مہرباں ہو جائے گا

نٹشے اور اقبالؒ

عبادت کی وجہ سے بات میں وزن ہونے کی ایک اور دلچسپ مثال یہ ہے کہ نٹشے اقبالؒ سے کم قابل نہ تھا۔ مگر جو مقامِ اقبال کو ملا، نٹشے اس کے قریب سے بھی گزر نہ سکا۔ علامہ اقبالؒ اس کے بارے میں خود فرماتے ہیں۔

اگر ہوتا وہ مجذوبِ فرنگی اِس زمانے میں ۔۔۔ تو اقبالؒ اس کو سمجھاتا مقامِ کبریا کیا ہے

اُو بہ ''لا'' درماند و تا اِلاّ نہ رفت ۔۔۔ از مقامِ عَبْدُهٗ بیگانہ رفت[۱۴۰]

(یہ کم بخت لا تک رسائی حاصل کرنے کے بعد رُک گیا اور اِلاّ تک نہ پہنچ سکا، چنانچہ عَبْدُهٗ کے مقام سے بیگانہ رہ گیا)

نٹشے کی بے مائیگی کا اعلان علامہؒ نے بہت خوب انداز میں کہا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

نہ دیا نشانِ منزل مجھے اے حکیم تو نے ۔۔۔ مجھے کیا گلہ ہو تجھ سے نہ تو رہ نشیں نہ راہی[۱۴۱]

یہ تمام بلندیاں اور فنی کمال کی رفعتیں اِس بارگاہِ لَمْ یَزَلْ میں سجدہ ریز ہونے سے ہی آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات لافانی ہے اور اس کے انعامات بھی لافانی اور ابدی ہیں، چنانچہ جو اس سے رابطہ قائم کرتا ہے وہ بھی لافانی ہو جاتا ہے۔ ہماری کتاب ''اِسلام رُوحانیت اور فکرِ اقبال'' میں ''مقامِ آدم'' کے عنوان کے تحت اس کی تفصیل ملاحظہ کریں۔

۶۔ عبادت سے نُور عطا ہوتا ہے

''نماز کی اہمیت'' کے عنوان کے تحت پہلے بہت کچھ بیان ہو چکا ہے۔ مزید یہ کہ نمازیوں کے چہروں پر اطاعتِ الٰہی کی وجہ سے ایک نُور مِن جانب اللہ عطا ہوتا ہے۔ یہ نُورانیت دنیا میں بھی ایک علامت کے طور پر

ان کے چہروں پر نمایاں ہوتی ہے اور آخرت میں بھی یہ نور ان کے آگے پیچھے روشنی کرے گا۔ قبر کی روشنی بھی انہی صالح اعمال کے نُور سے ہوگی۔ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم نے کافروں اور کئی بدکار عورتوں کے چہروں پر حُسن اور نُورانیت دیکھی ہے اور کہتے ہیں کہ ہم نورانیت کو اطاعت گزاروں کے ساتھ مخصوص ہونا نہیں سمجھتے۔ ایسے لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اوّل تو چہروں کی چمک اور نور میں بہت فرق ہوتا ہے، ان عورتوں کے چہروں کی چمک محض حسن و جوانی اور میک اَپ کی آمیزش سے ہوتی ہے، مگر نورانیت ایک الگ چیز ہے۔ دوسرے یہ کہ چہروں کی چمک کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں۔ چمک کی کچھ قسمیں مصنوعی اور تھوڑی مدت کیلئے ہوتی ہیں جو ایک عرصے کے بعد ختم ہو جاتی ہیں۔ مثلاً بچپن کا نُور دو ایک سال تک کیلئے ہوتا ہے۔ جوانی کی چمک بھی ہوتی ہے اور وہ تیس چالیس سال کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ غذا، ورزش اور صحت کی چمک یا حسن بھی تقریباً پچاس سال کی عمر تک شاذ و نادر ہی رہتا ہے اور پھر ایک وقت آتا ہے کہ ان لوگوں کے چہروں کی ہڈیاں ٹیڑھی ہو جاتی ہیں۔ منہ پر نحوست، معصیت اور کراہت صاف ٹپکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہ لوگ خواہ بوڑھے ہوں یا جوان ان کی آنکھوں میں ان کی بداعمالیوں کی داستانیں اپنے پورے رنگ میں ٹپکتی ہیں۔ جو لوگ گناہ کبیرہ کے مرتکب رہتے ہیں اور توبہ بھی نہیں کرتے ان کی شکلوں پر بدحواسی، ظلمت اور راندۂ درگاہ ہونے کے آثار جھلکتے ہوئے نظر آتے ہیں خواہ وہ خوش شکل ہی کیوں نہ ہوں۔ لیکن دیکھنے والے دیکھ لیتے ہیں۔ ان کے چہرے ان کے اعمال اور چال چلن کی غمازی کرتے ہیں۔ شراب، رشوت، بدقماشی اور بدکاری کے گناہ ان کے چہروں سے عیاں ہوتے ہیں۔ لوگوں کی بدکاریاں بزرگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔ (وضو کے باب میں اس کی کچھ مثالیں دے دی گئی ہیں)۔

چہروں کے نور کی پہچان

عزّ الدّین عبدالعزیز بن عبدالسّلامؒ بہت بڑے عالِم اور صاحب تصنیف ہو گزرے ہیں۔ پہلے یہ صوفیوں کے خلاف تھے مگر جب ابوالحسن شاذلیؒ سے بیعت کی تو ان کی فضیلت اور کمال کے معترف ہو گئے۔ آپ نے شمس العلماء کا خطاب پایا اور خود بھی صاحب کرامات ہوئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ صوفیاء کی کرامات کے منکر ہیں وہ ان کی برکات سے محروم رہتے ہیں۔ عزالدینؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان لوگوں کو دیکھا ہے کہ جو فقراء کے طریقے کو جانے بغیر اعتراض کرتے رہتے ہیں ان کے چہرے بے رونق رہتے ہیں اور ان پر غضب خداوندی اور راندۂ درگاہ ہونے کی ایسی علامات پائی جاتی ہیں جو اہل بصیرت سے پوشیدہ نہیں ہوتیں۔ ایسے لوگوں کے علم سے بھی کسی کو فائدہ نہیں پہنچتا۔ ان کے اس تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ چہروں کی شناخت کرنا کوئی مشکل امر نہیں۔ اس قسم کی روایات اولیائے کرام کے تذکروں میں بہت ملتی ہیں۔ ولی اللہ اور اہل صفاء کے چہروں کی چمک ایسی ہوتی ہے جو مرتے دم تک بڑھتی ہی رہتی ہے اور کم نہیں ہوتی بلکہ ان کی

قبروں پر بھی نُور برستا نظر آتا ہے۔ عبادت سے جو کیفیات عارفین کی صورتوں سے نمودار ہوتی ہیں، ان کو اہلِ نظر ہی پہچان سکتے ہیں۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جو کیفیت وضو کرنے کے بعد محسوس ہوتی ہے وہ وضو سے پہلے نہیں ہوتی۔ جب وضو کر لینے کے عمل سے ہی کیفیت میں فرق محسوس ہو جاتا ہے تو پھر صوفیوں کے بڑے بڑے مجاہدات اور اعمالِ متبرّکہ سے کیا کچھ کیفیات میسّر نہ آتی ہوں گی؟ جو لوگ ذکر اور مُراقبہ پر مہارت رکھتے ہیں، انہیں معلوم ہے کہ صرف پانچ منٹ ذکرِ خفی یا مُراقبہ کر لینے سے کیفیاتِ قلبی میں کس قدر طوفان اٹھ آتا ہے۔ راتوں کو بیداری اور عبادت میں وقت صرف کرنے والے صوفیا یہ جانتے ہیں کہ دن کے وقت ان کے چہروں پر کس قدر جگمگاہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ قرآن بھی اس نور کی جابجا تصدیق کرتا ہے۔ ”وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ“ (الحدید:۱۹) (جو لوگ خدا اور اس کے رسُولوں پر ایمان لاتے ہیں وہ اللہ کے ہاں صدّیقین اور شہداء کا رتبہ پاتے ہیں، انہیں انکا اجر بھی ملتا ہے اور نور بھی)۔

۷۔ عبادت سے دانش عطا ہوتی ہے

عقل کا مدار ایمان، عبادت اور اعمالِ صالح پر ہے۔ ویسے تو بہت سے لوگ دیکھنے میں عقلمند معلوم ہوتے ہیں مگر وہ عقلِ سلیم اور عقلِ کاملہ مطلوبہ سے محروم ہوتے ہیں۔ عبداللہ بن اُبی، جد بن قیس اور معقب بن قیشر، شکل و صورت کے اعتبار سے بڑے خوبصورت تھے۔ نگاہیں ان کے چہروں پر جم کر رہ جاتی تھیں۔ ان کی باتیں سن کر لوگ عش عش کر اٹھتے تھے۔ سورۂ منافقون میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ”وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ“ (اور جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے جسم آپ کو بہت خوشنما معلوم ہوں گے اور اگر وہ گفتگو کریں تو توجہ سے آپ ان کی بات کو سنیں گے (درحقیقت) وہ (بیکار) لکڑیوں کی مانند ہیں جو دیوار کے ساتھ کھڑی کر دی گئی ہوں) (المنافقون:۴)۔ اگر ان منافقین کی گفتگو سنی جائے تو اس میں بڑی جاذبیّت اور اثر ہوتا ہے لیکن اگر ان کی حقیقت پر نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ جمالی خربوزے ہیں باہر سے خوبصورت اندر سے پھیکے۔ ان میں انسانی خوبیوں اور کمالات کا نام ونشان تک نہیں ہوتا اور یہ اس بیکار لکڑی کی طرح ہیں جو دیوار کے ساتھ کھڑی کر دی جاتی ہے اور اس کو محض آگ جلانے کے ہی کام میں لایا جا سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کی حقیقت سراب سے کم نہیں اس لیے انہیں بیکار سمجھا جاتا ہے، مگر اہلُ اللہ کو نُورِ عقل عطا کیا جاتا ہے۔ ”اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ“ (اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا نکال لے جاتا ہے انہیں اندھیروں سے نُور کی طرف) (البقرہ:۲۵۷)۔ ایک جگہ فرمانِ الٰہی ہے کہ ”اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ“ (النور:۳۵) (اللہ تعالیٰ روشن و منور کرنے والا ہے زمین اور آسمان کو)۔

''اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط'' سے مراد یہ ہے کہ نورِ الٰہی ہر طرف پھیلا ہوا ہے چونکہ عقل بھی ایک نور ہے تو جتنا کوئی اللہ سے قریب ہوگا اتنا ہی نور یعنی عقل میں اضافہ ہوگا اور جتنا اللہ سے دور ہوگا اتنی عقل کم ہو گی۔ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ انگریز اور دیگر یورپین بھی بہت دانش رکھتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ انگریز صرف مادیت میں ہی مہارت رکھتے ہیں عقلمند نہیں ہیں۔ اگر عقلمند ہوتے تو اسلام قبول کر لیتے۔ محض قابلِ قدر یا تعریف یا کوئی نمایاں کام کرنا عقلِ سلیم کی علامت نہیں جو اللہ تعالیٰ سے عطا ہوتی ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ یورپ کی ترقی ان کے علمی اور فنی نظریات، ان کی مادی زندگی کے مناظر، مظاہر اور مناہج و نتائج پر مبنی تھے۔ یورپ کی طرح اگرچہ سائنسی علوم کا حصول ضروری ہے مگر یورپ کا فلسفہ اور طرزِ زندگی اور اُخروی زندگی کے متعلق غلط اعتقادات اس قابل نہیں کہ وہ دینِ الٰہی کے مقابلے پر اتر سکیں اور ان لوگوں کو اہلِ عقل میں شمار کیا جائے۔ یورپ کی مشینی زندگی بے دَرد، بے ایثار اور غیر انسانی زندگی ہے اور یہ لوگ بھاپ کا انجن، میزائل وغیرہ کی ایجادات سے مہذب نہیں بن سکیں گے۔ علامہؒ نے فرمایا ہے۔

وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم — حد اس کے کمالات کی ہے بَرق و بُخارات

ہے دل کیلئے موت مشینوں کی حکومت — احساس مروّت کو کُچل دیتے ہیں آلات (۱۴۲)

عبادتِ الٰہی سے دین و دنیا دونوں میں مکمل عروج حاصل ہوتا ہے، جیسے کہ مسلمانوں کو قرونِ اولیٰ کے وقت حاصل تھا۔ یہی وعدہ اس آیت میں مسلمانوں سے کیا جا رہا ہے۔ ''وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ'' (اے مسلمانو! تم ہی بلند و بالا ہو بشرطیکہ تم مومن بن جاؤ) (آل عمران: ۱۳۹)۔

مصنّف کی کتاب ''اِسلام وروحانیت اور فکرِ اقبالؒ'' میں ''مومن کی فراست'' کے مضمون کا مطالعہ فرمائیں۔ یاد رہے کہ نُورِ فراست صرف مسلمانوں کی وراثت ہے۔ یہ فراست تو اللہ کے نُور سے دیکھنے کا نام ہے۔ نیکوں کو فراست، علم اور دانش کی دولت عطا کی جاتی ہے بلکہ یہ بھی کہنا بے جا نہ ہوگا کہ باقی تمام لوگ علم و عقل کے ہوتے ہوئے بھی دانشمند نہیں۔ ایسے شخص کے پاس کوئی دانش نہیں ہے جو خدا کی پہچان نہ کر سکا اور کافر ہی مر گیا۔ اس کی دانش کیا ہے جو نیکی کی طرف راغب نہ ہو کر اپنی عاقبت کو درست نہیں کرتا، مگر ایٹم بم بنا کر بنی نوع انسان کی تباہی کا باعث بنتا ہے اور اس طرح انسانی قدروں کو کھو دیتا ہے۔ قرآن تو انہیں چوپاؤں سے بھی بدتر کہتا ہے (انفال: ۲۲)۔ یہ وہ لوگ ہیں، جو اپنی عقل و فہم کے سارے چراغ گُل کر دیتے ہیں اور ہوائے نفس کی پیروی میں لگ جاتے ہیں اور اپنے خالق اور رازق کی پیروی سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو پسِ پُشت ڈال دیتے ہیں ان کو دنیا اور آخرت میں سخت سزائیں دی جاتی ہیں۔ قانونِ قدرت کے مطابق ایسے لوگوں سے انسانیت کی خِلعتِ فاخرہ واپس لے لی جاتی ہے اور ان کے سر سے اشرف المخلوقات کا تاج اتار لیا جاتا ہے۔ وہ خدا کی نیابت کا منصب نہیں سنبھال سکتے اور ان کو معاشرے کی نگاہوں میں گرا دیا جاتا ہے۔ ایسی قومیں اور ایسے لوگ مال دار ہونے کے باوجود ذلت کی زندگی

بسر کرتے ہیں اور ان کی عزت، حکومت اور دولت کچھ عرصے کیلئے ہوتی ہے۔ ایسے لوگ اگرچہ باہر سے چمکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں مگر ان کا باطن نہایت مکروہ اور بدبُودار ہوتا ہے۔

منقول ہے کہ دیوانے اور مجنوں رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں بیٹھتے تو عقل کی باتیں کرنے لگتے۔ دیوانے اگر عقل کی باتیں کرنے لگیں تو یہ نیکی کی طرف آنے کے بعد کامیابی حاصل کرنے کی بہت بڑی دلیل ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمان الٰہی ہے کہ ''وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ط وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ'' (القصص:۱۴) (جب پہنچ گئے شباب کو اور ان کی نشوونما مکمل ہوگئی، تو ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا فرمایا۔ ہم نیکوں کو اسی طرح اجر دیا کرتے ہیں)۔

وہ دانش جو مغربی تہذیب کے بل بوتے پر یا اسلام سے دور رہ کر حاصل ہوئی ہو ''دانش مغربی یا دانش حاضرہ تو کہلا سکتی ہے مگر یہ دانش حقیقی نہ کہلائے گی۔ علامہؒ نے اس سلسلے میں بہت کچھ فرمایا ہے۔ یہاں صرف چند اشعار پیش کیے جارہے ہیں ؎

مے از میخانۂ مغرب چشیدم به جانِ من که دردِ سرخریدم
(میں نے مغرب کے میخانے سے شراب چکھی، میں نے اپنے آپ کیلئے دردسر خرید لیا)

نشستم با نکویانِ فرنگی ازاں بے سوز تر روزے نه دیدم[۴۳]
(میں فرنگی بزرگوں کے ساتھ بیٹھتا ہوں لیکن اس سے زیادہ بےسوز دن کوئی نہیں دیکھتا)

سوزِ عشق از دانشِ حاضر مجوئے کیفِ حق از جامِ ایں کافر مجوئے
(عشق کا سوز دانش حاضرہ میں تلاش نہ کرو، الہیاتی کیفیات کو اس کافر کے جام سے تلاش نہ کرو)

دانشِ حاضر حجابِ اکبر است بت پرست و بت فروش و بت گر است[۴۴]
(دانشِ حاضرہ سب سے بڑا حجاب ہے، یہ بت پرست بت فروش اور بت تراشنے والی ہے)

یہ موضوع بہت طویل بحث کا حامل ہے مگر اسے طول دینے کی بجائے نیچے عربی کی ایک مختصر سی رباعی پیش کی جارہی ہے جس سے بات مکمل طور پر سمجھ میں آجاتی ہے۔

مشہور محدث اور فقیہہ حضرت وکیعؒ کے متعلق ایک روایت مشہور ہے کہ ایک طالب علم کا حافظہ کمزور تھا اور اس نے حضرت وکیعؒ سے اپنے حافظے کی کمزوری کی شکایت کی تو آپ نے نہایت خوبصورت جواب دیا۔ جس کو کسی نے رباعی کی شکل میں لکھ دیا ؎

شَكَوْتُ اِلٰى وَكِيْعٍ سُوْءَ حِفْظِیْ فَاَوْصَانِیْ اِلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِیْ
(میں نے وکیع کے پاس کمزوریٔ حافظہ کی شکایت کی، تو اس نے مجھے گناہوں کے ترک کرنے کی نصیحت کی)

لِاَنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنْ اِلٰهٖ وَ نُوْرُ اللّٰهِ لَا يُعْطٰى لِعَاصِیْ
(یہ اس لیے کہ علم خدا کی طرف سے ایک نور ہے اور خدا کا نور گنہگاروں کو نہیں عطا ہوتا)۔

ہماری تصنیف ''سرمایہ ملت'' (جو عنقریب شائع ہونے والی ہے) میں مسلمانوں پر مغربی تعلیم کے اثرات کا مضمون ملاحظہ فرمائیں۔ عقل و عشق کی بابت ایک نہایت بسیط گفتگو ہماری ایک الگ کتاب میں لکھی جا چکی ہے۔ جو عنقریب ''عقل و عشق اور فلسفہ خودی'' کے نام سے شائع ہونے والی ہے۔ خواہشمند حضرات اس کتاب میں عقل و عشق کا مطالعہ کریں گے تو بات اور بھی واضح ہو جائے گی۔

۸۔ عبادت انسان کی حفاظت کی ضامن ہے

اللہ کے اطاعت گزار بندے ہر وقت اللہ کی حفاظت میں رہتے ہیں گو اللہ تعالیٰ ہر انسان کی حفاظت بھی فرماتے ہیں مگر خاص بندوں کی حفاظت خاص طریقے سے کی جاتی ہے، جس طرح ایک عام شہری اور گورنر کی حفاظت میں فرق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی حفاظت ان کے مقامات کے مطابق فرماتا ہے۔ روایات شاہد ہیں کہ جب اٹلی کا سفیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملنے آیا تو وہ آپ کو تلاش کرتا ہوا شہر مدینہ سے باہر اس درخت کے پاس پہنچا جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اشراق کی نماز کے بعد کچھ دیر سو لیتے تھے۔ جب اس نے دیکھا کہ اس وقت یہاں کوئی نہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کو ختم کرنے کا ارادہ کیا مگر اس نے دیکھا کہ فوراً دو شیران کے پاس آ موجود ہوئے جو زبان حال سے کہہ رہے تھے کہ خبردار ان کے نزدیک اگر آئے تو تمہیں ہم ختم کر دیں گے۔ اس طرح وہ اپنے ناپاک ارادے سے باز آیا۔ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا'' (ہود:۵۶) (کوئی جاندار نہیں، جس کی چوٹی اللہ کے ہاتھ میں نہ ہو)۔

نیک آدمی اللہ کی پناہ میں ہوتا ہے۔ وہ حادثات، امراض، بلاؤں اور موذی جانوروں سے محفوظ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہر جاندار کی چوٹی ہے مگر وہ یہ کبھی نہیں کرتا کہ سانپ کی چوٹی اس کے قبضے میں ہو اور وہ اپنے کسی نیک بندے پر پھینک دے۔ یہ زہریلے تیر وہیں پڑ سکیں گے جہاں وہ پھینکنا چاہے گا۔ اس کے اصول متعین ہیں۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ لوگ میرے احکامات کی طرف ذرا بھی دھیان نہیں کرتے تو وہ وہاں چنگیز خاں اور ہلاکو جیسے لوگوں کو مسلط کر دیتا ہے۔ قرآن نے اس بات کی شہادت اس طرح دی ہے۔ ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ'' (المائدہ:۵۴) (اے ایمان والو! جو پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے (تو اس کی بدنصیبی) عنقریب اللہ لے آئے گا ایسی قوم (جس سے) اللہ محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ جو نرم ہوں گے ایمانداروں پر، بہت سخت ہوں گے کافروں پر)۔ ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''وَ اِذَاۤ اَرَدْنَاۤ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْیَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا فَفَسَقُوْا فِیْهَا فَحَقَّ عَلَیْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِیْرًا'' (جب ہم چاہتے ہیں کہ ہلاک کر دیں کسی بستی کو (ان کے گناہوں کی وجہ سے) تو پہلے ہم (نبیوں کے ذریعے) وہاں کے رئیسوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں مگر (جب) وہ (الٹا) نافرمانی کرنے لگتے ہیں

اس (حکم) کی تو واجب ہو جاتا ہے ان پر (عذاب) کا فرمان پھر ہم اس بستی کو جڑ سے اکھیڑ کر رکھ دیتے ہیں (یعنی پوری تباہی سے اکھیڑ پھینکتے ہیں) (بنی اسرائیل:۱۶)۔

نافرمانی کرنے والوں کے علاقوں کی تباہی کیلئے قانونِ الٰہی یوں ہوتا ہے کہ اس علاقہ کی حکومت کسی سرکش اور اہلِ ثروت حکمران کے حوالے کر دیتے ہیں۔ ایسی بستیوں کے لوگ دولت کی وجہ سے فسق و فجور کا بازار گرم کرنے لگتے ہیں یا یہ کہ ہر طرف فتنہ وفساد برپا ہو جاتا ہے جیسے بیروت میں عیاشی کرنے والوں پر تباہی کا دور آیا۔ علامہ بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ ان کا وہی حشر ہوتا ہے جو ہر نافرمانی کیلئے ازل سے لکھا ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے یہی لکھا ہے کہ جب کوئی بستی گناہوں اور بدکاریوں کا اکھاڑہ بن جاتی ہے تو اس وقت ان کی اینٹ سے اینٹ نہیں بجادی جاتی بلکہ پہلے رسول یا ہادی ان کے پاس بھیجے جاتے ہیں جو اتمامِ حجت فرماتے ہیں کیونکہ فرمان الٰہی ہے۔ ''وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا'' (بنی اسرائیل:۱۵) (اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم کسی رسول کو نہ بھیج لیں)۔

چنگیز خان اور ہلاکو خان عذابِ الٰہی کی ایک صورت تھے

چنگیز خان اور ہلاکو تو محض اللہ کی کمان تھے جن سے بار ہا لاکھوں تیر نکل کر دنیائے انسان تک پہنچے۔ کمان چلانے والا کوئی اور تھا اور یہ تیر اس کے چلائے ہوئے تھے۔ علامہؒ نے فرمایا۔

اے حلقۂ درویشاں وہ مردِ خدا کیسا ہو جس کے گریبان میں ہنگامۂ رستا خیز
کرتی ہے ملوکیت آثارِ جنوں پیدا اللہ کے نشتر ہیں، تیمور ہو یا چنگیز (۱۴۵)

موسیٰ علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ جب اللہ کے بہت سے تیر، مرض، مرگ اور حادثات و غم کی صورت میں چارسو چل رہے ہوں تو ہم کہاں پناہ لیں۔ آپ نے فرمایا؟ ''تیر انداز کے پہلو میں آ جاؤ''۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ'' (الحج:۱۸) (اور دیکھو) جس کو ذلیل کر دے اللہ تعالیٰ تو اسے کوئی عزت دینے والا نہیں ہے)۔ روایات میں ہے کہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص صبح و شام ''سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ'' (الصافات:۷۹) پڑھا کرے تو اس کو سانپ اور بچھو ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔ امام قشیریؒ نے بھی لکھا ہے کہ سانپ اور بچھو نے نوح علیہ السلام سے کشتی پر سوار ہوتے وقت وعدہ کیا تھا کہ جو آپ کو یاد کرتا رہے گا اس کو ہم نقصان نہ پہنچائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو اللہ کو یاد کرے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتا رہے تو اس کو کون نقصان دے سکتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابی جنگل سے گزر رہے تھے کہ ایک شیر اُن کی طرف لپکا۔ اس نے کہا کہ خبردار یہ بدن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نثار ہو چکا ہے۔ مجھ سے دور رہو۔ یہ لفظ کہنے کی دیر تھی کہ شیر ان کو چھوڑ کر دوسری طرف چلا گیا۔ اس قسم کی بہت سی روایات منقول ہیں۔ ان تمام باتوں اور قرآنی آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ جو اللہ کا

ہو گیا اس کو کوئی چیز دبا نہیں سکتی۔ ''مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ'' (جو اللہ کا ہو گیا اللہ اس کا ہو گیا) اسلام کی اسی میں ہے کہ بندہ اللہ کا بن جائے اور اس کے تمام انعامات کا حقدار بنے)۔

۹۔ عبادت گزاروں کی جہاد میں مدد

قرآن اور حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہادِ تلوار اور جہادِ زندگی میں اللہ تعالیٰ نے مدد کا وعدہ فرمایا ہے۔ ''وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ'' (آل عمران:۱۳۹) (تم ہی غالب رہو گے اگر تم سچے مومن ہو)۔ قرآن میں بار بار ذکر آیا ہے کہ اگر تمہاری تعداد کم ہے تو بھی ہم تمہیں کفار کے مقابلے میں فتح عطا فرمائیں گے۔ زندہ قومیں اگر طاؤس و رباب سے دل لگانا شروع کر دیں تو وہ ختم ہو جاتی ہیں۔ کفار تیر و تفنگ پر بھروسہ کرتے ہیں اور مومن فقط اللہ پر بھروسہ کرتا ہے۔ یادِ الٰہی جنگوں میں کامیابی حاصل کرنے کیلئے ایک بے بہا سرمایہ ہے۔ سخت افسوس کا مقام ہے کہ آج مسلمان جہاد سے گھبراتے ہیں جبکہ اسلام دشمن طاقتوں نے کئی حربے استعمال کرنے کے بعد مسلمانوں کے دلوں سے جذبۂ جہاد کو سرد کر دیا ہے، چنانچہ وقت کا تقاضا ہے کہ جہاد کے تمام ممکنہ کوائف کو مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے لایا جائے۔ ہماری تصنیف ''حضورِ قلب'' میں شہید قوم و ملت کی شان کے عنوان سے شہادت کا رتبہ بیان کیا گیا ہے اور ہماری ایک اور تصنیف ''سرمایۂ ملت'' میں جہاد کی اہمیت اور بلندیٔ مرتبت کو بہت اچھی طرح روشناس کرایا گیا ہے۔ اللہ کے دربار میں شہادت کا درجہ اور شہید کے مقام کی عظمتیں بہت وضاحت کے ساتھ جہاد کے بیان میں لکھ دی گئی ہیں تاکہ اپنے آباء کے دستورِ سپہ گری کا بھولا ہوا مسلمان جہاد کے کمالات سے آشنائی حاصل کر کے عظمتِ رفتہ کی بازیابی کیلئے میدان کارزار میں آنے کا حوصلہ پیدا کریں۔

۱۰۔ اہلِ عبادت کیلئے ملائکہ کی دعائیں اور امداد

قرآن میں امر و نہی کے بعد سب سے زیادہ تفصیل صرف دو باتوں کے متعلق دی گئی ہے۔ ایک یہ کہ تم سے پہلے جنہوں نے نیک اعمال کئے ان کو اللہ تعالیٰ نے کیا انعامات عطا فرمائے اور جنہوں نے خدا کی نافرمانی کی ان کو کیا سزائیں دی گئیں۔ پچھلی اُمتوں نے کیا کچھ کیا اور خدا نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ یہ قرآن نے اس لیے بیان کیا کہ اس کے بیان کرنے میں آنے والی نسلوں کیلئے سبق ہے۔ قرآن اور احادیث میں فرشتوں کا نیک بندوں کیلئے دعائیں کرنے کا تذکرہ موجود ہے۔ اس سلسلے میں قرآن میں سے ایک آیت نقل کی جا رہی ہے۔ ''اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا

---

[1] تفسیر الرازی، جلد ۴، صفحہ ۳۵۔

وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ "(المومن:٧) جو (فرشتے) عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو عرش کے اردگرد (حلقہ زن) ہیں۔ وہ تسبیح کرتے ہیں، حمد کے ساتھ اپنے رب کی اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں ایمان والوں کیلئے (کہتے ہیں) اے ہمارے رب تو گھیرے ہوئے ہے ہر شے کو اپنی رحمت اور علم سے، پس بخش دے انہیں جنہوں نے توبہ کی اور پیروی کی ہے تیرے راستے کی اور بچالے انہیں عذاب جہنم سے)۔ ملائکہ حمد و ثناء کے بعد ہر لحہ دُعا میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کا سرادب سے ہمیشہ جھکا رہتا ہے اور نیکوں کیلئے دعا کرتے ہیں۔ دعا مانگنے کا طریقہ بھی یہی ہے۔ یہ فرشتے ان کیلئے، ان کے ماں باپ اور اولاد و ازواج کیلئے دخولِ جنت کی دعا کرتے ہیں۔ کچھ فرشتے نمازیوں کیلئے مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں۔ کچھ احادیث جو موقوف مگر مرفوع کے درجے پر ہیں میں بیان ہے کہ مومن جب مرنے کے بعد قبر میں داخل ہو گا، تو اپنے اقارب کے متعلق دریافت کرے گا، تو اسے بتلادیا جائے گا کہ فلاں فلاں کو تو جہنم میں بھیجا گیا ہے کیونکہ انہوں نے نیک عمل نہیں کئے۔ وہ جنتی کہے گا کہ میں تو اپنے لیے اور ان کیلئے نیک عمل کرتا تھا۔ پھر کہا جائے گا کہ ان کو بھی جنت میں داخل کیا جائے۔ چند صفحات قبل اس باب میں نماز کا بیان قرآن کی زبان میں لکھا گیا ہے۔ اس سلسلے میں سورہ الرعد کی آیات ۲۲ اور ۲۳ "وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ " بھی ملاحظہ فرمائیں۔

۱۱۔ عابدوں کا قہرِ الٰہی سے محفوظ رہنا (غافلوں اور باغیوں کا حشر)

جو لوگ گناہ کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ توبہ سے قبل ان پر موت آجائے تو ایسے لوگ دونوں جہانوں میں ناکام رہیں گے۔ اس دنیا میں وہ ذلیل و رسوا ہوں گے، ان کے چہرے مسخ ہو جائیں گے اور وہ اپنے گھروں میں بے چینی، دکھ اور غم بھر لیں گے۔ دنیا میں وہ لوگ ہر وقت آفات و مصائب اور بیماریوں کے عذاب میں مبتلا رہیں گے اور اللہ کی غیبی امداد سے محروم ہو جائیں گے۔ یہ لوگ خوشی، سکون اور اطمینان کا منہ نہ دیکھیں گے اور آخرت میں بھی وہ دردناک اور سخت عذاب کے مستحق ہوں گے۔ مگر انسان ڈھیٹ واقع ہوا ہے، وہ سب کچھ دیکھنے، سمجھنے اور جاننے کے باوجود بھی شیطان کے پیچھے بھاگا جا رہا ہے۔ کسی صدا اور ندا کی پرواہ نہیں کرتا۔ اللہ کے بندے اس کو دین کی دعوت دیتے ہیں تو ان کی بات سننے کو تیار نہیں ہے۔ وہ اپنے آپ پر اور انسانیت پر ایک بوجھ کی شکل میں زندگی گزار رہا ہے ۔

اب تو انسان کی عظمت بھی کوئی چیز نہیں　　　لوگ پتھر کو خدا مان لیا کرتے تھے

آج مسلمانوں کی اکثریت فضول، لغو اور بیکار گانوں میں وقت ضائع کر دیتی ہے مگر دینی مجالس کیلئے

ان کے پاس وقت نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ ہسپتالوں، مقدموں اور آفات میں پھنس کر مہینوں اور سالوں کی مشقت کو تو برداشت کر لیتے ہیں مگر اللہ کے دین کو سمجھنے کیلئے دو گھنٹے کا وقت دینے کو تیار نہیں۔ وعظ اگر دس منٹ سے زیادہ ہو جائے تو یہ لوگ علماء کیلئے نازیبا الفاظ استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے، لیکن آوارگی طبع کا حال ہے کہ ان کے گھروں میں وی۔ سی۔ آر کی مجلسیں پچاس گھنٹے مسلسل چلتی رہیں تو انہیں چنداں اعتراض نہیں ہوتا۔ کاش ایسے لوگ یہ محسوس کرتے کہ جس روش پر وہ آج خوش ہو رہے ہیں وہ انہیں ہلاکت کی طرف لے جائے گی۔ ان غافلوں کو اس بات کا خوف نہیں کہ موت ان کیلئے گھات لگا کر بیٹھی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ''اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ'' (الفجر:۱۴) (بے شک تمہارا رب سرکشوں اور مفسدوں کی گھات میں ہے)۔ کسی نے شاید دین سے ایسی بے رخی اور سرد مہری کیلئے لکھا ہے۔

آرزو کی بے حِسّی کا گر یہی عالم رہا بے طلب آئے گا دن اور بے خبر جائے گی رات

یہ وہ لوگ ہیں جن کو نہ تو آیاتِ قرآنی، عذابِ الٰہی اور فرمانِ رسول مقبول ﷺ کی چنداں پرواہ ہے اور نہ ہی ان سب پر ان کو یقین ہے، اگرچہ یہ لوگ زبان سے قرآن اور حدیث کا انکار تو نہیں کرتے مگر عملی طور پر ان سب کا انکار کرنے والے ہیں اور ان کا یہ انکار حقیقتاً قرآن کا انکار ہے اور وہ رسول ﷺ کے حکم کی کھلم کھلا نافرمانی ہے۔ وہ شاید یہ نہیں جانتے کہ اللہ سے بچ جانا مشکل امر ہے۔ قرآن میں ہے کہ ''اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ'' (عنکبوت:۴) (کیا خیال کر رکھا ہے انہوں نے جو بُرے کرتوت کر رہے ہیں (یعنی بدکاروں نے) کہ وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے۔ یہ ان کا بہت ہی خام (قسم کا یا غلط) خیال ہے)۔ یہ لوگ مصائب و آلام میں پھنستے ہی رہیں گے اور جب تک اللہ سے رابطہ قائم نہ کریں گے پٹتے، لٹتے اور مرتے رہیں گے۔ ''وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ'' (الرعد:۳۱) (کفار اس حالت میں رہیں گے کہ پہنچتا رہے گا ان کو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی نہ کوئی صدمہ (کھڑکھڑاہٹ پیدا کرنے والے حادثے) یا اُترتی رہے گی کوئی نہ کوئی مصیبت ان کے گھروں کے گردونواح میں حتیٰ کہ اللہ کا وعدہ (عذاب کے ظہور کا دن) آجائے گا)۔ زلزلہ پیدا کرنے والے حادثات یا تو کافروں (اور بدکاروں) کو ہمیشہ براہِ راست نشانہ بنائیں گے، یا خوف پیدا کرنے کیلئے ان کے گھروں کے قریب نازل ہوتے رہیں گے۔

لذت ایماں فزاید در عمل مردہ آں ایماں کہ ناید درعمل[۱۳۶]

(عمل سے ایمان کی لذت بڑھ جاتی ہے، جو ایمان عمل میں نہ آئے مر جاتا ہے)

۱۲۔ خدا کی کائنات اس کے ماننے والوں کے مطیع ہو جاتی ہے

اللہ تعالیٰ نے جب سے کائنات کو بنایا اس وقت سے ہی کائنات کے چلانے کیلئے قوانین وضع فرمائے

اوران قوانین کو اپنی عادت یا سنت کہا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے کہ ''لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا'' (بنی اسرائیل:۷۷) (تم میری عادت کو بدلتا ہوا نہ پاؤ گے)۔ اللہ تعالیٰ کی عادت مبارکہ یہ ہے کہ جو اس کا ہو جائے تو تمام کائنات اس کی مطیع کر دی جاتی ہے۔ جو اس کی حکومت اور ربوبیت کو مان لے، اس کے احکام کی تابعداری کرے اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ وفاداری بھی کرے، تو ایسوں کیلئے خدا کا قانون علامہ اقبالؒ کے درج ذیل شعر سے ظاہر ہوتا ہے ۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں (۱۴۷)

ایسے غلاموں کی نظر براہِ راست لوح و قلم پر ہوتی ہے اور وہ پوری کائنات کو ایسے دیکھ سکتے ہیں جیسے ہتھیلی پر تل دیکھا جا سکتا ہے۔ اولیائے کرام اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی طاقت سے پوری کائنات میں اس کی اجازت سے تصرف کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب تم ایمان و عمل سے میرے ہو گئے تو سمجھ لو کہ میں تمہارا ہو گیا۔ اگر تم میری اور میرے رسول ﷺ کی اطاعت میں کمربستہ رہے تو پھر تمہاری بولنے والی زبان تو تمہاری ہو گی مگر وہ حکم میرا تصور کیا جائے گا۔ جیسا کہ بخاری کی حدیث میں فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے ''كُنْتُ لَهٗ سَمْعًا وَّ بَصَرًا وَّ يَدًا وَّ رِجْلًا ''[1] (تو میں ان کے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہوں)۔ مولانا رومؒ نے فرمایا ہے کہ اولیاء اللہ کا کہنا خدا کا کہنا ہوتا ہے ۔

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقومِ عبدُ اللہ بود
اللہ اللہ گفت اللہ میشود ایں سخن حق است بِاللہ میشود

مذکورہ بالا حقیقت کی تصدیق سورۂ فتح میں کی گئی ہے جہاں ''يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ'' (جب آپ ﷺ نے بیعت لی تو ان کے ہاتھوں پر خدا کا ہاتھ تھا) (الفتح:۱۰) کا ارشاد ہوا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ''وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى'' (انفال:۱۷) (اور (اے حبیب محتشم ﷺ!) جب آپ نے (ان پر سنگریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے)۔

اس خدائی مدد کا اشارہ ''وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ'' میں بھی موجود ہے۔ (ہم تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) (سورہ ق:۱۶) یعنی گھبراؤ نہیں ہمارا ہاتھ ہر وقت تمہارے ساتھ کارفرما رہے گا۔ بعض عارفین اپنی جیب میں آیت کے یہ الفاظ ایک کاغذ پر لکھ کر رکھ لیتے ہیں ''وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا'' (اپنے رب کے حکم پر صبر کر تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے) (الطور:۴۸) اور جب کسی مشکل میں ہوتے ہیں تو وہ یہ کاغذ نکال کر دیکھتے ہیں تو محسوس کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری مشکل کو دیکھ رہا ہے اور ضرور ہماری مدد فرمائے گا۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اِنَّنِيْ اَسْمَعُ وَاَرٰى '' میں سنتا بھی ہوں اور دیکھتا بھی ہوں اور جب تم فرعون کے دربار میں جاؤ تو مجھے دیکھنے والا اور سننے والا پاؤ گے۔ علامہ اقبالؒ نے قرآن کی مذکورہ آیت کا

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۶۰۲۱، جلد ۲۰، صفحہ ۱۵۸۔

ترجمہ یوں فرمایا ہے کہ اگر کوئی بندہ پکا اور سچا مومن بن جائے تو کائنات اس کی میراث بن جاتی ہے ۔

عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے (۱۴۸)

قرآن کی چند وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کیلئے خاص مدد کا وعدہ فرمایا ہے۔ تبرکاً پیش کی جارہی ہیں۔ ایک جگہ فرمایا ہے۔ ''اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ'' (الانبیاء:۱۰۵) (بلاشبہ زمین کے وارث تو میرے نیک بندے ہوں گے)۔ ''اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ'' (الاعراف:۱۲۸) (زمین اللہ کی ہے اور وہ اس کا وارث اپنے بندوں میں سے جسے چاہے کرتا ہے)

اللہ تعالیٰ نے (دنیا اور آخرت میں) اپنی کائنات کا وارث اپنے بندوں کو بنایا ہے لیکن معنوی اعتبار سے اگر مسلمان اس منصب کی اہلیت نہیں رکھتا تو اس صورت میں وہ اس وعدے کا حقدار نہیں سمجھا جاتا۔ اگر مسلمان حکومت کی اہلیت نہ رکھتے ہوں تو بے دین اور کافروں کو ملک کا وارث بنادیا جاتا ہے (جو عالم اسباب کے تقاضے پورے کر چکے ہوں) اور اللہ تعالیٰ ایسے نام نہاد مسلمانوں کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ ''خدائے زندہ، زندوں کا خدا ہے''۔ دنیا کی حکومتیں بے دینوں اور فاسقوں کے علاوہ کفار کو بھی دی جاتی ہیں۔ علامہؒ نے فرمایا ''مسلم آئین ہوا کافرتو ملے حور و قصور'' ایسی نامسلم حکومتیں ان نام نہاد مسلمانوں کے ساتھ سختی سے پیش آتی ہیں۔ غیر مسلم حاکم تاریخ میں مجرم، غیر منصف اور ظالم قرار دیئے جاتے ہیں اور ان کے دورِ حکومت میں وحشت اور جہالت کی تاریک رات چھا جاتی ہے۔ یہ ظلم، تشدد، آمریت اور بے دینی سچے مسلمانوں کے دورِ حکومت میں دیکھنے کو نہیں آتی۔ کیونکہ مسلمان حاکم سمجھتا ہے کہ حکومت اس کی نہیں ہے بلکہ درحقیقت حکومت تو اللہ کی ہے اور حاکم تو محض ایک فرض ادا کر کے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے وہ جانتا ہے کہ ''اَنَّ الْحُکْمَ لِلّٰهِ وَالْمُلْكَ لِلّٰهِ''۔ (بے شک حکم اور بادشاہت تو اللہ کیلئے ہے) اس اعتبار سے وہ ایک خادم سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا)۔ قرآن میں ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے سب کچھ انسان (بندہ مومن) کیلئے مسخر کر دیا ہے۔ ''وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ'' (الجاثیہ:۱۳) (اور مسخر کر دیا ہے تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ (اپنے حکم سے) سب کا سب)۔

تفسیر عزیزی میں روایت نقل کی گئی ہے کہ جب آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو زمین پر بھیجا اور زمین پر تمام مخلوقات پر ان کی فرمانبرداری لازم ہونے کا حکم سنایا اور سب نے قبول اطاعت کا اظہار کیا (آدم علیہ السلام کی تخلیق کا واقعہ اور ان کی خلافت کے بارے میں تفصیل نشانِ منزل میں دیکھیں) اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے کہ ۔

تو ہم گردن از حکمِ او مپیچ نہ پیچد زحکم تو از خلق ہیچ

(تو بھی اپنی گردن خدا کے حکم سے نہ پھیر، تیرے حکم سے مخلوق میں سے بھی کوئی روگردانی نہ کرے گا)

مومن کی یہ آفاقی شان اس وقت ممکن ہے جب وہ اپنے آقا کا غلام بنا سیکھ لے اور اس کے حکم پر بخوشی اپنا سر جھکا دے۔ ایک عاشق کا طریقہ کار تو یہ ہے کہ محبوب کے حکم پر سر جھکا دے ۔

میری نگاہوں نے جھک جھک کے کردیئے سجدے　　جہاں جہاں بھی تقاضائے حسنِ یار ہوا

(قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں میں اکثر اور آج کل خال خال ایسی روایات ملتی ہیں کہ جب بھی اللہ کے بندوں نے کسی شے کو حکم دیا، خواہ وہ پتھروں، دریاؤں، درختوں، جانوروں کی نوع سے تعلق رکھتی ہوں ایسی ہر شے نے ان کے حکم کو تسلیم کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریائے نیل کو بہنے کا حکم دیا جبکہ وہ خشک ہو چکا تھا تو اس دریا میں فوراً پانی آ گیا اور آپ کے حکم کی تعمیل ہوئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت اور اس کو اڑانے والی ہوا ان کے حکم پر چلتی رہی۔ بلقیس کا عظیم تخت آصف بن برخیاؒ کے حکم سے چشمِ زدن میں سینکڑوں میل کی مسافت سے حاضر ہو گیا۔ اولیاء اللہ کے حکم سے شیر، چیتے اور موذی جانوروں کا ان کے آگے سر رکھ دینا تو عام روایات میں آیا ہے۔ لاکھوں ہی ایسی مثالیں اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ یہ کائنات مردِ مومن کے حکم کی تابع رہتی ہے۔ پہلے بھی ایسا ہو چکا ہے۔ اب بھی ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا، کیونکہ اولیاء اللہ کو اللہ کی طرف سے اس قسم کی طاقت دی گئی ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

اولیاء را ہست قدرت از الٰہ　　تیر جستہ باز گردانند ز راہ[149]

(اولیاء اللہ کو خدا کی طرف سے یہ قدرت ہے کہ کمان سے نکلا ہوا تیر راہ سے واپس پھیر دیں)

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ صرف خاص ناموں کیلئے نہیں بلکہ ہر اس شخص کیلئے ہے جو خود کو خدا کی رضا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کیلئے بخوشی تیار رکھتا ہو۔ کفار نے بھی اگرچہ اللہ تعالیٰ کی کائنات کو (گو مسلمانوں کی طرح نہیں بلکہ) کسی حد تک مسخر کیا ہے جب مسلمانوں کی نیتوں میں ذرا سی بھی خرابی شامل ہو گئی تو دھڑام سے نیچے آ گرے کیونکہ قانونِ الٰہی اٹل ہے۔ مسلمانوں کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اس قدر نرمی اور رعایت کو روا رکھا ہے، تو ان کیلئے لازم ہے کہ وہ بھی اس کی اطاعت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں اور آج کی جدید دنیا میں اپنا مقام پیدا کرنا اپنے دین کا حصہ تصور کریں۔

مادہ پرست آخرت سے بے نصیب ہیں

مسلمانوں نے جب سے دین کو پسِ پشت ڈالا اور مادہ پرستی (مال و جاں کی ہوس) کی بلا میں گرفتار ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے ان انعامات سے بھی محروم ہو گئے جو اس نے اپنے بندوں کیلئے مخصوص کئے تھے۔ جو لوگ دین کی محبت کے جھوٹے دعویدار بنے اور دنیا کی لالچ کو بھی دل میں جمع کئے رکھا تو ایسے لوگ نہ دین کے رہے نہ دنیا کے۔ قرآن نے ان کو "خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃَ" (الحج:11) (دنیا اور آخرت میں خسارہ پانیوالے) کسی شاعر نے طنزاً کہا ہے کہ ہم دنیا کی غلامی کو دلوں میں رکھتے ہوئے بھی جنت کے دعویدار بنتے ہیں ؎

ما باميِ و مستی سِرّ تقوئ داریم　　دنیا طالبیم و میلِ عقبیٰ داریم

(ہم شراب و مستی میں تقویٰ کے اسرار کے رکھتے ہیں، دنیا کے طلبگار ہیں اور ساتھ ہی آخرت کی رغبت رکھتے ہیں)

کے دنیا و دین ہر دو بہم آید راست ایں است کہ ما نہ دین نہ دنیا داریم

(دنیا اور دین باہم کس طرح راست آسکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہم نہ دین کے رہے نہ دنیا کے)

قانونِ الٰہی ہے کہ یہ دنیا اس کے قدموں میں رکھی جاتی ہے جو اس دنیا کی مادی محبت کو ٹھکرا کر اپنے رب کی رضا کو چاہتے ہیں۔ دنیا ایسے لوگوں کے دین کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتی۔ حدیث شریف میں ہے کہ "یہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں" اللہ والے عیش و عشرت کے دلدادہ نہیں ہوتے۔ اس دنیا میں وہ اللہ کی رضا کے سوا کسی چیز کو پیش نظر نہیں رکھتے۔

اندیشۂ گر زتنگی گورت بود غنی بر زندگی زخاک برآور خزانہ را

(اے غنی اگر تجھے قبر کی تنگی کا اندیشہ ہے، تو زندگی میں مال و دولت کو خاک کے برابر سمجھ)

غنی، روز سیاہے پیرِ کنعاں را تماشہ کن کہ نورِ دیدہ اش، روشن کند چشمِ زلیخا را

(اے غنی کنعان کے بوڑھے (یعقوب علیہ السلام) کے ایامِ غم کو دیکھو کہ اس کی آنکھوں کے نور (یوسف علیہ السلام) نے زلیخا کی آنکھوں کو روشن کیا ہے)

بدنامی، حیات، دو روزے نہ بود بیش واں ہم کلیم باتوچہ گویم، چساں گزشت

(زندگی میں بدنامی (اگر ہو جائے) تو یہ دو روز سے زیادہ کی بات نہیں، اے مخاطب تجھے کیا کہوں کہ وہاں (زندگی) کس طرح گزری)

جس نے بھی اللہ کی تابعداری کی تو اللہ نے اس کی گود کو اپنے انعامات کے گوہر ہائے گراں مایہ سے بھر دیا، سوچنے کا مقام ہے کہ آج مسلمان ان انعامات سے کیوں محروم ہیں اور پوری دنیا میں رسوا ہیں۔

کس زفیض بحرِ جودت محروم نیست پشت ماہی پر درم، مشتِ صدف پر گوہر است

(اے اللہ تیرے فیض کے سمندر سے کوئی محروم نہیں، مچھلی کی پیٹھ فوائد سے بھرپور ہے اور سیپ کی مٹھی موتیوں سے لبریز ہے)

احادیث کی رو سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر انسان اپنے نصب العین کو مدنظر رکھے (یعنی اپنے فرائض کو ادا کرتا رہے) تو کائنات میں ہر چیز اپنے نصب العین (یعنی انسان) کو فراموش نہیں کرے گی اور اس کی تابعدار رہے گی، کیونکہ تمام کائنات کو انسان کیلئے پیدا کیا ہے نہ کہ انسان کو کائنات کیلئے۔

نہ تو زمیں کیلئے ہے نہ آسماں کیلئے جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کیلئے (۱۵۰)

مسلمانو! اپنے دل سے پوچھو

مندرجہ بالا گفتگو سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی اطاعت کے عوض دنیا اور آخرت کی بادشاہی سے نوازا ہے۔ اس قدر کم محنت پر اتنا بڑا اعزاز تصور کی پہنچ سے بھی باہر ہے۔ مومن کو

ایک سجدے میں کیا کچھ ملتا ہے، ذرا علامہؒ کی زبان سے سنیئے ؎

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات[۱۵۱]

سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ان کی تھوڑی سی کوششوں کے عوض خرید لیا ہے اور خریدا ہوا مال مالک کی ملکیت بن جاتی ہے۔ اس شہنشاہِ حقیقی نے اپنی ملکیت کو بھی اتنا بلند درجہ عطا فرمایا کہ اسے اپنی کائنات کی نیابت (خلافت) بھی بخش دی۔ کیا یہ انتہائی بدبختی نہیں کہ انسان اتنی بڑی نعمت اور اعزاز کو دنیا کی چند فانی چیزوں کے عوض بیچ دے؟ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ بچوں کی طرح ٹھیکریوں اور کوڑیوں کے عوض سونے کی اشرفیوں کو بیچ دینا حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟

دنیا میں ملنے والی رسوائی جو خدا نے اپنے باغیوں کیلئے مقرر کی ہے اس کا مختصر سا بیان مندرجہ بالا گفتگو میں گزر چکا ہے۔ کیا یہ قرین عقل نہیں کہ چند سجدوں کی ادائیگی سے کوئی ان تمام بدبختیوں، ذلتوں اور پریشانیوں سے بچ جائے اور اپنے آپ کو اللہ کے حفظ وامان میں کھینچ لائے۔ اگر چند سجدوں کے عوض دنیوی مشکلات، مصائب اور طرح طرح کی بیماریوں سے نجات مل جائے تو یہ کس قدر آسان تجارت ہے۔ جس نے خداوند قدوس کی رضامندی کو حاصل کرلیا تو گویا اس نے اس کی مہربانیوں، شفقتوں اور نوازشوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔ کیا صحابہ کرام اور قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے خدا کی اطاعت کے عوض دنیا میں بلند ترین مقامات حاصل نہیں کیے؟ کیا ان مسلمانوں نے فرداً فرداً اور جماعت کی حیثیت سے پورے عالم پر غلبہ اور اقتدار حاصل نہیں کیا؟ کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے وعدے سچے ثابت نہیں ہو چکے؟ ان سب سوالوں کا جواب آپ کے دلوں میں "ہاں" کے سوا کسی اور صورت میں نہیں ہو سکتا، تو پھر یہ سب کچھ جانتے ہوئے اس قدر سستی اور غفلت کیوں؟ ہماری قوم کی ایک بھاری اکثریت اللہ تعالیٰ کے موعود انعامات سے محروم کیوں ہے؟ ان سب سوالوں کا جواب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہمارے نونہالوں کو ان کی ماؤں کی گود میں دینی تربیت نہ مل سکی۔ فرزندانِ اسلام کی اس سرزمین کی زمزمۂ ملت کے پانی سے سیراب نہ کیا جا سکا اور جب یہ بچے بڑے ہوئے تو ان کی نوجوانی کے شب و روز بھی ان لوگوں میں گزرتے رہے جو خود اسلام سے دور تھے یا مغربی تہذیب کے پرستار تھے۔ ان جوانوں کی نشوونما ان لوگوں کے ہاتھوں ہوئی جن کی فطرت میں مادہ پرستی، دھوکہ بازی، مطلب پرستی، دین سے غفلت اور دوری تھی۔ وہ قوم جو مغرب پرست ہو اور تقلیدِ اغیار جس کی رگ رگ میں سما چکی ہو اس کے فرزندوں کو دولت اسلام کس طرح میسر ہو سکتی ہے۔ چنانچہ علامہ اقبالؒ نے مغربی تعلیمات سے پیدا شدہ اثرات سے متعلق جو لکھا ہے اس کا مطالعہ ہماری تصنیف "سرمایۂ ملت" میں کریں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس غلط تعلیم نے مسلمانوں میں کفر و الحاد کے اثرات پیدا کیے ہیں ؎

آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل دنیا تو ملی طائر دیں کر گیا پرواز
پانی نہ ملا زمزمۂ ملت سے جو اس کو پیدا ہے نئی پود میں الحاد کے انداز[۱۵۲]

ہمارے نوجوان جس درسگاہ میں بھی جائیں گے، وہاں انکا صیہونی افکار سے متاثر لوگوں کی صحبت سے بچنا ممکن نہیں اور آج اس کا نتیجہ ظاہر ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کو دین سے دور لے جانے کا کام شیطان لعین کی منشاء کے مطابق ہو رہا ہے اور وہ لوگوں کی بڑھتی ہوئی مادہ پرستی کی آگ پر نئی نئی خواہشات کا تیل چھڑک رہا ہے۔ اس کا علاج صرف یہ ہے کہ چند افراد جن کے سینوں میں اسلام کی چنگاری ابھی باقی ہے مل کر ایسی مجالس قائم کریں جس میں نوجوانوں کے دلوں میں محبت اسلام کی روح کو جلا بخشی جاسکے۔ آج کے نوجوانوں کے دل میں مغربی فلسفہ اور مغربیت اس قدر سرایت کر گئی ہے کہ وہ اسلام پر تنقید کی حد تک دلائل پیش کرتے ہیں۔ ان کے یہ لادینی دلائل اسلام سے لاعلمی کے باعث ہیں اگر ان نوجوانوں کو معقول طریقے سے اسلامی نظریات سے روشناس کروادیا جائے تو یہ فوراً اپنی اسلامی طرزِ حیات کی طرف لوٹ کر آسکتے ہیں۔

راقم الحروف کی ملاقات لیبیا میں ایک مصری سائنس دان سے ہوئی اور اس نے کسی انگریز فلاسفر کا ایک جملہ پڑھ کر سنایا جس میں وقت کی قدر و قیمت کا ذکر تھا۔ فقرہ تو نہایت عمدہ تھا۔ مگر اس کے مقابلے میں قرآن پاک میں ''سورۃ العصر'' نے وقت کے متعلق بہت بہتر نظریہ پیش کیا ہے اور جب راقم الحروف نے ''سورۃ العصر'' کی تشریح اس کے سامنے پیش کی تو وہ تڑپ اٹھا بلکہ قرآن کی اس اعجازِ بیانی پر متحیر بھی ہوا اور اس نے یہ وعدہ کیا کہ آئندہ وہ قرآن پر کسی کتاب کو ترجیح نہیں دے گا۔

زمانۂ حاضر میں ہماری سب سے بڑی مشکل ان نوجوانوں کے ذہنوں کی اصلاح کرنا ہے، کیونکہ یہی لوگ کل کے معمار ہیں۔ مندرجہ بالا مثال ہر اعتراض کرنے والے کو مطمئن کرنے کا ایک نیا راستہ کھول رہی ہے۔ اعتراض کا جواب دینے والے کیلئے ضروری ہے کہ وہ دینی اور دنیاوی علوم سے کافی حصہ رکھتا ہو اور پرانے لوگوں کی طرح لٹھ لے کر کفر اور فسق کے فتوے نہ لگاتا ہو۔ اسی اعتبار سے علامہؒ نے فرمایا تھا کہ ''ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی'' افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے دینی طبقات کے لوگ مل کر ایسی مجلسوں کا انعقاد نہیں کرتے اور جو کرتے بھی ہیں ان کو لوگوں کا تعاون حاصل نہیں کیونکہ عوام دین کی طرف آنے کیلئے وقت نہ ہونے کا بہانہ کرتے ہیں اور عام طور پر نیک لوگ ان مجالس میں دلچسپی نہیں لیتے۔ اس بے دینی کے رجحان کو دور کرنے کا واحد علاج یہ ہے کہ ہر محلہ میں صاحبِ علم مجلسیں قائم کریں اور لوگوں کو عملی طور پر مسلمان بنانے کی سعی کریں۔ ترویج اسلام کا طریقہ اس سے بہتر ممکن نہیں کہ ملک میں چند حضرات پر مشتمل ایک تبلیغی کمیٹی مقرر کی جائے۔ اور یہ کمیٹی ہر صوبے کیلئے دو سو سے چار سو تک گشتی مراکز قائم کرے اور ہر گشتی مرکز میں دو بزرگ صوفی قسم کے علماء شامل کئے جائیں جو تبلیغی صلاحیت کے حامل ہوں اور دو خادم ان کی مدد کیلئے متعین کئے جائیں۔ ہر گشتی مرکز کیلئے ایک ویگن ٹائپ کی گاڑی بھی مہیا کی جائے اور یہ گشتی مرکز کے علماء ہر شہر اور ہر قصبہ میں تین روزہ جلسے قائم کریں اور اس طرح آگے بڑھتے جائیں۔ تین روزہ جلسہ کا نصاب مقرر کیا جائے جس میں مندرجہ ذیل معلومات لوگوں کو بیان کی جائیں تاکہ ان کے ذہن اسلام سے روشناس ہو سکیں۔

نصابِ تبلیغ کچھ اس طرح سے ہو کہ مندرجہ ذیل نکات کی وضاحت ہو سکے۔

(۱) خدا کے ہونے کے دلائل کیا ہیں جس سے کسی کو ایک خدا کے ہونے میں کوئی شک باقی نہ رہے۔
(بے دینی خدا پر یقین نہ ہونے کی وجہ سے ہے یعنی صرف زبانی دعویٰ نہ ہو)

(۲) انسان اور کائنات کی پیدائش کی غرض کیا ہے اور کائنات کو کس طرح پیدا کیا گیا ہے؟

(۳) شیطانی اور رحمانی طاقتیں کیا ہیں اور ان طاقتوں کو عمل میں لانے کا مقصد کیا تھا؟

(۴) شیطان کیا ہے اور اس کی مدافعت کس طرح کی جا سکتی ہے؟

(۵) اسلام کیا ہے اور اس کی غرض و غایت کیا ہے؟ اسلام کی مختصر تعریف۔

(۶) مسلمان بننے کیلئے کیا اقدامات ضروری ہیں اور کیوں ضروری ہیں؟

(۷) مسلمان کی شان کیا ہے۔ اس کو خدا نے کیا صلاحیتیں بخشی ہیں؟

راقم الحروف نے اس طریقے کو رائج کیا اور بہت اعلیٰ نتائج برآمد ہوئے۔ درج بالا نکات کی وضاحت ہماری تصانیف ''نشانِ منزل'' اور ''سرمایۂ ملت'' میں شائع ہو چکی ہے۔ سامعین جب ان درسوں کی سماعت کرتے ہیں تو سخت متحیر اور متاثر ہوتے ہیں۔ کاش سارے پاکستان کے ہر بڑے شہر میں ایک مقامی اور ایک گشتی مرکز قائم ہو جائے۔ اس کام پر ماہانہ خرچہ معمولی رقم سے زیادہ نہیں ہوگا۔

حسابِ خرچہ برائے مرکز درج ذیل ہے جو حکومت یا متمول حضرات کیلئے معمولی ہے۔

قیمت ایک ویگن = وقت کے تقاضے کے مطابق۔

قیمت عمارت برائے تبلیغی مرکز = ۳۰ سے ۵۰ لاکھ روپے یا رائج الوقت قیمت کے مطابق۔

سامان، سپیکر، خیمہ جات فرنیچر وغیرہ = ڈیڑھ سے ڈھائی لاکھ روپے یا وقت کے تقاضے کے مطابق۔

ایک مرکز کے اجرا کیلئے کل خرچ اندازاً ۷۰ لاکھ روپے۔

حسابِ خرچہ ماہانہ برائے تبلیغی اور مرکزی دفتر

تنخواہ علماء اور ملازمین = ۱۵ سے ۲۰ ہزار روپے ماہوار (یا وقت کے تقاضے کے مطابق)

خرچہ پٹرول برائے گشتی مرکز = تیس ہزار روپے ماہوار (یا وقت کے تقاضے کے مطابق)

کل خرچ = تقریباً ۵۰ ہزار روپے ماہوار

ان اخراجات میں ایک مقامی مرکز کسی ایک شہر میں قائم ہو سکتا ہے اور ایک گشتی مرکز بھی کام کر سکے گا۔ مقامی مرکز میں بذریعہ اشتہار لوگوں کو ایک ہفتہ کا کورس پاس کرنے کی دعوت دی جائے گی اور جو لوگ کورس پاس کر کے نکلیں گے وہ انشاء اللہ صحیح مسلمان اور باعمل ہوں گے اور ضرورتِ اسلام سے بخوبی واقف ہو سکیں گے۔ یہ درس روزانہ ایک یا دو گھنٹے کیلئے ہوگا تاکہ امیدواروں کے کام کاج میں حرج نہ ہو۔ امیدواروں کو لانے کیلئے بس کا انتظام ہوگا۔ اس سے بہتر اور موثر طریقہ اس رقم میں ممکن نہیں۔ اس نظامِ درس کے اثرات کا

علم اس وقت ہوسکتا ہے جب ایک ایسا مدرسہ قائم ہو جائے اور اس کے نتائج سامنے آئیں۔

اس تبلیغ کے سلسلے میں راقم الحروف نے عوام میں اپنے طریقۂ تبلیغ کو واضح کرتے ہوئے حسب ذیل حروف میں جو دعوت نامہ جاری کیا ہے، اس کی نقل نیچے پیش کی جارہی ہے۔

نقل دعوت نامہ

باسمہٖ تعالیٰ

ادارہ نشانِ منزل (تبلیغ و ترویجِ اسلام) فون:04235709606

نادر آباد بالمقابل سید پبلک ہائی سکول

بیدیاں روڈ لاہور کینٹ، لاہور۔

دعوت نامہ

یہ حقیقت کسی سے مخفی نہیں کہ مسلمانوں کی دینِ اسلام سے دوری اور مادی دنیا کی طرف رغبت دشمنانِ اسلام کے منظم منصوبے کے تحت وجود میں آئی۔ یہ بات بھی مشاہدے میں آتی ہے کہ گزشتہ کئی صدیوں سے ملتِ اسلامیہ کی بھاری اکثریت اسلام سے اس طرح روگردانی اختیار کر چکی ہے کہ اب ان کی زندگیوں میں نہ صرف علوم دین سے محرومی نظر آتی ہے بلکہ ارکان اسلام کی افادیت اور برکات سے مکمل لاعلمی کی کیفیت کا اظہار بھی پایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی دینِ اسلام سے لاتعلقی مسلمانوں کے عالمی تنزل کا باعث ثابت ہوئی ہے۔ ان حالات میں قوم کو مذکورہ بحران سے نکالنے کیلئے مسلمانوں کی تنظیمِ نو وقت کی ضرورت بن چکی ہے۔

مسلمانوں کو مادہ پرستی کے جنون سے نکالنے کیلئے اس وقت کے تمام دانشوروں، عالموں، اہلِ فکر اور مقتدر حضرات پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو دین اسلام سے روشناس کرایا جائے اور ان میں اسلامی ذوق و شوق اور جوش و خروش پیدا کیا جائے۔ مسلمانوں میں اسلامی جذبہ اور روایتی ولولہ پیدا کرنے کی غرض سے اس فقیر نے گزشتہ چند سالوں کے تجربے سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اگر مسلمانوں کو دینِ اسلام کی خوبیوں اور اس کے فوائد کو جدید سائنٹیفک اور دلچسپ انداز میں واضح کیا جائے تو وہ حیرت انگیز طور پر اس کا اثر قبول کر لیتے ہیں اور رُشد و ہدایت کی راہ پر چلنے کیلئے بے قرار ہو جاتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ؎

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

مذکورہ بالا بنیادی معلومات کو لوگوں تک پہنچانے کیلئے اس درویش نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ کچھ لوگوں کو گروہوں کی شکل میں تین دنوں کیلئے (1.15 گھنٹہ روزانہ) جمع کیا جاتا ہے اور ان تین دنوں میں بہت دلچسپ انداز سے ضروریات اسلام کے اہم پہلوؤں پر درس دیئے جاتے ہیں۔ یہ درس اس قدر نتیجہ خیز

ثابت ہوتے ہیں کہ سامعین دل و جان سے اسلام کے پیروکار اور شیدائی بن جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس فقیر کے غریب خانے پر ہفتہ وار مجالسِ ذکر اور معلوماتی درسوں کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے جو ہر جمعتہ المبارک کے روز مغرب تا عشاء جاری رہتا ہے۔

یہ التماس آپ کی خدمت میں اس امید سے ارسال کی جارہی ہے کہ آپ ہماری ان کوششوں میں شرکت فرما کر مطلوبہ قومی اصلاح کو ایک نتیجہ خیز مرحلے تک پہنچانے میں مددگار بن سکیں۔ اس قومی اصلاح کے کام میں آپ سے طویل وقت اور عام لوگوں سے مالی امداد طلب نہیں کی جائے گی۔ ہمارے لیے یہ بات نہایت خوشگوار ہوگی کہ آپ اپنی مادی ضروریات کو پورا کرنے والے اوقات میں سے کچھ وقت اس قومی مہم کیلئے پس انداز فرمائیں اور اس اہم ترین ضرورت کی تکمیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خوشنودیوں اور انعامات کے مستحق ہو جائیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس دنیا کی قلیل زندگی آخرت کی زندگی کے مقابلے میں ایک سانس سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی کیونکہ سورۃ الحج کی آیت ۴۷ ''وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ'' کے مطابق اس دنیا کا ایک ہزار سال آخرت کے ایک دن کے مانند ہے۔ دیکھیے کون اللہ تعالیٰ کی عطاؤں، نعمتوں اور برکات کا مستحق بنتا ہے۔

الداعی الی الخیر

عبداللطیف خان نقشبندیؒ

سابقہ ڈائریکٹر محکمہ موسمیات لاہور

نماز کی مزید برکات

نماز کے خصوصی انعامات کا تذکرہ کرنے کے بعد نماز کی مزید کچھ برکات قرآن و حدیث کی روشنی میں پیش کی جارہی ہیں۔

ا۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کا سایہ میسر ہونا

صحیح حدیث میں تاجدارِ مدینہ ﷺ کا ارشادِ گرامی نقل ہے کہ ''سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ اَلْاِمَامُ الْعَادِلُ وَشَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ رَبِّهٖ وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اِجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ اِمْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّيْ أَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ أَخْفٰى حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ

وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللہَ خَالِیًا فَفَاضَتْ عَیْنَاہُ''[1] (سات قسم کے لوگ ایسے ہوں گے جن کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں رکھیں گے جس دن سوائے اللہ کی رحمت کے سائے کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا (۱) انصاف کرنے والا امیر اور حاکم (۲) وہ نوجوان جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اپنی جوانی گزار دی ہو (۳) وہ دو شخص جن کی آپس میں محبت اللہ تعالیٰ کیلئے ہو اور اس کی محبت میں دونوں جمع ہوتے ہوں اور اس کی محبت میں ہی جدا ہوتے ہیں (۴) وہ نمازی جو نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا لیکن دوسری نماز پڑھنے کیلئے اس کا دل مسجد میں اٹکا رہا اور وقت پر نماز ادا کر لی (نماز کیلئے انتظار میں رہنا حالتِ نماز میں شمار کیا جاتا ہے، چنانچہ جو وضو کر کے نماز کیلئے تیار ہوا اور اس اثناء میں خواہ کوئی وظیفہ، نفل یا تسبیح کرتا ہے حتیٰ کہ کسی دنیاوی شرعی کام میں لگا رہے تو بھی وہ تمام وقفہ نماز کی حالت میں تصور کیا جاتا ہے) (۵) وہ جوان جس کو کوئی خوبصورت عورت برائی کیلئے دعوت دے اور وہ اللہ سے ڈر کر اس کو جواب دے کہ مجھے خدا کو منہ دکھانا ہے (۶) جس نے خدا کیلئے خیرات اس طرح کی کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی علم نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا۔ (۷) اللہ تعالیٰ کا تخلیہ میں ذکر کرنے والا حتیٰ کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلیں)۔

۲۔ نماز ہلاکت سے نجات کا ذریعہ ہے

تفسیر روح البیان میں ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام اپنے زمانے میں امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ وہ امت ایسی نماز پڑھے گی کہ نوح علیہ السلام کی امت اگر ایسی نماز پڑھ لیتی تو کبھی آندھی کے طوفان میں گرفتار ہو کر ہلاک نہ ہوتی۔[2] حضرت دانیال علیہ السلام کا مطلب یہ تھا کہ ہلاک شدہ قومیں اگرچہ ایمان نہیں لائی تھیں۔ لیکن اگر وہ ظاہری طور پر ہی نماز پڑھ لیتیں یا نماز کی سی شکل بنا سکتیں تو دنیا میں ہلاک نہ ہوتیں، خواہ آخرت میں ایسی نمازوں کا کوئی ثواب مرتب نہ ہوتا۔ علامہ اقبال ؒ فرماتے ہیں ؎

یک نشانے آنکہ می گیرم ورا — آنکہ طاعت دارد وصوم و دعا

(وہ نشان جسے میں سب سے الگ خیال کرتا ہوں، اطاعتِ الٰہی اور صوم و صلوٰۃ کو میسر ہے)

از نماز و از زکوٰۃ و غیرِآں — لیک یک ذرّہ نہ دارد ذوقِ جاں

(خدا کی) نماز اور زکوٰۃ کے علاوہ کوئی چیز ذرہ برابر بھی قدر و قیمت نہیں رکھتی)

۳۔ دنیاوی بلاؤں سے محفوظ ہونا

ہر روز انسانوں پر بے شمار بلائیں نازل ہوتی رہتی ہیں خواہ یہ بیماری، حادثات، مصائب، آسیب اور

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۶۲۰، جلد ۳، صفحہ ۳۵۱۔

[2] تفسیر روح البیان، جلد ۸، صفحہ ۲۱۹۔

نقصانات کی شکل میں ہوں یا کسی ناگہانی پریشانی اور محرومی کی صورت میں رونما ہوں۔ اہلِ بصیرت کو اس بات کا مشاہدہ حاصل ہو چکا ہے کہ جس گھر کے افراد دینی زندگی بسر کرتے ہوں اور دین کے محض بنیادی تقاضے (یعنی نماز، زکوٰۃ، حج وغیرہ ادا کرتے ہوں) تو ایسے گھر اللہ کی حفظ و امان میں رہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو "لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" (یونس: ۶۲) (ان کو نہ کوئی خوف اور نہ کوئی ملال ہوگا) کے زمرے میں داخل فرمایا ہے۔

صوفیائے کرام کا قول ہے کہ جو ننگے سر گھر سے باہر نکلتا ہے تو اس پر بلاؤں کا نزول ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کوئی بزرگ بغیر ٹوپی یا دستار گھر سے نہیں نکلتا۔ جو شخص باوضو رہتا ہے وہ بھی بلاؤں سے محفوظ رہتا ہے کیونکہ وضو مومن کا ہتھیار ہے اور قرآن کا حکم ہے کہ جب تم اپنے گھروں سے نکلو تو اپنا اسلحہ لے کر نکلو "خُذُوْا حِذْرَكُمْ" (النساء: ۷۱) اس آیت سے روحانی اسلحہ اور مادی اسلحہ دونوں مراد ہیں۔

۴۔ ٹوٹی پھوٹی نماز بھی فیضانِ الٰہی سے خالی نہیں

نماز کو اگر اس کی ضروریات کے مطابق ادا کیا جائے تو اس کی شان ہی کچھ اور ہوتی ہے لیکن خستہ اور شکستہ نماز میں بھی نماز کی سی شکل بنانا، نماز کی عبارت، حروف کے سماوی انوار کا کچھ نہ کچھ اثر انداز ہونا اور نمازی کی روح کا عالمِ بالا میں لطیف انوار سے سیراب ہونا تو بہر حال ہوتا ہی ہے۔ اس کے علاوہ نمازی اگر ریا کی نماز ادا نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کی نظرِ کرم کا اس کو کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ملتا ہے کیونکہ اگر ایسا نمازی یہ نہیں تصور کرتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کر رہا ہے اور یہ بھی تصور نہیں کر سکتا کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے تو خدائے بزرگ و قدوس اپنی نظرِ کرم اس پر ضرور ڈالتا ہے اور اس کی صفتِ بصیر سے یہ بعید ہے کہ وہ اپنے سامنے جھکنے والے کو نہ دیکھے۔

اکثر لوگ یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کی نماز درست حالت میں ادا ہو۔ اگر کوئی شیطان کی مداخلت کی وجہ سے یہ نہیں کر سکتا تو وہ معذور تصور کیا جاتا ہے اور نماز کا اجر پاتا ہے اور اگر اس کو اس بات کا افسوس ہو کہ وہ نماز صحیح ادا نہیں کر سکا تو وہ "مُنْكَسِرَةُ الْقُلُوْبِ" (شکستہ دلوں) میں شمار ہوتا ہے اور اس کی نماز کا اجر بڑھ جاتا ہے۔ ہماری تصنیف "حضورِ قلب" میں ایک باب "دلوں کی غذا، غم" پر لکھ دیا گیا ہے۔ اس کا مطالعہ فرمائیں۔ حضرت مجددؒ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صورتِ نماز کو بھی قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے (دیکھیے اس کتاب میں حقیقتِ نماز کا بیان)۔

۵۔ نمازی عالمِ خلق اور عالمِ امر میں ان عالموں کی سیر کرتا ہے

عالمِ امر اور خلق میں نمازی کی روح ہر حال میں پرواز کرتی ہے اور صفاتِ الٰہیہ سے متاثر ہوتی ہے لیکن کسی کو اس کا شعور ہو تو فیضِ کثیر حاصل کرتا ہے ورنہ بہت کم فیضان اخذ کرتا ہے۔ یہ پرواز کس طرح ہوتی ہے

اور وہ کیا کیا دیکھتا ہے، کب اور کن حالات میں مشاہدہ کرتا ہے، کیا کیا اثرات اس کو ملتے ہیں یہ سب سوالات اس کتاب میں نہیں لکھے جا سکتے کیونکہ اس کیلئے طویل عبارت درکار ہے۔ ان سوالات کے جواب ہماری تصنیف ''اسلام دُرُوحانیت اور فکرِ اقبال'' میں شامل کئے گئے ہیں۔

۶۔ سنن، اشراق اور چاشت کی برکات

صاحب روح البیان لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''اِذَا صَلَّی الْعَبْدُ الصَّلَاۃَ فِی اَوَّلِ الْوَقْتِ صَعِدَتْ اِلَی السَّمَاءِ وَ لَهَا نُوْرٌ حَتّٰی تَنْتَهِیَ اِلَی الْعَرْشِ فَتَسْتَغْفِرُ لِصَاحِبِهَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَ تَقُوْلُ لَهٗ حَفِظَكَ اللّٰهُ كَمَا حَفِظْتَنِیْ''[1] (جب کسی نے اول وقت میں نماز پڑھی تو اس وقت یہ نماز نور بن کر آسمان پر سے گزرتی ہوئی عرشِ الٰہی کے قریب پہنچتی ہے اور اس وقت سے لے کر قیامت تک نمازی کیلئے دعائے مغفرت کرتی ہے اور اس نمازی کو کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تیری حفاظت کرے جس طرح تو نے میری حفاظت کی)۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ جب کوئی مسلمان نماز پڑھتا ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول بھی کر لیں تو اس نماز کے نور سے ایک فرشتہ پیدا کیا جاتا ہے اور اس فرشتہ کی ڈیوٹی لگا دی جاتی ہے کہ قیامت تک نماز پڑھتا رہے اور اس کی نماز کا ثواب اس نمازی کو پہنچاتا رہے۔ مشکوۃ شریف میں ہے کہ ''مَنْ حَافَظَ عَلٰی اَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَاَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرُمَ عَلَی النَّارِ''[2] (جو ظہر کی نماز سے پہلے اور بعد پابندی سے چار رکعتیں پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ اس پر حرام کر دیتے ہیں)۔ مشکوۃ کی ایک اور حدیث میں ہے کہ ''ظہر کی چار سنتیں پڑھنے کے بعد آسمان کے دروازے اس پر کھول دیئے جاتے ہیں اور نماز اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوتی ہے اور اس کی قبولیت کے سبب نمازی پر انوارِ رحمت نازل ہوتے ہیں''۔[3]

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''فِی الْاِنْسَانِ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَّسِتُّوْنَ مَفْصَلًا فَعَلَیْهِ اَنْ یَّتَصَدَّقَ عَنْ كُلِّ مَفْصَلٍ مِّنْهُ بِصَدَقَةٍ قَالُوْا وَمَنْ یُّطِیْقُ ذٰلِكَ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ قَالَ اَلنُّخَاعَةُ فِی الْمَسْجِدِ تَدْفِنُهَا وَالشَّیْئُ تُنَحِّیْهِ عَنِ الطَّرِیْقِ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فَرَكْعَتَا الضُّحٰی تُجْزِئُكَ''[4] (انسان کے بدن میں ۳۶۰ جوڑ ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ اپنے ہر جوڑ کا صدقہ ادا کرے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا نبی ﷺ اس قدر صدقہ دینے کی کس میں طاقت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسجد میں تھوک وغیرہ اگر موجود ہو اس کو صاف کر دینا، راستے میں تکلیف دہ چیزیں جو پڑی ہوئی ہوں، ان کو وہاں سے ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔ پس اگر کوئی چیز نہ پائے جو تین سو ساٹھ جوڑوں کے برابر صدقہ ہو سکے تو اشراق کی دو رکعت (نماز) تیرے لیے کافی ہے)۔

---

[1] تفسیر روح البیان، جلد ۸، صفحہ ۲۱۹۔

[2] مشکوۃ المصابیح محمد عبداللہ التبریزی، متوفی ۷۴۳، حدیث ۱۱۶۷، جلد ۱، صفحہ ۲۵۹، مکتبہ الاسلامی، بیروت۔

[3] مشکوۃ المصابیح، حدیث ۱۱۶۸، جلد ۱، صفحہ ۲۵۹۔

[4] سنن ابی داؤد، حدیث ۴۵۶۳، جلد ۱۳، صفحہ ۴۸۳۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "مَنْ صَلَّى الضُّحٰى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بَنَى اللهُ لَهٗ قَصْرًا مِنْ ذَهَبٍ فِي الْجَنَّةِ"[1] (جس شخص نے چاشت کی ۱۲ رکعتیں پڑھیں تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے جنت میں ایک سونے کا محل تیار کرتے ہیں)۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ "مَنْ قَعَدَ فِي مُصَلَّاهُ حِيْنَ يَنْصَرِفُ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتّٰى يُسَبِّحَ رَكْعَتَيِ الضُّحٰى لَا يَقُوْلُ إِلَّا خَيْرًا غُفِرَ لَهٗ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ أَكْثَرَ مِنْ زَبَدِ الْبَحْرِ"[2] (جو شخص صبح کی نماز سے فارغ ہو کر نماز کی جگہ پر بیٹھا رہا اور اشراق کی نماز پڑھ کر وہاں سے اٹھا بشرطیکہ درمیانی وقت میں کوئی دنیاوی کام یا باتیں نہ کی ہوں، بلکہ اللہ کا ذکر کیا ہو، تو ایسے شخص کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں چاہے وہ سمندر کی جھاگ سے بھی زیادہ ہوں)۔ چاشت کی نماز سے روزی میں برکت ہونا پہلے بیان ہو چکا ہے۔

۷۔ نمازِ اشراق، مالِ غنیمت سے زیادہ دولت کمانے کا ذریعہ ہے

معراج المومنین میں منقول ہے کہ حضور ﷺ نے ایک لشکر نجد کی طرف روانہ کیا تو وہ بہت جلد فتح یاب ہو کر بہت سا مالِ غنیمت ساتھ لایا۔ صحابہ کرام نے اس پر تعجب کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے کم وقت میں اس مالِ غنیمت سے بہت زیادہ مال اور دولت کمانے والی بات بتاؤں؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے اشراق کی نماز کے متعلق فرمایا کہ فجر کے بعد اسی جگہ بیٹھا رہے اور پھر دو نفل اشراق پڑھے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس وقت (اشراق سے پہلے) قبلہ رو ہو کر بیٹھے۔ شیخ الاسلام حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرمایا کرتے تھے کہ وہ عمل جس کی جزا دنیا میں فی الحال (فوراً) ہوتی ہے وہ یہ عمل ہے یعنی چند روز بعد اس شخص کو (اشراق پڑھنے سے) باطنی روحانیت حاصل ہو جاتی ہے اور مال و دولت بھی ملتا ہے۔

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۴۷۳، جلد ۲، صفحہ ۲۸۸۔
[2] سنن ابی داؤد، حدیث ۱۲۸۷، جلد ۴، صفحہ ۷۴۔

باب نمبر ۱۲

ترکِ نماز پر عتاب وخطاب

(بے نمازیوں کیلئے مہالک ومعاقب)

قرآن حکیم اور احادیث نے جو نماز میں پوشیدہ حکمتیں، فضیلتیں اور فوائد بیان کئے ہیں ایک بے نمازی ان سب سے یکسر محروم رہ جاتا ہے انسان کیلئے اس سے بڑی اور کیا محرومی ہوسکتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ان تمام انعامات اور عنایات سے بے نصیب رہ جائے جو اس نے اپنے بندوں کیلئے مخصوص فرمائی ہیں۔ ان محرومیوں کے علاوہ ایک بے نمازی خدائی قہر، دنیاوی مصائب، اوراخروی ذلتوں کی رسوائی کا موجب بن جاتا ہے۔ کچھ آیاتِ قرآنی اور احادیث اس موضوع پر پہلے بیان کی جا چکی ہیں، مزید کچھ آیات اور احادیث اس باب میں بیان کی جارہی ہیں۔ طبرانی نے بروایت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ ''لَا دِینَ لِمَنْ لَا صَلاۃَ لَہٗ'' (اس کا کوئی دین نہیں جس کی نماز نہیں)۔[1] حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش سے فرمایا کہ خدا کی قسم تمہیں نماز ضرور پڑھنا ہوگی، زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی ورنہ تم پر ایسا آدمی مُسلّط کردیا جائیگا جو دین پر تمہاری گردن مارے گا (دین دار بنانے کیلئے سختی کرے گا یا نام نہاد مسلمان ہونے کی وجہ سے کافر سختی کریں گے اور ان کو ناحق تنگ کریں گے)۔ اس حدیث کی تائید سورۂ مائدہ کی آیت ۵۴ سے ہوتی ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔''اے ایمان والو جو پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے تو عنقریب اللہ تعالیٰ لے آئے گا (ان پر) ایسی قوم کو اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اس سے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں، جو نرم ہوں گے ایمانداروں کیلئے اور بہت سخت ہوں گے کافروں پر'' کتاب الصلوٰۃ میں ہے کہ ہر نبی نے اپنی امت کو نماز کی آخری وصیت فرمائی اور دنیا سے رحلت کرتے وقت آخری عہد و پیمان نماز ہی کا لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی وصال سے قبل نماز قائم کرنے کی تاکید فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ آخری صفت جو اسلام سے قیامت کے قریب اٹھالی جائے گی وہ نماز ہے۔

فاسق امیر بھی ہو تو نامراد ہے

اسی باب میں بیان کیا جائے گا کہ نماز کا تارک اوّل درجے کا فاسق ہے۔ ایسا فاسق خواہ کتنا بھی دولت مند ہو دنیا اور آخرت میں محروم رہتا ہے۔ اکثر لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا جاتا ہے کہ فلاں شخص بہت مالدار اور خوش قسمت ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر فلاں نماز روزہ کا پابند نہیں تو کیا ہوا اس دنیا میں وہ آرام کی زندگی تو بسر کررہا ہے۔ ایسے نادان لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ لوگ جو انہیں خوش قسمت نظر آتے ہیں حقیقتاً وہ خوش قسمت

[1] المعجم الکبیر، حدیث ۵۳ ۳، جلد ۱۱، صفحہ ۲۰۲۔

نہیں، ان کی دولت، جاہ وجلال، عہدہ اور منصب، وسیع پیمانے پر کاروبار، امارت اور وزارت ان کی زندگی کو خوش گوار نہیں بنا سکتیں۔ اگر ان کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایسا شخص صبح سے شام تک پریشانیوں اور مصائب میں گرفتار، زندگی کی لذتوں سے محروم رہتا ہے۔ کہیں بیماریوں نے ان کو گھیر رکھا ہے اور کہیں مقدمہ بازی اور لڑائی جھگڑے نے ان کے سکون کو برباد کر رکھا ہے۔ کچھ لوگ پولیس کے چھاپے اور گرفتاری کے خوف سے سُکھ کی نیند سے محروم رہتے ہیں اور کبھی مال میں نقصان کا خوف یا انکم ٹیکس کی تلوار ان کی گردن پہ لٹکتی نظر آتی ہے۔ ان کی قسمت میں وہ اطمینان اور سکون کی نیند کہاں جو ایک غریب کسان کو سوکھی روٹی کھا کر میسر ہے۔ زندگی کا سکون اور آرام کی نیند ایسے لوگوں کو کہاں میسر ہوتی ہے جو مال و دولت کو حاصل کرنے کیلئے دین کی دولت سے بخوشی دست برداری قبول کر لیتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ؂

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے — مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق [۱۵۳]

اس میں کوئی شک نہیں کہ مصائب اور آزمائشیں دین داروں پر بھی نازل ہوتی ہیں اور وہ بلاؤں کے نازل ہونے سے بھی آزمائے جاتے ہیں، مگر ان کی تکالیف اور دین سے غافل لوگوں کی تکالیف میں بہت فرق ہے۔ نیک لوگوں کو انعامات اور اکرامات بخشنے کیلئے تکالیف دی جاتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ مصائب کو برداشت کرنے کیلئے صبر بھی عطا کیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ آزمائشوں میں بجائے تکلیف کے لذت محسوس کرتے ہیں اور بالآخر قربِ الٰہی سے نوازے جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کیلئے اس تکلیف میں کلفت نہیں بلکہ راحت کا سامان بن جاتا ہے۔ وہ اپنی تکالیف کو اپنے محبوب کی طرف سے انعام سمجھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ فرشتے ان کی حفاظت پر مامور رہتے ہیں۔ کچھ بلائیں جو نیک لوگوں پر نازل ہوتی ہیں وہ ان کے نیک اعمال اور روحانی قوت کی وجہ سے لوٹا دی جاتی ہیں اور کچھ بلاؤں کی شدت کو کمزور کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح صبح سے شام تک سینکڑوں بلائیں ان کو نقصان پہنچائے بغیر ٹل جاتی ہیں (ہماری تصنیف ''نشانِ منزل'' کے ایک باب میں اس ابتلاء کے موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے)۔

اولیائے کرام کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے پر اس قسم کے بے شمار واقعات نظر آتے ہیں کہ ان کی محض ایک نظر سے بہت سے لوگوں کے مصائب ٹل جاتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں شفا ہے، ان کی نظروں میں شفقت اور رحمت ہے، ان کی گفتگو اور صحبت میں بخششیں اور عنایتیں ہیں۔ روایات میں ہے کہ ایک دن حضرت سائیں توکل شاہؒ ایک باغ میں بیٹھے ہوئے ہاتھ میں تسبیح لیے کچھ پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص بھاگا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ حضور کسی دشمن نے مجھ پر کالے علم کی ہنڈیا چلائی ہے اور وہ ہنڈیا میرے پیچھے آ رہی ہے۔ آپ نے اپنا تسبیح والا ہاتھ اٹھا کر ہنڈیا کی طرف اشارہ کیا جیسے کسی چیز کو پیچھے ہٹا دیا جاتا ہے۔ اِس اشارے سے ہی ہنڈیا دُور جا گری۔ اس روایت میں اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ جو لوگ عبادات میں رہتے ہیں ان پر اگر کوئی کسی قسم کا جادو ٹونہ بھی کرے تو ایسی آفات از خود ان سے دُور رہتی ہیں۔ یہ تمام برکات کلام الٰہی اور

نماز وروزہ کے اثر کے باعث ہیں۔ اگر کوئی اس کالے علم کی ہنڈیا یا بزرگوں کی ایسی کرامت کا انکار کرے تو وہ کسی بزرگ یا متعلقہ کتاب سے رجوع کرے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ان کے بارے میں کافی کلام کیا ہے۔ اولیاء اللہ کے اختیارات ان کے زہد اور تقویٰ کی وجہ سے ہیں اور ایسی بلاؤں اور مصائب سے تحفظ زیادہ تر نیک آدمیوں کو ملتا ہے۔ مال و دولت کا ہونا کسی امتیاز کی علامت نہیں۔ لوگ چند ٹکوں کی خاطر نماز وروزہ کو ترک کر دیتے ہیں حالانکہ وہ دنیا جس میں دین نہ ہو، وہ ایسے ہی انسانوں کو دی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے بھٹک چکے ہوں۔ احادیث میں ہے کہ ایسے لوگ جو دین سے دور ہوتے جاتے ہیں ان کیلئے کبھی ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ ان پر روزی فراخ کر دی جاتی ہے لیکن وہ دینی دولت، رقتِ قلب اور گریہ وزاری اور خدا کی یاد سے محروم ہو جاتے ہیں۔ عوام ان کے مال و دولت کو دیکھ کر انہیں بہت خوش قسمت اور قابل احترام سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہیں۔

دُنیا کی اہمیت کیا ہے

قرآن اور احادیث کے مطابق مال صرف اتنا ہی ہونا چاہیے جس سے ضروریاتِ زندگی کو پورا کیا جا سکے۔ کوئی دنیا کو جائز ذرائع سے خواہ جتنا چاہے حاصل کرے کچھ مضائقہ نہیں، خواہ وہ اس کیلئے کتنی کوشش اور محنت کیوں نہ کرے، لیکن اگر مال کو ٹھیک جگہ پر خرچ کرے تو اس کے وبال سے بچ جاتا ہے۔ اس کے جمع کرنے کی ہوس، سامانِ عیش وعشرت کا مہیا کرنا، اس کا ناجائز اور غلط جگہوں پر خرچ کرنا، اس کیلئے اپنے ایمان کو بیچ دینا اور مال حاصل کرنے کیلئے ہر جائز اور ناجائز وسائل اختیار کرنا مسلمان کا شیوہ نہیں۔ اگر کوشش کے باوجود کفایت کے لائق مال نہ مل سکے تو تھوڑے مال پر کفایت کرنا خدا کی رضا کیلئے بہت بڑی بات ہے۔ اہلِ یقین کو معلوم ہے کہ تھوڑے مال پر بھی مومن کیلئے اتنی برکت ڈال دی جاتی ہے کہ اس سے اس کا گزر اوقات ہو سکتا ہے۔ مال کو اس قدر اہمیت دینا کہ خدا کے احکام کو پسِ پشت ڈال کر اسے حاصل کیا جائے تو خدا پر مال کی اس ترجیح کو شرک کہا جاتا ہے۔ کسی مال دار کی عزت اس کے مال یا عہدے کی خاطر کرنا گناہ عظیم ہے اور ایسے شخص کے دین کا تیسرا حصہ مال یا عہدے کی عزت کی وجہ سے جاتا رہتا ہے۔ اگر ایک غریب شخص دیندار ہے تو اسے خود کو بے دین مالدار یا حاکم سے بہتر تصور کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو عیش وعشرت کی جگہ نہیں بنایا کیونکہ عیش وعشرت تو صرف آخرت میں ہی متصور ہیں۔ یہ دنیا مومن کیلئے قید خانہ ہے اور قید خانے میں عیش و عشرت طلب کرنا عقل سے بعید ہے۔ "تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ" (القصص: ۸۳) (اس آخرت کے گھر کی نعمتوں کو ہم مخصوص کر دیں گے ان لوگوں کیلئے جو خواہش نہیں رکھتے دنیا میں بڑے بننے کی اور نہ فساد برپا کرنے کی اور اچھا انجام

پرہیزگاروں کیلئے ہے)۔ "وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ" (عنکبوت:۶۴) (اور دارالآخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے کاش وہ اس حقیقت کو جانتے)۔

آخرت میں تو ہر کوئی حقیقت کو جان لے گا مگر اس دنیا میں اس حقیقت کو جاننے والے اللہ کے وہ مقبول بندے ہیں جنہیں اس نے اس دنیا میں ہی چشمِ بصیرت عطا کی ہے۔ ذرا سوچیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کو دنیا میں کس چیز کی کمی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ وقت تھے۔ اگر آپ چاہتے تو آپ کو مال و دولت، محلاتِ شاہی اور بہترین کھانے اور لباس فاخرہ مل سکتے تھے کیونکہ آپ آدھی سے زیادہ دنیا کے حکمران تھے اور وہ کیا چیز تھی جو اس زمانے میں بھی آپ کیلئے حاضر نہیں کی جاسکتی تھی، مگر آپ ان کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اس دنیا کے سب سے بڑے بادشاہوں کے بادشاہ کے گھر میں وقتِ رحلت، ایک مٹی کا پیالہ، ایک چٹائی اور ایک جوڑا کپڑوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو اس جوڑے میں ہی دفن کر دیا گیا۔ ان کی پوری زندگی کے احوال کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید کو سمجھنے والے یہی لوگ تھے۔ آج بھی اللہ تعالیٰ نے چند لوگوں کو اُن کے نقشِ قدم پر باقی رکھا ہے، تاکہ لوگ یہ نہ کہہ دیں کہ قرآن اور دینِ اسلام کی قوت اور عظمت صحابہ کرام کے بعد ختم ہوگئی اور کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ آج اس پر عمل کرنا ممکن نہیں رہا۔ بندگانِ الٰہی میں سے آج بھی ایسے بزرگ موجود ہیں جو سلف صالحین کے خواص کو اپنائے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ مادہ پرستوں اور مغربی تہذیب کے گرویدہ انسانوں کی نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں اور اگر کچھ ایسے لوگ ظاہر ہو بھی جاتے ہیں تو ماڈرن مسلمانوں میں سے بہت کم ایسے ہیں جو ان سے مستفید ہو پاتے ہیں۔ آج کے نوجوانوں کے ذہنوں میں تو یہود اور نصاریٰ کے فلمی ایکٹروں اور رؤساء کا طرزِ حیات رچا بسا ہوا ہے۔ یہ مادہ پرست مسلمان ان ملعونوں کے سانچے میں ڈھل جانے پر فخر محسوس کرتا ہے اور حقیقت میں یہی لوگ ہیں جنہوں نے مذہب کو پس پشت ڈال دیا ہے ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی عطاؤں اور بخششوں سے محروم رہتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اس موضوع پر قوم کو بہت جھنجھوڑا ہے۔ ذیل میں ان کے چند اشعار پیش کیے جارہے ہیں۔

عصرِ حاضر ملک الموت ہے ترا جس نے — قبض کی روح تری دے کے تجھے فکرِ معاش[۱۵۴]

تازہ پھر دانشِ حاضر نے کیا سحرِ قدیم — گزر اس عہد میں ممکن نہیں بے چوبِ کلیم

عصرِ من دانندۂ اسرار نیست — یوسفِ من بہرِ ایں بازار نیست[۱۵۵]

(میرا زمانہ اسرارِ حیات کو نہیں مانتا، میرا یوسف اس بازار کی جنس نہیں ہے)

مکتب از مقصودِ خویش آگاہ نیست — تا بہ جذبِ اندرونش راہ نیست[۱۵۶]

(اہلِ مکتب اپنے (اسلامی) مقصد سے بے بہرہ ہیں کیونکہ یہ جذبِ قلبی کا راستہ نہیں دکھاتے)

از اجل ایں قوم بے پرواستے — استوار از نحن نزلنا ستے[۱۵۷]

(یہ قوم موت سے بے خبر ہے، (حالانکہ) اس کی استواری کا سبب وعدہ نحن نزلنا ہے)

اہلِ مغرب اور مغربی تہذیب کے متعلق علامہؒ فرماتے ہیں۔

فروغِ مغربیاں خیرہ کر رہا ہے تجھے — تیری نظر کا نگہبان ہو صاحب مازاغ

وہ بزمِ عیش ہے مہمان یک نفس دو نفس — چمک رہے ہیں مثالِ ستارہ جس کے ایاغ (۱۵۸)

برا نہ مان ذرا آزما کے دیکھ اسے — فرنگ دل کی خرابی، خرد کی معموری (۱۵۹)

چشمِ آدم سے چھپاتے ہیں مقامات بلند — کرتے ہیں رُوح کو خوابیدہ بدن کو بیدار (۱۶۰)

فکر عرب کو دے کر فرنگی تخیلات — اِسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو (۱۶۱)

یورپ از شمشیر خود بِسمل فتاد — زیر گردوں رسم لا دینی نہاد

(یورپ اپنی تلوار سے نیم جان ہو گیا ہے اور اس نے ساری دنیا میں لادینیت کی بنیاد ڈال دی ہے)

دَرنگاہش آدمی آب و گِل است — کاروان زندگی بے منزل است (۱۶۲)

(اسکی نگاہ میں انسان آب و خاک کا پتلا ہے اور انسان کی زندگی کے کارواں کی کوئی منزل نہیں)

دنیا کی محبت ہی ترکِ صوم وصلوٰۃ کا باعث ہے

دنیا کی محبت جادو کی طرح اثر رکھتی ہے اور دین سے دور لے جاتی ہے۔ مسلمان تو بہت آسانی سے دنیا کی محبت کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور اس کی جھوٹی شان پر فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ دنیا کی چاہت نے تو بہت سے پارساؤں کو بھی اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ دنیا اور اس کی محبت کے موضوع پر ایک تفصیلی باب ہماری تصنیف ''تہذیبِ نفس'' میں شامل کیا گیا ہے، تاکہ دنیا کی خواہشات کے پھندوں سے نجات حاصل کرنے کے طریقوں سے لوگوں کو آگاہی حاصل ہو سکے۔ اہلِ ذوق اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔

اس جگہ اتنا ہی سمجھ لینا ضروری ہے کہ اگرچہ کسبِ معاش اِس دنیا میں انتہائی اہمیت رکھتا ہے لیکن ایک عام مسلمان کو معلوم ہونا چاہیے کہ خواہشات کی افراط و تفریط سے بچنا کس طرح ممکن ہے۔ سرسری مشاہدہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس کا جتنا رزق مقدر ہے اس کو ہر حالت میں مہیا ہو جاتا ہے۔ انسان صرف اسباب، حیلہ اور جستجو کا مکلف ہے۔ حقیقتاً رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جس طرح ہم رزق کو تلاش کرتے ہیں رزق بھی ہمیں تلاش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس تقسیمِ رزق کے قوانین کو بھی قرآن میں بیان فرما دیا ہے اور ان میں سب سے اہم قانون یہ ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو اللہ تعالیٰ ان نعمتوں میں اضافہ فرما دیتے ہیں۔ ''لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ'' (ابراہیم: ۷) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ادائے شکر نعمتوں کو قید کر لینے کا بلکہ اُن کو بڑھا لینے کا ذریعہ ہے۔ ایک صاحبِ ایمان انسان کیلئے صرف اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ جو کچھ صحت، تندرستی، مال اور انعامات اس کو دیے گئے ہیں'' اس کا شکر بطریقِ اتباعِ شریعت کرے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دریافت فرمایا کہ الٰہی میں تجھ تک کیسے پہنچوں۔ فرمایا ''خود کو چھوڑ دے

اور آجا'' یہ بات اس طرح بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق '' جو اللہ تعالیٰ کا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کا ہو جاتا ہے''۔ افسوس کی بات ہے کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے اتنی بڑی یقین دہانی کرانے کے باوجود اس دور کے متزلزل ایمان والے مسلمان خدا کے اس وعدے پر یقین نہیں رکھتے۔ شاید وہ سمجھتے ہیں کہ کسی بندہ کا اللہ تعالیٰ کا بن جانا بہت مشکل امر ہے۔ کاش! مسلمان یہ سمجھ سکیں کہ جس قدر محنت دنیا کو خوش کرنے کیلئے درکار ہے، اگر اس کا دسواں حصہ بھی خداوند تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے بروئے کار لایا جائے تو یہ خدا کی رضا کو حاصل کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ انسان شیطانی طاقتوں کے زیرِ اثر ہو جانے کی وجہ سے بے سمجھ اور جلد باز ثابت ہوا ہے، وہ یہ نہیں جانتا کہ خدا کی بارگاہ میں اس کا ایک سجدہ دنیا کے حصول کیلئے کئے جانیوالے ہزار سجدوں سے نجات دلاتا ہے۔

اولیائے کرام فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کو نماز، وضو اور دیگر اعمالِ صالح میں شیطانی وساوس پیدا ہوتے ہیں ان میں اکثر وہ ہیں جن کے دلوں میں دنیا کی محبت ہوتی ہے ایسے وسوسے اُن کو عبادت سے محروم کر دیتے ہیں اور اگر دنیا کی محبت کی شدت بھی ہو تو ایسے وسوسے نماز کے دوران طرح طرح کے خیالات پیدا کرتے ہیں۔ دنیا کی محبت بڑھانے والی ایک اہم بات یہ ہے کہ انسان پر محبت کا رنگ بہت جلد چڑھتا ہے۔ اچھی صحبت میں بیٹھنے والے ایک نہ ایک دن جلد یا بدیر نیکی کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ انسانی سیرت، اخلاق و کردار پر اثر انداز ہونے والی ایک اور بہت ضروری چیز انسان کا ذریعہ معاش ہے۔ یہ بات مُسلّم ہے کہ رزقِ حلال انسانی بدن میں ایسا خون پیدا کرتا ہے کہ اس کے کھانے والا خواہ کوشش کرے یا نہ کرے نیک اعمال کی طرف مائل ہوتا رہتا ہے حالانکہ حرام مال کھانے والا شخص ہزار کوشش کے باوجود نیک عمل کرنے میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ احادیث میں ہے کہ عبادت کے دس حصوں میں سے نو حصے اکلِ حلال میں ہیں اور دسواں حصہ باقی تمام عبادات میں ہے (یعنی جس نے رزقِ حلال کمایا گویا اس نے عبادت کے نو حصوں کا ثواب پالیا)۔

تارکینِ نماز کی سزائیں (قرآن اور حدیث کی رُو سے)

قرآن میں اس بات کا ذکر آیا ہے کہ جب کفار اور دوسرے جہنمی لوگ دوزخ میں بھیجے جائیں گے تو وہاں ان سے جہنم رسید ہونے کی وجہ دریافت کی جائے گی۔ اس دنیا میں بھی جب کوئی قیدی جیل خانے میں بھیج دیا جاتا ہے تو جیل خانے کے دیگر قیدی اور عملے والے لوگ اس سے پوچھتے ہیں کہ تم کس جرم کی سزا میں جیل خانے میں بھیجے گئے ہو۔ جہنمی لوگ جہنم میں پہنچ کر کچھ ایسا ہی کلام کریں گے۔ ملائکہ دوزخیوں سے پوچھیں گے۔ '' مَا سَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِیْنَ ۝ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِیْنَ '' (تمہیں دوزخ میں کس چیز نے ڈالا، وہ کہیں گے کہ ہم (ایمان لاکر) نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے اور ہم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور ہم بحث کرنے والوں کے ساتھ بحث کرتے تھے) (مدثر: ۴۲:۴۵)۔ نماز و روزہ

اور دیگر احکام خداوندی سے منہ پھیرنے والے کو قیامت کے دن اندھا اٹھایا جائے گا۔ "وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ" (اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کی زندگی (کا جامہ) تنگ کر دیا جائے گا اور ہم اسے اٹھائیں گے قیامت کے دن اندھا کر کے) (طٰہٰ:۱۲۴)۔

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ احکامِ خداوندی سے منہ پھیرنے والا اطمینانِ قلب سے محروم رہتا ہے۔ خواہ اسے دنیا میں کسی قدر مال و منال ہی کیوں نہ مل جائے، سچی خوشی سے کبھی بہرہ مند نہیں ہوتا۔ وہ حرام ذرائع سے رزق اکٹھا کرنے سے باز نہیں آتا۔ اس کا ضمیر اس کو ملامت کرتا رہتا ہے اور اس کی یہ ملامت بہت دلگداز ہوتی ہے۔ اس کے دامن کے بدنما داغ اس کو گھورتے رہتے ہیں۔ وہ خود اپنے آپ کو مجرم سمجھتا ہے۔[1] یہ سزا تو دنیا کی ہے۔ اس سے اگلی دو آیات میں فرمایا گیا ہے کہ "وہ قیامت کے دن اندھا اٹھایا جائے گا اور وہ کہے گا کہ الٰہی مجھے اندھا کیوں اٹھایا گیا ہے؟ میں تو دنیا میں بینا تھا۔ فرمانِ الٰہی ہوگا کہ دنیا میں میری آیتیں تم کو پڑھ کر سنائی جاتی تھیں اور تو نے ان آیات سے منہ موڑ لیا تھا"۔ اس سے یہ بھی مراد ہے کہ تجھے یہ احساس تھا اور تو نے دنیا میں ہماری نشانیاں دیکھیں جن میں میرے خدا ہونے کے واضح ثبوت مہیا ہوتے تھے، جنت اور دوزخ کا برحق ہونا ثابت ہوتا تھا لیکن تو نے میرے رب ہونے کی پرواہ نہیں کی، اس لیے آج ہمیں بھی اس بات کی پروا نہیں کہ تو کس حال میں ہے۔ العیاذ باللہ۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر ترکِ صلوٰۃ کیلئے اپنی ناراضگی کا اظہار یوں فرمایا ہے۔ "فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَوٰةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا" (پس اس کے بعد جانشین ہوئے ان کے برے لوگ، انہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور خواہشات کے پیچھے لگے رہے۔ وہ جلد ہی شدید عذاب سے ملیں گے سوائے ان کے جنہوں نے توبہ کی) (مریم:۵۹)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ أَضَاعُوا کا معنی یہ ہے کہ جس نے نماز میں وقتِ مقررہ سے دیر کی۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جو نماز کو اتنی تاخیر سے پڑھے کہ اگلی نماز کا وقت قریب آ جائے اور اس حالت میں مر جائے تو ایسا شخص دوزخ کی وادی غَیّ میں پھینکا جائے گا۔[2]

انبیائے کرام ہمیشہ دین کو قائم کرتے رہے اور ان کے بعد کے لوگ بھی دین کے ارکین کو تھامے رہے۔ مگر رفتہ رفتہ ایسے لوگ آئے کہ انہوں نے مستحبات تو کیا فرائض کو بھی ترک کر دیا۔ گو ایسے لوگ نماز و روزہ کے فرض ہونے کا انکار تو نہیں کرتے ہیں مگر عملی طور پر ان فرائض کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اس کی بجائے دنیا کے کاموں میں لگے رہتے ہیں۔ ایسے تمام لوگ نماز کو ضائع کرنے والے ہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ نیکوں اور ولیوں کی اولاد بھی دینی احکام سے اس طرح دستبردار ہو جاتی ہے کہ گویا یہ صاحبزادگان اپنے اکابرین کے

---

[1] تفسیر ابن کثیر، اسماعیل بن عمر بن کثیر، متوفی ۷۷۴ھ، جلد ۵، صفحہ ۳۲۲، دار طیبہ للنشر، بیروت۔

[2] تفسیر ابن کثیر، جلد ۵، صفحہ ۲۴۳۔

بالکل برعکس زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کے بزرگوں نے لاکھوں کو نیکی کے راستے کی شمع دکھائی اور اُن کی زندگیاں عرفان، خدمتِ دین اور تبلیغ میں گزریں مگر ان کی اولاد میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس کمینی دنیا کی محبت میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ اِن کی یہ تباہی صرف ان کی اپنی تباہی نہیں بلکہ پوری قوم کی تباہی کا باعث بنتی ہے۔ کیونکہ اِن کی بے دینی دوسروں پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔

ذکرِ الٰہی نہ کرنے والوں کو شیطان اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے

ذکرِ الٰہی ایک جامع لفظ ہے۔ اِس سے مراد اللہ کی یاد ہے خواہ وہ نماز روزہ کی صورت میں ہو یا تسبیح و تہلیل کے ذریعے ہو۔ یہ ناممکن ہے کہ ذکر و تسبیحات تو ہوں اور نماز نہ ہو اور اگر کوئی ایسا کرے تو اس ذکر کو ذکر نہیں کہا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ'' (الزخرف: ۳۶) (جو شخص رحمٰن کے ذکر سے (دانستہ طور پر) اندھا بن جاتا ہے تو ہم مقرر کر دیتے ہیں اس پر ایک شیطان جو ہر وقت اس کا رفیق رہتا ہے)۔ علامہ زبیدیؒ تاج العروس میں لکھتے ہیں کہ ''عِشَاء'' بینائی کی کمزوری کو کہتے ہیں۔ خواہ یہ کمزوری رات میں ہو یا دن میں، یہ بیماری انسانوں، حیوانوں اور پرندوں میں پائی جاتی ہے۔[1] علامہ راغبؒ نے لکھا ہے کہ يَعْشُ کا معنی تاریکی ہے جو آنکھوں میں چھا جاتی ہے۔ اس کا ایک معنی اندھا ہو جانا اور بینائی کا بالکل ضائع ہو جانا ہے۔[2] علامہ زبیدیؒ نے لکھا ہے کہ جو اللہ کے ذکر سے نابینا ہو جاتا ہے اس کیلئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

لِسَانُ الْعَرَب میں علامہ ابن منظورؒ فرماتے ہیں کہ یہ بینائی کا کمزور ہو جانا ہے اور وہ اونٹنی جو ضُعف سے اندھی ہو جائے اسے ''اَلنَّاقَةُ الْعَشْوَاءُ'' کہتے ہیں۔ جب کوئی شخص کسی چیز سے منہ پھیر لے تو عرب والے کہتے ہیں ''عَشَوْتُ عَنْهُ'' (یعنی میں نے اس شے سے منہ موڑ لیا)۔[3] امام فرا نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ کے ذکر سے منہ پھیر لے۔ قَيَّضَ اس خول کو کہتے ہیں جو انڈے پر ہوتا ہے۔[4] ''نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا'' کا معنی ہے کہ ہم اس پر ایک شیطان مخصوص کر دیتے ہیں جو اس پر اس طرح چھا جاتا ہے اور اس کو ہر جانب سے اس طرح گھیر لیتا ہے جس طرح انڈے کا خول انڈے کو ہر طرف سے گھیرے رہتا ہے۔ علامہ آلوسیؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ جس طرح انڈے کا خول انڈے پر چھا جاتا ہے اسی طرح شیطان غافل انسان پر چھا جاتا ہے۔[5] علامہ راغبؒ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اللہ کا فرمان ہے

---

[1] تاج العروس، محمد مرتضیٰ الحسینی، جلد ۱، صفحہ ۸۴۹۹، دار الھدایہ، بیروت۔

[2] مفردات القرآن، امام راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ، جلد ۱، صفحہ ۳۳۶، دار المعرفہ، لبنان۔

[3] لسان العرب، علامہ ابن منظور، متوفی ۷۱۱ھ، جلد ۱۵، صفحہ ۵۶، دار صادر، بیروت۔

[4] تاج العروس، جلد ۱، صفحہ ۴۷۲۳۔

[5] روح المعانی، جلد ۲۵، صفحہ ۸۱۔

کہ ہم ایسے شخص سے الگ ہوجاتے ہیں اور ہماری توفیق اس کونظر انداز کر دیتی ہے۔ (یعنی خدائی توفیق سے وہ محروم ہوجاتا ہے۔) تاکہ شیطان اس پر یوں تسلط جما لے جس طرح چھلکا انڈے پر مستولی ہوتا ہے۔[1]

ذکر کے اندھوں سے توفیقِ الٰہی چھن جاتی ہے

اب مندرجہ بالا آیت کا معنی (علامہ راغبؒ کی اوپر لکھی ہوئی تشریح کے مطابق) یہ ہوا کہ جو شخص ذکر رحمٰن سے اندھا بن جاتا ہے یا اپنی بینائی کی کمزوری کی وجہ سے انوار ربانی اور تجلیاتِ رحمانی کی تاب نہ لا کر آنکھیں جھپکنے لگتا ہے بالفاظِ دیگر جو شخص ذکر رحمٰن سے منہ پھیر کر لغویات میں منہمک ہو جاتا ہے تو خداوند ذوالجلال فرماتے ہیں کہ ہم اس کی خرمستی کی سزا یہ دیتے ہیں کہ ہماری توفیق اس سے الگ ہوجاتی ہے اور شیطان کو اس پر یوں مسلط کر دیا جاتا ہے جس طرح انڈے کا خول انڈے کو ہر طرف سے گھیرے رہتا ہے۔ وہ بدنصیب مکمل طور پر شیطان کے سامنے اپنے ہتھیار پھینک دیتا ہے۔ اس کی انفرادیت شیطان کی اطاعت اور رضا جوئی میں کھو جاتی ہے۔ اس کے شعور اور تحت الشعور میں فہم کے جو دیئے روشن تھے بجھ جاتے ہیں اور وہ علمائے کرام اور اولیائے کرام کو برا بھلا کہتا رہتا ہے۔ وہ شیطان کے پھیلائے ہوئے اندھیروں سے اتنا مانوس ہو جاتا ہے کہ اسے روشنی کی ایک کرن بھی ناگوار معلوم ہوتی ہے اور زندگی بھر اسی طرح شیطان اس کا ساتھی رہتا ہے۔ قرین ایسے ساتھی کو کہتے ہیں جو ہر وقت ساتھ رہے گویا وہ رسی سے بندھا ہوا ہے اور فرمایا ''وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ'' (زخرف:۳۷) (اور یہ شیاطین روکتے ہیں ان (اندھوں) کو راہ ہدایت سے اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں)۔

شیطان ان کو اسی طرح فسق و فجور کا عادی بنا لیتے ہیں اور یہ ساری قوم کا خون چوس لینے کے باوجود تشنہ لب دکھائی دیتے ہیں۔ وہ ملک اور قوم کا سودا کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے۔ ان سب برائیوں اور گمراہیوں کے باوجود خود اپنے بارے حسنِ ظن رکھتے ہیں اور خود کو سیدھی راہ پر سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ نیکی کرنا بھی چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ اسی طرح جو لوگ کسی برائی یا بدعقیدگی کے ساتھ چمٹ جاتے ہیں وہ اس میں اس قدر پختہ ہو جاتے ہیں کہ ان کی برائیاں ان پر روشن (ظاہر) ہونے کے باوجود ان سے باز نہیں آ سکتے۔ شیطان ان کے گمراہی کے راستوں کو بھی ہدایت کی راہ ہونا ظاہر کرتا ہے اور اس طرح راہِ ہدایت کا انکار کر دیتے ہیں۔

''وآنکه ایں کار نه دانست به انکار بماند'' (جو لوگ یہ کام نہ سمجھ سکے اپنے انکار میں مارے گئے)۔

قیامت کے دن صرف نمازی ہی خدا کے حضور سجدہ کر سکیں گے

سورۂ قلم کی مندرجہ ذیل آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیامت کے دن صرف نیک نمازی انسان ہی اللہ کو سجدہ

---

[1] مفردات القرآن، جلد ا، صفحہ ۴۱۵۔

کر سکیں گے اور نجات کے امیدوار ہوں گے۔ جن کو سجدہ کرنے کی طاقت نہیں ہوگی وہ بے نمازی ریا کار، منافقین اور کافروں میں سے ہوں گے۔ "یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ۝ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَقَدْ کَانُوْا یُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ۝ فَذَرْنِیْ وَمَنْ یُّکَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ" (القلم: ۴۲ تا ۴۴) (جس روز پردہ اٹھایا جائے گا ایک ساق (پنڈلی) سے تو ان (نابکاروں) کو سجدے کی دعوت دی جائے گی تو اُس وقت وہ سجدہ نہ کر سکیں گے، ندامت سے ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی اور ان پر ذلت چھا رہی ہوگی، حالانکہ انہیں (دنیا میں) بلایا جاتا تھا سجدے کی طرف جبکہ وہ صحیح سلامت تھے۔ پس (اے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) مجھے اور اسے چھوڑ دیجئے جو اس کتاب کو جھٹلاتا ہے۔ ہم انہیں بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے، اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہوگا)۔

سَاقٌ کا لفظی معنی پنڈلی ہے اور محاورے کے طور پر عرب کہتے ہیں کہ "شَمَّرَتِ الْحَرْبُ عَنْ سَاقِهَا" (جنگ نے اپنی پنڈلی سے تہبند اٹھا لیا) یعنی جنگ زوروں پر ہے۔ اس جگہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ قیامت کے دن جب حالات ہولناک ہوں گے، ہر شخص کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں گی، اس وقت لوگوں کے ایمان کو ظاہر کرنے کیلئے حکم دیا جائے گا کہ اللہ کو سجدہ کرو۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ حق تعالیٰ مسلمانوں کے سامنے ایک خاص صورت میں متجلی ہوں گے اور فرمائیں گے "اَنَا الرَّحْمٰنُ" یہ سن کر سب کہیں گے "نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ" (یعنی ہم اللہ کے ساتھ تجھ سے پناہ مانگتے ہیں) پھر "یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ" کے وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ پنڈلی والی تجلی منکشف فرمائیں گے۔ ایمان اور اخلاص والے فوراً پہچان لیں گے اور سجدے میں گر جائیں گے کیونکہ نمازی کا سجدہ اللہ کے قدموں میں ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے "اَلسَّاجِدُ یَسْجُدُ عَلٰی قَدَمِی اللّٰهِ فَلْیَتَسْجُدْ وَالْتَرْغَبْ" (سجدہ کرنے والا اللہ کے قدموں میں سجدہ کرتا ہے۔ پس چاہیے کہ تو سجدہ کرے اور رغبت کے ساتھ سجدہ کرے)۔[۲]

نمازیوں کو سجدوں کی عادت ہوتی ہے مگر قیامت کے روز کفار اور منافقین سجدوں کی طاقت نہ رکھیں گے اور باوجود کوشش کے سجدہ نہ کر سکیں گے۔ وہ سجدے سے اس لیے محروم رہیں گے کہ وہ دنیا میں باوجود صحیح سالم ہونے کے سجدہ نہ کرتے تھے اور اس آیت میں "وَهُمْ سَالِمُوْنَ" کا یہی مطلب ہے کہ وہ بغیر کسی عذر کے سجدوں سے محروم رہتے تھے۔ ان کو دنیا میں سجدوں کیلئے کہا جاتا تھا مگر ان کو سجدوں کی توفیق نہ تھی۔ فرمانِ الٰہی ہے کہ چونکہ دنیا میں وہ سجدہ کرنے کا حکم نہ مانتے تھے اس لیے ان سے آج، قیامت کے روز سجدہ کرنے کی طاقت سلب کر لی جائے گی۔ ایک حدیث، جو حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ اور ایک روایت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ لوگ جماعت کیلئے بلائے جاتے تھے اور جماعت سے نماز نہ پڑھتے تھے (اس لیے ان کو

---

[۱] المخصص، ابن سیدہ، جلد ۱، صفحہ ۱۲۷، المطبعۃ الامیریہ، مصر۔

[۲] الجامع الصغیر، ناصر الدین الالبانی، حدیث ۱۶۳۶، جلد ۵، صفحہ ۸۲، بیروت۔

سجدے کی طاقت نہ رہے گی)۔

بخاری شریف میں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی گئی ہے کہ جو لوگ اس وقت قیامت کے روز سجدہ نہ کر سکیں گے وہ ایسے لوگ ہوں گے جو دنیا میں ریا کی نماز پڑھتے تھے۔[1] ایک قول یہ ہے کہ وہ کافر تھے اور سرے سے ہی نماز نہ پڑھتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ "ساق" کی تجلی فرمائیں گے تو یہ ایک خاص تجلی ہوگی۔ اس کو دیکھ کر مسلمان سجدے میں گر جائیں گے لیکن بعض لوگ ایسے ہوں گے جن کی کمر تختے کی طرح سخت ہو جائے گی اور سجدے کیلئے جھک نہ سکیں گے۔ یہ لوگ دنیا میں نماز ادا نہ کرتے تھے۔

کنز العمال کی ایک روایت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے اس آیت "یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ" کی تشریح میں فرمایا ہے کہ جب بت پرست، شمس پرست اور تمام غیر اللہ کی پوجا کرنے والے اپنے معبودوں کے ساتھ جہنم میں چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنین کیلئے ارشاد ہو گا۔ "ذَھَبَ کُلُّ اُمَّۃٍ بِرَبِّھَا" (یعنی ہر قوم اپنے خدا کے ساتھ چلی گئی ہے) تم یہاں کس کے انتظار میں کھڑے ہو؟ اس پر یہ لوگ کہیں گے کہ ہم اپنے معبود برحق کے انتظار میں ہیں اور ہم تمام عمر یہاں سے ہرگز نہ ہلیں گے جب تک اپنے رب کو دیکھ نہ لیں (ھٰذَا مَکَانُنَا حَتّٰی نَرٰی رَبَّنَا) اس پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ "کیا تم اپنے رب کی پہچان رکھتے ہو" تب اللہ کے حکم سے جبریل علیہ السلام ان کے سامنے آئیں گے تو سب الٹے قدم ہٹیں گے اور منہ سے کہیں گے نَعُوْذُ بِاللّٰہِ۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کی تجلی فرمائیں گے تو سب سجدے میں گر جائیں گے۔[2] جو کیفیت اس وقت مومنوں کی ہوگی وہ اللہ ہی جانتا ہے کیونکہ اپنی تمام عمر وہ خدا کو دیکھے بغیر سجدہ کرتے رہے مگر یہ وہ دن ہوگا جس دن ان کو حضوری کا سجدہ نصیب ہوگا۔

ایک اور روایت نماز کے باب میں ہی بیان کر دی گئی ہے کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے مگر ایک جماعت وہیں کھڑی رہ جائے گی اور جنت میں جانے سے انکار کر دیں گے۔ فرشتے انہیں نورانی زنجیروں سے جکڑ کر لے جانے کی کوشش کریں گے لیکن وہ وہاں سے ہل نہ سکیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے کہ اے فرشتو! تم میرے اور میرے بندوں کے بیچ سے نکل جاؤ کیونکہ ان کا معاملہ میرے ساتھ ہے۔ اس کے بعد ایک ندا آئے گی کہ اللہ کے دیدار کی جگہ تو جنت ہے وہاں دیدار الٰہی ہو گا۔ یہ سنتے ہی وہ سب جنت کی طرف لپکیں گے۔ یہ عشاق کا گروہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سجدہ نہ کرنے والوں سے خود ہی نمٹ لیں گے

سورۂ قلم کی مندرجہ بالا آیات میں جہاں فاسقوں اور کافروں کے سجدہ نہ کر سکنے کا ذکر ہے وہاں خدا تعالیٰ کا

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۴۶۳۵، جلد ۴، صفحہ ۱۸۷۱۔

[2] کنز العمال، حدیث ۳۹۲۰۰، جلد ۱۴، صفحہ ۴۴۵۔

فرمان ہے کہ "اے رسول ﷺ مجھے اور اس شخص کو چھوڑ دیں جو کتاب کو جھٹلاتا ہے اور سجدے نہیں کرتا"۔ آیت نمبر ۴۴ میں لفظ "فَذَرْنِیْ" کے معنی ہیں کہ مجھے چھوڑ دیں یعنی اے محبوب ﷺ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، میں خود ان سے نمٹ لوں گا۔ اللہ تعالیٰ کا نمٹنا کس طرح ہوگا وہ استدراج کی درج ذیل تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

خدا کی طرف سے استدراج یہ ہے کہ مجرموں کو تباہی میں پھینک دیا جائے: یہ بات سمجھ لینے کے قابل ہے کہ بعض اوقات انسان غلطی کرتا ہے اور خداوند تعالیٰ اس کے جرم کی پاداش میں اس کو مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے جس سے اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور جونہی آنکھیں کھلیں تو وہ بذریعہ توبہ رجوع کر لیتا ہے۔ اس کا ذکر قرآن میں اس طرح آیا ہے۔ "وَبَلَوْنٰھُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ" (الاعراف:۱۶۸) (اور ہم نے آزمایا انہیں نعمتوں اور تکلیفوں کے ساتھ کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں)۔ اللہ تعالیٰ مصیبتیں دے کر بھی آزماتے ہیں اور نعمتوں سے بھی آزمایا کرتے ہیں تاکہ نعمتوں میں انسان خود کو نعمتوں کے قابل نہ ہونے کے احساس سے شکر ادا کرنے کی طرف راغب ہو جائے اور مصائب میں یہ سمجھے کہ شاید مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے اور اس طرح وہ نیکی پر آمادہ ہو جائے۔ یہود و نصاریٰ اپنے رب کی نافرمانی کرتے رہے اور عذابِ الٰہی کے باوجود توبہ نہ کی کیوں کہ وہ خود کو تورات کے عالم اور خداوند تعالیٰ کے لاڈلے سمجھتے تھے۔ یہ لوگ رشوت لیکر تورات کی آیات کو بدل دیتے تھے۔ ایسی حرکات کی وجہ سے قوموں پر عذاب شروع ہو جاتا ہے تاکہ شاید وہ خوفزدہ ہو کر راہ راست پر آ جائیں۔ ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے۔ "لِیُذِیْقَھُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ" (الروم:۴۱) (تاکہ اللہ انہیں کچھ سزا چکھائے ان کے برے کاموں کی (اس لیے) کہ شاید وہ باز آ جائیں)۔ یہ سزا عبرت کیلئے دی جاتی ہے تاکہ وہ اپنی اصلاح کریں۔ ایک اور جگہ فرمایا: "وَاَخَذْنٰھُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ" (الزخرف:۴۸) (اور ہم نے مبتلا کر دیا انہیں عذاب میں تاکہ وہ باز آئیں (اپنی سرکشی سے)۔

اللہ تعالیٰ بعض کو عذاب دے کر سیدھے راستہ پر لانا چاہتے ہیں۔ مگر بعض بدکاروں کو ان کے حد سے بڑھ جانے پر بھی مصائب نہیں دیتے بلکہ ان کے ظاہری حالات کو اور بھی بہتر بنا دیتے ہیں۔ وہ جتنے گناہ اور گستاخیاں کرتے ہیں، دنیا کی نظر میں ان کی عزت میں اضافہ اتنا ہوتا جاتا ہے، اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ٹھیک راہ پر ہیں۔ مجرموں کو دنیا میں اس اعتبار سے نعمتیں یا عزتیں دیئے جانے کو قرآن نے اس آیت میں استدراج قرار دیا ہے۔ (عام طور پر استدراج کسی کافر سے خلافِ عادت کام سرزد ہونے کو کہتے ہیں اور اگر یہ کام کسی ولی سے سرزد ہو جائے تو یہ اس کی کرامت کہلائے گی لیکن اگر یہی کام کسی نبی کے ہاتھوں سے ہو تو معجزہ کہلائے گا)۔ یہاں استدراج سے مراد یہ ہے کہ فاسق اور فاجر لوگ اگر برے کام کریں تو بجائے سزا دینے کے انہیں نعمتوں سے نوازا جاتا ہے اور یہ خلافِ معمول عمل کہلائے گا۔ (استدراج کے معنی بھی یہی ہیں)۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں استدراج یہ ہے کہ "نَسْبَغُ عَلَیْھِمِ النِّعَمَ وَنُنْسِیْھِمِ الشُّکْرَ"[1]

---

[1] حلیۃ الاولیاء، جلد ۳، صفحہ ۱۴۸۔

(ہم انہیں پے در پے نعمتیں دیتے ہیں اور انہیں شکر ادا کرنا فراموش کرا دیتے ہیں)۔ ابو وراق" فرماتے ہیں" اَیْ کُلَّمَا اَحْدَثُوْا خَطِیْئَةً جَدَّدْنَا لَهُمْ نِعَمًا وَ اَنْسَیْنَاهُمُ الْاِسْتِغْفَارَ "(جب وہ کوئی نئی خطا کرتے ہیں تو ہم ان کوئی نعمتیں بخش دیتے ہیں اور استغفار کی توفیق سلب کر لیتے ہیں)۔[1] ایک حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل کے کسی بدکار نے کہا" یَا رَبِّ کَمْ اَعْصِیْكَ وَ اَنْتَ لَا تُعَاقِبْنِیْ "(یا اللہ میں تیری کتنی نافرمانی کرتا ہوں اور تو مجھے سزا ہی نہیں دیتا) اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے نبی علیہ السلام کو وحی کی کہ تم اس احمق کو کہو کہ میں تمہیں کئی قسم کی سزائیں دیتا ہوں مگر تمہیں اس کا شعور نہیں اور فرمایا:" اِنَّ جُمُوْدَ عَیْنَیْكَ وَقَسَاوَةَ قَلْبِكَ اِسْتِدْرَاجٌ مِّنِّیْ وَعُقُوْبَةٌ لَوْ عَقَلْتَ "[2] (اگر تجھے عقل ہوتی تو تیری آنکھوں کا آنسوؤں سے محروم ہو جانا اور تیرے دل کا سخت ہو جانا بہت بڑی سزا ہے اور میری طرف سے استدراج ہے اگر تو سمجھتا ہے)۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام میں متعدد مقامات پر خدا سے مسلمانوں کیلئے تڑپنے پھڑکنے اور صحابہ کبار جیسے پُرسوز دل کی توفیق مانگی ہے۔
مولانا روم فرماتے ہیں کہ جب خدا کسی پر مہربانی کرنا چاہتا ہے تو اس کا میلان زاری کی طرف کر دیتا ہے ؎

چوں خدا خواہد کہ ما یاری کند میلِ ما را جانبِ زاری کند(۱۶۳)

یہ بات مشاہدے میں آتی ہے کہ کچھ لوگ اللہ کی یاد سے غافل ہیں اور دنیا کی نعمتوں میں وافر حصہ رکھتے ہیں لیکن انہیں اس سزا کا قطعاً احساس نہیں ہے کہ جو اوپر بیان ہوئی ہے۔ ایسے لوگ نہایت مطمئن نظر آتے ہیں لیکن حقیقتاً وہ مطمئن نہیں ہوتے ہیں۔ ہماری تصنیف" متاعِ اخلاق" میں خوفِ خدا اور گریہ وزاری کے باب میں رقتِ قلب کی بابت کافی تفصیل دے دی گئی ہے جس کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوگا کہ گریہ وزاری ایک بہت بڑی نعمت ہے۔

بے نمازی تمام مخلوقات میں ذلیل ہوتا ہے

خطبۂ تبوک میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ یُعَذِّبْهُ اللّٰهُ "[3] (یعنی جو خدا کی نافرمانی کرتا ہے خدا اسے عذاب دیتا ہے)۔ اور اس سے بڑی نافرمانی اور کیا ہوگی کہ کوئی ایک رکن اسلام یعنی نماز سے منحرف ہو جائے۔ نزہتُ المجالس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک الہامی کتاب میں یہ فرمایا ہے کہ تارکِ نماز ملعون ہے اور اس کا پڑوسی بھی ملعون ہے اگر اس سے راضی ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر میں حکمِ عدل (رحم) نہ کرتا تو کہہ دیتا کہ جتنے اس کی پشت سے قیامت تک پیدا ہوں گے وہ سب ملعون ہیں۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی کتاب تتارخانیہ میں لکھا ہے کہ جس کی عورت نماز نہ پڑھتی ہو اسے چاہیے کہ اسے طلاق دے

---

[1] ایقاظ الھمم، ابن عجوبہ، متوفی ۱۲۲۴ھ، جلد ۱، صفحہ ۹۷، القاھرہ۔
[2] تفسیر القرطبی، جلد ۱۸، صفحہ ۲۵۱، ۲۵۲۔
[3] الجامع الصغیر، حدیث ۱۶۴۳، جلد ۸، صفحہ ۱۱۱۔

دے اگر چہ وہ مہر دینے سے قاصر ہو، کیونکہ اپنے ذمے عورت کا مہر لے کر خدا سے ملنا ایک بے نمازی عورت سے صحبت کرنے سے بہتر ہے۔ ''طبقات ابن سبکی'' میں ہے کہ ابن الباری نے فتویٰ دیا ہے کہ نماز نہ پڑھنے پر عورت کو مارنا واجب ہے۔

شیخ ابوالسعو دابی العشائر ''طبقات الاولیاء'' میں فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص رب عزوجل کی نافرمانی کرتا ہے اور اس حال میں وہ کمزور سے کمزور کیڑے مکوڑے کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ کیڑا چاہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے قدرت اور قوت عطا فرمائے تو وہ اس شخص کا ٹینٹوا دبا دے کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ کی نسبت غیرت آتی ہے اور وہ شخص جس چرند پرند کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ اس کو دیکھنے سے خدا کی پناہ مانگتا ہے۔ وہ جس ہوا کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ اسے برا جانتی ہے۔ یہ سب اس لیے ہے کہ تمام مخلوق سوائے جن وانس کے اللہ تعالیٰ کی تابعدار اور مطیع ہے۔ قرآن کی آیات سے یہ بات ثابت ہے کہ ہر چیز اللہ کی تابعدار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ'' (سورۂ حشر: ۲۱) (اگر ہم نے اتارا ہوتا قرآن کو کسی پہاڑ پر تو آپ اس کو دیکھتے کہ وہ جھک جاتا اور پاش پاش ہو جاتا اللہ کے خوف سے)۔ سورۂ الاحزاب میں یہ بھی فرمایا کہ ''ہم نے اس امانت (یعنی تکلفاتِ شرعیہ، نماز، روزہ وغیرہ) کو زمین و آسمان اور پہاڑ وغیرہ (سب) پر پیش کیا مگر انہوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ ڈر گئے اور انسان نے اس کو قبول کر لیا، لیکن وہ ظالم (ظلمت عدمی) اور جاہل (جہل از غیر اللہ کا حامل) ہے کہ اس امانت کو اٹھانے کا وعدہ تو کر لیا مگر دنیا کی ہوس میں یوں الجھ گیا ہے کہ اس کو اپنے وعدے کا پاس نہیں''۔ اس کے بعد فرمایا کہ ''ہم ایسے بے شعار اور بے راہ لوگوں کو عذاب دیں گے''۔ قرآن نے سورۂ النور (آیت ۴۱) میں فرمایا کہ ''كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ'' (ہر چیز کو اس کی نماز اور تسبیح سکھا دی گئی ہے) یعنی وہ اللہ کی عبادت کرتی ہے۔ سورۂ رعد آیت ۵ میں ہے کہ ''لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا'' (اللہ کیلئے طوعاً یا کرھاً ہر چیز سجدہ کر رہی ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے)۔

ابوالعشائر نے فرمایا کہ کوئی مرید اگر کسی دن اپنا وظیفہ موقوف کر دیتا ہے تو ضرور اللہ تعالیٰ اس دن اس سے اپنی مدد کو روک لیتا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تم یہ کس طرح چاہتے ہو کہ اللہ تمہارے کھیتوں کو سرسبز کرے اور تمہارے مویشیوں کو دودھ دے جس حالت میں تم اللہ تعالیٰ کی تابعداری نہ کرو۔

بے نمازی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کی پرواہ نہیں کرتے

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس کی ایک نماز فوت ہوگئی وہ ایسا ہے کہ گویا اس کے گھر کے لوگ اور مال و دولت سب چھن گیا۔[1] اندازہ کریں کہ جس کا سب کچھ چھن گیا ہو تو پھر اس کے پاس کیا رہ گیا۔ یہاں ایک بات

---

[1] سنن النسائی، حدیث ۴۷۵، جلد ۲، صفحہ ۲۷۲۔

قابلِ غور ہے کہ ہم سب کو معلوم ہے کہ نماز کی ادائیگی کیلئے رسول کریم ﷺ اور خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کس قدر تاکید فرمائی ہے مگر مسلمانوں کی بھاری اکثریت کو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی چنداں پرواہ نہیں اور آپ ﷺ کی اس بات کو عملاً نہیں مانتے۔ کسی سے اگر کوئی یہ کہہ دے کہ فلاں راستے پر ڈاکو بیٹھے ہیں تو کوئی ادھر کا رخ نہ کرے گا یا کوئی بد معاش اگر یہ کہہ دے کہ آج رات کو تمہارے گاؤں پر شب خون ہو گا تو اس اطلاع دینے والے کو غیر معتبر سمجھتے ہوئے بھی لوگ رات کو بیدار رہیں گے یا کم از کم اس گاؤں میں کچھ پہرے دار ہی نئے لگا دیئے جاتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بات کی مسلمان اتنی بھی پرواہ نہیں کرتے کہ اپنی عیش و عشرت کی زندگی میں سے کچھ وقت نماز کیلئے نکال سکیں۔

کفار کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کامل یقین تھا

یہ تو مسلمان بے نمازوں کی حالت تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بات کو نہیں مانتے اور نماز پڑھنے کی پرواہ نہیں کرتے، مگر اب چند مثالیں کفار کی دیکھیں کہ گو ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کا زبان سے انکار کیا مگر دل میں اس قدر کامل یقین تھا کہ وہ جانتے تھے کہ جو آپ ﷺ نے فرمایا بالکل صحیح ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ کریں۔

(i) خصائصِ کبریٰ میں ہے کہ اُبَی ابنِ خلف اسلام کا سخت دشمن تھا۔ اس نے ایک گھوڑا پال رکھا تھا اور رسول اللہ ﷺ کو کہا کرتا تھا کہ (نعوذ باللہ) اس گھوڑے پر چڑھ کر تمہیں قتل کروں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ انشاء اللہ میں ہی تجھے قتل کروں گا۔ اُحد کی جنگ میں وہ آپ کو تلاش کرتا رہا اور کہتا تھا کہ وہ آج اگر بچ گئے تو پھر میری خیر نہیں۔ آخر وہ حملہ کی غرض سے آپ کے پاس پہنچ گیا۔ صحابہ کرام اس کو ختم کرنا چاہتے تھے مگر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو آنے دو۔ جب وہ قریب ہوا تو آپ ﷺ نے ایک صحابی کا برچھا لے کر اس کی گردن پر ہلکی سی ضرب لگائی جس سے اس کو خفیف سی خراش ہو گئی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا کئی بار گرتا ہوا اپنے لشکر میں پہنچا اور چلاتا تھا کہ خدا کی قسم مجھے محمد ﷺ نے قتل کیا ہے۔ اس کے ساتھیوں میں سے ابوسفیان نے کہا کہ یہ معمولی خراش ہے کچھ نہیں ہوا۔ کہنے لگا کہ تمہیں پتہ نہیں کہ یہ کس نے مارا ہے اور اس کے مارنے کی مجھے اتنی تکلیف ہوئی ہے اگر اس کی تکلیف کو تمام حجاز والوں پر تقسیم کر دیا جائے تو سب ہلاک ہو جائیں۔ محمد ﷺ نے مجھے مکے میں کہا تھا کہ میں تجھے قتل کروں گا تو میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ میں ان کے ہاتھ سے ضرور مارا جاؤں گا اور اگر وہ ان الفاظ کے کہنے کے بعد مجھ پر تھوک دیتے تو بھی میں اس سے مر جاتا۔[1]

غور کرنے کا مقام ہے کہ ایک کافر حضور ﷺ کے جملے پر کس قدر پختہ یقین رکھتا ہے (یہ الگ بات ہے کہ یہ کفار آپ پر ایمان نہیں لائے۔ ایمان نہ لانے کی وجہ یہ تھی کہ آپ پر ایمان لانے میں وہ اپنی توہین سمجھتے تھے اور اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر حضور ﷺ پر ایمان لانا خاندانی روایت کے منافی سمجھتے

---

[1] الخصائص الکبریٰ، امام جلال الدین السیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جلد ۱، صفحہ ۳۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

تھے)۔کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان ایمان لا کر بھی آپ ﷺ کے حکم کو نہیں مانتے۔کیا یہ انتہائی شرم کی بات نہیں کہ کفار تو نہ مانتے ہوئے بھی آپ کو سچا اور امین کہتے تھے مگر بے نمازی مسلمان آپ ﷺ کی بات اور فرمان کو نعوذ باللہ معمولی سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں۔

(ii) خصائص کبریٰ جلد اول میں مستند ذرائع سے ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ ابولہب کا بیٹا عتبہ ایک دن حضور ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات بولتا ہوا آیا۔تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اَللّٰھُمَّ سَلِّطْ عَلَیْہِ کَلْبَکَ'' (اے اللہ اس پر اپنا ایک کتا مسلط کر دے)۔جب ابولہب نے اپنے بیٹے کو کپڑے کی تجارت کیلئے ملک شام میں بھیجا تو اس واقعہ کی وجہ سے ابولہب نے کچھ آدمی اس کے ساتھ بھیجے اور کہا کہ میں اپنے بیٹے کے حق میں محمد ﷺ کی بددعا کا خوف کرتا ہوں۔سفر کے دوران اس کو قلعہ کی طرح محفوظ رکھنا۔اس کے ساتھی اسی طرح اس کی حفاظت کرتے رہے اور جب کہیں رات کو قیام کرتے تو درمیان میں سامان رکھ کر اس میں عتبہ کو چھپا دیتے اور بہت سے آدمی اس کے اردگرد سو جاتے، تاکہ اس کی حفاظت رہے۔ایک رات شیر آیا، اس نے سب کو سونگھا۔پھر درمیان میں چھلانگ لگائی اور عتبہ کو اپنے دانتوں میں پکڑ کر ختم کر دیا۔روایت میں ہے کہ جب شیر کی آواز سنی تو وہ کانپنے لگا۔لوگوں نے کہا کہ تم کیوں ڈرتے ہو۔ہم بھی تو ساتھ ہی ہیں۔کہنے لگا کہ محمد ﷺ نے مجھے بددعا دی تھی۔بخدا ان سے زیادہ سچی زبان والا انسان آسمان کے زیر سایہ نہیں ہے۔ابو لہب کو جب خبر ملی تو اس نے بھی یہی کہا کہ میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ میں محمد ﷺ کی بددعا کا خدشہ کرتا ہوں۔اس واقعہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ ابولہب اور عتبہ حضور ﷺ پر ایمان نہیں لائے تھے، لیکن ان کی ہر بات کو سچ تسلیم کرتے تھے۔[1]

(iii) تفاسیر میں ولید بن مغیرہ کے متعلق منقول ہے کہ حضور ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا تھا کہ مغیرہ صحیح النسب نہیں۔چنانچہ اس نے اپنی ماں سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی بات غلط نہیں ہو سکتی۔جب مغیرہ نے اپنی والدہ کو زدوکوب کیا تو اس نے آپ کے فرمان کی تصدیق کر دی۔

مندرجہ بالا واقعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کفار کے دلوں میں آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال کا کس قدر یقین تھا لیکن افسوس ہے کہ ان کی اُمت کے مسلمان کس بے یقینی کی موت مر رہے ہیں۔ رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ نماز کو کسی حالت میں ترک نہیں کرنا چاہیے اگرچہ تمہارے جسم کے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔آپ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے کہ جس نے کوئی نماز ترک کر دی تو گویا اس کے بیوی بچے اور گھر بار لٹ گیا۔[2] ان تمام باتوں کو جانتے ہوئے بھی آج کا مسلمان نماز سے غافل ہے حالانکہ ایسا کرنا اس کیلئے حقیقی تباہی کا باعث ہے۔کاش مسلمان رسول اللہ ﷺ کے فرامین پر غور کریں اور اس کمینی دنیا کی خاطر

---

[1] الخصائص الکبریٰ، جلد ۱، صفحہ ۲۴۴۔

[2] شعب الایمان، حدیث ۲۷۱۴، جلد ۶، صفحہ ۳۵۷۔

قرآن اور اس کے متعلقہ قوانین کو پس پشت ڈالنے سے گریز کرتے رہیں۔

وہ اعزاز جو تارکینِ صلوٰۃ کو اللہ تعالیٰ نہیں دیتے

علماء نے مستند حوالہ جات سے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے باقاعدہ نماز پڑھنے والوں کو نماز کے پڑھنے کے بدلے پانچ خصوصی عزتیں عطا کی ہیں اور ان عزتوں اور بخششوں سے بے نمازی محروم رہتے ہیں۔ وہ نعمتیں یہ ہیں۔

(i) اللہ تعالیٰ نمازی کی تنگ دستی دور فرما دیتے ہیں۔

(ii) قبر کا عذاب اس سے ہٹا لیا جاتا ہے۔

(iii) اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیں گے۔ یعنی اس کی نجات ہو گی اور ایسا شخص نہایت ہی آرام میں ہوگا۔ جیسے فرمایا " فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا کِتٰبِیَهْ " (الحاقہ:۱۹) (پس جس کو دے دیا گیا اس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں تو وہ فرط مسرت سے کہے گا، لو پڑھو میرا نامہ عمل)۔

(iv) ایسا نمازی پل صراط سے بجلی کی طرح گزر جائے گا۔ مولانا رومؒ مثنوی میں لکھتے ہیں کہ جہنم مومن سے کہے گی کہ اے مومن جلد گزر جا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرے گزرنے سے میری آگ ٹھنڈی ہو جائے۔

زانکه دوزخ گوید اے مومن تو زود ۔۔۔ برگزر که نورت آتش را ربود[۱۶۳]

(یہ اس لیے کہ دوزخ کہے گی اے مومن مجھ پر سے جلدی گزر جا، کیونکہ تیرے نور نے میری آگ بجھا دی)

مولانا رومؒ احادیث کی رو سے لکھتے ہیں کہ مومن کا نور اور جہنم کی آگ دونوں اضداد ہیں اور دونوں ضدیں باہم خوش نہیں رہتیں۔ نور آگ کو بجھا دیتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب مومن کہتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ مجھے جہنم سے پناہ دے تو دوزخ بھی کہتی ہے کہ الٰہی مجھے اس مومن سے پناہ دے۔ جنس اپنی جنس کو نہیں جلاتی۔

(v) ایسا شخص بغیر حساب کے جنت میں جائیگا۔ (جب اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں مل گیا تو پھر حساب کی حاجت نہ رہے گی)۔

بے نمازی کو پندرہ سزائیں دی جائیں گی

احادیث اور کتبِ دینیہ (غنیۃ الطالبین وغیرہ) میں ہے کہ بے نمازیوں کو پندرہ قسم کی سزائیں دی جائیں گی۔ ان میں سے چھ سزائیں دنیا میں، تین مرتے وقت، تین قبر میں اور تین قبر سے نکلنے کے بعد حشر میں دی جائیں گی۔ دنیا کی چھ سزائیں جو بے نمازی کو دی جاتی ہیں ان کا آج بھی بخوبی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ سزائیں نیچے بیان کی جا رہی ہیں اور اہلِ بصیرت سے مخفی نہیں۔

بے نمازی کیلئے دنیا کی چھ سزائیں: (۱) بے نمازی کی زندگی سے برکت اٹھالی جاتی ہے اور اس کی زندگی میں بے برکتی ہوتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اسکی زندگی طویل نہیں کی جاتی ۔ (زندگی کا طویل ہونا مشروط ہوتا ہے صدقہ، نیکیوں اور دعا سے) اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ مشروط طور پر زندگی کو طویل کر دے۔ اس نوعیت کی مثالیں موجود ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا پر کچھ لوگوں کی عمروں کو طویل کر دیا گیا۔ (۲) اس کے رزق سے برکت دور کر دی جاتی ہے، خواہ کتنا ہی مال ہو اس میں بے برکتی ہوگی ۔ (۳) نیک لوگوں کی علامت اس کے چہروں سے ہٹادی جاتی ہے اور اسے صالحین کی فہرست سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ (۴) ایسا آدمی جو بھی نیکی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے کوئی ثواب نہیں ملتا۔ (۵) ایسا آدمی جو بھی دعا مانگتا ہے، وہ آسمان تک اٹھنے نہیں دی جاتی (کافر اور بے نمازی کو جو کچھ ملتا ہے وہ خدا نے اس کے مقدر میں چونکہ ازل سے ہی لکھا ہے اسے ضرور مل کر رہے گا)۔ غنیۃ الطالبین میں حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کا قول دیکھیں کہ آپ نے وہاں دعا کے قبول نہ ہونے کے اسباب بیان فرمائے ہیں (اس کتاب کے دعا کے باب میں یہ مضمون ہے)۔ (۶) اگر اللہ کے نیک بندے اس کے حق میں کوئی دعا مانگیں تو اس کے حق میں قبول نہیں ہوتی۔

موت کے وقت کی تین سزائیں: (۷) بے نمازی کی موت ذِلت سے ہوتی ہے۔ (یعنی عجیب حالات یا کیفیات میں مرتا ہے) ایسے لوگ عموماً ذلیل و رسوا ہو کر اور گندی جگہ پر یا ذلت کی موت مرتے ہیں۔ (لوگ ان کا احترام نہ کریں گے اور پس مرگ اس کو برا بھلا کہیں گے)۔ (۸) مرتے وقت بھوکا مرے گا (اگرچہ اس کے پاس بہت سا مال ہی کیوں نہ ہو)۔ (۹) موت کے وقت چاہے اسے سمندروں کا پانی پلا دیجئے اِستسقاء کے مریض کی طرح اس کی پیاس نہیں بجھتی اور پیاس کی حالت میں ہی اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔

قبر کی تین سزائیں: (۱۰) بے نمازی کی قبر اس قدر تنگ کر دی جاتی ہے کہ دائیں طرف کی پسلیاں بائیں طرف اور بائیں طرف کی پسلیاں دائیں طرف آ جاتی ہیں۔ (۱۱) بے نمازی کی قبر میں آگ دہکائی جاتی ہے، تاکہ وہ اس میں جلتا رہے۔ (۱۲) بے نمازی کی قبر میں ایک سانپ مسلط کر دیا جاتا ہے جس کا نام شجاع الاقراع (گنجا سانپ) ہے۔ اس کی آنکھیں آگ کی، ناخن بہت لمبے لوہے کے ہیں اور یہ سانپ میت سے باتیں کرے گا اور اسے اپنا نام بتائے گا، اس کی آواز بجلی کی کڑک کی طرح ہوگی اور مردے سے کہے گا کہ میں تیری سزا کیلئے مسلط کیا گیا ہوں تاکہ تجھے مارتا رہوں صبح کی نماز چھوڑنے پر ظہر تک اور ظہر کی نماز چھوڑنے پر عصر تک حتیٰ کہ دوسرے روز صبح تک مارتا رہے گا۔ اس طرح تا قیامت (ترک کردہ نمازوں پر) مارتا ہی رہے گا۔

قیامت کی تین سزائیں: (۱۳) اس کا حساب بہت سختی سے لیا جائے گا۔ (۱۴) بے نمازی پر خدائی قہر کا عذاب ہوگا۔ (اللہ تعالیٰ بے نمازی کے ساتھ غضبناک سلوک کریں گے۔ برخلاف ان کے جن کی صورت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا غضب یکدم سرد ہو جائے گا اور اس کی رحمت، شفقت میں تبدیل ہو جائے گی۔ (۱۵) ایسے

بے نمازی کو ذلیل کر کے جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔[1]

بے نمازی اوّل درجے کا فاسق ہے اور ترکِ صلوٰۃ بدترین عیب ہے

مکاشفۃ القلوب اور دیگر بہت سی کتب میں بنی اسرائیل کی ایک عورت کا ذکر آتا ہے جو فحاشات میں مبتلا ہوئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آ کر جرائم کا اعتراف کیا اور کہا کہ میں نے توبہ کر لی ہے۔ اب آپ میری توبہ کی قبولیت کیلئے دعا فرمائیں۔ آپ نے ناراض ہو کر اسے نکال دیا اور کہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری وجہ سے ہم پر بھی عذابِ الٰہی نازل ہو جائے۔ اس موقع پر جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر نازل ہوئے اور فرمایا کہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تو نے توبہ کرنے والوں کو کیوں رد کیا؟ کیا یہ عورت اس شخص سے بھی بری ہے جو جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے؟ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کو جان بوجھ کر ترک کرنا فحاشات سے بھی بڑا عمل ہے۔

نماز ترک کرنے والے کا فاسق ہونا قرآن کی نص سے بھی ثابت ہے جیسا کہ سورۃ الحشر کی آیت ۱۹ ''أُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ'' میں بیان ہوا ہے۔ لہٰذا علماء نے متفقہ طور پر فتویٰ دیا ہے کہ تارک نماز اول درجے کا فاسق ہے۔ اس سے بھی یہی ظاہر ہوا کہ فسق و فجور میں سرفہرست ترک نماز ہے۔

امام ابو یوسفؒ سے لوگوں نے فتویٰ دریافت کیا کہ کیا یہودی اور آتش پرست کو صدقہ (نافلہ) دینا چاہیے یا نہیں؟ فرمایا دینا چاہیے۔ پوچھا کہ آپ بے نمازی کو صدقہ جائز قرار دیتے ہیں؟ فرمایا نہیں۔ پوچھا کہ بے نمازی یہودی اور آتش پرست سے بھی برا ہے؟ فرمایا نہیں لیکن میں نے یہ بات اس لیے کہی ہے تا کہ بے نمازی نماز نہ پڑھنے سے توبہ کرے۔ شراب کو تمام برائیوں کی ماں کہا جاتا ہے کیونکہ شراب پینے والا تمام گناہوں پر دلیر ہو جاتا ہے اور ہر قسم کے گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نماز کو ترک کرنے والا عموماً ہر نیکی سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ گناہوں پر بھی دلیر ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص یہی سوچتا ہے کہ جب میں نیکی نہیں کرتا تو میرے جیسے کیلئے بدی کر لینا کون سی بڑی بات ہے۔ اس لیے شراب اور نماز کو ایک دوسرے کا برعکس کہا گیا ہے اور جب کوئی شخص شراب کے برعکس (یعنی نماز) کو ترک کر دیتا ہے تو وہ گویا شراب کے عیوب میں آسانی سے پھنس جاتا ہے۔

یوم حساب لوگوں کے چیدہ چیدہ تین گروہ ہوں گے

قرآنی دلائل:۔ سورۃ الزمر میں لوگوں کو کئی گروہوں میں تقسیم ہو کر بہشت اور جہنم میں داخل ہونے کا ذکر ہے۔ سورۃ النساء ''وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ'' (آیت:۶۹) میں چار گروہوں کا ذکر ہے۔ ان چار گروہوں میں انبیاء کرام، صدیقین، شہدا اور صالحین کو شامل کیا گیا ہے۔ مگر احادیث اور دیگر اقوالِ مشائخ کی رو سے ان چاروں میں بھی درجات بیان کئے گئے ہیں۔ اہلِ طریقت اپنی اصلاح میں غوث، قطب، ابدال، ابرار، اخیار

---

[1] غنیۃ الطالبین، جلد ا، صفحہ ۵۱۳۔

وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اہلِ عشق اپنے درجات کی الگ تقسیم کرتے ہیں۔ عقل والوں نے اپنا الگ معیار بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے روزِ اَلَسْتُ اپنا کلام سنا کر لوگوں کے مختلف ردِ عمل کی بناء پر ان کو کئی گروہوں میں تقسیم کیا تھا مگر عرفِ عام میں لوگوں کے تین گروہ ہی کئے جاتے ہیں جو قرآن، حدیث اور مشائخ کی کتب میں اکثر استعمال ہوتے ہیں۔ ایک مقام پر قرآن نے فرمایا ہے۔ ''ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ'' (پھر ہم نے وارث بنایا اس کتاب کا ان کو جنہیں ہم نے چن لیا تھا اپنے بندوں میں سے پس بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض میانہ رو ہیں اور بعض سبقت لے جانے والے ہیں نیکیوں میں اللہ کی توفیق سے، یہی (اللہ کا) بہت بڑا فضل (وکرم) ہے) (فاطر: ۳۲)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کا وارث اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنایا ہے اور اس امت کے تین گروہ کئے۔ ان میں سے ایک وہ جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔ یہ گروہ فرائض کی ادائیگی میں سستی کرنے والوں کا گروہ ہے۔ دوسرا گروہ مقتصد یعنی میانہ رو ہے۔ یہ گروہ فرائض کو ادا کرتا ہے اور حرام کاری سے بچنے والا ہے مگر اس گروہ والے مستحبات سے سستی کرتے ہیں اور مکروہات سے محفوظ نہیں۔ تیسرا گروہ نیکیوں میں سبقت لے جانے والا گروہ ہے، یعنی سابقین کا گروہ۔ اس گروہ میں وہ پاکباز لوگ شامل ہیں جنہوں نے اللہ کو راضی کرنے کیلئے تن من دھن کی بازی لگا دی ہے۔

ابنِ کثیر نے لکھا ہے کہ گنہگار بالآخر بخش دیئے جائیں گے مگر حساب بمشکل ہوگا۔ میانہ رو گروہ کا حساب آسان ہوگا اور سابقین بغیر حساب کے جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔ احادیث میں آیا ہے کہ ایک گروہ ایسا ہوگا کہ روزِ حشر جب وہ اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو ان کی قبروں پر تیز رفتار سواری کے جانور موجود ہوں گے جو ان کو سیدھا جنت میں لے جائیں گے جب کہ لوگ ابھی حساب کتاب میں مشغول ہوں گے۔ یہ لوگ نہ تو حساب کتاب کو دیکھیں گے اور نہ ہی پُل صراط کو دیکھیں گے[1] (یہ حدیث طویل ہے)۔

گروہوں کی تقسیم پر صوفیاء کرام کے اقوال

صوفیاء کرام کا فرمان ہے کہ جو لوگ سابقین میں شامل ہیں ان کے اعمال کی یہ کیفیت ہوگی کہ ان کی روح اپنے مقام و مرتبہ تک پہنچ چکی ہوگی اور مرنے کے بعد وہ فوراً ہی اس مقام پر (جنت میں) پہنچ جائیں گے۔ درمیانہ قسم کے لوگ وہ ہیں جن کی روح اپنے مقام و مرتبہ کے قریب پہنچ چکی ہوگی اور یہ لوگ تھوڑے سے حساب کے بعد جنت میں اپنے مقام پر پہنچ جائیں گے۔ تیسرا گروہ ان بدرُوحوں کا ہے جو اپنے مقام سے اعمال میں کمی کی وجہ سے بہت دور ہوں گے۔ ان کا حساب نہایت سختی سے لیا جائے گا اور ذرا ذرا سی بات پر گرفت ہوگی، بخلاف دوسرے گروہوں کے کہ جن کے حساب میں عفو و درگزر سے کام لیا جائے گا۔

[1] تفسیر ابن کثیر، جلد ۵، صفحہ ۲۶۴۔

قارئین کیلئے ایک لمحۂ فکر یہ پیش کیا جا رہا ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عابد اور زاہد لوگ اپنی نمازوں اور تقویٰ کی وجہ سے خود کو سابقین میں شامل کر لیتے ہیں اور خود کیلئے جنتی ہونے کا یقین کر لیتے ہیں۔ یہ احساس بسا اوقات تکبر پیدا کر دیتا ہے اور ایسا متقی پرہیزگار جہنم میں جانے کا سامان پیدا کر لیتا ہے۔ اس کے برعکس گنہگار ہمیشہ یہی کہے گا کہ میں تو بہت گنہگار ہوں شاید اللہ اپنی رحمت سے مجھے بخش دے۔ گویا اس طرح معاملہ الٹ ہو جاتا ہے اور کسی نے یہ بالکل درست کہا ہے کہ ؎

رند بخشے گئے قیامت کو شیخ کہتا رہا حساب! حساب!

مولانا روم ؒ نے فرمایا۔

زاہد غرور داشت و سلامت نہ برد راہ رند از رہ نیاز بہ دارالسلام رفت

(زاہد نے غرور کیا اور راہ سلوک سلامتی سے طے نہ کیا، مگر رند عاجزی کے راستے سے بہشت میں پہنچ گیا)

حضرت سہل تستری ؒ سورہ فاطر کی مذکورہ آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ ظالم سے مراد جاہل، مقتصد سے مراد طالب علم اور سابقین سے مراد عالم ہے۔ ان تینوں گروہوں کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان سے مراد دنیا کا طالب، آخرت کا طالب، اور مولیٰ کی طرف توجہ دینے والا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ تین گروہ، کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے، صغیرہ کے مرتکب اور جرموں سے دور رہنے والے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ گناہوں پر اصرار کرنے والے، توبہ کرنے والے اور تیسرے گروہ والے نہایت عبادت گزار، اور اپنی توبہ پر ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ حرام کھانے والے، مشتبہ سے رغبت کرنے والے اور حلال کھانے والے ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ جُرم کرنے والے، توبہ کرنے والے اور پرہیزگار ہیں۔ کچھ کے نزدیک یہ غفلت کرنے والے، طلب کرنے والے اور اپنا مقصد پانے والے ہیں۔ ''لطائف'' میں فرمایا ہے کہ ظالم نعمت پا کر نعمت دینے والے کی طرف نہیں پلٹتا، اور مقتصد نعمت والے سے نعمت کی جانب جاتا ہے اور سابقین نعمت والے کی طرف رجوع کرتے ہیں، یعنی وہ منعم (خدا) کے مشاہدہ میں مشغول ہو جاتے ہیں اور پھر نعمت کی جانب نہیں پلٹتے۔

اس آیت میں ظالم کا نام پہلے لیا گیا ہے اور یہ فضلِ خداوندی کے باعث ہے۔ اگر عدل کو بروئے کار لایا جاتا تو ظالم کا نام آخر میں آتا لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات نے اپنے فضل کو عدل سے زیادہ دوست رکھا ہے اس لیے ظالم کو موخر نہ کیا۔ حدیثِ قُدسی میں ہے کہ خدائے قدّوس کا ارشاد ہے کہ گنہگاروں کی آہ وزاری مجھے پاک دامنوں کی تسبیح کی آواز سے زیادہ محبوب ہے ؎

قلقلِ تسبیحِ شیخ از چند مقبول است ولیک آہِ درد آلودِ رنداں را قبولِ دیگر است

(شیخ کی تسبیح کی آواز چند وجوہات سے مقبولِ حق ہے، لیکن رندوں کی درد آلود آہ کی قبولیت کا رنگ کچھ اور ہی ہے)

تارکینِ صلوٰۃ کیلئے شرعی احکامات

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، نماز کو اسلام کا ایک نہایت اہم رُکن ہونے کا مقام حاصل ہے اور اس رُکن کو اسلام کی بنیاد یا ستون قرار دیا گیا ہے۔ بنا بریں اس کے ترک پر بھی سخت وعید اور سزا کا حکم دیا گیا ہے۔ جہاں اس کے قائم کرنے پر بے بہا انعامات دیئے جاتے ہیں وہاں اس کے ترک پر خدائی قہر، غیض و غضب کا ہونا عینِ قیاس ہے۔ جب کسی بڑی چیز کی قیمت زیادہ ہو تو اس کے ضائع ہونے پر جرمانہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس باب میں نماز کے ترک پر اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے احکامات مختصر طور پر بیان کئے جا رہے ہیں تاکہ جو لوگ نماز ادا نہیں کرتے انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ ان کا ترکِ صلوٰۃ ان کو کس قدر تیزی سے وادیٔ غریق کے عمیق گڑھے میں لے جا رہا ہے۔ آج اگر کوئی توبہ کر لے اور اس کتاب میں بیان کردہ نماز جاری کرنے کا طریق کار سیکھ لے تو بڑی آسانی سے نماز کی برکات سے بہرہ ور ہو سکے گا اور اگر بات ذہن میں آ جائے تو چند لمحات میں تقدیر بدل جاتی ہے۔ راقم الحروف نے بے شمار لوگوں کی تقدیروں کو صرف چند منٹوں میں بدلنے کے مواقع حاصل کئے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے بھی فرمایا ہے کہ تقدیر کا بدلنا کچھ مشکل مسئلہ نہیں۔ اگر کچھ توجہ اِدھر مائل ہو تو مسلمان جلد ہی اسلامی شعار کو اپنا سکتا ہے۔ صرف زاویہ نگاہ میں ذرا سی تبدیلی اور قدم ہمت اٹھانے کی ضرورت ہے۔

پابندیٔ تقدیر کہ پابندیٔ احکام ۔۔۔ یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مردِ خرد مند
اِک آن میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر ۔۔۔ ہے اس کا مقلد ابھی نا خوش ابھی خورسند
تقدیر کے پابند نباتات و جمادات ۔۔۔ مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند[۱۶۵]

مولانا رومؒ نے مثنوی میں مسلمانوں کیلئے اسلامی زندگی بسر کرنے کے تمام اَسرار کو فاش کیا ہے مگر ہمارا مست مسلمان اِس قدر اپنے مال کی طمع میں غرق ہے کہ وہ اپنی توجہ کے زاویے کو اس طرف پھیرنا نہیں چاہتا، دینی کتابوں کے پڑھنے کی اسے فرصت ہی نہیں ملتی۔ علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کی اس محرومی کی وجہ عصرِ حاضر (مغربیت) سے اَخذ کردہ تاثرات کو ٹھہرایا ہے۔

عصرِ ما ما را زما بیگانہ کرد ۔۔۔ از جمالِ مصطفی بیگانہ کرد
(ہمارے زمانے نے ہم کو خود اپنے سے بیگانہ کر دیا ہے اس طرح (قوم کو) جمالِ مصطفوی ﷺ سے دُور کر دیا ہے)
اے تہی از ذوق و شوق و سوز و درد ۔۔۔ می شناسی عصرِ ما با ماچہ کرد[۱۶۶]
(اے کورِ ذوق تیرا سوز و شوق اور درد کہاں ہے کیا تم جانتے ہو کہ ہمارے زمانہ نے ہم سے کیا کیا ہے؟)

علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ خود پر کچھ جبر کرو، کوشش کر دیکھو تو سہی، تمہیں خود پر اختیار حاصل ہو جائے گا اور تم اللہ تعالیٰ کی بلند و ارفع نعمتوں کے حقدار ہو جاؤ گے۔

در اطاعتِ کوش اے غفلت شعار ۔۔۔ می شود از جَبر پیدا اختیار
(اے اطاعت کے مارے خدا کی اطاعت کی کوشش کر دیکھو تو سہی (جبری اطاعت سے) رفتہ رفتہ اختیار حاصل ہو جائیگا)

تو ہم از بارِ فرائض سر متاب — بر خوری از عِنْدَہٗ حُسْنُ الْمَآب(۱۶۷)

(توبھی احکاماتِ الٰہی سے سر نہ پھیرتا کہ خدا سے اچھا ٹھکانا حاصل کرنے کے قابل ہو جائے)

وہ خدائی اعزاز اور سر بلندیاں جو مسلمانوں کو کبھی حاصل تھیں انہی احکاماتِ الٰہی کی پابندی کا نتیجہ تھیں۔ کس قدر افسوس ہے کہ آج مسلمان کو یہ معلوم ہی نہیں کہ ان کے آباء و اجداد کیوں سرفراز اور سر بلند تھے۔

علامہؒ نے اس بات پر اس طرح اظہارِ افسوس کیا ہے۔

جس ساز کے نغموں سے حرارت تھی دلوں میں — محفل کا وہی ساز ہے بیگانہ مضراب(۱۶۸)

ائمہ اربعہ کے فتوے

نماز کو جان بوجھ کے چھوڑنے کے متعلق چاروں اماموں نے سخت سزاؤں کے احکامات تجویز کئے ہیں۔ کچھ تو یہاں تک حکم دیتے ہیں کہ جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کر دی وہ اسلام سے خارج ہو گیا اور کافر ہو گیا اور اس کیلئے ''مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ''[۱] (جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے کفر کیا) کی حدیث لاتے ہیں اور تارک نماز کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کرنے کا حکم دیتے ہیں کیونکہ اس کی موت اسلام پر نہیں ہوئی۔ یہ فیصلہ امام شافعیؒ اور خاص طور پر فقہ حنبلی کے مطابق ہے۔ مگر فقہ حنفی کا یہ فیصلہ ہے کہ تارک نماز کافر نہیں ہے بلکہ اوّل درجے کا فاسق ہے۔ دونوں صورتوں میں نماز کا جان بوجھ کر ترک کرنا قابلِ مذمت امر ہے۔ کِتَابُ الصَّلٰوۃ میں امام احمد بن حنبلؒ کے حوالے سے ایک حدیث منقول ہے کہ جس نے نماز ترک کر دی اُس کا دین میں کوئی حصّہ نہیں ہے۔[۲] اور جو نماز کو نہیں ادا کرتا وہ نماز کو ہلکا (معمولی یا سبک) ہونے کی وجہ سے نہیں پڑھتا اور احکام اسلامی سے بے پرواہی کرتا ہے گویا ایسا شخص اِسلام کے ایک رُکن کو خفیف سمجھ کر اس کی توہین کرتا ہے۔ اس شخص کے دل میں اسلام کی کوئی قدر نہیں اور جس کا نماز سے لگاؤ ہے وہ اسلام میں انہماک رکھتا ہے۔

حنفی ائمہ کا بھی اس حدیث مبارکہ کی رو سے یہی نظریہ ہے ''کہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا سوال ہوگا۔ پس اگر کسی نے نماز پڑھی ہوگی اور قبول کی گئی تو باقی اعمال کے قبول ہونے کا امکان ہے اور اگر نماز نہیں پڑھی یا مقبول نہیں تو باقی اعمال کی طرف قبولیت کا رخ نہیں ہو سکے گا''۔[۳] نماز ہمارے دین کا اوّل حصّہ ہے اور آخری حصّہ بھی نماز ہی ہے، چنانچہ جب دین کا اوّل و آخر چلا گیا تو گویا سب کا سب دین چلا گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جس نے نماز کو ضائع کیا وہ دین کے اور اجزاء کو بھی ضائع کر دے گا۔ آپ نے اپنے تمام حُکّام کو یہ حکم نامہ جاری کیا کہ میرے نزدیک سب سے مہتمم بالشان چیز نماز ہے جو اس کا احترام کرے گا، وہ

---

[۱] المعجم الاوسط، حدیث ۳۴۷۹، جلد ۷، صفحہ ۳۶۲۔
[۲] المعجم الکبیر، حدیث ۳۵۳، جلد ۱۱، صفحہ ۲۰۲۔
[۳] سنن الترمذی، حدیث ۳۷۸، جلد ۲، صفحہ ۱۸۹۔

دین کے اور اجزاء کا بھی اہتمام کرے گا۔

قرآن کی درجِ ذیل آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فتاویٰ رضویہ میں لکھا ہے کہ صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ اسلام کا یہ مذہب تھا کہ جو شخص بغیر عذرِ شرعی، جان بوجھ کر نماز ترک کرے یہاں تک کہ اس کا وقت نکل جائے تو وہ کافر یا مشرک ہے کیونکہ جس چیز کی خاطر اس نے نماز کو ترک کیا تو اس نے اس کو خدا کے مقابلے میں بڑا جانا، وہ آیت یہ ہے۔ ''وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ'' (نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ) (الروم:۳۱)۔ اِس لیے صدرِ اول میں ترکِ صلوٰۃ علامتِ کفر ہے۔ آئمہ حنفیہ، حنبلیہ، شافعیہ اور مالکیہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص فرضیتِ نماز کا انکار کردے یا اس کو ہلکا یا سبک جانے یا اس کے ترک کو حلال جانے تو وہ کافر ہے، کیونکہ اِس میں اسلامی رُکن اور قرآنی نص کا انکار ہے۔ ائمہ حنفیہ کے نزدیک جو قصداً بلا عذر نماز ترک کرے اس نے کافروں کا سا کام کیا اور یہ سخت کفرانِ نعمت ہے اور ناشکری ہے۔ بلاشبہ نماز نہ پڑھنے والا سخت فاجر، اشد درجے کا فاسق ہے مگر دائرۂ اسلام سے خارج نہیں، البتہ شرعاً سخت سزاؤں کا مستحق ہے۔ ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا حکم ہے کہ بے نمازی کو قتل کیا جائے۔ ائمہ حنفیہ کا حکم ہے کہ بے نمازی کو دائم الحبس (یعنی ہمیشہ قید میں) رکھیں حتیٰ کہ وہ توبہ کرلے یا قید میں مرجائے۔ بعض حنفیہ کا حکم ہے کہ اسے اتنا ماریں کہ خون بہادیں اور پھر اسے قید میں ڈال دیا جائے۔ اگر ہمارے ملک میں محلّہ دار پنچائیت بنائی جائے اور نماز و روزے کے تارک کے ساتھ میل جول بند کردیا جائے اور مزید برآں علماء اس کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں تو اس کا بہت اچھا اثر نمودار ہوسکتا ہے۔ بے نمازی کا اگر عام مسلمانوں میں سے ہی کوئی نماز جنازہ پڑھادے تو یہ زیادہ بہتر ہوگا کیونکہ اس طرح کرنے سے جنازہ کا فرض کفایہ ادا ہوجائے گا۔

نماز سے غفلت بھی انکارِ نماز کے مترادف ہے

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی غنیۃ الطالبین میں امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب کے مطابق یہ حکم لکھا ہے کہ اگر چہ کوئی نماز کو فرض ہی جانتا ہے مگر سستی، غفلت یا لاپرواہی کی وجہ سے نہیں پڑھتا اور اس نماز کے بعد والی نماز کا وقت بھی تنگ ہوگیا ہو تو اِس وقت یہ شخص بھی کافر ہوجائے گا اور اُس پر مرتد ہوجانے کا حکم لگے گا۔ ایسے شخص کو تین روز تک توبہ کرائی جائے گی اور اگر توبہ نہ کرے تو اسے تلوار سے قتل کیا جائے گا۔ امام احمدؒ کی دوسری روایات میں ہے کہ ایسے شخص کو فوراً قتل کرنا واجب نہیں جب تک وہ تین نمازوں کو ترک کرکے چوتھی نماز کا وقت تنگ ہونے پر بھی نماز نہ پڑھے۔ قتل کے بعد وہ مسلمانوں کے مُردوں کی طرح مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا اور اس کا مال وارثوں میں تقسیم ہوگا۔ جس شخص کو دنیا میں شرعی سزا مل جائے تو وہ پاک ہوجاتا ہے۔[1]

---

[1] غنیۃ الطالبین، جلد ۱، صفحہ ۵۱۵۔

نماز کی عادت بچپن سے ہی ڈالو

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے کہ "مُرُوْا صِبْیَانَکُمْ بِالصَّلَاۃِ اِذَا بَلَغُوْا سَبْعًا وَّاضْرِبُوْھُمْ عَلَیْھَا اِذَا بَلَغُوْا عَشْرًا" [1] (جب بچے کی عمر سات سال کی ہو جائے تو اِسے نماز پڑھنا سکھایا جائے اور جب دس برس کا ہو تو اِسے مار کر نماز پڑھوانا چاہیے)۔ جب کوئی بچہ پھر بھی نماز نہ پڑھے تو اس پر دنیا میں ہی اللہ کی مار شروع ہو جاتی ہے اور وہ ذہنی سکون اور قلبی طمانیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ افسوس ناک بات تو یہ ہے کہ جب والدین خود ہی نماز کے پابند نہ ہوں تو پھر بچوں سے دینی راستے پر چلنے کی کس طرح توقع ہو سکتی ہے۔ بچے ماحول کا اثر قبول کرتے ہیں جن گھروں میں بچے دیکھتے ہیں کہ ہماری ماں یا والد نماز نہیں پڑھتے تو وہ یہی سبق لیتے ہیں کہ نماز کا ترک کر لینا کوئی بڑی بات نہیں۔ اگر بچے یہ دیکھیں کہ ہمارے والدین، بہن، بھائی، دوست، ہمسائے تمام رشتہ دار سب ہی باقاعدہ نماز پڑھتے ہیں تو بچوں کو کیسے جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ ایک بھی نماز ترک کر دیں۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح معنوں میں مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مرنے کے بعد کے حالات کا جائزہ

موجودہ دور میں مُردوں سے رابطہ قائم کرنے کا کام اور تحقیق ہو رہی ہے اور اس سمت میں کچھ کامیابیاں بھی ہوئی ہیں۔ یورپ میں سینکڑوں کتابیں رُوحانی اُمور پر چھپ چکی ہیں مگر اس کتاب میں ان تحقیقات کے متعلق زیادہ تفصیل لکھنا باعثِ طوالت ہوگا۔ روحوں کو بلا لینا اور ان سے گفتگو کرنا اب عام ہے، بلکہ یہ بات کتابوں، رسالوں میں آ چکی ہے کہ انگلینڈ کے ایک مشہور ڈاکٹر کی رُوح کو ایک مرتبہ آپریشن کیلئے بلایا گیا تھا۔ ان کی تحقیق کے مطابق مُردوں سے باتیں بھی کی گئی ہیں مگر رُوح کی بتائی ہوئی یہ باتیں اور کارنامے اہل اسلام کیلئے مستند اور قابلِ قبول نہیں کیونکہ ان کی بتائی ہوئی باتیں کبھی درست بھی ہوتی ہیں اور کبھی غلط، غلط ثابت ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ بتلانے والی رُوح غیر صالح ہو سکتی ہے یا پھر شیاطین ان باتوں میں اپنا دخل دے دیتے ہیں تو ان کی باتوں کا صحیح ہونا مشکوک ہو جاتا ہے۔

صوفیائے کرام کا قول ہے کہ مراقبے، کشف اور الہام کے ذریعے معلوم ہونے والے مُردوں کے حالات کافی حد تک صحیح ہوتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کشف اور الہام میں بھی غلطی کا امکان ہو جاتا ہے کیونکہ ان دونوں کے دوران نفی مکمل نہ ہونے کی صورت میں شیطانی اِلقاء ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ کشف اور اِلہام کے متعلق اس کتاب کے "فلسفۂ نماز" کے باب میں کافی کچھ بیان کر دیا گیا ہے۔ اس باب میں حضرت مجدّد الف ثانی ؒ کی نہایت خوبصورت توجیہات اور تاثرات بیان کیے گئے ہیں۔ حضرت مجدّد الف ثانی ؒ نے کتاب اللہ،

---

[1] مسند احمد، حدیث ۶۶۸۹، جلد ۱۳، صفحہ ۳۰۹۔

اِجتہاد، اِجماع، قیاس، سنّت اور الہام کے متعلق دلچسپ پیرائے میں گوہر افشانی کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ الہام دین کے مخفی کمالات کو ظاہر کرنے والا ہے۔ وہ دین میں زائد کمالات کا ثابت کرنے والا نہیں۔ جس طرح اِجتہاد احکام کو ظاہر کرتا ہے اسی طرح اِلہام حقائق کو ظاہر کرتا ہے اگرچہ دونوں میں واضح فرق ہے۔ اِجتہاد تو رائے کی طرف منسوب ہے جبکہ اِلہام رائے کے خالق (جل شانہٗ) کی طرف منسوب ہے۔ اس لیے الہام میں ایک طرح کی اصالت (اصل سے پیوستگی) پیدا ہوگئی ہے جو اِجتہاد میں نہیں۔ فرماتے ہیں کہ اِلہام پیغمبر کے خبر دینے کے مشابہ (مانند) ہے جو سنّت کا ماخذ ہے اگرچہ الہام ظنّی ہے اور پیغمبر کا خبر دینا قطعی ہے۔

اکابرینِ اسلام نے خوابوں کے ذریعے مرنے کے بعد کے احوال معلوم کرنے کو صحیح تسلیم کیا ہے، بشرطیکہ خواب دیکھنے والا مردِ صالح ہو، نیکوں کے خواب درست مانے جاتے ہیں اور سچے خوابوں کو تو نبوّت کا چالیسواں حصہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ایسے معاملات جو مرنے کے بعد کے احوال سے منسلک ہیں زیادہ تر خواب کے ذریعے ہی انسانی معلومات میں آئے ہیں۔ احادیث میں بھی خوابوں کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے جو مرنے کے بعد کے حالات پر کافی معلومات بہم پہنچاتا ہے۔ بعض صوفیاء سکر یا نیم بیداری کی حالت میں بہت کچھ دیکھ لیتے ہیں اور ارواح کا مشاہدہ کر لیتے ہیں بلکہ گفتگو بھی کرتے ہیں۔ اس جگہ اِن واقعات کا بیان کرنا مقصود نہیں کیونکہ یہ موضوع کافی طویل ہے، البتہ مرنے والوں کے تاثرات بیان کرنے سے قارئین کی معلومات میں اضافہ ہوگا اور اِن کے ذہنوں میں نماز کی اہمیت واضح ہو جائے گی۔

مرنے کے بعد حالات کا کچھ تذکرہ قرآن میں بھی موجود ہے۔ سورۂ یٰسین میں حبیب نجار کا انبیاءِ کرام پر ایمان لانے اور شہید کر دیئے جانے کے بعد خدا کا اسے جنّت میں داخل کر دینے کا ذکر آیا ہے اور حبیب نجارؒ نے اگلے جہان کی خبریں دی ہے۔ "قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۙ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ" (خدا کا) حکم ہوا (جا) جنّت میں داخل ہو جا۔ وہ بولا کاش میری قوم بھی جان لیتی کہ مجھے بخش دیا ہے میرے رب نے اور شامل کر دیا ہے مجھے با عزت لوگوں میں) (یٰسین:۲۷)۔ قرآن نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر تمہیں کوئی بات نہ سمجھ آئے تو اہلِ ذکر سے پوچھ لیا کرو۔ "فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (الانبیاء:۷) (پس (اے انکار کرنے والو) پوچھو اہلِ علم سے اگر تم (خود حقیقت حال کو) نہیں جانتے)۔

علامہ قرطبیؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "نَحْنُ اَهْلُ الذِّكْرِ" (یعنی ہم اہلِ ذکر ہیں) ہم سے پوچھو ہم تمہیں حقائق سے باخبر کریں گے۔[1] حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس اُمّت میں ہم اہلِ بیت، کشتیِ نوح علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے دروازے حِطَّةٌ کی طرح ہیں۔ مولانا رومؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اِن اقوال کو مثنوی میں منظوم کیا ہے۔ کچھ اولیائے کرام اور اہلِ کشف لوگوں نے مرنے کے بعد کے حالات کے متعلق بے شمار کتابیں لکھی ہیں۔ خواہش مند حضرات ہماری تصانیف "جنید و بایزید" اور "تہذیب نفس" کا مطالعہ کریں۔

---

[1] تفسیر قرطبی، جلد ۱۱، صفحہ ۲۷۲۔

باب نمبر ۱۴

مرنے کے بعد انسان، کن حالات سے گزرتا ہے

اِس حقیقت سے ہر کوئی آشنا ہے کہ ہمارے تمام آباؤ اجداد اس دنیا سے رُخصت ہو گئے اور اُن سب نے موت کا ذائقہ چکھا۔ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ جو لوگ اب تک زندہ ہیں ان کو بھی عنقریب دنیا سے رخصت ہونا ہے، لیکن ایک دلچسپ اور حیران کن بات یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھوں کے سامنے لوگوں کو مرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور اپنے متعلق یہ بات دل میں جمائے بیٹھے ہیں کہ ان لوگوں نے تو مرنا تھا سو وہ مر گئے مگر ہم نے ابھی نہیں مرنا اور ہماری موت ابھی بہت دُور ہے۔ یہی نہ مرنے کا احساس گویا عام لوگوں کو موت سے غافل اور بے خبر کر دیتا ہے۔

ہم میں سے ہر ایک کو یہ باور کر لینا چاہیے کہ کوئی بوڑھا ہو یا جوان، کسی وقت بھی موت اس کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔ بہت سے کمسن بچے بھی مر جاتے ہیں اور لوگ نوجوانی کی حالت میں بھی حادثات یا بیماری کے باعث موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ موت کو ہر وقت یاد رکھو حتیٰ کہ یہ بھی خیال رکھو کہ شاید نماز کا ایک سلام پھیرنے کے بعد دوسرا سلام پھیرنے کی مہلت پا سکو گے یا نہیں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارا اس دنیا میں قیام بہت قلیل عرصہ کیلئے ہے۔ ہماری تصنیف ''نشانِ منزل'' میں اثباتِ حق کے دلائل کا اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر سیارے پر وقت کا معیار ایک جیسا نہیں کیونکہ وقت حتمی نہیں۔ کسی سیارے پر ایک سال ۸۸ دن کا ہے اور کسی پر ایک سال ہماری دنیا کے ۲۴۸ سال جتنا طویل ہے اور سورۃ الحج کی آیت ۴۷ ''وَاِنَّ یَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّکَ کَاَلۡفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ'' میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک دن دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں اوسط عمر ۴۰ سال ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ آنے والے چند لمحات میں یقینی طور پر زندہ رہ سکتا ہے۔ اگر کوئی زیادہ دیر تک زندہ رہے تو زیادہ سے زیادہ ۱۰۰ سال کی عمر حاصل کر لے گا اور اگر ۱۰۰ سال عمر بھی حاصل کر لے تو یہ مدت آخرت کے ایک دن (یعنی ۱۰۰۰ سال) کا کس قدر قلیل حصہ ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ گھر سے باہر نکلنے کے بعد اپنے گھر واپس بھی پہنچ سکے گا یا نہیں۔ ان حالات میں ہر شخص کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ نہ جانے اس کی موت کب اسے دوسرے جہان کی طرف لے جائے گی۔ ایک روایت میں یہ بات ظاہر کی گئی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک شخص کو راستے پر چلتے ہوئے دیکھا اور تبسم فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے تبسم فرمانے کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے عرض کیا کہ اس شخص کی جان کل قبض کی جا رہی ہے اور یہ اپنے دل میں سو سال کے

منصوبے تیار کر رہا ہے۔(یہ روایت طویل ہے)اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کسی وقت بھی اللہ کے ہاں بلا لیا جا سکتا ہے لہٰذا آخرت کے گھر میں جانے کی کچھ تو تیاری کرنی چاہیے۔

انسان کی زندگی کا انجام

یہ بات مشاہدے میں آ چکی ہے کہ مرنے کے بعد عام لوگوں کے بدن چند دنوں میں ہی گل سڑ جاتے ہیں البتہ کچھ اللہ کے خاص بندے ایسے بھی ہیں کہ جن کے بدن ہزاروں سال کے بعد بھی ایسے تروتازہ ملتے ہیں گویا کہ چند گھنٹے پہلے ان کو دفن کیا گیا ہو (دیکھیے نشان منزل کا باب ''اللہ تعالیٰ کی پہچان کیلئے براہین'' جس میں دو صحابہ کرام کے تروتازہ جسموں کو قبروں سے برآمد کیا گیا تھا)۔

عرصہ دراز تک بدنوں کا صحیح سالم پایا جانا قرآن اور احادیث سے ثابت ہے۔سورۂ طٰہٰ کی آیت ۱۲۴ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ'' (جو لوگ ہماری یاد سے منہ موڑ لیتے ہیں تو ہم ان کی زندگیوں کو تنگ کر دیتے ہیں اور قیامت کے روز ان کو اس لیے اندھا پیدا کرتے ہیں)۔وہ اپنی زندگیوں میں خدا کی نشانیوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ بھی اعراض فرما لیتے ہیں اور مرنے کے بعد ان کا حشر یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کسی شمار میں نہیں آتے لہٰذا ان کے جسم گل سڑ جاتے ہیں۔اس دنیا میں اگرچہ کوئی مالدار بھی ہو تو اس کا مال اس کے کام نہیں آتا کیونکہ مال کے ہوتے ہوئے بہت سے لوگوں کو دنیا اور آخرت میں مسلسل عذاب (بیماریاں، پریشانیاں، سزاؤں اور جہنم کی صورت میں) ملتا رہتا ہے۔

سورۂ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور نہ کرنے پر عتابِ الٰہی کا ذکر آیا ہے۔ ہماری تصنیف ''نشانِ منزل'' میں اللہ تعالیٰ کی پہچان کیلئے براہین کے بیان میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی کچھ مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ماں کے پیٹ میں بچہ نو ماہ اس حالت میں گزارتا ہے کہ اسے کوئی تنگی محسوس نہیں ہوتی۔اس مثال سے ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ بچہ گناہوں سے معصوم ہوتا ہے اس لیے ماں کے پیٹ میں اسے کوئی تکلیف نہیں دی گئی۔ پیدائش کے بعد بچہ جب بڑا ہوتا ہے تو اسے اپنی زندگی کو احکامِ الٰہی کی پیروی میں گزارنا اور گناہوں سے بچنا اللہ کے نزدیک ضروری امور ہیں۔ اگر انسان نیک زندگی گزارنے کے بعد قبر میں جاتا ہے تو اِس کی قبر کو جنتُ الفردوس کی وُسعت عطا کر دی جاتی ہے، جبکہ نافرمانوں اور گناہ گاروں کیلئے قبر میں ہی قہرِ الٰہی نازل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ایسے نافرمانوں کے جسم گل سڑ جاتے ہیں اور ہڈیاں یا تو قبر سے باہر نکال کر پھینک دی جاتی ہیں یا کچھ سالوں کے بعد گل سڑ جاتی ہیں۔

جسموں کے گل سڑ جانے کا ایک چشم دید واقعہ راقم الحروف کو ایک پولیس انسپکٹر نے بیان کیا ہے کہ کسی مقامی اخبار کا ایڈیٹر جو ایک مکان میں رہتا تھا اچانک لاپتہ ہو گیا۔ ۲۳ دن کے بعد بھی اس کا پتہ نہ چل سکا تو اس کے مکان کا تالہ توڑا گیا۔تلاش کے بعد مکان کی تیسری منزل سے اس کے جسم کی ہڈیوں کا ڈھانچہ ملا۔ان

۲۳ دنوں میں کیڑے مکوڑوں نے اس کے جسم کا تمام گوشت کھالیا اور جب کیڑوں کو خوراک نہ ملی تو کیڑے بھی مر گئے۔ اس ایڈیٹر کی ہڈیوں کے ڈھانچے کی شناخت اس طرح ہوئی کہ اس کے منہ میں ایک سونے کا دانت دیکھا گیا۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد سے منہ پھیر لیتے ہیں تو ان کا حشر اسی طرح ہوتا ہے، جبکہ اللہ کے نیک بندوں کے بدن سالہا سال تک اسی طرح محفوظ رہتے ہیں اور قبر میں ان کے کفنوں کو بھی نقصان نہیں پہنچتا۔ جو لوگ اپنے اوقات میں سے مختصر سا وقت نماز اور روزہ کیلئے مخصوص کر لیتے ہیں اور سیاہ کاریوں سے بچتے رہتے ہیں تو صرف اتنی سی بات پر ہی وہ ولی اللہ کہلانے کے مستحق بن جاتے ہیں۔

یہ دنیا اور وہ دنیا

موت کے بعد روح اور جسم کا باہم تعلق کچھ دیر تک رہتا ہے۔ لوہے کا گولہ اگر آگ میں ڈالا جائے تو آگ کی صورت اور سیرت اختیار کر لیتا ہے۔ آگ سے باہر آنے کے بعد بھی کافی دیر تک یہ لوہا سرخ رہتا ہے۔ اسی طرح رُوح جب جسم سے الگ ہوتی ہے تو ایک عرصہ رُوح کا جسم سے تعلق رہنے کے باعث جسم بھی روح کا اثر قبول کر لیتا ہے۔ طاقت ور رُوحوں کا تعلق جسم کے ساتھ بھی قوی ہوتا ہے اور زیادہ دیر تک جسم کے ساتھ منسلک رہتا ہے۔ بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ رُوح خواہ اعلیٰ عِلِّیِّین میں چلی جائے لیکن وہ اپنی قبر پر جب چاہے، ۵۰ ہزار سال کی مسافت کو ایک لمحے میں طے کر کے اپنی قبر میں آسکتی ہے۔ شاید اسی بات کو علامہ اقبالؒ نے درج ذیل اشعار میں بیان کیا ہے

لحد میں بھی یہی غیب و حضور رہتا ہے　　اگر ہو زندہ تو دل ناصبور رہتا ہے
مہ و ستارہ مثالِ شرارہ، یک دو نفس　　مئے خودی کا ابد سُرور رہتا ہے
فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا　　تیرے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے (۱۲۹)

جب کوئی شخص اپنی قبر میں حاضر ہو تو یہ اس کی حضوری کی حالت ہوگی اور جب وہ وہاں موجود نہ ہو تو غیابت کی حالت رہے گی۔ رُوح خواہ نزدیک ہو یا دُور جسم کے ساتھ اس کا تعلق ضرور رہتا ہے۔ حضرت عبدالحق محدث دہلویؒ نے مدارج النبوت میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے رحلت فرمانے پر پوری اُمت کا اجماع ہے۔ آپ ﷺ نے یقیناً موت کے درد و الم کا ذائقہ چکھا ہے لیکن بعد ازاں حق تعالیٰ نے آپ کو زندہ فرما دیا۔ ایک حدیث شریف میں آپ ﷺ کا ایک فرمان ہے کہ میں خدا کے نزدیک اس سے زیادہ مکرم ہوں کہ مجھے قبر میں چالیس دن سے زیادہ رکھے۔ آپ فرماتے ہیں" نیز حدیث شریف میں ہے کہ "اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ" (اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کے جسموں کو کھائے)، لہٰذا حضور ﷺ حیاتِ جسمانی، دنیاوی اور اس بدنی حیات کے ساتھ زندہ ہیں جو آپ ﷺ دنیا میں رکھتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں" یہ حیات شہداء کی حیات سے زیادہ کامل ہے

---

۱ سنن ابن ماجہ، حدیث ۱۰۷۵، جلد ۲، صفحہ ۳۸۶۔

کیونکہ شہداء کی حیات رُوحانی اور اُخروی ہے اور یہ رُوح کیلئے ثابت بھی ہے۔ حق تعالیٰ اس بات پر قادِر ہے کہ ان کی روحوں کیلئے اجسامِ مثالیہ اس عالم میں پیدا فرمائے یا انہیں بدنوں میں رکھے جو ان کیلئے ظروف (برتن) کا حکم رکھتے ہیں۔ انبیاء کرام کی ارواحِ مقدسہ اُن کے اپنے ہی بدنوں میں لوٹا دی جاتی ہیں جو وہ دنیا میں رکھتے تھے۔ ان کے اجسام اور ابدان نہ بوسیدہ ہوتے ہیں اور نہ خاک بنتے ہیں۔ حق تعالیٰ قادر ہے کہ ارواح کو بغیر بدنوں کے محفوظ رکھے لیکن ان کیلئے بدنوں میں وجود رکھنے پر نقل وارد ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا جیتے جی بدن کا تقاضا کرتا ہے''۔[1]

روح اور جسم کا تعلق

انسان کی روح بھی حقیقتاً انسان کا جسم ہی تو ہے، جو اس کے جسم کی صورت پر نہایت لطیف شکل اختیار کر چکی ہوتی ہے، اس لیے روح کے لاتعداد ذرّات کو مثالی جسم اور ہر ذرّے کو پیکرِ مثالی یا ہمزاد کہا جاتا ہے۔ جو لوگ نافرمانوں کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی روح کثافت اختیار کر لیتی ہے۔ چنانچہ موت کے وقت جب ایسے لوگوں کی روحیں ان کے جسموں سے نکلتی ہیں تو وہ تیزی کے ساتھ عالم ناسوت وغیرہ کی طرف صعود کرنے کی بجائے اپنی کثافت کے باعث ہزاروں سال اسی دنیا میں بھٹکتی رہتی ہیں اور کثافت کے سبب اکثر اوقات لوگوں کی نظر میں آجاتی ہیں۔ اہلِ نظر ایسی روحوں کا بلکہ بدروحوں کے علاوہ نیک اور لطیف روحوں کا بھی مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ مستند روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ اولیائے کرام فرشتوں کا مشاہدہ کرنے میں دِقت محسوس نہیں کرتے بلکہ فرشتوں کی باہمی گفتگو کو سن بھی سکتے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے خصائص الکبریٰ میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم کو اس قدر لطافت کا درجہ حاصل تھا کہ ان کا جسم بھی روح کا حکم رکھتا تھا یعنی روح کی طرح لطیف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم کا سایہ نہ تھا۔ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم کے خلیات میں برقی ذرات (Electrons) کی گردش روشنی کی رفتار سے بڑھ چکی تھی لہٰذا روشنی کی شعاعیں اس میں سے گزر جاتی تھیں اور ایسی حالت میں جسم کا سایہ ممکن ہونے کا امکان ختم ہو گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہم نبیوں کے جسم بھی روحوں کی طرح ہوتے ہیں اور ہماری روحیں بھی ہمارے جسموں سے مختلف نہیں ہوتیں (اَجْسَادُنَا اَرْوَاحُنَا وَاَرْوَاحُنَا اَجْسَادُنَا) اولیاء کرام اور انبیاء کرام کو اپنی روحوں پر اس قدر تصرف حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ بیک وقت کئی مقامات پر اپنے جسموں کے ساتھ دیکھی جاتی ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دباغؒ کا قول خزینہ معارف (ابریز) میں ملتا ہے جس میں آپ نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ جسم اور روح کے درمیان اگر حجاب اٹھ جائے تو اولیاء کرام ہر چیز کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں اگر زیادہ تفصیل مقصود ہو تو ہماری تصانیف ''رابطہ شیخ''، ''بیعت کی تشکیل اور تربیت'' اور ''اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبال'' کا مطالعہ فرمائیں۔

---

[1] مدارج النبوت، عبدالحق محدث دہلوی، جلد ۱، صفحہ ۲۵۸، مدینہ پبلشنگ کراچی۔

دُوسرا جہان اور اس کا مختصر جائزہ

تصوّف کی کتابوں میں ملتا ہے کہ ہماری اس مادی دنیا کے کڑے عالمِ ناسُوت سے ملے ہوئے ہیں۔ عالمِ ناسُوت کے بعد اعراف، ملکوت، جبروت، لاہُوت، ہاہُوت، ھُو اور دیگر عوالم پائے جاتے ہیں۔ یہ جہاں اور باقی ماندہ عالمِ اعراف تک کا علاقہ عالم مادی کہلاتا ہے۔ اس کے بعد عالمِ مثال شروع ہو جاتا ہے۔ عالمِ ملکوت سے عالمِ ھو تک کے طبقات عالمِ مثال میں شامل کئے جاتے ہیں۔ عالمِ مادی اور عالمِ مثال کو ملا کر عالمِ خلق کہا جاتا ہے۔ عالمِ ھُو کے بعد کے طبقات نہایت لطیف اور وراء الوراء ہونے کی وجہ سے عالمِ امر میں شامل کئے جاتے ہیں۔ ان تمام عوالم کی تفصیل ہماری تصنیف ''اسلام وروحانیت اور فکرِ اقبال'' میں بیان کی گئی ہے جس میں قارئین کی سہولت کیلئے ایک خیالی شکل (Diagram) بھی دے دی گئی ہے یہاں مختصر سی یہ بات اس لیے بیان کی جارہی ہے کہ دوسرے جہاں کے معاملات کو سمجھنا بہت مشکل امر ہے اور اس کی مکمل وضاحت صرف منتہی حضرات کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ یہ پابندی اس لیے ہے کہ مبتدی اور متوسط حضرات پر ایسے اسرار کا کھولنا طریقت کے اُصولوں کے مطابق ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

اگر ماں کے پیٹ میں بچے کو یہ بتلایا جائے کہ وہ دنیا جس میں اب تم جاؤ گے اتنی بڑی ہے کہ وہ تمہاری اس دنیا سے کروڑوں گنا زیادہ وسعت رکھتی ہے تو وہ بچہ اس حقیقت کو نہ سمجھ سکے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ جب ایک بچہ پیدا ہو کر دنیا میں آتا ہے تو برسوں تک وہ اس دنیا کی چیزوں اور رازوں کو سمجھ نہیں سکتا۔ کبھی وہ اپنی لاعلمی سے ایک تیز دھار والے چاقو کو بھی ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی دہکتے ہوئے انگاروں پر لپکنے سے گریز نہیں کرتا۔ اگر ایک بچے کو بلند دیوار پر رکھ دیا جائے تو اسے یہ معلوم نہیں ہوگا کہ وہ اس حالت میں اس دیوار سے گر بھی سکتا ہے اور اگر گر جائے تو اس کا یہ گرنا اس کیلئے جان لیوا ثابت ہو سکتا ہے۔ اس گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے معاملات کا فہم ایک بچے کو رفتہ رفتہ حاصل ہوتا ہے اور جب وہ سنِ بلوغت کو پہنچ جائے تو وہ اس دنیا کے نشیب و فراز کو سمجھنے لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسرار اور اگلے جہاں کی معرفت کو سمجھنا تو ایک بہت بڑی بات ہے۔ لیکن عام فہم انسان تو حقائق الاشیاء سے بھی واقفیت نہیں رکھتا۔ جب انسان کی لاعلمی کا یہ عالم سمجھ آجائے تو اس کے بعد آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اگلے جہاں میں نو وارد انسان کی حیثیت عین ماں کے پیٹ میں اس بچے کی طرح ہوتی ہے جس کا بیان اوپر ہو چکا ہے۔ مرنے کے بعد سے لے کر قیامت تک مدت برزخ کہلاتی ہے۔ وہاں کی اشیاء، لذتیں اور معاملات اس دنیا کے مقابلے میں بہت مختلف اور بعید از قیاس ہیں۔ کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر تصرّف عطا کر دیا ہے کہ وہ یہاں دنیا میں ہوتے ہوئے اگلے جہان کے مقامات اور معاملات کا اسی طرح مشاہدہ کرتے ہیں جس طرح ہم اپنے سامنے موجود اشیاء کا معائنہ کر سکتے ہیں۔ (دیکھیئے کشف المحجوب کے باب تصوّف میں حضرت حارثہ بن زید رضی اللہ عنہ کا عرش کے حالات کا مشاہدہ کرنا) اولیاء کرام کو اس دنیا میں غیر معمولی

امور کو طے کرنے کا تصرف حاصل ہوتا ہے۔اس سے کہیں زیادہ تصرف ان کو مرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے ایسی باتوں کا کچھ ذکر ہماری تصنیف ''رابطۂ شیخ'' میں کر دیا گیا ہے۔

تربیتِ عُشّاق میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اس دنیا میں جب رُوح لطافت اختیار کر لیتی ہے تو اس کی مثالی صورت (کے ذرّات) میں بھی قوت آ جاتی ہے۔ یاد رہے کہ رُوح کی غذا عبادت اور نیک اعمال ہیں۔جس قدر زیادہ عبادت اور مجاہدات کیے جائیں گے اسی قدر رُوح قوی تر ہو جائے گی۔

روح کی یہ مثالی صورت (ذرّات کی شکل میں) جسم اور رُوح کے درمیان ایک برزخ ہے جسے ہمزاد یا پیکرِ مثالی بھی کہتے ہیں۔اس پیکر مثالی سے بہت سے کام لیے جا سکتے ہیں (عامل لوگ چِلّے کاٹنے کے بعد اس ہمزاد پر تصرّف حاصل کر لیتے ہیں جس کے باعث لوگ ان کو دیکھ کر بزرگی کی صف میں شمار کرنے لگتے ہیں حالانکہ بزرگی اس سے بہت مختلف نوعیّت رکھتی ہے) یہ مثالی جسم انسان کے سونے کے دوران اور بیداری میں بھی بہت کام کر سکتا ہے اہلُ اللہ کی رُوحیں بہت دور دراز کی سیر کرتی ہیں اور چشمِ زَدن میں جہاں چاہیں اور جب چاہیں ایک سے زیادہ مقامات پر بیک وقت خود کو رُونما کر سکتی ہیں۔

مذکورہ بالا روحانی سیر کے دوران اہلُ اللہ کئی مقامات پر نظر آتے ہیں۔لوگوں سے ملتے ہیں اور بہت سے کام کاج میں حصہ لیتے ہیں لیکن عموماً ایسی حالت میں وہ مصافحہ نہیں کرتے، البتہ رُوح خاصی قوی ہو جائے تو وہ مصافحہ بھی کر لیتے ہیں۔حضرت میر علی ہمدانی کشمیریؒ نے ایک مرتبہ بیک وقت چالیس آدمیوں کے گھر میں جا کر کھانا کھایا اور ہر جگہ بیٹھ کر مختلف غزلیں لکھیں۔رُوح چونکہ لا فانی ہے اس لیے مرنے کے بعد بھی سرگرم عمل رہ سکتی ہے۔اس بات کی تصدیق قرآن کی سورۂ بقرہ کی آیت ۱۵۴ سے ہوتی ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ ''وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ'' (جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے، ان کو مُردہ نہ سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم ان کی زندگیوں کو نہیں سمجھتے)۔سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۶۹ میں بھی اس بات کی تصدیق کی گئی ہے کہ ''بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ'' (وہ زندہ ہیں اور ان کو اللہ کے ہاں سے رزق دیا جاتا ہے)۔

موت کی یاد تقویٰ کا باعث بنتی ہے

متعدد احادیث میں اس بات کا ذکر آیا ہے کہ مومن کو اپنی موت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس کا تقویٰ جتنا بڑا ہو گا اتنی ہی اس کو موت اس کے قریب معلوم ہو گی۔موت کو یاد رکھنے سے مراد یہ ہے کہ انسان کے عمل میں کوتاہی نہ ہو سکے اور انسان آخرت کی مکمل تیاری میں مصروف رہے۔موت کو یاد کرنے سے خدا خوفی بھی پیدا ہوتی ہے اور آخرت کا گھر بھی سنور جاتا ہے۔

روایت میں آیا ہے کہ ملک الموت جب کسی نیک شخص کی رُوح قبض کرنے کیلئے آتے ہیں تو نہایت حسین اور خوبصورت شکل اختیار کر لیتے ہیں۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مومن کی رُوح قبض کرنے سے پہلے ملک

الموت اس سے اجازت طلب کرتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ملک الموت کسی نیک بندے کی روح قبض کرنے کیلئے جائیں تو اسے کوئی تحریر پیش کرتے ہیں اور اس تحریر کو پڑھنے کے بعد اس شخص کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر جاتی ہے۔ کچھ ایسے واقعات بھی مطالعہ میں آئے ہیں کہ ملک الموت مرنے والے کے سامنے کوئی پھل پیش کرتے ہیں اور اس کے بعد اس کی رُوح قبض کر لی جاتی ہے۔

احادیث میں آیا ہے کہ نیک آدمی اپنے اس دنیا کے مال و دولت کو اگلے جہان کیلئے خدا کی خوشنودی کیلئے صرف کرتا ہے اور اس طرح وہ اپنا اثاثہ آخرت کیلئے بھیج دیتا ہے۔ فطرتاً انسان کی رغبت اس سمت میں رجوع کرتی ہے جہاں اُس کا اثاثہ موجود ہو۔ گناہ گار انسان مرنے کے وقت چونکہ اپنا اثاثہ دنیا میں ہی جمع کرتا ہے اس لیے دنیا سے رخصت ہوتے وقت اس کا دھیان دنیا ہی میں اٹکا رہتا ہے اور اس دنیا کو چھوڑتے وقت اسے سخت تکلیف ہوتی ہے جبکہ نیک آدمی کا اثاثہ چونکہ آخرت کیلئے خرچ کیا جاتا ہے تو وہ سفرِ آخرت کے وقت حسرت محسوس نہیں کرتا علامہ اقبال نے فرمایا ہے ؎

نشان مردِ حق دیگر چہ گویم — چوں مرگ آید تبسم برلب اُوست (۱۷۰)

(میں تمہیں مردِ مومن کا نشان بتاتا ہوں وہ یہ کہ جب اسے موت آئے تو اس کے لبوں پر تبسم ہوتا ہے)

احادیث میں ہے کہ گناہ گار شخص کی رُوح اس طرح قبض کی جاتی ہے کہ جان کنی کے وقت اُسے سخت اذیت پہنچائی جاتی ہے اور ان کی رُوح اس طرح جسم سے الگ کی جاتی ہے جیسے خاردار درخت سے کوئی باریک کپڑا کھینچ دیا جائے اور وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔ گناہ گاروں کی رُوحیں قبض کرنے کیلئے ملک الموت ایک خوفناک شکل میں ظاہر ہوتے ہیں ایک روایت میں آیا ہے کہ داؤد علیہ السلام نے ملک الموت سے پوچھا کہ وہ کس صورت میں کافروں کی رُوح قبض کرتے ہیں تو فرمایا کہ اگر وہ صورت میں آپ کو دکھاؤں تو آپ برداشت نہیں کر سکیں گے۔ آپ نے فرمایا میں وہ شکل دیکھنا چاہتا ہوں۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے وہ شکل اختیار کی تو آپ بے ہوش ہو گئے۔

علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام میں لکھا ہے کہ موت نے ایک روز اللہ تعالیٰ کے دربار میں عرض کیا کہ الٰہی! یہ مٹی کا انسان جو تو نے بنایا ہے اس کی آنکھ کتنی بے نم ہے کہ جب میں اس کی رُوح قبض کرتی ہوں تو مجھے یہ دیکھ کر بہت شرم آتی ہے کہ اس کا اعمال نامہ بالکل سیاہ اور نیکیوں سے خالی ہوتا ہے لیکن مرنے والے کو اس حالت پر بالکل شرم محسوس نہیں ہوتی۔ علامہؒ کے وہ اشعار حسب ذیل ہیں ان کا ترجمہ بھی دیا جا رہا ہے ؎

شنیدم مرگ بایزداں چنیں گفت — چہ بے نم چشم آں کزگل بزاید

(سنا ہے کہ موت نے اللہ سے کہا، کہ یہ انسان جو مٹی سے پیدا ہوتا ہے اس کی آنکھ کیسی بے نم ہے)

چوں جانِ از بگیرِم شرمسارم — ولے اُو را زمردن عار ناید (۱۷۱)

(جب میں اس کی جان قبض کرتی ہوں تو مجھے شرم آتی ہے، مگر اسے مرنے سے شرم نہیں آتی)

مسلمانوں کے اعمال حشر کے روز کس صورت میں نظر آتے ہیں

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن مسلمانوں کے اعمال نورانی شکلوں میں نمودار ہوں گے اور عمل کرنے والوں کی شفاعت کریں گے۔ قیامت کے روز کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا ذکر کرنے والوں کے چہروں کا نور اس قدر چمکدار ہوگا کہ اس کے سامنے چاند اور سورج کی روشنی ماند پڑ جائے گی۔ مسلمانوں کے چہرے عبادات کے اثرات سے چمکتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ کچھ اولیائے کرام قیامت کے دن نور کے دریا میں اس طرح غوطہ زن نظر آئیں گے کہ انبیاء کرام اور رسل بھی اُن پر رشک کریں گے۔

ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ بندۂ مومن کے نیک اعمال ایک خوبصورت شخص کی صورت میں قیامت کے دن نمودار ہوں گے اور وہ شخص مرنے والے سے یہ کہے گا "کیا تم مجھے پہچانتے ہو کہ میں کون ہوں" وہ شخص کہے گا کہ نہیں مجھے تو صرف اتنا معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیری شکل دل آویز بنائی ہے اور تیری مہک عطر بیز ہے۔ وہ شخص کہے گا کہ میں تیرا وہ عمل ہوں جو دنیا میں تجھ پر سوار رہا اور آج میں تجھے اپنے کندھوں پر اٹھانے کیلئے آیا ہوں۔[1] ایک اور حدیث میں ہے کہ قرآن مجید بھی ایک انسان کی شکل میں قاری کی میّت کے ساتھ قبر میں دفن ہو جائے گا۔ جب نکیرین سوال کرنا چاہتے ہیں تو اس شخص کو کہتے ہیں کہ تم باہر چلے جاؤ تا کہ ہم اس سے سوالات کر سکیں۔ وہ شخص کہے گا کہ جو تم چاہتے ہو سوال کرو۔ خدا کے حکم کے مطابق میں اسے اُس وقت تک نہیں چھوڑ سکتا جب تک یہ جنّت میں داخل نہ ہو جائے۔ مرنے والا اس سے پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ شخص جواب دے گا کہ میں وہی قرآن ہوں جس کو تو اٹھتے بیٹھتے لیٹتے پڑھا کرتا تھا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے کہ روزِ قیامت جب ان کیلئے قبر شق کی جائے گی تو ان کی قبر پر ایک تیز رفتار براق پرواز کیلئے تیار ہوگا اور وہ مسلمان اس بُراق پر بیٹھ کر جنّت میں پہنچ جائیں گے جبکہ حشر کے میدان میں ابھی حساب کتاب ہو رہا ہوگا۔ جنت میں اس قدر جلد پہنچ جانے والے ان لوگوں سے فرشتے دریافت کریں گے کہ کیا تم لوگ حساب و کتاب سے فارغ ہو چکے ہو تو وہ جواب دیں گے کہ نہیں! ہم نے کوئی حساب کتاب نہیں دیکھا۔ پھر فرشتے پوچھیں گے "کیا تم پل صراط سے گزر کر آئے ہو" تو وہ کہیں گے کہ ہم نے پل صراط کو بھی نہیں دیکھا۔ (کیونکہ براق کی رفتار اس قدر تیز ہوگی کہ پل صراط کا دیکھنا ممکن نہ ہوگا) اس گفتگو کے بعد فرشتے دریافت کریں گے کہ تم کون لوگ ہو اور کیا عمل کرتے تھے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھتے ہیں اور دنیا میں ہمارا یہ حال تھا کہ ہم ہر حال میں اللہ سے راضی رہتے تھے اور ہم باطنی زندگی میں بھی وہی کرتے تھے جو ظاہری زندگی میں ہم سے سرزد ہوتا تھا (یعنی ہمارا ظاہر اور باطن ایک تھا)۔

---

[1] تہذیب الاثار، ابن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ، حدیث ۱۳۷، جلد ۲، صفحہ ۵۰۸۔ مطبعۃ المدنی، القاہرہ۔

دنیا کی زندگی آخرت کا توشہ ہے

درج بالا تمام حقائق کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ اس دنیا کے چند روز عیش و عشرت کی خاطر آخرت کے انعامات اور آرام کو داؤ پر نہیں لگانا چاہیے، بلکہ اس دنیا کو آخرت کی کھیتی تصور کرنا چاہیے۔ یہ دنیا عیش و عشرت کی جگہ نہیں، کیونکہ عیش و عشرت صرف آخرت کیلئے متصور ہیں۔ دنیا کی تکالیف آخرت کے آرام کا سبب بنتی ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں اگر رنج و محن نہ ہوتے تو اس کی قیمت جو کے برابر بھی نہ ہوتی۔ اس سلسلے میں ہماری تصنیف ''نشانِ منزل'' میں ابتلاء (مومن کی آزمائش) کا باب مطالعہ فرمائیں، جس میں دنیا اور آخرت کی حقیقتوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ اگر کسی کو اس دنیا میں مال و دولت کی کثرت عطا کر دی جائے تو بھی اس سے راضی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ نعمتیں محض ایک قلیل عرصے کیلئے انسان کا ساتھ دیتی ہیں جبکہ آخرت کا آرام دائمی اور ابدی ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا حماقت ہو سکتی ہے کہ انسان دنیا کے چند ٹکوں کے حصول کیلئے ہمیشہ رہنے والی خوشیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ انسان کیلئے صرف مال و دولت سے بھرپور زندگی اس کی کامیابی کی علامت نہیں کیونکہ جتنے بھی امیر لوگ پیدا ہوئے آج ان میں کسی کا کوئی نام لیوا بھی نظر نہیں آتا۔ اس کے برعکس اولیائے کرام کا نام آج بھی عزت اور احترام سے لیا جاتا ہے۔ ایسی ہستیاں رہتی دنیا تک زندہ و جاوید رہتی ہیں۔ مصلحین اِسلام اور اولیائے کرام کو حیاتِ جاوداں نصیب ہوتی ہے۔ بایزید بسطامیؒ اور جنید بغدادیؒ کو کون نہیں جانتا۔ علامہ اقبالؒ کی کاوشیں اس قدر گراں مایہ ثابت ہوئیں کہ پورے عالمِ اسلام میں آج تک ان کا نام باقی ہے اور آپ نے مسلمانوں کو ایک نئی زندگی عطا فرمائی۔

اگر ہم میں سے کوئی بھی شخص ملک و قوم کی خدمت میں کردار ادا کرے تو اس کی کوششوں کے مطابق اُسے بقائے دوام نصیب ہو سکتا ہے۔ ملک اور قوم کی خدمت کرنے والوں کو دنیا میں ہی اللہ کے مقرر کردہ قانون اور سنّت کے مطابق اجر ملنا شروع ہو جاتا ہے۔ مشائخ عظام کا قول ہے کہ اس طریقت کی راہ پر چلنے والوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ کسی ولیٔ کامل کی رفاقت میں آ کر ان منزلوں کو طے کریں کیونکہ یہاں کسی راہدان اور رہنما کی صحبت اختیار کرنا طریقت کے قوانین میں شامل ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

اندر آ در سایۂ آں عاقلے   کس نتاند برد از رہ ناقلے [۱۷۲]

(کسی کامل صاحب عقل کے سائے میں آجاؤ، کیونکہ آج تک کسی فردِ واحد کا اپنے آپ یہ راہ طے کرنا روایات میں نہیں آیا)

بے نمازی مُردے کیا کہتے ہیں

تفسیر روح البیان میں ایک حدیث کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ مُردے نہایت عجز و زاری کے

ساتھ عرض کرتے ہیں کہ اے خداوند کریم ہم کو دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دے، مگر انہیں اجازت نہیں ملتی، تب وہ زندہ لوگوں پر تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں ''اِن زندوں کو کیا ہو گیا ہے اور اُن پر کیا ظلمت چھا گئی ہے کہ اپنی پیاری عمر کی قدر نہیں کرتے اور نماز نہیں پڑھتے''۔

مُردے عام طور پر لوگوں سے گفتگو نہیں کر سکتے البتہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ خواب میں آ کر کچھ پتے کی بات بتا دیتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وصال کے دس برس بعد کسی کو خواب میں اطلاع دی کہ آج بمشکل حساب سے فارغ ہوا ہوں۔ اِمام غزالی نے بھی کسی کو خواب میں فرمایا کہ مجھے حساب سے نجات مل گئی ہے مگر میرے اعمال نامے کی کمی ان چند نوافل کی وجہ سے پوری ہوئی جو میں رات کو تہجد کے وقت ادا کر لیتا تھا۔ محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے خواب میں پوچھا ''بادشاہ سلامت کیا حال ہے۔ فرمایا خبردار! یہاں کوئی بادشاہ سلامت نہیں۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اگلے جہان کے حالات بیان کیے وہ ہماری تصنیف ''اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبال'' میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔ اس طرح خوابوں میں بہت سے لوگوں نے مرنے کے بعد کے حالات بیان کیے ہیں جو یہاں بیان نہیں کیے جا سکتے۔

اس سلسلے کی ایک مثال بیسویں صدی میں دیکھنے کو آئی ہے اور یہ کہ دو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اپنی قبروں سے نکال کر محلّہ سلمان پاک میں، جو بغداد میں واقع ہے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی قبر کے نزدیک دفن کیا گیا تھا۔ ان دونوں کو ان کی قبروں سے اس لیے نکالا گیا تھا کہ بیسویں صدی کے اوائل میں عراق کے شاہ فیصل اول اور مفتیٔ اعظم عراق کو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے خواب میں آگاہ کیا کہ میرے مزار میں دریا کا پانی آ چکا ہے اور جابر رضی اللہ عنہ کی قبر میں نمی پہنچ چکی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں یہاں سے نکال کر دوسری جگہ دفن کیا جائے چنانچہ ایک بہت دلکش منظر میں یہ عمل پورا کیا گیا اور تمام عالم اسلام سے پچاس لاکھ آدمیوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ دونوں صحابہ کرام کے اجسام کو منتقل کرنے کے دوران کئی یہودیوں اور عیسائیوں نے ان صحابہ کی چمکدار آنکھیں اور تر و تازہ جسم کو دیکھ کر اسلام قبول کر لیا۔ (راقم الحروف کی کتاب ''نشانِ منزل'' ''اللہ کی پہچان'' کے ضمن میں اس واقعہ کی تفصیل درج کی جا چکی ہے) ایسے ہی بہت سے بے نمازی مردوں نے بھی اپنی کیفیات خوابوں میں بیان کی ہیں کہ انہیں عذاب دیا جا رہا ہے۔ ابولہب کو عذاب ہونے کی حکایت جو اس نے خواب میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بیان کی بہت مشہور ہے اس روایت میں اسے پیر کے روز انگلی سے سیراب کیے جانے کا ذکر آیا ہے۔

قرآن اور احادیث میں یہ ذکر بھی آیا ہے کہ مرنے والے جب موت کو دیکھ لیتے ہیں تو خواہش کرتے ہیں کہ کاش ہمیں کچھ وقت اور مل جائے مگر ان کی یہ خواہش پوری نہیں کی جاتی۔ ''فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ'' (المنافقون: ۱۰) (موت کے وقت) وہ یہ کہنے لگے گا کہ اے میرے رب تو نے مجھے تھوڑی مدت کیلئے کیوں نہ مہلت دی تا کہ میں صدقہ و خیرات کر لیتا اور نیکوں میں شامل ہو جاتا)۔

قرآن مجید میں یہ بھی آیا ہے کہ آخرت میں بھی کفار اور گناہ گار عرض کریں گے کہ اے اللہ تو ہمیں ایک بار پھر موقع دے کہ ہم دنیا میں جا کر عملِ صالح کر سکیں مگر انہیں کہا جائے گا کہ تمہیں پہلے ہی بہت مہلت دی جا چکی ہے۔ دیکھئے ایک حدیث میں ہے کہ اگر جنّت اور دوزخ کا یہ حال کوئی شخص ایک لمحہ کیلئے دیکھ لے تو ایسا شخص دنیا میں سوائے عبادت کے اور کوئی کام کرنا نہ چاہے گا۔ منشاءِ الٰہی یہی ہے کہ اگر کوئی خدا کو دیکھے بغیر نیک اعمال کرے تو اس کے ایسے اعمال قابلِ ستائش ہیں، ورنہ اگر آخرت کے پردے اٹھا دیئے جائیں تو دنیا میں کوئی شخص ایسا نہ رہے گا جو خدا پر ایمان نہ لائے۔ ایسے ایمان میں کیا خوبی ہے کہ کوئی خدا کو دیکھ کر اس کی گواہی دے، جب کہ ایمان کیلئے قرآن ''یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ'' کی قید لگاتا ہے۔

امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں روایت نقل کی ہے کہ مطرف بن عبداللہؒ نے ایک روز قبرستان کے قریب دو رکعت نماز جلدی جلدی پڑھی۔ اس کے بعد انہیں نیند آ گئی تو دیکھا کہ ایک قبر والے نے ان سے کہا ''تم نے نماز تو پڑھی مگر اچھی طرح نہیں پڑھی''۔ آپ نے فرمایا کہ واقعی ایسا ہی ہوا ہے پھر اس مردے نے کہا کہ تم لوگ عمل کرتے ہو مگر عمل کرنا جانتے نہیں۔ ہم لوگ جانتے ہیں مگر عمل نہیں کر سکتے۔ پھر اُس نے کہا کہ کاش یہ دو نفل تمہاری بجائے میں ادا کرتا تو میرے نزدیک یہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوتا۔[1]

فرشتے انسانوں کو پہچانتے ہیں

تفسیر ابن کثیر میں سورۂ اخلاص کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ جبرائیل علیہ السلام بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے کہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ آ گئے۔ جبرائیل علیہ السلام نے انہیں دور سے دیکھ کر دریافت کیا کہ یہ ابوذر رضی اللہ عنہ ہیں جو آ رہے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم ملائکہ ابوذر رضی اللہ عنہ کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ وہ یہاں سے زیادہ ہمارے ہاں مشہور ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کس وجہ سے ان کو یہ فضیلت ملی ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ایک تو یہ اپنے آپ کو دل میں چھوٹا سمجھتے ہیں اور دوسرا یہ کہ وہ ''قُلْ ھُوَ اللہُ اَحَدٌ'' کی کثرت سے قرأت کرتے ہیں۔[2] اس سے معلوم ہوا کہ عالمِ امر والے یہاں کی باتیں اور یہاں کے لوگوں کا اچھا بُرا ہونا جانتے ہیں۔ کچھ روایات ایسی بھی ہیں جن میں فرشتوں کا دُنیا میں لوگوں سے کلام کرنا اور دنیا کے لوگوں کو ان کے ناموں سے پہچاننے کا ذِکر ہے، فرشتے لوگوں کے بہت سے اعمال جاننے کا بھی دوسرے فرشتوں سے تذکرہ کرتے ہیں۔ ضیاء القرآن کی جلد پنجم صفحات ۷۰۹ تا ۷۱۴ کا مطالعہ کریں، جہاں مُردوں کی باتیں کرنے کے متعلق کافی تفصیل لکھ دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ مشکوٰۃ شریف، شرح الصُّدور (امام سیوطی) ''موت کا منظر مرنے کے بعد'' ''کتاب الرُّوح'' (ابنِ قیم) ''موت کے سائے'' اور ''عالمِ برزخ'' کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] شعب الایمان، حدیث ۹۸۲۹، جلد ۲۱، صفحہ ۱۴۹۔

[2] تفسیر ابن کثیر، جلد ۴، صفحہ ۵۶۷۔

اگلے جہان میں رُوحوں کے کچھ احوال

ابنِ قیم نے لکھا ہے کہ جنت میں مسلمانوں کی رُوحیں دعا کرتی ہیں کے اے پروردگار ہمارے پاس ہمارے بھائیوں کو بھی لے آ اور جس کا تو نے وعدہ کیا ہے وہ انہیں عطا فرما۔ کافروں کی رُوحیں سیاہ پرندوں کے پوٹوں میں رہتی ہیں، جو آگ کھاتی پیتی ہیں اور آگ میں رہتی ہیں اور کہتی ہیں "خدایا ہمارے ساتھ ہمارے بھائیوں کو نہ ملا اور جس کا تو نے وعدہ کیا وہ عطا نہ کر"۔ کتاب الروح میں ابن قیم نے لکھا ہے کہ قبروں والے کہتے ہیں کہ "اے دنیا کے رہنے والو! تم نے ایسا گھر آباد کر رکھا ہے کہ جو بہت جلد تم سے چھن جائے گا اور اس گھر کو یعنی آخرت کے گھر کو تم نے اُجاڑ رکھا ہے جس میں تم تیزی سے منتقل ہونے والے ہو۔ تم ان مکانوں کو سامانِ عیش وعشرت سے مزیّن کر رہے ہو جن میں سے تمہیں نکال دیا جائے گا اور جہاں رہنا نصیب نہ ہوگا۔ اگر دیکھا جائے تو حقیقت یہی ہے کہ جو لوگ ناجائز اور حرام ذرائع سے کمائی جمع کر کے شاندار محلات تعمیر کرتے ہیں تو وہ اس جہان سے آخرت کا توشہ نہیں لے پاتے اور انہیں اچھی موت بھی نصیب نہیں ہوتی۔ یہ لوگ اپنا سامان تعیش اپنے بچوں کیلئے چھوڑ جاتے ہیں۔ اسلام سے تمام عمر غافل رہنے کی وجہ سے ان کا جہنم کے گڑھے میں چلا جانا شک وشبہ کا محتاج نہیں۔ ایسی عیش کی زندگی سے کیا حاصل جس کی وجہ سے انسان کو جہنم کی آگ میں جھونک دیا جائے۔ ان کا یہ مال اور اولاد انہیں عذاب آخرت سے بچا نہ سکیں گے۔ ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ ہر شخص مرنے پہ پشیمان ہوگا۔ اگر کوئی نیک ہے تو اس لیے پشیمان ہوگا کہ اس نے نیکیاں زیادہ کیوں نہ کیں اور اگر وہ بدکار ہے تو اس لیے پشیمان ہوگا کہ اس نے برائی کیوں نہ چھوڑی۔ کنزالعمال میں ہے کہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے دو رکعت نفل پڑھی اور پھر دُعا کی کہ الٰہی قبر سے مُردوں کو نکال تاکہ وہ موت کے بارے میں ہمیں کچھ معلومات بہم پہنچائیں۔ دُعا کے بعد ایک مردے نے قبر سے سر نکالا اور کہا تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ کہنے لگا سنو! خدا کی قسم سو سال ہوئے کہ میں فوت ہوا تھا مگر موت کی گرمی (تکلیف) ابھی تک سرد نہیں ہوئی۔ اُس شخص کی پیشانی پر سجدوں کے نشان تھے۔ اس مثال سے بے نمازی کی حالت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

احادیث میں ہے کہ جو کوئی مرجاتا ہے تو اس سے پہلے مرنے والے لوگ اس نئے مرنے والے سے ملتے ہیں اور دُنیا والوں کے احوال دریافت کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ مرنے والوں کے سامنے اُن کے زندہ عزیز واقارب کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں تو وہ اچھے اعمال پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور اُن کے نیک خاتمے کیلئے دعا کرتے ہیں اور بُرے اعمال دیکھ کر ان کیلئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ ان کو نیک اعمال کی توفیق دے۔ مجاہد نے کہا کہ جب کسی مرد کا بچہ صالح ہوجاتا ہے تو قبر میں مُردے کو اس کی بشارت دی جاتی ہے۔ علامہ سدیؒ نے لکھا ہے کہ مرنے والوں کو ایک فہرست ان مردوں کی دی جاتی ہے جو عنقریب مرنے والے

ہوں تو اس کو پڑھ کر وہ خوش ہوتے ہیں کہ فلاں فلاں بھی جلد ہی ہمارے ساتھ آملیں گے۔ "وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ" (وہ (مردے) ان لوگوں کی خوشخبریاں پاتے ہیں جو ان سے ابھی تک نہیں ملے) (آل عمران: ۱۷۰)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ خواب میں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زیارت کی۔ فرماتے ہیں کہ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے مکان سے غسل فرما کر آ رہے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ معاملہ کیسا رہا۔ فرمایا بارہ سال تم سے جدا ہونے کو ہو گئے ہیں اور آج حساب سے فارغ ہوا ہوں اور فرمایا کہ اگر میرا رب رَءُوْفُ الرَّحِیْم نہ ہوتا تو میری بے عزتی ہو جاتی۔ امام غزالی لکھتے ہیں کہ بہت سے صوفیاء نے مرنے والوں سے خواب میں استفسار کیا تو معلوم ہوا کہ اہلِ یقین کا درجہ جنّت میں بہت بلند ہے۔ کچھ لوگ استغفار کی کثرت سے اور کچھ لوگ ثناء خوانی کی برکت سے بخشے گئے۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ آخرت میں یا تو علماء کا درجہ بلند ہے یا غمزدہ لوگوں کا۔ ایک روایت میں ہے کہ کسی نیک بندے نے دو رکعت نفل میں دو ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھ کر بخشی تو سب قبرستان والے بخشے گئے۔ کبھی کوئی نیک آدمی کسی کے جنازے کو کندھا دے دے تو میت بخش دی جاتی ہے اور کبھی کسی نیک بندے کے جنازے کو کوئی کندھا دے دے تو اس کی بخشش کا سامان بن جاتا ہے لیکن ایسے مواقع بہت کم ہوتے ہیں۔

مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ قبر یا آخرت میں بے نمازی تو کیا نیکوں کو بھی بہت مشکل پیش آتی ہے۔ نیکوں کو اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال کی وجہ سے اُن کی کوتاہیوں کو نظر انداز فرما دیتے ہیں لیکن بے نمازی اور بے عمل لوگوں کو کسی بات پر چھٹکارے کی اُمید نہیں اور وہ آخرت میں عذابِ جہنّم کے مستحق ہوتے ہیں، البتہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر خاص طور پر اپنی مغفرت کا اظہار فرمائیں یا کسی بزرگ کی شفاعت سے بخشا جائے۔ خدا کی بخشش کی اُمید تو رکھنی چاہیے مگر بغیر عملِ صالح اور نیک اعمال کے بخشش کی اُمید رکھنا قرینِ عقل نہیں۔ اگر کوئی نیک اعمال کرے اور پھر رحمتِ الٰہی کی امید رکھے تو اس کو رِجا (امید) کہا جاتا ہے۔ قارئین اندازہ فرمائیں کہ پانچ وقت کی نماز کوئی مسئلہ لَایَنْحَلْ یا مشکل کام نہیں۔ اگر اتنا ہی عمل کر لیا جائے تو اللہ تعالیٰ باقی اعمال کی سعادت بھی عطا فرما دیتا ہے اور اگر چاہے تو باقی کوتاہیوں سے چشم پوشی فرما لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے سب کو توفیقِ عمل عطا فرمائے جو اُس کی بخششوں کا باعث بن جائے، آمین۔

کچھ ایسی روایات بھی نظروں سے گزری ہیں کہ کسی نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تو وہ بخشا گیا۔ مگر ایسے امکانات بہت کم ہوتے ہیں اور پھر ایسی بخشش کے متعلق سوچنا یقینی بات نہیں ہے، تو پھر کیوں نہ ایسے اعمال کرنے پر زور دیا جائے جن کے قبول ہونے کے امکانات بہت روشن ہوتے ہیں۔ کسی بزرگ کی سفارش پر بھی بخشش ہو جاتی ہے، مگر یہ بھی ایسی ہی بے یقینی کی بات ہے۔ معاملہ وہی بہتر ہے جس کی اُمید اپنے اعمال کی کمائی پر ہو مگر اس میں شرط یہ ہے کہ وہ اعمال قبول بارگاہِ الٰہی ہو جائیں۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ ہر مسلمان کی بخشش ہونا اور جنت میں جانا لازمی ہے خواہ کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو لیکن اس بات میں ایک بات بھولنا نہیں چاہیے کہ گناہ گاروں کیلئے دخولِ جنت لاکھوں کروڑوں سال (جس کا تعین گناہوں کے مطابق ہے) ہوگا اور یہ نجات جہنم کی اُس لمبی سزا بھگتنے کے بعد ہو سکتی ہے تو پھر اس سزا سے کیوں نہ بچا جائے اور وہ صرف اس طرح ہی ممکن ہے کہ نیک عمل کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ اس عمل کے بعد اللہ کی بخشش یقینی تو نہیں البتہ اس کی رحمت کی بناء پر امید رکھی جا سکتی ہے۔ بغیر عمل کے امید رکھنا جہالتِ محض ہے۔

اللہ سے غافل ہونا دونوں جہانوں کا خسارہ ہے

رسول اللہ ﷺ کو (اور سارے مسلمانوں کو بھی) اللہ تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا ہے کہ " آپ بے دینوں کی مجلس اختیار نہ کریں اور ان کے ساتھ دوستی یا محبت نہ رکھیں، کیونکہ ان کی مجلس محض دنیا کو دوست رکھنے والوں کی مجلس ہوتی ہے"۔ "فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا" (آپ ﷺ اپنا رُخِ انور پھیر لیجئے اس (بدنصیب) سے جس نے ہمارے ذِکر سے رُوگردانی کی اور نہیں خواہش رکھتا مگر دنیاوی زندگی کی) (نجم:۲۹)۔ اِس آیت میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ جن لوگوں کو دین کی طرف اور اُس کی اتباع کی طرف بلایا جاتا ہے اور وہ اس کو سننا بھی نہیں چاہتے یا جن کو اللہ کے ذکر کی طرف بلایا جاتا ہے اور وہ اس سے دور بھاگتے ہیں، بلکہ دنیا کی لذتوں اور آرائشوں میں اس طرح کھوئے ہوئے ہیں کہ وہ عاقبت (آخرت) کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے اور اس کے برعکس دنیا کی دولت کو سمیٹنے میں لگے رہتے ہیں تو ان کو اے میرے حبیب پاک ﷺ! بالکل چھوڑ دیں وہ جب اپنے کرتوتوں کا مزہ، عذاب کی صورت میں چکھیں گے تو انہیں خود بخود پتہ چل جائے گا۔ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو کل کی نہیں آج کی فکر ہے۔ حافظؒ فرماتے ہیں۔

گر مسلمانی ہمیں است کہ حافظ دارد   آہ اگر از پئے اِمروز بوَد فردانی

(اگر مسلمانی یہی ہے جو حافظ رکھتا ہے تو افسوس ہے کہ اگر آج کے بدلے اس کی کل بدنامی ہو)

قرآن انسان کو سوچ و بچار کی دعوت دیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اگر تم غور کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کس طرح اور کس لیے پیدا کیا ہے۔ غور کرو کہ اس کے خالق کو خدا ماننے سے تم کیوں گریز کرتے ہو اور اس کی اطاعت کیوں نہیں کرتے؟ "یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ ۙ الَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ ۙ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ" (الانفطار:۶ تا ۸) (اے انسان کس چیز نے تجھے دھوکے میں رکھا اپنے رب کریم کے بارے میں۔ جس نے تجھے پیدا کیا پھر تیرے (اعضاء) کو درست کیا پھر تیرے (عناصر) کو معتدل بنایا۔ الغرض جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دے دیا)۔ اِس سورۃ میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن سارے پردے چاک ہو جائیں گے۔ ہر ایک کو پتہ چل جائے گا کہ وہ دنیا میں کیا

کرتا رہا ہے۔ اس کے اعمال کے نتائج مرتب ہو جائیں گے۔ اسی سورۃ میں انسان کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ جس لطف و کرم اور احسانات سے تجھے اللہ نے نوازا ہے تم اس کی ناشکری کر رہے ہو۔ یہ نہ سمجھو کہ حشر کے دن چھوڑ دیئے جاؤ گے، بلکہ ہر شخص کا ریکارڈ موجود ہے اور ہر عمل کی جزا اور سزا ضرور ملے گی۔

دنیا کی محبت تمہیں خدا سے غافل نہ کر دے

سورۂ منافقون میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ "اے مسلمانو! تم منافقین کا طریقہ کار اختیار نہ کرو کہ اُن کو تو مالِ دُنیا اور اولاد نے اپنے خالق کی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ لوگ دنیا اور آخرت میں خسارے میں ہیں"۔ "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ" (المنافقون:۹) (اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کریں تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے اور جنہوں نے ایسا کیا تو وہی لوگ گھاٹے میں ہوں گے)۔ سورۂ الماعون میں فرمایا کہ "فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۙ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ" (الماعون:۴،۵) (پس خرابی ہے ایسے نمازیوں کیلئے جو اپنی نمازوں کی ادائیگی سے غافل ہیں)۔

یہاں "سَاهُوْن" کا معنی غَافِلُوْنَ ہے۔ اس سورۃ کی مفسرین نے بہت طویل شرح لکھی ہے مگر اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ منافقین کے نزدیک نماز کی کوئی اہمیت نہیں، یعنی اگر نماز ہو گئی تو ہو گئی اور نہ ہوئی تو کوئی بات نہیں۔[1] لوگوں میں اگر ہوئے تو سب کے سامنے پڑھ لو ورنہ پھر ان کو پڑھنے کی کیا ضرورت یا یہ کہ صحیح وقت پر ادا نہ کی۔ کبھی بیٹھے گپیں ہانکتے رہے اور جب قضا ہونے لگی تو جلدی سے اٹھے اور چار ٹھونگیں مار کر فارغ ہو گئے۔ کچھ ایسے بھی ہیں کہ نماز بغیر خشوع و خضوع کے پڑھتے ہیں۔ کھڑے نماز میں ہیں اور دل اِدھر اُدھر لگا ہوا ہے۔ عطاءؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے سورۂ ماعون میں "عَنْ صَلَاتِهِمْ" فرمایا "فِیْ صَلَاتِهِمْ" نہیں فرمایا۔ فِیْ کی صورت میں شاید ہی کوئی اس افسوس سے بچ سکتا اور عن کہہ کر سہو اور نسیان کی نماز کا علاج سجدہ سہو سے ممکن ہوا۔ حدیث شریف میں ہے کہ "وَیْلٌ" دوزخ کی ایک وادی کا نام ہے جس میں اگر دنیا کے پہاڑ ڈالے جائیں تو پگھل جائیں۔ یہ جہنم ایسے غافلوں کیلئے ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔[2] قرآن میں نماز سے غفلت کی بابت اور بھی بہت سی آیات آئی ہیں جن میں سے کچھ مختلف مقامات پر پہلے بھی بیان ہو چکی ہیں۔

ترکِ صلوٰۃ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنبیہ

ترکِ صلوٰۃ کی بابت بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ جن میں سے چند احادیث یہاں بیان کی جا رہی ہیں تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ نماز کا ترک اور قضاء کرنا کس قدر ناپسندیدہ عمل ہے۔

---

[1] تفسیر طبری، جلد ۲۴، صفحہ ۶۳۲۔

[2] تفسیر الکبیر، جلد ۱۷، صفحہ ۲۳۰۔

i۔ ''مَنْ فَاتَتْهُ الصَّلَاةُ فَكَاَنَّمَا وُتِرَاَهْلُهٗ وَمَالُهٗ ''[1]

(جس کی نماز فوت ہوگئی تو گویا اس کے اہل ومال جاتے رہے)

ii۔ ''مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا كُتِبَ اِسْمُهٗ عَلٰى بَابِ النَّارِ مِمَّنْ يَدْخُلُهَا''

(جس نے قصداً نماز ترک کی (تو) جہنم کے دروازے پر اس کا نام لکھ دیا گیا)[2]

iii۔ ''مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ''[3]

(جس نے قصداً نماز ترک کی اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ اس سے بری الذمہ ہوجاتے ہیں)

iv۔ ''مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ فَلَا دِيْنَ لَهٗ، وَالصَّلَاةُ عِمَادُ الدِّيْنِ'' [4]

(جس نے نماز چھوڑ دی اس کا کوئی دین نہیں، نماز دین کا ستون ہے)

v۔ ''لَا سَهْمَ فِي الْاِسْلَامِ لِمَنْ لَّا صَلَاةَ لَهٗ'' اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں جس کیلئے نماز نہ ہو۔ [5]

vi۔ ''مَنْ صَلّٰى صَلَاةَ الصُّبْحِ كَانَ فِيْ ذِمَّةِ اللّٰهِ ''[6]

(جو صبح کی نماز پڑھتا ہے وہ شام تک اللہ کے ذمہ میں ہے)۔ایک اور روایت میں ہے کہ جو اللہ سے منہ موڑے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اوندھا کر کے دوزخ میں ڈالے گا۔

vii۔ ''مَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَّهٗ نُوْرٌ وَّلَا بُرْهَانٌ وَّلَا نَجَاةٌ وَّكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَاُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ'' (جو شخص نمازوں کی حفاظت نہیں کرتا قیامت کے روز اُس کی نہ نجات ہوگی اور نہ اس کے پاس نجات کی سند ہوگی اور نہ اس کے پاس کوئی روشنی ہوگی اور وہ اسی حالت میں قارون، ہامان، فرعون، ابی ابنِ خلف منافق کے ساتھ جہنم میں داخل ہوگا)[7]

اِس حدیث کی وضاحت یوں کی جاتی ہے کہ مال کمانے کے ذرائع چار ہیں اول حکومت، دوم بادشاہت، سوئم ملازمت و زراعت اور چہارم صنعت وحرفت، جو شخص حکومت یا افسری شان کی وجہ سے اور بادشاہت کی وجہ سے نماز چھوڑتا ہے جس طرح آج کل کے بڑے بڑے امراء وزراء یا سیکرٹری وغیرہ جب کرسیاں حاصل کر لیتے ہیں تو ان کے سروں میں حکومت کا اس قدر نشہ ہو جاتا ہے کہ انہیں نماز کیلئے وقت نکالنا بہت مشکل امر معلوم ہوتا ہے اور ان کی گردن کا خدا کے سامنے جھکنا ایک اَمرِ محال نظر آتا ہے۔ مشاہدہ میں آیا

---

[1] مسند احمد، حدیث ۲۲۵۳۴، جلد ۴۸، صفحہ ۱۳۷۔

[2] کنز العمال، حدیث ۱۹۰۹۰، جلد ۷، صفحہ ۳۲۵۔

[3] مسند احمد، حدیث ۲۶۰۹۸، جلد ۵۵، صفحہ ۳۶۹۔

[4] شعب الایمان، حدیث ۲۶۸۳، جلد ۶، صفحہ ۳۲۴۔

[5] کنز العمال، حدیث ۱۹۰۹۸، جلد ۷، صفحہ ۱۳۳۔

[6] المعجم الکبیر، حدیث ۱۶۳۱، جلد ۲، صفحہ ۲۱۵۔

[7] مسند احمد، حدیث ۶۲۸۸، جلد ۱۳، صفحہ ۳۲۶۔

ہے کہ ایسے لوگ تو نماز پڑھنا اور خاص طور پر لوگوں کے ساتھ با جماعت نماز پڑھنا اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ایسے افسر تو بہت کم نظر آتے ہیں جو جمعہ کی نماز کے علاوہ مسجدوں میں با قاعدہ آتے ہوں)۔ایسے لوگوں کا حشر فرعون کے ساتھ ہوگا۔جو شخص تجارت اور کھیتی باڑی کی وجہ سے نماز ترک کرتا ہے اس کا حشر ابی ابنِ خلف کے ساتھ ہو گا اور وہ جہنم میں ان کے ساتھ جائے گا۔جو شخص دستکاری کی وجہ سے نماز چھوڑتا ہے اس کا حشر قارون کے ساتھ ہوگا اور وہ اس کے ساتھ جہنم میں جائے گا کیونکہ قارون ایک دستکار تھا،اور اِسی طرح حکومت کی وجہ سے نماز ترک کرنے والے ہامان کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔

viii۔مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی (چیز) نماز ہے۔[1]

ix۔جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی وہ کفر کے قریب جا پہنچا۔[2]

x۔شیطان نے ستر ہزار برس اللہ کی عبادت کی اور قرآن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک سجدہ نہ کرنے پر وہ ملعون ہوا (ہر بے نماز ی کیلئے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ) جو بہت سی نمازیں چھوڑ بیٹھے تو اُس کا کیا حشر ہوگا۔

xi۔''مجالس ابرار'' میں نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص ایک نماز چھوڑ دیتا ہے تو اس کی سزا دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس تک جہنم میں جلنا ہے اور خدا اس میں کسی وجہ سے کمی کر دے تو اس کی مرضی ہے۔

xii۔ایک حدیث میں ایک نماز قضا کرنے کی سزا ایک حقب یعنی اسی (۸۰) برس تک جہنم میں رہنا لکھی گئی ہیں۔

xiii۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اخیر زمانہ میں آپ رضی اللہ عنہ کو خنجر مارا گیا اور جس کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا،اس حالت میں ہر وقت آپ کے جسم سے خون بہتا رہتا تھا اور آپ اکثر بے ہوش رہتے تھے۔مگر ایسی حالت میں بھی جب آپ کو نماز کا بتایا جاتا تو نماز ادا کرتے اور ارشاد فرماتے کہ اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں جو نماز چھوڑ دے۔

xiv۔ابولیث سمرقندی نے ''قُرَّةُ الْعُيُوْن'' میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص ایک فرض نماز بھی جان بوجھ کر چھوڑ دے اس کا نام جہنم کے دروازے پر لکھا جاتا ہے اور اس کو اس میں جانا ضروری ہے۔

xv۔احادیث میں بے نمازی لوگوں کو شقی فرمایا گیا ہے اور نماز قضا کرنے والوں کو عذابِ قبر اور قبر میں سانپوں اور بچھوؤں کے عذاب کے علاوہ جہنم کا عذاب بھی ہے جیسے پہلے لکھا جا چکا ہے۔

xvi۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو یہ دعا تلقین فرمائی۔''اَللّٰھُمَّ لَا تَدَعْ فِیْنَا شَقِیًّا وَّلَا مَحْرُوْمًا''[3] (اے اللہ ہم میں سے کسی کو بد بخت اور محروم نہ کر) فرمایا بد بخت وہ ہے جو نماز چھوڑنے والا ہے۔

xvii۔سورۂ فرقان کی آیت ۲۴،۲۵ میں قیامت کے روز کے احوال کا تذکرہ ہے۔ان آیات کی تفسیر میں لکھا گیا ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ پچاس ہزار سال لمبے قیامت کے دن کی مسافت کس طرح طے ہوگی۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ اِنَّهٗ لَیُخَفِّفُ عَلَی الْمُؤْمِنِ حَتّٰی یَکُوْنَ اَخَفَّ

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۲۵۴۳، جلد ۹، صفحہ ۲۰۵۔

[2] المعجم الاوسط، حدیث ۳۴۷۹، جلد ۷، صفحہ ۲۶۴۔

[3] الزواجر، ابن حجر، جلد ۱، صفحہ ۲۹۵، المکتبۃ العصریہ، لبنان۔

عَلَيْهِ مِنْ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ يُصَلِّيهَا فِي الدُّنْيَا'' (یعنی مجھے اُس ذات کی قسم ہے جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے یہ طویل مدت مومن کیلئے اتنی ہی ہوگی جتنی طویل فرض نماز ہے جو کہ وہ دُنیا میں ادا کرتا ہے)۔

ان احادیث کے علاوہ کچھ اور احادیثِ نماز اس کتاب کے ابواب میں اور ہماری تصنیف ''نشانِ منزل'' میں اپنے اپنے محل پر بیان ہو چکی ہیں۔

کافروں اور نافرمانوں کو زبردستی جھکا دیا جاتا ہے

سورۂ رعد کی آیت ۱۵ ''وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ کَرْھًا'' میں کائنات کی ہر چیز کا اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا ذکر آیا ہے۔ بعض تو خوشی سے اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور بعض کے سروں کو سجدوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ مومن تو خوشی سے سجدہ کرتے ہیں اور اُن کے دل اس سے لطف اندوز بھی ہوتے ہیں اور وہ اللہ کی کبریائی کو دل و جان سے قبول کرتے ہیں مگر منکرین اور عقل کے اندھوں کو خدا کے سامنے دم مارنے کی مجال نہیں۔ اگر وہ سر کو نہیں جھکاتے تو اللہ تعالیٰ ان کی پرچھائیوں کو زمین پر ڈال دیتے ہیں اور صبح و شام ان کے سائے سجدہ ریزی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ جب ان کو پیدا کرنا چاہتا ہے، پیدا ہوتے ہیں اور جب چاہے ان کو مار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے سامنے ان کو'' طوعًا و کرھًا'' اپنی گردنوں کو جھکانا پڑتا ہے۔ تیسری بات یہ کہ ان کو اس طاقت سے محروم کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے فرمانبرداروں کو عطا کی جاتی ہے اور بجائے اس کے کہ وہ کسی پر تصرّف کریں خود بخود مجبور، عاجز اور بے بس ہوتے ہیں، حالانکہ مومن کیلئے فرمایا گیا ہے۔ ''وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْہُ'' (الجاثیہ:۱۳) (تمہارے لیے زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے مسخر کر دیا گیا ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نائب کو اپنی نیابت عطا کی ہے اور مردِ مومن کو بے اختیار پیدا نہیں کیا، اس کو تسخیر کائنات اس وقت ہی میسر آتی ہے جس وقت وہ احکامِ خداوندی کو بجالانے کا احترام کرتا ہے۔ اگر اس نے اپنی مرضی خدا کی مرضی کے سپرد کر دی تو تمام کائنات کی کنجیاں اس کے سپرد کر دی جاتی ہیں اور وہ'' گفتہ او گفتہ اللّٰہ بود'' کا مصداق بن جاتا ہے (یعنی اس کا فرمان خدا کا فرمان بن جاتا ہے)۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ؎

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث   مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے[۱۲۳]

قانونِ خداوندی میں تبدیلی نہیں آسکتی اللہ تعالیٰ کے قوانین میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے سامنے اختیاراً نہیں جھکتا تو وہ مخلوق کے سامنے اضطراراً جھکے گا۔ یعنی جو خدا کے سامنے ایک بار نہیں جھکے گا تو اسے مخلوق کے سامنے کئی بار اپنی پیشانی خم کرنا ہوگی۔ گویا وہ ہر ایک کا محتاج ہوگا اور یہ اللہ والے ہی ہیں جو حقیقت میں بادشاہ ہیں۔ ان کو خدا کے سوا کسی کے آگے جھکنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ (جو اللہ کا ہو گیا اللہ اس کا ہو جاتا ہے)۔

---

۱ مسند احمد، حدیث ۱۱۲۹۲، جلد ۲۳، صفحہ ۷ ۳۳۔

باب نمبر ۱۴

نماز کے متعلق چند دلچسپ معلومات

کسی علم، فعل، مقام یا قومی شعار کو بخوبی انجام دینے کیلئے اِس کی تاریخ، پس منظر یا اغراض ومقاصد پر غور کرنا ضروری ہے۔ یہ جاننا کہ نماز کیا ہے، اس کی اقسام اور اس کے ارکان کتنے اور کیوں ہیں نماز کی بہتر ادائیگی کیلئے مدد دیتے ہیں۔ ایسی معلومات کہ نماز کب فرض ہوئی اور کس طرح اس میں تبدیلیاں رونما ہوئیں، نماز میں دلچسپی پیدا کرتی ہیں۔ یہ معلوم کرنا فائدہ سے خالی نہیں کہ نماز کے موجودہ اوقات مقرر کرنے میں کیا حکمتیں پوشیدہ ہیں اور اس میں اتنی رکعتوں کا تعین کیوں ہوا۔ نماز کے اغراض ومقاصد معلوم کرنا، نماز کی روح کو حاصل کرنے کے مترادف ہے، لہٰذا اس کیلئے ایک الگ باب مقرر کیا گیا ہے۔ اِن مصلحتوں کی بناء پر اس باب کا کتاب میں شامل کرنا ضروری خیال کیا گیا تا کہ عام مسلمان اسے پڑھ کر دلچسپی حاصل کریں اور نمازی حضرات اپنی نمازوں کو بہتر صورت میں ادا کریں۔

نماز کی قسمیں

نماز کی دو قسمیں بیان کی جاسکتی ہیں۔ ایک صُوری (ظاہری) نماز اور دوسری معنوی نماز، نماز صُوری یہ ہے کہ شریعت کے حکم کے مطابق ضروری آداب اور شرائط ملحوظ رکھ کر ادا کی جائے۔ معنوی نماز یہ ہے کہ ماسویٰ اللہ سے ترکِ تعلق کرنے کے بعد حق تعالیٰ کے ساتھ انہماک ہوجائے۔ ان دو اقسام کے علاوہ مذکورہ بالا صوری اور معنوی نمازوں کو مزید تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ معنوی نماز کا اجر صُوری نماز سے کئی گنا زیادہ ہے۔ انہی انواع میں ایک نماز عاشقوں کی نماز ہے۔ جس کے متعلق خشوع وخضوع کے بیان میں کچھ تفصیل دے دی گئی ہے۔
عام لوگوں کی نماز رکوع وسجود میں مقید ہے مگر عاشقوں کی نماز ترکِ وجود سے ادا ہوتی ہے۔ اس میں خونِ دل سے وضو کیا جاتا ہے۔ (یعنی تمام جنسی آرزوؤں اور نفسانی خواہشات کا خون کرنے سے وضو کیا جاتا ہے) اور عارفین کی نماز ایسی ہوتی ہے کہ اُن کا جسم دنیا میں ہوتا ہے مگر وہ عرشِ الٰہی پر مصلیٰ گزارتے ہیں۔ ایسے بزرگ فرشتوں کی تسبیحات کو اپنے کانوں سے سنتے ہیں۔ ان کے ایک سجدے پر عرشِ الٰہی کے ستون کانپ جاتے ہیں۔ یہ جگہ ایسی تفصیلات کیلئے موزوں نہیں۔ سلوک اور اس کے حصول کے متعلق ہماری تصانیف "حضورِ قلب، رابطۂ شیخ اور اسلام وروحانیت اور فکرِ اقبال" میں اس کو شامل کردیا گیا ہے۔

افعالِ نماز

نماز ایک ایسی جامع عبادت ہے کہ اس میں تین قسم کی عبادات شامل کی گئی ہیں یعنی قولی، فعلی اور قلبی

عبادات، قولی کی مثال قرأت ہے اور فعلی کی مثالوں میں سے قیام، سجود، رکوع اور قعدہ وغیرہ ہیں اور قلبی سے مراد حضورِ قلب ہے، کیونکہ اس میں ماسوی اللہ سے کاملاً فارغ ہو کر ہیئت حقہ میں منہمک ہو جانا ہے۔

ذوقِ طاعت بے حضورِ دل نیابد ہیچ کس　　　طاعتِ حق را، دلِ حاضر دریں درگاہ بس

(اطاعت کا ذوق بغیر حضورِ قلب کے کوئی نہیں پا سکتا، اس بارگاہ میں اطاعتِ حق کیلئے بس دل کا حاضر ہونا ہی درکار ہے)

نماز کب فرض ہوئی

جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نماز ہر امت پر فرض تھی، قرآن اور احادیث اس بات پر شاہد ہیں کہ تمام انبیاء کرام نماز پڑھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے نمازِ ابراہیمی پڑھی جاتی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت سے پہلے بھی نماز ادا فرماتے تھے۔ بعثت کے بعد مسلمان چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے، کیونکہ کفار کی ایذاء رسانی کا خوف ہر وقت رہتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو توحید کے بعد جو سب سے پہلے حکم ملا وہ نماز کا ہی حکم تھا۔ ''یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ'' (المدثر: ۱ تا ۳) (اے چادر اوڑھنے والے (حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) اُٹھیں اور (لوگوں کو اللہ کا) ڈر سنائیں اور اپنے رب کی بڑائی (اور عظمت) بیان فرمائیں)۔

یہاں ربّ کی بڑائی بیان کرنے ہی کو ربّ کی نماز کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ نماز کی تکمیل کے مدارج طے ہوتے گئے اور پھر نماز اس نقطہ تک پہنچ گئی جو معراج کی شب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملی اور جو انسانی معراج کی آخر سرحد کہی جا سکتی ہے۔ محدثین اور مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز کے اوقاتِ پنجگانہ کا تعین معراج کی رات ہوا اور معراج بعثتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہویں سال اور ہجرت سے ایک سال پہلے واقع ہوئی۔ اس بارہ سال کے عرصہ میں پہلے تین سال کے دوران دن کو کوئی نماز فرض نہ تھی۔ صرف رات کو لوگ چھپ چھپا کر نماز پڑھ لیتے تھے۔

سورۂ مزمل میں رات کے قیام کا ذکر ہے۔ یہ طریقہ اس وقت بدلا جب دعوتِ اسلام کا حکم ہوا اور اس وقت نمازیں تین کر دی گئیں جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے۔ ''وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۙ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ'' (طور: ۴۸، ۴۹) (اور اپنے رب کے فیصلے کا انتظار کریں بے شک آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح کریں، جب آپ رات کو (تہجد کے وقت) اٹھتے ہیں اور کچھ رات کے حصے میں اس کی تسبیح کریں اور ستاروں کے پیٹھ پھیرتے وقت)۔

اس طرح تہجد (جو پہلے ہی تھی) کے علاوہ فجر اور عشاء کا اضافہ ہو گیا۔ سورۂ طور مکی ہے۔ سورۂ دہر میں جو جمہور کے مطابق مکی ہے، چوتھی نمازِ عصر کا حکم ہوا۔ ''وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۚ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا'' (الدہر، ۲۵، ۲۶) (صبح کو اور تیسرے پہر اپنے پروردگار کا نام لیا کریں اور کچھ رات گئے اس کو سجدہ کریں اور رات کو دیر تک تسبیح کیا کریں)۔ اس میں صبح (فجر) اخیر دن (عصر) اور

ابتدائی شب (مغرب، عشاء کی جگہ) ایک نماز اور لَیْلًا طَوِیْلًا (تہجد) کی یعنی کل چار نمازوں کا حکم ہوا۔ ''وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ'' (ھود:۱۱۴) (دن کے دونوں کناروں میں (یعنی فجر اور عصر) اور رات کے ایک ٹکڑے میں نماز پڑھیں)۔

یہ آیت پہلی ہے جس میں تسبیح کی بجائے صلوٰۃ کا لفظ آیا اب چار نمازیں فرض ہوتی ہیں۔ ایک دن کے کنارے پر (فجر) اور دوسری، دن کے دوسرے کنارے یعنی دن کے خاتمے کے قریب (عصر) اور تیسری رات کے ابتدائی حصہ میں (عشاء) اور چوتھی رات کی نماز تہجد ہے۔ اس کے بعد مغرب اور عصر کا الگ الگ ذکر سورۂ ق میں آ گیا۔ ''وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۚ وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ'' (ق:۳۹،۴۰) (اور آفتاب کے نکلنے سے پہلے (فجر) اور اس کے ڈوبنے سے پہلے (عصر) اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح کریں اور کچھ رات گئے پر (عشاء) اس کی تسبیح کریں اور آفتاب کے سجدہ کرنے کے بعد (مغرب)۔

آفتاب کے سجدے کے بعد سے مراد مغرب ہے جب کہ وہ زمین پر جھک جاتا ہے۔ اب تک فجر، عصر، مغرب، عشاء اور تہجد کی نمازیں پڑھنے کا حکم تھا۔ اس کے بعد سورۂ رُوم ملاحظہ فرمائیں۔ ''فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِیًّا وَّحِیْنَ تُظْهِرُوْنَ'' (اللہ کی تسبیح کریں جب شام (یا رات) کریں اور جب صبح کریں اور اس کی حمد آسمان اور زمین میں ہے اور اخیر دن کو اس کی تسبیح کرو اور جب ظہر کرو) (الروم:۱۷:۱۸)۔ اس سے پہلے ظہر اور عصر کی وضاحت نہ تھی اس میں ایک کو عشیا (عصر) اور دوسری کو ظہر کہا گیا ہے، چنانچہ جب پانچ نمازیں مکمل ہو گئیں تو تہجد کی فرضیت ختم کر دی گئی اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے فرض رہی، یہ نماز عام مسلمانوں کیلئے نفل کی حیثیت میں باقی رہی۔ ان نمازوں کے متعلق کچھ لوگوں نے غلو کیا اور محض تین نمازوں پر ہی اکتفا کر بیٹھے حالانکہ علماء کرام نے پانچ نمازوں کے بہت سے ثبوت دیئے ہیں اور پھر قرآن اور حدیث یعنی سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ثابت ہیں۔ یہ کتاب اس سے زیادہ تفصیل کی متحمل نہیں۔

سورۂ طٰہٰ کی آیت ۱۳۰ میں پانچوں نمازوں کا صاف ذکر ہے جس میں قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ (فجر) قَبْلَ غُرُوْبِهَا (عصر) وَمِنْ اٰنَآءِ الَّیْلِ اور رات کے کچھ وقت میں (عشاء) فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ اور دن کے کناروں (ظہر اور مغرب) کی نمازوں کا واضح حکم ہے۔ ''وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰی'' (طٰہٰ:۱۳۰) (اور تسبیح بیان کر حمد کے ساتھ اپنے رب کی سورج نکلنے سے پہلے (فجر) اور غروب آفتاب سے پہلے (عصر) اور رات کے کچھ وقت میں (عشاء) اور تسبیح بیان کرو دن کے کناروں میں (ظہر اور مغرب) تاکہ آپ خوش رہیں)۔

پانچ نمازوں کی حکمت

پانچ نمازوں میں کیا کیا حکمتیں مخفی ہیں، یہ بیان نہایت طوالت طلب ہے، لہٰذا اس جگہ چند مختصر رموز و نکات ہی بیان کئے جائیں گے۔

ا۔ معراج میں پچاس نمازیں تھیں جو بعد میں صرف پانچ رہ گئیں مگر ثواب کے اعتبار سے ان پانچ نمازوں کا ثواب پچاس کا ہی ملے گا گویا یہ نمازیں پڑھنے میں تو پانچ ہیں مگر ثواب میں پچاس ہیں۔

۲۔ دوسری امتوں کیلئے نمازیں متفرق تھیں، ان پانچ نمازوں میں سے کسی امت کو ایک، کسی کو دو اور کسی کو تین نمازیں پڑھنے کا حکم تھا مگر اُمت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے پانچ نمازوں کا حکم ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کی اُمت پر اس سے زیادہ نمازیں فرض ہونے کا ذکر بھی آتا ہے، لیکن اُمتِ محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نمازیں کسی کو بھی نصیب نہ ہوئیں۔

۳۔ دن اور رات میں پانچ حالتیں ہیں۔ صبح، دوپہر، سہ پہر، شام اور رات چنانچہ نمازیں بھی پانچ رکھی گئیں تا کہ دن کی ہر حالت کی ابتداء اللہ کے ذکر سے ہو۔ فجر کی نماز بیداری کے وقت، ظہر کا وقت ایسا ہے کہ کاروبار سے فارغ ہو کر دوپہر کے کھانے کے بعد نماز ادا کرو۔ پھر آرام کر کے عصر کے بعد کاروبار میں لگ جاؤ۔ رات کے آنے سے پہلے مغرب کی نماز ادا کی جاتی ہے اور عشاء کی نماز کے بعد سو جائے کیونکہ معلوم نہیں کہ پھر صبح ہو یا نہ ہو جیسے کسی نے کہا۔

سونے والے اللہ کر کے سو کیا خبر کل صبح ہو یا نہ ہو

۴۔ نزہت المجالس میں پانچ نمازوں کی تخصیص کی وجہ یہ لکھی گئی ہے کہ (i) فجر اور عشاء کے وقت قبر اور قیامت کی تاریکی کے مشابہ ہیں۔ جس نے عشاء پڑھی اس کی قبر میں نور کیا جائے گا اور فجر کے بدلے دوزخ اور نفاق سے برأت ہے۔ (ii) ظہر کے وقت جہنم بھڑکائی جاتی ہے۔ جس نے یہ نماز پڑھی وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے اس کا کوئی گناہ نہیں (iii) عصر کے وقت آدم علیہ السلام نے جنت میں گندم کا دانہ کھایا اور جس نے یہ نماز پڑھی اس پر جہنم کو حرام کیا جاتا ہے۔ (iv) مغرب کے وقت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تھی، جس نے یہ نماز پڑھی وہ خدا سے جو مانگے گا اسے عطا کیا جائے گا۔

۵۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انسان کو پانچ ظاہری اور پانچ باطنی حِسّیں دی گئی ہیں۔ اس لیے ان پر پانچ نمازیں فرض کی گئیں۔ غیاث اللغات میں ہے کہ حواسِ خمسہ ظاہری پانچ ہیں۔ اور وہ ہیں۔ شامہ (سونگھنا) باصرہ (دیکھنا) سامعہ (سننا) لامسہ (چھونا) اور ذائقہ (چکھنا) حواسِ خمسہ باطنی بھی پانچ ہیں۔ یعنی حِس مشترک (وہ حس جو سب میں مشترک ہے، شعور)، خیال، واہمہ (وہم)، حافظہ (یاد رکھنا)، متصرفہ (روحانی قوت سے تصرف کرنا) ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انسان کی حالتیں بھی پانچ ہیں۔ یعنی بیٹھنا، سونا، جاگنا اور اٹھنا۔ انسان کی پیدائشی حالت بھی پانچ ہیں۔ (نُطْفَةً، عَلَقَةً، مُضْغَةً، عِظٰماً اور لَحْماً) ان سب کے

شکرانے میں پانچ نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پانچ نمازوں سے انسان کی پانچ وقتوں پر اللہ تعالیٰ سے حفاظت کی جاتی ہے اور وہ پانچ وقت یہ ہیں۔ موت کی سختی، قبر کا عذاب، حشر کی وحشت، پُل صراط سے گزرنے کا وقت اور جنت میں بغیر حساب کے داخلہ ملنا۔

ہر نماز تاریخی واقعات کی یاد میں قائم کی گئی ہے

مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے پڑھنے کا حکم کسی نہ کسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ایسی روایات امام ابوالفضل نے بیان کی ہیں۔ اس کے علاوہ "ہماری نماز" معراج المومنین اور فتاویٰ رضویہ میں بھی ملتی ہیں۔ جن کو اختصار کے ساتھ نیچے بیان کیا جا رہا ہے۔

ا۔ فجر کی نماز: صبح آفتاب طلوع ہوتا ہے۔ اس وقت کافر غیر خدا کو سجدہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کافروں سے پہلے ہی (یعنی سورج طلوع ہونے سے قبل) نماز کا حکم دیا۔ یہودیوں نے جب نمازوں کے پانچوں اوقات کو دیکھا تو یقین کر لیا کہ انبیاء ورسل اور فرشتوں کے علاوہ ان اوقات کی افادیت کا کسی کو علم نہیں ہوسکتا۔ سائنسدانوں کے مطابق صبح کو جلدی اٹھنا صحت کیلئے بہت فائدہ مند اور سیر کیلئے بہت موزوں ہے کیونکہ اس وقت ہوا بالکل تازہ اور آکسیجن خاصی مقدار میں موجود ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ سورج کے نکلنے کے فوراً بعد Infra-Red شعائیں زیادہ مقدار میں (اور مغرب کے وقت UltraViolet شعاعیں کم مقدار میں) ہوتی ہیں، جو انسانی صحت کیلئے فائدہ مند ہیں۔ انگریزوں نے اسی لیے کہا ہے کہ رات کو جلدی سونا اور صبح کو جلدی اٹھنا انسان کو صحت مند، مالدار اور عقل مند بنا دیتا ہے، چنانچہ نماز فجر کا وقت ہر اعتبار سے فائدہ مند ہے۔

احادیث میں ہے کہ جو فرشتے عصر کی نماز کے بعد آتے ہیں فجر کے بعد جاتے ہیں۔ وہ خدا کے پاس جا کر رپورٹ دیتے ہیں کہ الٰہی جب ہم گئے تو تیرا بندہ عشاء کی نماز پڑھ رہا تھا اور جب واپس آئے تو بھی وہ فجر کی نماز کی حالت میں تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرماتے ہیں کہ تم گواہ رہو کہ میں نے ایسے نمازیوں کو بخش دیا ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ جنت میں نہ دن ہے نہ رات، بلکہ صبح (نور کے تڑکے) کا وقت ہوتا ہے اور یہ وقت قیامُ اللّیل دیدار الٰہی کے مشابہ ہے۔ اس لیے فجر کی نماز کی بہت اہمیت ہے۔ علامہ اقبال نے اس فجر کے وقت کی مناسبت سے لکھا ہے کہ سحر خیزی کے بغیر کسی کو کچھ نہیں ملتا۔

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو ‌ ‌ ‌ کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی (۱۶۳)

سورۂ مزمل میں ہے کہ تہجد کے وقت اٹھنا اس لیے بہتر ہے کہ دن کو کام کاج کی پریشانی ہوتی ہے اور رات کو عبادت نفس کو روندتی ہے اور یہ وقت (اللہ سے بات کو) درست کرتا ہے۔ اِس سلسلے میں قیامُ اللّیل کا باب اسی کتاب میں ملاحظہ کریں جس کا بیان آگے آ رہا ہے۔ روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ آدم علیہ السلام جب زمین پر آئے تو رات کا وقت تھا اور اندھیرے میں بہت گھبرائے، جب صبح ہوئی تو فجر کی دو رکعت نماز ادا کی، یہ دو

رکعت ہم پر بھی فرض کی گئی تا کہ ہمارے گناہوں کی تاریکی دور ہو۔

۲۔ ظہر کی نماز: جب سورج ڈھلے تو یہ ان لوگوں کے اس نظریہ کے باطل ہونے کی علامت ہے جو کسی زمانے میں سورج کی پوجا کیا کرتے تھے اور سورج کے ڈھلنے کے وقت نماز کا ادا کیا جانا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ سورج معبود نہیں ہو سکتا، جب سورج ڈھلنے لگے تو اللہ تعالیٰ اس وقت مسلمانوں کو نماز کا حکم دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے فرزند کی قربانی دی اور دُنبہ ذبح ہو گیا تو آپ نے اس وقت چار رکعت نماز شکرانہ ادا فرمائی تو یہ ظہر کا وقت تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ یہودیوں نے ظہر کے متعلق سوال کیا تو جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے آسمان میں ایک حلقہ ہے۔ اس حلقے سے جب آفتاب ڈھلتا ہے تو تمام فرشتے خدا کی تسبیح کرتے ہیں۔ اس وقت خدا نے نماز کا حکم کیا۔ اس وقت سب آسمانوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ یہ ظہر کی چار رکعتیں ہم پر اس لیے بھی فرض کی گئیں تا کہ قتل نفس کی قدرت ملے، غم سے نجات ملے۔ یہود و نصاریٰ کو ہمارا فدیہ بنا کر ہمیں آگ سے بچالے اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہم سے وہ راضی ہو جائے۔

۳۔ عصر کی نماز: حضرت یونس علیہ السلام کو چار اندھیروں نے گھیرا (دریا کا، مچھلی کے پیٹ کا، بڑی مچھلی کا اور چوتھا رات کا اندھیرا) جب آپ نے آیت کریمہ پڑھی تو مچھلی نے آپ کو باہر پھینک دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آیت کریمہ جو حضرت یونس علیہ السلام نے پڑھی "لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ" تو اس کی گرمی، مچھلی کو محسوس ہوئی کہ مچھلی پانی کی تہوں میں گئی مگر گرمی کم نہ ہوئی آخر اس نے آپ کو سمندر سے باہر لا کر پھینک دیا کیونکہ آیتِ کریمہ کی گرمی اس کی برداشت سے باہر ہو چکی تھی۔ جب آپ سمندر سے باہر ہوش میں آئے تو یہ عصر کا وقت تھا۔ آپ نے چار رکعت نماز شکرانے کیلئے ادا کی۔ اللہ تعالیٰ کو یہ نماز پسند آئی اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی عطا فرمائی۔

عصر کی اہمیت کیوں ہے: کعب الاحبار رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ عصر کی نماز پڑھنے والے کیلئے چودہ طبقوں کے فرشتے دعا کرتے ہیں۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى" (نمازوں کی حفاظت کرو اور (خاص طور سے) نماز عصر کی) (البقرہ: ۲۳۸)۔ اکثر مفسرین صلوٰۃ الوسطیٰ سے مراد نماز عصر ہی لیتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ "اَلَّذِیْ تَفُوْتُهٗ صَلَاةُ الْعَصْرِ كَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ" (جس کی نماز عصر فوت ہوگئی تو گویا اس سے اس کے اہل و عیال اور مال و منال چھن گیا)[1]۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی کیلئے حتیٰ کہ کفار کیلئے بھی بددعا نہیں فرمائی، سوائے اس دن کے کہ جب کفار کے حملے کی وجہ سے جنگ خندق میں آپ کی نماز عصر قضا ہوئی تھی۔ اس بات سے نماز عصر کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ صلوٰۃ الوسطیٰ کا بیان پہلے بھی گزر چکا ہے۔ (دیکھیئے "نماز کی اہمیت قرآن کی زبان میں")۔ روایات میں یہ بھی ہے کہ ایک دن

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۵۱۹، جلد ۲، صفحہ ۳۸۵۔

جب آپ ﷺ خانہ کعبہ میں حالتِ نماز میں تھے تو کفار نے اونٹ کی اوجڑی آپ ﷺ کے اوپر لا کر رکھ دی اور آپ ﷺ کی نماز خراب کر دی اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا "اَللّٰھُمَّ عَلَيْكَ أَبَا جَهْلِ بْنَ هِشَامٍ وَعُتْبَةَ بْنَ رَبِيْعَةَ وَشَيْبَةَ بْنَ رَبِيْعَةَ وَعُقْبَةَ بْنَ أَبِي مُعِيطٍ وَأُمَيَّةَ بْنَ خَلَفٍ أَوْ أُبَيَّ بْنَ خَلَفٍ"[1] (اے اللہ ابو جہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، عقبہ بن ابی معیط، امیہ بن خلف اور ابی بن خلف کو اپنی گرفت میں لے لے)۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد یہ سب جنگِ بدر میں مارے گئے، مگر اسکے بدلے میں فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ نے کفارِ مکہ سے کوئی بدسلوکی نہ فرمائی۔ یہ بددعا آپ کی عصر کی نماز کیلئے تھی کیونکہ یہ نماز آپ ﷺ کو بہت محبوب تھی اور نماز میں آپ کیلئے اپنے اصل مقام کی طرف سیر تھی۔ جب آپ ﷺ کو اس روز نمازِ عصر سے روکا گیا تو آپ ﷺ پر بہت گراں گزرا۔ عصر کی چار رکعت اس لیے بھی فرض ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ظلمتِ گناہ، ظلمتِ قبر، ظلمتِ قیامت اور ظلمتِ دوزخ سے بچائے۔

۴۔ نمازِ مغرب: اس وقت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ آپ نے شکرانے کی نماز پڑھی۔ عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے آپ کو خدا کا بیٹا گردانا اور بی بی مریم علیہا السلام کو خدا کی بیوی کہا اور جب آپ نے خدا کی بارگاہ میں اپنی صفائی پیش کی تو اللہ نے آپ کو جرم سے پاک گردانا۔ اس پر آپ نے تین رکعت نماز ادا کی (یہ تین رکعت اپنے لیے نفی الوہیت، اپنی ماں کیلئے نفی الوہیت اور تیسری رکعت اللہ کیلئے اثبات الوہیت کیلئے تھیں) روایات میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو جب یوسف علیہ السلام کا کرتہ ملا تو آپ نے مغرب کی تین رکعت نماز ادا فرمائی۔ ابنِ کثیر نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی شام کی تین رکعت کا حکم ہوا تھا اور ہمیں بھی تین رکعت کا حکم ہے تا کہ قیامت کا حساب آسان ہو، آگ سے نجات ہو اور بڑی گھبراہٹ سے پناہ ملے۔

۵۔ نمازِ عشاء: یہ نماز پہلے موسیٰ علیہ السلام نے پڑھی جب مدائن سے چل کر راستہ بھول گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے چار غم دور فرمائے۔ ایک بیوی کا غم، دوسرا ہارون علیہ السلام کا غم، تیسرا فرعون کا خوف اور چوتھا اولاد کی فکر، ہمیں بھی یہ نماز راہ دکھائے، ہمارے کام بنائے، اپنے محبوب سے ملائے اور دشمنوں پر فتح دے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق عشاء کی نماز کے بعد لوگ تین قسموں میں بٹ جاتے ہیں۔ ایک وہ کہ جب لوگ آرام کرتے ہیں وہ عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں، ان کی رات اجر و ثواب کا باعث ہوتی ہے، دوسری وہ جماعت جو گناہوں میں لگ جاتی ہے، یہ رات ان کیلئے وبالِ جان ہوتی ہے۔ تیسری وہ جماعت جو نماز پڑھ کر سو جاتی ہے ان کیلئے رات نہ وبال ہے نہ کمال۔ حدیث میں ہے کہ جو رات کی نماز کیلئے رات کے اندھیرے میں جائے گا قیامت کے دن حق تعالیٰ اسے پورا نور عطا فرما کر اپنے سامنے بلائے گا۔ احادیث میں ہے کہ عشاء کی نماز قبر اور قیامت کے اندھیرے کو دور کرے گی۔ روایات میں یہ بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عشاء کے وقت دریا کو پار کیا، ان کی امت نے بھی پار کیا، اپنی جان کے غم سے نجات ملی اور فرعون سے بھی ہمیشہ کیلئے نجات ملی، اس لیے

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۲۹۴۸، جلد ۱۰، صفحہ ۴۵۶۔

آپ نے چار رکعت عشاء کی ادا فرمائیں۔حضور ﷺ کو معراج بھی عشاء کے وقت ملی، اس لیے معنوی معراج کا وقت بھی یہی رکھا۔زواجر مکی میں ہے کہ امام رافعی " شرح مسند میں لکھتے ہیں کہ فجر حضرت آدم علیہ السلام، ظہر داؤد علیہ السلام، عصر سلیمان علیہ السلام، مغرب یعقوب علیہ السلام اور عشاء یونس علیہ السلام ادا کیا کرتے تھے اور حضور ﷺ کی اُمت کو یہ پانچوں عطا کی گئیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو ان کو اچھی طرح ادا کرے گا وہ پیغمبروں کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا۔

اوقاتِ نماز کی مناسبت اور جامعیت

اسلام نے نماز کے اوقات انسان کی روح کے طبعی میلان کے مطابق وضع کئے ہیں۔اس میں نفس کے طبعی انحراف کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے۔ جب روح کا میلان عیش و آرام اور کھیل کود کی طرف ہو یا جن اوقات میں نفس اپنی خواہشات کو پورا کرنے کا تقاضا کرتا ہے ایسے اوقات نماز کیلئے مقرر کر دیے گئے تا کہ مسلمان عیش پرست، آرام طلب اور نفس کی خواہشات کے پیچھے ہی نہ لگا رہے، بلکہ خود کو اللہ کی یاد میں مشغول کرے اور اپنی قوت ایمانی کو مضبوط بنائے۔کسی شاعر نے اِس بات کا اعتراف کیا ہے کہ جو اوقات شراب نوشی کیلئے ہیں عین ان ہی اوقات پر نماز نے قبضہ جما لیا ہے۔ایسے اوقات پر نماز کا پڑھنا حقیقتاً نفس کو قربان کرنے کے بغیر ممکن نہیں ؎

نہیں عار مجھ کو نماز سے، پر اس اتفاق کو کیا کروں؟ ۔۔۔ کہ جو عین وقتِ نماز ہے وہی عین وقتِ شراب ہے

صبح کا وقت روح کی نشاط کا تھا جو نماز نے لے لیا، ظہر کا وقت کسل مندی کا تھا اور نماز نے چستی پیدا کر دی۔ بعد دوپہر کا وقت آوارہ مجلسوں میں جانے کا تھا جو نمازِ عصر نے لے لیا اور غفلت کو توڑ دیا۔مغرب کا وقت انقلابِ آفتاب کا وقت تھا، لیکن نماز نے مقلب اللیل کی طرف جھکا دیا۔عشاء کا وقت عیاشی و فحاشی کا تھا، مگر عشاء کی نماز نے خاتمہ بالخیر کر دیا۔اسی طرح نفلی نمازوں نے بھی ان اوقات میں ذکرِ الٰہی میں مشغول کر دیا اور برائی سے بچایا۔ایک منچلا افسر نمازی بنا تو باوضو سینما دیکھنے جاتا اور سینما کے دوران آنے والی نماز مغرب ادا کرتا رہا۔چند دنوں میں ہی اس نے دونوں باتوں کے ملاپ کو نہایت قبیح محسوس کرتے ہوئے سینما کو ہمیشہ کیلئے ترک کر دیا۔یہ مثال قرآن کی اس آیت کے مطابق ہے کہ ''نماز برائیوں سے بچاتی ہے''۔احادیث میں ہے کہ نیک لوگوں کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت ہوتی ہے یعنی یہ وہ عبادت ہے جو قبروں میں بھی جاری رہتی ہے۔حدیث میں ہے۔''اَلْاَنْبِيَآءُ اَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ ''[1] (انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں)۔

---

[1] مسند ابی یعلیٰ، حدیث ۳۳۳۱، جلد ۷، صفحہ ۴۴۵۔

نماز میں ترتیبِ عملی

نماز میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ قیام میں قرأت کو رکوع کی تمہید اور رکوع کو سجدے کی تمہید بنایا جائے۔ تمام ارکان کو حسنِ ترتیب سے سجایا اور نماز کو کامل عبادت کی شکل دی گئی ہے۔ "اِذَا قَامَ الْعَبْدُ فِیْ صَلٰوتِہٖ ذَرَّ الْبِرُّ عَلٰی رَاْسِہٖ حَتّٰی یَرْکَعَ فَاِذَا رَکَعَ عَلَتْہُ رَحْمَۃُ اللّٰہِ حَتّٰی یَسْجُدَ وَالسَّاجِدُ یَسْجُدُ عَلٰی قَدَمَیِ اللّٰہِ فَلْیَسْاَلْ وَلْیَرْغَبْ"[1] (جب بندہ اپنی نماز میں کھڑا ہوتا ہے اس کے سر سے نیکی ٹپکتی ہے، حتیٰ کہ وہ رکوع کرتا ہے اور جب رکوع کرتا ہے تو اللہ کی رحمت اس پر غالب ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ وہ سجدہ کرتا ہے اور سجدہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے قدموں (جیسے کہ اس کی شان کے لائق ہے) پر سجدہ کرتا ہے۔ پس اسے چاہیے کہ مانگے اور رغبت کرے)۔

نماز کی رکعتیں فرشتوں کے پروں کی سی طاقت رکھتی ہیں

مجالسِ سنیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اڑنے کیلئے پر دیئے، انہیں نُور سے پیدا فرمایا اور وہ آن واحد میں آسمان پر جا سکتے ہیں۔ انسان کو خاک سے پیدا کیا (اور اس کی روح کو نور بخشا) مگر انسان کو پر نہ دینا کوئی خاص مصلحت تھی۔ اس کے اشرف المخلوقات ہونے کے سبب اس کو عام پر نہیں دیئے گئے بلکہ روحانی پر دیئے گئے ہیں۔ دو رکعت نماز دو پروں کے مطابق ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے نماز کو ٹھیک ٹھیک ادا کیا جیسا کہ اس کا حق ہے، تو انہوں نے اپنے اندر وہ کمالات اور صفات پیدا کئے جس پر مخلوقات میں سے کسی کو بھی رسائی نہ ہوئی۔ انسانوں میں افضل ترین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور فرشتوں میں سب سے ارفع جبرائیل امین علیہ السلام ہیں جو کہ سدرۃ المنتہیٰ سے اوپر جانے کی تاب نہ رکھتے تھے اور اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عینِ ذات کا قُرب اقرب حاصل کیا۔ منقول ہے کہ جبرائیل علیہ السلام سدرہ سے ایک بال برابر بھی آگے جانے کی تاب نہ رکھتے تھے۔

اگر یک سرے موئے برتر پرم فروغِ تجلّی بسوزد پرم

(اگر اس جگہ سے) میں ایک بال برابر بھی آگے جاؤں تو فروغ تجلی سے میرے پر جل جائیں گے)

اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ عام فرشتوں پر عام مسلمانوں کو فضیلت حاصل ہے اور خاص مسلمان خاص فرشتوں سے افضل اور برتر ہیں۔ ایک حکایت میں ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ جب ذکر کے دوران روحانی انداز سے آسمانوں پر پہنچے تو فرشتوں کی تسبیح سنی جس کی نورانی شعاعیں دور تک گئیں مگر جس وقت حضرت بایزیدؒ نے تسبیح کی تو اس کے نور سے تمام آسمان جگمگا اٹھا اور آپ کی ایک تسبیح آسمانوں کے تمام فرشتوں کی تسبیح پر غالب آئی۔

---

[1] کنز العمال، حدیث ۱۸۹۲۴، جلد ۷، صفحہ ۲۸۹۔

جنات اور فرشتوں کو فاصلے طے کرنے کی صلاحیت دی گئی ہے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے انسان سینکڑوں میل دور بیٹھے، جمعۃ المبارک کا خطبہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں ''یَا سَارِیَۃُ اَلْجَبَلَ'' (اے ساریہ پہاڑی کی طرف......)[1] اور یہ آواز بغیر کسی دنیاوی آلہ کے ساریہ رضی اللہ عنہ تک فوراً پہنچتی ہے جس طرح کسی ہیڈ کوارٹر سے فوج کو لاسلکی ہدایات پہنچتی ہیں۔ بلقیس کا بہت بڑا تخت آنکھ جھپکنے کی دیر میں سینکڑوں میل سے آصف بن برخیاؒ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا دیا۔ اس قسم کی لاکھوں مثالیں مستند ذرائع سے ہم تک پہنچ چکی ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ انسان اگر اللہ کا تابع فرمان ہو جائے تو کائنات ارض و سماء اس کے تابع ہو جاتی ہے اور یہ فاصلے اس کی راہ میں حائل نہیں ہوتے۔ ہماری تصانیف ''رابطۂ شیخ'' میں انسان کو بشری اور نورانی جہات عطا ہونے کا بیان قابلِ مطالعہ ہے اور ''اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبال'' میں مقامِ آدم کا مطالعہ فرمائیں۔

نماز میں دو رکعت کا اضافہ کب ہوا

سنہ اول ہجری میں فرض نماز میں دو رکعت کا اضافہ ہوا، پہلے سوائے مغرب کے تمام نمازوں میں دو فرض ہی ہوتے تھے۔ ہجرت کے بعد (پہلی ہجری میں ہی) ظہر، عصر اور عشاء میں چار فرض کر دیئے گئے اور مسافر کیلئے وہی دو کے دو فرض رہے۔ مکہ میں چونکہ ہر مسلمان اسلام لاتے ہی غریبُ الوطن ہو جاتا تھا کیونکہ ان کے عزیز و اقارب ہوتے ہوئے بھی ان سے لاتعلق ہو جاتے تھے اور ہر مسلمان کو تنگ کیا جاتا اور اسے مکہ چھوڑنے پر آمادہ کیا جاتا تھا، چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے مکہ میں جب تک مسلمان رہے مسافرانہ رہے جیسے کہ ایک حدیث میں بھی یہی الفاظ استعمال ہوئے ہیں ''بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ غَرِیْبًا فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَآءِ'' (اسلام کی ابتداء غریب الوطنی کی حالت میں ہوئی اور یہ پھر غریب الوطن ہو جائے گا۔ پس غرباء کیلئے اس میں خوشخبری ہے)۔[2] جب مکہ کی مسافرانہ اور ہجرت کی زندگی ختم ہو گئی اور لوگ آباد ہو گئے تو خداوند کریم نے مدینہ منورہ پہنچ جانے کے کچھ عرصہ بعد انہیں مقیم تسلیم کیا اور جونہی حالات بہتر ہونے لگے تو سنہ اول ہجری میں ہی مسافرانہ نماز ختم کر کے چار فرض مقرر فرمائے۔[3]

آدابِ نماز کا لحاظ

حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات شریف میں (صفحہ ۶۷۳) لکھتے ہیں کہ عقائد درست ہونے کے بعد فرائض، واجبات، حرام و حلال، سنت و مندوب اور مُشتبہ و مکروہ کو جاننا ضروری ہے اور پھر ان علوم کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ آپ نے وضو، طہارت اور تسبیحات کے متعلق جو ارشادات فرمائے ہیں وہ

---

[1] کنز العمال، حدیث ۳۵۷۸۸، جلد ۱۲، صفحہ ۵۷۱۔

[2] سنن ابن ماجہ، حدیث ۳۹۷۶، جلد ۱۱، صفحہ ۴۸۵۔

[3] رحمۃ اللعالمین، قاضی سلیمان منصور پوری، جلد ۱، صفحہ ۱۹۵۔

یہ نیچے دیئے جا رہے ہیں

ا۔ وضو: وضو کامل ہونا چاہیے ہر عضو کو تین بار دھونا چاہیے تا کہ بمطابق سنت ادا ہو۔ پورے سر کا مسح کر لینا چاہیے (تا کہ چاروں اماموں کے فتویٰ پر عمل ہو سکے) کانوں اور گردن کے مسح کی بھی احتیاط ہونی چاہیے۔ الٹے ہاتھ کی چھنگلی سے پاؤں کی انگلیوں کے نیچے سے خلال کرنا لکھا ہے۔ مستحب کے بجا لانے کو تھوڑا نہ جانیں۔ مستحب اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ عمل ہے، اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ عمل تمام دنیا کے عوض مل جائے تو یہ غنیمت ہے۔ مستحب پر عمل کرنے سے گویا آپ ٹھیکریوں کے عوض موتی خرید لیتے ہیں اور بے فائدہ پتھر کے عوض روح خرید لیتے ہیں۔

مجدد الف ثانیؒ سنت اور مستحبات کے سختی سے پابند تھے: آپ کے کچھ ارشادات اس کتاب میں اور ہماری دیگر کتب ''تہذیبِ نفس، جنید و بایزید، سنت مبارکہ اور اسلام و روحانیت اور فکر اقبال'' میں بیان ہو چکے ہیں، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں صرف محمد ہاشم کشمیؒ نے زبدۃ المقامات میں جو لکھا ہے تبرکاً پیش کیا جا رہا ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا ہے ''ہمارے عمل اور کام کی کیا حقیقت ہے؟ لیکن جو کچھ بھی ہمیں عطا کیا گیا ہے اس کو میں محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے سبب جانتا ہوں، اگر کوئی امر اس کرم خداوندی کا سبب یا بہانہ نہ ہو تو وہ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہوگی اور میں اس پر ہی اپنے کام کا مدار سمجھتا ہوں''۔ حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ جو کچھ ہم کو اللہ تعالیٰ نے دیا وہ اسی ذات کی اتباع کی راہ سے جزئیاً و کلیتاً دیا ہے اور جو ہمیں اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا تو وہ اس لیے نہیں دیا کہ پورے طور پر اتباع میں بتقاضائے بشریت کوئی نقص رہ گیا۔ حضرت مجددؒ نے ایک دن سہواً بیت الخلاء میں جانے کیلئے دایاں پاؤں پہلے رکھ دیا۔ فرماتے ہیں کہ اس دن کئی احوال مجھ پر بستہ (بند) ہو گئے۔ ابوبکر طمستانیؒ کا قول ہے کہ ''تصوف اضطراب کا دوسرا نام ہے۔ جب سکون آیا اور سالک مطمئن ہو گیا تو تصوف نہ رہا۔ محب کو بغیر محبوب کے چین نہیں ہوتا اور اس کے ماسوا سے الفت نہیں ہوتی۔ صوفیاء کا قول ہے ''اَلتَّصَوُّفُ کُلُّھَا اَدَبٌ'' (تصوف سب کا سب ادب ہے)۔[1] حضرت ہاشم کشمی فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت مجدد الف ثانیؒ بیت الخلاء میں تیزی سے گئے اور نکل آئے معلوم ہوا کہ بیت الخلاء میں آپ نے اپنے انگوٹھے پر وہ سیاہی کا نقطہ دیکھا جو حسب عادت آپ قرآن کی آیات لکھتے وقت قلم کا امتحان کرنے کیلئے لگایا کرتے تھے۔ اس سیاہی کا بیت الخلاء میں جانا ادب کی رعایت کے مطابق نہ تھا۔ اس لیے جلدی سے باہر نکل آئے، حالانکہ آپ کو استنجے کی شدید ضرورت کی وجہ سے تکلیف اٹھانا پڑی۔

۲۔ مستحبات کی رعایت: حضرت کشمیؒ لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت مجددؒ نے مولانا صالح ختلانیؒ کو حکم دیا کہ چند لونگیں تھیلی سے نکال لائیں۔ مولانا ختلانیؒ نے چھ لونگیں پیش کیں۔ آپ غصہ میں آ گئے اور

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ، نشان منزل پبلیشرز۔

فرمانے لگے کہ ہمارے اس صوفی نے اتنا بھی نہیں سنا (جیسا کہ حدیث میں ہے) کہ "اِنَّ اللّٰہَ وِتْرٌ وَّیُحِبُّ الْوِتْرَ" (اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق عدد کو پسند کرتا ہے)۔[1] فرماتے ہیں کہ وتر کی رعایت مستحبات میں سے ہے اسے لوگ کیا جانیں؟ مستحب اللہ کا پسند کیا ہوا ہے۔ حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ میں مستحب کی رعایت اس حد تک پیش نظر رکھتا ہوں کہ میں چہرہ دھوتے وقت قصد کرتا ہوں کہ پانی پہلے دائیں رخسار پر پڑے کیونکہ دائیں طرف سے شروع کرنا مستحباب میں سے ہے۔ اولیائے کرام کی مجلس میں بیٹھنے والا اگر اس اتباع کی دولت سے مالا مال ہو جائے تو اس مجلس کو غنیمت جانے۔ روایات میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کو جب نماز میں ادا ہونے والے ایک مستحب کا علم ہوا (جو آپ پہلے ادا نہیں کرتے رہے) تو آپ نے اس مستحب کی ادائیگی کیلئے چالیس سال کی نمازوں کی قضا ادا کی۔

۳۔ دیگر ضروریات کی ادائیگی: امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ طہارت کے بعد نماز کا قصد کریں۔ کوشش کریں کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا ہو اور تکبیرِ اولیٰ ترک نہ ہو اور نماز وقت میں ادا ہو۔ قرأتِ مسنونہ پڑھیں، رکوع اور سجود میں طمانیت اور قومہ میں سیدھا کھڑے ہوں تا کہ کچھ دیر تک طمانیت حاصل ہو جائے، ایسے ہی دو سجدوں کے بعد اطمینان سے بیٹھیں، نماز پڑھنے کے طریقے کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

۴۔ تسبیحات اور ترتیبِ ارکان: حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ارشادِ گرامی ہے کہ نماز میں حسبِ ذیل باتوں کا خیال رکھا جائے۔ (۱) تسبیحات کم سے کم تین بار اور زیادہ سے زیادہ گیارہ بار ہیں، مگر تین سے زیادہ، پانچ یا سات بار کہے تو بہتر ہے۔ (۲) سجدہ کرتے وقت جو اعضاء زمین سے زیادہ قریب ہیں وہ پہلے زمین پر رکھیں (یعنی پہلے رانوں، پھر ہاتھ، ناک اور پھر پیشانی رکھیں) اور اٹھتے میں اس کے برعکس ہو یعنی جو زمین سے زیادہ دور رہیں وہ پہلے اٹھائیں (سر، ناک، ہاتھ اور پھر زانو اٹھائے)۔

۵۔ دلجمعی کا اہتمام: مجدد اعظمؒ فرماتے ہیں کہ سجدہ میں ہاتھ کی انگلیوں کو ملانا اور رکوع میں علیحدہ رکھنا ضروری ہے۔ شریعت نے انگلیوں کے ملانے اور کھولنے کا حکم بے فائدہ نہیں دیا اور ایسے معمولی آداب کی رعایت بھی ضروری ہے۔ قیام میں سجدے کی جگہ، تشہد میں ہاتھوں پر رکوع میں پاؤں پر نگاہ رکھنا اور سجدے میں ناک پہلے زمین پر رکھنا اور دیگر ایسے اصولوں کو ذہن میں رکھنے سے نماز میں خشوع پیدا ہوتا ہے۔ اور نماز میں دلجمعی نصیب ہوتی ہے۔

سجدے کا مقام

جس طرح عبادت میں سب سے زیادہ نماز کو اہمیت حاصل ہے اسی طرح نماز میں سجدے کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ "اَلسُّجُوْدُ" کے اصل معنی فروتنی اور عاجزی کرنے کے ہیں اور اللہ کے سامنے عاجزی

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۴۸۳۵، جلد ۱۳، صفحہ ۱۷۱۔

اور اس کی عبادت کرنے کو سَجُوْدْ کہا جاتا ہے۔[1] سجود انسان، حیوانات اور جمادات سب کے حق میں عام ہے کیونکہ سجدے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اختیاری سجود جیسے "فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا" (پس اللہ کیلئے سجدہ کرو اور (اسی کی) عبادت کرو) (النجم: ۶۲)۔ سجود کی دوسری قسم سجود تسخیری ہے جو انسان، حیوانات، جمادات سب کے حق میں عام ہے۔ جیسے فرمایا "وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ" (اور جو کوئی (بھی) آسمانوں اور زمین میں ہے وہ تو اللہ ہی کیلئے سجدہ کرتا ہے (بعض) خوشی سے اور (بعض) مجبوراً اور ان کے سائے (بھی) صبح و شام (اسی کو سجدہ کرتے ہیں تو پھر ان کافروں نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی سجدہ ریزی کیوں شروع کر لی ہے) (الرعد: ۱۵)۔ سورۃ النحل آیت ۴۸ میں ہے کہ "اس کے سائے کبھی دائیں اور کبھی بائیں طرف کو جھکے ہوتے ہیں؟ گویا اللہ کے آگے سربسجود ہیں"۔ اسی طرح سورہ النحل آیت ۴۹ میں ہے کہ "جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں اور فرشتے سب اللہ کے آگے سربسجود ہیں (تسخیری اور اختیاری طور پر) اور ذرا بھی تکبر نہیں کرتے"۔ قرآن میں کبھی سجود سے مراد نفس نماز لی جاتی ہے۔ "وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ النُّجُوْمِ" (ق: ۴۰) میں نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی ذکر اور تسبیح کا حکم دیا گیا ہے۔

ہمارے پیر و مرشد حضرت خواجہ (علاؤ الدین صدیقی مدظلہ العالیٰ) فرماتے ہیں کہ جب نماز کی جماعت کیلئے نمازی کھڑے ہوتے ہیں تو نماز میں جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں کیونکہ اس وقت امام سب کی طرف سے نمائندگی کرتا ہے، اور "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیری ہی مدد چاہتے ہیں کہا جاتا ہے) لیکن جونہی رکوع اور سجود میں جائے تو انتہائی قرب پا لینے پر ہر ایک نمازی براہ راست اللہ سے واحد متکلم کے صیغہ سے کلام کرتا ہے اور جمع کا صیغہ ترک کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى" (میرا رب پاک اور اعلیٰ ہے) یہ انتہائی قرب کی علامت ہے۔ مشائخ کا قول ہے کہ قیام میں ایک قسم کی حضوری حاصل ہو جاتی ہے، قربِ الٰہی کا سرور اور نور دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ گناہوں کی معافی کیلئے رکوع میں جھکا تو نمازی کے قرب اور سرور میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ جب وہ قرب دیکھتا ہے تو اور بھی زیادہ قرب کا طلب گار ہو جاتا ہے، چنانچہ فوراً سجدہ میں گر جاتا ہے۔ قربِ الٰہی سب سے زیادہ سجدے میں ہی ہوتا ہے جیسے کہ فرمایا "وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ" (العلق: ۱۹) (سجدہ کرو اور قرب حاصل کرو (سجدۂ تلاوت)۔

اس جگہ قرب کیلئے کچھ وضاحت کی جا رہی ہے۔ ایک حدیث کے حوالے سے یہ پہلے بھی لکھ دیا گیا ہے کہ "وَالسَّاجِدُ يَسْجُدُ عَلٰى قَدَمَيِ اللّٰهِ"[2] (نمازی کا سجدہ اللہ کے قدموں میں ہوتا ہے) چنانچہ سجدہ انتہائی قرب کی نشانی ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ سجدہ میں جانا ظاہر اور باطن میں موت اور فنا کی صورت میں ہے۔ قیام کی نسبت سجود ویسے بھی ظاہری پستی کی علامت ہے۔ سجدے میں پہلے نچلے حصے زمین پر جاتے ہیں

---

[1] المفردات، جلد ۱، صفحہ ۲۲۳، دار المعرفہ۔

[2] کنز العمال، حدیث ۱۸۹۲۴، جلد ۷، صفحہ ۲۸۹۔

اور آخر میں سر اور منہ نیچے زمین پر لگتے ہیں۔ اسی طرح موت میں بھی جان نچلے حصے سے پہلے نکلتی ہے اور بعد میں اوپر والے حصوں سے نکلتی ہے۔ نماز میں اٹھنے کی یہ ترتیب الٹ ہے اور بدن میں جان ڈالنے کی بھی ترتیب یہی ہے یعنی پہلے سر میں پھر نچلے حصوں میں ڈالی جاتی ہے۔ کنز العمال میں ہے کہ جب آدمی سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہے اور اپنے سر میں خاک ڈالتا ہے اور کہتا ہے افسوس آدمی کو سجدے کا حکم ملا اور اس نے سجدہ کر کے خدا کو راضی کر لیا اور جنت خرید لی۔ مجھے بھی سجدے کا حکم ہوا تو میں نے انکار کیا اور جہنم مول لی اور بارگاہِ الٰہی سے راندہ گیا۔

قُرب سے کیا مراد ہے؟

کسی کے قریب جانا خواہ وہ مکانی یا زمانی قرب ہو خواہ نسبی تعلق، مرتبہ حفاظت اور قدرت کے اعتبار سے ہو، قُرب کہلاتا ہے۔ مکانی قرب کا قرآن کی بہت سی آیات میں ذکر ہے۔ جیسے سورۃ البقرہ آیت ۳۵ میں ہے"وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ"(اس درخت کے قریب نہ جاؤ)"فَقَرَّبَهٗ اِلَيْهِمْ" (الذاریات:۲۷) (کھانے کیلئے) ان کے آگے رکھ دیا)۔ کئی آیات میں قرب زمانی کا ذکر ہے مثلاً"اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ" (لوگوں کے حساب اعمال کا وقت نزدیک آ پہنچا)(انبیاء:۱)، نسبی قرب کیلئے فرمایا "يَتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ" (یتیم رشتہ دار کو)(البلد:۱۵) اسی طرح مقرب فرشتوں اور مقرب بندوں کا بھی ذکر قرآن میں ہے۔ قربان کے لفظ سے قربانی اور نیاز بھی معنی لیے جاتے ہیں۔ قُرْبَانُ الْمَلِكِ سے بادشاہ کا ہم نشین اور ندیم خاص مراد لیے جاتے ہیں۔

امام راغبؒ نے لکھا ہے کہ اَلتَّقَرُّبُ سے مراد ایسی چیز کا قصد کرنا ہے جس سے دوسرے کے ہاں قدر و منزل حاصل ہو۔[1] بندے کا اللہ تعالیٰ کے قریب جانا باعتبار مکان نہیں بلکہ اس پر فضل و کرم اور فیضِ خاص جاری کرنا مراد ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ باری تعالیٰ کیا تو قریب ہے کہ میں تجھ سے مناجات کروں یا دور ہے کہ میں تجھے پکاروں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا"اگر میں تیرے لیے دوری معین کردوں تو وہاں تک پہنچ نہ سکے گا اور اگر قرب معین کردوں تو تجھے اس پر قدرت نہیں ہوگی۔ مراد یہ کہ جو چیز بہت دور ہو جائے یا بہت قریب ہو جائے اس کو پانا مشکل امر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کیلئے قربِ مکانی یا جسمانی مقصود نہیں بلکہ معنوی قرب مراد ہے۔ قرآن میں اللہ کا یہی قرب ہونا بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ فرمایا:"وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ" (اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں)(ق:۱۶)۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں کہ قُربِ الٰہی دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جو ہر کسی کو حاصل ہے۔ اس آیت میں اسی قرب کا ذکر ہے جو ہر ذرّے کو حاصل ہے۔ دوسرا قرب جو خاص بندوں کو حاصل ہے۔ وہ قربِ محبت ہے۔ اس کے بہت سے درجے ہیں اور یہ نعمت صرف اسی کو دی جاتی ہے جو بارگاہِ رسالت میں یا اولیائے

---

[1] المفردات فی غریب القرآن، جلد ۱، صفحہ ۲۲۶۔

امت کی بکثرت صحبت میں رہتے ہیں، کیونکہ یہ قرب آفتابِ رسالت کے انوار کا انعکاس دل پر ہونے سے اور جمالِ محمدی ﷺ سے روح کو منور کرنے سے ملتا ہے۔ محبت کو اسی لیے عبادت پر درجہ حاصل ہے۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ تقرب الٰہی حاصل ہونے کا یہ معنی ہیں کہ وہ بہت سی ایسی صفات اپنے اندر پیدا کر لے جن کے ساتھ ذاتِ الٰہی بھی مُتصِف ہے (یعنی خدائی صفات کو اپنے اندر پیدا کرنا مقصود ہے) ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ''تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللهِ''[1]۔ اس سے مراد یہ ہے کہ گو انسان کے اندر وہ صفاتِ خداوندی، خدائی درجہ کی حد تک نہ پائی جائیں لیکن انسان اس اخلاق سے اپنے آپ کو اچھی طرح مزیّن کرے۔ مثلاً انسان علم وحکمت، حلم ورحمت اور بے نیازی جیسی صفات پیدا کر لے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب انسان ان کی اضداد یعنی جہالت، طیش وغضب اور احتیاجِ نفسانی کی میل کچیل سے خود کو پاک کر لے۔ خدا سے یہ قُرب، جسمانی قرب کے قبیل سے نہیں بلکہ قربِ روحانی ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا''[2] (جو بالشت بھر میرے قریب ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں)۔

ایک حدیث میں ہے کہ تقربِ الٰہی حاصل کرنے کیلئے فرائض کی ادائیگی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے اور بندہ فرائض کے بعد نوافل کے ذریعے میرا (یعنی خدا کا) قرب حاصل کرتا ہے۔ حتیٰ کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں۔[3] قربِ الٰہی کے متعلق اس کتاب میں ''یقین'' کے عنوان کے تحت جو کچھ دے دیا گیا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں، تفصیل جاننے کے لئے راقم الحروف کی تصنیفات ''اسلام وروحانیت اور فکر اقبال، حضور قلب اور نشان منزل'' کا مطالعہ فرمائیں۔ کچھ صوفیاء کے نزدیک قرب یہ ہے کہ بندہ صفاتِ الٰہی سے متصف ہو جائے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ قطرے کا دریا کی جانب سفر یا رفع تعینات یا حجابِ خودی کا اٹھنا قرب ہے ۔

اے وائے بدنصیبی کہ مِلنا نہیں نصیب ۔۔۔ سایہ کی طرح گرچہ جہاں تم، وہیں ہوں میں

قرب کا عکس (الٹ) بُعد کہلاتا ہے اور یہ قیودِ صفاتِ بشری میں مقید رہنا، لذاتِ نفسانی میں گرفتار رہ کر مَبداءِ حقیقی (اللہ تعالیٰ) سے دور رہنا اور حقیقتِ حال سے بے خبر رہنا ہے۔ انسان اپنے سے جتنا قریب ہے اتنا ہی دُور ہے۔ کچھ علماء کے نزدیک قُرب کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ایجادی (۲) شُہودی۔

قُربِ ایجادی: ادراک بسیط ہے، جو ارواح کو وجودِ خارجی سے قبل، بحکم ''اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی'' سے حاصل ہوا۔ یہ ادراک اضطراری ہے اور حکمت ایجادِ عالم اور رحمتِ الٰہی کے تقاضے کرتا ہے۔ اس ادراک میں اِدراک کی نفی ہے۔ یہ قرب سبب حکمتِ تکوین ہے (کائنات کی تخلیق کا سبب ہے)۔

---

[1] احیاء العلوم، جلد ۳، صفحہ ۴۰۰۔

[2] صحیح بخاری، حدیث ۶۹۸۲، جلد ۲۳، صفحہ ۷۰۔

[3] صحیح بخاری، حدیث ۶۰۲۱، جلد ۲۰، صفحہ ۱۵۸۔

قربِ شہودی: وہ ہے جو تفکّر سے حاصل ہوتا ہے اور اختیاری عبادات، سلوک اور رحمتِ خاص یعنی رحیمی اس کیلئے لازم ہے۔ یہ قرب نورِ ہدایت الٰہی کے بغیر ہاتھ نہیں آتا۔ جب اس نور کا پرتو سالک پر پڑے تو اس کی مجازی ہستی دُور ہو جاتی ہے اور وہ قربِ شہودی حاصل کرتا ہے۔

تجلیاتِ الٰہی سے قُربِ الٰہی کا پیدا ہونا

ذات و اسماء و صفات و افعالِ الٰہی کا کسی پر پھینکا جانا تجلّی کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی لاتعداد تجلّیات ہیں اور ہر آن میں ایک نئی شان میں ہوتا ہے۔ تجلّی ظاہر کرنے اور ظاہر ہونے کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اظہار لباسِ تعیّن ہی میں ممکن ہے، لباسِ تعیّن کو تجلّی کہتے ہیں۔ ہر وہ شان، کیفیت اور حالت جس میں اللہ تعالیٰ یا اس کی صفت یا اس کے کسی فعل کا اظہار ہو تجلّی کہلاتا ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ کے ظہور کی شانیں لاانتہاء ہیں اس لیے تجلّیات حدود میں سما نہیں سکتیں یعنی لاتعداد ہیں۔ ہر شخص پر اس کی طاقت اور ظرف کے مطابق اللہ تعالیٰ کی تجلّیات رُونما ہوتی ہیں۔ جو تجلّی ایک شخص پر ایک مرتبہ ہوتی ہے وہ پھر دوبارہ اس پر یا کسی اور پر کبھی نہیں ہوتی یعنی تجلّیات میں تکرار نہیں یعنی ہر لمحہ وہ نئی شان میں مُتجلّی ہوتا ہے جیسے اس کی ذات لامتناہی ہے۔ اس کی تجلّیات کی بھی کوئی انتہاء نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو جب وہ آگ لینے کو نکلے تو آگ کی مجازی صورت میں ہی اپنی تجلّی ظاہر فرمائی اور انہیں اپنی جانب کھینچا۔ جب قریب ہوئے تو انوارِ حقیقت کا غلبہ ہوا۔ جب ان پر مزید ان انوار کا غلبہ ہوا تو بے ہوش ہو گئے گویا انوارِ حقیقی کی وجہ سے اپنی مجازی ہستی سے کنارہ کش ہوئے اور پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کو رسالت سے سرفراز فرمایا اور کلیم اللہ بن گئے "فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا" (الاعراف: ۱۴۳) موسیٰ علیہ السلام اس وقت حالت تلوین (حالت طلب) میں تھے اور تمکین (مقامِ استقرار) پر نہ تھے۔ اس لیے تجلّی پہاڑ پر گرائی گئی، کیونکہ تجلّی کیلئے استقامت (استقرار) کی ضرورت ہے۔ اس لیے تجلّی سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور پہاڑ نہ رہا۔ یہ تجلّی پرتو کی شکل میں موسیٰ علیہ السلام پر بھی پڑی اس لیے وہ بھی بے ہوش ہو کر اپنی ہستی سے الگ ہو گئے۔ یہی قاعدہ ہے کہ تجلّی کیلئے استقامت کی ضرورت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر اپنے اسم (اللہ) کے اعتبار سے تجلّی فرماتا ہے تو بندہ اپنی ذات سے فنا اور حق قائم مقام ہو جاتا ہے۔ تجلیاتِ صفات میں بندہ اللہ کی صفات کے انوار کی بارش کے تحت آ جاتا ہے اور جب بندہ اس صفت کی حد کو بطورِ اجمال (اس صفت کے وجود کو بطور خلاصہ کے پانا) پالیتا ہے تو اس صفت کے ساتھ عرش پر پہنچتا ہے اور اس صفت سے متصف ہو کر اس کا مظہر بن جاتا ہے۔ اسی طرح بندہ ایک صفت سے دوسری صفت کے ساتھ ملحق ہو جاتا ہے اور یکے بعد دیگرے ان صفات کی تکمیل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ قربِ فرائض و قربِ نوافل کی منزلوں میں جا پہنچتا ہے۔ جہاں حق تعالیٰ بندے کی سمع (سننا) اور بصر (دیکھنا) بن جاتا ہے۔ یہاں نورِ عبد گم ہو جاتا ہے اور رُوحِ خلقی فنا ہو جاتی ہے اور ہیکلِ عبدی (بندے کی صورت) میں حق تعالیٰ مرتبہ

صفات میں فائز ہو جاتا ہے۔

انسان کی تخلیق تمام مخلوقات سے جُداگانہ ہے اس کو نوریوں کی طرح پرواز نہیں دی گئی، البتہ اس کی پرواز کی طاقت نوریوں سے بھی بلند عطا کی گئی۔ احادیث میں ہے کہ انسان کی رُوح آنِ واحد میں ایک جگہ سے دوسری جگہ خواہ ہزاروں لاکھوں سالوں کی مسافت سے زیادہ ہی دور کیوں نہ ہو پہنچ جاتی ہے۔ امام بخاریؒ نے بیان کیا ہے مسلمان کی رُوح ایک لحہ میں جہاں بھی ہو حاضر ہو جاتی ہے اور قبر پر سلام کہنے والے کا جواب دیتی ہے۔ مسلمان جب رُوحانی قوت حاصل کر لیتا ہے تو پھر ایک جگہ بیٹھ کر مراقبہ کرتا ہے تو اس کی روح ایک لحہ میں جہاں جانا چاہتی ہے پہنچ جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خیالی طور پر ہی پہنچ جاتا ہے بلکہ وہ اپنے مثالی جسم کے ساتھ پہنچتا ہے اور بلا شبہ اس کو وہاں دیکھا جاتا ہے کیونکہ مثالی اجسام قدرے ثقیل ہونے کی وجہ سے نظر بھی آ جاتے ہیں۔ مشائخِ کرام کے ایسے کئی واقعات لوگوں کے مشاہدے میں آئے ہیں کہ وہ خود ہی نہیں بلکہ جس کو چاہیں، جہاں چاہیں اپنے ساتھ منتقل کر لیتے ہیں۔ رجال الغیب اور ابدالوں کا اڑنا کس کو معلوم نہیں۔

اوپر جو کچھ بیان ہوا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سجدہ سجود اور ریاضتِ شاقہ سے ایک سالک اللہ کا قرب پا لیتا ہے۔ یہ طاقت اس کو سجدوں اور ذکرِ الٰہی سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ احادیث میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قُرب چاہتے ہو تو سجدوں سے میری مدد کرو۔[1] گویا سجدے ہی انسان کو یہ قرب بخشتے ہیں بشرطیکہ ان سجدوں میں کچھ ایسی شان موجود ہو کہ انسان اس لائق ہو سکے۔ وہ لوگ جو ہر وقت اور ہر نماز میں دنیا کے خیالات دل میں جمائے رکھتے ہیں ان کو یہ قُرب اور حضور کیسے نصیب ہو سکتا ہے۔ حافظ نے فرمایا ہے کہ ایسے زُہد اور سُستی سے حضور نہیں ملتا جس میں محبوبِ مجازی مخل ہو جائے ۔

می ترسم از خرابیِ ایمان که می برد　　محرابِ آبروئے تو ، حضور از نمازِ من

(مجھے ایمان کی خرابی کا ڈر ہے اس لیے کہ تیری آنکھوں کی محراب میری نماز سے میرے دل کے حضور کو لے جاتی ہے)

زاہد ازیں نماز تو کارے نمی رود　　ہم مستیِ شبانه و راز و نیازِ من

(اے زاہد تیری نماز سے کچھ کام نہیں چلتا اور نہ ہی میری رات کی مستی اور نہ ہی راز و نیاز سے)

سجدے میں چار مقامات

قوت القلوب میں ہے کہ سجدے میں چار مقامات ہیں۔ ان میں سے اہلِ مشاہدہ کیلئے تین مقامات ہیں۔ ایک یہ کہ سجدہ میں ان کو کشفِ ملکوت ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رفعت اور قرب حاصل ہوتا ہے، یہ مقام محبوبین کو میسر ہوتا ہے۔ دوسرا وہ جو ملکوتِ عزت تعالیٰ (اللہ) اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک وصف کے قریب ہو کر ثریٰ اسفل پر سجدہ کرتے ہیں (یعنی تحت الثریٰ میں)، اللہ کے سامنے ان کا قلب شکستہ ہوتا ہے، وہ تواضع اور انکساری اختیار کرتے ہیں، یہ اہلِ خوف عابدین کا مقام ہے۔ تیسرے وہ جن کا قلب

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۷۵۴، جلد ۳، صفحہ ۴۰۰۔

زمین وآسمان کی درمیانی ملکوت میں جولانی کرتا ہے، یہ لوگ عجائب اور غرائب کا مشاہدہ کرتے ہیں اور یہ اہلِ صدق اور سالکین کا مقام ہے۔ چوتھا وصف ان لوگوں کا ہے جو قابلِ مدح نہیں یعنی عوام کا ہے، یہ لوگ خیالاتِ دنیا، افکارِ شاہی، عطیات اور غلاموں کے حصوں میں ہی گھومتے رہتے ہیں اور ان کے مشاہدات پر دنیاوی خیالوں کا پردہ پڑا رہتا ہے، یہ لوگ اللہ کی طرف سیاحت کرنے کی بجائے خواہشاتِ نفس میں گرفتار رہتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی اگر اللہ کی طرف رجوع کریں اور استغفار کرتے ہوئے نئے سرے سے استقامت کی نیت کریں تو اس توبہ سے ان کو بھی عزت اور فضل مل جاتا ہے، پھر وہ دنیاوی حاجات کو بھول جاتے ہیں اور ان کے دلوں کے پردے اٹھ جاتے ہیں۔ ان کے کاندھوں پر ہوا تک فرشتے کھڑے رہتے ہیں اور اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔ نیکیاں اس پر برسنے لگتی ہیں اور ایک ندا اس کو کہتی ہے کہ اے نمازی اگر تو جانتا کہ تو کس سے مناجات کررہا ہے تو کبھی اس سے منہ نہ ہٹاتا۔ مشائخ فرماتے ہیں کہ نمازی کے قلب پر رقت، گریہ اور جو بھی فتوحات اس کو میسر ہوتیں ہیں تو ان کی وجہ سے اپنے دل میں مسرت محسوس کرتا ہے۔ یہ مُسَرت اس کے قُربِ قلبی کی وجہ سے اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتی ہے۔

نماز میں دو سجدے کیوں ہیں؟

کتاب الصلوۃ میں ہے کہ جب آدم علیہ السلام کو سجدے کا حکم ہوا تو تمام فرشتوں نے تعمیل کی اور سجدے میں گر گئے۔ ابلیس نے سجدہ نہ کیا تو ملعون ٹھہرا، اس کے گلے میں لعنت کا طوق ہمیشہ کیلئے ڈال دیا گیا۔ جب فرشتوں نے سجدے سے سر اٹھایا تو شیطان کے گلے میں لعنت کا طوق دیکھ کر فوراً دوبارہ سجدہ میں گر گئے اور عرض کیا کہ الٰہی تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں اس لعنت سے بچایا۔ اللہ تعالیٰ نے وہی دو سجدے نماز کیلئے پسند فرمائے تاکہ بنی آدم فرشتوں کے ان دو سجدوں والی عبادات کا ثواب حاصل کر سکیں۔ مجلسِ سُنّیہ میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جونہی نمازی اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر نماز شروع کرتا ہے تو وہ گناہ سے ایسا پاک ہوجاتا ہے جیسے وہ آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو، اسی طرح نماز کے ہر رکن پر بہت سی نیکیوں کا ثواب ملتا ہے، حتیٰ کہ جب وہ سلام پھیرتا ہے تو جنّت کے دروازے اس کیلئے کھول دیئے جاتے ہیں۔

حضرت اسماعیل شاہ صاحب کرمانوالے” فرماتے ہیں کہ نماز کی ہر رکعت میں قیام ایک، رکوع ایک مگر سجدے دو ہیں، پہلے سجدے میں خیال کرے کہ یا اللہ تو نے مجھے اِس زمین سے پیدا کیا (جس پر میں نے سر رکھا ہوا ہے) اس لیے تجھے سجدہ کررہا ہوں۔ دوسرے سجدے میں یہ خیال کرے کہ الٰہی دوسرا جہان بھی تو نے پیدا کیا ہے اس لیے تو ہی سجدے کے لائق ہے۔ ایک صُوفی کا قول ہے کہ پہلے سجدے میں انسان یہ کہے کہ الٰہی جو کچھ معلوم ہے اس کا خالق تو ہے اس لیے تجھے سجدہ کررہا ہوں اور دوسرے سجدہ میں کہے کہ الٰہی جو ہمارے علم میں نہیں اس کا خالق بھی تو ہے اس لیے تو ہی سجدے کا مستحق ہے۔

باب نمبر ۱۵

نماز کے چند اہم مسائل

(فرائض، واجبات، سُنن اور مستحبات)

نماز کے مسائل بہت زیادہ ہیں ان کیلئے بہت سی کتب لکھی گئی ہیں لہٰذا قارئین سے اِلتماس ہے وہ ان کتب کی طرف رجوع کریں۔ مختصر کتاب ''رُکنِ دین'' ہے اور اس سے بھی مختصر کتاب ''نماز کے سبق'' از عبد العزیز خاوری ہے اور بہت زیادہ تفصیل اگر مطلوب ہو تو ''بہارِ شریعت'' سے رجوع فرمائیں۔ کتاب میں طوالت کے خوف سے نماز کے مسائل کو شامل نہیں کیا گیا مگر چند بہت ضروری مسائل لکھے جا رہے ہیں جن کا علم ہونا ہر مسلمان کیلئے اشد ضروری ہے۔ جب تک نماز کے فرائض اور واجبات کا علم نہ ہو تو نماز میں غلطی کی تصحیح ناممکن ہے، مثلاً اگر ایک فرض ترک ہو جائے تو نماز دُہرانی ہو گی اور اگر فرض یا واجب میں تاخیر ہو جائے یا واجب ترک ہو جائے تو سجدہ سہو سے نماز درست ہو جاتی ہے۔ اس لیے معلوم ہونا چاہیے کہ فرائض نماز اور واجبات نماز کیا ہیں۔ اس کے علاوہ سُنن نماز بھی لکھ دیئے گئے ہیں۔ نماز کی شرائط کے پورا نہ ہونے سے بھی نماز نہیں ہوتی، اس لیے شرائط کا بھی مختصر ذکر کر دیا گیا ہے۔ قارئین ان مسائل کا مطالعہ کریں اور دوسرے دوستوں پر بھی بیان کریں تاکہ ان مسائل کا علم عام ہو۔ دیکھا گیا ہے کہ کئی بڑے بڑے نمازیوں کو بھی یہ باتیں معلوم نہیں ہوتیں۔ ہم نے ایک انٹرویو میں ایک لڑکے سے فرض اور واجب کے درمیان فرق کے بارے میں سوال کیا تو بورڈ کے چیئرمین نے مجھے کہا کہ یہ تو ایسا مشکل سوال ہے کہ مجھے بھی نہیں آتا، چنانچہ انہوں نے مجھے کہا کہ میں لڑکوں سے آسان سوال پوچھوں، حالانکہ اس سوال میں مشکل ہونے کی کوئی بات نہ تھی۔ افسوس اس بات کا ہے کہ اگر لوگ دین سے بالکل کورے ہو جائیں تو ہر چھوٹی بات بھی مشکل ہو جاتی ہے، لہٰذا ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ آسان اور چھوٹی سی کتاب لے کر یہ تمام مسائل پڑھے۔ نماز کے فرائض واجبات، سنتیں اور شرائط نیچے بیان کئے جا رہے ہیں۔

نماز کی شرائط اور فرائض

نماز کی پانچ شرطیں ہیں (۱) طہارت یعنی جسم کا پاک ہونا، کپڑوں کا پاک ہونا اور جگہ کا پاک ہونا (۲) وقت کا ہونا (۳) قبلہ کی طرف رخ کرنا (۴) ستر یعنی ضروری بدن کا چھپانا (۵) نماز کی نیت کرنا۔ ان میں سے ایک بھی رہ جائے تو نماز نہ ہو گی بعض علماء پہلی تکبیر کو دو دفعہ گنتے ہیں۔ کیونکہ تکبیر نماز کا پہلا فرض ہے یا نماز کی چھٹی شرط بھی کہی جاسکتی ہے۔

نماز کے فرائض سات ہیں (۱) تکبیرِ تحریمہ (پہلی تکبیر) (۲) قیام کرنا (کھڑا ہونا) (۳) قرأت (قرآن شریف پڑھنا) (۴) رکوع (۵) سجود (۶) آخری قعدہ (التحیات کیلئے بیٹھنا) اور (۷) اپنے اِرادے

کے ساتھ نماز سے فارغ ہونا۔

قرأت کتنی فرض ہے؟: فرضوں کی پہلی دو رکعتوں اور سنت کی ہر رکعت میں کم از کم ایک آیت کا پڑھنا فرض ہے اور پوری الحمد شریف واجب اور اس کے ساتھ تین چھوٹی یا بڑی آیت کا پڑھنا واجب ہے، مطلقاً قرآن عزیز کا پڑھنا فرض ہے۔

کھڑا ہونا (قیام) کتنا فرض ہے: فرض، وتر، عید اور سنت فجر تندرست آدمی بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا کیونکہ یہ بیٹھ کر پڑھنے سے نماز نہ ہوگی۔ اگر ان میں پوری الحمد کھڑے ہو کر پڑھ سکتا ہے تو بیٹھ کر پڑھنے سے واجب چھوٹے گا، اور نماز نہ ہوگی، باقی سنت موکدہ کھڑے ہو کر پڑھنا ہی سنّت ہے۔ نفل بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے، کھڑا ہو کر پڑھنے میں بیٹھ کر پڑھنے سے ثواب دو گنا ملے گا۔

نماز کے واجبات ۲۲ ہیں

(۱) پہلی تکبیر اللہ اکبر کے الفاظ سے ادا کرنا۔

(۲) فرضوں کی تیسری اور چوتھی رکعت میں بھی سورۂ فاتحہ یعنی الحمد کا پڑھنا، الحمد کا ایک ہی بار پڑھنا، الحمد کا ہر لفظ پڑھنا، الحمد کی ہر آیت پڑھنا اور الحمد سورۃ سے پہلے پڑھنا۔

(۳) الحمد کے بعد ایک چھوٹی سورۃ یا تین آیتیں یا ایک لمبی آیت جو تین آیتوں کے برابر ہو پڑھنا۔

(۴) الحمد اور سورۃ کے درمیان کچھ اور نہ پڑھنا۔

(۵) سورۃ پڑھتے ہی رکوع کرنا۔

(۶) رکوع میں ایک بار سُبْحَانَ اللہ کہنے کی مقدار ٹھہرنا۔

(۷) رکوع کے بعد سیدھے کھڑے ہونا اور ایک بار سُبْحَانَ اللہ کی مقدار کھڑے رہنا۔

(۸) دو سجدوں کے درمیان سیدھا بیٹھنا (کم از کم ایک بار سُبْحَانَ اللہ کہنے کی مقدار)

(۹) قعدہ اُولیٰ یعنی درمیانی التحیات کیلئے بیٹھنا اس بیٹھنے کے درمیان التحیات میں عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ تک پڑھنا۔

(۱۰) عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ کے بعد پہلی التحیات میں کچھ نہ پڑھے (فرض، وتر، موکدہ سنتوں میں) غیر موکدہ سنتوں اور نفلوں میں التحیات کے بعد درود شریف اور دعا بھی پڑھی جائے۔

(۱۱) سلام دونوں طرف پھیرنا واجب ہے، "عَلَیْکُمْ" کا لفظ واجب نہیں ہے بلکہ سنّت ہے۔

(۱۲) دعائے قنوت کی تکبیر۔

(۱۳) دعائے قنوت پڑھنا۔

(۱۴) عید میں چھ زائد تکبیریں۔

(۱۵) عید کی دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر واجب ہے۔

(۱۶) اِمام کا فجر، مغرب، عِشاء، جمعہ، عید، تراویح کا پہلی دو رکعتوں میں اونچی آواز میں سورۂ فاتحہ اور کوئی دوسری سورۃ قرآن میں پڑھنا، رمضان شریف میں وتروں کی ہر رکعت میں بلند آواز سے قرأت پڑھنا۔

(۱۷) ظہر اور عصر میں امام کا آہستہ سے (دل میں) پڑھنا (یعنی سورۂ فاتحہ اور قرآن)۔

(۱۸) ہر فرض و واجب کا اس کی اپنی جگہ میں ہونا۔

(۱۹) رکوع کا ایک وقت میں ایک ہی بار ہونا۔

(۲۰) سجدوں کا ہر رکعت میں دو ہی بار ہونا۔

(۲۱) فرضوں یا واجبوں کے درمیان تین بار سبحان اللہ کی قدر وقفہ نہ کرنا۔

(۲۲) جب امام اونچی آواز سے قرأت پڑھ رہا ہو تو مقتدی کا چپ رہنا۔

نماز کی سنتیں

(۱) پہلی تکبیر کیلئے ہاتھ اٹھانا اور مرد کا کانوں کی لو تک ہاتھوں کو لے جانا، مگر خاتون کیلئے کاندھوں تک لے جانا ہے۔

(۲) ہاتھ اٹھاتے وقت انگلیوں کا اپنی حالت پر چھوڑنا یعنی نہ بالکل ملانا نہ کھلی رکھنا۔

(۳) انگلیوں اور ہتھیلیوں کا قبلہ رُخ رکھنا۔

(۴) تکبیر کہتے ہوئے سر کا نہ جھکانا۔

(۵) اللہ اکبر کہنے سے پہلے ہاتھ اٹھانا۔

(۶) تکبیر کہہ کر ہاتھ سیدھے ناف کے نیچے باندھنا، یوں نہ کرے کہ پہلے ہاتھ نیچے لٹکا دے اور پھر ہاتھ باندھے۔ مرد کا ناف کے نیچے ہاتھ اس طرح باندھنا کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے۔ چھنگلی اور انگوٹھا کلائی کے ارد گرد رکھنا اور تین انگلیاں کلائی کی پشت پر رکھنا۔

(۷) سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ پڑھنا۔

(۸) اَعُوْذُ بِاللّٰہِ پڑھنا۔

(۹) بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنا۔

(۱۰) ان تینوں چیزوں کا آہستہ پڑھنا۔ (امام کے پیچھے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اور بِسْمِ اللّٰہ نہیں پڑھی جائے گی)۔

(۱۱) سورہ فاتحہ کے بعد (بالکل آہستہ) آمین کہنا۔

(۱۲) رکوع کیلئے تکبیر کہنا۔

(۱۳) رکوع میں مرد کیلئے انگلیاں کھلی رکھنا۔

(۱۴) کھلی انگلیوں کے ساتھ دونوں گھٹنے پکڑنا۔

(۱۵) رکوع میں پیٹھ اور سر برابر رکھنا۔

(۱۶) پشت کو اتنا برابر جھکانا کہ اس پر پیالہ رکھے تو نہ گرے۔

(۱۷) رکوع میں تین دفعہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم پڑھنا۔

(۱۸) رکوع میں کھڑے ہو کر امام کا سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ اور مقتدی کا رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہنا، اکیلے نمازی کا دونوں فقرے کہنا اگر اللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کہے تو زیادہ ثواب ہے۔

تنبیہ: حَمِدَہٗ کی ہ کو ساکن پڑھا جائے حَمِدَاہٗ نہ پڑھے۔

(۱۹) سجدہ میں جانے کیلئے تکبیر کہنا۔

(۲۰) سجدہ میں جاتے وقت زمین پر پہلے گھٹنے رکھنا پھر ہاتھ، پھر ناک، پھر پیشانی اور جب سجدے سے اٹھے تو پہلے پیشانی اٹھائے پھر ناک پھر ہاتھ پھر گھٹنے۔

(۲۱) سجدہ میں مرد کیلئے دونوں ہاتھ پہلوؤں سے جُدا رکھنا، پیٹ رانوں سے جُدا رکھنا اور کلائیاں زمین پر نہ رکھنا، اس طرح کہ کہنیاں زمین سے اُٹھی رہیں۔

(۲۲) دو سجدوں کے درمیان التحیات کی طرح بیٹھنا یعنی بایاں قدم بچھا کر اس پر بیٹھنا، دایاں کھڑا رکھنا۔

(۲۳) سجدوں میں پاؤں کی انگلیوں کو موڑ کر قبلہ رُخ رکھنا سنّت ہے۔

(۲۴) نماز کی دوسری رکعت بِسْمِ اللّٰہِ سے شروع کرنا۔

(۲۵) فرضوں کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سُورۃ پڑھنے کا اختیار دیا گیا ہے، کچھ ائمہ کے نزدیک اس کا پڑھنا افضل ہے۔ سورۂ فاتحہ سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنا سنت ہے۔ اگر اَلْحَمْدُ نہ پڑھے اور تین بار سُبْحَانَ اللّٰہِ کہے تب بھی جائز ہے اور بقدر تین دفعہ سُبْحَانَ اللّٰہِ کہہ کر چپ کھڑا رہنا بھی جائز ہے، مگر بہتر نہیں۔

(۲۶) آخری التحیات کے بعد درود شریف پڑھنا۔

(۲۷) دعا پڑھنا۔

(۲۸) اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ دونوں طرف کہنا، اس میں سلام کا لفظ واجب ہے۔

(۲۹) امام کے بائیں طرف کا سلام دائیں طرف کے سلام سے ذرا آہستہ کہنا۔

نماز کے مستحبات

(۱) کھڑے ہونے کے دوران نمازی سجدہ کی جگہ کی طرف نظر رکھے۔ رکوع میں قدموں کی پشت کی طرف، سجدے میں ناک کی طرف، التحیات پڑھتے وقت گود کی طرف، سلام پھیرتے وقت کندھے کی طرف نظر رکھے۔

(۲) کھڑے ہوتے وقت دونوں قدموں کے درمیان چار انگلی جتنا فاصلہ رکھنا۔

(۳) رکوع اور سجدے میں تین سے زیادہ تکبیریں کہنا یعنی پانچ یا سات مرتبہ وغیرہ، امام کیلئے پانچ تسبیحات مستحب ہیں۔

(۴) اگر فاتحہ کے بعد کوئی سورۃ شروع سے پڑھی جائے تو اس سے پہلے بسم اللہ آہستہ آواز سے پڑھنا۔

تنبیہ:۔ فرضوں میں تکبیر سے پہلے ''اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ'' (الانعام:۷۹) (بے شک میں نے اپنا رُخ (ہر سمت سے ہٹا کر) یکسوئی سے اس (ذات) کی طرف پھیر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بے مثال پیدا فرمایا ہے اور (جان لو کہ) میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں) پڑھے۔

قضا نماز اور نمازِ قصر کی حیثیت اور ادائیگی

نماز کے قضا ہونے سے مراد یہ ہے کہ اگر ایک نماز کا وقت نکل گیا اور دوسری نماز کا وقت شروع ہو گیا تو وہ پہلی نماز قضا کہلائے گی۔ نماز کے قضا ہونے کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ایک ارادۃً اور دوسری کسی شرعی عذر کے پائے جانے سے نماز کا قضا ہونا ہے۔ ارادۃً نماز قضا کرنا یہ ہے کہ نماز کا وقت بھی موجود ہو بندہ صحیح سالم ہو، ہوش میں اور تندرست بھی ہو تو نماز نہ پڑھے خواہ وہ بندہ یہ نماز غفلت کی وجہ سے نہ پڑھے یا جان بوجھ کر نماز کو التوا میں ڈالتا رہے کہ ابھی تھوڑی دیر تک پڑھ لوں گا حتیٰ کہ اس کا وقت جاتا رہا، تو یہ بھی شخص قصداً نماز کو قضا کرنے والا ہو گیا۔ اس کی سزا احادیث میں ایک حقب یعنی اسی (۸۰) سال تک جہنم میں گزارنا ہے۔ وہ شرعی عذر جس کے پائے جانے پر اگر نماز نہ پڑھی جائے تو اس پر شرع نے کوئی حد یا سزا نہیں لگائی۔ اس نماز کا نہ پڑھنا غیر اِرادی قضا میں شامل ہے ایسی قضا چونکہ انسان کے بس سے باہر ہے اِس لیے شریعت نے ایسی قضا پر کوئی مؤاخذہ یا سزا تجویز نہیں کی۔ یہ شرعی عذر سات ہیں جو نماز کے ابتدائی تعارف میں بیان کئے جا چکے ہیں۔ بُخاری شریف کی ایک حدیث جس کو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد موجود ہے کہ ''جو شخص (اپنی) نماز پڑھنا بھول جائے، پھر جب اسے یاد آئے تو پڑھ لے، اس کا یہی کفارہ ہے''۔[1]

فقہائے اسلام نے قضا نماز کا پڑھنا واجب قرار دیا ہے۔ قضا نماز میں صرف فرائض اور واجبات ہی پڑھے جاتے ہیں۔ ایسی نماز کے سنن اور نوافل ساقط ہو جاتے ہیں، البتہ فجر کی نماز کی سنتیں اس صورت میں ادا کی جائیں گی جب فجر کی نماز کی قضا زوالِ آفتاب سے پہلی پڑھی جائے یعنی (تقریباً گیارہ بجے سے پہلے) اگر وہ نماز زوال کے بعد پڑھی جائے تو فجر کی سنتوں کی قضا نہیں پڑھی جائے گی۔ ایک مشہور حدیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سفر میں کسی مقام پر خیمے نصب کئے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو پہرہ دینے کیلئے حکم فرمایا اور اس کے ساتھ صبح کی نماز کیلئے اذان دینے کا حکم بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ہی صادر فرمایا تھا۔ مگر عین اذان کے وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ لگ گئی اور نمازِ فجر قضا ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورج نکلنے کے

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۵۷۲، جلد ۱، صفحہ ۲۱۵۔

بعد اذان دلوائی اور جماعت کے ساتھ نمازِ فجر ادا فرمائی اور فرائض سے قبل دونوں سنتیں بھی ادا فرمائیں۔[1] اس پر فقہاء نے زوال سے پہلے سنتوں کے پڑھنے کا استنباط قائم کیا ہے۔ پیغمبر جب سوتے ہیں تو ان کا دل بیدار ہوتا ہے۔ نیند کی حالت میں آپ کی نماز قضا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مگر اُمت کی تعلیم کیلئے نماز قضا کروائی گئی تاکہ نمازِ فجر کے قضا ہونے کی صورت میں وہ بھی سنتیں ادا کریں۔

صاحبِ ترتیب کون ہے

قضا نمازوں کی ادائیگی میں ترتیب کا قائم کرنا واجب ہے، یعنی پہلے قضا ادا کرے اور پھر وقتی یعنی اس وقت کی نماز ادا کرے مثال کے طور پر اگر فجر قضا ہوگئی تو ظہر کی نماز پڑھنے سے پہلے فجر قضا پڑھے اور پھر ظہر کی نماز ادا کرے اور اگر جان بوجھ کر پہلے قضا نماز نہ پڑھی اور ظہر پڑھ لی تو اس کی ظہر کی نماز نہ ہوگی کیونکہ اس نے دانستہ ترتیب کو ترک کر دیا۔ امام ابوحنیفہؒ کے مطابق یہ نمازِ ظہر محض نفل نماز میں شمار ہوگی۔

صاحبِ ترتیب اُس شخص کو کہتے ہیں جس کی چھ یا چھ نمازوں سے زائد متواتر قضا نہ ہوئی ہوں۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ وقتی نمازوں سے پہلے قضا نمازوں کو ادا کرے یعنی ترتیب ملحوظ رکھے۔ تین عذروں کے ہوتے ہوئے ترتیب کا حکم ساقط ہو جاتا ہے (یعنی ختم ہو جاتا ہے)۔ پہلے تنگی وقت مثلاً عصر کا وقت اگر تنگ ہو گیا تو ظہر کی قضا عصر سے پہلے اگر پڑھے گا تو عصر بھی قضا ہو جائے گی۔ دوسرے نسیان ہونا یعنی مغرب کی نماز قضا ہو گئی اور بھول کر عشاء کی وقتی نماز پڑھ لی تو عشاء کی نماز ہو جائے گی۔ تیسرے یہ کہ چھ یا چھ سے زیادہ نمازیں قضا ہو گئیں ایسی حالت میں جو نماز چاہے پہلے پڑھ لے اس کیلئے ترتیب نہیں ہے۔ اگر عشاء کے وتر قضا ہو گئے اور باوجود یاد ہونے کے فجر کی نماز پڑھ لی تو فجر کی نماز نہ ہوگی۔ اگر اس خیال سے کہ فجر کا وقت تنگ ہے، عشاء کی قضا ترک کر دی اور فجر پڑھ لی پھر بعد میں معلوم ہوا کہ ابھی کچھ وقت ہے تو پہلے عشاء کی قضا پڑھے اور پھر فجر دوبارہ پڑھ لے اور اگر بھول کر ظہر کی نماز شروع کر دی اور بعد میں یاد آیا کہ فجر قضا نہیں پڑھی تو دو رکعت کے بعد سلام پھیر دے اور فجر قضا کے بعد دوبارہ ظہر پڑھے۔ اس طرح جس شخص نے بہت سی قضا نمازیں ابھی پڑھنی ہیں اور مزید دو موجودہ نمازیں اور قضا ہو گئیں تو بھی یہ صاحبِ ترتیب نہیں رہے گا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ جس کی ایک ماہ کی نمازیں قضا ہیں تو اگر اس نے پہلے تیس فجر، پھر تیس ظہر، تیس عصر، تیس مغرب اور تیس عشاء کی پڑھ لیں تو نمازیں درست ہو جائیں گی۔ قضا نمازوں کا علی الاعلان مسجد میں پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے۔ قضا نمازوں کو چھپ کر پڑھنا چاہیے کیونکہ اس طرح لوگوں کو شہ ملتی ہے۔ شیخِ فانی (یعنی ایسا بوڑھا جس کی اعضاء نہ کام کرتے ہوں) جس طرح چاہے نماز پڑھ لے خواہ بیٹھ کر پڑھے یا لیٹ کر اشارے سے ہی پڑھ لے۔ مُرتد کی فوت شدہ نمازوں کی قضا کو اس کے دوبارہ اسلام لانے کے بعد قضا

[1] صحیح ابن حبان، حدیث ۱۵۸۸، جلد ۴، صفحہ ۳۱۶۔

پڑھنی واجب نہیں۔ جنون والے کو ایک دن اور رات کے عرصہ میں نمازیں واجب الادا نہیں، جو شخص بیماری میں اشارے سے بھی نماز پڑھ لینے کے قابل نہ ہو تو پھر اس کو قضا پڑھنا واجب نہیں اور اگر بے ہوشی ایک دن اور ایک رات سے زیادہ رہے تو بھی اسی دوران قضا ہونے والی نمازوں کی قضا پڑھنا معاف ہے۔ اسی طرح حیض اور نفاس کے دوران کی نمازیں معاف ہیں۔

قضا کی ادائیگی میں پوشیدہ راز

مسلمانوں کی تقریباً نوے فی صد سے زیادہ تعداد بے نمازی لوگوں پر مشتمل ہے۔ راقم الحروف نے ایسے لوگوں کو نماز کی طرف راغب کرنے پر بہت غور کیا ہے اور کچھ ایسے راز دریافت کئے ہیں جن کی وجہ سے بے نمازی بھی نمازی بن سکتے ہیں۔ ان میں ایک قضا نمازوں کی حفاظت کرنا ہے، اس کی مختصر وضاحت یہاں کی جارہی ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ عام طور پر ہر مسلمان کے دل میں نمازی بننے کا جذبہ ضرور پیدا ہوتا ہے اور وہ چند روز تو باقاعدگی سے نماز ادا کرتا ہے، لیکن کبھی ایسا وقت بھی آجاتا ہے کہ ایک دو نمازیں کسی وجہ سے رہ جاتی ہیں۔ ان ایک دو نمازوں کے ترک سے ایسا نمازی پھر اکثر ہی نمازیں ترک کرنے لگتا ہے کیونکہ وہ اپنے دل میں یہ سوچنے لگتا ہے کہ کل دو نمازیں چھوٹ گئی تھیں تو اگر آج بھی کوئی نماز رہ جائے تو کیا ہوا؟ اس طرح ایک ایسا وقت آجاتا ہے کہ وہ پانچوں نمازوں کے ترک پر دلیر ہو جاتا ہے اور پھر مکمل طور پر بے نمازی ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر ترک شدہ نماز قضا کر لی جائے تو ایسا کرنے سے ایک تو شریعت کا تقاضا (قضا کا پڑھنا واجب ہے) پورا ہو جاتا ہے اور دوسرا یہ کہ قضا پڑھ لینے والا ناغے نہ کرنے کی وجہ سے بے نمازی ہونے کی نوبت تک نہیں پہنچتا کیونکہ جونہی کوئی نماز ترک ہوئی اس نے اسی دن یا دوسرے تیسرے دن اس کی قضا پڑھ لی، لیکن دوسری طرف اگر ایک ناغہ کر دیا تو پھر ناغے ہوتے ہی رہیں گے اور نوبت مکمل بے نمازی ہونے تک پہنچ جائیگی۔

نمازوں کی قضا کو نظر انداز نہ کرنے والا دل میں یہ خیال کرتا ہے کہ میں نے گو کچھ نمازیں قضا تو کی ہیں مگر ناغے تو نہیں ہوئے۔ ایسا نمازی خود کو بے نمازی نہیں سمجھے گا اور نمازوں کے ترک پر دلیر نہیں ہوگا، جب کہ قضا نمازوں کا نہ پڑھنے والا ایک دو نہیں بلکہ مسلسل نمازیں ترک کرتا ہی رہے گا، چنانچہ اگر کوئی یہ اصول بنالے کہ چھوٹی ہوئی نماز قضا پڑھی جائے گی تو وہ یقیناً پکا نمازی بن جائے گا۔ اس نقطہ کو سمجھنے سے ایک بے نمازی شخص بھی نمازی بن جاتا ہے اور راقم الحروف نے اس اصول کا بہت کامیابی کے ساتھ تجربہ کیا ہے اور سینکڑوں لوگوں کو نمازی بنایا ہے۔ گویا قضا نماز پڑھ لینے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ بندہ بے نمازی بننے سے بچ جاتا ہے بلکہ پکا نمازی بن جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں اس کتاب کے اواخر میں تفصیلاً وضاحت کر دی گئی ہے۔

اس بات پر غور کیا گیا ہے کہ ہماری موجودہ نسل کو رات گئے تک کھیل تماشوں میں وقت گزارنے کی عادت ہوگئی ہے چنانچہ جو شخص رات کو بارہ یا ایک بجے بستر پر جائے گا تو لازمی طور پر صبح کی نماز کا وقت قضا

ہونے کے بعد اٹھے گا۔ صبح بیدار ہونے کے بعد وہ دیکھے گا کہ اب تو وقت بہت گزر گیا ہے اور اب نماز پڑھنا تو ممکن ہی نہیں ۔ ایسے حالات کے دوران دیر سے اٹھنے والے کے نماز پڑھنے کا کوئی امکان نہیں رہتا ۔ بدقسمتی سے کچھ لوگوں نے یہ بھی مشہور کر دیا ہے کہ " نماز تو وقت پر ہی ہوتی ہے اور بے وقت کی نماز تو ٹکریں مارنے والی بات ہے"۔ یہ بات سراسر غلط ہے جب شریعت نے قضا نماز کو پڑھنا واجب قرار دیا ہے تو پھر اس کو" ٹکریں" قرار دے کر چھوڑ دینا حماقت ہے۔ جو لوگ صبح وقت پر اٹھ نہ سکیں انہیں یہ محسوس کرنا چاہیے کہ نماز فرض ہے اور اگر چھوٹ جائے تو قضا واجب ہے۔ اس لیے جب بھی اٹھیں تو قضا ضرور پڑھیں اور پھر اس کے بعد ناشتہ وغیرہ میں مشغول ہونا چاہیے۔ ایسا شخص رفتہ رفتہ وقت پر اٹھنے کی توفیق حاصل کر لیتا ہے۔ مستقل نمازی بننے کا یہ ایک بہت بڑا راز ہے جسے بہت کم لوگ پہچان سکتے ہیں جو شخص چاہے کہ اس کی نماز پختہ ہو جائے اسے آزما کر دیکھے۔

جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے اس کے علاوہ اگر کوئی دو اور باتوں کا خیال رکھے تو یہ اسے نمازی بننے میں مزید مدد دے گا۔ پہلی بات یہ کہ وہ جان لے کہ نماز کا پڑھنا نہایت ضروری ہے ۔ اس کو کسی حالت میں ترک نہیں کرنا چاہیے۔ نماز کی اہمیت اس کتاب میں بیان کر دی گئی ہے، چنانچہ نماز کے ترک کو معمولی بات نہ سمجھے اور ضرور نماز پڑھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تواتر سے نماز نہ پڑھنے والے کیلئے ضروری ہے کہ نماز کو مختصر پڑھے یعنی سنت غیر مؤکدہ اور نوافل کو عارضی طور پر ترک کر دے۔ اس طرح عشاء کی نماز بجائے سترہ رکعت کے صرف نو رکعت رہ جاتی ہے۔ (یعنی چار فرض دو سنت اور تین وتر) اور اتنی مختصر نماز چند منٹوں میں آسانی سے پڑھی جا سکتی ہے۔ جب کوئی پکا نمازی بن جائے تو پھر بے شک ۱۰۰ نفل روزانہ ادا کرے۔ نمازی بننے کیلئے یہ نکات مؤثر اور آزمودہ ہیں ۔ نماز کا ناغہ کرنا گناہِ عظیم ہے۔ اگر نماز کو اہمیت دیتے ہوئے بسم اللہ کی جائے تو اللہ کی مدد اس طرح شامل حال ہوگی کہ آپ ایک بالشت اس کی طرف جائیں تو وہ ایک ہاتھ کی مقدار آپ کی طرف آئے گا اور اگر آپ پیدل چلیں تو وہ بھاگ کر آپ کی طرف آئے گا۔ ایسے کام کو کل پر نہ چھوڑیں بلکہ آج اور ابھی سے شروع کر دیں انشاء اللہ کامیابی قدم چومے گی۔

نمازِ قصر کی حیثیت اور ادائیگی

" قصر" طول کی ضد ہے اور اس کے معنی کسی چیز کو کوتاہ کرنے کے ہیں۔ نماز کی قصر یہ ہے کہ سفر کی مدت کے دوران نمازوں کو اختصار کے ساتھ پڑھا جائے ۔ جن نمازوں میں چار فرض ہیں ان میں بجائے چار کے دو پڑھے جائیں۔ درج ذیل آیت میں نمازِ قصر کی اجازت دی جا رہی ہے۔ "وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا" (النساء:۱۰۱) (اور جب تم سفر کرو زمین پر تو نہیں تم پر کچھ حرج اگر تم قصر کرو

نماز میں اگر تم ڈرو اس بات سے کہ تکلیف پہنچائیں گے تمہیں کافر)۔اس آیت میں اگرچہ کفار کے ڈر کا ذکر ہے مگر ابتدائے اسلام کے وقت تو حقیقتِ حال یہی تھی یعنی اس وقت مسلمان تمام سفروں میں کفار کے خوف سے گھرے ہوئے تھے مگر بعد میں حضور نبی اکرم ﷺ ہر سفر میں بھی (جب کفار کا خطرہ نہ رہا) نماز قصر ہی پڑھتے رہے۔

حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم تو امن میں ہیں تو پھر قصر کیوں پڑھتے ہیں۔ فرمایا اس کا مجھے بھی تعجب ہوا تھا۔ میں نے سیدِ عالم ﷺ سے دریافت کیا، آپ ﷺ نے فرمایا ''صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهٗ''[1] (یہ) تمہارے لیے اللہ کی طرف سے صدقہ ہے، تم اس صدقہ کو قبول کرو)۔

جب سفر اس قدر آسان ہو گیا اور تکالیف کا دخل نہیں تو پھر سنّت مؤکدہ کو ترک نہیں کرنا چاہیے بلکہ صوفیائے کرام فرائض کی قصر کے ساتھ باقی تمام نماز کو پورا ادا کرتے ہیں (کیونکہ قصر فرائض کی ہے نہ کہ سنّتوں وغیرہ کی)۔قصر کے مسائل کیلئے کتبِ فقہ سے رجوع کریں، کیونکہ اس کتاب کا مقصود نماز کے فضائل کا ذکر ہے البتہ اس سے متعلق کچھ ضروری مسائل بیان کئے جا رہے ہیں، وہ یہ کہ اگر ۵۷ میل اور تین فرلانگ کا سفر ہو تو چار کی بجائے دو فرض ہی پڑھے جائیں گے، مگر قصر میں مغرب کے فرض تین ہی رہتے ہیں۔ اگر پندرہ دن سے کم ٹھہرنا ہو تو قصر پڑھے، خواہ بعد میں حالات بدلنے کی وجہ سے پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنا پڑے، مگر جونہی پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کا فیصلہ ہو جائے تو اسی دن سے نماز پوری پڑھنا شروع کی جائے۔ اگر صبح گھر سے جائے اور سفر کے بعد شام کو گھر واپس آ جائے تو سفر میں قصر پڑھے گا اور گھر میں پہنچنے پر قصر ختم ہو جائے گی۔ اگر ۵۷ میل اور تین فرلانگ کا سفر ہو تو جونہی اپنے شہر کی حدود یا گاؤں کی حدود سے تجاوز کرے گا، قصر شروع ہو جائے گی، مثلاً لاہور کے رہنے والا دریائے راوی کا پل عبور کرنے کے بعد قصر شروع کر دے گا اور جب اس کی حدود میں واپس آ جائے گا تو پوری نماز پڑھے گا۔ کچھ لوگ ریلوے سٹیشن پر پہنچ کر قصر نماز شروع کر دیتے ہیں جو درست نہیں۔ اگر کسی کا گھر بار ایک جگہ اور کاروبار دوسری جگہ ہے تو اپنے گھر یا بستی میں پوری نماز پڑھے گا۔ جس شہر میں بیوی رہتی ہو وہاں پوری نماز پڑھے جائے گی۔ بیوی کیلئے میکہ وطن نہیں ہے بلکہ اس کے سسرال کا مقام یا شہر وطن ہے۔

بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ نماز قصر میں صرف فرائض اور وتر ہی پڑھے اور سنّتیں ترک کر دے اور بعض نے سنّتیں پڑھنے کا بھی لکھا ہے۔ اس زمانے کے تمام مشائخ کو دیکھا گیا ہے کہ وہ محض فرائض قصر کرتے ہیں اور ساتھ وتر اور سنّتیں بھی پوری پوری ادا کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ قصر کا حکم صرف فرائض نماز کیلئے ہے کیونکہ قرآن میں ''أَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ'' (النساء:۱۰۱) کا ذکر آیا ہے اور صلوٰۃ سے مُراد فرض نماز ہے سنّتیں اس سے مراد نہیں لہٰذا سنّتیں پوری پڑھی جائیں گی۔

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۱۱۰۸، جلد ۳، صفحہ ۶۲۔

فریضۂ نماز کی غرض وغایت

مختلف مذاہب کے احکامات اور قوانین کی کوئی نہ کوئی غرض وغایت ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر وہ عبادت جو اسلام میں فرض کی گئی ہے کسی نہ کسی اعلیٰ مقصد اور نصب العین کے پیشِ نظر متعین ہوئی ہے۔ اگر اس عبادت کے آداب وشرائط کو بجا نہ لایا جائے اور اُس کے نصبُ العین یا مقصد کو نظر انداز کر دیا جائے تو وہ عبادت اپنی افادیت کھودیتی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہماری عبادت کی محتاج نہیں اس لیے ہماری ان عبادات کے فوائد فقط مخلوق کیلئے روا ہیں، ہر عبادت کی ادائیگی میں اس کا ایک ''ظاہر'' ہوتا ہے اور ایک ''باطن'' ظاہر تو اس کی شکل و صورت سے متعلق ہوتا ہے اور باطن سے اس عبادت کی رُوح وابستہ ہوتی ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ یہ عبادات اللہ تعالیٰ کا مقصود نہیں بلکہ ان عبادات کا مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ بندہ ان عبادات سے وصلِ الٰہی اور اس کی خوشنودی حاصل کرتا ہے اور وہ اسی حالت میں ممکن ہے جب ان عبادات میں مخفی اعلیٰ مقاصد کا حصول ہو جائے۔ مثلاً جانوروں کی قربانی دینے سے اس جانور کا گوشت اور خون اللہ تعالیٰ کو نہیں پہنچتا بلکہ اس میں مخفی قربانی کا جذبہ اور تقویٰ اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے (الحج:۳۷) ایسے ہی دولت حاصل کرنے کا مقصد (روٹی، کپڑا اور مکان وغیرہ کی) آسائش کا حاصل کرنا ہے لیکن اگر انسان دولت کے اس مقصد کو نظر انداز کر دے (اور صرف دولت کے جمع کرنے پر کمر بستہ ہو جائے) تو یہ بخل میں شمار ہوگا اور ایسی دولت عذابِ الٰہی کی طرف لے جائے گی، چنانچہ ہر عبادت کی غرض وغایت کا جاننا ضروری ہے تاکہ اس عبادت کا مقصود حاصل ہو سکے۔

نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے بے بہا خوبیوں کے ظہور کا وعدہ فرمایا ہے، حتیٰ کہ نماز کے ادا کرنے کیلئے جو جو حرکاتِ بدنی عمل میں آتی ہیں ان سے بھی کثیر فوائد کا مُرتب ہونا احادیث اور دیگر روایات میں وارد ہوا ہے۔ حضرت مجددِ الف ثانیؒ نے مکتوبات شریف میں فرمایا ہے کہ سجدے کی حالت میں ہاتھوں کو کانوں کے برابر رکھنے سے بہت سے فوائد مُرتب ہوتے ہیں۔ اس ایک بات سے باقی فوائد کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ نماز کے کیا کیا اغراض و مقاصد ہیں اس بات کا صحیح علم تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے پاس ہے، تاہم جو کچھ ہم تک پہنچا ہے اس میں سے کچھ یہاں بیان کیا جارہا ہے۔

روحِ نماز دکھی انسانیت کے ساتھ محبت کرنا ہے

کسی چیز کی غایت معلوم کرنے کیلئے اس کی روح کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے قرآن اور حدیث کے مطالعے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کی نماز کی غرض وغایت بندے کی خدا کے سامنے اپنی غلامی، تابعداری، عاجزی وانکساری اور مخلوق ہونے کا اعتراف کرنا ہے اور خدا کا غلام ہونے کی وجہ سے اس پر یہ واجب ہوتا ہے کہ وہ حکمِ الٰہی اور رضائے خداوندی کے مطابق اس کے پریشان حال بندوں کو آسودگی اور

آسائش مہیا کرتا رہے۔ قرآن میں جگہ جگہ فرمایا گیا ہے کہ "نیکی یہ ہے کہ اپنا مال جی کھول کر مستحق لوگوں پر خرچ کیا جائے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "بندوں میں سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کیلئے بہتر ہو"۔[1] اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "کَآفَّةً لِّلنَّاسِ" (یعنی تمام انسانوں کی طرف ہدایت دینے والا بنا کے بھیجا ہے)(سبا:۲۸) قرآن کریم کی بے شمار آیات اس طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دُکھی مخلوق کی محبت اور خدمت کیلئے اپنے انبیاء اور اولیاء کو مخصوص فرمایا اور اس کو سب سے بڑا فریضہ قرار دیا ہے۔ روحِ نماز دراصل وہ جذبہ اور طرزِ عمل ہے جو معاشرے کے بے سہارا ضرورت منداور پریشان حال لوگوں کی زندگی سنوارنے سے وابستہ ہو۔ یہی عمل اصلِ دین ہے (دیکھیں سورۃ البقرہ آیت ۷۷ اور ۲۲۵، سورۃ الدہر آیت ۸، سورۃ البلد آیت ۱۲ تا ۱۹، الفجر آیات ۱۷ تا ۲۰ اور سورۃ الماعون آیت ۲، سورۃ توبہ آیات ۹۹، ۱۰۰ وغیرہ)۔

نماز کے مقاصد میں اصل بات خدمتِ انسانیت ہے

ذیل میں خدمت انسانیت کے حوالے سے نماز کے تین مقاصد کو بیان کیا جارہا ہے پہلا حصہ جس کا تعلق انسانیت کی خدمت من حیث القوم ہے دوسرا حصہ من حیث الفرد (انفرادی اعتبار سے) اور خدمت کا تیسرا حصہ انسانیت کی خدمت روحانی زندگی کے اعتبار سے ہے جس کیلئے صوفیائے کرام کو مخصوص کیا گیا ہے تاکہ وہ اپنی روحانی قوت سے دُکھی مخلوق کی خدمت کریں۔

ا۔ قومی اعتبار سے

نماز میں مسلمانوں کو بے مثل نظم و نسق اور تنظیم اعمال و تخیلات میں یکجہتی کا سبق دیا گیا ہے۔ اس کی منشا یہ ہے کہ پوری قوم متحد ہو کر آگے بڑھے۔ اجتماعی طور مسلمان جہاد بالنفس، جہاد بالسیف اور تحفظِ جان و مال کی تربیت کے علاوہ تحفظِ نظر و فکر اور مذہبی امور میں مکمل آزادی حاصل کرے اور پھر اس آزادی کو برقرار رکھ سکے۔ مسلمان کی یہ شان نہیں کہ وہ محکومی اور غلامی کی زندگی بسر کرے۔ نماز جیسے عظیم فریضہ کی ادائیگی سے مسلمان قوم کے افراد کے دل میں ایسی روح بیدار ہوتی ہے جس کی بدولت وہ اپنے اعمال اور کردار کو اسلامی معیار کے مطابق وضع کر سکے اور اس پر کسی غیر قوم کا دباؤ اثر انداز نہ ہونے پائے۔ مسلمان قوم کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے بلند پایہ افکار و نظریات اور زورِ تحقیق و تخلیق سے دنیا بھر میں ایک آزاد اور خود مختار قوم کی طرح عدل و انصاف اور امن و سلامتی کا نظام قائم کر سکے۔ اس کیلئے اسلامی شعائر کی پابندی لازمی امر ہے جس کا تحقق بالخصوص اجتماعی طور پر نماز کی پابندی کے بغیر ممکن نہیں، گویا نماز ہی مسلمان کو ایک مہذب قوم کی صورت میں اقوامِ عالم کی صفِ اول میں لاکر کھڑا کر دیتی ہے مگر اس نماز سے مراد حقیقی نماز کا درجہ ہے۔

---

[1] المعجم الاوسط، حدیث ۵۹۴۹، جلد ۱۳، صفحہ ۲۷۔

مسلمان روز مرہ کی نماز کیلئے محلّوں میں جمعہ کی نماز کیلئے شہر کی بڑی مسجدوں میں اور حج کیلئے بین الاقوامی سطح پر مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ روز مرہ کی نماز میں محلہ داروں کا اجتماع اپنی مشکلات کے حل کا ذریعہ بن سکتا ہے اور عیدین و جمعہ کی نمازوں میں تمام شہر کے لوگ اپنے اجتماعی معاملات کو سلجھانے کیلئے اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح حج میں یہ اجتماع مسلمانوں کے بین الاقوامی معاملات کو حل کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔ اسلام نے یہ مواقع اس لیے فراہم کئے تا کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے کی مدد اور استعانت کیلئے مختلف مقامات پر یکجا کیا جائے اور مسلمان باہم غور و خوض کر کے ایک دوسرے کی مشکلوں کا حل تلاش کریں مگر افسوس کہ معاملات اس کے بالکل برعکس ہیں۔ محلے اور شہر کے کروڑ پتی دوسروں کے فقر و فاقے سے بے خبر ہیں۔ جمعہ اور عیدین کے اجتماعات کا بھی یہی حشر ہوتا ہے۔ متمول اور صاحبِ اقتدار لوگ تو بہت کم ہی مساجد میں آتے ہیں اور جو لوگ ان مواقع پر حاضر ہو جاتے ہیں ان کی ملاقات اس قدر لاتعلقی کا لبادہ اوڑھے رہتی ہے کہ ان کی یہ ملاقات محض رسمی علیک سلیک سے آگے نہیں بڑھتی۔ لوگوں کی نفسانفسی نے ان کو نماز کی زبردست افادیت سے محروم کر دیا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ایک مسلمان کا دوسرے پر حق ہے، سائل اور محروم کا بھی حق قرآن نے دیا ہے۔ حاجت مندوں کی مدد صاحبِ استطاعت پر واجب ہے۔ نماز مسلمانوں سے یہ تقاضا کرتی ہے کہ پورے علاقے میں کوئی بے یار و مددگار نظر نہ آئے حتیٰ کہ زکوٰۃ کے قبول کرنے والا بھی کوئی نہ رہے۔ یاد رہے کہ قرونِ اولیٰ میں اور بالخصوص حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلامی معاشرے کا یہی حال تھا۔ نماز میں مختلف طبقات کے لوگ اس طرح یکجا ہو جاتے ہیں کہ محمود و ایاز کا ایک ہی صف میں کھڑے ہونے کا منظر نظر آتا ہے۔ اس عمل سے جذبۂ اخوت و محبت اور یگانگت پیدا ہوتا ہے جو تکبر، نخوت اور بیگانگی جیسی قبیح اخلاقی عادات کا قلع قمع کر دیتا ہے۔ اگر نماز میں یہ اثرات مرتب ہوں تو نماز درست ہے ورنہ ایسا نمازی نماز کے مقاصد و اغراض سے بے بہرہ اور بے خبر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جہاد میں چڑھائیاں آتی تھیں تو صحابہ کرام تکبیر کہتے تھے اور اتار آتا تو تسبیح پڑھتے تھے۔ یہی اصول نماز میں موجود ہے کہ جب سر اٹھاتے ہیں تو اللہ اکبر کہتے ہیں، سجدہ میں جاتے ہیں تو سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کہتے ہیں۔ جہاد کے اصول پر نماز کو قائم ہی نہیں کیا گیا ہے بلکہ جہاد میں نماز کا طریقہ ملحوظ رکھا گیا ہے کیونکہ نماز ابتدائے اسلام سے وجود میں آئی اور جہاد کی تاریخ ہجرت کے بعد کی ہے۔ گویا نماز سے ہر شے متاثر ہوتی ہے۔

نماز میں مسلمانوں کیلئے نظامِ وحدت کا اصول کارفرما ہے۔ اگر اسلام میں ایک خدا، ایک قرآن، ایک رسول، ایک قبلہ، ایک دین نہ ہوتا تو وحدت کا نظام قائم نہ ہوتا۔ یہ سب کچھ ایک نماز میں موجود ہے اور اس سے تمام روئے زمین کے کروڑوں مسلمان ایک جماعت کی مجسم صورت بن کر رونما ہوتے ہیں۔ اس وحدت نے تمام مسلمانوں کی سوچ کو وحدتِ فکر کا درجہ دے دیا تھا، گویا ایک کا نقصان سب کا نقصان ہے اور ایک کا

فائدہ سب کا فائدہ ہے اور جو ایک نے دیکھا ویسا سب ہی نے محسوس کیا ہو تو وہ وحدت ہے۔ مسلمان قوم کے تمام لوگ اگر وحدتِ فکر اور وحدتِ عمل میں رنگ دیئے جائیں تو اس سے بڑی اور کیا کامیابی ہو سکتی ہے۔

نماز اخلاقی، تمدنی اور معاشرتی فوائد کی بھی ضامن ہے اور اسلام میں جس قدر اصلاحات وجود میں آئیں ان کا بڑا حصہ نماز کی بدولت ہے۔ ان اصلاحوں کے سبب عرب کے وحشی لوگوں کو مہذب و متمدن بنا دیا گیا اور جب متمدن قوموں نے اسلام میں آ کر نماز کو اپنایا تو ان کو خاک سے اٹھا کر اکسیر بنا دیا۔ نماز مسلمانوں کو اپنے جسم اور اعضاء کے پاک اور ستھرا رکھنے پر مجبور کرتی ہے۔ ناپاک اور برہنہ قوموں کو اس نے طہارت اور ستر پوشی عطا کی۔ نماز میں طہارت کو قائم کرنا طبی، اصولوں کے مطابق نہایت مفید ہے۔ وضو، مسواک اور غسل بے شمار بیماریوں سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ نماز میں مسلمانوں کو پابندی وقت، شب خیزی، خدا خوفی، چستی اور ہوشیاری کے علاوہ دماغی ذہانت اور قلبی تصفیہ و تزکیہ اور پاکیزگی ملتی ہے۔ نماز کا ایک امتیازی نشان یہ ہے کہ قرآن میں نماز کو مومن اور منافقین کے درمیان حدِ فاصل قرار دیا گیا ہے کیونکہ حج، زکوٰۃ اور روزہ وغیرہ میں منافقین کا پہچانا جانا ممکن نہیں ہے۔ سورۂ نساء کی آیت ۱۴۲ میں فرمایا گیا ہے کہ منافق لوگ جب نماز پڑھتے ہیں تو کسل مندی (یعنی علالت، سستی اور کاہلی) سے پڑھتے ہیں۔

نماز کے تمام اوقات اس طرح وضع کیے گئے ہیں کہ دن اور رات کے ہر حصے میں کاموں کی ابتداء نماز سے ہو۔ جو قوم اس سعادت سے بہرہ ور ہو اس کی قوت اور عظمت کا اندازہ کون نہیں کر سکتا۔ نماز کی عبادت مسلمانوں کے دلوں میں نظم جماعت اور جذبہ اطاعت کی پرورش کرتی ہے، جس سے یکجہتی اور محبت فروغ پاتی ہے۔ مسلمان نماز کے ذریعے نہ صرف مساوات کا درس حاصل کرتے ہیں بلکہ میدانِ عمل میں استقلال و مواظبت پر گامزن رہتے ہیں جس سے اخلاق کی استواری اور چال چلن میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ''اِنَّ أَحَبَّ الْعَمَلِ إِلَى اللهِ أَدْوَمُهُ وَإِنْ قَلَّ'' (محبوب ترین عمل خدا کے نزدیک وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ وہ کتنا ہی کم ہو)۔[1]

۲۔ انفرادی اعتبار سے

جان لینا چاہیے کہ نماز کو ادا کرتے رہنے سے بے شمار فوائد مرتب ہوتے ہیں جن میں چند فوائد حسب ذیل ہیں۔

(i) نماز ایک ایسی عبادت ہے جو بندے کو اللہ سے ہمکلام کر دیتی ہے اور اس میں مومن کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مواصلت اور معراج ہوتی ہے، چنانچہ نماز کو رسمی طور پر یا عادتاً نہیں ادا کرنا چاہیے بلکہ مسلمان کو چاہیے کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مواصلت قائم کرے اور معراج حاصل کرے۔ اس نماز کی ادائیگی کے حکم میں اللہ تعالیٰ کا منشا یہی ہے کہ میرے بندے بار بار میرے دربار میں حاضری دیں اور میں اپنے انوار و فیوضات

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۵۰۴۳، جلد ۱۳، صفحہ ۴۳۸۔

سے ان کو ہر بار سیراب کرتا رہوں۔ انوارِ الٰہیہ سے ہی اسرارِ نہانی (جو انسان میں مخفی ہیں) کھل جاتے ہیں اور وہ کمالاتِ انسانی سے موصوف ہو جاتا ہے۔

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی (۱۷۵)

(ii) انسانوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ''اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ'' کے جواب میں ''بَلیٰ'' کا عہد کیا تھا اور نماز کی صورت میں وہ اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر ہر نماز میں تجدید عہد کرتے ہوئے اعتراف کرتا ہے کہ وہ خدا کے سوا کسی اور کا غلام نہیں اور بار بار اپنی غلامی، تابعداری اور بندگی کا یقین دلاتا ہے تاکہ وہ اپنے عہد وفاداری کو بھول نہ جائے۔ مسلمان اس بات کو جان لیتا ہے کہ اس کا سر اسی کے دربار میں جھکے گا، اس کے احکام کی ہی تابعداری کرے گا اور اسی کو رازقِ مطلق سمجھے گا۔ اس کا جینا مرنا اسی کیلئے ہوگا اور حق و باطل کے میدان میں وہ حق کا ہی ساتھ دے گا۔ مسلمان کا اس انداز میں سوچنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ نماز کی حاضری اگر اسی انداز سے ہو تو بندہ اخلاقِ الٰہی سے متصف رہتا ہے یعنی وہ اپنے معبود کے قُرب میں بار بار جاتا ہے حتیٰ کہ خدا کی معیت سے مسلمان ''بندہ مولا صفات'' بن جاتا ہے۔

(iii) نماز کی عبادت، قیام، رکوع، سجود، قعود، قرأت، تسبیحات، تحمید اور ثناء خوانی وغیرہ کا مجموعہ ہے۔ ایک نمازی اپنی نماز کی ادائیگی کے دوران مندرجہ بالا عبادات کے اثرات اخذ کرتا ہے اور ان سب کے فیوضات و برکات سے مالا مال ہوتا ہے، جن کی جھلک اس کی سیرت واخلاق اور کردار و عمل میں نظر آتی ہے اور چہرے پر نورانیت اور چمک کی صورت میں رونما ہوتی ہے۔ ان اثرات سے اس کے قلب میں ارضی وسماوی وسعتوں سے زیادہ کشادگی حاصل ہوتی ہے۔ ایسے احوال میں بندۂ مومن تسخیرِ کائنات کے کمال سے متصف ہو کر کائنات میں تصرّف کرنے لگتا ہے۔ اس کے حکم سے زمین وآسمان کے درمیان کوئی چیز روگردانی نہیں کرتی۔ گویا اس کے اشارے کشادِ شرق وغرب کا سبب بننے لگتے ہیں اور وہ اطاعت گزاری سے نیابتِ الٰہی کے درجے پر فائز ہو جاتا ہے۔

(iv) عملی زندگی میں یہ بات دیکھی گئی ہے کہ جو شخص باقاعدگی سے نماز ادا کرتا ہے اس کی یہ نماز اس کے گھر والوں کو بیماری، بھوک ننگ، فقر وفاقہ اور دیگر مصائب سے حفاظت میں رکھتی ہے۔ عموماً لوگوں پر کالا علم، جن بھوت اور ہوائی چیزوں کے اثرات دیکھے جاتے ہیں کیونکہ بہت سی امراض ان ہوائی مخلوق کے اثر سے ہی وجود میں آتی ہیں۔ ان اثرات کی تصدیق بہت بڑے بڑے علماء اور مشائخ نے اپنی کتب میں کی ہے۔ کلامِ الٰہی اور نماز، روزے سے ان ہوائی چیزوں کا علاج ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ چیزیں برحق ہیں اور اس روگ کا علاج نماز روزہ ہی میں ہے۔ راقم الحروف کے پاس بے شمار لوگ بیماریوں اور آفات کے علاج کیلئے آتے ہیں مگر آج تک کوئی ایسا گھرانہ دیکھنے میں نہیں آیا جس کے رہنے والے عابد وزاہد ہوں اور ان کے گھروں میں آفات نے ڈیرہ جمالیا ہو، چنانچہ جو لوگ مصیبت زدہ نظر آتے ہیں انہیں نماز روزہ کی ہی تلقین کی

جاتی ہے۔ جس گھر میں نماز کی پابندی ہو گئی، تمام آفات اس گھر سے غائب ہو جاتی ہیں اور دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کرتیں۔ قرآن اور حدیث کے مطابق ایسے مصائب صرف ان لوگوں کے آس پاس منڈلاتے ہیں جو یاد الٰہی سے غافل ہوں اور خدا کی نافرمانی پر کمر بستہ ہوں۔ مُعَوِّذَتَین اور سورۂ ملک کا نزول انہی اثرات کو دور کرنے کیلئے ہوا تھا۔ قرآن نے ہر مصیبت کا علاج صبر کرنا اور نماز پڑھنا ہی تجویز کیا ہے۔ ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ط'' (البقرہ: ۱۵۳) (اے ایمان والو! مدد طلب کرو صبر اور نماز سے)۔

۳۔ روحانی اعتبار سے

تمام روحانی مقامات کے حصول کی شرطِ اول شریعتِ مصطفوی ﷺ کی اتباع ہے جو لوگ شریعت کی اتباع کو چنداں ضروری نہیں سمجھتے وہ پرلے درجے کے فاسق اور فاجر ہیں۔ ایسے لوگ ہندوؤں اور غیر مسلموں کی طرح چلّوں کی مدد سے اپنے اندر کچھ ایسی باتیں پیدا کر لیتے ہیں۔ جس سے عوام تو متاثر ہو جاتے ہیں مگر اللہ کے ہاں ان کا کوئی مقام نہیں، بلکہ یہ لوگ آخرت میں ذلیل و رسوا ہوں گے۔ نماز عبادت کی روح ہے اور تمام روحانی کمالات کا پہلا اور آخری زینہ ہے۔ جو لوگ خود کو اس عبادت سے متصف کر لیتے ہیں وہی اللہ کی عطاؤں کے لائق بنتے ہیں اور بڑے بڑے رُوحانی مقامات و مناصب پر فائز ہوتے ہیں۔ اس راہ کے بغیر آج تک کوئی کسی روحانی مقام کو حاصل نہ کر سکا۔ نماز سے روحانی معاملات کیسے حل ہوتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) جو شخص نماز کا خوگر ہوا گویا اس نے اپنے تمام معاملات کو اللہ کے سپرد کر دیا اور اپنی تمام خواہشاتِ دنیوی کو چھوڑ کر اللہ کے حکم کی طرف رجوع کیا۔ یہی نکتہ طریقت کی اصل ہے کہ کوئی مسلمان اپنی ہر چیز کو اللہ کی ملک کر دے۔ یہ جذبہ بڑھتے بڑھتے مقاماتِ عُلیا تک لے جاتا ہے، گویا نماز روحانیت کی ابتداء ہے اور انتہاء بھی (اگلے صفحات پر ''حقیقتِ نماز بلند ترین مقام ہے'' ملاحظہ فرمائیں)۔

(۲) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا ہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا قُرب کسی طریق سے بھی ممکن نہیں کیونکہ ایک حدیث کے مطابق موت ہی عالمِ آخرت کا سب سے پہلا زینہ ''جَسْرُ الْاٰخِرَةِ'' ہے اور اللہ کا دیدار اور قُرب آخرت میں ہی ممکن ہے، چنانچہ جب تک انسان موت سے لاحق نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کا قُرب متصور نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اس دنیا میں کچھ قُربِ الٰہی میسر ہو سکتا ہے تو وہ نماز کے علاوہ کسی عبادت میں نہیں ہو سکتا۔ مسلمان کو یہ قرب کعبہ شریف کے ذریعہ نماز میں حاصل ہوتا ہے۔ حقیقتِ کعبہ کے باب میں یہ ذکر ہوگا کہ کعبہ کی عمارت، نمازی اور حقیقتِ کعبہ کے درمیان برزخ ہے یعنی کعبہ کے ایک طرف نمازی ہوتا ہے اور دوسری طرف حقیقتِ کعبہ (جس کو ذاتِ الٰہی کے اسرار کے پردے بھی کہا جاتا ہے) گویا اس طرح نمازی اللہ تعالیٰ کا وہ قرب حاصل کر لیتا ہے جو کسی اور عبادت میں نہیں ہے۔

(۳) کعبے کے ذریعہ مندرجہ بالا تعلق باللہ ہو جانے سے، نمازی کی روح کو نماز کی حالت میں عالمِ امر کی

طرف پرواز میسر ہوجاتی ہے، چنانچہ نمازی جب ابتدائی مرحلے طے کرلیتا ہے تو عرش اعظم پر مصلیٰ گزارتا ہے۔ اس پرواز کے دوران نمازی کی روح کو بادشاہِ حقیقی کی طرف انعامات دیئے جاتے ہیں اور کچھ دیر کے بعد یہ انعامات انوارِ الٰہیہ کی شکل میں بارش کی طرح نمازی پر برسنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک چونکہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، اس لیے اس کے انعامات بھی باقی ہوتے ہیں اور نماز کے بعد بھی نمازی پر اپنا اثر رکھتے ہیں۔ نماز میں اور نماز کے بعد قلبی سکون کا حاصل ہونا اسی وجہ سے ہوتا ہے۔ انوارِ الٰہیہ کی اس بارش کے سبب تمام گناہوں کی غلاظتیں دھل جاتی ہیں اور نمازی کی روح میں پوشیدہ اسرار جو بطور ''سر'' روح میں موجود رہتے ہیں ان انوار سے کھلنے شروع ہوجاتے ہیں۔ ان اسرار کا کھلنا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے کوئی بیج سورج کی روشنی کے حاصل ہونے کے بعد اپنی زمین سے کونپل اور پتوں کی شکل میں سر نکالتا ہے اور رفتہ رفتہ قد آور درخت بن جاتا ہے۔ بعینہٖ نمازی کے اعمال اور کردار میں ان تمام اسرار کی رونمائی شروع ہوجاتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانی روح میں مخفی کردیئے ہیں۔ ان اسرار کے پھوٹنے کی علامات کچھ اس طرح نظر آتی ہیں کہ نمازی کے چہرے پر انوارِ جلال الٰہی کی چمک ظاہر ہوتی ہے۔ وہ شریعت کا پابند ہوجاتا ہے۔ اس کے اعمال اور افعال حکمِ الٰہی کے پابند ہوجاتے ہیں، اس کے علم میں اضافہ ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ علم لدنیہ سے نوازا جاتا ہے اور آخر میں اس اطراف و اکناف کے اسرار منکشف کردیئے جاتے ہیں جس کی انتہاء یہ ہے کہ ''مَنْ اَطَاعَ اللہَ فَقَدْ اَطَاعَهٗ كُلُّ شَيْءٍ'' (جس نے اللہ کی اطاعت کی ہر چیز اس کی اطاعت گزار بن گئی) کے مصداق پوری کائنات اس کے تابع ہوجاتی ہے۔ خدا کی اس تابعداری کے بعد وہ تمام کائنات پر خدا کی اجازت سے اپنا حکم چلاتا ہے اور کوئی چیز اس کے حکم سے روگردانی نہیں کرتی۔ اللہ اکبر! یہ کتنا بڑا درجہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے ماننے والوں کیلئے وعدہ کر رکھا ہے۔ مگر افسوس کہ مسلمان ان چیزوں کی چنداں پرواہ نہیں کرتے اور دنیا کے چند جھوٹے سکوں کی خاطر زندگی اور آخرت کو تباہ کرلیتے ہیں۔ ایسے لوگ دنیا اور آخرت میں ذلیل و خوار و رسوا ہوتے ہیں جب کہ اس کے تابعداروں کیلئے یہ دُنیا بھی ہے اور اس دُنیا کے بعد کمالِ عیش و عشرت کا سامان بھی، درجات کا یہ عروج عبادات اور مجاہدات کے مطابق دیا جاتا ہے۔

(۴) نماز کی غرض و غایت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بندۂ مومن اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرے، چنانچہ نماز میں خدا کے بے پایاں احسانوں کا زبان اور دل سے شکر ادا کیا جاتا ہے اور نماز کے بعد اپنے اعمال کو بھی شکر گزاری کے سانچے میں ڈھالا جاتا ہے۔ قرآن کی بہت سی آیات اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ جو لوگ نماز میں اپنے سر کو جھکا کر خدا کی عظمت اور اپنی عاجزی و بے چارگی کا اظہار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں رفعت اور سربلندی سے نوازتے ہیں۔ اس عجز و نیاز کی وجہ سے تکبر اور غرور کو دور کردیا جاتا ہے اور اخلاقی، نفسانی اور روحانی کمزوریوں کو دور کردیا جاتا ہے، گویا اسلام جس طرح کے جذبات اور محرکات پیدا کرنا چاہتا ہے ان سب کا سرچشمہ نماز ہی ہے اسی لیے نماز کو دین کا ستون کہا جاتا ہے۔

(۵) نماز ایک اجتماعی عبادت ہے اور اس بات کا موقع بہم پہنچاتی ہے کہ چند نیک لوگ ایک جگہ جمع ہو جائیں اور ان میں سے کاملین اپنے عام ساتھیوں کو اپنے فیوض و برکات سے نوازیں۔ یاد رہے کہ روحانی فیض اولیائے کرام کی معیت میں تقسیم کیا جاتا ہے، چنانچہ بُرے لوگ جب اچھوں کی سنگت میں کچھ وقت گزار لیتے ہیں تو یہ ان کے رُوحانی درجات کی بلندی کا سبب بن جاتا ہے۔ مشہور ہے کہ دیئے سے دیا جلتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح رُوحانی علم سینوں میں بذریعہ انعکاس تقسیم ہوتا ہے، چنانچہ نماز روحانی مشغلوں کے جلنے کے مواقع فراہم کرتی ہیں۔

(۶) نماز کی ادائیگی مسلمان کو ان تمام منازل کے طے کرنے میں مدد دیتی ہے جو منصبِ ولایت کیلئے ضروری سمجھی جاتی ہیں اور مسلمانوں کو فنا اور بقاء کی نعمتوں سے سرفراز کرتی ہیں۔ ان صلاحیتوں کے حصول کے بعد ہی نمازی رفتہ رفتہ مردِ کامل کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور ابدی انعامات حاصل کر کے بقاء اور دوام کی زندگی حاصل کر لیتا ہے۔ ایسے لوگوں کا کردار اس نہج پر پہنچ جاتا ہے کہ موت کے بعد بھی وہ زندہ رہنے کی صلاحیت حاصل کر لیتے ہیں۔ دیکھئے بایزید بسطامیؒ، جنید بغدادیؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ وغیرھم آج بھی زندہ ہیں۔ علامہؒ نے فرمایا۔

ہو اگر خود نگر و خودگر و خود گیری خودی یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے [۱۷۱]

ہرگز نہ میرد آنکہ دِلَش زندہ شد بہ عشق ثبت است بر جَریدہ عالم دوامِ ما

(ہرگز نہیں مرتا وہ جس کا دل عشق سے زندہ ہو جائے اس عالم کے رسالے میں ہمارا ہمیشہ رہنا لکھا جا چکا ہے)

حقیقتِ نماز کا حاصل ہونا بہت بلند مقام ہے

حضرت مجدّد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ حقیقتِ نماز کا مقام ہر مقام سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اگرچہ مختلف عبادات سالک کو ولایت تک پہنچا دیتی ہیں مگر حقیقتِ نماز کا درجہ ولایت علیا سے بھی اعلیٰ اور ارفع ہے۔ مشائخ کرام نے ولایت کے تین درجے بیان کئے ہیں۔

(۱) ولایتِ صُغریٰ (۲) ولایتِ کُبریٰ (۳) ولایتِ عُلیا

۱۔ ولایتِ صغریٰ: حضرت مجدّدؒ فرماتے ہیں کہ اس ولایت میں تین چیزوں پر عبور حاصل ہوتا ہے۔ (۱) سیرالی اللہ (عالم خلق سے عالم امر کی طرف جانا) (۲) وحدت (یعنی علم تعین اول، جسے حقیقت محمدی ﷺ کا نام بھی دیا جاتا ہے اور اسے علم اجمالی، حُبِّ ذاتی اور برزخِ کُبریٰ بھی کہتے ہیں) اور (۳) واحدیت (یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کا تفصیلی علم یا عالم کا وہ آئینہ جو علم حق تعالیٰ میں قبل از تخلیق موجود تھا اور اب بھی ہے) پر عبور حاصل ہوتا ہے۔ غوث اور قطب کے درجات اسی ولایت میں شامل ہیں۔

۲۔ ولایتِ کُبریٰ: اس میں احدیت (ذاتِ باری کا وہ مرتبہ جس میں وہم و گمان اور کسی لفظ کی گنجائش نہ ہو

یعنی اصل الاصل یا بلا چون وچگون ذات کے مرتبے) کی سیر حاصل ہوتی ہے۔

۳۔ ولایتِ عُلْیَا: اس میں تجلیٰ ذات کا بلا پردہ دوام ملاحظہ ہوتا ہے۔ اسے ولایت مَلَاِ الْاَعْلٰی بھی کہتے ہیں اس ولایت کا تعلق علم سے نہیں بلکہ ''علیم'' سے ہے یعنی ولایتِ کُبریٰ اسم صفت تھا اور یہ اسمِ ذات ہے۔

حضرت مجدد ؒ فرماتے ہیں کہ ولایتِ عُلْیَا کے بعد کمالاتِ نبوّت ملتے ہیں اور یہ تینوں ولایتوں سے افضل ہیں بلکہ اس کے مقابلہ میں تینوں ولایتیں بمنزلہ قطرہ کے ہیں۔ آپ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ کمالاتِ نبوّت کا ایک نقطہ ان ولایتوں کے سمندر سے بہتر ہے۔

حضرت مجدد ؒ کا قول ہے کہ ولایتِ صُغریٰ اولیاء کی ولایت ہے، ولایتِ کُبریٰ انبیاء کرام کی ولایت ہے (انبیاء کو ولایت اور نبوّت دونوں سے سرفراز کیا جاتا ہے اور ان کی ولادت سے ان کی نبوت کا درجہ اعلیٰ ہوتا ہے)، ولایتِ عُلْیَا فرشتوں کی ولایت ہے۔ مجدد الف ثانی ؒ فرماتے ہیں کہ اس پہلی ہزار صدی میں تمام اولیاء کرام اسی ولایتِ صُغریٰ سے وابستہ تھے اور ان میں سے کوئی بھی ولایتِ کبریٰ، ولایتِ عُلْیَا اور کمالاتِ نبوت تک نہیں پہنچا البتہ صحابہ کرام کو ان میں سے کچھ درجے عنایت ہوئے تھے۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ سب سے بڑی ولایت سے اوپر کمالاتِ نبوّت کا درجہ ہے اور کمالاتِ نبوّت کے مقامات قیومیت، حقیقتِ کعبہ، حقیقتِ قرآن اور حقیقتِ نماز ہیں۔ ان بزرگوں کے سلوک کا انتہائی مقام حقیقتِ نماز ہے حتیٰ کہ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتہائی مقام بھی حقیقتِ نماز ہے۔ اس کے بعد صرف معبودیت ہے (یاد رہے کہ حقیقت کعبہ یا قرآن وغیرہ سے مراد باری تعالیٰ کی عظمت کے انوار کے پردے ہیں)۔

مقامِ نماز سے متعلق نماز کے باب میں ہی ''اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ'' کے مضمون میں اس بات کا ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے تحریر فرمایا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو یہ آواز سنائی دی ''قِفْ یَا مُحَمَّدُ فَاِنَّ اللّٰہَ یُصَلِّیْ'' (ٹھہریئے اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ اللہ تعالیٰ صلوٰۃ میں مشغول ہیں) حضرت مجدد ؒ لکھتے ہیں کہ وہ عبادت جو اللہ تعالیٰ کی جہت کے لائق ہے وہ مراتبِ وجوب سے ثابت ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر یہ واجب کر لیا ہے کہ وہ رحمت بھیجتا رہے۔ حضرت مجدد ؒ نے مزید فرمایا کہ مراتب نماز سے اوپر کوئی مقام نہیں جو عابدوں کیلئے ہو۔ ٹھہریئے کا حکم شاید وہی کوتاہی قدم کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ قدم آگے نہ رکھیئے کیونکہ نماز کے مرتبہ کے اوپر اللہ تعالیٰ کا مرتبہ، تجرد و تنزہ ہے، یہ جگہ قدم کا جولانگاہ نہیں اور نہ گنجائش ہے۔ حضرت مجدد ؒ فرماتے ہیں کہ اس مرتبہ مقدسہ (نماز) میں بہت وسعت اور بے مثل امتیاز ہے۔ اگر حقیقتِ کعبہ ہے تو سمجھیں کہ یہ نماز کا جزو ہے اور اگر حقیقتِ قرآن ہے تو بھی اس نماز کا ایک حصہ ہے۔ اس لیے نماز عبادات کے مراتب کے تمام کمالات کی جامع ہے۔ حقیقتِ نماز کا مقام حقیقتِ کعبہ اور حقیقتِ قرآن سے بلکہ ہر عبادت سے بالا اور ارفع ہے۔ اس سے نماز کی حقیقت کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

---

[1] تفسیر روح البیان، جلد ۱۱، صفحہ ۷۳۔

یہی وجہ ہے کہ نماز کو اسلام میں بہت اہمیت دی گئی ہے۔ جن اولیاء نے شریعت کی مخالفت کی وہ کمالاتِ نبوّت کے فیض کو نہیں پا سکے اور وہ مقاماتِ نبوّت سے نا آشنا رہے۔ (تفصیل کیلئے مکتوبات امام ربانی صفحہ نمبر ۴۰) مکتوب نمبر ۷۷، دفتر سوم حصہ دوم ملاحظہ فرمائیں۔

نماز کے مندرجہ بالا مخفی اسرار عوام الناس کے علم میں نہ ہونے کی وجہ سے نماز کما حقہ، ادا نہیں ہوتی، اس لیے نمازی کیلئے ضروری ہے کہ ان سب معارف کا مطالعہ کرے جن کا تعلق نماز کی درستگی سے ہے۔ ان معلومات کا حصول اولیائے کرام کی محبت اور دینی کتب کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ یہود و نصاریٰ نے مسلمانوں سے یہ دونوں جوہر چھین لیے اور نماز کے مطلوبہ معیار پر مسلمانوں کی تربیت کا نہ ہونا ہی ان کے زوال کا سبب بن گیا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ؎

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں (۱۷۷)

وہ معارف جو نماز سے حاصل ہوتے ہیں نمازی میں اسلام سے اور طبعاً عشقِ الٰہی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جذبہ پیدا کرتے ہیں اور کبھی ایسے جذبات کے حامل لوگ ایک سجدے میں ہی منزل مقصود پا لیتے ہیں، کسی شاعر نے کہا ہے ؎

جانے کہ زاہدے بہ صد ماہ می رسد مستِ شرابِ عِشق بہ یک آہ مِی رسد

(زاہد جس مقام پر سینکڑوں ماہ میں پہنچتے ہیں، شراب عشق کا متوالا ایک آہ میں پہنچ جاتا ہے)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''نمازیوں کی نماز کے اجر میں رائی اور پہاڑ جیسا فرق ہوسکتا ہے اگر چہ ان دونوں کا عمل دیکھنے میں ایک جیسا ہی کیوں نہ ہو۔ اس حدیث میں نماز کی عمدہ طریقے سے ادائیگی کی طرف اشارہ ہے۔ یہ لوگ جذبۂ عشق و مستی سے معمور ہو کر نماز ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ملاحظہ کیے بغیر سجدہ نہیں کرتے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر خدا کو نہ دیکھوں تو میں اس کو سجدہ بھی نہ کروں ''کَاَنَّکَ تَرَاہُ'' سے یہی مراد ہے۔ کچھ لوگ شرابِ عشق میں مست رہتے ہیں اور اپنی شراب کو عام لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ان پر بسا اوقات ایسے احوال منکشف ہوتے ہیں جن سے بڑے بڑے صوفی اور زاہد بھی محروم ہیں۔ ان کا علم عارف و سالک سے ماخوذ نہیں بلکہ انشراحِ صدر سے وارد ہوتا ہے۔ حافظ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے

سِرِ خدا کہ عارِف و سالِک بہ کس نہ گفت در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

(وہ خدائی راز جسے عارِف و سالِک نے کسی سے نہیں کہا حیرت ہے کہ بادہ فروش نے کہاں سے سن لیا)

نماز کے مخفی اسرار کچھ اوپر بیان کر دیئے گئے ہیں اور کچھ نماز کے ابواب میں مختلف مقامات پر لکھ دیئے جا چکے ہیں اور ان ہی پر اکتفا کیا جا رہا ہے، البتہ ایک نہایت اہم بات جس کو نماز کا سِرِ اعظم کہا جا سکتا ہے وہ سورۂ فاتحہ کا نماز میں تلاوت کرنا ہے، سورۂ فاتحہ کو چونکہ بہت خوبیوں اور کمالات کا حامل کہا گیا ہے اس لیے اس کو مناسب تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے تاکہ مسلمانوں کو اس کے مخفی خزانوں کا علم حاصل ہو سکے۔

باب نمبر ۱۶

سورۂ فاتحہ اور اس کے مخفی اسرار

سورۂ فاتحہ کو اس قدر اہمیت کیوں؟

نماز کے پوشیدہ اَسرار پہلے بھی بیان ہو چکے ہیں اور اِن اَسرار میں سے ایک سورۂ فاتحہ کا نماز میں تلاوت کرنا ہے۔ سورہ فاتحہ میں کیا حکمتیں پوشیدہ ہیں ان میں سے کچھ اس باب میں بیان کی جارہی ہیں۔ جو لوگ باقاعدگی سے نماز ادا کرتے ہیں ان کے ذہن میں یہ خیال ضرور آتا ہے کہ کیا سورۂ فاتحہ کا دن میں ایک بار پڑھنا یا ہر نماز میں ایک بار پڑھ لینا کافی نہ تھا؟ اس کے ساتھ ہی دل میں اس سوال کا جواب بھی آتا ہے کہ ہر رکعت میں اس سورۃ کا پڑھنا اور اس کی تلاوت کو ہر رکعت میں واجب کر دیا جانا ضرور اپنے اندر کوئی بہت بڑی حکمت پوشیدہ رکھتا ہے۔ صوفیاء میں سے کسی کو بذریعہ کشف اس بات کا اِلہام ہوا کہ ہر رکعت میں اس سورۃ کا پڑھنا اس لیے ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو دن میں اسے کچھ بار پڑھ لینے سے ایسی قوت عطا کر دی جاتی ہے جس سے وہ زندگی کے ہر پہلو میں کچھ کامیابیاں حاصل کر سکتا ہے۔ سورۂ فاتحہ کی ایک خاص تعداد روزانہ پڑھ لینے سے بہت سی برکتوں، رحمتوں اور کامرانیوں کے خزانے قاری کے ہاتھ لگ جاتے ہیں۔ جو شخص دن میں چالیس بار اس کی تلاوت کرے وہ اس کا عامل قرار دیا جاتا ہے اور اس سورۃ میں مخفی تمام خوبیوں کا حامل بن جانا غیر معمولی سعادت سے کم نہیں۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت میں اللہ تعالیٰ نے ہر مرض، بلا، وبا، مصیبت، قحط، فقر و فاقہ، تنگدستی غرضیکہ ہر مصیبت کا علاج رکھ دیا ہے۔

اس کتاب میں سورۃ کی تفسیر اس لیے شامل کی گئی ہے کہ نماز میں بجائے میاں مٹھو کی طرح اس کی تلاوت کرنے کے، اس کی خوبیوں کو سمجھ کر پڑھنا نمازی کیلئے خیر و برکت کا باعث ہوگا۔ اس سورۃ کا ترجمہ جاننے، اس کی ہر آیت کا مفہوم سمجھنے اور اس کے مخفی اسرار کو سمجھنے سے نماز کی نوعیت ہی بدل جاتی ہے ؎

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن ملّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور[148]

نمازوں میں سورۂ فاتحہ کی تعداد کا تعین

مذکورہ بالا کشف میں یہ بھی ظاہر ہوا کہ دن بھر کی پانچ نمازوں کے فرائض، وتروں اور سُننِ مؤکدہ میں پڑھی جانے والی سورۂ فاتحہ کی تعداد کا مجموعہ ۳۲ ہوتا ہے۔ جو لوگ عصر اور عشاء کی چار چار سنن غیر مؤکدہ بھی پڑھتے ہیں۔ ان کیلئے روزانہ پڑھی جانے والی سورہ فاتحہ کی تعداد کا مجموعہ چالیس ہوتا ہے۔ اشراق، چاشت، اوّابین اور تہجد وغیرہ کے نوافل کا (ظہر، مغرب اور عشاء کے نوافل کے ساتھ) ستر کا مجموعہ بنتا ہے۔ یہ دونوں اعداد (۴۰ اور ۷۰)

روزمرہ کے اور وظائف میں خاص اثر رکھتے ہیں۔ صوفیاء کیلئے وظیفوں میں ۱۱، ۲۱، ۴۰، ۷۰ اور ۸۱ کے عدد بہت معروف ہیں اور حضور ﷺ دن میں ۷۰ بار استغفار فرماتے تھے۔[1] چنانچہ ایک مسلمان اگر دن کی پانچوں نمازوں کے دوران ۴۰ بار سورۂ فاتحہ کی تلاوت کر لیتا ہے تو وہ سورۂ فاتحہ کا فیضان اس میں جاری ہو جاتا ہے اور اگر اس کے باقی معاملات درست ہیں تو وہ ولی کامل کہلایا جا سکتا ہے اور سورۂ فاتحہ کے تمام اثرات اس میں جاری ہو جاتے ہیں۔ آیئے اب سورۂ فاتحہ کے متعلق مزید معلومات کا مطالعہ کریں۔

سورۂ فاتحہ سے چونکہ قرآن کی ابتداء ہوتی ہے اور قرآن میں اس کا مقام پیش لفظ کی طرح ہے اس لیے اس کو فاتحۃ الکتاب بھی کہا جاتا ہے۔ دراصل یہ سورۃ دعا بھی ہے اور ذات کبریا کی حمد و ثناء بھی ہے دیگر عبادات کی طرح نماز خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کیلئے مختص ہے اس لیے نماز میں بھی اس کو ابتداء میں پڑھا جاتا ہے تو گویا قرآن اور نماز کی ابتداء سورہ فاتحہ سے ہوتی ہے، ماسوائے پہلی رکعت کے جس میں ثناء کے بعد اس کی تلاوت ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے سورۂ فاتحہ کی اس اہمیت کی بناء پر فرمایا کہ "لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ"[2] (نماز سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بغیر (مکمل) نہیں ہوتی)۔

سورۂ فاتحہ کی تعلیمات

یہ سورۃ ایک دعا ہے یہ دعا اسلام کی تمام تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے علاوہ توحید بیان کی گئی ہے۔ اس میں اعمال کی جزا و سزا کا یقین، عبادت کی مخلصانہ ادا کا اقرار، توفیق و ہدایت کی طلب اور نیکوں کی تقلید اور بروں سے اجتناب کی تمنا ہے۔ اس سورۂ کریمہ کے پڑھنے سے اس کی تمام قدرتیں اور کششیں جو آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں قاری پر آشکارا ہو جاتی ہیں۔ رَحْمٰن و رَحِیْم کہہ کر پکارنے سے اس کی بے انتہاء رحمت، بے پایاں شفقت، غیر محدود بخششیں اور ناقابلِ بیان محبت و کیف کا سمندر دل کے مختصر کوزے میں موجیں مارنے لگتا ہے۔ فرطِ عبودیت سے ایمان کے پودے کی آبیاری ہوتی ہے اور اس کی ٹہنیاں پھلدار ہو جاتی ہیں۔ اس کی تلاوت کے بعد روز جزا کے مالک کا خیال ہم کو اپنے اعمال کی ذمہ داری اور مواخذہ سے باخبر اور خدا کے جلال و جبروت سے مرعوب کر دیتا ہے۔ اس کی تلاوت سے ہم دنیا و مافیہا کے سہاروں سے بے نیاز ہو کر صرف اللہ کے نیاز مند بن جاتے ہیں۔ غرضیکہ اس کی تعلیمات قرآن کا خلاصہ اور اسوۂ حسنہ کا نچوڑ ہے جس پر چلنے کی توفیق صرف انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کو دی گئی ہے۔

سورۂ فاتحہ کے نزول کی تفصیل اور اس کے بہت سے ناموں کی حکمت

سورۂ فاتحہ کو فاتحۃ الکتاب، اُمُّ القرآن یا اساس القرآن بھی کہتے ہیں کیونکہ ان ناموں میں مذکورہ تمام

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۵۸۳۲، جلد ۱۹، صفحہ ۳۶۵۔

[2] سنن ترمذی، حدیث ۲۳۰، جلد ۱، صفحہ ۴۱۷۔

حکمتیں اس میں موجود ہیں۔ مفسرین نے اس سورہ کے ۲۵ سے زائد نام اس کی شان کے مطابق لکھے ہیں۔ روح البیان میں ہے کہ جس وقت یہ سورۃ نازل ہوئی اس وقت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے آئے تھے۔ اس سورت کو کچھ خصوصی امتیازات حاصل ہیں۔ سب سے پہلے یہ کہ سورۂ فاتحہ قرآن مجید کی سب سے پہلے اور یکمشت نازل ہونے والی سورت ہے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی وحی ''سورۃ العلق'' کی پانچ آیات تھیں، دوسری وحی ''سورۃ القلم'' کی سات آیات، تیسری وحی ''سورۂ مزمل'' کی پہلی سات آیات اور چوتھی وحی ''سورۃ المدثر'' کی پہلی سات آیات اور پانچویں وحی ''سورۂ فاتحہ'' تھی۔ یہ سورۃ بھی سات آیات پر مشتمل تھی، گویا مکمل سورۃ کی شکل میں نازل ہونے والی پہلی سورۃ ''الفاتحہ'' ہے۔ یہ سورۃ دو بار نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ شریف میں نازل ہوئی۔ ہر بار نازل ہونے کا ایک نیا مفہوم تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو بار بار پڑھا کرتے تھے اور ہر بار اس کا ایک نیا مفہوم ہوتا۔

احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور[1]

سورہ فاتحہ کی چھ خصوصیات

اس سورہ کی پہلی خصوصیت اوپر بیان ہو چکی ہے کہ یہ سب سے پہلے نازل ہونے والی مکی سورت ہے۔ دوسری خصوصی بات یہ ہے کہ سورۃ ''الحجر'' میں اس کے متعلق ''وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ'' فرمایا گیا ہے (یعنی بے شک ہم نے عطا فرمائی ہیں آپ کو سات آیتیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم بھی) (الحجر:۸۷)۔ سیدنا حضرت عمر، سیدنا حضرت علی، ابن مسعود، حضرت قتادہ، عطا، حسن، اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم کا قول یہی ہے کہ ام القرآن (سورۃ فاتحہ) ہی سبع مثانی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''لِاَنَّھَا تَثْنٰی فِی الصَّلٰوۃِ فِیْ کُلِّ رَکْعَۃٍ''[1] (اس کو سبع مثانی اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے)۔ اس کو مثانی اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے استثنا کیا گیا ہے (یعنی باقی اُمتوں کو اِس جیسی سورۃ سے محروم کیا گیا) اس کو قرآن عظیم بھی فرمایا گیا کیونکہ یہ بذاتِ خود مکمل قرآن یعنی قرآن کا خلاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کو نازل کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صبر کرنے کا حکم دیا اور اپنا احسان اور فضل بیان فرمایا کہ ہم نے یہ کتنی بڑی نعمت آپ کو عطا فرمائی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ سورۃ تلقین کروں جس کی مثال نہ تورات میں نازل ہوئی نہ انجیل میں اور نہ قرآن مجید میں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ نماز میں کیا پڑھتے ہو تو انہوں نے سورۂ فاتحہ کی تلاوت کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہی وہ سورت ہے۔[2]

---

[1] تفسیر الکبیر، جلد ۱، صفحہ ۱۵۹۔

[2] صحیح بخاری، حدیث ۱۲۳۲، جلد ۳، صفحہ ۴۳۱۔

سورۂ فاتحہ کی تیسری خصوصی بات یہ ہے کہ اس کا نام ''الفاتحہ'' ہے جس کے معنی کسی چیز کو کھولنے کے ہیں، تو یہ گویا قرآن مجید کا افتتاح کرنے والی سورت ہے۔ انسان کو فاتحۂ الوجود کہتے ہیں کیونکہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جملہ موجودات کے قفل کھولے۔ عربوں کو جس چیز سے محبت ہو اس کے بہت سے نام رکھتے ہیں۔ اس لیے اس سورہ کو ''اُمّ القرآن'' اُمّ الکتاب، فاتحۃ الکتاب، اساس القرآن، سورۂ الکنز، سورۂ الحمد، سورہ دعا، سورۂ مناجات، سورۂ تفویض، سورۂ سوال، سورۂ صلوٰۃ، سورۂ تعلیم المسئلہ، سورۂ نور، سورۂ رقیہ اور سورۂ وافیہ بھی کہتے ہیں، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قرآن کی جڑ یا بنیاد بھی ہے۔ مشکلات میں کفایت کے اعتبار سے اس کا نام الکافیہ بھی کہا گیا ہے۔ اس میں شفا ہونے کی وجہ سے ''الشافیہ'' بھی اس کو کہتے ہیں یعنی یہ سورۃ حسد، کینہ، بغض، تکبیر جیسی باطنی امراض میں شفا کرتی ہے اور یہ ظاہری بیماریوں کو بھی دور کرتی ہے۔ سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۲ میں اور سورہ یونس آیت ۵۷ میں قرآن کو شفاء قرار دیا گیا ہے۔ ظاہر کا باطن سے گہرا رابطہ ہوتا ہے، چنانچہ باطنی سوچ اور فکر سے بیماریاں بھی پیدا ہوتی ہیں اور اگر قرآن مجید کی پیروی سے فکر صحیح ہو جائے تو جسمانی صحت بھی درست ہو جائے گی، اس لیے پورے قرآن کو شفا کہا گیا ہے اور سورہ فاتحہ قرآن کا خلاصہ ہونے کی وجہ سے شفا کا اثر رکھتی ہے۔

سورہ فاتحہ کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ یہ سورۂ دعائیہ ہے اور اس میں اشارتاً بتایا گیا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی چاہتے ہو تو ان کلمات کے ذریعے ہم کلام ہو سکتے ہو۔ گویا اللہ کی طرف سے خود ہی یہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ مجھے خوش کرنے کیلئے ان کلمات کو نماز میں کہو تو میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔ پانچویں خصوصیت جو سورۂ فاتحہ سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مذکورہ سورۃ بندوں پر اللہ تعالیٰ کے انعامات پر شکر ادا کرنے کا نغمہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کی جاتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا اقرار کیا جاتا ہے اور حشر تک آنے والے معاملات کیلئے ہدایت کا سامان موجود ہے۔ سورۂ فاتحہ قرآن کا ایک خلاصہ یا دیباچہ بھی ہے جو التجائیں اس میں کی جاتی ہیں ان کا جواب قرآن میں موجود ہے یعنی دونوں کا باہمی ربط ہے۔ سورۂ فاتحہ میں چھٹی خصوصی بات یہ ہے کہ صرف ونحو کے اعتبار سے اس کے تین حصے ہیں پہلا حصہ تین آیات ہیں ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ'' یہ اسمیہ اور خبریہ جملہ ہے۔ امام ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ نے بِسْمِ اللّٰهِ کو سورۂ فاتحہ اور دیگر سورتوں کا جزو قرار نہیں دیا۔ دوسرا حصہ چوتھی اور مرکزی آیت ہے ''اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ'' اس میں اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ایک قول وقرار اور ایک معاہدہ ہے۔ تیسرا حصہ آخری تین آیات پر مبنی ہے ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ'' یہ جملہ دعائیہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے توفیق کا طلب گار ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے نیاز کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان تقسیم کیا ہے یعنی نصف میرے لیے اور نصف میرے بندوں کیلئے ہے۔ اس سے مراد

یہی ہے کہ پہلی چار آیات میری معبودیت کیلئے ہیں اور آخری تین آیات بندوں کیلئے ہیں جو کہ دعائیہ کلمات ہیں۔

سورۂ فاتحہ کے فضائل و برکات

حضرت حسن بصریؒ کی روایت میں ہے کہ جس نے سورۂ فاتحہ کو پڑھا۔ اس نے گویا چاروں کتابوں کو پڑھا۔ سورۂ فاتحہ کا ثواب دو تہائی قرآن کے برابر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ چار چیزیں مجھے عرش کے خزانہ سے ملی ہیں کہ ایسی کوئی چیز اس خزانہ سے کسی کو نہیں ملی ایک سورۂ فاتحہ، آیۃ الکرسی، تیسری سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات اور سورۂ کوثر۔ روایات میں ہے کہ ابلیس کو اپنے اوپر نوحہ زاری اور سر پر خاک ڈالنے کی چار مرتبہ نوبت آئی۔

(۱) جب اس پر لعنت ہوئی۔

(۲) جب اس کو آسمان سے زمین پر ڈالا گیا۔

(۳) جب آنحضرت ﷺ کو نبوت ملی۔

(۴) جب سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔

مشائخ کا تجربہ ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے سے مرگی، درد گردہ، سانپ اور بچھو کے کاٹے پر اور دیگر بہت سی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ میں اس کا وظیفہ کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے اور اس سلسلے کے اکثر تعویذات سورۂ فاتحہ کے لکھنے سے مکمل ہوتے ہیں۔ اس آیت کی تلاوت سے جہنم کے عذاب سے چھٹکارا ملتا ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ بعض گناہ گار قوموں پر عذاب الٰہی آنے والا ہوگا مگر ان میں سے کوئی بچہ مکتب میں جا کر سورۂ فاتحہ پڑھے گا تو اس کی برکت سے چالیس روز تک عذاب دور رہے گا۔ روایات میں ہے کہ جو کوئی سواری کے وقت سورۂ فاتحہ مع بسم اللہ پڑھے تو اسے سواری کے ہر قدم پر نیکی ملے گی۔ دنیاوی بلاؤں میں اس کی تلاوت کرنے والا بلاؤں سے نجات پائے گا۔ جو انسان سورۂ فاتحہ یا قرآن پڑھتا ہے تو اُس کی تلاوت سے فضا میں تاثرات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اولیاء کرام عموماً اپنا کمرہ علیحدہ رکھتے ہیں تا کہ دوسروں کے تاثرات شامل نہ ہو جائیں۔ جنگل چونکہ تاثرات سے مبرّا ہیں اس لیے بہت سے اولیاء کرام عام طور پر کچھ مدت کیلئے وہاں جا کر چلّے کیا کرتے تھے حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ کا غارِ حرا میں عبادت کرنا ثابت ہے۔ غار حرا شہر سے تقریباً چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ڈاکٹر زین العابدین پروفیسر جامعیہ ملّیہ دہلی کا واقعہ اس کتاب میں نماز کے باب میں ہی نقل کیا جا چکا ہے جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ امریکہ کے ڈاکٹروں نے کچھ آلات کی مدد سے اس بات کی تصدیق کی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ''فِیْ فَاتِحَةِ الْکِتَابِ شِفَاءٌ

مِنْ كُلِّ دَاءٍ "[1] (سورۃ الفاتحہ میں ہر مرض کی شفا ہے)۔ کیونکہ جب اِن کے ایجاد کردہ آلہ پر یہ آیات پڑھی گئی تو اس کے وہی اثرات مرتب ہوئے جو انہوں نے صحت حاصل کرنے کیلئے خصوصی سینیٹوریم سے حاصل کئے تھے۔ گویا سورۂ فاتحہ کی تلاوت کا وہی اثر تھا جو ایک مریض پر ان کے سینیٹوریم میں جانے سے ہوتا ہے۔ امریکہ کے ڈاکٹروں نے سورۂ فاتحہ کا سورۂ شفا ہونا ثابت کر دیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اِس حدیث کی تصدیق کی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے کہ اَلْفَاتِحَةُ شِفَآءٌ مِّنْ كُلِّ سُقْمٍ[2] (سورۂ فاتحہ ہر روگ اور بیماری سے شفا دیتی ہے)۔

صحابہ کرام کا سورۂ فاتحہ پر یقین

ایک مشہور روایت تفسیر ضیاء القرآن میں نقل کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں چند صحابہ کرام کسی سفر سے مدینہ شریف واپس آ رہے تھے کہ راستے میں کفار کی ایک بستی میں رات گزارنے کیلئے ٹھہرے۔ وہاں کے لوگوں نے ان کی مہمان نوازی سے انکار کیا حتیٰ کہ ان کی ضروریاتِ اکل وطعام دینے سے منع کر دیا۔ صحابہ کرام چارو ناچار اپنے خیموں میں سونے لگے کہ رات کو اہلِ بستی سے کچھ لوگ ان کے پاس آئے اور کہا کہ ان کے سردار کے پیٹ میں سخت درد ہو رہا ہے، اگر تم کچھ کلام پڑھ کر پھونکنا جانتے ہو تو اس کا علاج کرو۔ صحابہ نے کہا کہ تم لوگوں نے ہماری مہمانداری سے انکار کیا تھا۔ اب ہم اس کام کو بلا معاوضہ نہیں کریں گے۔ لوگوں نے کہا کہ اگر ہمارا سردار ٹھیک ہو جائے تو وہ بکریوں کا ایک ریوڑ (جس میں ۳۰ بکریاں ہوتی ہیں) دینے کیلئے رضامند ہیں۔ چنانچہ جب ان صحابہ میں سے ایک نے دم کیا تو اُن کے سردار کا درد غائب ہو گیا اور اپنے وعدے کے مطابق انہوں نے ایک ریوڑ بکریوں کا دے دیا۔ صحابہ کرام نے مدینہ شریف پہنچنے تک ان بکریوں کا گوشت کھانے سے پرہیز کیا کہ شاید ایسی سودے بازی اسلام میں جائز نہ ہو۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے کیا پڑھا؟ صحابہ نے عرض کی، سورۂ فاتحہ کی تلاوت کر کے دم کر دیا تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ اس میں شفا ہے۔ انہوں نے عرض کی وہ جانتے تھے کہ سورۂ فاتحہ کو سورۂ شفا کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لیے یہ بکریاں حلال ہیں اور تم ان کا گوشت کھا سکتے ہو، بلکہ اس میں سے میرا حصہ بھی الگ کرو، گویا یہ سورۂ فاتحہ کا شفا ہونا اور اس کا دم کرنا صحابہ کرام سے بھی منقول ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ سورۂ الفاتحہ کو سورۂ رقیہ (یعنی پھونکنے والی سورۃ) بھی پرانے زمانے سے کہتے ہیں اور قرآن کی اس سورہ کی آیات پڑھ کر دم کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔

---

[1] تفسیر قرطبی، جلد ۱، صفحہ ۱۱۲۔

[2] عمدۃ القاری، جلد ۱۳، صفحہ ۴۰۴۔

احادیث میں بہت سی بیماریوں کی شفا سورۃ فاتحہ سے منقول ہے جسے طوالت کی وجہ سے نقل کرنا مشکل ہے۔عبدالملک بن عمیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے کہ "فِيْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ"[1] (سورۃ فاتحہ میں ہر بیماری سے شفا ہے)۔ احادیث میں ہے جو شخص سونے کے ارادے سے لیٹے اور سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص پڑھ کر دم کرلے تو ہر بلا سے محفوظ رہے گا۔ مشائخ نے لکھا ہے کہ سورۃ فاتحہ اسم اعظم ہے سات بار پڑھ کر دم کرنے سے دانتوں کے درد اور پیٹ کے درد کو شفا ہوتی ہے۔ بچھو کے کاٹنے کے درد کا دُور ہونا تو راقم الحروف کے تجربے میں آیا ہے۔

خدا کے نزدیک حمد کی قدر و قیمت

امام بیہقی رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر آپ کو پسند ہو کہ خدا کی ایسی عبادت کریں جیسا کہ عبادت کا حق ہے تو یہ کہا کیجئے "اے اللہ آپ کی ایسی حمد کثرت سے کرتا ہوں جو دوام کے ساتھ جب تک ہم رہیں ہوتی رہے...... اور ایسی حمد جس کا عوض آپ کی رضامندی کے سوا اور کچھ نہ ہو"۔ حسن بصری نے روایت کیا ہے کہ ایسا کوئی بندہ نہیں جو اپنے اوپر خدا کی نعمت دیکھ کر یہ کہے کہ "ساری حمد اس خدا کی ہے جس کی نعمت سے نیک کام پورے ہوتے ہیں اور ہمیشہ برقرار رہتے ہیں" اور خدا اس کو غنی نہ بنادے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کا حکم تھا کہ جب نماز پڑھیں تو "الحمد اللہ" کے الفاظ سے شروع کیجئے کیونکہ میں نے اپنے ذمے لکھا ہے کہ جو میری حمد کرے گا میں اس کو چار چیزیں دوں گا۔

(۱) سختی کے بعد آسانی (۲) محتاجی کے بعد تونگری

(۳) دنیا اور آخرت کی راحت (۴) دوزخ سے نجات

کسی بزرگ نے بیان کیا ہے کہ شیطان اپنی عبادت میں کبھی الحمد اللہ نہیں کہتا تھا اور اگر کہتا تو خدا کبھی اسے اس آزمائش میں نہ پھنساتا۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو فرمایا ہے کہ میں نے بلعم باعور کو جو کچھ عطا فرمایا تھا اس پر اس نے میرا شکر ادا نہیں کیا اور اگر وہ شکر کرتا تو میں اپنی نعمت اس سے ہرگز سلب نہ کرتا۔ جب خدا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے والدین سے ملا دیا اور آپ کے بھائیوں نے آپ کو سجدہ کیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کا نام لے کر ان کا شکر ادا کیا اور اپنے مصائب کا قطعاً تذکرہ نہیں کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب خدا کی نعمتوں کو دیکھو تو شکر کے ذریعے ان کو قید کرلو۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب خدا کسی بندے کو کوئی نعمت عطا فرماتا ہے اور وہ بندہ اللہ کی حمد کرتا ہے تو خدا فرماتا ہے کہ میرے بندے کو تو دیکھو میں نے اسے ایسی چیز دی تھی جس کی کچھ قیمت نہ تھی تو اس نے مجھے ایسی شے پیش کی جس کی بڑی قیمت ہے۔ علامہ نیشاپوری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ بندے کیلئے "بِسْمِ اللهِ"

---

[1] شعب الایمان، حدیث ۲۳۷۹، جلد ۵، صفحہ ۳۷۹۔

کہنے سے ذکر کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" پڑھنے سے شکر کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ "اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کہنے سے اور "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" سے دعا کا دوازہ کھل جاتا ہے اور "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" پڑھنے سے پاک روحوں کی پیروی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ امحمد بن علی عراقی نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ میری پلک پر کچھ گوشت بڑھ گیا مجھے لوگوں نے کہا کہ بغداد کا ایک یہودی طبیب اس کا علاج کر سکتا ہے تو میں نے کہا کہ میں اس کے پاس نہیں جاؤں گا۔ ایک دفعہ مجھ کو کسی نے خواب میں کہا کہ وضو کے بعد اس پر روزانہ سورۂ فاتحہ پڑھ دیا کرو چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ ایک دن وضو کے دوران فاتحہ کی برکت سے وہ زائد گوشت جدا ہو کر گر پڑا۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک عابد کی عبادت کی کثرت کی وجہ سے جبرائیل علیہ السلام بہت حیرت زدہ تھے، چنانچہ خدا سے اس کی زیارت کی درخواست کی تو اس شرط پر اجازت ملی کہ پہلے لوحِ محفوظ پر ایک نظر ڈال لیں۔ جب انہوں نے دیکھا تو اس کا نام اشقیائے امت کے زُمرے میں لکھا ہوا تھا۔ جبرائیل علیہ السلام نے اس سے ملاقات کی اور اس کے شقی ہونے کی خبر دی اس نے کہا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" اس پر جبرائیل علیہ السلام کو گمان ہوا کہ شاید اس نے سنا نہیں اور دوبارہ انہوں نے پوچھا اس عابد نے پھر کہا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" اس پر جبرائیل علیہ السلام کو تعجب ہوا تو اس شخص نے کہا کہ میرا نام اشقیاء میں اس لیے ہے کہ میں واقعی اِسی قابل ہوں۔ جبرائیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اب پھر لوحِ محفوظ دیکھ۔ آپ نے جب نظر اٹھائی تو دیکھا اس کا نام نیک بختوں کے زمرہ میں لکھ دیا گیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ بخت نصر بادشاہ نے دانیال علیہ السلام کو ایک کنوئیں میں دو شیروں کے ساتھ ڈال دیا پانچ دن بعد دیکھا تو انہیں صحیح سالم پایا جب پوچھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے کہا تھا کہ اس خدا کی حمد ہے جو اپنے یاد کرنے والوں کو فراموش نہیں کرتا۔ اس خدا کی حمد جس سے دعا کرنے والا نامراد نہیں اس خدا کی حمد جس پر بھروسہ کرنے والا درماندہ نہیں......الخ سورۂ فاتحہ پڑھتے وقت (ایسا ہی خیال دل میں ہونا چاہیے)۔

سورۂ فاتحہ اور قرآن کے بعد کچھ حاجت نہیں رہتی

حدیث قدسی ہے کہ "اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے سورۂ فاتحہ اور قرآن کی شکل میں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نعمت عطا کی یہ اتنی عظیم ہے اس کے بعد دنیاوی جاہ و جلال کی طرف آپ کی (اور مسلمانوں کی) نگاہ نہیں اٹھنی چاہیے"۔ اس نعمتِ عظمیٰ کی موجودگی میں دولتِ دنیا اس قابل ہی کہاں ہے کہ آپ اس دنیا کی طرف التفات کریں۔ جس کے پاس کوہِ نور کا ہیرا ہے تو وہ کوڑیوں کی طرف کب دیکھتا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جس شخص کو دولتِ قرآن بخشی گئی اور اس نے کسی دنیادار کو دیکھا اور اس کے مال و دولت کو نعمتِ قرآن سے افضل جانا تو اس نے بڑی بے انصافی کی۔ اس نے عظیم المرتبت چیز کو حقیر جانا اور ایک حقیر چیز (دنیا) کو بڑا

ا تفسیر النیشاپوری، جلد ا، صفحہ ۵۸۔

خیال کیا۔حدیث رسول ﷺ ہے کہ جس نے کسی مالدار کی عزت اس کے مال کی وجہ سے کی تو اس کا ایک تہائی دین جاتا رہا۔اس سورۃ کی عظمت کیلئے قرآن کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔''وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ۝ لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ''(الحجر:۸۷،۸۸)(اور بے شک ہم نے عطا فرمائیں آپ ﷺ کو سات آیتیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم،آپ ﷺ اپنی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے ان (اموال) کی طرف جس سے ہم نے لطف اندوز کیا ان کے مختلف طبقوں کو اور آپ ﷺ رنجیدہ بھی نہ ہوں ان کی (گمراہی) پر)۔

صاحب لسانُ العرب نے مذکورہ آیات کے حوالے سے ازواج کے مفرد''زوج'' کے متعلق مِنْ کُلِّ شَیْئٍ (ہر طبقہ کی چیزوں کے ساتھ لطف اندوز ہونا مراد ہے) لکھا ہے،یعنی مختلف طبقوں کے لوگوں کو جو کچھ دیا ہے اس پر توجہ نہ دیں ان کے حصے میں اللہ کی رحمت نہیں ہے۔[1] قارئین کے دل ودماغ میں فوراً یہ سوال آئے گا کہ ہم کو تو قرآن اور سورۂ فاتحہ سے کوئی مال ودولت اور عالی منصب نہیں ملتا تو پھر یہ کیوں کہا جارہا ہے کہ حامل قرآن کو دنیا کا غم اور فکر نہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ ہماری ایک بھاری اکثریت نماز ہی کا فریضہ ادا نہیں کرتی اور جو چار پانچ فیصد باقاعدگی سے اس فریضہ کو انجام دیتے ہیں ان میں سے بھی ۹۵ فیصد لوگ نماز کو میاں مٹھو کی طرح رٹے ہوئے الفاظ میں ہی ادا کرتے ہیں انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انہوں نے کیا پڑھا اور یہ کہ نماز میں پڑھی جانے والی سورۂ فاتحہ میں کیا کچھ چھپا ہوا ہے۔نماز ایسی ہو تو نمازی کو نماز کی برکات کب حاصل ہوسکتی ہیں البتہ فریضۂ نماز تو ادا ہو ہی جاتا ہے۔نماز اور سورۂ فاتحہ کو سمجھیں اور اس کے اسرار کو دریافت کریں۔نماز کی ادائیگی کے وقت ان کے اسرار کو ذہن میں رکھیں اور نماز پنجگانہ ادا کریں تو پھر دیکھیں کہ آپ کو نہ تو بیماری تنگ کرے گی نہ فقر وفاقہ اور نہ دنیا کا کوئی غم آپ کو چھو سکے گا۔علامہ اقبالؒ کے''شریکِ زُمْرَۂ لَا یَحْزَنُوْنَ'' سے یہی مراد ہے۔ثبوت اس کا یہ ہے کہ جن (صحابہ کرام اور دوسرے) نیک لوگوں نے ایسا کیا وہ حقیقی بادشاہ بنے نہ ان کو کوئی غم تھا اور نہ کسی چیز کا ملال۔خدا نے ان کے شب وروز کو تمام دنیا پر آشکار کردیا،یہاں تک کہ ان کا نام آج تک زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہے گا،ایسے لوگ آج بھی ہیں اس سے صحابہ کرام اور اولیاء کا طبقہ ہی مقصود نہیں بلکہ عام مسلمانوں کو بھی اپنی حیثیت عمل کے مطابق یہ برکات حاصل ہوجاتی ہیں۔اس کتاب میں مسلمان کو اسلامی عبادات اور فرائض کی صحیح ادائیگی کیلئے مختلف مضامین کو شامل کیا گیا ہے۔امید ہے کہ اس کے پڑھنے والے اگر اس کے بیان شدہ مقاصد کو ذہن میں رکھتے ہوئے عمل کریں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کو ان عبادات کا مقصود حاصل نہ ہو۔

---

[1] لسان العرب،جلد ۲،صفحہ ۲۹۱۔

ہم جہان کو تسخیر کیوں نہیں کر پاتے

آیئے اب اس بات کا جائزہ لیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سورۂ فاتحہ اور قرآن جیسا ہتھیار دے دیا ہے تو مسلمان تسخیرِ کائنات کے مقام کو حاصل کیوں نہیں کر سکتے؟ تسخیر کے معنی غالب ہو کر مغلوب کو کسی کام میں لگانا اور اپنی منشاء کے مطابق چلانا ہے۔ مسخر وہ چیز ہے کہ جو کام میں لگائی گئی ہو۔ اس کا مادہ سَخَّرَ ہے اس کے معنی کسی کی تحقیر کرنا اور اس پر ہنسنا ہے کیونکہ جو چیز مسخر ہے اس کا رُتبہ حقیر اور کم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو انسان کی خدمت گزاری پر مامور کیا اور انسان کو کسی کا خادم نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انسان کیلئے صرف اللہ تعالیٰ کی غلامی ہے اور اگر ایسا ہو جائے تو باقی مخلوق انسان کی تابعدار ہو جائے گی (فرشتوں کو انسانوں کی خدمت پر مامور کیا گیا ہے)۔ ''وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ط'' (الجاثیہ:۱۳) (اور اس نے مسخر کر دیا ہے تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہی سب کا سب (اپنے حکم سے)۔ ''وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ'' (ابراہیم:۳۳) (اور (اسی طرح ایک اعتبار سے) سورج اور چاند کو تمہارے اختیار میں کر دیا کہ دونوں پڑے چکر کھا رہے ہیں اور (ایسے ہی) رات اور دن کو تمہارے اختیار میں کر دیا)۔

کائنات کی ہر چیز ہزاروں فوائد کی حامل ہے لیکن ان فوائد سے وہ جواں ہمت لوگ ہی آگاہ ہو سکتے ہیں جو اپنی دینی صلاحیتوں یعنی عبادتوں کے ساتھ ساتھ اپنی عقل و خرد کی قوتوں کو استعمال کرنا جانتے ہیں۔ ایسے جواں ہمت لوگوں کیلئے مظاہرِ فطرت کے آئینوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کے دلائل (سائنس کے اصول) ضیا پاشیاں کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ سورۂ النحل کا بیشتر حصہ انہی رازہائے فطرت کو افشا کرنے کی کوشش کیلئے مسلمان کو جھنجھوڑ رہا ہے کہ وہ معدنیات، حیوانات، چاند ستاروں، کُرہ ہائے ارض و سما، دریاؤں اور سمندروں کے پانی میں پوشیدہ بجلیوں کو، ریگستان کے پٹرول اور گیس کے خزانوں کو ٹٹولیں اور کمر ہمت باندھ کر ان خزانوں کی تسخیر کریں۔ ظاہر ہے کہ قصور ہمارا ہے ہمیں اس قدر فرصت نہیں کہ ہم راگ و رنگ میں داد عیش و عشرت اور خوش گپیوں کو چھوڑ کر قرآن، نماز اور اسلامی علمی خزانوں کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

سورۂ ابراہیم آیت ۳۲ ''وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهَارَ'' (کشتیوں کو جو سمندر میں اس کے حکم پر چلتی ہیں اور نہروں کو بھی تمہارے اختیار میں کر دیا ہے)۔ سورہ الحج آیت ۳۶ میں فرمایا کہ ''جانوروں کو تمہارے بس میں کر دیا تا کہ تم ہمارا شکر ادا کرو''۔ گوشت والے جانوروں اور سواری کے جانوروں وغیرہ کیلئے ہمیں کہنا چاہیے کہ ''سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا'' (پاک ہے وہ ذات جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا) (الزخرف:۱۳) مندرجہ بالا خزائن فطرت کو تسخیر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوئے خدا کے مسلمان بندوں میں سے فقیر تو حال مست ہیں اور امیر مال مست ہیں، مگر اہلِ

ہمت نے چاند اور ستاروں پر کمندیں ڈال لی ہیں اور ہمارے مسلمانوں کا جمِ غفیر پتنگ بازی، سینما بینی، تاش، شطرنج اور ٹی وی کے فحش پروگراموں میں مشغول ہے۔ افسوس ہے کہ قوم کا ذہین اور باصلاحیت طبقہ جس سے کچھ اُمیدیں وابستہ ہوسکتی ہیں وہ مسجدوں کی بجائے ٹی وی کے ہالوں میں راگ ورنگ کے رسیا بن بیٹھے ہیں۔ اگر صورتحال یہ ہے تو تسخیرِ کائنات کا انعام ان کے حق میں کس طرح ثبت ہوسکتا ہے۔ کاش! مسلمان بھی کمرِ ہمت باندھ کر مستقل مزاجی سے محنت اور جفاکشی کو اپنا شعار بنائیں اور آگے بڑھ کر علم و حکمت، سائنس اور فن کے کاروانوں کی قیادت سنبھالیں۔ ارمغانِ حجاز میں (ص ۲۷ پر) ''آوازِ غیب'' کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا ؎

ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک

مولانا رومؒ، شیخ سعدیؒ اور دیگر مصلحین نے مسلمانوں کو اسلام کے اصولوں پر چلنے کے ساتھ محنت اور مشقت سے رازہائے فطرت کو افشاں کرنے کا سبق دیا ہے۔ وہ مسلمان جن میں تخلیق کا جذبہ نہیں اور نئی چیز پیش نہیں کرسکتا وہ اچھے مسلمانوں میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ ان صوفی شُعراء کا کلام اس جگہ طوالت کی وجہ سے نہیں دیا جاسکتا البتہ مناسب مقامات پر کافی اشعار دے دیئے گئے ہیں۔ مفسرین قرآن نے بھی ان رازوں کو افشاں کرنے کی سعی کی ہے لیکن خال خال لوگ ہی ان تفسیروں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں راقم الحروف کی کتاب ''رابطہ شیخ'' میں تخلیق کے باب کا مطالعہ فرمائیں۔ تسخیر کائنات کے اس راز کو سورۃ الحج کی آیت ۶۵ اور سورۃ لقمان کی آیت ۲۰ میں بھی ایسے ہی معنوں میں بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ انبیاء آیت: ۷۹ میں فرمایا ''وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَالطَّیْرَ ط'' (ہم نے فرمانبردار بنا دیا داؤد کیلئے پہاڑوں اور پرندوں کو سب ان کے ساتھ مل کر تسبیح کرتے تھے اور یہ شان ہم دینے والے تھے)۔

سورۃ ''ص'' آیت ۳۶ میں فرمایا ''فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِىْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ'' (ہم نے فرمانبردار بنا دیا (داؤد علیہ السلام کا) ہوا کو کہ چلتی تھی آپ کے حکم کے مطابق آرام سے جدھر آپ چاہتے)۔ کُرہ ارض کی ہوائیں آپ کے اختیار میں تھیں۔ شیطانوں کو آپ کے ماتحت کر دیا تھا جنوں میں سے کچھ جنّات تو فنِ تعمیر میں آپ کا حکم پورا کرتے اور کچھ سمندروں سے موتی نکال کر لاتے تھے۔ یہ سب آپ کے حکم میں جکڑے ہوئے تھے۔ قرآن کی سینکڑوں آیات اس بات پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام کائنات میں اشرفُ المخلوقات بنایا اور سب کچھ اس کی تابعداری میں دے دیا۔ یہی وجہ تھی کہ دریائے نیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کا پابند تھا اور جنگل کے جانور جو اپنی فطرت میں خونخوار ہیں بایزید بسطامی ؒ جیسے بزرگوں کے قدموں میں سر کو جھکا دیتے تھے۔ اگر کوئی قوم خدا کی عبادت سے منہ موڑ لے اور اس کے احکام سے روگردانی کرے تو پھر ایک چیونٹی بھی اس کے حکم کو تسلیم نہیں کرے گی ؎

عزیزے کہ از درگہش سر نہ تافت　　　بہر در کہ شد ہیچ عزت نہ یافت

(وہ عزیز جو خدا کی درگاہ میں سر نہیں جھکاتا جس دروازے پر بھی جائے گا عزت نہ پائے گا یعنی جس کا سر خدا

کے سوا کسی کے آگے نہیں جھکتا اسے اللہ تعالیٰ نے تسخیرِ کائنات کا شرف عطا فرمایا ہے)

تسخیرِ کائنات ایک معاہدہ ہے جو بندے اور خدا کے درمیان اس طرح طے پاتا ہے کہ جو ذمہ داریاں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو سونپ دی ہیں وہ ان کو بجالاتا رہے۔ ظاہر ہے کہ اگر بجا آوری بہتر ہو تو تسخیر کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے کچھ لوگ چند سجدے ادا کرنے کے بعد ایسے نتائج کا انتظار کرنے لگتے ہیں جو بڑے بڑے اولیاء نہایت سخت محنتوں اور ریاضتوں کے بعد حاصل کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کو ''کُن'' کی کنجی یا اسمِ اعظم عطا کر دیا جاتا ہے۔ یہ عطائیں کامل وفاداروں کیلئے ہر دور میں موجود رہتی ہیں کیونکہ مذہب اسلام روئے زمین کے ہر شخص کیلئے ہے۔ ایک کامل کیلئے کہا جاتا ہے کہ اس کا کہنا خدا کا کہنا سمجھا جاتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ میں بندے کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، میں کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے میں آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔[1] غالب نے بھی مسلمانوں کے اس تنزل کا احساس کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ؎

ہیں آج کیوں ذلیل کے کل تک نہ تھی پسند — گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے قوانین اٹل ہیں اس لیے اس کی سنت میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ ابلیس نے اپنی سرکشی کی وجہ سے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا تو وہ راندۂ درگاہ ہوا۔ آج اگر انسان ابلیس کی دکھائی ہوئی راہوں پر چلنے لگا اور احکامِ خداوندی سے اعراض کرنے لگا تو اس کے سر سے ''وَسَخَّرَ لَکُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ'' کا تاج چھین لیا گیا۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے ؎

آتی ہے دمِ صبح صدا عرشِ بریں سے — کھویا گیا کس طرح ترا جوہرِ ادراک
کس طرح ہوا کند ترا نشترِ تحقیق — ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک
مہر و مہ و انجم نہیں محکوم ترے کیوں — کیوں تری نگاہوں سے لرزتے نہیں افلاک
روشن تو وہ ہوتی ہے جہاں بیں نہیں ہوتی — جس آنکھ کے پردوں میں نہیں ہے نگہِ پاک
باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری — اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری (۱۸۰)

سورۂ فاتحہ کے معانی پر غور ضروری ہے

کچھ لوگ نماز میں سورۂ فاتحہ کو اس طرح پڑھتے ہیں کہ ان کو یہ قطعی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ ایسی نماز پڑھنے والا نماز کے فوائد سے محروم رہ جاتا ہے۔ مقام غور ہے کہ جب ہم لوگ دنیاوی علوم میں بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کر لیتے ہیں تو یہ کیسی لاپرواہی اور غفلت ہے کہ ہم قرآن کی ایک چھوٹی سی سورۃ کے معنی بھی نہیں جان سکتے۔ کم تعلیم والے لوگ بھی اپنے کام میں مہارت حاصل کر لیتے ہیں اور نوجوان طبقہ فلمی

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۶۰۲۱، جلد ۲۰، صفحہ ۱۵۸۔

گانوں کی ریکارڈنگ کو بار بار سُن کر سیکھ لیتا ہے تو سورۂ فاتحہ کی طرف کیوں توجہ نہیں دیتے جب کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوبیوں کا خزانہ مخفی رکھا ہے۔ جب تک علوم دین کی طرف توجہ اور مناسب وقت نہیں دیا جائے گا، اس وقت تک ان علوم کی برکت سے کچھ حاصل کرنا ناممکن ہے۔ سورۂ فاتحہ کی تفہیم کیلئے اس کی آیات کی تشریح قارئین کے شوق کو بڑھانے کیلئے نیچے دی جارہی ہے۔

اِستِعاذہ

سورۂ النحل کی آیت ۹۸ میں حکم ہوا ہے "فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ" یعنی جب قرآن پڑھو تو "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْم" پڑھ لیا کرو (امام خازن کے نزدیک یہ سنت ہے اور جمہور علماء کے نزدیک یہ مستحب ہے) فتاویٰ شامی میں ہے کہ شاگرد استاد سے پڑھتا ہو تو اس حالت میں تعوذ سنت نہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ امام اور منفرد کیلئے ثناء "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ" کے بعد آہستہ تعوذ پڑھنا سنت ہے۔ تفصیل کیلئے اس کتاب میں "قبولیت دعا کیلئے اہم عنصر" کا باب دیکھیں۔

تَسْمِيَہ

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم" کو کہتے ہیں۔ یہ قرآن پاک کی آیت ہے مگر سورۃ فاتحہ یا اور کسی سورۃ کا جزو نہیں، اسی لیے نماز میں جہر (بلند آواز) سے نہیں پڑھی جائے گی۔ امام نیشاپوری ؒ نے بخاری و مسلم کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضور ﷺ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نماز کو سورۂ فاتحہ سے شروع فرماتے۔[1] مسئلہ ہے کہ نماز تراویح میں قرآن ختم کرنے سے پہلے ایک مرتبہ بسم اللہ جہر کے ساتھ ضرور پڑھی جائے تا کہ یہ ایک آیت رہ نہ جائے۔ یہ بھی ایک مسئلہ ہے کہ قرآن پاک کی ہر سورۃ بسم اللہ سے شروع کی جائے، سوائے سورۂ برات (یعنی توبہ) کے۔ سورۃ النمل میں جو بسم اللہ آئی ہے وہ الگ آیت نہیں بلکہ جزوِ آیت ہے لہٰذا قرآن پاک کی تلاوت میں ضرور پڑھی جائے گی نماز جہری میں جہراً اور سری میں سرًا، ہماری تصنیف "سرمایۂ ملت" میں "سرمایہ قرآن" کے باب میں، تسمیۃ القرآن پر ایک اچھا خاصا طویل بیان شامل کر دیا گیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

کے معنی امام راغب ؒ نے مفردات میں یہ تحریر کیے ہیں "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تَعَالٰى اَلثَّنَاءُ عَلَيْهِ بِالْفَضِيْلَةِ وَهُوَ اَخَصُّ مِنَ الْمَدْحِ وَاَعَمُّ مِنَ الشُّكْرِ"[2] (اللہ تعالیٰ کی فضیلت کے ساتھ ثناء بیان کرنا

---

[1] تفسیر النیشاپوری، جلد ۱، صفحہ ۲۹۔

[2] مفردات فی غریب القرآن، جلد ۱، صفحہ ۱۳۱۔

ہے۔ یہ مدح سے خاص اور شکر سے عام ہے۔) حمد سے متعلقہ تین الفاظ نظر سے گزرتے ہیں (۱) حمد (۲) مدح (۳) شکر۔ ان تینوں میں فرق معلوم ہونا چاہیے۔ حمد کسی کی اختیار خوبی کو بیان کرتا ہے، خواہ وہ کوئی نعمت دے یا نہ دے۔ شکر کسی کی اختیاری خوبی بیان کرنا ہے کیونکہ اس نے ہمیں کچھ دیا ہے۔ مدح کسی کی خوبی بیان کرنا ہے خواہ وہ خوبی اختیاری ہو یا غیر اختیاری مثلاً موتی کی صفائی کی تعریف کی جائے تو یہ اس کی مدح ہے، اگر کوئی ہمیں کچھ دے اور ہم اس کی تعریف میں کہہ دیں کہ آپ سخی ہیں یا اس کا ادب بجا لائیں تو یہ اس کا شکر ہے اور اگر بغیر کچھ لیے ویسے ہی کسی کی تعریف کریں کہ فلاں بڑا عالم ہے تو یہ اس کی حمد ہو گی۔ لیکن الحمد للہ میں حمد کا لفظ تینوں معانی کا احاطہ کئے ہوئے ہے، کیونکہ لفظ للہ سے اللہ کیلئے حمد کا مستحق ہونا بیان کیا اَلرَّحْمٰنُ اور اَلرَّحِیْمُ نے شکر کے معنی اور مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ نے مدح کے معنی بیان کئے۔

مذکورہ بیان سے اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ تمام محامد اللہ کے ساتھ خاص ہیں یا اللہ ان کا مستحق ہے یعنی سب تعریفیں اللہ کیلئے مخصوص ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔ جو جہانوں کو پالے وہ حمد کے لائق ہوتا ہے۔ انبیاء کرام کی حمد فقط اللہ کی رضا کیلئے کسی نفع کے لالچ کے بغیر ہوتی ہے۔ مُنعم لوگ اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کو دیکھ کر بطورِ شکر حمد کرتے ہیں۔ گناہ گار لوگ اللہ کی رحمت کی اُمید کی بناء پر حمد کرتے ہیں اور ایک گروہ اللہ کی ہیبت اور جلال سے ڈر کر حمد کرتا ہے۔ پہلا گروہ (انبیاء) کی حمد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے معنوں میں ہے۔ دوسرا گروہ (منعم) کی حمد رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے زُمرہ میں ہے اور تیسرا گروہ (گنہگاروں کا) الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پر نگاہ جمائے ہوئے ہے۔ چوتھا گروہ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کے معنوں میں حمد کرتا ہے۔ تفسیر کشاف میں ہے کہ ہر شکر حمد ہے مگر ہر حمد شکر نہیں اور ہر حمد مدح ہے مگر ہر مدح حمد نہیں۔[1]

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

رب کے معنی مالک، سردار اور پالنے والا ہے۔ اس آیت میں تینوں معنی درست ہیں۔ وہ تمام جہانوں کا ہر وقت سے لے کر ہر وقت تک مالک ہے یعنی ہمیشہ سے ہمیشہ تک مالک ہے۔ اسی طرح پالنے والا بھی اللہ ہے اور سردار بھی ہر ایک کا ہمیشہ سے ہمیشہ تک اللہ ہے۔ اس کے رب ہونے میں جگہ، وقت اور مخلوق کی تخصیص نہیں، یعنی ہر ایک کو ہر جگہ اور ہر حال میں پالنے والا اللہ ہی ہے۔ اللہ کی مخلوق بھی اپنے بچوں کو پالتی ہے لیکن لوگ کسی نہ کسی غرض وغایت سے پالتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے پالنے کی کوئی غرض وغایت نہیں لوگوں کے خزانے میں کمی ہو سکتی ہے مگر اس کے خزانوں میں کمی نہیں لوگ بچوں کو پال کر احسان کرتے ہیں مگر وہ احسان نہیں جتاتا اور بغیر مانگے دیتا ہے جب کہ مخلوق بے مانگے نہیں دیتی۔ اللہ تعالیٰ ماں کے پیٹ میں بھی دیتا ہے۔ لوگوں کا پالنا اپنے گھروں تک محدود ہے مگر وہ سب کو پالتا ہے۔ اللہ کو مانگنے والوں سے بہت محبت ہے اور وہ

---

[1] تفسیر کشاف، جلد ۱، صفحہ ۴۔

دے کر خوش ہوتا ہے جب کہ مخلوق میں یہ بات نہیں۔

اَللّٰہُ یَغْضِبُ اِنْ تَرَکْتَ سُؤَالَہٗ وَالْخَلْقُ یَغْضِبُ حِیْنَ مَا تَسْئَلُ

(اللہ ناراض ہوتا ہے جب تو اس سے مانگنا چھوڑ دے اور مخلوق تجھ سے ناراض ہوتی ہے جب تو کچھ مانگے اس سے)

حق تعالیٰ کی ربوبیت دو طرح کی ہے۔ایک قسم ان نعمتوں سے متعلق ہے جو سب کو بلا امتیاز رنگ و نسل اور مذہب وقوم مل رہی ہیں مثلاً دھوپ، ہوا، پانی، زمین اور آسمان کا سایہ وغیرہ اور دوسری قسم ان نعمتوں سے متعلق ہے جو خاص مخلوق کو خاص مقدار سے ملتی ہیں مثلاً رزق، مال، اولاد، عزت اور حکومت وغیرہ۔

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ بنا کر بھیجا تا کہ وہ رحمت عام و خاص کو عطا فرمائیں۔ان کی عام رحمت کلمہ، کعبہ، قرآن اور ایمان ہے جو سب مخلوقات کیلئے عام ہے لیکن ایمان، ولایت اور قطبیت وغیرہ خاص خاص بندوں کیلئے ہے اور فرق سے ملتی ہیں۔''رَبِّ الْعَالَمِیْنَ'' میں دوسرا لفظ ''عَالَمِیْنَ'' کا ہے، جو عالم کی جمع ہے۔عالم علم سے بنا ہے جس کے معنی نشان کے ہیں جس کا نشان پایا جائے گا وہ عالم میں سے ہے۔اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز عَالَمِیْنَ میں شامل ہے۔عَالَمِیْنَ میں سے عالمِ ارواح، عالمِ اجسام، عالمِ امکان، عالمِ سفلی، عالمِ ملکوت، جبروت، ناسوت، لاہوت، عالمِ جنّات، عالمِ انسان، عالمِ ملائکہ، عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت وغیرہ ہیں ان سب کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

رحمٰن اور رَحِیْم میں فرق

امام ضحاک رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ رَحْمٰنُ سے مراد آسمان پر رحمت کرنے والا اور رَحِیْمُ سے مراد زمین والوں پر بڑا رحم کرنے والا ہے۔عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ رَحْمٰنُ یہ ہے کہ جب وہ ایک رحمت سے پیش آئے اور رَحِیْمُ وہ ہے جب وہ سو رحمتوں سے پیش آئے۔ابن مبارکؒ نے کہا ہے کہ رَحْمٰن تو وہ ہے کہ جب اس سے کوئی مانگے تو عنایت کرے اور رَحِیْمُ وہ کہ جب کوئی اس سے نہ مانگے تو ناراض ہو۔علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ رَحْمٰنُ ایمانداروں کیلئے ہے اور رَحِیْمُ توبہ کرنے والوں کیلئے۔بعض نے کہا کہ رَحْمٰنُ اور رَحِیْمُ ایک کے بعد دوسرا انعام ہے۔تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ رَحْمٰنُ وہ ہے جو ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے جس پر بندے کو قدرت نہیں اور رَحِیْمُ وہ ہے جو ایسی چیزیں پیدا کرے جس پر بندوں کو بھی قدرت دی ہے۔[1] نیشاپوری نے لکھا ہے لفظ رحمٰن اللہ کیلئے خاص ہے۔اس کا اطلاق غیر خدا کیلئے نہیں ہوسکتا جب کہ رحیم لفظ کے اعتبار سے عام ہے کیونکہ خدا کے سوا اوروں پر بھی اس کا اطلاق ہوسکتا ہے جیسے عورت کا نام رحیمہ بی بی ہوسکتا ہے اسے رحمانہ نہیں کہا جاسکتا۔ابنِ عربی نے کہا ہے کہ رَحْمٰنُ اسمِ اعظم ہے چنانچہ اس اعتبار سے رَحِیْمُ کا لفظ اس سے بدرجہ نیچے ہے۔کسی نے اعتراض کیا کہ ترتیب کے اعتبار سے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف آتے ہیں

---

[1] تفسیر ابن کثیر، جلد ۱، صفحہ ۱۳۳، ۱۳۴۔

لیکن اللہ کا ارشاد ہے کہ اگر میں خود کو فقط رحمٰن ہی کہتا تو تمہیں مجھ سے کوئی چیز مانگتے ہوئے شرم آتی۔ اس لیے میں نے بتا دیا کہ میں رحمن ہوں بڑی چیزیں مجھ سے مانگو (جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (اللہ سے جنتُ الفردوس مانگا کرو)[1] اور میں رحیم بھی ہوں تم اپنی ہانڈی کا نمک بھی مجھ سے مانگا کرو)

اَلرَّحْمٰنُ ''رحم'' سے بنا ہے۔ اس کے معنی بلاواسطہ ایسی رحمتیں عطا کرنے والا ہے جو بندوں سے حاصل نہ ہو سکیں اور اَلرَّحْمٰنُ کا اطلاق اس ذات پر ہوتا ہے جس کی رحمت کی وسعت نے ہر چیز کو سما لیا ہو۔ بعض لوگ رَحْمٰن سے دنیاوی رحمتوں کا ہونا مراد لیتے ہیں جس میں مومن اور کافر دونوں شامل ہیں جیسے فرمایا: ''وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ ط فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ط'' (الاعراف:۱۵۶) (اور ہماری رحمت سب (اہل و نا اہل) چیزوں کو شامل ہے پھر اس کو خاص ان لوگوں کیلئے لکھ لیں جو پرہیزگاری اختیار کریں گے)۔ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ہماری نعمتیں دنیا میں ہر ایک کیلئے یکساں ہیں مگر آخرت میں مومنوں کے ساتھ مختص ہوں گی اور کفار اس سے محروم ہوں گے۔

رحیم کے معنی بہت زیادہ رحمت کرنے والا ہے: سورۂ توبہ میں رسول اللہ ﷺ کو رءوف الرّحیم فرمایا یعنی آپ مسلمانوں پر نہایت درجہ شفیق اور مہربان ہیں۔ اس سے مراد یہ بھی لی جاتی ہے کہ وہ بالواسطہ عطا میں رحیم ہے۔ اس سورۃ میں اللہ کے دو ناموں رحمٰن اور رحیم کا ذکر ہوا ہے۔ اللہ کا نام اسمِ ذات اور اسمِ جلال تھا لہٰذا رحمٰن اور رحیم کے صفاتی نام ساتھ ملائے تا کہ ہر کوئی بغیر خوف کے پکارے۔ اللہ نے قرآن کو ان تین ناموں سے شروع کیا ہے اور مخلوق کو بھی تین قسموں میں تقسیم کیا یعنی سَابِقُوْنَ، مُقْتَصِدٌ اور ظَالِمٌ چنانچہ اللہ سابقین کیلئے خاص ہے، رحمٰن میانہ روی والوں (مقتصد) کیلئے ہے اور رحیم ظالموں کیلئے۔ رحیم انتہائے رحم کی طرف دلالت کرتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ رحیم وہ ہے جو بہت رحم کرے، عطا کرنے سے تنگی کا اظہار نہ کرے، عطاؤں کے بعد خوشی کا اظہار کرے، بلکہ نہ مانگنے پر ناراضگی کا اظہار کرے۔

امام غزالیؒ نے جواہر القرآن میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنی کتاب کو ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' سے شروع کیا تو اسے معلوم ہوا کہ لوگ اس سے ڈرتے ہیں چنانچہ اس نے ''اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' کا ذکر کیا تا کہ اس سے ڈرنے اور اس کی طرف رغبت کرنے کی دونوں محبتیں جمع ہو جائیں۔ قرطبی نے لکھا ہے اس سے اطاعتِ الٰہی میں مدد ملتی ہے۔ عبدالرحمن صفوریؒ نے نزہۃ المجالس میں لکھا ہے کہ اگرچہ بسم اللہ شریف میں اللہ کی صفات یعنی رحمٰن و رحیم کا بیان ہو چکا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے فوراً بعد سورہ فاتحہ شریف میں الرحمٰن الرحیم کو دوبارہ کیوں لکھا ہے؟ تفسیر نیشاپوری میں اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ کو اپنی رحمت اور عنایت کی تاکید کرنا مقصود تھی۔

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۷۴۲۳، جلد ۳، صفحہ ۱۰۲۸۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

اپنی رحمانیت اور رحیمیت کا یقین دلانے کے بعد فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ اپنی زندگی میں بے خوف ہو جائیں اور من مانی کرتے رہیں۔ جب کسی کا خوف نہ ہو تو انسان تمام قوانین اور اخلاقی اقدار کو بالائے طاق رکھ کر عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے لگتا ہے جیسے اقوامِ مغرب خود کو بخشے بخشائے سمجھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ ان کے پیغمبر علیہ السلام نے سولی پر چڑھ کر سب قوم کا کفارہ ادا کر دیا۔ اس آیت میں اُمتِ محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگرچہ میں نے تمہیں امن و امان بخشا اور آخرت میں بہشت کا وعدہ کیا ہے لیکن اگر تم اپنی حیات میں لاپرواہ اور بے خوف ہو گئے تو یاد رکھو یومِ حساب میں گرفت بہت سخت ہو گی۔

قرآن میں باری تعالیٰ نے اس طرف اشارہ کیا ہے اور اس بات کو بالکل واضح کیا ہے کہ انسانوں کیلئے موت اور حیات کا مقصد سوائے دنیاوی آزمائش کے اور کچھ نہیں تا کہ ہم دیکھ لیں کہ کون اللہ سے ڈر کر نیک اعمال کو آخرت کا توشہ بناتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ آزمائش بھوک، تنگ، خوف سے، جان و مال کے تلف ہو جانے اور پھلوں کی کمی سے ہو گی۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر اس بھوک اور خوف سے بچنا ہو تو ربِ کعبہ کی عبادت کرو ''فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۙ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ڏ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝'' (چاہیے کہ اِس خانۂ خدا کے ربّ کی عبادت کریں جس نے انہیں بھوک میں کھانے کو عطا فرمایا اور خوف سے امن عطا فرمایا) (قریش: ۳، ۴) یہی مضمون سورۂ فاتحہ میں اختصار کے ساتھ دیا گیا ہے اور یہ بالکل درست ہے کہ سورۂ فاتحہ قرآن کا خلاصہ ہے۔ سورۂ فاتحہ اور قرآن کے ربط سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کیلئے بھی ہے جو کہ عبادت تو کر سکتے ہیں مگر جوتے کے ڈر سے اگرچہ کچھ لوگ خدا کی رحمت کی اُمید پر عبادت کرتے ہیں۔

مٰلِكِ: کے معنی مالک کے ہیں۔ کچھ لوگ ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' پڑھتے ہیں یہاں مالِكِ کے معنی بادشاہ کے ہوتے ہیں۔ یہ لفظ سورہ فاتحہ میں دونوں طرح استعمال ہو سکتا ہے لیکن مالک بہتر ہے کیونکہ اس میں چار لفظ ہیں ملک میں تین لفظ ہیں اگر کوئی مالک پڑھے تو ۴۰ نیکیوں کا ثواب ملتا ہے اور ملک پڑھنے سے صرف ۳۰ نیکیاں ملتی ہیں۔ دوسرا یہ کہ بادشاہ کو رعایا کی رعایت کرنا پڑتی ہے اور مالک اپنی مملوک کا مکمل مالک ہوتا ہے جب کہ بادشاہ رعایا کا مالک نہیں بلکہ رعایا بادشاہ کو نکال سکتی ہے۔ تیسرے یہ کہ رعایا بادشاہ سے ہر کام کی اجازت نہیں لیتی لیکن غلام مالک کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا۔ چوتھا یہ کہ رعایا ہر چیز بادشاہ سے نہیں مانگتی لیکن غلام ہر چیز اپنے مالک سے مانگتا ہے جیسے ہم بھی ہر چیز اللہ ہی سے مانگتے ہیں۔ پانچویں یہ کہ بادشاہ رعایا سے ٹیکس لے کر حکومت کے اخراجات چلاتا ہے اس سے اس کی محتاجی ظاہر ہوتی ہے جب کہ مالک غلام سے بے نیاز ہے اور ٹیکس وصول نہیں کرتا۔ چھٹے یہ کہ بادشاہ اپنے نااہل ملازمین کو ریٹائر کر دیتا ہے یا نکال دیتا

ہے مگر آقا ایسا نہیں کرتا اور غلام کو تا حیات اپنے پاس رکھتا ہے اور بیمار ہو تو علاج کرواتا ہے اور نکال نہیں دیتا۔

ساتویں یہ کہ بادشاہی میں ہیبت ہے اور ملکیت میں رحمت ہے۔

یَوْمِ الدِّیْنِ: کا معنی بدلہ یا انصاف یا فیصلے کا دن ہے یعنی عبادات و معاملات اور حقوق اللہ و حقوق العباد کے فیصلے کا دن بعض لوگ ''یَوْمِ الدِّیْنِ'' کو دین کے فیصلے کا دن کہتے ہیں کیونکہ اس دن معلوم ہو جائے گا کہ تمام ادیان میں سے کون سا دین صحیح ہے۔ مالکِ یوم الدین اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دن بھی ہر چیز کا مالک ہوگا۔ جس دن قیامت ہوگی اور کوئی بھی کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوگا۔ ''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ط لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ'' (المومن:۱۶) (کس کی بادشاہی ہے آج کے دن (کسی کی نہیں) صرف اللہ کی جو واحد اور قہار ہے)۔ یہاں پر اَلْمُلْكُ ملکیت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے کہ آج کے دن کوئی بھی کسی چیز کا مالک نہیں سوائے اللہ کے اس سے یہ مراد لینا درست نہیں کہ کوئی کسی کو بخشوا نہیں سکتا اور اس دن شفاعت بھی نہ ہوگی۔ تاجدارِ کائنات، شفیع المذنبین، رحمۃ للعلمین حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے حقِ شفاعت عطا فرمایا ہے جو آیاتِ قرآنی اور متعدد احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔ اس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے صلحا و اتقیا اور دیگر مقربین بارگاہِ الٰہی کو بھی اللہ کی طرف سے اذن ہوگا اور وہ بخشوا سکیں گے اور یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ خود ہی بخش دیں گے۔

اِیَّاكَ نَعْبُدُ

نمازی اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرنے کے بعد اب براہِ راست اللہ سے خطاب کرتا ہے کہ الٰہی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ منشاءِ الٰہی بھی یہی ہے کہ گو میں رحمٰن اور رحیم ہوں قیامت کے دن کا مالک بھی ہوں اور تمہارے لیے رحمانیت اور رحیمی صفات کو بروئے کار لاتا ہوں تو تمہیں چاہیے کہ میری عبادت کرو۔ اِیَّاكَ (تیری ہی صرف) کا لفظ خدا کی بزرگی کیلئے پہلے لایا گیا ہے لیکن اگر نمازی کا دل نماز میں کسی اور جانب ہے تو اس کی نماز (جس کا اسے خیال آرہا ہے) اُسی کیلئے ہوگی اور بندہ خدا کے سامنے جھوٹا ثابت ہو جائے گا کیونکہ وہ تو جانتا ہے کہ اس کے دل میں کون بسا ہوا ہے۔ نَعْبُدُ کے معنی ''ہم عبادت کرتے ہیں'' (عبادت کے لغوی معنی یہ ہیں کہ کسی کو خالق کا حصہ دار جان کر اطاعت کرنا اور خالق مان کر) اسلام میں کوئی کام جو رب کی رضا کیلئے کیا جائے عبادت کہلاتا ہے۔ عَبْدٌ کا اطلاق بھی اِسی پر ہوتا ہے کہ جو اس کا بندہ ہے اور بندہ بننے کیلئے بہت سی صفات کی ضرورت ہے مثلاً رب کی رضا میں راضی ہونا، اس کی نعمت پر شکر بجالانا اس کی طرف سے دی ہوئی ہر بلا پر صبر کرنا اور عقائد درست کرنا۔ اس سورۃ میں نَعْبُدُ جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے کیونکہ نمازی تمام فرشتوں، نیک بندوں، انبیاء کرام اور اولیاء کا ساتھی ہوتا ہے جو پہلے نماز پڑھ چکے ہیں یا بعد میں پڑھیں گے۔ اس طرح اچھوں کے ساتھ بُروں کی نماز بھی قبول ہو جائے گی۔ نمازی کو یہ سمجھنا چاہیے کہ میں حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیائے اُمت کی اتباع میں نماز پڑھ رہا ہوں۔

اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ

عبادت کے ذکر میں یہ کلماتِ دعائیہ ہیں، نمازی نماز میں داخل ہونے سے قبل اس کی ظاہری شرائط پوری کرتا ہے (نماز کا وقت ہونا، بدن، جائے نماز، لباس کا پاک ہونا وغیرہ) کیونکہ ان کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ پھر نمازی خدا سے التجا کرتا ہے کہ الٰہی ظاہری شرائط کو تو میں پورا کر کے تیرے دربار میں حاضر ہو گیا ہوں اب یا الٰہی نماز کی باطنی صفات (دل کا نماز میں ہونا، خشوع وخضوع کا ہونا، ریا سے پاک ہونا وغیرہ) کو پورا کرنے میں تیری مدد چاہتا ہوں۔ الٰہی! نماز میں نفس، شیطان اور دنیاوی الجھنیں جو نماز کی ادائیگی میں رکاوٹ ڈالتی ہیں ان میں ہماری مدد فرما۔ اس مدد کے ساتھ الٰہی تمام دنیاوی اور دینی کاموں میں بھی ہماری مدد فرما۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی جارہی ہے کہ الٰہی قیامت کے روز کے عذاب سے بچنے کیلئے اور تیری خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ہمیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت عطا فرما۔ مزید برآں اس دنیا میں وقت کو کامیابی کے ساتھ گزارنے کیلئے سیدھے راستے پر چلنے کی ضرورت شدت سے محسوس ہوتی ہے کیونکہ مسلمان کو دنیا اور آخرت دونوں جگہوں پر بھلائی مطلوب ہے۔ اس جگہ پر ہدایت اور صراطِ مستقیم کی وضاحت کرنا ضروری ہے۔

ہدایت کیا ہے؟

اَلْھِدَایَۃُ کے معنی لطف وکرم کے ساتھ کسی کی رہنمائی کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں چار طرح کی ہدایت کا ذکر فرمایا ہے۔

(۱) ایک وہ ہدایت جس میں عقل اور معارفِ ضروریہ عطا ہوتے ہیں۔ یہ ہر جاندار کو اپنی جنس کے اعتبار سے حسبِ ضرورت عطا فرمائی گئی ہے جیسا کہ فرمایا: ''رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی'' (طٰہٰ:۵۰) (ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اس کی بناوٹ عطا فرمائی پھر (ان کی خاص اغراض کو پورا کرنے کی) راہ دکھائی)۔

(۲) دوسری ہدایت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اور کتبِ سماوی بھیج کر جملہ انسانوں کو راہ ہدایت کی طرف دعوت دی جیسے فرمایا: ''وَجَعَلْنَا مِنْھُمْ اَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ط'' (السجدہ:۲۴) (ہم نے ان (بنی اسرائیل) میں سے بعضوں کو (دین کا) پیشوا بنایا تھا۔ جو (لوگوں کو) ہدایت کرتے تھے ہمارے حکم سے جب تک وہ صابر رہے)۔

(۳) تیسری ہدایت بمعنی توفیقِ خاص کے قرآن میں بیان ہوئی ہے۔ ''وَالَّذِیْنَ اھْتَدَوْا زَادَھُمْ ھُدًی

وَّاٰتٰھُمْ تَقْوٰھُمْ" (محمد:۱۷) (اور جو لوگ راہِ ہدایت پر چلے اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے ان کے نورِ ہدایت کو اور انہیں تقویٰ کی توفیق بخشتا ہے)۔ کئی اور مقامات پر اسی طرح فرمایا۔ "وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا" (عنکبوت:۶۹) (جن لوگوں نے ہمارے دین (کے کام) میں کوشش کی ہم (بھی) ان کو ضرور اپنے راستے دکھائیں گے (جس سے وہ منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں)۔ "وَیَزِیْدُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اھْتَدَوْا ھُدًی" (اور جو لوگ راہ راست پر ہیں اللہ تعالیٰ ان کو (روز بروز) زیادہ ہدایت دیتا چلا جاتا ہے (نور ہدایت میں اضافہ کرتا ہے) (مریم:۷۶)۔ "فَھَدَی اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" (البقرہ:۲۱۳) (تو خدا نے (اپنی عنایت سے) مسلمانوں کو راہ (ہدایت) دکھائی)۔

(۴) چوتھی قسم کی ہدایت سے مراد جنت کی طرف راہنمائی کرنا ہے، مثلاً "وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ" (الاعراف:۴۳) (اگر خدا ہم کو راستہ نہ دکھاتا تو ہم راستہ نہ پا سکتے تھے)۔

یہ چاروں قسم کی ہدایت ترتیبی ہے یعنی جسے پہلے درجے کی ہدایت میسّر نہ ہو وہ دوسرے درجہ ہدایت پر فائز نہیں ہو سکتا اور جسے چوتھے درجے کی ہدایت حاصل ہے اسے پہلے تین درجنوں کی ہدایت لازماً حاصل ہو گی۔ ایک انسان دوسرے انسان کو رہنمائی کے ذریعے ہدایت کر سکتا ہے۔ باقی اقسامِ ہدایت، اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں اور اہلِ دعوت اللہ کے حکم سے ہدایت کرتے ہیں اور ہر قوم میں ہادی بھیجے گئے ہیں۔ کچھ لوگوں کے نصیب میں ہدایت نہیں ہے۔ قرآن نے اس کی بہت سی وجوہات بیان فرمائی ہیں، مثلاً ظالموں، فاسقوں، بعض دنیا پسند کافروں اور عقل کے اندھوں کو ہدایت نہیں دی جاتی۔

قرآن اور حدیث کی رُو سے معلوم ہوا ہے کہ جو شخص ہدایت کا طلب گار اور متلاشی ہو اللہ تعالیٰ اسی کو ہدایت بخشتا ہے اور کفر و ضلالت کے خواہاں کو ہدایت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ یہ بات بالکل درست ہے کہ جو لوگ دن اور رات کے کئی اوقات میں ہدایت کی خواہش کرتے رہتے ہیں وہ ضرور ہدایت پا لیتے ہیں۔ جو اللہ کے عطیات کا خواہشمند نہیں اسے یہ عطیات نہیں دیئے جاتے گویا ان لوگوں میں علم و معرفت حاصل کرنے کی طلب اور صلاحیت ہی نہیں۔

ہدایت ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی

حصولِ ہدایت کیلئے ایک ماننے والا دل اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب بجالانے کا جذبہ ضروری ہے۔ یہاں علم و کمال اور فن کام نہیں آتے۔ عشقِ الٰہی اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آگ جس دل میں نہ ہو وہاں ہدایت کا اعلیٰ معیار متصور نہیں ہو سکتا۔ قرآن فرماتا ہے کہ "جو فسق و فجور میں ڈوبا ہوا ہے اس کو گمراہی کے گڑھے میں ڈال دیا جاتا ہے"۔ "یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا وَمَا یُضِلُّ بِہٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ" (البقرہ:۲۶) (اللہ تعالیٰ اس (قرآن) سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیتا ہے، بہت سے لوگوں کو ہدایت دے دیتا ہے اور

اس سے انہیں گمراہ کرتا ہے جو بے حکم ہیں)۔ جو لوگ گمراہ ہو رہے ہیں وہ بھی اِسی قرآن کا حوالہ دیتے ہیں اور جو ہدایت پا رہے ہیں وہ بھی اسی قرآن کا حوالہ دیتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک زمین کا ٹکڑا صاف اور ستھرا ہے، اس میں پھل اور باغات لگتے ہیں اور دوسرے ٹکڑے میں غلاظت کے ڈھیر موجود ہیں۔ بارش جب ہو تو دونوں ٹکڑوں پر یکساں قطرات گرتے ہیں۔ اگرچہ بارش کا کام سیراب کرنا ہے مگر اس کے اثرات سے ایک ٹکڑے کو تو اناج اور پھل ملتے ہیں جب کہ دوسرے میں سخت تعفن پھیل جاتا ہے جس سے لوگوں کو ہلاکت ملتی ہے۔ بارش کی نعمت دونوں کیلئے یکساں ہے مگر ایک ٹکڑا اپنی صفائی اور پاکیزگی کی وجہ سے فیض یاب ہو رہا ہے اور دوسرا ٹکڑا اپنی غلاظت کی وجہ سے محروم ہے۔ یہ ٹکڑا ان لوگوں کی طرح ہے جن کے اندر فسق و فجور ہے، لہٰذا اُن کیلئے گمراہی اور تعفن جنم لیتا ہے جب کہ دوسرے لوگ سلامتی اور حیات پا جاتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے تکبر، دنیا پرستی، نخوت اور بدوں کی دوستی میں حق بات اور خدا کی طرف ہدایت سے رُکے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کو سوائے بدبختی اور محرومی کے اور کچھ نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جس کا وہ ذرا بھی نیکی کی طرف میلان پاتا ہے تو اس کے دل میں ہدایت کی توفیق کا اِلقاء کر دیتا ہے۔ ''وَمَنْ یُّؤمِنْ بِاللّٰہِ یَھْدِ قَلْبَہٗ ط'' (التغابن:۱۱) (جو شخص خدا پر ایمان لاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے)۔

''اللہ جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے''......کا مطلب

سورۂ البقرہ میں ہے کہ اللہ بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیتا ہے مگر وہ ماسوائے فاسقین و سخت دِل اور برائی میں الجھے ہوئے لوگوں کے اور کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی معلم اپنی طرف سے سکھانے کی کوشش کرے اور طالبِ علم استفادہ کرنے میں کوتاہی نہ کرے تو ہدایت و تعلیم اس کے اس عمل سے نتیجہ خیز ہو سکتی ہے۔ اس کے برعکس اگر معلم نے ہدایت و تعلیم دی ہو اور طالب علم اس کو قبول نہ کرے تو طالب علم پر حرف شکایت ہوگا کہ اُس نے پرواہ نہیں کی۔ اسی بات کو اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان فاسقوں کو ہدایت نہیں دی ایسے ظالموں کو اللہ ہدایت دیتا ہی نہیں۔ ''وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ'' ایک اور جگہ فرمان الٰہی ہے۔ ''وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَھَدَیْنٰھُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰی عَلَی الْھُدٰی'' (حٰم السجدۃ:۱۷) (جو ثمود تھے ان کو ہم نے سیدھا راستہ دکھایا تھا مگر انہوں نے ہدایت کے مقابلے میں اندھا رہنا پسند کیا)۔

قرآن میں کسی آیت سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ کسی کو گمراہ کرنے کا سبب خود اللہ کی طرف سے ہے بلکہ اتمام حجت کیلئے اس نے ہر قوم ہر قریہ میں ہادی بھیجے اور اگر کوئی خود آنکھیں بند کر لے تو یہ خدا کی طرف سے گمراہی نہیں کہلائے گی۔ جہاں تک نوشتۂ تقدیر کا تعلق ہے اس کے متعلق یہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ذاتی صفات سے معلوم تھا کہ فلاں فلاں شخص تمام عمر گمراہی میں بھٹکتے رہیں گے چنانچہ اس نے لوح محفوظ میں لکھ دیا

اور لکھنے کے بعد انسان کو عملِ پیہم پر اختیار دے کر دنیا میں بھیجا اور اس کے عمل سے بھی اس کا گمراہ ہونا ثابت ہو گیا کہ وہ تمام عمر گمراہی میں بھٹکتا رہا۔ کمال کی بات یہ ہے کہ اس نے ہمیں یہ بھی بتا دیا کہ اگر ایسا گمراہ شخص توبہ و استغفار کرنے کے بعد نیک اعمال کی دعا کرتا ہے یا اللہ کی طرف رجوع کی تمنا اور کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے کو بھی بدل دیتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے۔ "یَمْحُوااللہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ" (الرعد:۳۹) (خدا جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) قائم رکھتا ہے)۔

یہاں پر اللہ کے چاہنے کا مطلب بھی یہ ہے کہ اگر کوئی بندہ رجوع اِلی اللہ کی مطلوبہ شرائط پوری کر دے تو پھر خدا چاہے تو اس کا نام فاسقین کی فہرست سے ہٹا کر صالحین کی فہرست میں شامل کر دے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ بندے نے کوشش کی اور اللہ نے اس کو نہ چاہا بلکہ یہ کہنا بجا ہو گا کہ اللہ تو چاہتا ہی ہے کہ بندہ میری طرف آئے۔ اس کا فرمان ہے کہ "میں تمہیں عذاب دے کر کیا کروں گا"۔ اگر کوئی ایک بالشت اس کی طرف جاتا ہے تو وہ ایک ہاتھ اس کی طرف آتا ہے۔ دراصل یہ شیطان کی ایجاد ہے کہ جس نے اپنی غلطی کا اِلزام خدا پر دھرا اور پھر یہ کہہ دیا کہ خدایا تو نے تو ازل سے میری گمراہی کا پروگرام مرتب کیا تھا چنانچہ (نعوذ باللہ) میری گمراہی تیری وجہ سے ہے۔ اَسْتَغْفِرُاللہَ! خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا اور اگر وہ ہدایت نہ دینا چاہتا تو پھر اس قدر انبیاء کرام اور اولیاء کرام (ہادیوں) کو ہم تک کیوں بھیجتا؟

ہدایت کا منشاء

مندرجہ بالا گفتگو سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ہدایت گمراہی اور شہواتِ نفسانیہ میں گرفتار ہونے سے حفاظت کی دعا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہدایت میں طلبِ توفیق کی اِلتجا ہے اور تمام شیطانی طاقتوں سے بچے رہنے کی دعا ہے۔ تفسیرِ نعیمی نے مندرجہ بالا گفتگو کو زیادہ آسان الفاظ میں لکھا ہے کہ ہدایت چند طرح کی ہوتی ہے۔

(۱) ہدایتِ الہامی: جو کسی کے بتائے بغیر ہو جیسے بچے کا دودھ چوسنا اور رو کر ماں کی طرف مائل ہونا، عین اس طرح خدا نے سب کو اپنا رب ہونا بتا دیا ہے۔

(۲) ہدایتِ حِسّی: احساس سے ہے جو حواس درست ہونے کے بعد ہوتی ہے جیسے بچہ بڑا ہو کر اچھے بُرے میں فرق محسوس کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح اس کو نیکی اور بدی میں اور اچھی بُری خصلتوں میں فرق معلوم ہونے لگتا ہے۔

(۳) ہدایتِ عقلی: جو عقل کی مدد سے حاصل ہوا سے ہدایتِ نظری بھی کہتے ہیں۔ دنیا کے کارخانے کو دیکھ کر انسان دلائل قائم کر کے اس نتیجے پر پہنچتا ہے۔ وہ لاکھوں دلائل سے خدا کو مان سکتا ہے اور ہدایت پا سکتا ہے۔

(۴) ہدایتِ الٰہیہ: وہ ہے جو پیغمبروں کی مدد اور اللہ کے فضل سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ہدایتِ عامہ جسے ہدایتِ توفیقی بھی کہتے ہیں۔ اس میں شرعی احکام یا ظاہری عقائد اسلام کی ہدایت ملتی ہے اور دوسری قسم ہدایت خاصہ ہے جو نورِ نبوت یا نورِ ولایت سے خاص لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ ہدایت

الٰہیہ ہمارے لیے آخری درجے کی ہدایت ہے مگر حضور ﷺ کیلئے پہلی ہدایت ہے۔ پہلی وحی کے وقت آپ اعتکاف اور ذکر میں مشغول تھے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ماں کی گود میں بھی اوقاتِ رمضان میں دودھ نہ پیتے تھے۔ جب صوفیائے کرام ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' کہتے ہیں تو نَسْتَعِیْنُ سے اس آخری درجے کی ہدایتِ خاصہ کو طلب کرتے ہیں کیونکہ یہ ہدایت اس وقت ملتی ہے جب خدا کو بندے کی کوئی خاص ادا پسند آجائے، جیسے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے تمہیں کس شے کے سبب ساری مخلوق سے اعلیٰ اور کلیم بنایا، تو پھر خود ہی فرمایا کہ ہم نے دیکھا تھا کہ تم ہماری عالی بارگاہ میں تواضع کے ساتھ خاک پر پڑے ہوئے تھے پس اس سبب سے ہم نے تم کو سارے آدمیوں سے بالا بنادیا (اس سے مراد زمین کی خاک نہ تھی بلکہ اس سے مراد عالمِ ارواح کے اندر نفس اور روح کا روحانی خاک پر لوٹنا تھا)۔ روایات میں ہے کہ پہلے تو موسیٰ علیہ السلام دن میں ایک بار اس خاک پر لیٹا کرتے تھے، لیکن جب مدارجِ کمال بلند ہو گئے تو ہر روز کئی بار اس خاک پر لیٹا کرتے تھے۔ ہدایت کیلئے مندرجہ ذیل اصطلاحات بھی استعمال ہوتی ہیں۔

اَلْاِھْتِدَاءُ: کا معنی ہے ہدایت پانا۔ اس سے مراد وہ ہدایت ہے جو امور دنیاوی یا اخروی کے متعلق انسان اپنے اختیار سے حاصل کرتا ہے جیسے فرمایا: ''وَجَعَلَ لَکُمُ النُّجُوْمَ لِتَھْتَدُوْا بِھَا'' (الانعام:۹۸) (خدا نے تمہارے لیے ستارے بنائے تاکہ تم ان سے راستہ معلوم کرو)۔

اَلْمُھْتَدِیْ: اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی عالم کی اقتداء کر رہا ہو، ''اَلْمُھْتَدِیْ لِمَنْ یَّقْتَدِیْ بِعَالِمٍ''[1]۔

اِھْتَدٰی: کے معنی لگاتار ہدایت طلب کرنے اور اس میں سستی نہ کرنے کو کہتے ہیں جس سے دوبارہ گناہوں کی طرف رجوع نہ کرے جیسے سورۂ بقرہ میں آیت ۱۵۷ میں فرمایا ''وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ'' (یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں)۔

صِرَاطِ مُسْتَقِیْم کیا ہے؟

اَلصِّرَاطُ لغت میں طریقِ واضح کو کہتے ہیں۔ تشبیہہ میں راہِ حق کو صراطِ مستقیم کہا جاتا ہے یعنی سیدھا راستہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صراطِ مستقیم کتاب اللہ ہے کیونکہ قرآن کھلے راستے کی طرح واضح ہے۔ مستقیم کے معنی راستے کے خطِ مستقیم کی طرح سیدھا ہونے کے ہیں۔ قرآن میں (سورۃ الانعام:۱۵۴) میں ہے ''وَ اَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا'' (اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے)۔ یعنی وہ جو حضور ﷺ کی زبان سے کہلوایا گیا ہے اور ایک جگہ خدا کے بارے میں حضور ﷺ سے کہلوایا گیا کہ ''اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ'' (ہود:۵۶) جس کا مطلب یہ ہے کہ تقدیر و تدبیر جزا و سزا، عطا و حرمان کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے تمام افعال صراطِ مستقیم یعنی عدل و انصاف پر مبنی ہیں۔ زیرِ غور آیت میں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے کیونکہ جو دعا سب کیلئے ہو وہ زیادہ قبول ہوتی ہے۔ جمع کے صیغے میں کافر، فاسق، مومن، متقی سب لوگ شامل ہیں۔ کافر کیلئے ہدایت

---

[1] مفردات فی غریب القرآن، جلد ۱، صفحہ ۵۴۱۔

ایمان کا ملنا ہے، فاسق کیلئے ہدایت دین پر چلنا ہے۔ مومن کیلئے ہدایت تقویٰ کا حاصل ہونا ہے اور متقی اور مقبولوں کیلئے قُربِ الٰہی اور مقربین کیلئے کمالِ قُرب کا ملنا ہدایت میں شامل ہے۔

صِرَاطِ مُسْتَقِيمْ کی افادیت

سیدھا راستہ تب ہی فائدہ مند ہے اگر وہ کسی منزل تک پہنچائے ورنہ ایسے راستے پر کوئی نہیں چلتا جس کے پیش نظر کوئی منزل نہ ہو چنانچہ سیدھے راستے کا مقصود راستہ نہیں ہے بلکہ منزل ہے۔ راستہ اس وقت پوچھا جاتا ہے جب پوچھنے والا منزل سے آشنا ہو لیکن منزل کو جاننا ہی کافی نہیں بلکہ اس منزل کو پانے کی آرزو ہو جائے تو یہ بھی ہدایت پانے کا ایک درجہ ہے کیونکہ اس آرزو میں نیت شامل ہے اور عمل کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے اور جس نے نیت کی تو اس کا اجر اس کو عمل کرنے سے پہلے ہی مل جاتا ہے خواہ وہ عمل کرے یا نہ کرے۔ اسی لیے حدیث میں فرمایا گیا ہے ''نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ''[1] (مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے) منزل تک پہنچنے کا فیصلہ کر لینے کے بعد یہ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ پہنچانے والا راستہ کونسا ہے پھر اس کے بعد منزل تک پہنچنا ہے۔

ہدایت کے راستے پر چلنے کے تین درجے ہیں۔ پہلا راستہ دکھانے کا یعنی یہ کہ ہمیں سیدھا راستہ بتلا۔ دوسرا منزل تک لے جانے کا درجہ ہے اور تیسرا مطلوب تک پہنچنے کا درجہ ہے۔ جب منزل کی خبر ہی نہ ہو تو کوئی کیا راستہ پوچھے گا۔ ہم اللہ سے پوچھتے ہیں کہ الٰہی ہمارا راستہ کیا ہے یعنی ہمارے مرنے، جینے، اٹھنے، بیٹھنے، کام کرنے اور زندگی بسر کرنے کا کیا مقصد ہے۔ خدا اس پوچھنے والے کو قرآن کے ذریعے بتلاتا ہے کہ انسان کی منزل لِيَعْرِفُوْنَ ہے (اللہ کو پہچاننے کی)۔ اللہ کی طرف سے راستے بتائے جاتے ہیں لیکن نمازی کہتا ہے کہ اے اللہ! تو بتادے کہ ان بہت سے راستوں میں سے کونسا راستہ صحیح ہے جس سے منزل مل جائے۔ تو گویا یہ دُعا کرنا سراسر التجا ہے اور راستہ پانے کی آرزو ہے۔

صوفیاء نے صراط مستقیم سے مراد وہ راستہ لیا ہے جو محبت اور عقل دونوں کو جامع ہو یعنی سلوک کا راستہ کیونکہ محض عقل جس میں عشق نہ ہو تو وہ بے دینی ہے اور محض عشق جس میں عقل نہ ہو جذب کہلاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام تجلیٰ الٰہی دیکھ کر بے ہوش ہو گئے۔ یہ جذب کی مثال تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج میں عین ذاتِ خدا کو دیکھ کر تبسم فرماتے رہے۔ یہ سلوک کی مثال تھی۔

موسیٰ زِ ہوش رفت بہ یک پر توِ صفات — تو عین ذات می نگری و در تبسمی

(موسیٰ علیہ السلام ایک صفاتی جلوہ دیکھ کر ہوش کھو بیٹھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عین ذاتِ حق کو دیکھ کر بھی تبسم فرمایا)

سفرِ منزل کیلئے سواری کی ضرورت ہے۔ بلا میں صبر، نعمت میں شکر، قضا میں رضا اور نفس کیلئے خود سے

---

[1] المعجم الکبیر، حدیث ۵۸۰۹، جلد ۵، صفحہ ۴۷۶۔

بے اعتمادی حاصل کرنا سواری ہے۔ اس کے علاوہ عبادات، ریاضتِ شاقہ، ذکر وفکر کے گھوڑے پر سواری کرنا اولیاء اللہ کا طریقہ ہے۔ اَلاِسْتِقَامَۃُ فَوْقَ الْکَرَامَۃِ بھی سواری ہے۔ خلیل اللہ علیہ السلام نے آگ میں چھلانگ لگا دی۔ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کی اتباع اختیار کی (حالانکہ خضر علیہ السلام آپ کے درجے سے کم تھے) لیکن اللہ کا حکم ہوا تو موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کے پاس گئے۔ یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تکمیل کیلئے ہمارے لیے روشن مثالیں ہیں۔ نمازی کو نماز سے اس قسم کی عبادت حاصل کرنا مقصود ہے۔

سورۂ فاتحہ میں صراطِ مستقیم سے عقیدے اور اعمال کا سیدھا راستہ مراد ہے۔ افراط وتفریط کی بجائے میانہ روی بھی صراط مستقیم ہے۔ تمام دینوں میں اسلام صراطِ مستقیم ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دین مشکل تھا اور عیسوی دین میں بہت نرمی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کیلئے فرمایا گیا۔ ''وَ کَذٰلِكَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا'' (البقرۃ: ۱۴۳) (اور اس طرح ہم نے تمہیں ایک متوسط امت بنایا)۔ اس صراطِ مستقیم میں عملی زندگی کو سنت کے مطابق ڈھالنا اور عقائد کی درستگی کی دعا ہے۔ زندگی میں اعتدال کو ملحوظ خاطر رکھنا، اخلاق، خودداری، دشمنانِ اسلام سے بیزاری اور دنیاوی زندگی میں بردباری صراط مستقیم کی مثالیں ہیں۔

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ

ان لوگوں کا راستہ (دکھا) جن پر تو نے انعام کیا (یعنی احسان کیا) اس آیت میں نمازی کی التجا ہوتی ہے کہ الٰہی ہم ان کا راستہ مانگتے ہیں جن پر تو نے احسان کیا گویا نیک بندوں کا راستہ سیدھا راستہ ہے چنانچہ پہلے تو راستہ مانگا اب راستے کے رہبر طلب کئے جا رہے ہیں کیونکہ راہبر کے بغیر کوئی بھی راستہ طے نہیں ہوسکتا۔ اس راستے سے مراد وہ راستہ ہے جو اِفراط وتفریط کے درمیان ہو کیونکہ افراط والا راستہ اَلْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ والا راستہ ہے اور تفریط والا راستہ ضَآلِّیْنَ (گمراہی) والا راستہ ہے۔

اَلنِّعْمَۃُ: لغت میں اچھی حالت کو کہتے ہیں اور نِعْمَۃٌ کے معنی آرام اور آسائش کے ہیں۔ نِعْمَۃٌ اسمِ جنس ہے جو تعداد کے قلیل یا کثیر ہونے کو ظاہر کرتا ہے جیسے فرمایا ''وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا'' (اگر خدا کے احسان گننے لگو تو شمار نہ کرسکو گے) (النحل: ۱۸)۔

اَنْعَمْتَ: انعام سے مشتق ہے جس کے معنی لغت میں نرمی کا پایا جانا ہے۔ جس طرح عرب کے لوگ نرم کپڑوں کو ثِیَابٌ نَاعِمٌ کہتے ہیں۔ اصطلاح میں سرور اور لذّت کو نعمت کہنے لگے اور اب نعمت سے مراد وہ چیز ہے جس سے انسان کو راحت حاصل ہو چنانچہ مال ودولت، تندرستی وغیرہ کو نعمت کہتے ہیں۔ نعمت کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) ایک وہ جو بلا اسباب رب کی طرف سے ایجاد ہوتی ہے جیسے زندگی، بچپن کا رزق اور ہدایت وغیرہ اور ایسے ہی حُور وغلمان کو جنت کیلئے ہی پیدا کیا تاکہ جنت کو پُر کریں۔ (۲) دوسری نعمت وہ جو ہم تک کسی بندے کے ذریعے پہنچے جیسے کسی کے طفیلی ہونے سے جنت میں جانا مثلاً نابالغ بچے کے مرنے سے جنت مل

جائے۔(۳) تیسری نعمت وہ ہے جو ہمارے اعمال کے ذریعے ملے جیسے کسی خاص عمل کرنے سے رزق بڑھ جاتا ہے اور نیک عمل سے جنت کا ملنا اس کی مثال ہے۔ پہلی قسم کی نعمت میں (جو بلا اسباب رب کی طرف سے ہے) ہمارے بدن کے اعضاء اور ایمان و ہدایت بھی شامل ہیں۔ اس دینی دعا میں ایمان یا ہدایت کی نعمت مراد ہے چنانچہ دُعا کا معنی یہ ہوا کہ الٰہی ہم کو ان لوگوں کے راستے پر چلا جن کو تو نے دینی نعمتوں سے نوازا۔ وہ لوگ جن کو اللہ نے نوازا کون ہیں؟ قرآن فرماتا ہے ''وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ '' (النساء:۶۹) (اور جس نے اطاعت کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تو وہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین میں سے)۔

معلوم ہوا کہ اس دعا میں ہر نعمت کو شامل نہیں کیا کیونکہ اگر ہر نعمت مقصود ہوتی تو کفار، منافقین اور فاسقین بھی اس زمرہ میں آجاتے کیونکہ ان کو بھی عزت، دولت اور حکومت ملی ہے۔ یہ دنیاوی نعمتیں فانی ہوتی ہیں اس لیے حقیر ہیں لہٰذا اس جگہ یہی کامل نعمت مراد لی گئی ہے جو درج بالا آیت میں مذکور ہے۔ اس آیت کریمہ سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ انبیاء اور اولیاء کرام لائقِ تقلید ہیں اور ان کے رستہ پر چلنا صراط مستقیم پر چلنا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ اللہ والوں کی زبان رب کا قلم ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طریق پر اولیاء اللہ ہوں وہ سچا طریق ہے اس لیے فقہ نے اجماع (مسلمانوں کے متفقہ فیصلے) کے انکار کو کفر قرار دیا ہے۔ صوفیائے کرام کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کی پشت سے تمام روحوں کو نکالا پھر اس پر نور کا چھینٹا دیا، بعض لوگوں پر یہ چھینٹا پڑا تو وہ ہدایت پر آنے والی روحیں تھیں اور جو محروم رہے وہ لوگ گمراہی میں رہنے والے تھے۔

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

نہ ان کا راستہ جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا، اس سے پہلی آیت میں صراط مستقیم کا پتہ طلب کیا اور اس میں اس کی ضد یعنی گمراہ لوگوں کے راستے کے متعلق نفی ہو رہی ہے کہ خدایا گمراہ لوگوں کے راستے سے دور رکھ۔ پہلے نعمت والے راستے کی طلب تھی اب گمراہی کے راستے سے بچنے کی درخواست ہے جس پر اس کا غضب ہوا۔

غضب: کے معنی ہیں جوش یا بدلنا مگر اصطلاح میں اس حالت کا نام ہے جس میں بدلہ لینے کیلئے جوش پیدا ہوتا ہے اور جس میں اس کا حال پلٹ جاتا ہے۔

ضَآلّ: کے معنی حیرت بھی لیے جاتے ہیں مگر عام طور پر اس کے معنی گمراہ کے کئے جاتے ہیں۔ انبیاء کرام کیلئے جب ضال کا لفظ آئے تو وہاں حیرت یا وارفتگی کے معنی لیے جاتے ہیں اگر کوئی نبی کو ظالم کہے تو کہنے والا کافر ہو

جاتا ہے۔

مغضوب: سے مراد یہود لیے جاتے ہیں اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں، جیسا کہ ترمذی کی حدیث ہے ''اَلْیَھُوْدُ مَغْضُوْبٌ عَلَیْھِمْ وَالنَّصَارٰی ضُلَّالٌ'' ۔[1] تفسیر کبیر میں مغضوب کے معنی بدعمل، فاسق اور فاجر ہیں اور ضالین سے مراد کافر ہیں۔[2] بعض لوگ مغضوب کے معنی کھلے کافر اور ضالین سے فاسق بھی سمجھتے ہیں۔ سورۂ بقرہ میں بھی ترتیب میں پہلے مسلمان پھر کافروں کا اور پھر منافقوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعض نے کہا کہ مغضوب سے مراد وہ لوگ ہیں جو خدا کے منکر ہوں اور جو لوگ خدا کو تو مان لیتے ہیں مگر دوسری ایمانی چیزوں کے منکر ہوں وہ ضالین میں شامل ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مغضوب میں وہ لوگ آتے ہیں جن کی بدعقیدگی کفر تک پہنچ گئی ہے اور ضالین میں وہ لوگ جن کی بدعقیدگی کفر تک نہ پہنچی ہو۔ چونکہ انبیاء کی پیروی کرنے اور گمراہوں سے بچنے کا حکم ہے تو پھر انبیاء کا ایک لمحہ کیلئے بھی گمراہ ہونا روا نہیں کیونکہ یہ ان کے منصب کیخلاف ہے۔ اس میں ذرہ بھر شک کی گنجائش نہیں کہ انبیاء کرام معصوم ہیں چنانچہ جو لوگ ان کی راہ پر ہوں اور جن کا عقیدہ درست ہو ان کی صُحبت میں بیٹھنا ضروری ہے۔ بُرا یار ایمان برباد کر دے گا اس لیے اس سے بچنا ضروری ہے۔

نمازی کو جاننا چاہیے جو دولت، رشوت چور بازاری اور حرام ذرائع سے کمائی جائے وہ رب کے غضب کا سبب بنتی ہے اور وہ بندہ مغضوبین میں شامل ہو جاتا ہے۔ بلکہ ایسی حرام دولت کے نہ ہونے کی وجہ سے تکلیف میں رہنا اللہ کی نعمت ہے۔ عموماً عورتوں اور بچوں کا یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ ہمارے گھر میں دوسرے لوگوں کی طرح آسائش کے سامان کا ہونا ضروری ہے اور اگر ایسا نہ ہو سکے گا تو وہ اپنے گھر کے سربراہ کو اچھا تصور نہیں کرتے اور اس کے برعکس حرام خوروں کی عزت کرتے ہیں۔ ایسی عورتیں اور بچے خدا کے غضب کے مستحق بن جاتے ہیں۔ سب چھوٹے بڑے کو یہ جان لینا چاہیے کہ ایک غریب نیک انسان ہزاروں امیر اور راشی آدمیوں سے بہتر ہے۔ بعض عورتیں زبانی کلامی تو حرام رزق سے روک دیتی ہیں مگر تنگی مال کی وجہ سے میاں کی زندگی تلخ کر دیتی ہیں۔ یہ بھی حرام رزق پر اکسانے کے مترادف ہے۔ ہم کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ اگر کوئی امیر ہے تو وہ اپنی امیری کی بناء پر دوسروں سے اعلیٰ نہیں ہو جاتا۔

کچھ لوگ تو ازل سے ہی خدا کے فضل سے محروم ہو گئے اور بعض مقبول ہو کر بھی مردود ہو گئے (مثلاً ابلیس، باعور) بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو راہ پر چلے ہی نہیں اور دارِ سرور کی نعمتوں کو چھوڑ کر اس فانی دنیا کے دھوکے میں آ گئے اور ان کا خاتمہ بھی اسی پر ہو گیا۔ کچھ لوگ ڈھیلے ڈھالے طریقے سے چلے اور منزل پر نہ پہنچے اس لیے نمازی دُعا کرتا ہے کہ الٰہی ہمیں ان سب قسم کے لوگوں کی راہ سے بچا اور ایمان پر خاتمہ فرما۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا تھی ''تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ'' (الٰہی ہمارا خاتمہ ایمان پر کر اور ہمیں

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۲۸۷۸، جلد ۱۰، صفحہ ۲۱۱۔

[2] تفسیر الکبیر، جلد ۱، صفحہ ۱۸۳۔

صالحین کا ساتھ عطا فرما)۔

حقیقی الحمد تو اس وقت ادا ہوگی جب قبر، حشر اور پل صراط سے آگے گزر گئے اس مقام پر پہنچنے کے بعد ادا ہونے والی الحمد کے بارے میں کسی نے خوب کہا ہے ؎

للّٰه الحمد نه مردیم رسیدیم به دوست آفریں باد بر ایں ہمت مردانه ما

(اللہ کیلئے ہی حمد ہے کہ ہم مرے نہیں (بلکہ) دوست کے پاس پہنچ گئے۔ ہماری اس مردانہ ہمت پر آفرین ہے)

سورۃ الزمر کے آخری رکوع کی آیت ۷۴ میں ہے" وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ" (اور وہ (خوش بخت) کہیں گے کہ ساری تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ پورا فرمایا اور وارث بنادیا ہم کو اس (پاک) زمین کا، پس کتنا عمدہ اجر ہے نیک کام کرنے والوں کا)۔

آمین

آمین (قبول فرمالے) یہ اسم فعل ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ ایسا ہی کر یا "قبول فرما" آمین کے معنی ہیں "اِسْتَجِبْ دَعْوَتِیْ" یعنی اے اللہ میری درخواست قبول فرما۔ یہ قرآن کی آیت نہیں اور نہ کسی نے اس کو قرآن کی آیت ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ بایں وجہ اس کو قرآن میں بھی لکھا نہیں جاتا۔ سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد پڑھنے والے اور سننے والے کو آمین کہنا سنت ہے اور اسی طرح ہر دعا کے بعد کہنا بھی سنت ہے۔ تفسیر روح البیان میں حدیث نقل ہے کہ جبرائیل نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ فاتحہ کے لیے آمین ایسے ہے جیسے کتاب کیلئے مُہر یعنی جس طرح کتاب مُہر کے بغیر مکمل نہیں ہوتی اس طرح سورۂ فاتحہ آمین کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آمین (تو) رب العالمین کی مُہر ہے جس سے وہ بندے کی دعا پر مُہر لگاتا ہے، یعنی دعا اس کے اس لفافے کو جس پر آمین کی مُہر ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں کھولتا نیز وہ دعا یا تو قبول ہوتی ہے یا اس کا اجر کچھ (دوسری شکل میں) دے دیا جاتا ہے۔[1] حضرت وہب" فرماتے ہیں کہ آمین کے چار حروف ہیں اور کہنے والے کیلئے چار فرشتے دعا کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ "اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ تَاْمِیْنَهٗ تَاْمِیْنَ الْمَلٰٓئِکَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ"[2] (جب امام آمین کہے تو آمین کہو کیونکہ فرشتے بھی اس وقت آمین کہتے ہیں، جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی اسکے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے)۔

حضرت امام غزالی" اس سورۃ کی تعبیر میں لکھتے ہیں کہ شیطان اس دعا سے مایوس ہو جاتا ہے جس کے

---

1 تفسیر روح البیان، جلد ۱، صفحہ ۲۴۔

2 صحیح بخاری، حدیث ۷۳۸، جلد ۳، صفحہ ۲۴۴۔

اخیر میں آمین کہہ دی گئی ہو، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس پر مہر لگ چکی ہے اب میں اس کو توڑ نہیں سکتا۔ روح البیان میں ہے کہ دُعا کرنے والا اور آمین کہنے والا دونوں دُعا میں شریک ہوتے ہیں اس کا ثبوت یہ لاتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی تو ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہا۔ اس دعا کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا'' (یعنی تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی) اور حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی دعا میں شریک تصور کیا۔[1] اسی وجہ سے بزرگانِ اسلام فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے مجمع میں دعا کرنا بہتر ہے کیونکہ اگر ایک کی آمین قبول ہو گی تو سب کی دُعا قبول ہو جائے گی۔

نماز میں اخفا اور جہر کے چند مسائل

کچھ لوگ آمین بلند آواز سے کہتے ہیں اور کچھ اس قدر مخفی آواز سے کہتے ہیں کہ جس سے انسان خود اپنی آواز سن لے دوسرا نہ سنے پہلی قسم کے لوگ کچھ احادیث اور بالخصوص ابن ماجہ کی حدیث پیش کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا گیا کہ آپ نے آمین بلند آواز سے کہی۔ ان کے الفاظ ہیں ''قَالَ آمِينَ وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ''[2] (بلند کیا آپ نے اپنی آواز کو) لیکن آمین خفی کہنے والے کہتے ہیں کہ مَدّ کا مطلب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الف اور میم کو مد کے ساتھ لمبا کھینچا، چنانچہ اس سے بالجہر کا مطلب نکالنا درست نہیں اور حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی ایک اور حدیث میں صراحتًا آیا ہے کہ آپ نے آمین آہستہ فرمائی، ایسے لوگ کہتے ہیں کہ صَوْت سے پست آواز مطلب لیا جا سکتا ہے نہ کہ بلند، ان کا خیال ہے کہ ابن ماجہ کا یہ قول کہ مسجد آمین کی آواز سے گونج جاتی تھی قرینِ قیاس نہیں کیونکہ اس وقت مسجد کی چھت چھپر والی تھی جس کی وجہ سے آواز گونج نہیں سکتی کیونکہ گونج تو پختہ ڈاٹ والی عمارت میں ہوتی ہے۔ ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ بلند آواز سے آمین کہنا اس لیے بھی قابلِ تسلیم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند آواز نکالنا حرام ہے اس لیے جب آپ کی آواز کا پست ہونا ثابت ہو چکا تو صحابہ کی آواز بلند کیسے ہو سکتی ہے۔ باقی احادیث کے راوی آہستہ آمین کہنے والی احادیث کے راویوں کے مقابلہ میں ضعیف بتائے جاتے ہیں اور پھر وہ کہتے ہیں کہ بلند آواز سے آمین کہنے والی روایتیں منسوخ ہیں اور آہستہ کہنے والی ناسخ۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ جہاں احادیث میں تعارض (ٹکراؤ) ہو تو وہاں قیاس کے ذریعے بعض احادیث کو ترجیح دی جاتی ہے لہٰذا آمین آہستہ کہنا چاہیے جبکہ قرآن میں مخفی آواز سے دُعا کرنے کی آیت (جو نیچے دی جا رہی ہے) موجود ہے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آمین بالجہر اوائل اسلام میں تھی اور بعد میں جہر کو ختم کر دیا گیا۔

دوسری قسم ان علماء کی ہے جو مخفی آواز سے آمین کہتے ہیں اور سورۃ الاعراف کی آیت ۵۵ ''اُدْعُوْا

---

[1] تفسیر روح البیان، جلد ا، صفحہ ۲۴۔

[2] سنن ابن ماجہ، حدیث ۸۵۷، جلد ۳، صفحہ ۱۱۷۔

رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ‘‘ (اپنے رب کے حضور عاجزی سے اور چپکے سے دعا کرو) کے مطابق پست آواز سے آمین کے قائل ہیں۔ ان کا موقف ہے کہ یہ حکم دعا کے متعلق ہے اور آمین بھی دعا ہے۔ قرآن کی آیت نہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ فرمانِ الٰہی ہے کہ ’’وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ‘‘ (جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے دریافت کریں تو فرمادیں کہ میں بہت قریب ہوں) (سورۃ البقرہ:۱۸۶) چنانچہ جو قریب ہو تو اس کو پکارنے کیلئے چیخنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس سے آہستہ دعا مانگو چنانچہ آمین کا جہر درست نہیں۔

ایسے علماء کی ایک یہ بھی دلیل ہے کہ بخاری میں حضور ﷺ کا حکم لکھا گیا ہے کہ ’’اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ تَاْمِيْنُهٗ تَاْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ‘‘ [1] (جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی تو اس کے سارے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے) اور چونکہ فرشتے کی آواز بلند نہیں ہوتی اس لیے ہمیں بھی مخفی آمین کہنا چاہیے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس موافقت سے مُراد کیفیت میں موافقت ہے نہ کہ وقت کی موافقت کیونکہ امام کے ساتھ جو بھی آمین کہے گا اس کی موافقت تو ہوگئی۔ اس سے جہر کی قید کیسی؟ بلکہ اونچی آواز سے کہنا تو فرشتوں کی مخالفت ہے۔ ان علماء کا قول ہے کہ امام محمدؒ اپنی تصنیف ’’معانی الآثار‘‘ میں اور عبدالرزاقؒ نے اپنی تصنیف ’’مسند عبدالرزاق‘‘ میں امام اعظمؒ سے روایت کی ہے کہ حضرت امام نخعیؒ فرماتے ہیں کہ چار چیزوں کو امام آہستہ کہے۔ (۱) اَعُوْذُ بِاللّٰهِ (۲) بِسْمِ اللّٰهِ (۳) سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ اور (۴) آمین۔ [2] امام طبرانیؒ، امام طحاویؒ، ابنِ جریرؒ اور ابوحفص ابن شاہدینؒ نے حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہ تو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے نہ آمین۔ امام طبرانیؒ نے اوسط کبیر میں حضرت وائلؒ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ، بِسْمِ اللّٰهِ اور آمین کو بلند نہ پڑھتے تھے۔ عینی شرح ہدایہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی گئی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ بِسْمِ اللّٰهِ، آمین اور رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، کنز العمال میں ابراہیم نخعیؒ سے بھی یہی روایت موجود ہے، امام بیہقیؒ نے ابی وائلؒ سے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کا یہی قول نقل کیا ہے۔

مندرجہ بالا دلائل کی بناء پر زیادہ تر علماء کا فیصلہ آمین کو خفی آواز سے ادا کرنے کے حق میں ہے۔ نماز میں تمام دعائیں مثلاً دعائے قنوت، دعائے ماثورہ، ثناء وغیرہ آہستہ پڑھی جاتی ہیں اور آمین بھی ایک دعا ہے جو آہستہ پڑھی جانی چاہیے۔ تلاوت اور تکبیروں کے علاوہ ہر چیز آہستہ پڑھی جاتی ہے اور آمین تکبیروں اور تلاوت میں شامل نہیں اس لیے اس کے آہستہ پڑھنے کی دلیل ملتی ہے۔ ایسے مسئلوں پر جھگڑا کرنا درست نہیں۔ جس کی جس طرح تسلی ہو اس کے مطابق ہی وہ اجر پائے گا۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اولیائے اُمت کی بڑی کثرت نے آمین کو بالجہر نہیں کہا۔

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۷۸۳، جلد ۳، صفحہ ۲۴۴۔

[2] مصنف عبدالرزاق، حدیث ۲۵۹۶، جلد ۲، صفحہ ۸۷۔

تلاوتِ فاتحہ

امام مالکؒ اور احمدؒ کے نزدیک مقتدی پر فاتحہ پڑھنا فرض نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ سِرّی نمازوں میں فرض ہے جہری میں نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک مقتدی اور منفرد سب پر ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے سوائے مسبوق کے (جس کو دیر سے آنے کی وجہ امام کے ساتھ فاتحہ پڑھنے کا وقت نہ ملے) صحیح مذہب یہ ہے کہ منفرد کیلئے سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور مقتدی یا مسبوق کیلئے امام کا سورۂ فاتحہ پڑھنا کافی ہے۔ ویسے بھی اگر امام کے پیچھے کوئی واجب ترک ہو جائے تو مقتدی کی نماز ہو جاتی ہے۔ اگر امام کے رکوع کرنے کے بعد مقتدی نے تکبیرِ تحریمہ پڑھی تو اس کو سورۂ فاتحہ پڑھنے میں مشغول ہونا جائز نہیں۔ ایسے شخص کو امام کے ساتھ رکوع کر لینا چاہیے کیونکہ امام کی متابعت واجب ہے اور اس حالت میں فاتحہ نہ واجب ہے نہ مستحب۔ امام ابوحنیفہؒ فاتحہ پڑھنے کو واجب کہتے ہیں فرض نہیں کہتے اور اگر منفرد فاتحہ پڑھنا بھول جائے تو سجدہ سہو سے نماز درست ہو جاتی ہے کیونکہ سورۂ فاتحہ کا کسی سورۃ کے ساتھ ملانا واجب ہے جبکہ قرآن کا پڑھنا فرض ہے۔ جب سورۂ فاتحہ کی تلاوت کا وجوب چھٹ گیا تو سجدۂ سہو سے نماز درست ہو جائے گی۔

علمائے کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فعل کو سند قرار دیا ہے کہ جب آپ نے اپنی رحلت سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام کی امامت کیلئے منتخب فرمایا، ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرۂ مبارک سے نکل کر مسجد نبوی میں تشریف لائے اور سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امامت کرا رہے تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی اطلاع پاتے ہی مصلّٰی چھوڑ دیا اور پیچھے ہٹ آئے۔ اب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امامت کروائی تو اس وقت تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی امامت کے دوران جو کچھ پڑھ چکے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے آگے تلاوت شروع کی اور اگر سورۂ فاتحہ کا تلاوت کرنا فرض ہوتا تو آپ دوبارہ اس کی تلاوت کو دہراتے۔ علمائے کرام نے اس عمل سے یہ استنباط کیا ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کو بھی کفایت کرتی ہے چنانچہ جب امام سورۂ فاتحہ تلاوت کر لے تو یہ سب کی طرف سے ہو جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ کچھ لوگوں کو امام صاحب سے تلاوت کے مسئلے پر اختلاف ہوا اور انہوں نے مقتدی کی تلاوت کرنے پر اصرار کیا تو امام صاحب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اکیلے اس جمِ غفیر میں کس طرح بحث کر سکتا ہوں؟ آپ نے اگر بات کرنا ہی ہے تو ایک آدمی پاس آ جائے اور جو فیصلہ ہم دونوں کریں وہ تمام مجمع کو ماننا ہوگا۔ جب آپ کی بات کو مجمع نے تسلیم کر لیا تو آپ نے برجستہ فرمایا کہ پھر میں جیت گیا۔ پوچھا کیسے جیت گئے؟ آپ نے فرمایا کہ جب ایک آدمی سب مجمع کی طرف سے نمائندگی کر سکتا ہے تو امام کی تلاوت بھی جماعت کی طرف سے ہونا تصوّر کی جائے گی۔ آپ نے اس مسئلہ کو کس قدر خوش اسلوبی سے طے کیا۔ یہ آپ کی خداداد قابلیت اور ذہانت کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھا۔ اس لیے سب اماموں نے آپ کو خود سے بہتر مانا اور امام اعظم تسلیم کیا۔ حضرت امام شافعیؒ کا قول ہے کہ تمام امام آپ کے بچوں کی طرح ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۶۳۸، جلد ۳، صفحہ ۷۹۔

باب نمبر ۱۷

فقہ اسلامیہ اور کشف و الہام کے مقامات

کشف کا فلسفہ

الکشف چہرے سے کپڑا اٹھانے یا غم و اندوہ کو دور کرنے کیلئے بولا جاتا ہے۔ یورپ کے محققین نے انکشاف کیا ہے کہ دل میں ایک سوراخ سوئی کی نوک سے بھی باریک ہوتا ہے اور اگر یہ سوراخ کھل جائے تو انسان کا تعلق عالمِ امر (Metaphysical World) سے ہو جاتا ہے۔ تصوّف میں اس سوراخ کو دل کی آنکھ (بصارتِ قلبی) کہا جاتا ہے جو مجاہدات سے کھل جاتی ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اِشراقی فلسفہ میں جو مشقیں کی جاتی ہیں ان کی وجہ سے (چھٹی حِ س بیدار ہو جاتی ہے اور) کچھ اِسرار منکشف ہو جاتے ہیں۔ مجاہدات اختیار کرنا مومنوں کا طریقہ ہے۔ اِس قسم کا فلسفہ مکاشفات کہلاتا ہے۔ لیکن کشف شرع میں کچھ حجت نہیں رکھتا اس لیے اس کو امورِ فقہ پر مسلط نہیں کرتے۔ البتہ دیگر امور کے احوال معلوم کرنے میں اس کا استعمال نقصان کا احتمال نہیں رکھتا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کشف اگر شرع کے مطابق ہو تو قابلِ قبول ہے اور اِس حالت میں بھی کشف شرع پر حجت نہیں۔ بنا بر ایں اگر نماز پر غور کرنا مطلوب ہو تو ہم حکمتِ نماز، اسرارِ نماز اور حقیقتِ نماز جیسے عنوان رکھ کر غور کر سکتے ہیں۔

جن اولیائے کرام کو حکمت عطا کی گئی ہے ان کی روحوں کا تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ کے کمالات و صفات سے وابستہ ہوتا ہے جہاں سے وہ علمی موتی نکال لاتے ہیں۔ شیخ عبد العزیز دباغ" فرماتے ہیں کہ کتابی علم سے اِکتساب کرنے والے علماء تو حمالِ علم ہیں جو ایک جگہ سے علم کو اٹھا کر دوسری جگہ لوگوں میں بیان کر دیتے ہیں۔ حقیقی علماء وہ ہیں جن کا علم نہ کسی نقل اور نہ کسی صدر سے تعلق رکھتا ہو بلکہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا جاتا ہو اور یہی وہ علم ہے جسے "علمِ لدنی" کہا جاتا ہے۔ ایسے علم میں شک و شبہ و تردّد کا دخل نہیں ہوتا اور ان کا علم عین الیقین سے منسلک ہوتا ہے چنانچہ یہ فلسفی کی دسترس سے باہر ہے۔ حضرت مجدّد الف ثانی" نے بہت سے روحانی معاملات میں کلام کیا ہے (اور ان کے متعلق کچھ کتابیں بھی لکھی ہیں) آپ کے مکتوبات شریف میں متعدد بار ذکر ہے کہ فلاں بات صحیح کشف سے ظاہر ہوئی ہے اور اس میں شک و تردّد کی گنجائش نہیں۔ مکتوبات شریف کے علاوہ دیگر علماء اور اولیاء کرام نے بھی اپنی کتب میں لکھا ہے کہ انہوں نے چند احادیث کی سند براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (حالتِ کشف یا واقعہ میں) معلوم کی اور آپ نے ان کے متعلق حقیقتِ حال سے آگاہ فرمایا۔ کئی صوفیاء کے پاس کسی حدیث کے صحیح یا غلط ہونے کے آثار موجود تھے۔ اس سلسلہ میں ہماری تصانیف" رابطۂ شیخ اور حضورِ قلب" معلومات بہم پہنچاتی ہیں اور ان کتب میں کشف پر ایک مکمل باب بھی لکھ دیا گیا ہے۔

وحی اور کشف

یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ دین کا تعلق وحی سے ہے اور وحی کا مقابلہ کشف سے نہیں ہو سکتا اگر چہ کشف بھی اِلقا ہے۔ فلسفہ اور عقل تو غلط فتویٰ بھی دے سکتے ہیں لیکن کشف اگر صحیح ہو تو عین شرح کے مطابق ہوگا۔ وحی چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور عقلِ کُل سے تعلق رکھتی ہے اِس لیے اس کے فیصلے عقلِ کل کے فیصلے ہیں۔ یہ بھی درست ہے کہ اِلہام یا کشف اگر چہ صحیح ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمال سے حصہ لیے ہوئے ہے مگر ایسا کشف عقلِ کل کے فیصلوں (یعنی شرع کے فیصلہ) سے الگ یا مختلف نہ ہوگا۔ اس لیے ہم نماز کی حقیقت کو حکیمانہ رموز سے سمجھ سکتے ہیں اور فلسفہ سے نہیں کیونکہ فلسفہ کا تعلق نہ وحی سے ہے اور نہ الہام سے اور نہ ہی عقلِ کل سے۔ عقلِ کل کے فیصلے تو انبیاء کرام کی وساطت سے ہی ہم تک آئے تھے۔ اس جگہ مناسب ہوگا کہ عوام کی معلومات کے پیشِ نظر فقہ اسلامیہ میں الہام کے مقام کی وضاحت کر دی جائے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

کشف کا راز

علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ عشق کے ذریعے خودی کی تعمیر اس طرح ہوتی ہے کہ انسان خدا کا نائب بن جاتا ہے اور عناصر پر حکمرانی کرتا ہے یہاں تک کہ اس کا ہاتھ خدا کے ہاتھ کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ ابن خلدون نے بھی لکھا ہے کہ اللہ والے جب صاحبِ کشف ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے اندر ایسی صفات پاتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ کشف کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ[181]

کشف کا راز دراصل یہ ہے کہ روح جب حِس ظاہری کو چھوڑ کر حس باطنی کی طرف رجوع کرتی ہے تو ظاہری حِس کمزور پڑ جاتی ہے اور روح قوت پکڑ جاتی ہے روح میں جان پڑ جائے تو اس کی قوت دوبالا ہو جاتی ہے جب اس میں بیداری آتی ہے تو وہ ذکر و شغل میں مدد دیتی ہے کیونکہ پھر یہی ذکر اس کیلئے غذا کا کام دیتا ہے جس سے اس کی نشوونما ہوتی ہے اور وہ روز بروز بڑھتی رہتی ہے تا آنکہ وہ درجہ نصیب ہوتا ہے کہ علم شہود کے درجے میں آجاتا ہے۔ جو کچھ پہلے جانا جاتا تھا وہ اب نظر آنے لگتا ہے جس سے پردہ اٹھ جاتا ہے اور نفس مکمل ہو کر عین ادراک بن جاتا ہے۔ مذاہب ربانیہ، علومِ دینیہ اور مدنتِ الٰہیہ کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس وقت نفس عالمِ بالا و عالمِ ملائکہ میں پہنچ کر ذاتِ الٰہی کی طرف قدم بڑھانے لگتا ہے چنانچہ اس کا کشف صوفیاء کو مجاہدہ اور مراقبہ سے اکثر اور بیشتر حاصل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ عالمِ وجود کے ان حقائق تک رسائی پا لیتے ہیں جن کا پتہ دوسروں کو نہیں لگ سکتا۔ یہ لوگ قبل از وقوع واقعات کا پتہ چلا لیتے ہیں اور اپنے نفوس کی طاقت اور ہمت کے مطابق موجوداتِ سفلیہ میں تصرف کرنے کی طاقت حاصل کر لیتے ہیں مگر اولیائے کرام اس قسم کے

کشف کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور ''تَصَوُّفْ فِي الْمَوْجُودَاتِ'' سے بھی دست کش رہتے ہیں اور جب تک ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف سے ان کو اشارہ نہ مل جائے کسی چیز کی حقیقت کے بارے میں زبان نہیں کھولتے۔

فقہ اسلامیہ میں اِلہام کا مقام

اسلام میں ہر عمل کا طریقہ من جانب اللہ متعین ہے اور یہ خطا سے مامون ہے۔ اسلام ایک واحد مذہب ہے جس میں اس کے پیروکاروں کیلئے زندگی گزارنے کے طریق کو اللہ جل شانہ کی طرف سے متعین کیا گیا ہے اور اس کے کسی حکم میں غلطی کا شائبہ نہیں بلکہ صحیح زندگی گزارنے کا طریقہ تو ایک ہی ہے اور اس طریقِ زندگی کو اِسلام کہتے ہیں۔ اس مذہب پر عمل پیرا ہونے والوں کی منزلیں ان اسلامی احکامات کی حدود کی فرمانبرداری پر منحصر ہیں چنانچہ کچھ لوگ اسلام کے فقط چیدہ چیدہ احکامات کو عملی جامہ پہنا کر اپنے آپ کو سیدھا سادھا مسلمان قرار دیتے ہیں اور بعض ان احکام کی تابعداری کیلئے تن من دھن کی بازی لگا کر (طریقت کی سیڑھی سے) بہت اعلیٰ مقامات تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ آیئے اب ملاحظہ فرمائیں کہ مسلمانوں کا طرزِ عمل یعنی فقہِ اسلامیہ کو کس طرح متعین کیا گیا ہے اور اس کی صحت اور درستگی کیلئے کون کون سے علوم ضامن ہیں تاکہ ایک عام مسلمان یہ سمجھ سکے کہ فقہ کی مختلف اصطلاحات کیا ہیں اور ماموراتِ اسلام کی صحیح ادائیگی کیلئے فقہ اسلامیہ نے کس قدر عظیم اہتمام کیا ہے۔ اس تحریر میں الہام کے متعلق بھی نہایت خوبصورت وضاحت کی جائے گی۔

فقہ اسلامیہ کا مختصر تعارف

فقہ اسلامیہ کی مکمل تفصیل تو بہت طویل ہے لیکن عوام کی معلومات کیلئے اس کی اور اس کے مصادِر کی مختصر تعریف بیان کی جارہی ہے۔

فقہ کی تعریف: فقہ کے معنی ''شق'' یا فتح (کھولنا) کے ہیں۔ علاوہ زمخشریؒ نے کہا ہے کہ فقہ کی حقیقت تحقیق کرنا اور پیچیدہ مسائل کو کھولنا ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ فقہ کے معنی فہم، تدبر اور دین کی بصیرت بیان کرنے کے ہیں۔ اِصطلاح میں فقہ سے مراد وہ حتمی قواعد ہیں جو کہ ایک مجتہد قوم کی طبعی خصوصیات کے مطابق قرآن مجید اور سنت کی روشنی میں ایک تفصیلی نظام مرتب کریں۔

اصولِ فقہ: یہ علم شریعت کو نافذ کرنے کیلئے ایسے قواعد وضع کرتا ہے جن سے احکام کا استنباط کیا جاسکے۔ فقہ اِسلامیہ کے مآخذ ومصادر حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) کتاب اللہ (۲) حدیث اور سنت رسول ﷺ (۳) اجتہاد (۴) اجماع (۵) معروف (۶) استحسان (۷) استصلاح (۸) قیاس (۹) استدلال (۱۰) الہام (بقول حضرت مجدد الف ثانیؒ)۔

۱) کتاب اللہ یعنی قرآن مجید: یہ وہ سرچشمہ ہدایت ہے جو رسول اللہ ﷺ پر وقتاً فوقتاً نازل ہوتا رہا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ حتمی قواعد اور قوانین ہیں جن پر چلنا ہر مسلمان کا فرض ہے جیسے فرمایا:

"وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ" (النحل:٨٩) (اور ہم نے اتاری ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کتاب اس میں تفصیلی بیان ہے ہر چیز کا اور یہ سراپا ہدایت و رحمت ہے اور یہ مژدہ ہے مسلمانوں کیلئے)۔ ایک جگہ اور فرمایا: "فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ" (یہ وہ کتاب ہے جس میں لکھی ہوئی ہیں سچی اور درست باتیں) (البینۃ:٣)۔

علامہ قرطبیؒ نے فرمایا کتاب سے مراد احکام ہیں یعنی اس قرآن کے احکام درست اور مستحکم ہیں۔[1]

حدیث میں ہے کہ "أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَرَادَ أَنْ يَبْعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ قَالَ كَيْفَ تَقْضِيْ إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ" قَالَ أَقْضِيْ بِكِتَابِ اللهِ قَالَ فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فِيْ كِتَابِ اللهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فِيْ سُنَّةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا فِيْ كِتَابِ اللهِ قَالَ أَجْتَهِدُ رَأْيِيْ" (جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو پوچھا کہ اگر تمہارے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہو تو فیصلہ کیسے کرو گے؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ کتاب اللہ کے مطابق، پھر پوچھا کہ اگر کتاب اللہ میں نہ پاسکو تو جواب دیا کہ اس کا فیصلہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں کروں گا۔ فرمایا کہ اگر سنت میں نہ پاؤ تو؟ جواب دیا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا)۔[2] گویا اسلامی فیصلوں کا طریقہ آپ نے تعلیم فرما دیا۔ راقم الحروف کی کتاب "سرمایۂ ملت" میں قرآن کی بابت ایک بلیغ مضمون شامل کر دیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو قرآن کے مقام سے کچھ آگاہی ہو سکے۔

(۲) حدیث اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم: سنت کے لغوی معنی طریقہ یا قاعدہ کے ہیں لیکن اصطلاح میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق پر چلنے کو کہتے ہیں۔ قرآن نے اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جزوِ ایمان ٹھہرایا ہے۔ علمائے اسلام کی طرف سے انشراح و احیائے سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت سی تحریریں پیش کی گئی ہیں۔ راقم الحروف نے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک کتاب "سنتِ مبارکہ" کے نام سے تالیف کی ہے تفصیل کیلئے اس کا مطالعہ فرمائیں۔

(۳) اجتہاد: اِجتہاد فقہ کا تیسرا مآخذ ہے اور یہ لفظ "جُہد" سے مشتق ہے جس کا معنی ایک شخص کا انتہائی درجہ تک کوشش کرنا ہے۔ شرعی اصطلاح میں اس انتہائی کوشش کو کہتے ہیں جو ایک متعین کتاب اور سنت کے اشارات سے شرعی حکم کو معلوم کرنے کیلئے کیا جائے۔ قرآن میں عقل سے کام لینے کیلئے بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اجتہاد میں دو اجر ہیں، اگر اجتہاد میں خطاء ہوئی تو ایک اجر ملے گا ورنہ دو اجر ہیں۔[3]

---

[1] تفسیر قرطبی، جلد ۲۰، صفحہ ۱۴۳۔

[2] سنن ابی داؤد، حدیث ۳۱۱۹، جلد ۹، صفحہ ۴۸۹۔

[3] مجموعہ فتاویٰ، جلد ۲، صفحہ ۴۸۸۔

(۴) اِجماع: جمع سے مشتق ہے جس کے معنی اکٹھا کرنا یا اکٹھا ہونا ہے۔ اصطلاح میں امت کے ارباب حل وعقد والوں کا کسی معاملہ میں اتفاق یا اتحاد کر لینے کا نام اجماع ہے۔ فتوحات اسلامیہ کے بڑھنے سے مسائل بھی بڑھ گئے۔ خلفائے راشدین کے دور سے ایسے نئے مسئلوں کے حل کیلیے دو چیزوں کا اضافہ ہوا، ایک اِجماع اور دوسری رائے۔ اِس کے بعد دوسری صدی کے اوائل تک قِیاس، اِستحسان اور استصلاح کا استعمال کثرت سے ہونے لگا۔

(۵) معروف: لغت کے اعتبار سے ہر وہ قول یا فعل جس کی خوبی عقل یا شریعت سے ثابت ہو معروف کہلاتا ہے۔ معروف منکر کا الٹ ہے۔ معروف وہ کام ہے جو اعتدال عقل و شریعت کے اعتبار سے قابلِ ستائش ہو۔ فقہ میں معروف سے مراد رواج یا دستور ہے چنانچہ قرآن نے رواج اور دستور کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے بشرطیکہ طبعِ سلیم کے مطابق وہ معقول ہو اور شریعت کے منافی نہ ہو (ہفت مسئلہ جو امداد اللہ مہاجر مکی نے تحریر فرمایا ہے اِسی بات کو مدِ نظر رکھ کر لکھا گیا تھا)۔

(۶) استحسان: استحسان کے معنی کسی چیز کو اچھا سمجھنا ہے۔ فقہ میں اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کی مصلحت کے تقاضوں سے مجبور ہو کر یا ملکی ضروریات کو مدنظر رکھ کر کوئی فیصلہ کیا جائے بشرطیکہ وہ کام یا مسئلہ عبادت سے تعلق نہ رکھتا ہو اور شریعت کی منشاء کے مطابق ہو۔

(۷) استصلاح: استحسان کے طریقہ کو فقہ مالکی میں استصلاح کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ مفادِ عامہ کی بناء پر کسی کام کا اِستخراج کیا جائے یعنی مصالح مرسلہ یا قانونِ ضرورت یا وقتی مصلحت کے تحت کوئی فیصلہ کرنا۔

(۸) قیاس: قیاس کے معنی ''ناپنا یا کسی چیز سے مقابلہ کر کے موازنہ کرنا'' فقہ میں دو مسئلوں میں سے ایک کا حکم دوسرے پر لگا دینے کا نام قیاس ہے۔ مثلاً ہر نشہ والی چیز حرام ہے اور چونکہ شراب میں نشہ ہوتا ہے اس لیے قیاس کے مطابق شراب حرام ہے۔

(۹) استدلال: یہ مصدر ہے اس کے معنی ہیں ''دلیل تلاش کرنا'' لیکن فقہ میں استدلال ایسی دلیل کو کہتے ہیں کہ جو نہ نَص ہو اور نہ اِجماع اور قیاس ہو (نَص وہ ہے جس سے کسی عمل کا لازم ہونا کسی قطعی دلیل سے ثابت ہو)۔

(۱۰) کشف اور اِلہام کی توضیح: (i) کشف:۔ الہام سے پہلے کشف کا سمجھنا ضروری ہے۔ لغت میں کشف پردہ اٹھانے کو کہتے ہیں اصطلاح صوفیا میں امورِ غیبی اور معانیٔ حقیقی پر سے حجابات کا اٹھانا اور اس چیز کی جو پردہ کے پیچھے ہو اطلاع پانے کو کشف کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں ایک کشفِ صوری (اس میں صورتوں کا مشاہدہ مختلف طریقوں سے ہوتا ہے اور جو خواب میں دیکھے وہی ظاہر ہوتا ہے یہ کشف کبھی مکانی ہوتا ہے بطور مشاہدہ، سماع، ملامست، مشام یا دو اجسام کا آپس میں ملنے سے ہوتا ہے)۔ دوسرا کشف معنوی ہے یہ کشف حقائق کا علم، اسمِ علیم اور اسم حکیم کی تجلّیات سے حاصل ہوتا ہے اور غیبی حقائق اچانک ظاہر ہوتے ہیں، اس کے کئی مراتب ہیں۔ رُوح میں ایک قوت خاص ہے جسے نورِ قدس کہتے ہیں جسم سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ کشفِ معنوی اسی نور کی چمک سے ہوتا ہے (قوّتِ فکریہ کا تعلق جسم سے ہوتا ہے اس لیے قوتِ فکریہ نورِ قدس

کیلئے حجاب بن جاتی ہے اور معانیٔ غیبیہ کی بجلی کی چمک کو دیکھنے نہیں دیتی۔ایسے لوگوں کو کشف نہیں ہوسکتا) نورِ قدس کی چمک سے جس کشف معنوی کا پیدا ہونا ظاہر ہوتا ہے وہ جب قلب کے مرتبہ پر ظاہر ہوا سے الہام کہتے ہیں اگر معانی غیبیہ ہیں تو الہام ہے اور اگر ارواح مجردہ ہوں تو مشاہدۂ قلبی کہلائے گا۔اگر روح کے مرتبہ پر ہو تو وہ شہود روحی کہلائے گا کشف غلط نہیں ہوتا البتہ اس کے سمجھنے میں غلطی ہوسکتی ہے۔کشف سے بعض رموز پر اطلاع ہوتی ہے نہ کہ کُل اُمور پر۔

ii) اِلہام:۔ ہر وہ چیز جو بطریقِ استدلال (دلائل سے) حاصل نہ کی گئی ہو بلکہ قلب سالک پر حق تعالیٰ کی جانب سے یقین کامل کے ساتھ وارِد ہوئی ہو القاء ہے، اِلہام ہے یا وحی ہے۔ابتداء میں سالک کے دل پر خطراتِ رحمانی (دل کا وہ خطاب جو محبتِ الٰہی اور مشاہدۂ حق میں رہنے کا شوق پیدا کرے) وارد ہوتے ہیں اور انتہاء میں وہ اللہ تعالیٰ سے گفتگو کرتا ہے۔ابتدائی حالت کو اِلقاء اور انتہائی حالت کو الہام کہتے ہیں۔

اولیاءاللہ کو الہام ہوتا ہے۔انبیاءکرام پر وحی نازل ہوتی ہے اِلہام بغیر فرشتہ کے حق تعالیٰ سے اس جہت سے ہوتا ہے جو حق تعالیٰ کو ہر موجودات کے ساتھ ہے (یعنی صفتِ قیومیت سے اللہ تعالیٰ کا ہر شے سے رابطہ قائم ہے) وحی فرشتہ کے ذریعہ ہوتی ہے اور وحی کشفِ شہودی اور معنوی دونوں ہے۔اِلہام صرف کشفِ معنوی ہے۔اللہ تعالیٰ ہر وقت کائنات کی جانب اپنی ذات اور صفات کے ساتھ متوجہ رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی صفت، صفتِ کلام بھی ہے اور وہ اپنی مخلوق کے ہر فرد کے ساتھ اس کی استعداد کے مطابق ہم کلام ہوتا ہے، اس کی کوئی صفت کبھی معطل نہیں ہوتی۔وہ کسی سے براہ راست بات کرتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام سے کی۔کسی سے وحی کے ذریعے کلام کیا، کسی سے پردے کے پیچھے اور کسی کے ساتھ کلام ایسا ہوتا ہے کہ فرشتے کے ذریعے اس کے دل میں ڈال دیتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو وحی فرمائی کہ ''فکر نہ کرو تمہارے بیٹے کو ہم پھر تمہارے پاس لوٹا دیں گے'' (طٰہٰ:۳۸) اور بی بی مریم علیہا السلام کو بھی کلام سے نوازا، یہاں ندا کا لفظ استعمال ہوا (مریم:۲۴)۔شہد کی مکھی کو القاء کیا اور اس کلام کو وحی سے تعبیر فرمایا ''وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ'' (النحل:۶۸) کسی سے خواب میں باتیں ہوئیں یہ سب وحی کی مختلف شکلیں ہیں۔سب سے قوی طریقہ وحی کا ہے۔حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نبی نہ تھیں چنانچہ وحی کا یہ مرتبہ جسے الہام یا القاء بھی کہتے ہیں غیر نبیوں کیلئے ہوتا ہے ایک حدیث میں وارد ہے کہ ''اِنَّ لِلّٰهِ فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ عِبَادًا یُحَدِّثُوْنَ وَفِیْ اُمَّتِیْ مُحَدِّثُوْنَ وَاَشَارَ اِلٰی بَعْضِ اَصْحَابِهٖ'' (ہر امت کے اندر اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوتا ہے اور میری امت میں بھی ایسے بندے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اصحاب کی طرف اشارہ فرمایا)۔[1]

جب کوئی شخص کمالاتِ معنوی حاصل کرلے طبیعت کی کدورتوں (غصہ، کینہ وغیرہ) سے پاک ہوجائے،

---

[1] الشریعۃ الآجری، ابوبکر محمد بن حسین، متوفی ۳۶۰ھ، حدیث ۱۳۳۱، جلد ۴، صفحہ ۱، القاہرہ۔

خواہشات سے آزاد اور بشریت کے تقاضوں سے برتر ہو جائے تو اس کی توجہ عالمِ سفلی سے کٹ کر عالم علوی کی طرف ہو جاتی ہے اور خصائل ملکوتی کا غلبہ ان پر ہو جاتا ہے۔ اس وقت یہ لوگ فرشتوں کی ہم نشینی اختیار کرتے ہیں اور ان ہی فرشتوں سے وہ اِلہام یا اِلقاء وغیرہ سے موصوف ہوتے ہیں۔

علمِ ظاہر تو عالم لوگ حاصل کر لیتے ہیں مگر علم باطن کا طریقہ مراقبہ اور تفکر ہے۔ مراقبہ سے دل کو ہر طرف سے ہٹا کر ایک ہی طرف جما دیا جاتا ہے اور مراقب کا اسی خیال کے اندر فکر میں اِنہماک ہو جاتا ہے۔ تفکر میں طبیعت پر زور ڈال کر مخفی علوم کو تلاش کیا جاتا ہے اور حدس میں بغیر کسی زور کے خود بخود قلب پر القاء ہو جاتا ہے۔ حدس سے فراست کا نور پیدا ہو جاتا ہے اور فکر سے کہاست (دماغی دانائی یا زیرکی) پیدا ہوتی ہے۔ یہ حدس ہی اِلہام کا زینہ ہے۔

جب نفسِ انسانی حدس کی قوت سے عالمِ بالا کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے اور علومِ غیبیہ کے انوار اس پر چمکنے شروع ہو جاتے ہیں تو یہ علومِ رمز کے حجاب میں یا کبھی خواب میں ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اِلقاء اور اِلہام کیلئے مجاہدات کی ضرورت ہوتی ہے۔

اِلہام.....مجدّد کی نظر میں

مولانا محمد ہاشم کشمیؒ "زُبْدَۃُ الْمَقَامَاتْ" میں فرماتے ہیں کہ کچھ صوفیائے کرام نے ایسے معارف بیان کئے جو (بظاہر شریعت کے خلاف) نا قابلِ فہم اور مغلق ہوتے ہیں لیکن اِن کے اِس کلام کے متعلق حضرت مجدّد کا یہ طریقہ تھا کہ اگر اس کلام کا ظاہر اصولِ دین کے مطابق نہ ہوتا تو آپ اس کی تاویل شریعتِ غرا کے مطابق کرتے اور اگر آپ کو توجہ کے بعد اس کلام کی مخالفت کرنا شریعت کی ضروریات کے مطابق ضروری ہوتا تو آپ فرماتے کہ یہ کلام غلبۂ سکر کی وجہ سے سرزد ہوا ہے یا یہ فرماتے کہ اس بزرگ سے کشف میں غلطی ہوئی ہے اور یہ خطائے اِجتہادی کی طرح مغفور (معاف) ہے۔ اگر کبھی آپ ایسے کلام سے اختلاف کا اظہار کرتے تو یہ کہنے سے دریغ نہ فرماتے کہ "ہم ان بزرگواروں کے حقوق میں غرق ہیں اور ان کی دولتوں کے خرمن سے خوشہ چیں ہیں لیکن کیا کیا جائے کہ حقوقِ خداوندی دوسروں کے حقوق سے بڑھ کر ہیں"۔ مولانا ہاشمؒ فرماتے ہیں کہ اِسی طرح اگر علمائے ظاہر کے نزدیک اولیائے کرام کے مسائل یا معاملات میں سے کوئی چیز شرع کے موافق نہ ہوتی مگر حضرت مجدّد کو حال کے اعتبار سے قوی تاویلات عطا ہوئی ہوتیں تو جس قدر ممکن ہوتا آپ اِسے عقلی، نقلی اور ذوقی دلائل کے ذریعے ثابت کرنے کی کوشش کرتے اور اس کی تائید میں بلند اور اعلیٰ و ارفع تحریریں اور تقریریں پیش کرتے (طوالت کے خوف سے ایسی مثالوں کا پیش کرنا مشکل ہے) صوفیائے کرام دین کے اصول میں مجتہدین کے تابع ہیں اور ایسے امور میں حضرت مجدّدؒ کے خلاف نہیں جاتے تھے۔

مراقبہ بھی مقصود کی طلب کا انتظار ہے

زبدۃ المقامات میں حضرت مجددؒ کا فرمان نقل کیا گیا ہے کہ آپؒ نے فرمایا کہ مراقبہ انتظار ہے اور انتظار کی پا کی مقصود کی طلب میں ہے اس حالت میں کہ طالب اپنی قوت اور حول (توانائی) سے باہر آ جائے اور لقائے مقصود کا مشتاق بن کر اللہ کی آرزو کے سمندر میں غرق ہو جائے۔ یہ قوت اور حول (توانائی) کوشش کی راہ کا غبار ہیں اور انتظارِ آستانہ کشش ہیں۔ ایسا مراقبہ منتہی یا اس کے قریب کے درجے والا ہی کر سکتا ہے۔ حضرت نجم الدین کبریٰؒ نے مراقبے کو دس درجوں میں رکھا ہے۔ وہ مراقبے جن میں مطلوب کو شکل و مثال و علم وخیال میں مقیدّ دیکھے وہ سب عرصۂ تعقل ہیں!

اِصطلاحاتِ صوفیا میں مراقبہ حضوریٔ قلب کو کہا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی جناب میں حاضر ہونا کہ اس وقت کوئی خطرہ نہ آئے اور اگر آئے تو اسے دفع کرے۔ شروع میں ایسا کرتے ہیں کہ آنکھ بند کر کے سر جھکا لیتے ہیں حتیٰ کہ چشمِ بصیرت اور بصر ایک ہو جائیں پھر آنکھ بند کرنے اور سر جھکانے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ مراقبہ چار قسم کا ہے۔ (۱) مراقبہ ناظرہ یعنی سالک تعین کرے کہ حق تعالیٰ میری صورت پر ظاہر ہے اور اس کے افعال کا میں آلہ ہوں یہ قربِ فرائض اور بندے کی ذات کے فنا کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ مخلوق کی ان بزرگوں سے حاجت روائی ہوتی ہے۔ (۲) مراقبہ حضوری یعنی بندہ یقین کرے کہ میں اللہ کی آنکھ سے دیکھتا ہوں اس کے کان سے سنتا ہوں وغیرہ (۳) مراقبہ جمع یعنی سالک ذرہ ذرہ میں حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے اور (۴) مراقبہ جمع الجمع یعنی خلق کو حق میں اور حق کو خلق میں دیکھنا یا وحدت کو کثرت میں اور کثرت کا وحدت میں معائنہ کرنا۔

اُمورِ غیبیہ کا مکشوف ہونا (حضرت مجددؒ کا نظریہ)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلیفہ زبدۃ المقامات میں لکھتے ہیں کہ حضرت مجددؒ کی نظر سے ایک روز مولانا جامیؒ کی درج ذیل عبارت گزری۔ ''کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حضور کے حال میں بغیر اس کے کہ حس سے غائب ہو جائیں بعض امورِ غیبیہ کے حقائق اس گروہ پر کشف ہوتے ہیں اور اس کو مکاشفہ کہتے ہیں...... اور مکاشفہ کبھی غلط نہیں ہوتا کیونکہ مکاشفہ اسے کہتے ہیں کہ، جب رُوح غواصی (غوطہ لگانا) اور تجرد (تنہائی، مجرد ہونا) کی حالت میں منفرد ہو کر مغائبات کا مطالعہ کرے''۔

حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ مولانا جامیؒ نے یہ مضمون عوارف المعارف سے لیا ہے اور تحقیق یہ ہے کہ مکاشفات میں گو کہ خیال کو دخل نہیں ہوتا لیکن پھر بھی خطا واقع ہو جاتی ہے۔ البتہ علومِ یقینی جو قوتِ مدرکہ (ادراک کی قوت) کے ذریعے سے الہام ہوتے ہیں خطا سے خالی ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ بعض مقدمات کو اگر کوئی اپنے نزدیک یقین کے ساتھ صحیح سمجھے اور علومِ ملہمہ میں شامل کر لے تو خطا بھی ہو جاتی ہے۔ علومِ

عقلیہ کے علماء قوانین منطقیہ کی رعایت رکھتے ہیں، اس لیے ان کے فکر میں بھی کبھی کبھی خطا واقع ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اپنے مسلمہ مقدمات کو یقینی خیال کر کے اس میں داخل کر لیتے ہیں ورنہ علمی منطق تو ذہن کو خطا سے محفوظ رکھتی ہے۔ اگر محض قوانینِ منطق کو استعمال کیا جائے اور اس کے مسلّمات کو ختم نہ کیا جائے تو خطا ہرگز واقع نہیں ہو سکتی۔ حضرت مجدّد الف ثانی ؒ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنے والے کو کسی کشف کی ضرورت نہیں ہوتی۔ حضرت مجدّدؒ کا قول (زُبْدَۃُ الْمَقَامَاتْ) میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے بندے کا قرب و اتصال اس سے زیادہ نہیں کہ دوامِ آگاہی حاصل ہو جائے اور وہ آرام جو فنا کی طرف لے جاتا ہے حاصل ہو جائے اور جب یہ نسبت حاصل ہو جاتی ہے تو سالک محض اسی نسبت کے حصول سے مرتبۂ ولایت سے مشرف ہو جاتا ہے۔ جو کمالات (اسماء و صفات کی تجلیات اور دیگر مقامات کے حصول سے) دوسرے سلسلوں کے سالکوں کو تفصیل کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں وہ کمالات اس کے علاوہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے اس قُرب و اتصال کی نسبت کا حصول سالکوں کو ولایتِ خاصہ کے مرتبہ پر پہنچا دیتا ہے۔ اس سلسلے کی پہلی منزل سرحد فنا کی ہے اور اندراجِ نہایت در بدایت یہی چیز ہے (یعنی نہایت کو ابتداء میں داخل کرنا اسی فنا کے حصول سے ممکن ہوتا ہے)۔

حضرت مجدّدؒ کا احکامِ شرعیہ میں فیصلہ

حضرت مجدّدؒ نے شرعی حِلّت و حُرمت کے ثابت کرنے کے متعلق مکتوبات میں فرمایا کہ احکامِ شرعیہ کے ثابت کرنے میں جو چیز معتبر ہے وہ کتاب اور سنت ہے اور مجتہدین کا قیاس اور اجماعِ امت بھی حقیقت میں احکام کو ثابت کرنے والے ہیں اور ان چار دلیلوں کے سوا کوئی اور دلیل نہیں جو احکامِ شرعیہ کو ثابت کر سکے۔ اِلہام حِلّت اور حُرمت کو ثابت نہیں کرتا۔ اس کو تسلیم کرنے میں ولایتِ خاصہ والے اور عام مومنین تقلید میں برابر ہیں (دونوں کو ماننا ضروری ہے) ولایتِ خاصہ والوں کو ان کا کشف اور اِلہام کوئی قربت نہیں بخشتے اور انہیں تقلید سے باہر نہیں لاتے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت شبلیؒ اجتہادی احکام میں عام مومنین کی طرح تقلید میں برابر ہیں۔ اصحابِ کشوف و مجاہدات کی فضیلت دوسرے اُمور میں ہوتی ہے۔ یہ بزرگوار اربابِ تجلّیات اور ظہورات ہیں اور خود اللہ تعالیٰ کی محبت کے غلبے کی وجہ سے ماسوا اللہ تعالیٰ سے تعلق قطع کر چکے ہیں اور غیر اور غیریت کے دیکھنے اور جاننے سے آزاد ہو گئے ہیں۔ اگر وہ کوئی سرمایہ رکھتے ہیں تو حق تعالیٰ ان کا سرمایہ ہے۔ یہ واصل باللہ ہیں تو اسی سے، عالم میں رہ کر بے عالم ہیں با خود ہوتے ہوئے بے خود ہیں، جیتے ہیں تو اسی کیلئے، مرتے ہیں تو اسی کیلئے۔ وہ ہر ذرّہ میں محبوبِ حقیقی کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کے مبتدی (ابتدائی مرحلوں والے ارباب) ہر ذرے کو خدا کے اسمائی اور صفاتی کمالات کا جامع پاتے ہیں۔ ان کے مُنتہیوں کا کیا کہا جائے یہ لوگ جو بے نشان ہیں ان کا پہلا قدم ماسوئی اللہ کا فراموش کرنا ہے، دوسرا قدم

نفس اور آفاق سے باہر ہے۔ الہام بھی ان ہی کیلئے ہے اور کلام بھی ان ہی کیلئے مخصوص ہے۔ ان کے اکابر علوم و اسرار کو اصل سے بلا واسطہ اخذ کرتے ہیں، جس طرح مجتہد اپنے اجتہاد کے تابع ہوتا ہے اسی طرح یہ لوگ معارف اور مواجید میں اپنی فراست اور الہام کے تابع ہیں۔

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ احکامِ شرعیہ کے علاوہ یہ اہل اللہ علوم و معارف میں مخصوص ہیں اور ان کے یہ معارف ان ہی احکامِ شرعیہ کے ثمرات اور نتائج ہیں۔ جس قدر پابندی شریعت زیادہ ہوگی اسی قدر ان کی معرفت بھی زیادہ ہوگی۔ جو شخص شریعت میں سُست ہوگا وہ معرفت سے بے نصیب ہوگا اور اگر وہ خود کو کچھ سمجھتا ہو تو وہ اِستدراج میں شمار ہوگا اور ایسے استدراج میں تو جوگی اور برہمن بھی شریک ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ ہوسکتا ہے کہ یہ بزرگ ہستیاں حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال کے معارف میں بعض ان اسرار و حقائق کو سمجھ لیں جن کے متعلق شریعت خاموش ہے اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے اذن یا عدمِ اذن اور پسندیدگی اور ناپسندیدگی معلوم کرلیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ لوگ بعض نفلی کاموں کا ادا کرنا ناپسند جانتے ہیں اور کبھی نیند کو بیداری سے بہتر سمجھتے ہیں۔

حضرت مجددؒ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ احکامِ شرعیہ اوقات کے ساتھ مقرر ہیں اور دیگر احکامِ الٰہیہ ہر وقت ثابت ہیں۔ ان بزرگوں کو چونکہ الہام کے باعث کسی عبادت کے بارے میں اللہ کی پسندیدگی یا اذن کا علم ہوتا ہے۔ اس لیے جو عبادت دوسروں کیلئے نوافِل میں شامل ہے وہ ان کیلئے فرض کی مانند ہوتی ہے۔ بنابریں ان بزرگوں کیلئے تو سب کام فرائض کی طرح ہوں گے۔ دوسروں کیلئے جو چیز مستحب یا مباح ہے ان کیلئے فرض ہے۔ اسی حقیقت سے ان بزرگوں کے مرتبہ کی بلندی معلوم کرنی چاہیے۔

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ علمائے ظاہر اولیاءِ کرام کی مندرجہ بالا خصوصیات سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے علوم فقہ کے امور میں ان کو شریک نہیں جانتے۔ حقیقت یہ ہے کہ فقہ میں مندرجہ بالا چار مصادر (قرآن و سنت، اجماع اور اجتہاد) کے علاوہ پانچویں اصل الہام ہے بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کتاب و سنت کے بعد تیسری اصل الہام ہے اور یہ اصل کے خاتمے تک قائم رہے گی۔ پس دوسروں کو ان بزرگوں کے ساتھ کیا نسبت ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لوگ عبادت کرتے ہیں اور یہ عبادت ناپسندیدہ ہوتی ہے۔ بعض اوقات یہ بزرگ نفلی عبادت کو ترک کردیتے ہیں اور ان کا یہ ترک حق تعالیٰ کے نزدیک دوسروں کی عبادت کے مقابلہ میں پسندیدہ ہوتا ہے لیکن عوام اس کے خلاف حکم لگاتے ہیں اور عام عابد کے مقابلے میں ان بزرگوں کو بیکار سمجھتے ہیں۔

اس سوال کے جواب میں کہ جب دین، کتاب و سنت کے ذریعے کامل ہوگیا تو پھر الہام کی کیا ضرورت ہے حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ الہام دین کے مخفی کمالات کو ظاہر کرتا ہے۔ الہام دقائق اور اسرار کا ظاہر کرنے والا ہے ایسے دقائق جن کے فہم سے اکثر لوگ قاصر ہوتے ہیں۔ اگرچہ دونوں (اجتہاد اور الہام) میں واضح فرق ہے مگر اجتہاد تو رائے کی طرف منسوب ہے اور الہام رائے کے خالق (جل شانہ) کی طرف منسوب

ہے۔اس طرح الہام میں ایک طرح کی اصالت (اصل سے پیوستگی) پیدا ہوگئی ہے جو اجتہاد میں نہیں۔الہام پیغمبر کے خبر دینے کے مشابہ ہے جو سنت کا ماخذ ہے اگرچہ الہام ظنی ہے اور پیغمبر کا خبر دینا قطعی ہے۔

فلسفہ اور حقیقتِ نماز

نماز کا فلسفہ بیان کرنے کیلئے فلسفے کی پیچیدگیوں اور گہرائیوں سے متعارف ہونا ضروری ہے اور اس کی گہرائیوں میں جانا عام لوگوں کے علمی معیار سے بعید ہے چنانچہ اس موضوع پر مختلف علماء کے افکار اختصار کے ساتھ پیش کئے جا رہے ہیں تاکہ قارئین کی معلومات میں اضافہ ہو سکے۔سب سے پہلے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ فلسفہ کی غرض و غایت یہ ہے کہ ہر چیز کی حقیقت کو معلوم کیا جا سکے۔ایک فلسفی یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ مادہ کیا ہے رُوحِ انسان، عقل، نفس اور یہ کائنات کیا ہے، کیوں ہے، کیسے ہے اور کیونکر ہے؟ فلسفہ اس بات کی حقیقت بھی معلوم کرتا ہے کہ جنت دوزخ کیا ہیں، خدا تعالیٰ کے کائنات میں مخفی اسرار و رموز جو ہمیں نظر آتے ہیں کیسے اور کس طرح ہیں؟

فلسفہ کے مندرجہ ذیل دو طبقات ہیں۔ایک مشائیہ فلسفہ جو مشائی کائنات کی حقیقت کا سراغ لگاتا ہے اور کسی چیز کا عرفان عقل یا منطقی استدلال سے حاصل کرتا ہے۔اس طرح استنباط کرنے والے فلسفیوں کا عملی سرمایہ محض فکر و نظر ہے اور دماغی اختراعات ان کی پونجی ہے۔دوسرا اشراقی فلسفہ، اس کو حکمیات یا تصوّف بھی کہا جاتا ہے۔اس میں عرفان کی کوشش چند ایسی مشقوں اور اعمال سے کی جاتی ہے جس سے باطنی حواس اور روحانی قوتیں جاگ اٹھتی ہیں جو مقاصدِ مطلوبہ میں مدد دیتی ہیں۔ان لوگوں کو محنت، ریاضت، مجاہدات اور تزکیہ نفس سے جلا اور صفائی حاصل ہوتی ہے اور وہ نظر و فکر کی بجائے مراقبہ سے کام لیتے ہیں جس سے اسرار منکشف ہوتے ہیں۔اس میں دماغی اختراع، سوچ و بچار اور نظری غور و فکر کو دخل نہیں۔یہ خدائی پروگرام ہے اور اس کا تعلق نظری عقیدت اور عملی اکتساب سے ہے جس سے اس کے حقائق کھلتے ہیں۔اس میں مشائیہ کی طرح صرف عقل سے ہی کام نہیں لیا جاتا۔ہندوؤں کا فلسفہ تو فلسفیوں کی کاوشوں کا رہینِ منت ہے۔اسلام صاف خدائی مذہب ہے اور اس کے اصول اور فروع نقلِ صحیح اور عقلِ کلی کا ثمرہ ہیں اور جزوی عقول یعنی فلسفہ سے پاک ہیں۔دین کی اساس محبت اور عشقِ الٰہی پر ہے جب کہ عقل و فلسفہ کی بنیاد غرور و نفس پر ہے۔ادھر دماغی الجھنیں ہیں اور اسلام میں رسائی قلب، عشق و محبت اور کیف و جذب کی دوڑ ہے۔کوری عقل مصلحت اندیش ہوتی ہے چنانچہ پیچھے ہٹ جاتی ہے مگر عشق میں وارفتگی اور شعلہ سامانی ہے۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی (۱۸۲)

چونکہ اس دوسری قسم کے فلسفیوں کا تعلق علمِ تصوّف سے بھی ہوتا ہے اس لیے راقم الحروف نے ایک نہایت بلیغ اور فصیح مضامین پر مبنی ایک کتاب ''عقل و عشق اور فلسفہ خودی'' کے نام سے لکھ دی ہے تاکہ عام

مسلمانوں تک یہ مفید معلومات پہنچ سکیں۔ عقل کا دائرہ چونکہ حسیات تک محدود ہے اور عقل تو محسوسات کو ہی تلاش کر سکتی ہے اس لیے نماز کا فلسفہ تلاش کرنا فلاسفہ کے بس سے باہر ہے اور اگر فلسفی اسے محسوس کر لیتے تو تمام فلسفی مسلمان ہو جاتے مگر اس کے برعکس دین کیف و جذبہ اور عشق سے متعلق ہے لہٰذا فلسفہ کی پہنچ سے باہر ٹھہرا۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ۔

گر بہ استدلال کارے دیں بدے — فخرِ رازی راز دارے دیں بدے

(اگر دین کا کام اِستدلال سے نکلتا تو فخر الدین (سے بڑھ کر کوئی) آشنائے دین نہ ہوتا)

علامہؒ نے فرمایا:

بو علی اندر غبارِ ناقہ گم — دستِ رومی پردۂ محمل گرفت[۱۸۳]

(حقیقت یہ ہے کہ) بوعلی (عقل کا نمائندہ) تو اونٹنی کے غبار سے گھر گیا (اور عاشق) رُومی نے لیلیٰ کے محمل کا پردہ تھام لیا)

حقیقتِ انسان کی وضاحت

نماز مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے اور اسلام کا بہت اہم رکن ہونے کی حیثیت سے اس کی حقیقت کو معلوم کرنا ضروری ہے مگر نماز کی حقیقت کے سمجھنے کیلئے خود انسان کی حقیقت کو سمجھنا بھی ضرورت ہے۔ انسان چونکہ دیگر مخلوقات میں کامل اور اشرف مخلوق ہے اس لیے اس کی نماز بھی ناقص العمل مخلوق کی نماز سے الگ ہوگی۔ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو اس کی نماز کا طریقہ سکھا دیا ہے۔ جیسے قرآن میں فرمایا ہے۔ ''كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ط'' (النور:۴۱) (ہر شے کو اس کی نماز اور تسبیح کا طریقہ سکھا دیا گیا ہے)۔

حدیث شریف میں ہے کہ انسان ایک حقیقت جامع ہے اور تمام کائناتی حقیقتوں کا مجموعہ اور خلاصہ ہے اس لیے انسان خود ایک مستقل عالم ہے جس کو عالمِ صغریٰ بھی کہا جاتا ہے۔ اس موضوع پر مکمل تفصیل ہماری تصنیف ''نشانِ منزل'' میں ''تخلیقِ انسان'' کے باب میں دے دی گئی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے ان دونوں عالموں میں نسبتِ باہمی یوں ظاہر فرمائی ہے ۔

وہی اِک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں — یہ شیریں بھی، گویا بستیوں بھی، کوہکن بھی ہے[۱۸۴]

حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو — لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

عالمِ کبریٰ یعنی کائنات کبیر کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔ ایک عالمِ شواہد جس کا مشاہدہ آنکھوں سے کیا جا سکتا ہے اور جسے محسوس بھی کیا جا سکتا ہے۔ دوسرا عالمِ غیب جو جسمانیت سے پاک اور آنکھ سے اوجھل مگر دل کی آنکھ سے نظر آتا ہے۔ عالمِ ناسوت، ملکوت، جبروت، لاہوت اور ھو وغیرہ کے علاوہ فرشتے، ذات و صفاتِ باری تعالیٰ اور اسرارِ غیب مثلاً وحی، کلامِ الٰہی، رسالت اور نبوت کے علوم و معارف اور کمالات اسی

عالمِ غیب کی قسم سے ہیں۔

عالمِ صغریٰ (یعنی انسان) میں بھی دو عالم ہیں ایک عالمِ شہادت جسے وہ محسوس کرتا ہے اور اس میں اس کا جسم گوشت پوست ہڈی وغیرہ شامل ہیں اور دوسرا عالم عالمِ غیب ہے جس کو آنکھیں محسوس نہیں کرتیں۔ جیسے رُوحِ انسانی، دل و دماغ کے علاوہ سرچشمۂ علم و کمالات وصفات، حواسِ خمسہ اور اِدراک وغیرہ ہیں۔ جس طرح ہمارے اس علویات میں آسمان، کرۂ ارض، سورج، چاند اور ستارے ہیں بالکل اسی طرح انسان کے بدن میں بھی دو حصے ہیں۔ علویات میں رُوح، دماغ، دل وغیرہ ہیں اور سُفلیات میں پاؤں، پیٹ، پیٹھ اور ٹانگیں وغیرہ ہیں۔ جو کچھ ہم تمام عالم میں دیکھتے ہیں وہ اس عالمِ انسانی میں بھی موجود ہے۔ جس طرح علویات میں زمین ہموار، ناہموار، سطح مرتفع، سفید، سیاہ، پہاڑ، دریا، گندگی، خوبصورتی، بو، خوشبو وغیرہ موجود ہیں، اسی طرح یہ سب انسانوں میں بھی موجود ہیں۔ سورج سے حرارت آتی ہے تو انسان کو بھی حرارت قلب سے ملتی ہے۔ زمین میں پانی ہر جگہ ہے انسان کے ہر حصے میں بھی پانی ہے۔ زمین میں ٹھنڈا گرم، نمکین، پھیکا، میٹھا اور ملا جلا پانی ہے تو انسان میں بھی اسی طرح مختلف پانی موجود ہیں۔ ہوا کی مناسبت بھی دونوں میں برابر ہے (خلا میں ہوا کا ہونا اور ہوا کا چلنا سانس کی طرح ہے) زمین پر ہوا ختم ہو تو زندگی ختم ہو جائے اس طرح انسان کی سانس بند ہو جائے تو مر جاتا ہے۔ اس کے علاوہ عناصرِ اربعہ دونوں میں ہیں۔ زمین پر سمندر، نہریں نالے ہیں اور جسم میں بھی بڑی چھوٹی خون کی نالیاں موجود ہیں۔ زمین پر حیوانات، نباتات، جمادات ہیں تو انسان میں بیکٹیریا اور جراثیم موجود ہیں۔ زمین پر پہاڑ ہیں تو یہاں ہڈیاں پہاڑوں کی مثل موجود ہیں۔

مذکورہ بالا مماثلت کے علاوہ زمین پر اگر زلزلے اور طوفان آتے ہیں تو انسان میں بھی حرکاتِ اعصاب، حادثات کی دھڑکن، شہوات کے طوفان وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ آسمان میں جنت اور جہنم کے مناظر ہیں اسی طرح انسان میں ذہنی تفکر، اذیتیں اور تلذّذ ہیں حتیٰ کہ بعض نیچری ملاؤں نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ جنت اور دوزخ تو یہی نظر و فکر کے تاثرات ہیں۔ ایسے لوگ (نعوذ باللہ) یہ بھی کہتے ہیں کہ حقیقت میں آسمان پر جنت اور دوزخ جیسی کوئی چیز نہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نفس کی کلفت و کوفت مثلِ جہنم ہیں اور آثارِ فرحت و سُرور مثلِ جنت ہیں۔ صوفیا کا قول ہے کہ جس طرح آفاق میں فوق پر مقامِ عرش ہے اور اس میں تجلّیاتِ الٰہی کا ورود ہے اسی طرح اعضاءِ انسانی میں بالاتر مقام قلب ہے جو تجلّی گاہِ ربانی ہے، جیسے کہ ایک حدیث میں ہے کہ "قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللّٰهِ"[1] (مومن کا قلب اللہ کا عرش ہے) بلکہ ایک حدیث شریف میں تو یوں فرمادیا کہ "اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ"[2] (اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت (یعنی صفات) پر پیدا فرمایا)۔ اس سلسلے میں حضرت مجددؒ کا ارشاد حسبِ ذیل الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

---

[1] کشف الخفاء، حدیث ۱۸۸۶، جلد ۲، صفحہ ۱۰۰۔

[2] صحیح مسلم، حدیث ۷۳۱۴، جلد ۱۳، صفحہ ۲۹۔

خدا نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا

حضرت مجدّد الف ثانی ؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بے مثل اور بے کیف ہے اس نے آدم علیہ السلام کی روح کو بھی بے مثل اور بے کیف پیدا فرمایا۔ حدیث شریف میں ہے "اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ" (بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا) تو جس طرح حق سبحانہ وتعالیٰ لا مکانی ہے روح بھی لامکانی ہے۔ روح کو بدن کے ساتھ وہی نسبت ہے جو حق تعالیٰ کو عالم کے ساتھ ہے کہ نہ تو عالم میں داخل ہے، نہ خارج، نہ متصل ہے، نہ منفصل، قیومیت یعنی حدّ براور تصرّف کے سوا اور کوئی نسبت مفہوم نہیں ہوتی۔ بدن کے ہر ذرے کا منتظم روح ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام عالم پر قیوم ہے اور بدن پر اللہ کی قیومیت روح کے ذریعے سے ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی فیض آتا ہے وہ اولاً روح پر وارد ہوتا ہے اور پھر روح کے واسطے سے بدن کو پہنچتا ہے۔ چونکہ روح کو بے مثل پیدا کیا ہے اس لیے بے مثل ذات اللہ کی اس میں گنجائش ہوگی جس کی اس حدیث میں وضاحت کی گئی ہے۔ "لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَّسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِی الْمُؤْمِنِ" (میری گنجائش نہ تو میری زمین کرسکتی ہے اور نہ میرا آسمان کرسکتا ہے، ہاں میری گنجائش میرے بندۂ مومن کا قلب رکھتا ہے)۔

زمین وآسمان فراخی کے باوجود دائرہ مکان میں شامل ہیں اور چون وچگون (مثل) سے داغدار ہیں لہٰذا لامکانی ذات کی گنجائش نہیں رکھتے۔ لامکانی ذات مکان میں نہیں سما سکتی لہٰذا بندۂ مومن کے قلب میں اس کا سمانا ثابت ہوگیا۔ غیر مومن کا دل لامکان کی بلندی سے نیچے آچکا ہے کیونکہ وہ مقدار اور کیفیت کا گرفتار ہو چکا ہے۔ "اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ" (الاعراف:۱۷۹) (یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں)۔ حضرت مجدّدؒ فرماتے ہیں کہ عرش عظمت اور فراخی کے باوجود چونکہ مکانی ہے، لامکانی کے سامنے رائی کے دانے کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ اس سے بھی کمتر ہے اور میں کہتا ہوں کہ چونکہ انوار قدم کی تجلی کا محل بن چکا ہے بلکہ قدیم ذات کے ساتھ بقا حاصل کر چکا ہے اس لیے عرش وَمَافِیْهَا اگر دل میں آپڑیں تو لَاشَیٔ ہو جائیں۔ یہ ایک ایسا لباس ہے جو کہ روح کیلئے سیا گیا ہے۔ انسان کے سامنے اس سلسلے میں ملائکہ بھی کچھ خصوصیات نہیں رکھتے کیونکہ وہ دائرہ مکانی میں شامل ہیں اور چون (کیف اور مقدار) کے ساتھ متصف ہیں۔ اسی لیے انسان خدا کا خلیفہ بن گیا ہے اور شی کی صورت ہی شی کا خلیفہ بن سکتی ہے اور جب تک خلافت کے لائق نہ ہوا امانت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ بادشاہوں کے عطیات کو اسی کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں۔ مولانا روم ؒ فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است — من نگنجم ہیچ در بالا و پست (۸۵)

(پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں اوپر نیچے کہیں نہیں سما سکتا)

در دلِ مومن بگنجم اے عجب — گر مرا جوئی دراں دِلہا طلب (۸۶)

(تعجب ہے کہ میں مومن کے دل میں سما سکتا ہوں اگر میری تلاش ہو تو ان کے دلوں میں تلاش کرو)

---

۱ مرقاۃ المفاتیح، جلد ۱۵، صفحہ ۱۲۷۔

انسان میں نافرمانی اور تابعداری کے جذبات شیطانی اور ملکوتی احکامات کی طرح ہوتے ہیں۔ جس طرح آسمان کے نیچے شیاطین خدا کے حکم کے سامنے کبھی نہیں جھکتے بلکہ گمراہی پھیلاتے ہیں اسی طرح بدن میں آسمانی دماغ کے نیچے نفس ظلماتی شیطان کی مثل ہے اور ہواو ہوس کے زیرِ اثر قلب کے احکامات کو نہیں مانتا اور لذات سے آشنا کروا کر بدن کی خرابیوں اور تباہیوں کا باعث بنتا ہے۔ غرضیکہ جو کچھ فرش سے عرش تک مخلوقات میں موجود ہے انسان میں بھی موجود ہے حتیٰ کہ تمام دھاتیں نمکیات اور ادویات بھی موجود ہیں۔ پیتل، تانبہ، نکل، لوہا، فاسفورس سے لے کر بکٹیریا، جراثیم حتیٰ کہ ذیابیطیس کی دوا ''انسولین'' تک جسم میں پیدا ہو کر ذیابیطس کا علاج کرتی ہیں اور بہت سی بیماریوں کے علاج کیلئے نمکیات اور ادویات جسم میں ہی مہیا کر دی گئی ہیں۔

انسان میں کمالاتِ خالق کے نمونے بھی موجود ہیں

اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا کمالات کے علاوہ انسان میں اپنے کمالات کو بھی کسی حد تک نمایاں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا نائب بنایا اور اس کو مظہرِ تجلیاتِ الٰہیہ بنایا یعنی اپنی تدبیر، تصرف، علم، خیر، حکمت، مصلحت، صفتِ ایجاد وابداع، قدوسیّت وتنزاہیت غرضیکہ اپنی تمام صفات کا کچھ حصہ جو بندے کے لائق تھا، ضرور عطا فرمایا اور ان کو بڑھاتے رہنے کیلئے فرمایا جیسے حدیث شریف میں ہے کہ ''تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ'' (خدا کی صفات اپنے اندر پیدا کرو)۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک سو سے کچھ اوپر اخلاق ہیں، ان میں سے ایک بھی وہ جسے عطا فرما دے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مدارجِ نبوت، حصہ اول میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ساٹھ سے اوپر نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا فرمائے (سورۂ توبہ میں آپ کا رؤف الرحیم کی صفات سے متصف ہونا آیا ہے)۔ اللہ تعالیٰ اگر خلقِ کبیر (دنیا) سے منہ موڑ لے تو سب کائنات تباہ ہو جائے۔ اسی طرح جسم سے روح اپنا رخ پھیر لے تو انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ جیسے خدا نظروں سے اوجھل ہے روح بھی اوجھل ہے اور احاطۂ بصر سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ قہار، جبار، رحیم، کریم ہے اور انسان میں بھی یہ صفات رکھی گئی ہیں۔

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت ۔۔۔ یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان[187]

جس طرح اللہ تعالیٰ کُنْ فَیَکُوْن کا مالک ہے اسی طرح اس نے انسان کو بھی ''کُن'' سے تصرف کرنے کا شرف خاص مقام حاصل ہو جانے کے بعد عطا کیا ہے اور اس کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ کہا ہے۔ اہلِ مغرب کے دانشوروں اور سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ انسان کے دماغ میں جو بات آ جائے اسے اس کام کے کرنے کی صلاحیت عطا کی گئی ہے۔ ہماری تصنیف ''اسلام وروحانیت اور فکرِ اقبال'' میں ''مقام آدم'' کے عنوان سے انسانی کمالات کا مضمون ملاحظہ فرمائیں۔ عالم میں خواہ کتنا ہی فساد اور شر پیدا ہو جائے اللہ تعالیٰ کی ذات پر اثر

---

[1] تفسیر الکبیر، جلد ۴، صفحہ ۷۔

انداز نہیں ہوتا۔ اسی طرح انسان میں نفسانی خواہشات خواہ کتنی ہی سرکشی کریں اس پر اثر انداز نہیں ہوتیں۔ یہی وجہ ہے کہ گناہ گار سخت گناہوں کے باوجود نیست و نابود نہیں ہوتے بلکہ توبہ کے بعد اعلیٰ مقامات پر فائز ہو جاتے ہیں۔ روح تو نورانی، لطیف، غیر مرئی، حاکم اور متصرف رہتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے احکامات فرشتے دنیا میں انبیاء کرام پر وحی اور الہام نازل کرتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قیومیت بندے پر روح کے ذریعے قائم رہتی ہے اور انسان پر خطرۂ ملک، خطرۂ رحمانی وغیرہ کا ورود ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ خطرۂ نفسانی اور شیطانی، شیطان کے شر و فساد پھیلانے کے برابر ہے۔ ہماری تصنیف ''تہذیبِ نفس'' میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ شیطان دل پر کس طرح قابو پاتا ہے اور قلب کا تسلّط نفس پر کس طرح ہوتا ہے۔

حضرت مجددؒ سے کسی عقیدت مند نے حقیقتِ نماز کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے اس کو نہایت خوبصورت جواب مرحمت فرمایا۔ اس خط کا خلاصہ قارئین کیلئے درج کیا جا رہا ہے۔ اس مکتوب میں نماز اور روزہ کی ظاہری صورت اور حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے جس کے پڑھنے سے اہل اللہ کے دلوں کو راحت محسوس ہوتی ہے۔

حقیقت اور صورت شریعت میں فرق (حضرت مجددؒ کی نظر میں)

حضرت مجددؒ نے اپنے ایک مرید کو فرمایا کہ اعمالِ شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت ہے، صورت یہ ہے کہ ایمان باللہ اور بالرسول ہو اور تمام احکامِ شرعیہ کو بجالائے۔ مگر صورتِ اعمال میں نفسِ امارہ کی مزاحمت اور اس کی سرکشی اور بغاوت جو نفس کی سرشت میں رکھی گئی ہے موجود ہوتی ہے۔ اس حالت میں ایمان ہے تو صورتِ ایمان، اگر نماز ہے تو صورتِ نماز، اگر روزہ ہے تو وہ بھی صورتِ روزہ اور باقی تمام عبادات بھی عبادات کی صورت کے درجے میں شامل ہیں کیونکہ اس صورت میں ان کا نفس ان کے اعمال میں شامل ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں انسان کا نفس اپنی سرکشی کے باعث کفر اور انکار پر قائم ہوتا ہے لہٰذا اس حالت میں حقیقتِ ایمان اور حقیقتِ اعمال صالح کس طرح متصور ہو سکتی ہے۔

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے صرف صورتِ اعمال کو قبول فرما کر جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری دی ہے اور نفس کے اذعان (فرمانبرداری) اور ایقان (یقین کرنا) کے ساتھ مکلف نہیں فرمایا۔ مگر یہ بات ضرور ہے کہ جنت کی بھی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ اصحابِ صورت، صورتِ جنت سے محظوظ ہوں گے اور اربابِ حقیقت، حقیقتِ جنت سے لطف اندوز ہوں گے۔ یہ دونوں جنت کا میوہ تناول کریں گے لیکن صاحبِ صورت اس سے ایک قسم کی لذت پائیں گے اور صاحبِ حقیقت دوسری قسم کی۔

جب ایک شخص نے صورتِ شریعت حاصل کر لی تو ولایتِ عامہ حاصل ہو گئی۔ اس کے بعد سالک اس کی استعداد حاصل کر لیتا ہے کہ طریقت میں قدم رکھے اور ولایتِ خاصہ کی طرف رخ کرے اور بتدریج نفس کو آوارگی سے اطمینان کی طرف کھینچے، جیسے فرمایا ''اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى

النُّوۡرِ ط"(البقرہ:۲۵۷)(اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا نکال لے جاتا ہے انہیں اندھیروں سے نور کی طرف)۔نفس کی اصلاح کیلئے شریعت کے ساتھ ساتھ منازلِ وصول یعنی طریقت کے منازل بھی طے کرنا ضروری ہیں جس میں ذکرِ الٰہی بہت اہم ہے اور ممنوعاتِ شرعیہ سے اجتناب بھی ضروری ہے۔

حضرت مجددؒ نے مزید فرمایا کہ ادائے فرائض قربِ الٰہی کا باعث بنتے ہیں اور پیرراہ بین اور راہنما جو وسیلہ اور ذریعہ بنے وہ بھی مامور شرعی ہے جیسے فرمایا"وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ"(اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو)(المائدہ،۳۵)۔مبتدی کا نفس جب تک امارہ ہے جو اصل میں آسمانی احکام کا منکر ہے اس سے احکام شرعیہ کی ادائیگی صورت کے اعتبار میں ہوگی اور منتہی کا نفس جب مطمئن ہوجاتا ہے اور شریعت کے احکام کو بہ رضا و رغبت قبول کرلیتا ہے تو ان احکام کی ادائیگی حقیقت کے اعتبار سے ہوگی۔اس کی مثال منافق اور مسلمان کی سی ہے کہ نماز تو دونوں ادا کرتے ہیں مگر منافق چونکہ باطن سے انکار کرتا ہے اس لیے صرف نماز کی صورت میں ادا کرتا ہے اور مسلمان باطنی فرمانبرداری کے ذریعے نماز کی حقیقت سے مزین ہے۔معلوم ہوا کہ صورت اور حقیقت کا اعتبار باطنی انکار یا اقرار کی وجہ سے ہے۔اعمال صالحہ جو نفس مطمئنہ سے ہوتے ہیں اس کا درجہ حقیقت سے تعلق رکھتا ہے اور ولایتِ خاصہ کے کمالات سے ہے۔

خواجہ شمس الدین سیالویؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ حقیقی نماز حاصل کرنے کیلئے صورتِ نماز سے بھی محروم ہوجاتے ہیں یہ ٹھیک نہیں مجددالف ثانیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر حقیقت نماز میسر نہ ہوسکے تو صورتِ نماز کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیے ؎

متاب از عشق رو گرچہ مجازی است — کہ آں بہر حقیقت کار سازی است

(عشق سے روگردانی نہ کرو اگرچہ مجازی صورت میں ہو کیونکہ یہ حقیقی عشق تک پہنچنے کا ذریعہ ہے)

نفس کے اعتبار سے عبادت کے درجے

پہلے درجے والے کو مبتدی کہتے ہیں اور مبتدی کا نفس آسمانی احکام کا منکر ہوتا ہے اور اس کا نفس، نفس امارہ کہلاتا ہے۔نفسِ امارہ والا اگر احکام شرعیہ کو ادا کرے تو اس کی عبادت صورت کے اعتبار سے ہوگی اور منتہی کا نفس جب مطمئنہ ہوجاتا ہے تو اس کی علامت یہ ہے کہ وہ شریعت کے احکام کو بہ رضا و رغبت قبول کرلیتا ہے(یہ دوسرے درجے والے لوگ ہیں)ایسے شخص کی ادائیگی اعمال حقیقت کے اعتبار سے ہوگی(یعنی حقیقت نماز یا حقیقتِ روزہ کہلائے گی)اس کی مثال اوپر بھی دی گئی ہے۔مجددؒ نے فرمایا کہ یہ دوسرا درجہ(اطمینانِ نفس کا)ولایت خاصہ سے پہلے ہوگا کیونکہ ولایتِ خاصہ کے کمالات درجہ سوم سے متعلق ہیں۔ متابعت شریعت کا تیسرا درجہ آنحضرت ﷺ کے احوال و اذواق اور مواجید کی متابعت ہے۔یہ درجہ مجذوب سالک یا مجذوب کے ساتھ خاص ہے۔متابعت شریعت کا چوتھا درجہ وہ ہے جو پہلے درجے(صورت اعمال)

میں تھا مگر فرق یہ ہے کہ پہلے درجے میں اعمال کی صورت تھی، یہاں اتباع کی حقیقت ہے اور یہ چوتھا درجہ علماء راسخین کا ہے جو نفس کے اطمینان کے بعد متابعت کی حقیقت کی دولت سے مشرف ہیں۔ اولیاء کو تمکینِ قلب (جو ایک حالت پر جم جائے یا جسے استقرار حاصل ہو جائے) کے بعد ایک طرح کا اطمینان نفس ہو جاتا ہے (یعنی یہ رضا و رغبت تابع ہو جاتا ہے) مگر کمال درجہ کا اطمینان کمالاتِ نبوت کے بعد ہوتا ہے جو بطریق وارثت علمائے راسخین کو ملتا ہے۔ یہ لوگ اطمینانِ نفس سے حقیقی اتباع میں ہوتے ہیں اور دوسرے کبھی شریعت کی صورت اور کبھی حقیقتِ شریعت سے متصف ہوتے ہیں۔ ایسے علماء کو متشابہات کی تاویل کا علم ہوتا ہے اور حروفِ مقطعات کے اسرار سے واقف ہوتے ہیں۔ یہ اطمینانِ نفس اور شریعت کی متابعت کی حقیقت کبھی تو بغیر وسیلۂ فنا و بقا اور بغیر سلوک و جذبہ کے مل جاتی ہے اور اس دولت تک ولایت کی راہ سے پہنچنا ممکن ہوتا ہے۔ متابعتِ شریعت میں سنت کی اتباع ہے اور بدعت کے نام و نشان سے بھی پرہیز کرنا ہوتا ہے (زیادہ تفصیل کیلئے مکتوب نمبر ۵۰ مکتوباتِ ربانی دفتر دوم، حصہ اول، صفحہ ۱۰۸۸ دیکھیں (ترجمہ مولانا سعید احمد)۔

حضرت علی ہجویریؒ اور شہاب الدین سہروردیؒ کا نظریۂ حضور

جس طرح سے (قیام، رکوع، سجود وغیرہ) نماز کی ایک ظاہری صورت ہے جسے ہم نماز کا جسم کہہ سکتے ہیں اسی طرح اس کی ایک باطنی صورت بھی ہے جو نماز کی حقیقت کہلاتی ہے۔ وہ نماز کی روح ہے اور اس کو ہم خشوع وخضوع بھی کہہ دیتے ہیں۔ ظاہر کو باطن سے اہم تعلق ہوتا ہے اس لیے اگر ظاہر درست ہے تو باطن (یعنی اس کی حقیقت کا حال) بھی درست ہوگا اور اگر باطن درست ہے تو لازمی طور پر حضور بھی حاصل ہوگا۔ اس کے بغیر نماز ایک مردہ جسم والی ہوگی۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا کہ ایک جماعت کے نزدیک نماز خود سے غائب ہو جانے کا نام ہے اور دوسری جماعت کہتی ہے کہ نماز خود سے غائب ہو جانے کا نام نہیں ہے بلکہ جو لوگ غائب ہوتے ہیں وہ نماز میں حاضر ہو جاتے ہیں اور جو پہلے حاضر ہوتے ہیں وہ نماز میں غائب ہو جاتے ہیں اور ایسے ہی قیامت کے دن جو لوگ رؤیتِ باری تعالیٰ سے بہرہ یاب ہوں گے غائب سے حاضر ہو جائیں گے اور جو حاضر ہوں گے وہ غائب ہو جائیں گے۔ آپ فرماتے ہیں کہ نماز امرِ حق تعالیٰ (یعنی اللہ کا حکم) ہے، نہ آلۂ حضور ہے اور نہ غائب ہو جانے کا آلہ کیونکہ امر کسی چیز کا آلہ نہیں ہوتا، لہٰذا نماز نہ تو آلۂ حضور ہے اور نہ آلۂ غیبت ہے۔ حضور کی علّت (سبب) میں حضور ہے اور اسی طرح سے غیبت کی علّت میں غیبت ہے کیونکہ حکمِ حق کسی صورت میں ناقص نہیں ہوتا (تو پھر اس پر حاضر اور غائب کا گمان کیوں ہو) اگر نماز آلۂ حضور ہوتی تو بدکار نمازی بدکاری نہ کرتے اور اگر نماز آلۂ غیبت ہوتی تو نماز کے سوا کوئی چیز حضور میسر نہ کر سکتی (حالانکہ حضور ذکر اور مراقبہ میں بھی ہے) اور اگر نماز علّتِ غیبت ہوتی تو لازمی تھا کہ غائب اس کے ترک سے حاضر ہوتے (یا یوں کہیے کہ غائب ترکِ نماز سے حضورِ حق پا سکتے) اور غائب کو نماز کے ادا کرنے یا نہ کرنے سے عذر نہ ہوتا چنانچہ جب حاضر اور غائب میں

سے کوئی نماز ادا کرنے سے معذور نہیں (عذر دار نہیں) تو نماز فی نفسہ ایک قوت ہے یعنی نماز تو بذاتِ خود غلبہ ہے اور غیبت اور حضور میں وہ محدود نہیں۔ ثابت ہوا کہ نماز کے بغیر حضور ممکن نہیں اور اگر نماز ہو تو دوسری عباداتِ ذکر اور مراقبہ یا تفکر وغیرہ سے بھی حضور حاصل ہو سکتا ہے) اہلِ مجاہدہ اور صاحبِ استقامت بزرگ اپنے مریدوں کو کثرتِ نماز (نوافل) کا حکم دیتے ہیں تاکہ جسم کو عبادت کی عادت ہو۔ اہلِ استقامت بھی زیادہ نوافل ادا کرتے ہیں تاکہ ان کی عبادت کی قبولیت کا شکرانہ ادا ہو۔ حضرت علی ہجویری "فرماتے ہیں کہ معراج کے بعد جب حضور ﷺ نماز پڑھتے تو خلقت کی نگاہیں آپ ﷺ کو نماز میں دیکھتیں لیکن آپ ﷺ کا جسم بظاہر نماز میں ہوتا اور روح مبارک مع دل کے انس (محبت) حق کے مقام پر ہوتی اور سرِ نیاز میں ہوتا۔ اس کتاب میں "اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ" (نماز مومنین کی معراج ہے) کے بیان میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

سہیل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صدق کی یہ علامت ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے (اہلِ صدق پر) ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے اور جب نماز کا وقت آئے تو وہ اسے بیدار کر دیتا ہے اور نماز کیلئے اٹھا دیتا ہے۔ حضرت سہیل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بڑھاپے میں معذور ہو چکے تھے مگر ہنگام شوق سے نماز کے وقت پر ٹھیک ہو جاتے اور نماز کے بعد پھر معذور ہو جاتے تھے۔

"اَلْمُنْتَظِمْ" (جلد نمبر ۵) میں ہے کہ امام احمد بن حنبل" کے شاگرد عباس بن حمزہ" (جو قائم اللیل وصائم النھار اور مستجاب الدعوات تھے) کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے ظہر کی نماز حضرت بایزید بسطامی" کی اقتداء میں ادا کی تو جب تکبیرِ تحریمہ کیلئے آپ نے ہاتھ اٹھانے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ کے اسمِ گرامی کے جلال کے پیشِ نظر ہاتھ اٹھانے کی قدرت نہ رہی اور کندھے اور سینے کے درمیان والا گوشت کانپنے لگ گیا یہاں تک کہ میں نے ان کی ہڈیوں کی کڑکڑاہٹ کی آواز سنی اور اس حالت نے مجھے ہول زدہ کر دیا۔ کشف المحجوب میں اس بات کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے دیکھا کہ حضرت ذوالنون مصری" نے جب اقامتِ صلوۃ کیلئے اللہ اکبر کہا تو بے ہوش ہو کر گر گئے اور معلوم ہوتا تھا کہ روح جسم سے پرواز کر گئی اور بدن میں کوئی حس باقی نہ رہی۔ اس قسم کے بہت سے واقعات بزرگوں کے احوال میں پڑھنے کو ملتے ہیں، یہ سب نماز میں حاضر ہونے کی مثالیں ہیں۔

نماز میں حضور کیلئے چار ضروری شعبے

حضرت شہاب الدین سہروردی "نماز کے چار شعبے بتاتے ہیں۔ اول محراب میں جسم کی موجودگی، دوم خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں عقل و شعور کے ساتھ حاضر ہونا۔ سوم دل کا خشوع و خضوع کے ساتھ ہونا اور چہارم ارکان نماز میں خضوع کا ہونا۔ حضورِ قلب سے حجابات اٹھ جاتے ہیں اور شہودِ عقل (عقل کے حاضر ہونے)

---

[1] مرقاۃ المفاتیح، جلد ۳، صفحہ ۴۴۸۔

سے عتاب رفع ہو جاتا ہے اور فناء نفس سے رحمت و کرم کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ارکان نماز میں خشوع وخضوع سے ثواب کا حصول ہوتا ہے۔ حضور کے بغیر نماز غفلت میں شمار ہوتی ہے۔ شہودِ عقل کے بغیر نماز سے بے پرواہی کا اظہار ہوتا ہے۔ خضوع نفس نہ ہو تو نماز میں خطا واقع ہوتی ہے اور خضوع ارکان کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی۔ کامل نماز ان چاروں کی تکمیل کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ نے فرمایا کہ جب تم نماز میں پہلی تکبیر کہو اس وقت تم یہ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری طرف دیکھ رہا ہے اور جو کچھ تمہارے دل میں ہے اس سے باخبر رہو چنانچہ نماز میں دنیاوی خیالات کا ہونا مناسب نہیں ہے۔ جس کا دل اللہ کی طرف نہیں ہوگا اس کے خیالات منتشر رہیں گے اور شیطان دل میں وسوسے پیدا کرتا رہے گا۔ کشف المحجوب میں ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ نماز ادا کرنے والے کو چار چیزوں کی حاجت ہوتی ہے۔ (۱) فنائے نفس (۲) تحلیل طبع (ذہابِ طبع یعنی اپنی طبع سے نکل جانا) (۳) صفائے باطن یعنی (صفائے سر) اور (۴) کمالِ مشاہدہ۔ نماز فنائے نفس کے بغیر بیکار ہے اور یہ چیز جمع ہمت سے حاصل ہوتی ہے۔ جمع ہمت ہو تو غلبۂ نفس ختم ہو جاتا ہے کیونکہ نفس کی بنیاد تفرقہ پر ہوتی ہے اور تفرقہ میں احوالِ جمع اور مشاہدۂ حق نہیں ہوسکتا۔ ذہابِ طبع ہو تو جلالِ حق تعالیٰ ضرور ہوتا ہے کیونکہ جلالِ حق میں سب کچھ زوال پذیر یا زائل ہو جاتا ہے۔ صفائے باطن کا ملنا محبت حق تعالیٰ سے ہے اور کمالِ مشاہدہ صفائے باطن کے بغیر نصیب نہیں ہوتا (گویا نماز میں حضور کیلئے جمع ہمت، احوالِ جمع، ذہابِ طبع، جلالِ حق اور محبتِ حق کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے)۔

داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ فرشتے ہمیشہ عبادت میں رہتے ہیں۔ ان کا کام ہمیشہ اطاعت الٰہی ہے۔ ان کی غذا عبادت ہے۔ اس لیے وہ روحانی ہیں اور ان کا نفس نہیں ہوتا جو انہیں اطاعت سے منحرف کرے کیونکہ مانع عبادت تو نفس ہی ہوتا ہے چنانچہ یہ بات ظاہر ہوگئی کہ نفس کو جتنا زیادہ مقہور کیا جائے بندگی کا راستہ اتنا ہی آسان ہو جائے گا اور جب نفس فانی ہو جائے تو انسان کی غذا اور اس کا مشرب صرف عبادت ہو جاتا ہے اور فرشتوں کی طرح ان کو بھی سوائے عبادت کے اور کوئی کام نہ ہوگا (اکتسابِ رزق بھی عبادت کا حصہ ہے)۔

حقیقتِ نماز کی علامت ترکِ معاصی ہے

حقیقتِ نماز کا بیان کچھ تو پہلے گزر چکا ہے اور آیاتِ قرآنی کی تشریح میں بھی کافی لکھا جاچکا ہے۔ حقیقتِ نماز کی وضاحت کیلئے مزید چند اشارات اہلِ ذوق کی تشنگی دور کرنے کیلئے دیئے جا رہے ہیں۔ نماز سے حاصل ہونے والے مقاصد میں سے جو مقصد قرآن حکیم نے سرفہرست بیان کیا ہے وہ ''اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ'' (عنکبوت:۴۵) سے ظاہر ہے (بے شک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور برے کاموں سے) اور پھر فرمایا ''وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ'' (اور اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے) اس آیت سے یہ بات واضح ہے کہ نماز کی اصل غرض و غایت تو اللہ کی یاد یعنی ذکر الٰہی کو قائم کرنا ہے جو گناہوں کو ترک کرنے سے پیدا ہوتی

ہے چنانچہ فرمایا کہ نماز بے حیائی اور گناہوں سے روکتی ہے اور اگر اس کے ساتھ ذکر یعنی اللہ کی یاد قائم ہو جائے تو وہ بہت ہی بہتر ہے۔ ایک اور جگہ اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے "وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ" (طٰہٰ:۱۴) (نماز کو میری یاد کیلئے قائم کرو) اس آیت کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

شراب ترکِ نماز کی طرف لے جانے میں مدد کرتی ہے

ایک دلچسپ بات جو قرآن حکیم کی آیات سے واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن میں کئی مقامات پر نماز کو قائم کرنے کے ساتھ ہی شراب کو ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس میں ایک مخفی راز یہ ہے کہ جو نماز کی اچھائیاں بیان کی گئی ہیں شراب میں ان خوبیوں کی متضاد برائیاں بیان کی گئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز اور شراب دونوں متضاد ہیں۔ (یعنی ایک دوسرے کا الٹ) غور کا مقام ہے کہ ایک حدیث میں جو کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو دس نصیحتیں فرمائیں ان میں سے دو یہ ہیں کہ فرض نماز کو ہرگز نہ چھوڑنا کیونکہ جس نے فرض نماز چھوڑ دی وہ اللہ تعالیٰ کے ذمے (یعنی حفظ وامان) سے باہر ہو گیا اور دوسری یہ کہ شراب ہرگز نہ پینا کیونکہ وہ برائیوں کی جڑ ہے۔ ان دونوں نصیحتوں میں بھی نماز کی پابندی اور شراب سے پرہیز کا حکم ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ نماز میں اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں اور شراب میں اللہ سے دوری اور بُعد ہے۔ شراب نفسانی لذات، تکبر، غرور، خودغرضی، ظلم، بے حیائی، فواحش، منکرات اور بداخلاقی کا سرچشمہ ہے۔ ان تمام خرابیوں کی وجہ سے شراب کو اُمُّ الْخَبَائِثِ (یعنی برائیوں کی ماں کہا گیا ہے)۔ احادیث میں ہے "وَلَا تَشْرَبَنَّ خَمْرًا فَاِنَّهٗ رَأْسُ كُلِّ فَاحِشَةٍ" (شراب ہرگز نہ پیو کیونکہ یہ ہر بے حیائی کی جڑ ہے)، اس کے برعکس نماز ضبطِ نفس، اصلاحِ اخلاق، تواضع، ایثار، صبر عدل وانصاف کا سبق دیتی ہے اور اسے دین کا ستون اور بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ دیگر احادیث میں بھی فرمایا گیا ہے "وَاعْلَمُوْا اَنَّ خَيْرَ اَعْمَالِكُمُ الصَّلٰوةُ"[2] (جان لو کہ تمہارے اعمال میں سے بہترین عمل نماز ہے) جو (اُمُّ الْخَبَائِثِ) کے مقابل ہے اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ نماز فواحش اور بے حیائیوں سے کس طرح بچاتی ہے۔ نماز اور شراب کا تعلق مزید واضح کیا جا رہا ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

نماز اور شراب کا تضاد قرآن کی رو سے

قرآن میں نماز اور شراب کے تضاد کو ظاہر کرنے والی چند آیات ملاحظہ فرمائیں۔

"لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى" (النساء:۴۳) (نماز کے نزدیک مت جاؤ جب تم نشہ کی حالت میں ہو)۔ اس کے بعد کی آیت میں شراب کو قطعاً حرام قرار دے دیا گیا اور واضح کر دیا گیا ہے کہ کہیں شیطان

---

[1] مسند احمد، حدیث ۲۲۰۶۰، جلد ۴۵، صفحہ ۵۳۔

[2] سنن ابن ماجہ، حدیث ۲۷۳، جلد ۱، صفحہ ۳۲۶۔

تمہیں شراب اور جوئے کے ذریعے نماز سے نہ روک دے۔''اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ''(المائدہ:۹۱)(یہی تو چاہتا ہے شیطان کہ ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور بغض شراب اور جوئے کے ذریعے اور روک دے تمہیں یادِ الٰہی سے اور نماز سے کیا تم باز آنے والے ہو؟)۔شراب سے اس لیے منع کیا کہ شراب پی کر سوئے نہ رہیں اور نماز سے غافل نہ ہو جائیں اور ایسا نہ ہو کہ رحمت کی گھڑی کے آنے کی خبر بھی نہ ہو اور گزر جائے۔ جوا اور تاش بھی نماز سے غافل کر دیتے ہیں۔ایک حدیث میں ہے کہ''مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ یَقْبَلِ اللّٰہُ لَہٗ صَلَاۃً اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا''[1](جو شخص شراب پیتا ہے چالیس دن تک اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی)۔سورۂ مریم میں فرمایا گیا ہے کہ نماز کو ضائع کرنا خواہشات پرستی کی تمہید اور پیش خیمہ ہے۔''فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِھِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّھَوٰتِ فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا'' (پس ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ آئے کہ جنہوں نے ضائع کیا نمازوں کو اور نفسانی خواہشات کی پیروی کی پس عنقریب وہ گمراہی کی سزا سے دوچار ہوں گے)(مریم:۵۹)۔

المختصر! قانونِ الٰہی یوں ٹھہرا کہ ہر گناہ کی بنیاد نماز کی سستی ہے اور اس بات کا مشاہدہ ہو چکا ہے کہ تمام اخلاقی کمزوریاں اور پستیاں نماز میں سستی اور بے احتیاطی کی وجہ سے سرزد ہوتی ہیں چنانچہ نماز دین کی عمارت کی خشتِ اول ہے۔اس پہلے قدم کے پھسل جانے سے سارے دین کی رُوح جاتی رہتی ہے۔نماز کی غرض و غایت یا مقصد خالق و مخلوق میں محبت کا رشتہ قائم کرنا ہے اور نماز اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے ایک عملی مشق ہے۔اس قسم کا تعلق اللہ تعالیٰ سے استوار یا قائم رکھنے سے سب بگڑے کام سنور جاتے ہیں۔

سر نوشتِ واژگوں را راست می سازد نماز　　نقشِ معکوسِ نگیں از سجدہ می گردد درست

(اُلٹی تقدیر کو نماز درست کر دیتی ہے جیسے مہر میں الٹے نقش کندہ حروف سجدہ یعنی چھاپ سے سیدھے ہو جاتے ہیں)

حدیث شریف میں ہے کہ''بَیْنَ الرَّجُلِ وَبَیْنَ الشِّرْکِ وَالْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلَاۃِ''[2](شرک و کفر اور بندۂ کے درمیان فاصلہ ترکِ نماز کا ہے)اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ دین ایک رسمی سی بات نہیں ہے بلکہ اصول، ارکان، فرائض، واجبات، سُنن، مستحبات، حلال، حرام، مکروہ اور مباح کے تمیز رکھنے کا نام دین ہے اور اس دین کی شرعی حدود سے تجاوز کرنا کفر اور شرکِ معنوی ہے۔اس واسطے نماز کی فرضیت سے انکار کرنے والے کا کافر ہونے پر ساری امت کا اجماع ہے اور امام احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، امام نخعیؒ، امام حکم بن عینیہؒ، ایوب سجستانیؒ، ابوداؤدؒ، طرابلسؒ، زبیر بن حربؒ اور ابوبکر بن شیبہؒ وغیرہ بہت سے بزرگ ہیں جو بلا عذر جان بوجھ کر سستی سے نماز کو ترک کر دینے والے کو کافر قرار دیتے ہیں اور بادشاہ مملکت

---

[1] سنن ترمذی، حدیث ۱۷۸۵، جلد ۱۷، صفحہ ۶۲۔

[2] صحیح مسلم، حدیث ۱۱۷، جلد ۱، صفحہ ۲۲۹۔

اسلامیہ پر اس کا قتل مباح قرار دیتے ہیں۔ نووی شرح مسلم میں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور علماء کوفہ کی ایک جماعت اور امام مزنیؒ کا فتویٰ ہے کہ بے نمازی کو نہ کافر کہا جائے نہ قتل کیا جائے بلکہ سخت ترین بدنی سزا دی جائے جس سے بدن سے خون جاری ہو جائے اور قید میں رکھا جائے تاوقتیکہ توبہ کرے یا مر جائے (ترکِ صلوٰۃ کے بیان میں اِس موضوع پر کافی تفصیل دے دی گئی ہے)۔ معرفتِ نماز کا سمجھنا اور سمجھانا بہت بڑی بات ہے۔ اس کے کہنے اور سننے والوں کے مقامات کے مطابق ہی گفتگو کی جاتی ہے۔ یہاں عوام اور عشاق کی دلچسپی کیلئے صوفیائے کرام نے جو کچھ لکھا ہے تبرکاً پیش کر دیا گیا ہے تا کہ حقیقتِ نماز کو سمجھنے میں مدد ملے اور حقیقتِ نماز کو حاصل کرنے اور سیکھنے کا طریقہ معلوم ہو جائے۔

نیتوں کے اعتبار سے نمازیوں کی اقسام

''افادیتِ رضویہ'' میں لکھا ہے کہ نماز اور دیگر عبادات کی نیتوں کے اعتبار سے چار قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ پہلے وہ جو نماز اور عبادت سے منفعتِ دینی و دنیاوی اور اُخروی مقصود نہیں رکھتے بلکہ خالصتاً اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی اطاعت اور رضا جوئی کیلئے عبادت کرتے ہیں ان کو اللہ کا وصل ملتا ہے جیسے فرمایا: ''وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا'' (عنکبوت:۲۹) (جو لوگ ہماری راہ میں کوشاں ہوتے ہیں ہم ضرور ان کو اپنے رستے دکھا دیں گے)۔ حدیث شریف میں ہے ''جَاھِدُوْا اَھْوَاءَ کُمْ کَمَا تُجَاھِدُوْنَ اَعْدَاءَ کُمْ''[1] (جس طرح تم اپنے ظاہری دشمن سے جہاد کرتے ہو اسی طرح نفسانی خواہشات کے خلاف جہاد کرو) یعنی اس عبادت میں سوائے اللہ کی رضا کے کوئی نفسانی تصوّر شامل نہ ہو۔ سُبل (راستے) جمع کا لفظ ہے کیونکہ ہر ایک شخص کا مولا کریم سے راز و نیاز اور رابطۂ بندگی جدا جدا ہوتا ہے۔ ''ہر گدا را بر درت نازِ دگر'' (ہر گدا کا تیرے دروازے پر ایک نیا انداز ہوتا ہے)۔

دوسرے وہ جو باقی رہنے والی دنیا کے نفع کیلئے عبادت کرتے ہیں۔ وہ لوگ جن کو کسی طرح کی چاشنی عبادت پر اُبھارے لیکن فانی دنیا (کے نفع) کیلئے نہیں بلکہ نفع باقی دنیا کی تلاش کیلئے ہو جیسے فرمایا ''اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ط'' (توبہ:۱۱۱) (بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کے مال اور جان خرید لیے ہیں اس بدلے میں کہ ان کیلئے جنّت ہے)۔ تیسرے وہ لوگ جو دنیاوی منفعت کے لالچ میں عبادت کرتے ہیں جیسے فرمایا ''فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ط اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا'' (نوح:۱۰،۱۱) (پس میں نے کہا (ابھی وقت ہے) معافی مانگ لو اپنے رب سے بے شک وہ بخشنے والا ہے وہ برسائے گا تم پر موسلا دھار بارش)۔ اور فرمایا: ''قُلْ ھُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھُدًی وَّشِفَآءٌ ط'' (حٰم السجدۃ:۴۴) (تم فرما دو کہ ایمان والوں کیلئے ہدایت اور شفاء ہے)۔ ایک حدیث میں ہے

---

[1] تفسیر روح البیان، جلد ۱۰، صفحہ ۳۰۲۔

جہاد کرو غنیمتیں پاؤ گے، روزے رکھو تندرست ہو جاؤ گے حج کرو غنی ہو جاؤ گے۔ چوتھے وہ لوگ جو بدبختی میں پھنسے ہوئے ہیں اور منفعتِ دنیا کا بھی خیال نہ کریں اور عبادت سے سراسر غافل رہیں۔ جب تک ان کو خدا کا عذاب سنا کر ڈرایا نہ جائے یا جب تک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں اس وقت تک نماز کی طرف رجوع نہیں کرتے اور کبھی رجوع کرتے ہی نہیں جیسے فرمایا ''وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ'' (الزخرف:۳۶) (یعنی جو شخص (دانستہ طور پر) اندھا بن جاتا ہے رحمٰن کے ذکر سے تو ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کیلئے ایک شیطان پس وہ ہر وقت اس کا ساتھی رہتا ہے)۔ یہ لوگ بدترین مخلوق میں سے ہیں اس سلسلے میں کچھ آیات ہماری تصنیف ''نشانِ منزل'' میں ''ابلیس کے اختیارات'' کا مطالعہ فرمائیں۔ ان چاروں میں قسمِ اول سب سے اولیٰ ہے اگرچہ اللہ نے دنیاوی اور اخروی انعامات کا وعدہ فرمایا مگر اخلاصِ نیت والے اعمال سب سے اعلیٰ ہیں۔ اللہ والے اللہ سے اللہ ہی کو چاہتے ہیں ان کی غرض کچھ اور نہیں ہوتی۔

قلبِ انسانی پر اللہ تعالیٰ کا ہر روز ۳۶۰ بار نظر فرمانا

کشف المحجوب میں عمرو بن عثمانؒ کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دل کو جسم سے سات ہزار سال پہلے پیدا فرمایا اور مقامِ قرب میں رکھا اور جانوں کو دلوں سے سات ہزار سال پہلے پیدا فرما کر درجۂ وصل میں رکھ کر ہر روز تین سو ساٹھ بار ان پر ظہورِ جمال فرمایا اور تین سو ساٹھ بار نظر سے سرفراز فرمایا اور کلمۂ محبت اسے سنایا اور تین سو ساٹھ لطیفۂ محبت اس پر ظاہر فرمائے حتیٰ کہ کائنات پر نگاہ کی تو کسی کو اس انسان سے زیادہ اہل نہ پایا چنانچہ اس میں فخر اور غرور پیدا ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کا امتحان فرمایا اور سر کو جان میں مقید کیا اور جان کو دل میں اور دل کو تن میں رکھ کر عقل سے ان کو مرکب کیا۔ پھر انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا اور اپنے احکام بھیجے اور ہر ایک اپنے اپنے مکان میں اسی (اللہ) کا متلاشی ہوا۔ حق تعالیٰ نے (اپنی تلاش کیلئے) نماز کا حکم دیا تا کہ جسم نماز میں ہو دل محبت میں ہو اور جان قرب میں ہو اور سرِّ وصل میں ہو اور اس طرح کرنے سے وہ اس (خدا) کو پا سکے۔

نماز میں کیا نہیں ملتا؟

مذکورہ بالا بیان کے بعد حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ مرید ابتداء سے لے کر انتہاء تک راہ حق پاتا ہے اور اس کو نماز میں مقامات کا کشف ہوتا ہے۔ بزرگوں کیلئے نماز میں بہت سے اسرار کھولے جاتے ہیں۔ طہارت کے بدلے توبہ، قبلہ شناسی سے اطاعت، قیام میں مجاہدۂ نفس اور ذکر کے بدلے قربت، رکوع میں تواضع، سجدہ میں معرفتِ نفس اور تشہد میں امن اور سلام میں اجتنابِ دنیا اور بندِ مقام سے باہر آنا میسر ہوتا ہے۔ اہلِ مجاہدہ اپنے مریدوں کو رات دن میں چار سو رکعت پڑھواتے ہیں تا کہ ان کا بدن

عبادت کا خوگر بن جائے۔ اہل استقامت بھی بہت زیادہ نماز میں مُستغرق رہتے ہیں تا کہ اپنی عبادت قبول ہونے کا شکرانہ ادا کریں۔ آنے والے صفحات پر ''معارفِ کعبہ'' کے عنوان سے حضرت ابوعبداللہ بن الفضلؒ کا قول نقل کیا گیا ہے جس میں آپ نے حیرت کا اظہار کیا ہے کہ مسلمان اپنی خواہشات کو عبور کر کے دل تک کیوں نہیں پہنچتا جس میں ہر روز تین سو ساٹھ مرتبہ مشاہدۂ حق کی جلوہ نمائی ہوتی ہے اور اس اعتبار سے وہ خانہ کعبہ سے کئی گنا زیادہ افضل ہے۔

خواہشات نماز سے ختم ہو جاتی ہیں

صوفیائے کرام کا فرمان ہے کہ نفس کی خواہشات کی جگہ زیرِ ناف ہے اور معرفتِ الٰہی اور ایمان کا مخزن دل ہے۔ عشقِ الٰہی کی آگ اگر حاوی ہو جائے تو نفسانی آگ کو جلا دیتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک انصاری کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتا تھا مگر دنیا بھر کے گناہ بھی کرتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے مریضوں کیلئے بہت بڑی دوا نماز ہے وہ خود ہی سب کچھ چھوڑ دے گا۔[1] جب وہ شخص تائب ہو گیا تو فرمایا کہ اس کے آثار پہلے ہی بتا رہے تھے کہ وہ شخص نماز کے طفیل کسی نہ کسی روز کچھ بن کر رہے گا سو بن گیا۔ اختصار کی خاطر یہ حدیث یہاں نقل نہیں کی جا رہی ہے۔

حضوریٔ نماز اور صوفی شعراء (عارفانہ رموز)

نماز کی حقیقتوں کا انکشاف جب اللہ والوں پر ہوا اور اس کے علاوہ نماز کے بہت سے اسرار درویشوں پر کھلے تو انہوں نے اپنے اپنے طریقوں سے لوگوں کو سمجھایا کہ اے ظالمو تم کیا کر رہے ہو اور یہ کیسی نماز پڑھتے ہو کہ اِدھر نماز بھی پڑھتے ہو اور اُدھر لین دین میں لوگوں کو دھوکا بھی دیتے ہو اور لالچ کرتے ہو۔ اونچی اونچی اذانیں دیتے ہو اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہو مگر خود جہاں سے چنگا چوکھا ملے وہاں بھاگے بھاگے جاتے ہو۔ بہت زیادہ نفع اور رزق حرام کھاتے ہو اور پھر صوفی بھی کہلواتے ہو۔ راز کی بات نہیں سمجھتے کہ انسان کیا ہے؟ نماز کیا ہے؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ کیوں اندھوں کی طرح اندھیرے میں پھرتے ہو؟ ایسے نام نہاد نمازیوں کے متعلق چند شعراء کے کلام کے نمونے درج کئے جاتے ہیں انہیں غور سے پڑھیں تو یہ نقطہ کھلتا ہے کہ عبادت کی اصل کو پہچاننا ضروری ہے اور نرے نمازی نہ بنو کہ نمازیں تو پڑھو اور خود کو معلوم نہیں کہ کیا پڑھا کیوں اور کس لیے پڑھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ نماز پڑھنا تو مسلمان کا ایک اسلامی فعل ہے اور اگر کوئی محض نمازی ہے اور اسلام کے دوسرے احکام کی اطاعت نہیں کرتا تو اس کی نماز قابلِ اعتبار نہیں۔

حضرت بلھے شاہؒ فرماتے ہیں۔

---

[1] مسند احمد، حدیث ۱۶۷۱، جلد ۴، صفحہ ۳۶۹۔

پھڑ نقطہ چھوڑ حساباں نوں کر دُور کفر دیاں باتاں نوں
لا دوزخ گور عذاباں نوں کر صاف دلے دیاں خواباں نوں
گل ایسے گھر وچہ ڈھکدی اے
اِک نقطے وچ گل مکدی اے

اینویں متھا زمیں گھسائی دا لما پا محراب دکھائی دا
پڑھ کلمہ لوک ہسائی دا دل اندر سمجھ نہ آئی دا
کدی بات سچی وی لکدی اے
اک نقطے وچہ گل مکدی اے

ایک اور جگہ فرمایا۔

جاں میں رمزِ عشق دی پائی مینا[1] طوطا مار گوائی
اندر باہر ہوئی صفائی جتول دیکھاں یار و یار
عِشق دی نویں نویں بہار

وید قرآناں پڑھ پڑھ تھکے سجدے کر دیاں گھس گئے متھے
نہ رب تیرتھ نہ رب مکے جس پایا تس نور دیدار
عشق دی نویں نویں بہار

عمر گنوائی وچ مسیتی اندر بھریا نال پلیتی
کدے نماز وحدت نہ نیتی ھن کی کرنا ایں شور پکار
عشق دی نویں نویں بہار

حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں کہ یہ نقطۂ حجابِ خودی ہے اور اگر یہ حجاب یادِ الٰہی سے اٹھ جائے تو تجلّیات خدا ہمارے اپنے وجود میں ہی نظر آ جائیں گی جیسے کہ قرآن میں ہے کہ "وَفِیٓ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ط"

که جزاو نیست در سرائے وجود به حقیقت دِگر کسے موجود
(اس خدا کے علاوہ سرائے وجود میں کوئی نہیں حقیقت میں تیری ذات میں کوئی دوسرا ہی ہے)

میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست تو خود حجابِ خودی حافظ از میاں برخیز
(عاشق اور معشوق کے درمیان کچھ آڑ نہیں ہے، اے حافظ تو خود حجابِ بےخودی کو درمیان سے اٹھادے)

لطائفِ اشرفی میں ہے ۔

تو درونِ نماز، دل بیروں گشت ہائے میکند به مہمانی
(تو نماز میں ہے اور دل کہیں باہر پھر رہا ہے، مہمان گھر میں (بٹھا کر) اور خود گشت کر رہا ہے)

---

[1] مینا بمعنی نفس، طوطا بمعنی شیطان۔

ایں چنیں حالت پریشاں را شرم نانید نماز می خوانی
(یہ پریشانی کی حالت کیسی ہے تمہیں شرم نہیں آتی (ایسی) نماز پڑھ رہے ہو)

اخبار الاخیار میں ہے ۔

فِسق است و فجور کارِ ہر روزہ ما پُر شد زحرام کاسہ و کوزۂ ما
(ہمارے ہر روز کا کام فسق و فجور ہے ہمارا کوزہ و پیالہ حرام سے بھر گیا ہے)

می خندد روزگار ، میگرید عمر برطاعت و بر نماز و بر روزۂ ما
(زمانہ ہم پر ہنستا ہے اور عمر رو رہی ہے ہماری اس اطاعت، نماز اور روزہ پر)

اگر ہم اس بات پر غور نہ کریں گے کہ نماز روزہ کا مقصد کیا ہے، دین ہم سے کیا چاہتا ہے، کائنات اور انسان کو کیوں پیدا کیا تو یہ رسمی ظاہری عبادت محض پریشان حالی کے سوا کچھ نہیں۔ اسلام نے ہر چیز کی بنیاد کو سمجھنے پر زور دیا ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے "تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً" (ایک ساعت کا تفکر ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے)[1] کسی نے کہا ہے۔

تا روئے تو ندیدم اے شمعِ طراز نے کار کنم نہ روزہ دارم نہ نماز
(اے شمع ہستی کے جلانے والے جب تک تیرا چہرہ نہ دیکھ لوں، نہ میں (کوئی) کام کرتا ہوں اور نہ روزہ نہ نماز پڑھتا ہوں)

بابا بلھے شاہؒ نے کیا خوب فرمایا۔

نت پڑھنا ایں استغفار کیسی تیری توبہ اے او یار
جتھے نہ جانا اوتھے جائیں مال پرایا منہ دھر کھائیں
نت پڑھنا ایں استغفار .... ایہہ تیرا اعتبار ....
ظالم ظلموں نائیں ڈر دے اپنے عملیں آپے مردے
مونہوں توبہ دلوں نہیں کر دے اتھے اوتھے ہون خوار ....
نت پڑھنا ایں استغفار ....

حضرت بلھے شاہؒ نے ایک اور مقام پر فرمایا ۔

بلھے نوں لوک متیں دیندے، بلھیا توں جا بہہ مسیتی
وچ مسیتاں کیہہ کجھ ہندا ، جے دلوں نماز نہ نیتی
باہروں پاک کیتے کی ہوندا جے اندروں نہ گئی پلیتی
بن مرشد کامل بلھیا تیری اینویں گئی عبادت کیتی

---

[1] کشف الخفاء، حدیث ۱۰۰۴، جلد ۱، صفحہ ۳۱۰۔

کسی اور شاعر نے بھی کہا ہے کہ ؎

منہ میں توبہ اور ہاتھ میں ساغر آج دوہرا گناہ کرتا ہوں

کشف المحجوب میں ہے کہ محمد بن فضلؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص پر تعجب ہے کہ جو دنیا میں اللہ کا گھر ڈھونڈتا ہے وہ دل میں اس کا مشاہدہ کیوں نہیں کرتا کیونکہ بسا اوقات گھر نہیں ملتا اور کبھی مل بھی جاتا ہے مگر مشاہدہ تو ہر وقت رہتا ہے۔[1]

فرماتے ہیں کہ حجرِ اسود ایک ایسا پتھر ہے جس کی زیارت فریضہ میں داخل ہے اور اس پر صرف ایک بار نظر فرمائی گئی ہے لیکن وہ دل جس پر رات دن میں تین سو ساٹھ بار نظر فرمائی جائے وہ کیوں اس پتھر سے افضل اور اولیٰ نہ ہو"وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ" (تمہارے اندر ہی سب کچھ ہے کیوں نہیں دیکھتے) یعنی تم اپنے نفسوں میں کیوں جھانکتے نہیں ہو؟۔ ایک مشہور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کو مخاطب کر کے فرمایا ''لَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللهِ حُرْمَةً مِّنْكَ''[2] (اللہ کے نزدیک مومن کی حرمت تیری حرمت سے بھی زیادہ ہے)۔ بقول شاعر ؎

حاجی لوک مکے نوں جاندے اساں جاناں تخت ہزارے
جت دل یار اوتے دل کعبہ بھاویں پھول کتاباں چارے
حاجی لوک مکے وَل جاندے میرے گھر وچ نوسو مکہ
وچے حاجی وچے غازی وچے چور اچکا

سلطان العارفین سلطان باہوؒ نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے کہا اگر مجھے دین کا عرفان ہوا تو یہ میرے مرشد کی عطا ہے، ورنہ میں بے شعور ہی رہتا اور جو کمالات آپ نے حاصل کئے یہ سب مرشد کی ایک نظر کا فیض تھا۔ فرماتے ہیں ؎

مرشد دا دیدار اے مینوں لکھ کروڑاں حجاں ہو

آپ کا کلام طویل ہے اور عرفان سے بھرا ہوا ہے تبرّ کا کچھ اشعار پیشِ خدمت کئے جا رہے ہیں۔

مُرشد مکہ، طالب حاجی ، قبلہ عشق بنایا ھو
وِچ حضور سدا ہر ویلے کریئے حج سوایا ھو
جس جا جانی نظر نہ آوے اتھے سجدہ مول نہ دیئے ھو
جاں جے کر جانی نظر نہ آوے کلمہ مول نہ پڑھیئے ھو
سو روزے سو نفل نمازاں سو سجدے کر تھکے ھو

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ، ناشر، نشان منزل پبلیشرز۔

[2] سنن ابن ماجہ، حدیث ۳۹۳۲، جلد ۱۱، صفحہ ۴۱۸۔

مکّی حج گئے سو واری، پر دل دی دوڑ نہ مُکے ھو
چلّے چلیئے جنگل بھونا اس گل تھیں نہ، پکے[1] ھو
سب مطلب ھو جاندے حاصل جے پیر نظر اک تکے ھو
تسبیح پھری تے دل نہ پھریا، کی لینا تسبیح پھڑ کے ھوؒ
علم پڑھیا تے ادب نہ سکھیا، کی لینا علم نوں پڑھ کے ھو
جاگ بنا دُدھ جمدے ناہیں بھانویں لال ہون کڑھ کے ھو

حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ یہ رسمی تسبیح سے کام نہیں بنتا جب تک دل متاثر نہ ہو۔

تسبیح دا توں کسبی ہویوں ماریں دم ولیاں ھو　　دل دا منکا ہک نہ پھیریں گل پایاں پنج ویہاں ھو

حضرت بلھے شاہؒ نے فرمایا کہ میں نے ایسا سبق پڑھا کہ فنافی اللہ کا مقام میسر ہوا اور دیدار سے بھی مشرف ہوگیا۔

ہادی مینوں سبق پڑھایا اوتھے غیر نہ آیا جایا
مطلق ذات جمال دکھایا وحدت پایا شور نی
میں ہو گئی ہُن کُجھ ہور نی

اوّل ہو کے لا مکانی ظاہر باطن وَسدا جانی
رہیا نہ میرا نام نشانی مِٹ گیا جھگڑا شور نی
میں ہو گئی ہُن کُجھ ہور نی

نہ میں مومن وچ مسیتاں نہ میں وچ کفر دیاں ریتاں
نہ میں پاکاں وچ پلیتاں نہ میں موسیٰ نہ فرعون
بلھیا کی جاناں میں کون

نہ وچ شادی نہ غمناکی نہ میں وچ پلیتی پاکی
نہ میں آبی نہ میں خاکی نہ میں آتش نہ میں پون
بلھیا کی جاناں میں کون

حضرت بُلھے شاہؒ نے فرمایا کہ عبادت وہی ہے جس سے انسان کے ظاہر اور باطن دونوں کی صفائی ہو۔ اگر عمل اس کے قول کے خلاف ہے تو اس میں وہ انعام نہیں دیا جاتا جس کا وعدہ اسلام نے کیا ہے۔ ایک جگہ آپ نے اپنے آپ کی نفی کرنے کے بارے میں فرمایا کہ اپنی ہر چیز کی نفی ضروری ہے۔

علموں بس کریں او یار
اساں ہکو الف درکار

پڑھ پڑھ نفل نماز گزاریں اچیاں بانگاں چانگاں ماریں

---

[1] چلوں سے بھی پختگی حاصل نہ ہوئی۔

منبر تے چڑھ وعظ پکاریں کیتا تینوں حرص خوار
علموں بس کریں او یار

علموں میاں جی کھاویں تنہا چک چک منڈی جاویں
دھیلا لے کر چھری چلاویں نال قصاباں بڑا پیار
علموں بس کریں او یار

پڑھ پڑھ ملاں ہوئے قاضی اللہ علموں باجھوں راضی
ہوے حرص دنوں دن تازی نفع نیت وچ گزار
علموں بس کریں او یار

پڑھ پڑھ مسئلے روز سناویں کھانا شک شُبے دا کھاویں
دسیں ہور تے ہور کماویں اندر کھوٹ باہر سچ یار
علموں بس کریں او یار

جاں میں سبق عشق دا پڑھیا مسجد کولوں جیوڑا ڈریا
ڈیرے جا ٹھاکر دے وڑیا جتھے وجدے ناد ہزار
علموں بس کریں او یار
اساں ہکو الف درکار

حقیقتِ نماز کا تصوّر اس وقت ہی ممکن ہے جب مسلمان اپنی دنیاوی خواہشات، محرکات اور جذبات کو احکاماتِ خداوندی کے تابع کرے اور اپنی تمام تر قوتوں کو نماز کی طرف راغب اور منہمک کرے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ سالک اس وقت تک خدا کی طرف راغب نہیں ہو سکتا جب تک دنیا کے لوگ اور مال و دولت اس کیلئے بکری کی مینگنوں کی طرح (بے معنی) نہ ہو جائیں۔

حضرت بلھے شاہؒ نے دنیا میں نہایت محتاط، سوچ سمجھ کر اور نفس کی آلودگیوں اور دھوکوں سے بچ کر زندگی بسر کرنے کی تلقین فرمائی ہے اور فرمایا کہ اس کے بعد اللہ کی تلاش کرو تو پھر اللہ تعالیٰ کو پا سکو گے۔ قلبِ انسانی میں سب کچھ ہے اور خدا بھی ہے۔

ایہہ تلکن بازی ویہڑا اے تھم تھم کے ٹرو اندھیرا اے
وڑ اندر دیکھو کیہڑا اے کیوں خلقت باہر ڈھونڈیندی اے
منہ آئی بات نہ رہندی اے

بُلھیا رب اساں تو وکھ نئیں بن رب توں دوجا ککھ نئیں
پر ویکھن والی اکھ نئیں تاہیوں جان جُدائی سہندی اے
منہ آئی بات نہ رہندی اے

صوفیا کی نماز کا روحانی معیار

درج ذیل عبارت سے معلوم ہوگا کہ صوفیا کی نمازوں کا معیار ہی سب سے منفرد اور جُداگانہ ہے۔ اگر نماز کا معیار اِس قدر بلند ہو جائے تو ایسی نماز کا مقام ہی کچھ اور ہوگا۔ ہم ''نشانِ منزل''، ''حضورِ قلب اور اقامت الصلوٰۃ'' اور اس کتاب میں بھی مختلف مقامات پر نماز کو ٹھیک پڑھنے کے متعلق بہت کچھ بیان کر آئے ہیں۔ یہاں پر جو لکھا گیا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

عبادت کو رُوحانی معیار پر لاؤ: اسلام میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کی کوئی غرض و غایت، افادیت یا فیض رساں پہلو نہ ہو۔ نماز کا مسئلہ ہو یا حج کا ہر عبادت یا ہر شرعی عمل اپنے اندر بے پناہ حکمتیں پنہاں رکھتا ہے۔ آج ماڈرن سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ اسلام کا ہر عمل ہر اعتبار سے انسانی حیات کے تقاضے بہترین طور پر پورے کرتا ہے۔ طب، فلسفہ، سائنس، فلکیات نے اسلامی اصولوں کو عین دین فطرت قرار دیا ہے۔ اگر ہم تمام قوانینِ اسلام کا فطری پہلو سے موازنہ کریں تو اس موضوع پر کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ نماز زکوٰۃ اور حج کے ارکانوں کو ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیں تو سائنسی اور طبی مصلحتوں کے علاوہ اخلاقی اور رُوحانی حکمتوں کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ اگر آپ اس کی کوئی مثال دیکھنا چاہتے ہوں کہ روحانی طور پر حج میں کیا کچھ ملتا ہے تو حضرت جنیدؒ کی ایک حاجی سے درجِ ذیل گفتگو ملاحظہ فرمائیں۔ ہماری تصنیف ''سنتِ مبارکہ'' میں اسلام اور طِب کے تعلق کا باب بھی مطالعہ کریں۔

حقیقتِ حج یہ ہے کہ حاجی مقامِ ابراہیم پر کھڑا ہونے کے قابل ہو جائے: حضرت جنیدؒ نے ایک حاجی سے جو حج کر کے ان کے پاس آئے پوچھا کہ جب تم نے حج کیلئے گھر کو خیر باد کہا تو کیا گناہوں کو بھی خیر باد کہا۔ پھر پوچھا کہ اس راہ میں جہاں جہاں پڑاؤ کیا تم نے اللہ کی طرف کوئی منزل طے کی؟ جواب تھا کہ نہیں؟ پوچھا جب تم نے احرام باندھا تو انسانی صفات کا جامہ اتارا؟ جواب دیا نہیں! فرمایا پھر تو نے احرام باندھا ہی نہیں۔ پوچھا کیا عرفات میں اپنی دلی مراد پائی اور مزدلفہ میں خواہشات کو الگ کیا؟ جواب ملا نہیں! فرمایا پھر تم وہاں گئے ہی نہیں۔ پوچھا تم نے دورانِ طواف کعبہ جمالِ خداوندی کا مشاہدہ کیا؟ جواب ملا نہیں! فرمایا تم نے طواف ہی نہیں کیا۔ پھر پوچھا تم نے صفا و مروہ کی سعی میں صفا (صفائی) اور مروت (نیکی) کا مقام حاصل کیا؟ جواب دیا نہیں! فرمایا تم نے تو سعی بھی نہیں کی۔ پھر فرمایا جب تم نے قربانی دی تو تم نے خواہشات جسمانی کی قربانی کی؟ کہا نہیں! فرمایا پھر تم نے قربانی بھی نہیں کی۔ پھر پوچھا کہ رمی جمار میں کنکریوں کے ساتھ تم نے دنیاوی خیالات کو الگ پھینکا؟ کہا نہیں! آپ نے فرمایا واپس جاؤ اس طریقے سے حج کرو تا کہ مقامِ ابراہیم تک پہنچ سکو۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک عام انسان نماز، روزہ اور حج وغیرہ فقط رسمی طور پر ادا کرتا ہے مگر اہل اللہ جب اِن عبادات کی غرض و غایت کو ذہن میں رکھ کر ادا کرتے ہیں تو فرق صرف اتنا ہوتا ہے جو اس حاجی

اور حضرت جنید کی گفتگو سے ظاہر ہو رہا ہے۔ یہ کیفیت ہر عمل میں ہو تو پھر ایسے مسلمان کو جنیدؒ اور بایزید بسطامیؒ کہنے میں کون اعتراض کرسکتا ہے۔

نماز کی باطنی شرائط (حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودات)

حضرت داتا گنج بخش ؒ فرماتے ہیں کہ نماز کی ظاہری شرائط کے علاوہ نماز میں داخل ہونے سے پہلے باطنی شرائط کو بھی پورا کرنا چاہیے۔ اوّل شرطِ نماز جسم کی طہارت ہے (نجاست ظاہری سے اور نجاست باطنی یعنی ریا اور نفاق سے)۔ دوم شرط، لباس کا پاک ہونا ظاہری نجاست سے اور نجاستِ باطنی یعنی حرام سے (کہ حرام کے مال سے نہ خریدا گیا ہو)۔ نمازی کے کپڑوں کی مثال ایسی ہے جیسے پھل کا چھلکا، ظاہری پاکیزگی سے قلب بھی پاک ہوتا ہے۔ یہ تصور کرنا درست نہیں کہ کپڑوں کے پاک ہونے سے دل کیسے پاک ہوسکتا ہے۔ حق تعالیٰ نے ظاہر کا باطن کے ساتھ ایک خاص تعلق رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے ظاہر کا باطن پر اثر ضرور ہوتا ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جب تم وضو کر کے کھڑے ہوتے ہو تو اس وقت دل میں انشراح پاتے ہو، جو وضو سے پہلے نہیں پاتے تھے ظاہر ہے یہ وضو کا ہی اثر ہے جو دل تک پہنچا حالانکہ وضو سے محض ظاہری بدن کو ہی پاک کیا گیا ہے مگر اثر دل پر بھی ہوا۔ سوئم شرط، جگہ کا پاک ہونا ہے ظاہر میں حادثات اور آفات سے یعنی (شور وغوغا، کھیل اور تماشہ کا مقام نہ ہو) اور باطن میں فساد اور گناہ سے (یعنی شراب، جوا اور دیگر گناہ وہاں نہ ہوتے ہوں)۔ چہارم شرط، قبلہ رُو ہونا ہے ظاہر میں خانہ کعبہ کی طرف اور باطن میں مالک کعبہ اور عرشِ الٰہی کی طرف متوجہ ہونا اور ان دونوں کا مشاہدہ ہونا (یا کم از کم دل میں ان کے سامنے کھڑے ہونے کا احساس ہو)۔ پنجم شرط، وقت کا پایا جانا ہے یعنی قیام ظاہر میں بحالتِ استطاعت اور قیام باطن قربت میں ہو یعنی ظاہر میں شریعت کے مطابق نماز کے وقت میں داخل ہو اور باطن درجہ حقیقت میں ہو (اور وقت کی نزاکت کا احساس دل میں ہو کہ یہ خدا کے حضور حاضر ہونے کا وقت ہے)۔ ششم شرط، جنابِ حق میں خلوص نیت سے متوجہ ہونا ہے۔ ہفتم شرط، تکبیر ہیبت اور فنا کے مقام میں کہنا اور محلِ وصل میں، قرات آہستہ ترتیل اور عظمت سے کرنا، رکوع خشوع سے اور سجدہ عاجزی اور فروتنی سے کرنا۔ حدیث شریف ہے "كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَلِجَوْفِهٖ أَزِيْزٌ كَأَزِيْزِ الْمِرْجَلِ"[1] (جب آپ نماز ادا فرماتے تو آپ کے جوف مبارک (پیٹ) سے دیگ کے جوش کی آواز آتی تھی)۔

وضو میں نیّت کیا کی جائے (داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کردہ طریقہ)

حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا ہے کہ نماز کیلئے وضو کرے تو ان چیزوں کا خیال ہونا چاہیے

---

[1] سنن نسائی، حدیث ۱۱۹۹، جلد ۴، صفحہ ۴۵۷۔

i) جب استنجا کرے تو باطن کو غیر کی دوستی سے پاک کرے۔

ii) جب ہاتھ دھوئے تو دل کو دنیا کی محبت سے پاک کرے (یعنی دنیا کی محبت سے ہاتھ دھو بیٹھے)

iii) جب ناک میں پانی ڈالے تو خواہشاتِ شامہ (سونگھنے والی) کو اپنے اوپر حرام کرے۔

iv) جب منہ دھوئے تو خواہشاتِ نفسانی سے منہ پھیر لے۔

v) جب کہنیوں تک ہاتھ دھوئے تو اپنے نصیبوں سے الگ ہو جائے۔

vi) جب سر کا مسح کرے تو تمام کام اللہ کے حوالے کر دے۔

vii) جب پاؤں دھوئے تو نواہی (کہ جن باتوں سے منع کیا ہے) سے باز رہنے کی نیت کرے۔

ان تمام باتوں کا عہد مسلمان اس وقت کرتا ہے جب وہ توبہ کر کے صحیح راستے پر استقامت کیلئے دل میں نیّت کر لیتا ہے لیکن جب اس عہد کو کچھ دن گزر جاتے ہیں تو انسان اپنے وعدے کو رفتہ رفتہ بھول جاتا ہے۔ اسلام میں پانچ وقت نماز کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ مسلمان پانچوں وقت اللہ کے دربار میں حاضری دے کر اپنی رُوح کو جلا کا سامان مہیا کرتا رہے اور مذکورہ طریقے سے نیّت کو درست کرتا رہے اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ سے براہِ راست اکتساب فیض ہوتا رہے اس کی رحمتوں اور عنائتوں کا شکر ادا ہوتا رہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو مسلمان نے عہد و پیماں کیے ہیں ان کو دُہراتا رہے تا کہ تجدیدِ ایمان ہوتی رہے۔[1] اگر نیت صادق ہو اور مقصود اصلاح کرنا ہو تو بار بار یا تکلفاً نیت درست کرتے رہنے سے ہر روز درستگی اعمال میں اضافہ ہوتا رہے گا اور ایک دن آئے گا کہ انسان کے کردار میں خاطر خواہ تبدیلی دیکھنے میں آئے گی۔ انشاءاللہ

در اطاعت کوش غفلت شعار می شود از جَبر پیدا اختیار[188]

(اے غفلت کی عادت والے اطاعت کی کوشش کر، کیونکہ خود کو بار بار مجبور کرنے سے اختیار پیدا ہوتا ہے)

طریقہ بزرگوں سے سیکھیں

اوپر لکھے ہوئے نفیس اشاروں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بزرگوں سے جو چیزیں اخذ کی جائیں ان کے ذریعے عابد کا زاویۂ نگاہ کچھ اور ہی ہو جاتا ہے اور ان کے ارشادات پر عمل کرنے سے نماز اور عبادت کی کیفیت ہی بدل جاتی ہے۔ ہر کام اگر استاد اور خُصوصی کاریگروں کے ذریعے ہو تو اس میں اور عام لوگوں کے کام میں فرق ہوتا ہے۔ نماز کو بھی صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھا اور تابعین نے صحابہ کرام سے سیکھا حتیٰ کہ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ جب نماز کے ارکان کسی شیخ کی نظر میں تیار ہوں تو اس کی بات ہی کچھ اور ہو جاتی ہے۔ گھاس پھوس جیسی چیز بھی پھولوں کے ساتھ گلدستہ میں آ جائے تو بادشاہوں کے ایوانوں میں پہنچ جاتی ہے۔ اسی لیے رہنما کے بغیر یہ راستہ پُرخطر ہو جاتا ہے چنانچہ بزرگوں سے ملاقات کرنا بہت ضروری ہے۔

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ، ناشر نشان منزل پبلیشرز۔

نماز میں تعمیرِ سیرت

اقوام کا عروج وزوال افراد کے اخلاق، نظم اور کردار پر مُنحصر ہے۔ اِنسانی زندگی کے اس پہلو کی درستگی کیلئے اسلام نے نماز کو ہر فرد کیلئے اہم قرار دیا ہے اور اس کو تمام اخلاقی کمزوریوں کا علاج ہونے کے ساتھ اعلیٰ اخلاقی معیار پیدا کرنے کا ضامن ٹھہرایا ہے۔ کسی قوم کی کامیابی کیلئے اس کے افراد کا جفاکش، محنتی، ذہین، صحت منداور چاک و چوبند ہونا ضروری ہے۔ اِس کے برعکس ندامت، غفلت، سستی اور کاہلی تنزل پذیر قوموں کی نمایاں علامت ہوتی ہے۔ نماز پڑھنے سے مسلمان زندہ قوموں کی ان تمام اعلیٰ صفات سے متصف ہو جاتا ہے جو ایسی قوموں کے شایانِ شان ہوتی ہیں۔ کاہلی اور سُستی کا تصور ایک نمازی سے بہت بعید کی بات ہے۔ قرآن نے نماز میں سستی اور کاہلی تو منافقوں کی نشانی ہونا بیان کی ہے۔ نماز اپنے پڑھنے والوں کو نفسانی خواہشات، آرام طلبی اور (بُرے کاموں) کی طرف جانے سے روکتی ہے۔ نماز کے اس معیار پر ڈٹے رہنا اہلِ استقامت کا کام ہے کیونکہ اس میں جسمانی مشقت، نفس کی مخالفت اور عملِ پیہم کا خوگر ہونا ضروری ہے۔

نماز معاشرے کی اصلاح کا سبب بنتی ہے

نماز کی صحیح ادائیگی کیلئے دینی علوم مثلاً قرآن، حدیث اور فقہ وغیرہ سے باخبر ہونا ضروری ہے اور یہ دینی علوم اور عملی بصیرت کو فروغ دیتے ہیں۔ نماز کے ادا کرنے والے لباس کی درستگی، پاکیزگی اور سادگی کے بغیر ایک دن بھی نہیں گزار سکتے کیونکہ یہ نماز کیلئے بھی اور مہذب با حیا اور بااخلاق قوموں کے افراد کی اہم ضرورت ہے۔ پاکیزہ اور شریفانہ لباس عورتوں اور مردوں کی عصمت اور عفت کا ضامن بھی ہے۔ نماز کی ادائیگی میں مسلمانوں کو مجاہدانہ اوصاف کی نشوونما، وقت کی پابندی اور نظر وفکر کی بلند پروازی کی تربیت ملتی ہے اور عیش و عشرت، راحت طلبی اور تن آسانی کی عادت کو دبایا جاتا ہے۔ نماز جماعتی نظم ونسق، صفائی، یک جہتی اور یگانگت جیسے عالی قدر صفاتی گوہر پیدا کرتی ہے۔ جس قوم میں نماز جیسی عبادت کی حفاظت کی جاتی ہے اس میں اصلاحِ معاشرہ کی خوبی کا پیدا ہونا ایک لازمی جز ہوتا ہے کیونکہ اس میں روزانہ پانچ وقتہ، ہفت روزہ، ماہانہ، سالانہ اور حج کے مرکزی اجماعات کی غرض وغایت، باہمی اخوت ومحبت، رابطہ و ہمدردی، اتفاق اور عالمگیری جذبے کا ماحول پیدا کرنا ہے اور یہ تمام صفات معاشرے کی اصلاح کرتی ہیں اور ایک قوم کو نہایت بلند اور ارفع مقام پر لاکھڑا کرتی ہیں۔ ایسے معاشرہ میں رقص وسرور، شراب نوشی، قمار بازی، بدنظری، بدکاری، حسد، بغض، قتل و غارت جیسی لعنتوں کا پایا جانا بعید اَز قیاس ہے۔

قوم کا معیارِ کردار نماز سے ہی بنتا ہے

نماز سے پیدا ہونے والے مندرجہ بالا صفات کے علاوہ اس کا اثر مسلمانوں کے دلوں کی گہرائیوں تک

بھی پہنچتا ہے جو اسے نہ صرف نیکی کی طرف لے جاتا ہے بلکہ اس کے دل میں رُوحانی قوتیں پیدا کر دیتا ہے۔
یہی وجہ ہے کہ مسلمان کے ظاہر اور باطن میں تفاوت اور منافقت کا تصور نا ممکن ہے۔ ایسی قوم سے یہ باور نہیں ہو سکتا کہ امن و امان قائم کرنے کے ظاہری دعوؤں کے برعکس خفیہ طور پر دوسری اقوام کو ہلاک کر دیا جائے۔ نفس کی اصلاح، نیت کا صالح ہونا، بُری سوچ سے دور رہنے کی وجہ سے دل صالحِ اعمال کی طرف رغبت کرتا ہے۔ وہ تمام بیماریاں جو کہ قلب کے فاسد ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں نماز اور ذکر سے ہمیشہ کیلئے ختم ہو جاتی ہیں۔ نظروں کا پاک ہونا، قوتِ سماعت کا اللہ تعالیٰ کے کلام کو سن کر پاکیزہ ہونا اور زبان کا صرف نیکی کیلئے کھلنا نماز کے طفیل ہی ممکن ہے۔ جس شخص کو نماز میں اللہ کا قرب، اس سے گفتگو اور اس کا کلام (قرآن مجید) سننا میسر ہو اس کے ہاں پاکیزگی کے سوا کوئی اور چیز مقصود متصور نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید کی وہ آیات پہلے بیان ہو چکی ہیں جو اس بات کی ضمانت دیتی ہیں کہ نمازی حرام کاری اور فحشات سے قطعاً محفوظ رہتے ہیں۔ جس کے کردار کا یہ حال ہو تو ایسا شخص اپنے شکم کی بھی مکمل طور پر حفاظت کرے گا کیونکہ حرام غذا کھانے والا عبادت اور نیک کاموں سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو لوگ بے نمازی ہیں وہ حرام خوری اور حرام کاری کے باعث ہی نماز سے محروم رہتے ہیں (یہ امر مصدقہ ہے کہ جو شخص حرام رزق کھاتا ہے وہ کوشش کے باوجود بھی نیکی کی طرف مائل نہیں ہو سکتا اور جو شخص حلال رزق کھائے گا تو اس کا یہ رزق اسے نیکی کی طرف کوشش نہ کرنے کے باوجود بھی آسانی سے مائل کر دے گا)۔ مندرجہ بالا گفتگو کے ہر جملے کے ہر حصے پر ایک مکمل کتاب لکھنے کی گنجائش ہے لیکن سرسری نظر سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ چونکہ سیرتِ انسانی کا مکمل انحصار نماز پر ہی ہے تو اس لیے ایک معیاری قوم کی تشکیل کیلئے نماز کو اس دین میں ستون کی حیثیت کا حامل ہونا ضروری تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس بات کو اس قدر اہمیت دی گئی کہ قرآن میں اس کا ذکر سات سو مرتبہ سے اوپر کیا گیا ہے بلکہ اہلِ باطن کی تمام غذا اور قوت ذکر اور نماز میں رکھی گئی اور خدا کے ساتھ محبت اور قُرب کا قائم ہونا اسی عبادت کے حصے میں ہوا۔ شاید آج تک کوئی ایسی قلم نہیں دیکھی گئی جو اس نماز کے کمالات کو کماحقہٗ بیان کر سکے اور اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ نماز کا تعلق محبتِ باری تعالیٰ سے ہے تو جیسے کلماتِ اللہ کا بیان ممکن نہیں اسی طرح نماز کے محاسن، مقاصد اور کمالات کا بیان نا ممکن ہے۔ اس سے آگے کہنے کی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو وہی نماز ادا کرنا نصیب فرمائے جو فدایانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی زمانے میں فرداً فرداً اور آج کے زمانے میں خال خال ہی نصیب ہے۔ آمین!

کیا گوارہ ہے تجھے ایسے مسلماں کا سجود؟ (فرمودۂ اقبال)

انسان جس شعبۂ حیات میں بھی ہے اسے محنت کوشش، ایمانداری اور پاک بینی کے بغیر نمایاں مقام نہیں

حاصل ہوسکتا۔ علامہؒ فرماتے ہیں ؎

بے محنتِ پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا　　　روشن شررِ تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد[189]

زمانۂ عروج میں مسلمانوں نے عالمِ دنیا کو جدید علوم و فنون سے نوازا ہے جو آج بھی پوری دنیا کیلئے ان کی عظمت کی دلیل بن کر ان کو روز روشن کی طرح تابندہ کرتا ہے۔ اسلام میں اس بات پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے کہ مومن کا ہر عمل اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ہو اور اس کی سوچ اور فکر توحید اور رسالت کے جذبات سے سرشار ہو۔ یہی وہ جذبہ ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے۔ ''عاشقاں را بر عمل قدرت دہد'' (یعنی عاشقوں کو عمل پر آمادہ ہونے کی قوت دیتا ہے) یہ جذبہ اسے فطرت کی غلامی (اندھی تقلید) کی بجائے فطرت کا حریف ہونا سکھاتا ہے۔ اہرامِ مصر کو دیکھ کر علامہؒ نے فرمایا کہ بیابانوں میں فطرت اپنی تند ہواؤں سے صرف ریت کے چند ٹیلے ہی تعمیر کرتی ہے مگر اہرام کی تعمیر کسی کاریگر کی ایسی صناعی کی دلیل ہے کہ جو حوادثاتِ زمانہ کے باوجود ابھی تک ابدیت کی تصویر بن کر کھڑی ہے چنانچہ جہاں تخلیق و تعمیر کیلئے دوام حاصل کرنے کیلئے محنتِ پیہم کی ضرورت ہو وہاں لازمی ہے کہ اس کے خالق کے دل میں داخلی اضطراب (یعنی خودی کی بیداری) موجود ہو جو اس کام کیلئے محرک ثابت ہوتا ہے۔ اسی لیے علامہؒ نے فرمایا:

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود　　　کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا[190]

علامہؒ کے مطابق ایسی تخلیق و تعمیر میں جن چیزوں کی اہمیت حاصل ہے وہ اس کے محرک یعنی بنیادی جذبہ، اجمالی خاکہ، مجموعی تصویر (Image) اور اس کا باعث (Cause) اور غایت (End) کے معانی بھی شامل ہیں اور ان سب میں سے عشق کو تمام محرکات پر فضیلت حاصل ہے۔ یہ عشق کی دولت آزاد قوموں کے افراد میں ہی پائی جاتی ہے جو ہر بند سے آزاد ہوں چنانچہ شاہ جہاں کا تاج محل، قطب الدین کی مسجد قوتِ الاسلام اور عربوں کی مسجدِ قرطبہ وغیرہ ایسے آزاد، بلند حوصلہ، عالی ہمت اور عاشق لوگوں کی یادگاریں ہیں۔ علامہ اقبالؒ کا پیش کردہ فلسفۂ تخلیق ہماری تصنیف ''رابطۂ شیخ'' کے ایک باب میں کافی تفصیل سے شامل کر دیا گیا ہے۔ زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔

تخلیق اور تعمیر کے یہی پہلو عبادات کی ادائیگی میں بھی اسی طرح اثر انداز ہوتے ہیں جس طرح حیاتِ انسان کے باقی کارہائے نمایاں کیلئے ان کا اثر پایا جاتا ہے۔ یہ محرکات ہر عبادت کیلئے بھی جز ولاینفک ہیں اور ان کے بغیر عبادات فقط رسمی نوعیت تک محدود رہتی ہیں۔ پچھلے صفحات پر بھی خشوع و خضوع کے بیان میں علامہ اقبالؒ کا نظریہ پیش کیا جا چکا ہے کہ جذبۂ عشق کے بغیر نماز اور عبادت ادھوری رہتی ہے ؎

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام　　　میرا قیام بھی حجاب! میرا سجود بھی حجاب[191]

علامہ اقبالؒ نے ضربِ کلیم میں ''مسجد قوت الاسلام'' کے عنوان سے ایک نظم لکھی ہے جس میں آپ نے مسلمانوں کی موجودہ ''انا'' کی کمزوری، ذوقِ نمود کی کمی، ان کی تخلیقی قوتوں کا جمود، عدم یقینی، عدم استحکام،

خیالات کی بے ربطگی، ایمان اور ذوق کی کمزوری، کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رنج و ملال کا اظہار کیا ہے۔ اس میں آپ نے واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مسلمانوں کی بے روح عبادت مطلوب نہیں اور ایسی عبادت شاید ہی اس کے حضور قبول ہو سکے۔ یہ اشعار مسلمانوں کی موجودہ کیفیت کا اظہار کر رہے ہیں ؎

ہے مرے سینۂ بے نور میں اب کیا باقی　　لَا اِلٰہَ مردہ و افسردہ و بے ذوقِ نمود
چشمِ فطرت بھی نہ پہچان سکے گی مجھ کو　　کہ ایازی سے دگر گوں ہے مقامِ محمود
کیوں مسلماں نہ خجل ہو تیری سنگینی سے　　کہ غلامی سے ہوا مثلِ زجاج اس کا وجود
ہے تیری شان کے شایاں اِسی مومن کی نماز　　جس کی تکبیر میں ہو معرکۂ بود و نہ بود
اب کہاں میرے نفس میں وہ حرارت وہ گداز　　بے تب و تابِ دروں میری صلوٰۃ اور درود
ہے میری بانگِ اذاں میں نہ بلندی نہ شکوہ　　کیا گوارہ ہے تجھے ایسے مسلماں کا سجود (۱۹۲)

علامہؒ نے مسجدِ قرطبہ سے متاثر ہو کر ایک نہایت معرکہ آراء نظم لکھی جس میں فلسفہ حیات اور تصوّرِ فن کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعیہ کے بہت سے تاریخی، نفسی، جمالاتی اور کائناتی عظمت کے پہلو ظاہر ہوتے ہیں۔ آپ نے اس مسجد کے وجود کو بھی محض دولتِ عشق کی وجہ سے قائم ہونا قرار دیا ہے اور اسی عشق کو اس کے دوام کی وجہ بیان کیا ہے۔ علامہؒ نے اس مسجد کی عظمت کو اس وقت کے مسلمانوں کی عظمت شمار کیا ہے اور فرمایا ''تو بھی جلیل و جمیل وہ بھی جلیل و جمیل'' اسی نظم میں فرماتے ہیں ؎

تجھ سے ہوا آشکار، بندۂ مومن کا راز　　اس کے دنوں کی تپش، اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند، اس کا خیال عظیم　　اس کا سرور اس کا شوق، اس کا نیاز اس کا ناز (۱۹۳)

اس کے ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ خونِ جگر یعنی محبت وعشق کی کاوش کے بغیر جو بھی کام ہو خام ہی رہتا ہے۔

نقش ہیں سب نا تمام خونِ جگر کے بغیر　　نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر (۱۹۴)

علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ عشق ہی مطلوبہ بے تابی، اِضطراب، سوز و گداز، خلاّقی، خود آگاہی اور زندگی کے برتر مقاصد کی آگہی حاصل کرتا ہے اور یہ ہی تمام اعمال اور مقاصِد کو حُسن عطا کرتا ہے اور یہ تمام چیزیں اسے زمانے میں لازوال بنا دیتی ہیں، چنانچہ عبادت کیلئے بھی ان داخلی کیفیات کو عابد کی عبادت میں ہونا ضروری ہے۔ عبادت فقط رسمی سجود و قیام یا سرسری ادائیگی، زکوٰۃ اور حج نہیں بلکہ اس کی رُوح کو پیدا کرنا ہے۔ جو مردِ مومن کو ایک شیخِ کامل کی مدد کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ شیخِ کامل اپنی تعلیمات اور نگاہِ پُر اثر سے وہ جذبۂ عشق پیدا کر دیتا ہے جس کے ہوتے ہوئے قابلِ قبول عبادات کے لوازمات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ورنہ ایسے مسلمان کا سجدہ اللہ کے ہاں پسندیدہ نہیں۔

باب نمبر ۱۸

عبادت

بنی نوعِ انسان میں عبادت کا تصوّر بہت قدیم ہے۔ ازل سے ہی اہلِ خرد جب کارخانۂ حیات کے کرشموں کو دیکھتے تو بے ساختہ اس کے صانع کا خیال دل میں آتا تھا اور ایسی ذات کی عبادت کرنے کیلئے ان کا دل چاہتا تھا۔ یہ تصوّرِ عبادت بڑھتا گیا حتیٰ کہ اس وقت دنیا میں جو عبادت کا تصوّر درجۂ عروج تک پہنچ چکا ہے وہ اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے اُمید ہے کہ یہ بیان قارئین کی تشنگی کو انشاء اللہ پورا کرے گا۔

لغت اور مفہوم

عربی زبان میں اَلْعَبُوْدِیَّةُ کا مفہوم "عجز" اور "تذلل" ہے "اَصْلُ الْعَبُوْدِیَّةِ اَلْخَضُوْعُ وَالتَّذَلُّلُ"[1] (عبادت کی اصل عاجزی اور انکساری ہے)۔ بعض نے لکھا ہے کہ اَلْعِبَادَةُ کا لفظ انتہائی درجہ کی ذلت اور انکساری ظاہر کرنے پر بولا جاتا ہے اور اَلْعَبُوْدِیَّةُ سے زیادہ بلیغ ہے۔ گویا "اَقْصٰی غَایَةُ الْخَضُوْعِ وَالتَّذَلُّلِ"[2] (حد درجہ کی عاجزی اور انکساری کو عبادت کہتے ہیں) لہٰذا عبادت کی مستحق بھی وہی ذات ہوسکتی ہے جو بے حد صاحبِ افضال اور انعام ہو اور ایسی ذات صرف ذاتِ الٰہی ہے۔

عبادت کی دو قسمیں ہیں ایک عبادت بالتسخیر جس کا تعلق انسان حیوان اور جمادات سب کے ساتھ ہے۔ یعنی ہر شے کا چارو ناچار اللہ کو سجدہ کرنا گویا ہر شے زبانِ حال سے اپنے صانع حکیم کے حکم کے مطابق سرگرداں ہے جیسے فرمایا "وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدٰنِ" (الرحمٰن:۶) (ستارے اور درخت اس کے سامنے سربسجود ہیں)۔ دوسری قسم کی عبادت بالاختیار ہے اور اس کا تعلق ذوی العقول کے ساتھ ہے اور ان کو اس کا اجر بھی ملتا ہے۔ عام مخلوق اس کی مکلف نہیں جیسے فرمایا "اُعْبُدُوْا رَبَّکُمْ" (اپنے پروردگار کی عبادت کرو) (البقرہ:۲۱)۔

عبادت کی انوکھی وضاحت

ضیاءُ القرآن میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ مفسرین نے عبادت میں عاجزی کی مثال سجدے کو قرار دیا ہے کہ اس میں سب سے زیادہ عجز کا اظہار ہے۔ یہ بات بھی مُسلّم ہے کہ نماز کے باقی ارکان بھی عبادت میں ہی شامل ہیں۔ سجدے کے علاوہ دیگر ارکانِ نماز ایسے ہیں کہ وہ عام لوگوں کیلئے بھی جائز ہیں، مثلاً شاگرد کا استاد کیلئے کھڑا ہونا، بیٹے کا باپ کے سامنے دوزانو بیٹھنا وغیرہ ارکانِ نماز کے مشابہ ہیں مگر ان کو عبادت

---

[1] تاج العروس، جلد ۱، صفحہ ۲۰۹۶۔

[2] تفسیر البیضاوی، جلد ۱، صفحہ ۷۔

نہ کہا جائے گا۔ تو پھر کون سی چیز ہے جو کہ ان حرکات وسکنات کو نماز میں تو عبادت بنا دیتی ہے۔ مگر نماز کے باہر عبادت نہیں گردانی جاتی۔ ظاہر ہے کہ جس ذات کے سامنے آپ یہ حرکات کرتے ہیں اگر اس ذات کو آپ معبود سمجھ لیں تو یہ اعمال عبادت ہیں اور اگر کسی اور کیلئے کریں تو عبادت نہیں۔ البتہ سجدہ ایک ایسی حرکت ہے جو خدا کے سوا کسی اور کیلئے روا نہیں اگرچہ تعظیم کیلئے ہی کیوں نہ ہو۔

عبادت کی ایک انوکھی وضاحت یہ بھی ہے کہ عبادت ان حرکات کا نام ہے جن سے اپنا پیارا رب راضی ہو کیونکہ یہی عبادت کا مقصود ہے چنانچہ جن حرکات سے وہ ناراض ہو وہ گناہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خیبر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیند پر اپنی نماز قربان کر دی اور اس طرح سے نماز کا ترک کر دینا عین اطاعت الٰہی اور اطاعت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرار پایا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اگر نماز چھوڑنے میں اس کی رضا ہو تو نماز کا چھوڑنا عبادت ہے اگر پڑھنے میں اس کی رضا ہو تو نماز پڑھنا عبادت ہے۔ سورج نکلنے اور غروب ہونے کے وقت نماز پڑھنا اس لیے گناہ ہے کہ خدا اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ پسند نہیں کہ خدا کی عبادت کے ساتھ ساتھ اس کی مماثلت سورج کے سجدے سے ہو۔ اسی طرح کوئی نماز پڑھ رہا ہو اور اگر کسی اندھے کا کنوئیں میں گر جانا یقینی ہو تو اس وقت نمازِ فرض کا توڑنا فرض ہو جاتا ہے۔ ان اوقات پر نماز نہ پڑھنا عبادت ہے، عید کے روز کھانا کھانا اور روزہ نہ رکھنا عبادت ہے طواف کعبہ میں اکڑ کر چلنا (رمل کرنا) عبادت ہے جبکہ عام طور پر مکروہ ہے۔ بیمار کی تیمارداری اور جان بچانے کیلئے نماز باجماعت کا ترک کرنا یا تاخیر کرنا عبادت ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کا چاہنا ہی عبادت ہے، کیونکہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان بھی فرمانِ الٰہی کے سوا اور کچھ نہیں تو گویا جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرما دیا وہی عین عبادت ہے، اس لیے فرمایا ''وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ'' (الحشر:۷) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو تمہیں عطا فرمائیں لے لو اور جس سے تمہیں روکیں تو رک جاؤ)۔

قرآن مجید میں ذرا آگے جا کر بیان کیا گیا ہے کہ ''اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہے اور اسی دوران اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلائیں تو اسے فوراً آ جانا چاہیے اور اس حالت میں اس کی نماز نہ ٹوٹے گی'' گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کا سننا بھی نماز کی طرح عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام عبادات دو اقسام پر رکھی گئی ہیں ایک عاجزانہ جس میں خدا کی ربوبیت کے پیش نظر عجز وانکساری کا اظہار کیا جاتا ہے۔ دوسری قسم عاشقانہ ہے جس میں عشق کے جذبے اور ولولے کا اظہار ہوتا ہے اور یہ عبادت خدا کی ربوبیت کیلئے ہی نہیں بلکہ اس سے خدا کے ساتھ اُنس، محبت اور عشق کا پایا جانا ظاہر ہوتا ہے۔

اسلام میں بہت سی عبادات ایسے اعمال سے متعلق ہیں جن کو اللہ کے پیارے بندوں نے کیا اور اُن اعمال کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا، پھر اپنی اس پسندیدگی کے سبب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھی اُن اعمال کے کرتے رہنے کی تاکید فرمائی اور اُن کے اس عمل کو عبادت کا درجہ بخش دیا جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے وقت فرمایا ''اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ۝ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ''

(بے شک یہ بھی کھلی آزمائش تھی ہم نے اسے بچالیا اسے ایک ذبیحہ کا فدیہ دے کر اور ہم نے چھوڑا ان کا ذکر آنے والوں میں)(الصّٰفّٰت:۱۰۵تا۱۰۸)۔

چنانچہ عیدالاضحیٰ قربانئ ابراہیم علیہ السلام اور ایثارِ اسماعیل علیہ السلام کی عظیم یادگار ہے اور اسی وجہ سے ہر سال قربانی دینا واجب ٹھہری اور آنے والی نسلوں کو قربانی دینے کی تلقین فرمائی تا کہ قیامت تک مسلمان اس واقعہ کو یاد رکھیں اور خود اس پر عمل پیرا ہو کر جذبہ ایثار اور قربانی کے ہمہ تن پیکر بن جائیں۔اسی طرح حج بیت اللہ میں عمرہ، صفا و مروہ کی سعی، طوافِ کعبہ، رمل، رمی جمار اور آب زمزم کا پینا وغیرہ یہ تمام امور بزرگوں کی خوبصورت یادوں کو قائم رکھنے اور مسلمانوں کو ایسے اعمال کرتے رہنے کیلئے کہا گیا اور انہیں شاملِ عبادت کیا ان عبادات میں اطاعتِ خداوندی اور محبت وقُربِ الٰہی کا حصول ظاہر ہوتا آتا ہے۔اس کے علاوہ ان اعمال میں مسلمان کو اپنی دولت، عزت، مصلحت، مفاد، آرزوؤں اور نفسانی خواہشات کو خدا کیلئے قربان کرنے کا سبق بھی موجود ہے۔ ان یادوں کو دہراتے رہنے اور ان عبادات کی اصل روح کا اعادہ کرتے رہنے میں ایسے اسباق ملتے ہیں جن سے مسلمان اپنے اعمال کے عزائم کی تجدید کرتے ہیں اور اپنے اکابرین کی سنت کو تازہ کرنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ جیسے علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را   تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

(گاہے گاہے اس گزشتہ قصہ کو دہراتے رہو اگر تم اپنے سینہ کے ان داغوں کو تازہ رکھنا چاہتے ہو)

مندرجہ بالا عبادات سے یہ مفہوم ظاہر ہوتا ہے کہ عبادت تین چیزوں سے متعلق ہے۔ عابد، عبادت اور معبود، عارف جب تک خود کو بھول نہ جائے اور اس کی نگاہ معبودِ حقیقی پر نہ ہو اس وقت تک عبادت درست نہ ہوگی اور وہ معبودِ حقیقی کے انوارِ حقیقی، جمال و جلال کے مشاہدے میں اِستغراق کی نعمت سے سرفراز نہ کیا جائے گا۔

نَعْبُدُ، صیغہ جمع کیوں ہے؟

نماز میں صیغہ جمع اس لیے استعمال ہوتا ہے کہ نمازی اپنی ٹوٹی پھوٹی نماز کو مقربین کی اخلاص و نیاز والی نماز کے ساتھ ملاتا ہے اور جب اس کی نماز آسمان پر پہنچتی ہے تو ان کی برکت سے اس کی نماز کو بھی شرفِ قبولیت نصیب ہوتا ہے۔ اسی فائدے کے پیشِ نظر اور جمع کا صیغہ استعمال ہونے کی وجہ سے باجماعت نماز پر بھی استدلال کیا جاتا ہے اور ویسے بھی جب نماز باجماعت ہوتی ہے اس صورت میں جمع کا صیغہ استعمال کرنا ضروری ہے تا کہ سب کی نماز اکٹھی آسمان پر پہنچے، بلکہ اکیلے نماز پڑھنے کی صورت میں بھی جمع کا صیغہ درست ہے کیونکہ اس وقت دنیا میں بہت سے مسلمان نماز ادا کر رہے ہوتے ہیں اس لیے الفاظِ جمع استعمال ہوئے اور پھر بہت سے فرشتے بھی عبادت میں انسان کے ساتھ شامل ہوتے ہیں اس لیے بھی جمع کا صیغہ استعمال ہوا۔ ایسے ہی اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ خواہ ایک ہی آدمی کیلئے ہو تو بھی جمع کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے کیوں کہ اس میں بھی فرشتوں کو شامل کیا جاتا ہے۔ سجدے اور رکوع میں واحد متکلم کا صیغہ استعمال ہوتا ہے کیونکہ ہر ایک نمازی

انفرادی طور پر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کرتا ہے۔

بلوغتِ عقل کے ساتھ طرزِ عبادت میں تبدیلی

جب کچھ نہ تھا خدا تھا اس وقت خدا نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو اس نے کائنات کو پیدا کیا۔ احادیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ازلی ہیں، لیکن مخلوقات کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ پہچانا نہ جاتا تھا اگرچہ وہ اس وقت بھی رزّاق، رحیم، کریم تھا چونکہ اس کی یہ صفات مخلوق کے بغیر وجود میں نہ آسکتی تھیں چنانچہ اس نے مخلوق کو پیدا کیا۔ گویا کہ مخلوق کے پیدا کرنے کا مقصد لِیَعْرِفُوْنَ تھا اور علماء نے لِیَعْرِفُوْنَ اور لِیَعْبُدُوْنَ کو ایک ہی معنوں میں ہونا قرار دیا ہے۔ قرآن کریم کی سورۃ الذاریات کی آیت ۵۶ میں اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کی تخلیق کا مقصد یہی بیان فرمایا ہے کہ ''وہ میری عبادت کریں'' چنانچہ عبادت کرنا ہر مذہب میں فرض کیا گیا ہے اور عبادت کے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا۔

ہر زمانے میں اور ہر نبی کے مذہب میں عبادت کا انداز جُداگانہ تھا۔ بجائے اس کے کہ پچھلی اُمتوں کی عبادت کا تفصیلی خاکہ پیش کیا جائے جو کافی طوالت کا طلبگار ہے اس جگہ ایک سادہ سی مثال سے مفہوم کو واضح کیا جاسکتا ہے۔ وہ مثال یوں ہے کہ بنی نوع انسان کی پیدائش ایک بچے کی پیدائش کی طرح ہے، جس طرح بچہ عمر میں بڑھتا جاتا ہے اس کی عقل بھی اسی طرح بڑھتی جاتی ہے۔ جب بچہ جوان ہو کر پختہ عمر کو پہنچ جائے تو اس کا اندازِ زندگی اس کے پہلے تمام مرحلوں سے بہتر، ممتاز اور ہر پہلو سے مکمل تر ہو جاتا ہے۔ انسانیت جب نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے تک پہنچی تو اسے پختگی مل گئی اور انسان کو مکمل بلوغت، عقل، علم و ہنر اور ذہانت بھی عطا کر دی گئی چنانچہ اس کے پچھلے تمام قوانین عبادت بدل دیئے گئے۔ بچوں کو الف اور با پڑھایا جاتا ہے، مگر بڑوں کو ہر چیز کا فلسفہ اور منطق بھی سمجھایا جاتا ہے، لہٰذا پختہ کارانِ علم وعمل کا معیار بھی ناپختہ عقل سے بہت بلند ہوتا ہے۔ بس یہی فرق باقی اُمتوں اور اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تصوّرِ عبادت میں ہے جسے نہایت اختصار کے ساتھ نیچے بیان کیا جارہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اُمتِ مُحمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کردہ تصورِ عبادت کی وضاحت کرتے ہوئے مختصر گفتگو بھی پیش کی جائے گی تاکہ یہ بیان مسلمانوں کو عبادت کی اصل کے سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی سعادت حاصل ہوسکے۔

پہلی امتوں اور اُمّتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادات میں فرق

اس بات کو ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ تمام انبیاء کرام جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر بعثتِ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک آئے وہ تمام (ماسوا من گھڑت کاذبین کے) برحق تھے اور دینِ الٰہی لے کر آئے۔ جو شریعت ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملی ایسی شریعت اور عبادت کسی کو بھی نہ ملی تھی چنانچہ اس اُمت کو نماز، روزہ،

حج، تہجد، زکوٰۃ، صدقات، کعبہ کا قبلہ ہونا، حلال وحرام وغیرہ کے قوانین پچھلی اُمتوں سے مختلف اور خاص نوعیت کے ساتھ عطا کئے گئے۔ اس کے علاوہ امتِ محمدی ﷺ کو ایسی چیزیں عطا کی گئیں جو پچھلی اُمتوں میں کسی کو نہ ملی تھیں مثلاً قرآن، سورۂ فاتحہ، وضوء کامل، باجماعت نماز، جمعہ، نمازوں کی قصر، نمازوں اور روزوں کا فدیہ اور قضا کرنا، دیت، ضمان کا مشترکہ ہونا، بسم اللہ شریف، استرجاع (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) تعوذ، لاحول، ثناء، تکبیر، تحلیل، تبلیغ، لیلۃ القدر، حق وصیت، ورثہ، نکاح وطلاق، قتل عمد وخطا میں قصاص، غنیمتوں کا حلال ہونا اس کے علاوہ خطا، نسیان، وسوسوں کا معاف ہونا، دین میں آسانی ہونا اور زیادہ اشیاء کا مباح ہونا وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ اس امت کے اوپر عبادات اور شرعی امور میں بہت سی نرمیوں کو روا رکھا گیا، مثلاً خطا کار کے اعضاء کاٹنا، موضع نجاست کو کاٹنا، توبہ میں اپنی جان کو ہلاک کرنا، جو پہلی اُمتوں میں تھا اس امت کیلئے نہایت خفیف کردیئے گئے ہیں۔ بنی اسرائیل میں کوئی گناہ کرتا تو صبح کے وقت اس کے گھر کے دروازے پر لکھا ہوتا کہ اس گناہ کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اپنی دونوں آنکھوں کو نکال دے۔ اِس اُمت کے مکمل خصائص بیان کرنا یہاں مُراد نہیں، اس سلسلے میں مصنف کی کتاب ''سنتِ مبارکہ'' اور دیگر کتب سیرت کا مطالعہ فرمائیں۔

تکالیفِ شاقہ اور ترکِ لذائذ عبادت نہیں

اس اُمت میں طریقۂ عبادت میں بھی آسانی رکھی گئی ہے، مثلاً نماز عبادت گاہوں کی بجائے کسی جگہ بھی ادا کی جاسکتی ہے اور پوری روئے زمین کو اس اُمت کیلئے سجدہ گاہ اور پاکیزہ قرار دے دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طَھُوْرًا''[1] (میرے لئے زمین کو مسجد اور پاکیزگی کا ذریعہ بنادیا گیا) اگر کوئی کھڑے ہوکر نماز نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھ لے، سفر میں ہو تو چلتی سواری پر اور عام نفلوں میں نماز کیلئے قبلہ کی بھی تخصیص نہ رہی یعنی جدھر سواری کا منہ ہو نماز پڑھ لے اور لڑائی میں ہر رُخ پر نماز پڑھنے کی اجازت دی، جب کہ پہلی اُمتوں میں زیادہ تکلیف اٹھانے والی عبادت کو بڑا شمار کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ اپنے جسموں کو بڑی تکالیف دیتے، یونانیوں میں اشراقیت، عیسائیوں میں رہبانیت، ہندوؤں میں جوگ اسی بنا پر تھے۔ ان مذاہب میں کھانے پینے میں بہت سی چیزیں حرام تھیں اور لوگ اپنے کھانے پینے اور لباس پر شدید پابندیاں لگاتے، کوئی ننگا ہوکر طواف کرتا، کوئی سالہا سال کھڑا رہتا، کوئی اپنا ایک ہاتھ بلند کئے رکھتا حتیٰ کہ وہ سوکھ جاتا، کوئی غاروں میں ساری عمر گزارتا، کوئی ساری عمر شادی نہ کرتا اور ترکِ دنیا کردیتا، لیکن نبوتِ محمدی ﷺ کے بعد یہ حکم ہوا کہ ایسی مشقتیں اٹھانا کوئی عبادت نہیں اور نہ ترکِ لذائذ میں ثواب ہے۔ حدیث میں ہے ''لَا رَھْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ''[2] (اسلام میں رہبانیت جائز نہیں)۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۲۹۱، جلد ۲، صفحہ ۳۲۔

[2] کشف الخفاء، حدیث ۳۱۵۴، جلد ۲، صفحہ ۳۷۷۔

فرمایا "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" (البقرہ:۲۸۶) (خدا کسی کو اس کی گنجائش سے زیادہ تکلیف اٹھانے کا مکلف نہیں کرتا)۔ "يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ" (البقرہ:۱۸۵) (خدا تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور تمھارے لیئے سختی نہیں چاہتا)۔ "وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ" (الحج:۷۸) (تمہارے لیے دین میں اس (خدا نے) تنگی نہیں رکھی)۔ "لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" (دین میں سختی نہیں) (البقرہ:۲۵۶)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو سہل، آسانی اور روشن دینِ حنفی دے کر بھیجا گیا ہوں۔ قرآن میں یہ حکم بھی ہوا کہ جن اشیاء کو اللہ نے حلال کیا ان کو کوئی حرام قرار نہیں دے سکتا۔ روزوں کی کیفیت کو آسان اور سہل کر دیا گیا اور وصال کے روزے منع کر دیئے گئے۔ لوگ نفس سے نجات حاصل کرنے کیلئے اپنے عضو کو کٹوا دیتے اور کچھ لوگ بہت سختیاں کرتے۔ ایسے تمام غیر شرعی کاموں کو بے معنی اور عبادت سے خارج قرار دیا بلکہ یہ اسلام کے منافی سمجھا گیا۔ ایک صحابیہ زینب رضی اللہ عنہا کا یہ طریقہ تھا کہ وہ ایک کھمبے کے ساتھ رسی کو باندھے رکھتی تا کہ عبادت میں نیند نہ آنے پائے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ یہ رسی کھول دو اور اے لوگو! تم اس وقت تک نماز پڑھو جب تک تم میں نشاط باقی رہے۔ جب کوئی تھک جائے تو بیٹھ جائے اور اتنے ہی کام کی تکلیف اٹھاؤ جتنا کر سکو۔ ایک آدمی حج میں اپنی ناک میں نکیل ڈال کر طواف کر رہا تھا اور دوسرا شخص اس کی نکیل کو پکڑ کر جانوروں کی طرح کھینچ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ نکیل کاٹ دی اور ایسے کاموں سے منع فرمایا۔ ان امور کے علاوہ ترکِ دنیا، قطعِ علائق اور عزلت نشینی کو بھی عبادت سے خارج کر دیا گیا۔ ان کی جگہ پر اعتکاف اور دیگر اسلامی مجاہدات کا حکم دیا اور شریعت کی اتباع کو ان تمام تکالیفِ شاقہ، غیر اسلامی عبادتوں سے بہتر قرار دیا۔ جو تزکیہ دوسرے مذاہب کی شدید عبادتوں میں حاصل نہ تھا اب وہ تزکیہ اور تصفیہ اسلام کی ایک سہل عبادت یا سنت کی ادائیگی میں حاصل ہو سکتا ہے۔

مشرکانہ قربانیوں اور رسموں کو عبادت سے خارج کر دیا گیا

بعثت سے قبل تمام مروج مشرکانہ عبادات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالکل ختم کر دیا۔ عرب میں قربانی کی رسم بہت عام تھی۔ اپنے بتوں کیلئے جانوروں کی قربانی عام تھی۔ جانوروں کے پہلے بچے کو اور رجب کے پہلے عشرہ میں ایک قربانی جس کا نام عتیرہ تھا اسلام نے منع فرما دیا۔ اس کے علاوہ بتوں کے نام پر زندہ جانور چھوڑنا، قبروں کے پاس گائے بکری ذبح کرنا (جو بتوں کے نام پر دیئے جاتے) ایک دوسرے کے مقابلہ میں آ کر زیادہ جانور ذبح کرنا سب منع قرار دے دیئے گئے۔ کچھ لوگ اپنے بچوں اور عورتوں کو بھی بتوں کے نام پر قربان کر دیتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دریائے نیل کے خشک ہو جانے پر ایک کنواری عورت کو دریا میں ڈالا جاتا تھا تا کہ اس میں پانی آئے۔ اسلام میں اس قسم کی تمام قربانیوں کو منع کر دیا گیا، البتہ حج کے موقع پر اور حضرت

ابراہیم علیہ السلام کی سنت میں عید الاضحیٰ کے موقع پر اور ایصال ثواب کیلئے قربانی کی اجازت دی گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال اپنی طرف سے اور اپنی اُمت کے غرباء کی طرف سے قربانی دیا کرتے،[1] اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی ایسی نصیحت فرمائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے بھی ایک قربانی کیا کرتے تھے۔اس کے علاوہ صدقہ اور عقیقہ کی قربانیوں کا کرنا بھی سنت قرار پایا۔عبادات کو بارُعب بنانے کیلئے اہلِ کفر ناقوس، جرَس، گھنٹیاں، قرنائی، ساز و ترنم اور نغمہ ہائے سرود و بربط وغیرہ سے کام لیا کرتے تھے۔ایسی تمام خارجی کشش کی چیزوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمادیا البتہ نقارہ (دف) اور حمد و ثناء کی سادگی کو پسند فرمایا۔حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے آپ کا مدحت سننا مستند ذرائع سے ثابت ہے۔

بتوں کی پوجا زمانۂ بعثت کے وقت عام تھی ۔ خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بُت موجود تھے، یونانی اپنے بادشاہوں کے مجسمے اور ستاروں کے ہیکل پوجتے ۔یورپ، افریقہ، مصر، بربر، روم، ایشیائے کوچک اور حبشہ کے ممالک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام اور دیگر ولیوں کی مورتیوں اور ہڈیوں کو پوجا جاتا تھا۔اس کے علاوہ ہندوستان، کابل، ترُکستان، چین، جزائر میں بُدھ مت کی مورتیوں سادھیوں اور اُن کی جلی ہوئی ہڈیوں کی راکھ کو پوجتے تھے۔عراق میں لوگ سات ستاروں کی پوجا کیا کرتے تھے۔

ہندوستان والے سورج کو دیوتا مانتے اور گنگا مائی اور اوتاروں کی پوجا کرتے تھے۔دُنیا کے مختلف ممالک میں مختلف چیزوں (مثلاً درختوں، دریاؤں، پتھروں، جانوروں، دیوتاؤں اور ہر بڑی چیز) کی پوجا کرتے تھے۔ یہ تمام عبادتیں جو غیرُ اللہ کی تھیں یکمشت "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" کے حکم سے منع فرمادی گئیں اور ایک خدا کی عبادت کا حکم دیا گیا۔اسلام میں ہر وہ کام جو نیک ہو خدا کیلئے ہو جس میں مخلوقات کیلئے فائدہ شامل ہو اور صرف خدا کی خوشنودی کیلئے کیا جائے وہ عبادت قرار پایا۔

عبادت سے منشاءِ الٰہی کیا ہے؟

رضائے یار کو بلا چون و چراں مان لینا دوستی کی علامت ہے۔ہم بھی اسی کو دوست جانتے ہیں جو ہماری خاطر اپنی کسی خواہش کی بھی پرواہ نہ کرے۔قرآن نے عبادت کے مقابلے میں بالضد لفظ استکبار اور غرور استعمال کیا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر دینا عبادات کا منشاء ہے۔جب خدا کا حکم ہو تو بیٹے کے ذبح سے بھی دریغ نہ کیا جائے۔فرمانِ الٰہی ہے کہ "اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ" (المومن:۶۰) (جو میری عبادت سے غرور کرتے ہیں وہ جہنم میں جائیں گے)۔فرشتوں کیلئے لکھا ہے کہ وہ میری عبادت سے منہ نہیں پھیرتے "لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ" (الانبیاء:۱۹) ایک اور جگہ فرمایا "يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ" (النحل:۵۰) (فرشتے وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا

---

[1] المستدرک، حدیث ۷۴۴۳، جلد ۸، صفحہ ۲۳۹۔

جاتا ہے)البتہ ابلیس کا کام بغاوت اور مخالفت کرنا تھا۔

ان آیات سے اور عبادات کے لفظی معنوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی جبینِ نیاز کو خدا کے ہر حکم پر جھکا دینا عبادت کا منشاء ہے۔سورۂ البقرہ آیت ۱۳۱ میں ابراہیم علیہ السلام کو نبوت کیلئے چن لینے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جب ان کے رب نے کہا کہ" اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" (اے ابراہیم گردن جھکا دو تو انہوں نے گردن جھکا دی)(البقرہ:۱۳۱) چنانچہ انسانی زندگی میں عبادت سے مراد یہی ہے کہ غرور یعنی دھوکے والی دنیا سے اللہ کی طرف آ جائے۔گویا وہ اپنے نفس اور من کی دنیا کی تاریکی سے نکل کر حق تعالیٰ کے نور اور مشاہدۂ جمال میں پہنچ جائے اور چین حاصل کر لے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی کفار کی ایذا رسانیوں پر یہی تلقین فرمائی گئی کہ مصیبت اور مشکلات میں بھی تادمِ آخر عبادت میں استواری حاصل کریں گویا تمام مصائب کا علاج بھی عبادت ہی ہے جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا" وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى یَاْتِیَكَ الْیَقِیْنُ" (الحجر:۹۹)(آپ اپنے رب کی عبادت کریں،یہاں تک کہ آ جائے آپ کو یقین (یعنی دم واپسی تک)۔

اللہ تعالیٰ کے احسانات کا اندازہ اس طرح کر سکتے ہو کہ اگر وہ ذات تمہیں پیدا کرے اور دنیاوی انعامات سے مالا مال کرے،تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھے تمہاری زندگی ہستی اور بقا اسی کے صدقے میں ہو اور پھر اگر وہ رزق،آسائش اور ضروریات کو مہیا نہ کرتا تو تم ہلاک ہو جاتے۔یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے۔یہ بھی اندازہ کرو کہ جو انسان کسی شخص کو اتنا کچھ دے جتنا اللہ نے بندوں کو دیا ہے تو پھر ایسے محسن کے سامنے گستاخی کرنا سراسر ظلم اور زیادتی نہیں تو اور کیا ہے اور اگر تمہارا ہی کوئی غلام نافرمانی کرنے لگے جیسا کہ لوگ کرتے ہیں تو تم اس کے نام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے سے گریز نہ کرو گے۔سچی بات یہ ہے کہ خدا کی ذات ہی ہے جو اپنے منکروں کی ایک مدتِ مدید تک کوئی گرفت نہیں کرتی۔اگرچہ اللہ تعالیٰ عبادت کا محتاج نہیں لیکن بندوں کے اپنے فائدے کیلئے فرمایا کہ عبادت کرو تا کہ یہاں بھی چین حاصل کرو اور اگلے جہان میں جنت جیسی پاکیزہ اور عمدہ جگہ پر جانے کے قابل ہو جاؤ،عبادت میں اللہ تعالیٰ کا وصل حاصل ہو جاتا ہے۔ اس دنیا میں اگر کسی کو کسی بڑے افسر کا ساتھ مل جائے تو وہ اُلجھنوں سے محفوظ رہتا ہے۔چنانچہ خدا کا دامن پکڑنے سے ہم کو دنیا کی تمام آلائشوں (نفس،شیطان،بیماری،فقر و فاقہ وغیرہ) سے امان مل جاتی ہے۔ عبادت سے انسان اپنے وطن (جنت) کے ساتھ تعلق پیدا کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسے سکون ملتا ہے۔ سکون ملنے کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ عبادت کے دوران ملائکہ عابدوں کے بدنوں کے ساتھ مس ہوتے ہیں جس کی وجہ سے روحانی مسرت محسوس ہوتی ہے۔

عبادت ہر شخص پر فرض ہے

ہماری عبادات،ہماری دعاؤں کی قبولیت کا سبب بنتی ہیں بوقتِ امتحان و مصائب راضی بہ رضا رہنا

بھی عبادت ہے۔اسی طرح کاروبار کرنا اولاد کی پرورش کرنا حتیٰ کہ دنیا کا ہر کام اگر رضائے الٰہی کی نیت سے ہوتو عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عبادت کو ہر شخص کیلئے فرض قرار دیا ہے۔قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے"یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ"(البقرہ:۲۱)(اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو)خواہ مسلمان ہو یا کافر، جو شخص عبادت نہ کرے وہ انسان نہیں بلکہ چوپاؤں سے بھی بدتر ہے۔کافر کیلئے نماز پڑھنا فرضیتِ شرعی نہیں کیونکہ ایمان لانے کے بعد زمانۂ کفر کی نمازوں کی قضا واجب نہیں۔

اسلام میں عبادت کا وسیع تر مفہوم

عبادت کسی ایک فعل یا عمل کا نام نہیں بلکہ اس کا مفہوم نہایت وسیع ہے۔ ہر کارِ خیر کیلئے ہر کوشش عبادت ہے۔ تزکیۂ نفس، خدمتِ خلق، حصولِ علم کی کوشش، مطالعہ کائنات، غور وفکر، حصولِ معرفت اور تدبر، کسبِ معاش اور بچوں کی پرورش غرضیکہ نیتِ عبادت سے کوئی نیک کام کرنا عبادت ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ عالِم کی نیت غیر عالِم کی عبادت سے افضل ہے۔ وہ عبادت جو ظاہری، سطحی، رسمی یا عادت کے طور پر یا کسی غرض (جزا) کیلئے ہو عارفوں اور عالموں کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ مولانا روم فرماتے ہیں کہ ایسی عبادت سے تو عالم کی نیند اچھی ہے کیونکہ وہ سونے کے بعد تر و تازہ ہو کر اپنی طاقت کو حصولِ علم کیلئے صرف کرتا ہے۔جاہل عابد ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی اناڑی تیراک جو اپنے اناڑی پن کی وجہ سے ڈوب جائے۔

علامہ اقبالؒ نے فرمایا ؎

اس مردِ خدا سے کوئی نسبت نہیں تجھ کو　　تو بندۂ آفاق ہے وہ صاحب آفاق

تجھ میں نہیں پیدا ابھی ساحل کی طلب بھی　　وہ پاکیٔ فطرت سے ہوا محرمِ آفاق

کئی احادیث میں یہ بات آئی ہے کہ وہ علماء جو حقائقِ حیات اور مقاصدِ زندگی پر غور کرنے کی سعیٔ بلیغ کرتے ہوں ان کا یہ غور کرنا بھی عبادت کی ایک ارفع و اعلیٰ قسم ہے اور ان ہی کیلئے فرمانِ نبوی ﷺ ہے کہ "نَوْمٌ عَلٰی عِلْمٍ خَیْرٌ مِّنْ صَلٰوۃٍ عَلٰی جَھْلٍ" (عالم کا سونا جاہل کے نوافل سے بہتر ہے)۔ عارف رومیؒ فرماتے ہیں کہ ایک عام آدمی اور صاحب علم و کمال میں زمین و آسمان جیسا فرق ہے۔ یہاں عالم سے مراد ایسا شخص ہے جو اعلیٰ قسم کا عبادت گزار ہو۔

نومِ عالم از عبادت بہ بود　　آنچناں علمے کہ متنبہ بود[۱۹۵]

(عالم کی نیند عبادت سے افضل ہے، ایسا علم جو آگاہ کرنے والا ہو)

آں سکون سابح اندر آشنا　　بہ زجہد اعجمی با دست و پا[۱۹۶]

(تیراک کا سکون کے ساتھ تیرنا، اناڑی کے ہاتھ پاؤں مارنے سے بہتر ہے)

---

۱ کنز العمال، حدیث ۲۸۷۱۱، جلد ۱۰، صفحہ ۱۴۰۔

اعجمی زَد دست و پا و غرق شد   می رود سباح ساکن چوں عَمد[۱۹۷]

(اناڑی ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور غرق ہو جاتا ہے، تیراک سکون سے شہتیر کی طرح بہے جاتا ہے)

علم دریانیست بے حد و کنار   طالبِ علم است غوّاصِ بحار![۱۹۸]

(علم ایسا دریا ہے جس کی نہ حد ہے نہ کنارا، طالب علم ان سمندروں کا غوطہ زن ہے)

گر ہزاراں سال باشد عمرِ اُو   او نگردد سیرِ خود از جستجو

(اس کی عمر اگر ہزاروں سال بھی ہو تب بھی، وہ جستجوئے علم سے سیر نہ ہوگا)

علامہ اقبالؒ نے بھی مولانا کے علوم سے یہ سیکھا ہے کہ لاکھوں سر بریدہ (مردہ) فلسفیوں سے ایک کلیم یعنی ایک عارف باللہ بہتر ہے جو سر بکف ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبادت تو اسی وقت اعلیٰ درجہ رکھتی ہے جب اس کو عارفانہ انداز میں ادا کیا جائے۔

صحبتِ پیرِ روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش   لاکھ حکیم سر بہ جیب ، ایک کلیم سر بکف[۱۹۹]

شیخ سعدی نے فرمایا "بنی آدم اعضائے یک دیگر اند" (انسان ایک دوسرے کے جسم کے حصے ہیں) جس طرح انسان کے تمام اعضا میں اس کا دماغ بلند حیثیت رکھتا ہے اسی طرح ایک عارف بھی عالموں سے بلند درجہ رکھتا ہے۔ انسان کا دماغ بظاہر تو ساکن نظر آتا ہے مگر تمام اعمال کی بنیاد دماغ پر ہی ہوتی ہے۔ عوام کی نظروں میں عارف عالم کی قدر و منزلت بہت کم اسی لیے ہوتی ہے کیونکہ عام عامل کی نسبت وہ (اعلیٰ تیراک کی طرح) ہاتھ پیر زیادہ نہیں چلاتا اور تجربہ کار تیراک کی مانند ایک شہتیر کی طرح پانی کی سطح پر لیٹا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی لیے لوگوں کی نظر میں عالموں کو زیادہ قدر و منزلت حاصل ہے حالانکہ معاملہ بالکل برعکس ہے۔ ایک سیدھا سادھا نمازی یا پرہیزگار مسلمان جو شریعت کی اتباع میں پیش پیش ہو، ایک ایسے بے عمل لیکن کرتب دکھانے والے عامل سے ہزار گنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ ایسے غیر معمولی کام تو کفار سے بھی سرزد ہو جاتے ہیں۔ ایسے کرتبوں کو کرامت نہیں استدراج کہا جاتا ہے۔ ایسے ہی وہ علماء جو مصنوعی گرم جوشی دکھا کر، گرم تقریریں کرتے ہیں وہ علامہ اقبالؒ کے مطابق لوگوں میں لذّتِ ذوق پیدا کرنے سے بے نصیب رہتے ہیں اور عجیب بات تو یہ ہے کہ عوام ایسے علماء کی تقریروں کو بڑے ذوق سے سنتے ہیں۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ

مولانا رومؒ کے نزدیک اللہ کے رنگ میں رنگا جانا عبادت ہے

عبادت صرف اسی ذات کی ہی کی جاتی ہے جو عبادت کے لائق ہو یعنی جو بڑی عظمت اور قدرت والی ہو۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اتنی عظیم ذات ہے جس نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے۔ خدا کا سمجھنا تو ایک طرف اس کی کائنات کی ماہیّت کا معلوم کر لینا بھی انسان کے بس کی بات نہیں۔ بڑے بڑے سائنسدانوں نے یہی کہا ہے کہ ہم جتنا زیادہ کائنات کے رازوں کو معلوم کرتے ہیں تو ہمیں اپنی لاعلمی کا اتنا ہی زیادہ احساس ہوتا جاتا ہے۔ ہمارا علم اس بچے کی طرح ہے جو سمندر کے کنارے پہنچ کر کنکروں سے کھیل رہا

ہو۔انسان اگر چہ خاکی ہے مگر خاک سے وابستگی (یعنی اوصاف مذمومہ سے تعلق رکھنا) صرف کفار اور اسلام سے دور رہنے والوں کا مقدر ہے۔اللہ والے تو اللہ سے وابستگی اختیار کرتے ہیں اور خدائی اوصاف حاصل کرتے ہیں۔ایسے اہل اللہ ہی سائنس کے ذریعے نئی نئی دنیائیں ایجاد کرتے ہیں۔

فطرت نے مجھے بخشے ہیں جوہر ملکوتی　　خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند

ہوں آتش نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش　　میں بندہ مومن ہوں نہیں دانہ اسپند (۲۰۰)

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ عبادت میں ہم اللہ تعالیٰ کی ذات بے ہمتا کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں اور اُس سے روحانی رشتہ قائم کرتے ہیں جس ذات کی صفات کی کوئی انتہاء معلوم نہ کر سکا۔اس بات کو ثابت کرنے کیلئے آپ لوہے کی مثال دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اللہ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں وہی کچھ ہوتا ہے جو لوہے کو آگ کی بھٹی میں رکھنے سے ہوتا ہے۔مولاناؒ نے اور بھی بہت سی دلچسپ مثالیں دی ہیں۔لوہے کی مثال دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ لوہا جب آگ سے ہمکنار ہو جائے تو وہ آگ کی صفات اختیار کر لیتا ہے۔آئینہ جب آفتاب کے سامنے آجائے تو آئینہ کی روشنی اسی طرح نا قابل برداشت ہوتی ہے جیسے کہ سورج کی طرف دیکھ کر اس کی روشنی کو برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ایسے ہی بے نور لکڑی آگ میں جا کر نور حاصل کر لیتی ہے۔اسی طرح مردہ اناج پیٹ میں جا کر انسانی جسم کا حصّہ بن جاتا ہے۔عین اسی طرح اگر تم بھی عبادت کے ذریعے اللہ سے تعلق قائم کر لو تو ضرور رب کی رحمت تم پر برسے گی اور تمہیں اس عمل سے تقویٰ کا انعام ملے گا کیونکہ عبادت کا فائدہ اللہ کو نہیں صرف بندے کو ہے کہ وہ مولا صفات بن جائے اور اس کا نور حاصل کر لے۔مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ لوہا اگر چہ آگ میں پڑ کر بظاہر آگ کا ہم رنگ اور ہم صفت ہو جاتا ہے لیکن اگر اس میں شعور ہو تو وہ ''اَنَا النَّارُ'' (میں آگ ہوں) کہہ سکتا ہے اور اگر وہ خود کو آگ کہے تو ایسا کہنے میں وہ قابل الزام نہیں۔آدمی اس حدیث ''تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ'' (اللہ کے اخلاق سے خود کو مزین کرو) کو اپنا کر صفات الٰہیہ کا آئینہ دار بن جاتا ہے اور جب کائنات کی قوتیں اس کے سامنے سر تسلیم خم کر لیں تو یہ سجدہ خدا کو ہو گا بندے کو نہیں۔یہی وجہ تھی کہ کچھ بزرگوں نے ''سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمُ شَانِیْ'' کہا اور پھر کچھ نے ''اَنَا الْحَقُّ'' بھی کہا۔اگر کوئی اس کیفیت میں کہے کہ ''نیست اندر جُبّہ ام الاّ خدا'' (میرے جبّہ میں سوائے خدا کے اور کچھ نہیں) تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ ان حالات میں وہ بحیثیت بشر موجود تو ہوتا ہے لیکن لامتناہی تجلی سے ہم کنار ہو کر اس کا ہونا نہ ہونا برابر سمجھا جاتا ہے۔ابن عربیؒ نے اس کی تعبیر یوں کی ہے کہ ''اَلرَّبُّ رَبٌّ وَاِنْ تَنَزَّلَ وَالْعَبْدُ عَبْدٌ وَاِنْ تَرَقّٰی[2]'' [1] (رب موجودات میں تنزل کے بعد بھی رب ہی رہتا ہے اور بندہ خواہ کتنی ہی ترقی کر جائے وہ بندہ ہی رہتا ہے)۔

---

[1] تفسیر الکبیر، جلد ۲، صفحہ ۷۔

[2] تفسیر روح البیان، جلد ۱۲، صفحہ ۳۴۳۔

بلند پایہ ہستیوں پر کبھی ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے کہ ان کی انفرادی ہستی الوہیت میں گم ہو جاتی ہے۔ اس وقت وہ مخلوق اور خالق میں کوئی تمیز نہیں کر سکتے اور اس حالت میں ہی وہ اَنَا الْحَقّ جیسے کلمات کہتے ہیں۔ مولانا رومؒ اس کو یوں بیان کرتے ہیں۔

رنگِ آہن محو رنگ آتش است ز آتشی می لا فد و خامش است[۲۰۱]

(لوہے کا رنگ آگ کے رنگ میں گم ہو گیا ہے، گو اس کی زبان خاموش ہے مگر آگ ہونےکی ڈھینگ مارتا ہے)

چوں بسرخی گشت ہمچو زرِّ کاں پس انا النارست لافش بے زباں[۲۰۲]

(جب وہ (لوہا) سرخی کی وجہ سے کان کے سونے کی طرح ہو گیا، تو اپنی بے زبانی سے آگ کا دعویٰ کرنے لگا)

شد ز رنگ و طبعِ آتش محتشم گوید او مَن آتشم مَن آتشم[۲۰۳]

(لوہا آگ کے رنگ وطبیعت سے شاندار بن گیا، وہ زبانِ حال سے کہنے لگا میں آگ ہوں آگ ہوں)

آتشم من ، گر ترا شک است وظن آزموں کن دست را برمن بزن[۲۰۴]

(میں آگ ہوں اور اگر تمہیں شک یا ظن ہو، آزما کر دیکھ لو اور مجھ پر اپنا ہاتھ رکھو)

آدمی چوں نور گیرد از خدا ہست مسجودِ ملائک زاجتبا[۲۰۵]

(آدمی نے جب اللہ سے نور حاصل کر لیا تو برگزیدہ ہو جانے کی وجہ سے فرشتوں کا مسجود بن گیا)

کاش کہ ہستی زبانے داشتے تا زمستان پردہ ہا برداشتے[۲۰۶]

(کاش کہ (انسان کی) ہستی کی کوئی زبان ہوتی، جس سے عاشق لوگ اپنی کیفیت بیان کر سکتے)

مولانا رومؒ بہت سی مثالوں سے معاملہ کشائی کرتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ اگر کچھ بننا چاہتے ہو تو خود کو معرفت کے سمندر میں پھینک دو تو پھر تمہارے اندر وہی معارف اُبھرنے لگیں گے جو سمندر میں پائے جاتے ہیں۔ سمندر کے انمول موتی اور ہیرے اس میں غوطہ لگانے کے بعد ہی ملتے ہیں۔

نانِ مُردہ چوں حریفِ جاں شود زندہ گردو نان و عینِ آں شود[۲۰۷]

(دیکھو) بے جان روٹی جب کسی جاندار کی مصاحب ہو جاتی ہے، تو وہ روٹی زندہ ہو جاتی ہے اور جان کی طرح ہی بن جاتی ہے)

ہیزمِ تیرہ حریفِ نار شد تیرگی رفت و ہمہ انوار شد[۲۰۸]

(بے نور لکڑی جب آگ کی ساتھی بن گئی تو اس کی ظلمت جاتی رہی اور سراسر نور بن گئی)

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ انسان میں تو اللہ تعالیٰ نے حیات اور کمالات کا خزینہ رکھا ہے اور وہ بہت کچھ کرنے کے قابل ہے مگر تم اس رباب کو دیکھو کہ اس کے تار بھی مادی (بے جان) ہیں اس کی لکڑی اور اس کے اوپر کا منڈھا ہوا پوست بھی مادی ہے، لیکن جہاں مضراب نے اس میں اِرتعاش پیدا کیا تو فوراً اروحِ انسانی کے ازلی دوست (خدا) کی دلنواز آواز سنائی دینے لگی، یہی درج ذیل شعر کا ترجمہ ہے۔

خشکِ تار و خشکِ چوب و خشکِ پوست　　از کجا می آید ایں آوازِ دوست

(رباب کا تار خشک اوراس کی لکڑی بھی خشک، لیکن دوست کی آواز کہاں سے آتی ہے)

سِر پنہاں است اندر زیر و بم　　فاش اگر گویم جہاں برہم زنم(۲۰۹)

(اس کی (آواز) کے اتار چڑھاؤ میں ایک راز پنہاں ہے جس کو اگر فاش کر دوں تو میں دُنیا کو تباہ کر دوں)

اس کے بعد مولانا رومؒ نے بانسری اوراس کی آواز کی بھی تعبیر کی ہے۔"بشنو از نے چه حکایت می کند" کے آگے چند اشعار جو بانسری کی حقیقت کیلئے لکھے ہیں مثنوی کا خلاصہ ہیں۔بانسری میں ویسے تو ہوا گردش کرتی ہے مگر یہ ہوا آتشِ عشق کے شعلے ہیں اور جس انسان کی بانسری میں عشق کی آگ نہیں وہ نیست (نہ ہونے) سے بھی بدتر ہے۔فرماتے ہیں کہ بانسری کی یہ آواز اپنے مبداء (عالمِ ارواح) سے الگ ہونے کی فریاد کررہی ہے۔غور کرو کہ بانسری کے دومنہ ہوتے ہیں۔اسی طرح انسان کی روح کے بھی دو سرے ہیں جس کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔"وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا"(ھود:۵۶) (کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی چوٹی کو اللہ تعالیٰ تھامے ہوئے نہ ہو)اور دوسرا سرا انسان کے اندر ہے انسان کی گویا بانسری کا ایک منہ نے نواز (یعنی اللہ) کے لب میں ہوتا ہے جس سے وہ اکتسابِ فیض کرتا ہے اور دوسرا منہ وہ خود ہے جس سے تمام مظاہر میں آواز پیدا ہوتی ہے اور ہم تمام عالم میں ان اسرار کی اشاعت کرتے ہیں۔جس ہستی کا وصال مقصود ہے (یعنی اللہ کا) فراق آفرین بھی وہی ہے انسان کا بانسری نواز اللہ ہے اس لیے نالۂ فراق کا ماخذ بھی وہ خود ہے۔آگے جاکر مولاناؒ فرماتے ہیں کہ بانسری میں سوراخ اس لیے ہوتے ہیں کہ دردِ فراق سے اس کا سینہ چاک چاک ہے اور شرحِ درد میں ہی اس کا سینہ چاک چاک ہوا ہے۔فرماتے ہیں کہ اے انسان تو اسی طرح اپنے سینے کو عشقِ الٰہی سے چاک کرنے کے بعد خود کو حقیقی بانسری نواز کے منہ میں دے دے تو اس بانسری کی طرح تیرے اندر سے بھی طرح طرح کے اسرار پھوٹنے لگیں گے۔

با لبِ دمساز خود گر جُفتمے　　ہمچو نَے، من گفتنیہا گفتمے(۲۱۰)

(اگر میں بھی اپنے (یار) دمساز کے لب سے ملا ہوتا تو بانسری کی طرح کچھ کہنے کی باتیں کرتا)

اس شعر سے مولانا رومؒ کی مُراد یہ ہے کہ کاش کسی صاحبِ فراست سے ہم کلامی ہوتی تو میں اس سے جی کھول کر راز کی باتیں کہتا۔اس تمام تر گفتگو سے مراد یہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ عبادت اس طرح کرے کہ ذاتِ مطلق فیاض سے عبادت کے ذریعے پیوست رہے اور حاملِ اَسرارِ الٰہی بن کر مخلوق کی رہنمائی کرے اور ان کو بھی اللہ کے ساتھ منسلک کردے۔

مولاناؒ نے عبادت کیلئے ایک اور مثال پیش کی ہے کہ دنیادار لوگ چوہے کی طرح ہوتے ہیں جو کہ بلّی (یعنی افسران کے ڈنڈے) سے اس طرح ڈرتے ہیں جس طرح چور کوتوال سے،مگر عجب بات یہ ہے کہ چوہا شیر سے نہیں ڈرتا۔اسی طرح لوگ کوتوال سے ڈرتے ہیں مگر اللہ سے نہیں ڈرتے چنانچہ جولوگ عبادت

کے نزدیک نہیں جاتے وہ چوپا فطرت انسان ہوتے ہیں۔ اس بانسری کی داستان کے فلسفے کا بیان بہت طوالت طلب ہے اس لیے مثنوی کی شرح "مفتاح العلوم" سے رجوع کریں۔ مولانا فرماتے ہیں خود کو تانبے کی طرح کیمیائے حق میں جلاؤ تا کہ کندن بن جاؤ۔

گر ہمی خواہی کہ بفروزی چو روز ہستی ہمچو شب خود را بسوز[211]

(اگر تو دن کی طرح چمکنا چاہتا ہے تو اپنی ہستی کو رات کی طرح جلاؤ)

ہستیت در ہست آں ہستی نواز ہمچو مس در کیمیا اندر گداز[212]

(اپنی ہستی کو اس ہستی بنانے والے میں اس طرح پگھلاؤ جس طرح تانبا کیمیا کے عمل میں ہوتا ہے)

عبادت، عبودیّت اور عبودت میں فرق

عبادت: اچھے اعمال کا خالص خدا کے واسطے صادر ہونا عبادت کہلاتا ہے بغیر اس کے کہ اس کا کوئی بدلہ چاہا جائے۔

عبوُدِیّت: بندے کا مرتبہ الٰہیہ سے اللہ کی معیت میں خلق کی طرف آنے، کمالات باطنی کو کما حقہ حاصل کرنے کے بعد ہدایت خلق کی جانب متوجہ ہونے اور شریعت و تکالیف کی مقید زندگی کو اپنا دستورُ العمل قرار دینے کو عبوُدیت کہتے ہیں۔

عبوُدت: عبودیت کو بغیر کسی غرض و غایت کے فقط اللہ کیلئے عمل کرنے کو عبودت کہتے ہیں۔ اس مرتبہ میں نماز معراج المؤمنین کے درجے پر ہوتی ہے اور عبد اور معبود کے درمیان جملہ حجابات اُٹھ جاتے ہیں۔ یہ اخص الخاص لوگوں کا طریقۂ عبادت ہے جس میں ہر کام محض اللہ کی رضا کیلئے ہو۔ ابوعلی دقاق ؒ کا قول ہے کہ عبادت عام مومنوں کا کام، عبوُدیت خواص کا اور عبودت خاص الخاص کا۔ ابوالقاسم قشیری ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے انہی سے سنا ہے کہ علم الیقین والوں کیلئے عبادت، عین الیقین والوں کیلئے عبودیت اور حق الیقین والوں کیلئے عبودت ہے۔ آپ کا ہی قول ہے کہ عبادت مجاہدہ کرنے والوں کیلئے ہے، عبودیت اہلِ مکابدہ (خاص درجہ محنت) یا مشقت والوں کیلئے اور عبودت اہل مشاہدہ کیلئے ہے۔ لہٰذا جو نفس کے چکر سے باہر نہیں وہ صاحب عبادت ہے اور جو اپنے دل پر اللہ کے معاملے میں بخل نہیں کرتا (یعنی دل کی بات نہ مانی) وہ صاحب عبودیت ہے اور جس نے اپنی روح پر اللہ کے ساتھ معاملہ میں بخل نہیں کیا وہ صاحب عبودت ہے (یعنی اللہ کی خاطر روح کی پرواہ نہ کرنے والا)۔[1] یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عبادت پر پابند ہونا اپنی عبادت کو ناقص جاننا اور اعمال کو اللہ کی طرف سے جاننا عبودیت ہے نیز تقدیر کے معاملے میں اختیار کو ترک کرنا، اپنی طاقت سے بیزاری کا اظہار کرنا اور اللہ کے انعامات کا اقرار کرنا عبودیت ہے یا یہ بھی کہتے ہیں کہ جن امور کے کرنے کا حکم ہوا انہیں کرنا اور جن سے منع کیا گیا ہو ان کو چھوڑنا عبودیت ہے۔ حضرت حسن بصری ؒ فرماتے ہیں کہ عبودیت یہ ہے کہ تو ہر حال میں اس کا بندہ بنا

[1] الرسالہ القشیریہ، جلد ا، صفحہ ۹۰۔

رہے۔جس طرح ہر حالت میں وہ تمہارا رب ہے۔ سہل بن عبداللہ ؒ فرماتے ہیں کہ جب تک انسان چار چیزوں سے نہ گھبرائے اس کی عبودیت صحیح نہیں، بھوک، ننگ، فقر اور ذلت۔

عبداللہ بن منازلی ؒ کا قول ہے کہ بندہ اس وقت تک بندہ ہے جب تک وہ اپنی ذات کیلئے خادم کی تلاش نہ کرے ورنہ اس نے عبدیت کے آداب ترک کر دیئے۔ سہل بن عبداللہ ؒ کا قول ہے کہ عبادت گزاری اس وقت درست ہے جب کہ مفلسی میں اس پر ذلت کے آثار نہ پائے جائیں اور مالدار ہو تو دولت کا اثر اس پر نہ ہو۔ ابن عطا ؒ کا قول ہے کہ چار باتوں میں عبودیت پائی جاتی ہے۔(۱) وعدہ پورا کرنا (۲) اللہ کی حدود کی نگہداشت کرنا (۳) جو اپنے پاس موجود ہو اس پر راضی ہونا (۴) جو کچھ حاصل نہ ہو اس پر صبر کرنا۔ حضرت مزنی ؒ کے زمانے میں ان سے بڑھ کر عبادت میں ہمیشگی، احکام کی تعظیم کرنے والا اور اپنی ذات پر تنگی اور دوسروں پر وسعت کرنے والا کوئی نہ تھا، یہ عبودیت کی بہترین وضاحت ہے۔

عباداتِ قلبی

بندوں کی وہ عبادت جن کا تعلق محض بندگانِ الٰہی اور خدا کی ذات کے درمیان ہو جس سے نہ تو دوسرے بندوں کی آگہی مقصود ہو اور جن کے ہونے یا نہ ہونے کا علم فرشتوں کو بھی نہ ہو قلبی عبادات کہلاتی ہیں۔ مثلاً ایک حدیثِ قدسی میں روزہ کیلئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ"[1] (اخلاص کی وجہ سے) روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا)۔ ایک روزہ دار چھپ کر کچھ کھاتا پیتا ہے یا کہ نہیں اس بات کا علم محض اللہ کو ہی ہوتا ہے کوئی دوسرا اس راز کو نہیں جانتا۔ اسی طرح ذکر، مراقبہ، تقویٰ، فقر، اخلاص، توکل، صبر، شکر، ضبطِ نفس وغیرہ تمام قلبی عبادات ہیں کیونکہ ان کی صحت کا علم یا تو بندے کو ہے یا پھر اللہ تعالیٰ ہی ان عبادات کی حقیقتِ حال سے واقف ہے۔ ان تمام عبادات کو فرداً فرداً ہماری تصنیف "تہذیبِ نفس" میں لکھ دیا گیا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ ویسے تو عام عبادت کا تعلق بھی اِخلاص کی وجہ سے قلب کے ساتھ ہی ہوتا ہے اور اگر یہ عبادات صدقِ نیت اور اخلاص کے ساتھ نہ ہوں تو ان کا اجر ضائع ہو جاتا ہے مگر قلبی عبادتوں کا تعلق تو کلیتہً اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اور اس وجہ سے ان کا اجر بھی بہت بڑا ہوتا ہے۔ جیسا کہ روزے کیلئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ روزے کا اجر میں خود ہی ہوں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ باقی تمام عباداتِ قلبی، جن سے اولیائے کرام کے شب و روز آباد ہوتے ہیں کا کیا حال ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ بدنی عبادات (نماز، روزہ، حج وغیرہ) کے ذریعے مسلمان ان ارکانوں کی فرضیت سے سبکدوش ہو کر ان کے اجر کا مستحق ہو جاتا ہے اور اس کے بدلے میں (گر قبول افتد) وہ جنت کا حقدار بھی سمجھا جاتا ہے تو چونکہ قلبی عبادات مسلمان کو مطلوبہ فرائض کی ادائیگی سے زائد ہیں اور بندوں کے عام معیار کی توقعات سے زائد ہیں اس لیے ان کا اجر

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۶۹۳۸، جلد ۲۳، صفحہ ۱۱۔

بدنی عبادات سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہوتا ہے چنانچہ اگر بدنی عبادات سے جنت ملتی ہے تو قلبی عبادات سے جنتوں کا خالق ملتا ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ کچھ لوگ جنت کے علاوہ ایسی جگہ پر جائیں گے جہاں خدائے تبارک وتعالیٰ کو ہنستا ہوا پائیں گے ۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے ایسی عبادات کیلئے صرف اپنے اولیاء کرام (اور درجہ اولیٰ کے انبیاء کرام) کو مخصوص کیا ہے۔ اسلام میں تصوّف ہی مذہب کا وہ حصہ ہے جو قلبی عبادات کی کثرت اور شدت کے ساتھ متعلق ہے۔اسی لیے ان بزرگوں کو وہ شان ملی ہے جو کسی اور کو نہیں ملی۔ جو لوگ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے وہ اُس کے فیضان سے بھی محروم رہتے ہیں۔ (اس سلسلے میں راقم الحروف نے ایک الگ کتاب ''اسلام وروحانیت اور فکرِ اقبال'' کے نام سے لکھ دی ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ تصوف یا حکمتِ اسلام کوئی ایسی نئی چیز نہیں جو دین سے باہر ہو بلکہ یہ محض بندے کا اللہ کے ساتھ گہرا تعلق پیدا کرنے کا طریقہ ہے اور اسے بایزید بسطامیؒ اور جنیدؒ انکے علاوہ لاکھوں بزرگوں نے اپنایا ہے۔راقم الحروف کی کتاب بیعت کی تشکیل اور تربیت پہلے ہی شائع ہو چکی ہے)۔

عبادت اور اطاعت میں فرق

حضرت عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے ''اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اطاعت اور عبادت میں یہ فرق ہے کہ اطاعت حاکم وقت کی بھی ہوتی ہے جبکہ عبادت صرف اللہ کی ہوتی ہے۔آپ کی تشریح کے مطابق پیغمبر، مرشد، عالم دین اور حاکم وقت اطاعت کے زمرے میں آتے ہیں اور ان کی اطاعت عبادت نہیں کیونکہ معبود ہونے کیلئے ذاتی عظمت کی ضرورت ہے اور اطاعت میں یہ لازم نہیں گویا کسی کو اپنا مستقل اور ذاتی حاکم مان کر خود کو اس کا بندہ سمجھ کر اس کی فرمانبرداری کرنا عبادت ہے۔کسی کو غیر مستقل اور مجازی عطائی حاکم مان کر اور خود کو اس کا ماتحت اور ملازم سمجھ کر اس کی فرمانبرداری کرنا عبادت نہیں بلکہ اطاعت کہلائے گی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند ایک بار حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ زمانۂ طفلی میں کھیل رہے تھے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ناراض ہو کر یہ کہہ دیا کہ جاؤ تم تو ہمارے نانا کے غلام ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جاؤ اگر وہ مجھ کو اپنے نانا کا غلام کہتے ہیں تو ایک کاغذ کے ٹکڑے پر ان سے لکھوا لاؤ۔ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے یہ تحریر لکھ دی تو فرمایا کہ یہ کاغذ بطور سند میری قبر میں میرے ساتھ دفن کر دینا تاکہ یہ میری بخشش کا سبب بنے۔

تفسیرِ نعیمی میں ہے کہ فرشتوں کو انتظام پر معمور کیا گیا (کوئی بارش پر، کوئی رزق پر، اور کوئی موت وغیرہ پر موکل ہے)اسی طرح اولیاء اللہ بھی خدامِ بارگاہ الٰہی ہیں بلکہ اپنے تابع فرمانوں اور اطاعت گزاروں کو منصبِ خلافت سے بھی سرفراز کیا ہے۔فرشتے اور اولیاء اللہ خدام بارگاہ کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی خدائی میں دخیل نہیں۔قرآن اور احادیث سے انسانوں اور فرشتوں کا اللہ کے خدام ہونا واضح ہے۔حضرت خضر علیہ السلام

نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تینوں واقعات (کشتی میں سوراخ کرنا، قتلِ اولاد اور دیوار یتیم کو بنا دینا) کے متعلق فرمایا "وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ اَمْرِیْ" (میں نے یہ کام اپنی مرضی سے نہیں کئے) (الکھف:۸۲) بلکہ حکم الٰہی سے ان پر عمل کیا گیا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت بلقیس کو فوراً حاضر کرنے کیلئے کہا تو بہت بڑے تخت کو بہت لمبی مسافت سے چشمِ زدن میں حاضر کردیا گیا اور یہ بھی خدائی بارگاہ میں دخل نہ تھا اور نہ سلیمان علیہ السلام کی پیغمبری میں مداخلت تھی بلکہ امتی کی کرامت نبی کا معجزہ ہوتا ہے۔ اسی طرح انسانوں (اولیاء اللہ) کا تصرف قوت پروردگار کا اظہار ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ہی یہ مقام ملتا ہے کہ بندہ منظورِ بارگاہ الٰہی ہو جائے اور پھر تمام کائنات انسان کی اطاعت پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ قرآن میں بار بار فرمایا گیا ہے کہ اے بندو! تم میری اور میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو تو یہ تمام کائنات تمہارے زیر نگیں کر دی جائے گی۔ یہ دعوتِ اطاعت فقط مسلمان کو نہیں بلکہ کافروں، منافقوں، جوئے بازوں، نیکوں، بدوں اور ہر قسم کے بندوں کیلئے ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: "یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ" (البقرہ:۲۱) (اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے پیدا فرمایا تمہیں)۔ حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو فرمایا کہ تم اپنے وعظوں سے لوگوں کو ناحق رلا کر کیوں پریشان کر رہے ہو اللہ تعالیٰ تو روزِ محشر یہی پوچھے گا۔

من ترا بودم ، تو کرا بودی

(ہم تو تمہارے تھے، تم کس کے تھے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ" (جو اللہ کا ہو گیا اللہ اس کا ہو جاتا ہے)[1]۔

ہر کہ عاشق شد جمال ذات را اوست سیّد جملہ موجودات را[۲۱۳]

(جو اللہ کی ذات کے حُسن کا عاشق ہو گیا تو وہی تمام موجودات کا سردار بن جاتا ہے) ہماری تصنیف "سنت مبارکہ" میں "اطاعت اور اتباع" کے موضوع پر لکھے گئے دو ابواب کا بھی مطالعہ فرمائیں۔

عبادت کا جہان

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن کو اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت بخشی ہے کہ وہ زمان و مکاں کی قید سے آزاد رہ سکتا ہے اور وہ اللہ اکبر کہتے ہی اس جہان سے باہر ہو جاتا ہے۔

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے مومن کا مقام ہر کہیں ہے[۲۱۴]

عباداتِ اسلامیہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ کمال پنہاں کر رکھا ہے کہ ہر عبادت میں وہ بندے کو براہِ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ بغیر کسی فرشتہ کے وسیلے کے منسلک کر دیتی ہے۔ روح کو اس قدر تصرف ہے کہ وہ چشمِ زدن

---

[1] تفسیر الرازی، جلد ۴، صفحہ ۳۰۵۔

میں کروڑوں میلوں کی مسافت طے کر لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مومن کیلئے زمان اور مکاں کی کوئی خاص اہمیت نہیں۔ معراجِ مصطفی ﷺ نے یہ ثابت کر دیا ہے اور بندۂ مومن کی زد سے کوئی چیز دور نہیں۔

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفی سے مجھے ۔۔۔ کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں (۲۱۵)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ پہلے تو خود کو اس مقام پر لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ربطِ کامل حاصل ہو سکے۔ یہ ربط مسلسل عبادت اور ذکر و فکر پر دوام سے حاصل ہوتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کو صوفیائے کرام تصوف یا روحانیت کا نام دیتے ہیں۔ راقم الحروف کی کتاب ''رابطۂ شیخ'' میں رابطے پر نہایت تفصیل سے کلام کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ہماری تصانیف ''بیعت کی تشکیل اور تربیت'' اور ''اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبال'' بھی قابل مطالعہ کتب ہیں۔ اس راستے میں علوم شریعت، اتباع سنت اور منازلِ طریقت وغیرہ کے متعلق وافر تعلیم حاصل کرنا کسی صاحبِ مقام مرشد کے ذریعے سے آسان ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی صاحب ذوق ہو اور ساتھ ہی اس قسم کی روحانیت کی استعداد رکھتا ہو تو یہ معاملات چند دنوں میں طے ہو جاتے ہیں۔ ان مقامات کے حصول کے بعد سالک صرف رسمی عبادت پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ حقیقتِ عبادت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے تا کہ چشم زدن میں وہ بارگاہ الٰہی میں پیش ہو جائے اور یہی اصل عبادت ہے۔

افسوس کا مقام ہے کہ دشمنانِ اسلام نے طریقت کو بدنام کر دیا ہے۔ طریقت یہی چیز ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے یعنی یہ کہ مومن اللہ سے مضبوط اور صحیح رابطہ قائم کر لے۔ مگر دشمنان اسلام کو تو یہ بات منظور نہیں کہ مسلمان بھی اچھے مسلمان بن سکیں۔ انہوں نے اول تو مذہب کا ہی گلا گھونٹ دیا اور پھر اسلام کے اس معیاری درجے یعنی روحانیت پر پہنچنے کیلئے باقاعدہ ایک مہم جاری کی اور کہا کہ یہ تصوّف تو رہبانیت ہے اس لیے اسلام میں اس کا کوئی مقام نہیں۔ ہمارے کچھ سیدھے سادھے مسلمان انکی باتوں کی زد میں آ گئے اور اب وہ خود اس بات کی تبلیغ کرتے ہیں کہ تصوف تو اسلام کے سراسر منافی ہے حالانکہ قرآن اور سنت کے ساتھ گہرے لگاؤ کو ہی تصوف کہا جاتا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے مروجہ اور غلط کار صوفیوں کی مخالفت کی ہے لیکن وہ مشیخیت کے اصولوں کے خلاف نہ تھے بلکہ خود کو مولانا روم ؒ کا مرید قرار دیتے ہیں۔ آپ نے اپنے کلام کا اکثر حصہ تعمیرِ آدمیت پر لکھا ہے اور اس میں کسی مردِ کامل کے میسر ہو جانے کو غنیمت جانا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنی شاعری کی مختلف کتابوں میں مسلمانوں کو انسان کے مقام کی وضاحت فرمائی ہے اور اپنی منزل کی طرف ہمت سے پرواز کرنے کے اسباق دیئے ہیں۔ علامہؒ نے مسلمانوں کو ان کی وسعتِ پرواز سے آگاہ کیا ہے جس کا اس جگہ بیان کرنا محال ہے۔ وہ ایسی اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں کہ جن سے مسلمان کو جانب منزل سفر کرنا آسان ہو جائے چند ایک اشعار پیش خدمت ہیں۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں ۔۔۔ کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملّا کی اذان اور مجاہد کی اذاں اور[216]

جہاں تمام ہے میراث مرد مومن کی
میرے کلام پہ حجت ہے نکتۂ لَوْلَاکَ

عروجِ آدم خاکی کے منتظر ہیں تمام
یہ کہکشاں، یہ ستارے، یہ نیلگوں افلاک[217]

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں[218]

ہے ذوقِ تجلّی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے[219]

کب تلک طور پر یہ دریوزہ گری مثل کلیم
اپنی ہستی سے عیاں شعلۂ سینائی کر[220]

علامہؒ فرماتے ہیں کہ نہ بندہ خدا کے بغیر رہ سکتا ہے اور نہ خدا کو انسان کے بغیر قرار ملتا ہے۔

نہ ما را در فراقِ أو عیارے
نہ أورا بے وصالِ ما قرارے

(اسکے فراق کے بغیر نہ تو ہمارا کوئی حیلہ چل سکتا ہے اور نہ ہی اسکو ہمارے وصال کے بغیر قرار ہے)

نہ او بے ما نہ ما بے أو! چہ حال است
فراقِ ما فراقِ اندر وصال است[221]

(نہ وہ ہمارے بغیر نہ ہم اس کے بغیر (رہ سکتے) ہمارا فراق گویا کہ وصال کے اندر فراق ہے)

عاشقانِ الٰہی جب نماز ادا کرتے ہیں تو گوان کے بدن اس جہاں میں ہوتے ہیں لیکن وہ عرشِ اعظم پر مصلّٰی گزارتے ہیں۔ فرشتوں کی تسبیح سنتے ہیں اور خدا سے ہم کلامی معراج کی صورت میں ہوتی ہے ان کی باتوں اور کلمات کا جواب اللہ سے صورتِ ظاہر میں ملتا ہے۔

شریعت سے عبادت کے آداب سیکھے جاتے ہیں

جب کوئی بادشاہ کسی خادم کو اپنی خدمت کیلئے مامور کرتا ہے تو پہلے اسے کسی اور خادم کے سپرد کرتا ہے تا کہ اس کو ریاضت سکھا دے مبادا یہ نیا ملازم بادشاہ کے حضور میں کہیں بے ادبی نہ کر بیٹھے چنانچہ شریعت ان تمام اوامر ونواہی (احکامات اور ممنوعات) کا مجموعہ ہے جو بندگان خدا کو صحیح عبادت اور خدا کی درگاہ میں حاضری کے آداب سکھانے کے نصاب کا کام دے۔

مولانا رومؒ نے مثنوی کو ان آداب کے سکھانے کا ہی ذریعہ بنایا ہے اور بالخصوص ادب کے متعلق آپ کا کلام بہت طویل ہے جو ''اسلام وروحانیت اور فکر اقبالؒ'' میں تصوف کے زمرہ میں لایا گیا ہے اس جگہ اتنا بیان کر دینا کافی ہے کہ شریعت نے انسان کے تمام بدنی اعضاء کو برائی کے تمام سرچشموں سے منع کر دیا اور آنکھ، کان، ناک، بدن، قلب ونگاہ کی نگرانی کے آداب سکھائے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان اخلاقیات کا مکمل نمونہ بنا کر اس امت کی رہنمائی کیلئے بھیجا اور ساتھ ہی یہ فرما دیا کہ زندگی کے ہر شعبے میں غرضیکہ اپنا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، لین دین ہر کام ان کے نمونۂ عمل کے مطابق ڈھالو تو پھر تم اس قابل ہو جاؤ گے کہ اللہ کے حضور قیام و سجود کے مفہوم کو حاصل کر سکو اور قرب باری تعالیٰ کے اہل بن جاؤ۔ ان آداب کو جاننے کے بعد عبادت کا رنگ

ایسا ہوگا جس کے اجر میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ ﷺ کی کامل اتباع نصیب فرمائے۔ آمین! ہماری تصنیف "سنت مبارکہ" کا اس سلسلے میں مطالعہ فرمائیں۔

عبد اور عبدہٗ (ظاہری اور باطنی عبادات کی تکمیل)

"اَلْعَبْدُ" عبادت سے موصوف ہے اس کے معنی بندہ یا غلام کے ہیں۔ یعنی عبادت کے ساتھ بندھے رہنا ،سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں اَلْعَبْدُ کی تشریح بھی ملاحظہ فرمائیں۔ اَلْعَبْدُ کا لفظ چار معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

۱) ایسا غلام جس کی خرید و فروخت شرعاً جائز ہو۔

۲) وہ بندے جو اللہ کے مملوک ہیں (اَلْعَبْدُ بِالْاِیْجَادِ یعنی مزدوری پر مامور) جس طرح سورۂ مریم کی آیت ۹۲ میں فرمایا "کہ تمام اشخاص جو آسمان اور زمین میں ہیں خدا کے روبرو بندے ہو کر حاضر ہوں گے"۔

(۳) وہ بندے ہیں جو عبادت اور خدمت کی بدولت عبودیت کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ (تابعدار بندے) ان میں مخلص بندے بھی ہیں۔ مثلاً عَبْدًا شَکُوْرًا یہاں بمعنی عابد کہا گیا ہے۔ یاد رہے کہ بندوں کے رجوع کے مطابق کچھ بندے "عَبْدُ الدِّیْنَارِ" (یعنی درہم و دینار کے بندے ہیں) قرآن میں عَبْدُ الطَّاغُوْتِ (شیطان کے بندے) عبد مومن، عبداللہ، عبد منیب (رجوع کرنے والا) نِعْمَ الْعَبْدُ (بہت اچھا بندہ) عَبْدًا مَّمْلُوْکًا، عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا (ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ) عِبَادُ الرَّحْمٰنِ وغیرہ کا بھی ذکر آیا ہے۔

۴) وہ فنا فی اللہ بندے جن کو عِبَادُ اللّٰہِ (محض اللہ کے بندے) کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہو جو اسمائے الٰہیہ میں سے کسی اسم کی فنائیت حاصل کر چکے ہوں اور اس اِسم کے اثرات ان پر ظاہر ہوں جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے، مثلاً اسم رزّاق میں صفتِ رزّاقی پیدا ہوگئی ہے اور بندوں کو فیضانِ رزق دیتا ہے، چنانچہ ایسے شخص کو عبدُ الرزّاق کہا جائے گا۔ انہی معنوں میں عبدالقادر یا عبدُ الصّمد صفت کے اعتبار سے کہا جائے گا۔ صحیح بندہ ہونے کی دو علامتیں ہیں۔ ایک یہ کہ دل دنیا کی محبت سے خالی ہو کر یار کا کاشانہ بن جائے اور دوسرے یہ کہ اس کی فرمانبرداری میں لذت محسوس کرے اور اللہ کے پیاروں سے دلی محبت رکھے جن کی صحبت میں رہ کر بندگی اور خدا کی خوشنودگی حاصل ہوتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

چوں زخود رستی ہمہ برہاں شدی   چونکہ گفتی بندہ ام سلطاں شدی[۲۲۲]

(جب تم خودی سے چھوٹ گئے تو برہان الدین ثانی بن جاؤ گے، جب تم کہو گے کہ میں بندہ ہوں تو اس وقت تم (ولایت کے) بادشاہ بن جاؤ گے)

مندرجہ بالا تمام اقسام سے بڑھ کر قرآن میں عبدہ کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور ان کے طفیل میں امت کے کچھ بندوں کو بھی اس سے حصہ ملا ہے۔ اس کا بیان نیچے دیا جا رہا ہے۔

حضرت مجدّدؒ کا نظریہ عبدیت

حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے مکتوبات میں فرمایا کہ گو انسان میں خیر کے ساتھ شر کا مادہ بھی رکھا گیا ہے لیکن یہ دونوں صفات مل کر انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا باعث بنی ہیں۔ آپ مکتوبات شریف میں فرماتے ہیں۔ ''اشیاء ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔ خیر و کمال کے ساتھ شر اور نقص بھی چاہیے۔ حُسن و کمال کیلئے نقص کا آئینہ درکار ہے اور آئینہ شے کے مقابل میں ہوتا ہے لہٰذا خیر کیلئے شر اور نقص کیلئے کمال کا آئینہ ضروری ہے۔ تو وہ ہر شے جس میں نقص اور شرارت زیادہ ہوگی وہ خیر و کمال کی نمائندگی بھی زیادہ کرے گی اس طرح ذم نے مدح کے معنی پیدا کر دیئے ہیں اور یہ شرارت خیر و کمال کا محل بن گیا۔ اسی لیے مقام عبدیت تمام مقامات سے بلند ہے کیونکہ یہ معنی مقام عبدیت میں اتم اور اکمل طور پر موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ محبوبوں کو ہی اس مقام سے مشرف فرماتے ہیں''، نیز آپ نے فرمایا ''محبّ ذوقِ شہود سے لذت حاصل کرتے ہیں۔ بندگی میں لذت اور اس سے انس محبوبوں کیلئے خاص ہے۔ محبوبوں کا اُنس محبوب کے مشاہدے سے ہے، مگر محبوبوں کو محبوب کی بندگی میں انس نصیب ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا مقام تمام محبوبوں کے فوق پر ہے اور باقی امتیوں کو یہ دولت حضور ﷺ کی اتباع سے نصیب ہوتی ہے جسے اللہ چاہیں عطا فرمائیں''۔

اس کتاب کے اوائل میں ظَلُوْمًا جَهُوْلًا کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے کہ شیشہ اگرچہ نور کی طرح مصفی ہے لیکن اس میں عکس نظر نہیں آسکتا جب تک اس کی پشت پر زنگ کی تہہ نہ چڑھا دی جائے۔ شیشہ کی مثال خیر کی طرح ہے اور یہ صفت فرشتوں میں رکھی گئی اس لیے مشاہدہ حق نہ کر سکے اور زنگ کی مثال ظلمتِ انسانی یا حیوانی کی سی ہے۔ ظلمتِ محض یعنی زمین اور آسمان اپنی ظلمت کی وجہ سے مشاہدۂ الٰہی نہ کر سکے۔ اس لیے دونوں نے (فرشتوں اور زمین و آسمان نے) اس امانت کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا جو اللہ نے ان پر پیش کرنا چاہی۔ انسان نے جو کہ خیر و شر کا مرکب ہے (جس طرح شیشہ اور زنگ مل کر آئینہ بنتا ہے) اپنے دل کے آئینے میں اللہ تعالیٰ کا عکس دیکھ لیا اور بارِ امانت اٹھانے کی ذمہ داری قبول کر لی گویا یہ صفتِ تاریکی ہی جو اس کے نفس کی وجہ سے ہے اُس کا طرّۂ امتیاز بن گئی اور اس طرح ذم (برائی) نے مدح (خوبی) کے معنی پیدا کر دیئے۔

عبد اور عبدہٗ کی خوبصورت توجیہہ

علامہ اقبالؒ نے عبد اور عبدہٗ میں بڑا نازک فرق بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک عبد (بندہ) ہونا کمال نہیں بلکہ عبدہٗ (اس کا بندہ) ہونا کمال ہے کیونکہ عبدہٗ ہونا اور محسوس کرنا ہی کمالِ عبدیت ہے اور یہی معراجِ انسانیت ہے۔ حضرت مجدّدؒ کے نظریہ عبدیت کے مطابق علامہؒ کا فرمان ہے:'' آپ کے (پیش کردہ) تصوف کی

اصطلاح میں اگر میں اپنے مذہب کو بیان کروں تو یہ ہوگا کہ شانِ عبدیت کمالِ روح انسانی ہے۔ اس سے آگے اور کوئی مرتبہ یا مقام نہیں'' (مجلہ ''اقبال'' اپریل ۱۹۵۴ء)

علامہ اقبالؒ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام بہ زبان حسین منصور حلاجؒ یوں بیان فرماتے ہیں۔

پیش او گیتی جبیں فرسودہ است　　خویش را خود ، عبدهٔ فرمودہ است

(حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تو دنیا ماتھا رگڑتی ہے (اس حال میں بھی) خود کو اللہ کا بندہ فرمایا ہے)

عبدهٔ از فہمِ تو بالا تر است　　زانکه اُو ہم آدم وہم جوہر است

(عبدہ تمہاری سوچ سے بھی بالا ہے، اس لیے کہ وہ آدمی بھی ہے اور جوہر بھی ہے)

جوہرِ اُو نے عرب نے اعجم است　　آدم است و ہم زِآدم اقدم است

(ان کا جوہر نہ عرب سے وابستہ ہے نہ عجم سے، وہ آدم ہونے کے باوجود آدم سے بھی قدیم ہے) (جب آپ کو پیدا کیا تو اُس وقت کچھ نہ تھا)

عبده صورت گرِ تقدیر ہا　　اندرو ویرانه ہا تعمیر ہا

(عبدہٗ ہی تقدیروں کو بنانے والا ہے اس کے اندر کتنے ویرانے تعمیر ہوتے ہیں)

عبدهٔ ہم جاں فزا، ہم جانستاں　　عبدهٔ ہم شیشه، ہم سنگِ گراں

(عبدہٗ جانفزا بھی ہے اور جان لینے والا بھی، وہ شیشہ بھی ہے اور سنگِ گراں بھی ہے)

عبد دیگر ، عبدهٔ چیز ے دِ گر　　ماسراپا انتظار، او مُنتَظَر

(بندہ اور چیز ہے اور بندۂ حق کچھ اور چیز ہے، ہم اس کیلئے سراپا انتظار ہیں جب کہ اس کا انتظار کیا جاتا ہے)

عبدهٔ دہر است و دہر از عبدهٔ ست　　ماہمه رنگیم او بے رنگ و بوست

(عبدہٗ تو زمانہ ہے اور زمانہ عبدہٗ سے ہے، ہم رنگوں سے (باہر نہیں) ہیں اور وہ بے رنگ و بو (تعصبات) ہے)

عبدهٔ با ابتدائ، بے انتہاء است　　عبدهٔ را صبح و شامِ ما کجا است

(عبدہ کی ابتداء تو ہے مگر اس کے ارتقاء کی انتہاء کوئی نہیں، عبدہٗ کی ہم جیسی صبح و شام کب ہیں)

کس زسِّر عبدهٔ آگاہ نیست　　عبدهٔ جز سر اِلاالله نیست[۲۲۳]

(کوئی عبدہٗ کے راز سے آگاہ نہیں، عبدہٗ سوائے الا اللہ کے راز کے اور کچھ نہیں ہے)

جاوید نامہ اسرار و رموز اور ارمغانِ حجاز میں عبدہٗ سے متعلق اور بہت اشعار ہیں۔

عبدہٗ کی مزید وضاحت

علامہ اقبالؒ کے مطابق اگرچہ عبد اور عَبْدُہٗ تقریباً مترادف ہیں مگر ان دونوں کے مقام اور مفہوم میں اتنا فرق ہے کہ دنیا کے اربوں انسانوں کو اگر عَبْد کہا جائے تو ان میں سے عبدہٗ کی خصوصیت کے ساتھ جناب

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں، جیسے سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ا میں فرمایا ''سُبْحَانَ الَّذِی اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی'' (پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجد اقصیٰ تک) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود بھی اپنے آپ کو عبدہٗ فرمایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ اور انبیاء کرام کو بھی عبد اللہ یا عبدہٗ کہا گیا ہے۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ محبت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگاہ سے پائیداری حاصل کرتی ہے۔ آپ کی بتائی ہوئی راہِ سلوک عشق و مستی کیلئے معیار ہے۔ عبدہٗ ایک ایسا بندہ ہے جسے اللہ نے اپنی طرف نسبت دی ہے۔ عبدہٗ ''لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللہ'' کی حقیقت ہے، جو ذاتِ باری تعالیٰ سے جدا کوئی شے نہیں، یعنی عبدہٗ ذات باری تعالیٰ کی حقیقت سے متصل ہے۔ جیسا کہ اوپر ایک شعر میں بتایا گیا ہے ''عبدہٗ دہر است'' سے مراد یہ ہے کہ دہر (زمان ومکاں) کا عبدہٗ سے آغاز ہوا یعنی ذاتِ رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہی کائنات کے رنگ و بو کا آغاز ہوا۔

محبت از نگاہش پائدار است سلوکش عشق و مستی را عیار است

(محبت آپ کی نگاہ سے پائداری حاصل کرتی ہے، آپ کی بتائی ہوئی راہ عشق و مستی کیلئے معیار ہے)

مقامش عبدہٗ آمد و لیکن جہانِ شوق را پروردگار است[۲۲۴]

(آپ کا مقام عبدہٗ بتایا گیا ہے، مگر آپ جہانِ عشق (و مستی) کے پروردگار ہیں) (خدا نے اپنی طرف نسبت دی ہے)

جیسا کہ اوپر ایک شعر میں علامہؒ فرما چکے ہیں عبدہٗ مومنوں کی جان میں افزونی کے باعث بنتا ہے اور کفار کی جان کھینچ لیتا ہے۔ عبدہٗ شیشہ بھی ہے اور سنگ گراں بھی۔ خدائے تعالیٰ کا عبد ہونے کی منزل سب منزلوں سے ارفع و اعلیٰ ہے، جو خودی کے پختہ ہونے کے بعد سالک کو نصیب ہوتی ہے، مگر عبدہٗ کی شان ہی اور ہے۔ عبدہٗ کی شان یہ ہے کہ وہ مَازَاغَ الْبَصَرُ سے اپنا نصیب پاتی ہے اور مقامِ عبدہٗ کی ہمسر بنتی ہے اور معراج جیسی شان اس کی ہی شان کے شایاں ہے۔

تا ''زَمَازَاغَ الْبَصَرْ'' گیرد نصیب برمقام عبدہٗ گردد رقیب

(یہاں تک (آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان) مَازَاغَ الْبَصَرُ سے نصیب پاتی ہے اور مقامِ عبدہٗ کی ہمسر بنتی ہے)

لَآ اِلٰه تیغ و دم او عبدہٗ فاش تر خواہی بگو ھُوَ عبدہٗ

(لا الٰہ اگر تلوار ہے تو عبدہٗ اس کی دھار ہے، زیادہ وضاحت چاہتے ہو تو کہو کہ وہی عبدہٗ ہے۔ یعنی بندہ خدا کا آلہ بن جاتا ہے، اُس کے ہاتھ، سمع اور بصر بن جاتا ہے)

عبدہٗ چند و چگونِ کائنات عبدہٗ رازِ درونِ کائنات

(عبدہٗ ہی کائنات کی کیفیت وکمیت یعنی معیار ہے عبدہٗ ہی کائنات کے باطن کا راز ہے)

مدعا پیدا نگردد زیں دوبیت تا نہ بینی از مقامِ مَا رَمَیْت[۲۲۵]

(درج بالا شعروں کا مطلب کبھی واضح نہیں ہوسکتا، تو وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ کے مقام سے نہ دیکھے)

ما ہمہ عبدِ فرنگ اُو عبدہٗ — او نہ گنجد دَر جہانِ رنگ و بو

(ہم سراپا غلامِ فرنگ ہیں اور وہ اللہ کا بندہ تو رنگ و بو میں نہیں سما سکتا)

صبح و شام ما بفکرِ ساز و برگ — آخرِ ما کیست؟ تلخیہائے مرگ

(ہمارا وقت صبح و شام دنیا کے کاموں میں گزرتا ہے اور اخیر ہماری کیا ہے، موت کی تلخی)

در جہانِ بے ثبات او را ثبات — مرگِ اُو را از مقاماتِ حیات

(اس جہانِ فانی میں اس کو ثبات حاصل ہے مگر اس کا مرنا بھی زندگی کے مقامات سے ایک مقام ہے)

اہلِ دل از صحبتِ ما مضمحل — گل ز فیضِ صحبتش دارائے دل

(ہماری صحبت سے اہل اللہ ناخوش ہیں مگر اس کی صحبت کے اثر سے پھول دلکش بن جاتا ہے)

کارِ ما وابستۂ تخمین وظن — اُو ہمہ کردار و کم گوید سخن

(ہمارا کام تو اندازہ و خیال کرنا ہے مگر وہ سراپا کردار ہے اور کم گو ہے)

ما گدایاں ، کوچہ گرد و فاقہ مست — فقرِ اُو از لآ اِلٰہ تیغِ بدست[۲۲۶]

(ہم گداگر کوچوں میں پھرنے والے فاقہ گزار ہیں مگر اس کے فقر سے ہاتھ میں لا اِلٰہ کی شمشیر آ جاتی ہے)

علامہؒ نے حضرت مجددِ الف ثانی کیلئے فرمایا ''جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمی احرار'' گویا مردِ حُر کی تو یہ خوبی ہے کہ وہ اس کا بندہ ہوتا ہے اور جو سالارِ احرار ہو اس کے کمالات عبدیت کا کیا ٹھکانہ ہو گا۔ ابو سعید نورُالدینؒ نے علامہؒ کا حضرت مجددؒ سے اثر پذیری کے حال کو یوں بیان کیا ہے:

''شیخ احمد سرہندیؒ کے اس نقطۂ نظر سے علامہ اقبالؒ بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ وہ اپنی خودی کو فنا کر کے ''خدا'' یا ''انائے مطلق'' میں ضم ہو جانے کے ہرگز قابل نہیں اور مقامِ عبدیت یا مقامِ بندگی کو ترک کر کے شانِ خداوندی کو قبول کرنے کیلئے قطعاً راضی نہیں''۔

متاعِ بے بہا ہے درد و سوزِ آرزو مندی — مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی[۲۲۷]

علامہ اقبالؒ ارمغانِ حجاز کے درج ذیل اشعار میں فرماتے ہیں کہ اے خدایا مجھے خدائی درکار نہیں، مجھے تو رومیؒ، خسرو سنائیؒ کی سی شان عطا فرما۔

عطاء کن شورِ رُومی سوزِ خسروؔ و — عطا کن صدق و اخلاص سنائی

مجھے تو جذب رومی جیسا سوز عطا کر — مجھے تو سنائی جیسا صدق و اخلاص عطا کر

چناں بندگی در سا ختم من — نہ گیرم گر مرا بخشی خدائی[۲۲۸]

(میں بندگی میں ایسا بس چکا ہوں کہ اگر آپ مجھے خدائی بھی دیں تو میں اسے قبول نہ کروں)

علامہؒ رموزِ بےخودی میں مقامِ عبدیت کو حیاتِ انسانی کیلئے اس قدر اہم قرار دیتے ہیں کہ اگر مقامِ عبدیت محکم ہو جائے تو فقیر بادشاہ بن جاتا ہے۔

چوں مقامِ عَبْدہٗ محکم شود کاسۂ دریوزہ جامِ جم شود (۲۲۹)

(جب بندے کو عبدہٗ کا مقام حاصل ہو جائے۔ تو کشکول گدائی جام جم بن جاتا ہے)

منقول ہے کہ حضرت رابعہ بصریؒ نے ایک بار کشتی میں سفر کیا تو کشتی کو سخت طوفان نے آلیا۔ آپ نے دیکھا کے سوائے ایک بوڑھے شخص کے سب لوگ کشتی کے غرق ہونے کے خوف سے پریشان تھے۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے اس بوڑھے سے طوفان کے رک جانے کی دعا کیلئے کہا تو اس نے اپنی چادر اس سمت کر دی جس طرف سے ہوا آ رہی تھی۔ ایسا کرنے سے ہوا فوراً بند ہو گئی اور طوفان رُک گیا۔ جب رابعہ بصریؒ نے اس اللہ کے بندے سے اس کا راز پوچھا تو اس نے کہا! ''تَرَکْنَا مَا نُرِیْدُ لِمَا یُرِیْدُ فَتَرَکَ مَا یُرِیْدُ لِمَا نُرِیْد'' (ہم نے اپنے ارادے اور مرضی کو اللہ کی مرضی کیلئے چھوڑ دیا پس اس نے اپنی مرضی کو ہماری مرضی پر چھوڑ دیا)۔

یہ واقعہ زیادہ تفصیل سے پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔

باب نمبر ۱۹

بندۂ مومن اور عبادات کے درجے

عبد اور عبدہٗ کی بات چل نکلی ہے تو علامہ اقبالؒ، مولانا رومؒ اور دیگر شعراء کا وہ کلام جو انہوں نے بندۂ مومن کی صفات کو ظاہر کرنے کیلئے لکھا ہے ایک اجمالی سمندر بن کر خیالات میں موجزن ہونے لگتا ہے۔ اگر صرف علامہ اقبالؒ کے نظریات اور اشعار کو پیش کیا جائے تو یقیناً ایک کتاب کی ضخامت نظروں کے سامنے آ جاتی ہے۔ راقم الحروف نے مسلمانوں کے کردار اور اخلاقی ضروریات پر ایک الگ مضمون ترتیب دیا ہے جو ہماری تصنیف ''سرمایۂ ملت'' میں تحریر کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس جگہ چند اشعار پر اکتفا کیا جائے گا۔ (مشکل الفاظ کے معنی دیئے جا رہے ہیں)۔

مردِ حق از کس نہ گیرد رنگ و بو　　مردِ حق از حق پذیرد رنگ و بو

(مردِ حق کسی کا رنگ و بو اختیار نہیں کرتا' مردِ حق صرف خدا سے رنگ و بو حاصل کرتا ہے)

ہر زمان اندر تپش جانِ دگر　　ہر زماں اورا چوں حق شانِ دگر[۲۳۰]

(ہر لمحہ اس کے بدن میں ایک نئی جان ہوتی ہے' خدا کی طرح ہر لمحہ اس کی کوئی اور شان ہوتی ہے)

بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام　　نے غلام اورا نہ او کس را غلام

(اللہ کا بندہ مقام کی قید سے بے نیاز ہوتا ہے، نہ اس کا کوئی غلام ہوتا ہے اور نہ ہی وہ کسی کا غلام ہوتا ہے)

بندۂ حق مرد آزاد است و بس　　ملک و آئینش خدا داد است و بس[۲۳۱]

(بندۂ حق تو بس ایک مردِ آزاد ہوتا ہے، اس کا ملک اور آئین خدا کا عطا کردہ ہے)

کسی نے علامہؒ سے پوچھا کہ ''فوق البشر'' کی تعریف کیا ہے فرمایا کہ ہر صحیح مومن فوق البشر ہے اور اسلام وہ بہترین سانچہ ہے جس میں فوق البشر ڈھلتے ہیں۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن　　گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

ہمسایہ جبریل امیں بندہ خاکی　　ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں

یہ راز کسی کو معلوم نہیں کہ مومن　　قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے　　دنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم　　دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان[۲۳۲]

خود حریمِ خویش و ابراہیمِ خویش　　چوں ذبیح اللہ در تسلیم خویش

(مومن اپنا کعبہ بھی خود اور ابراہیم بھی خود ہے' خوئے تسلیم کے معاملہ میں وہ ذبیح اللہ کی طرح ہوتا ہے)

پیشِ او نہ آسمان' نہ خیبر است　　ضربت او از مقام حیدر است[۲۳۳]

(اس کے سامنے بہت سے آسمان اور بہت سے خیبر ہیں اس کی ضرب کا انداز حیدری معیار کے مطابق ہوتا ہے)

قلبِ اُو را قوت از جذب و سلوک پیشِ سلطاں نعرہ او لا ملوک

(اس کے دل کو روحانیت کے ولولوں سے قوت حاصل ہوتی ہے۔ شہنشاہوں کے سامنے وہ ملوکیت کے خلاف نعرہ لگاتا ہے)

حکمتِ دیں دِلنوازی ہائے فقر قُوتِ دیں بے نیازی ہائے فقر(۲۳۴)

(دین کی حکمت تو فقر کی عنایات میں سے ہے، دین کی قوت فقر کی بے نیازیوں میں ہے)

فقرِ مومن چیست؟ تسخیرِ جہات بندہ از تاثیرِ اُو مولا صِفات(۲۳۵)

(مومن کا فقر کیا ہے؟ تمام اطراف کو مسخر کر لینا! ایسے فقر کے اثر سے بندہ صفاتِ الٰہیہ کا حامل ہو جاتا ہے)

ایک اور مقام پر علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

سکوں پرستی راہب سے فقر ہے بیزار فقیر کا ہے سفینہ ہمیشہ طوفانی

یہ فقر مرد مسلماں نے کھو دیا جب سے رہی نہ دولتِ سلمانی و سلیمانی(۲۳۶)

امتِ مسلمہ دیگر اقوام میں بے ہمتا اور منفرد اس وقت ہو سکتی ہے جب وہ اپنا رشتہ ذاتِ بے ہمتا سے قائم کر لے۔ جس کا اللہ والی ہو دنیا و آخرت میں اس کی عظمت کا کون شریک ہو سکتا ہے۔ بحر و بر کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت اس کی اطاعت سے منہ نہیں موڑ سکتی کیونکہ وہ خدائے عزوجل کا بندہ ہے اس کا ''لَا وَ اِلَّا'' باطل شکن اور محافظِ حقانیت ہے اور یہی خیر و شر اور معروف و منکر کا پیمانہ ہے۔ حکیم الامتؒ ارشاد فرماتے ہیں۔

مومنِ بالائے ہر بالا ترے غیرتِ اُو بر نہ تابد ہمسرے

(مومن ہر بالا سے بالاتر ہے اس کی غیرت کسی ہمسر کو برداشت نہیں کر سکتی)

مومن مجرد قوتوں کا پرستار نہیں بلکہ وہ جلال و جمال کا امتزاج ہے۔ مومن گرمی و خنکی، سختی و نرمی اور غفاری و قہاری کا مجسمہ ہوتا ہے، اگر صرف جلالی و قہاری کا مجموعہ ہوتا تو خیر و برکت کی بجائے تباہی و بربادی کا پیامبر ثابت ہوتا۔ مسجدِ قرطبہ کی عظمت کو دیکھ کر علامہؒ نے فرمایا:۔

تجھ سے ہوا آشکار بندہ مؤمن کا راز اس کے دنوں کی تپش، اس کی شبوں کا گداز

اس کا مقام بلند، اس کا خیال عظیم اس کا سرور، اس کا شوق، اس کا نیاز، اس کا ناز

اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل اس کی ادا دلفریب، اس کی نگاہ دل نواز

نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز(۲۳۷)

امتحانِ خویش کن موجود باش

اوپر سرخی میں دی گئی عبارت علامہؒ کے شعر کا ایک مصرع ہے۔ علامہؒ کے اس مصرع سے مراد یہ ہے کہ

اپنے آپ کا امتحان کرتے رہو اور اپنے اصلی مقام یعنی درجہ نیابت پر قائم ہونے کا ثبوت حاصل کرو۔ علامہ اقبالؒ نے حضرت مجددالف ثانیؒ کے افکار کو مولانا رومؒ کی زبان میں ایک عابد کیلئے اپنے حال کی کیفیت کو معلوم کرنے کی غرض سے چند طریقے درج ذیل اشعار میں بیان کئے ہیں۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ایک عابد ریاضتوں کے ساتھ مشاہدہ حاصل کرتا ہے اور ایک مشاہدے کے بعد دوسرے میں قدم رکھتا ہے۔ اس کی حیثیت ایک تماشائی کی سی نہیں بلکہ ایک ناقد اور مُبصر کی ہے۔ وہ اپنے دائرۂ تحقیق کے پیشِ نظر جن طریقوں سے کام لیتا ہے ان کے اصول وقواعد کے مطابق محسوسات و مدرکات کی چھان بین کرتا ہے اور ہر عنصر کو خواہ عضویاتی ہو یا نفسیاتی مگر جس کی نوعیت داخلی ہو ان میں شامل نہیں ہونے دیتا کیونکہ وہ اس کی حقیقت تک پہنچتا ہے جس کی حیثیت ابھی معروضی ہے۔ اس تجربے اور ارادے کی طاقت سے زندگی کا ایک نیا عمل اس پر منکشف ہوتا ہے جو اصلی اور ابداعی ہوتا ہے۔ پھر خودی کا ایک ازلی راز ہے کہ جب سالک پر اس حقیقت کا انکشاف ہو تو وہ اسے ماننے میں مطلق تامل نہیں کرتا کیونکہ وہی اس کی ہستی کی حقیقی اساس ہے۔ یہاں اگر کوئی خطرہ ہے تو یہ کہ سالک اس انہماک اور استغراق میں اپنی تلاش اور جستجو کا عمل ترک نہ کردے۔ خودی کا نصب العین یہ نہیں کہ کچھ دیکھے بلکہ یہ کہ کچھ بن جائے اور اس کوشش میں اپنا گہرا ادراک پیدا کرے اور ''انا الموجود'' کہہ سکے یعنی وہ اپنے وجود کی اساس کو پالے اس کے بعد پھر کہیں جا کر اس پر اپنی حقیقت کا انکشاف ہوگا۔

علامہؒ نے فرمایا کہ اس عملِ ترقی میں عابد کو چاہیے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے روزِ الست تمام ارواح کو جمع کر کے اپنی الوہیت کیلئے شہادت طلب کی اور پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو اسی طرح عابد بھی اپنے اوپر تین شہادتیں طلب کرے۔ پہلی شہادت تو اپنی ذات سے لے اور خود کو پوچھے کہ ''مَنْ اَنَا'' میں کون ہوں؟ پھر دوسروں کی نگاہوں سے دیکھے کہ میں ان کی نظر میں کیا ہوں اور پھر اللہ سے شہادت طلب کرے کہ میں اللہ کی نگاہ میں کیا ہوں؟ اس سے اس کو اپنا عرفان پیدا ہوگا اور معلوم ہوگا کہ میں کن صفات کے ساتھ موجود ہوں اور پھر اگر کوئی نقص نظر آئے تو اس کی اصلاح کرے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سالک کی عبادت کا درجہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنی خودی کے مقام کی پہچان کرتا رہے۔ ؎

زندگی خود را بہ خویش آراستن ۔۔۔ بر وجودِ خود شہادتِ خواستن

(زندگی اپنے آپ کو اپنی نظر میں آراستہ کرنا ہے' اور اپنے وجود پر شہادت طلب کرنا ہے)

انجمن روزِ الست آراستند ۔۔۔ بر وجودِ خود شہادت خواستند

(حق تعالیٰ نے بھی روزِ الست ایک محفل سجائی' اور اپنے وجود پر شہادت چاہی)

زندۂ یا مردہ یا جاں بلب ۔۔۔ از سہ شاہد کن شہادت را طلب

(تو زندہ ہے یا مردہ ہے یا جاں بہ لب ہے' تین شاہدوں سے شہادت طلب کر)

شاہد اول شعورِ خویشتن ۔۔۔ خویش را دیدن بہ نورِ خویشتن

(شاہد اول تیرا اپنا شعور ہے' اس میں اپنے آپ کو اپنے نور سے دیکھنا ہے)

شاہدِ ثانی شعورِ دیگرے خویش را دیدن بہ نورِ دیگرے

(دوسرا شاہد دوسروں کا شعور ہے یعنی اپنے آپ کو دوسروں کے نور سے دیکھنا)

شاہدِ ثالث شعورِ ذاتِ حق خویش را دیدن بہ نورِ ذاتِ حق

(تیسرا شاہد حق تعالیٰ کا شعور ہے یعنی اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے نور سے دیکھنا)

پیش ایں نور ار بمانی استوار حیّ و قائم چوں خدا خود را شمار

(اگر تو اللہ کے نور کے سامنے قیومیت (ثابت قدمی) اختیار کرے تو خود کو اللہ کی طرح حیّ و قیوم سمجھ)

بر مقامِ خود رسیدن زندگی است ذات را بے پردہ دیدن زندگی است[۲۳۸]

(اپنے مقام پر پہنچنا زندگی ہے ذات (باری تعالیٰ یا خود) کو بے پردہ دیکھنا ہی زندگی ہے)

تابِ خود را بر فزودن خوشتر است پیش خورشید آزمودن خوشتر است

(ذرے کیلئے اپنی چمک میں اضافہ کرنا بہتر ہے اور روشن سورج کے سامنے خود کو آزمانا بہتر ہے)

پیکر فرسودہ را دیگر تراش امتحان خویش کن موجود باش[۲۳۹]

(اپنے فرسودہ پیکر کی نئے سرے سے تعمیر کرو اپنا امتحان کرتے رہو اور خود کو موجود ثابت کرو)

انسان کا پیکرِ خاکی ہی حجاب ہے

علامہؒ کے مطابق خودی کی صلاحیتوں کو اُجاگر کرتے رہنا ''سیر انفس'' ہے اور یہ سیر ہر شخص کی خودی کی عظمت کے مطابق ہوتی ہے اگر نفس کی کدورتوں اور کثافتوں میں پھنس جائے تو اس کا اپنا پیکر خاکی حجاب بن جاتا ہے اور نورِ حق دیکھنے سمجھنے اور اس کو پالینے کو ناممکن بنا دیتا ہے۔

خودی را پیکرے خاکی حجاب است طلوعِ او مثالِ آفتاب است

(خودی کیلئے انسان کا خاکی جسم حجاب ہے یہ بدن کے اندر سے اس طرح طلوع ہوتی ہے جیسے سورج)

تو می گوئی مرا از ''من'' خبر کن چہ معنی دارد اندر خود سفر کن

(تم یہ پوچھتے ہو کہ تمہے خود سے آگاہ کرو اور یہ کہ اپنے اندر سفر کرنے کے کیا معنی ہیں)

ترا گفتم کہ ربطِ جان و تن چیست سفر در خود کن و بنگر کہ من چیست

(میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ربط جان اور تن کیا ہے اپنے اندر سفر کرو اور دیکھو کہ میں کیا ہوں)

سفر در خویش؟ زادن بے اب و مام ثریا را گرفتن از لبِ بام[۲۴۰]

(اپنے اندر سفر کرنا ایسے ہی ہے جیسے بغیر ماں باپ کے پیدا ہونا یا چھت پر کھڑے ہو کر ستارے کو تھام لینا)

ابد بردن بہ یک دم اضطرابے تماشا بے شعاعِ آفتابے

(یہ ایک لمحہ کے اضطراب سے ابد کو پالینا ہے یہ سورج کی روشنی کے بغیر (اپنی روشنی سے) نظارہ کرنا ہے)

ستردن نقش ہر امیدد بیمے زدن چاکے بہ دریا چوں کلیمے[۲۴۱]

(یہ ہر امید و خوف کا نقش مٹا دینا اور موسیٰ علیہ السلام کی طرح دریا میں شگاف ڈالنا ہے)

چناں باز آمدن از لامکانش دزونِ سینہ او' در کفِ جہانش

(یہ اللہ تعالیٰ کے لامکاں سے اس طرح واپس آنا ہے کہ سینے میں وہ ہو اور اس کا جہان مٹھی میں ہو)

چراغے درمیان سینہ تست چہ نورِ است ایں؟ کہ در آئینہ تست[۲۴۲]

(ترے سینے میں خودی کا چراغ ہے' یہ عجیب نور ہے جو ترے قلب کے آئینے میں ہے)

مشو غافل کہ تو اُورا امینی چہ نادانی کہ سوئے خود نہ بینی

(غافل نہ ہو تو اس نورِ خودی کا امین ہے' یہ کیسی نادانی ہے کہ تو خود اپنی طرف نہیں دیکھتا)

علامہؒ فرماتے ہیں کہ زندگی کا کمال ہی دیدارِ ذات ہے۔ بندہ مومن کو چاہیے کہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرے بلکہ خدا کے بندے کی طرف دیکھنے کا مشاہدہ بھی حاصل کرے۔

تب و تابِ محبت رافنا نیست یقین و دید را نیز انتہا نیست

(جس طرح عشق کی تب و تاب کو فنا نہیں اسی طرح یقین اور نظارہ جمال کی بھی انتہا نہیں)

کمالِ زندگی دیدارِ ذات است طریقش رُستن از بندِ جہات است

(کمالِ زندگی یہ ہے کہ دیدارِ ذاتِ باری تعالیٰ نصیب ہو' اور اس کا طریقہ مکان کی حدود (توڑ کران) سے باہر نکلنا ہے)

چناں با ذاتِ حق خلوت گزینی ترا او بیند و اورا تو بینی

(ذاتِ حق سے اس طرح خلوت حاصل کرو کہ تجھے وہ دیکھے اور تو انہیں دیکھے)

منور شو زنور من یرانی مژه برہم مزن تو خود نمانی

(اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے منور کر جنہوں نے مَنْ یَّرَانِیْ فرمایا' ان کی طرف سے نظر نہ ہٹا ورنہ تو ختم ہو جائے گا)

بخود محکم گذر اندر حضورش مشو ناپید اندر بحرِ نورش[۲۴۳]

(اپنے آپ کو اللہ کے حضور میں اس قدر راسخ کرو کہ تم اس کے نور کے سمندر میں گم نہ ہو جاؤ)

عبادت آدمیت کی تربیت کرتی ہے

بنی نوعِ انسان کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے افضلیت اس لئے عطا فرمائی کہ وہ خواہشاتِ نفس کے سامنے گردن نہ جھکائے اگرچہ وہ فطرتاً نفسانی خواہشات اور غلبہ نفس کی وجہ سے مغلوب کیا جا سکتا ہے۔ نفسانی خواہشات کے اس غلبہ کو روکنا ہی اصل عبادت ہے۔ جس نے اپنی نفسانی خواہشات کو جھوٹا سمجھا اور

اطاعتِ الٰہی میں لگ گیا تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کو بہت عظیم سمجھا۔ جس نے خود کو بندہ تصور کیا اس نے خدا کو خدا تصور کیا۔ معلوم ہوا کہ نفسانی خواہشات کا مقابلہ کرنے میں ہی تزکیۂ نفس ہے۔ انسان کے تزکیۂ نفس کا اندازہ محض اس کی شکل وصورت بول چال، کردار یا علم وعرفان سے نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ایک شخص بیک وقت عالم وفاضل، واعظ خوش گفتار، صاحب کمال وفن ہوسکتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اندر سے کردار کے اعتبار سے ایک تاریک غار بھی ثابت ہوسکتا ہے۔ عبداللہ بن اُبیّ کی مثال قرآن پاک نے یوں دی ہے کہ اس کی تقریر اور کمالِ گفتار اس طرح حیران کن تھی کہ لوگ سُن کر ششدرہ جاتے تھے مگر اسی قرآن میں اس کی منافقت کی وجہ سے اس کو گھُن کھائی ہوئی بیکار لکڑی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے مغرب کے جمہوری نظام کی قباحت کو سمجھانے کیلئے فرمایا۔ "چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر" علامہ اقبالؒ انسانی صفات کے متعلق فرماتے ہیں۔

علم وحکمت اگر ش خوئے سگی باز دہد　　　آدمی زادۂ دانا' زدواں خوار تراست

(کسی کا علم وحکمت اگر کتوں کی سی عادت پیدا کرے' تو ایک دانا آدمی درندوں سے بھی بدتر ہے)

ابوسعید ابوالخیرؒ کے ساتھ بوعلی سینا کی ملاقات ہوئی تو ان کے جانے کے بعد ان سے پوچھا گیا کہ بوعلی سینا کیسے شخص ہیں۔ انہوں نے آپ کی تعریف فرمائی لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ وہ مکارمِ اخلاق کا مالک نہیں۔ جب بُوعلی سینا کو معلوم ہوا تو انہوں نے شیخ ابوالخیرؒ کو لکھا کہ میں نے مکارم اخلاق پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں مگر آپ فرماتے ہیں کہ میں مکارم اخلاق کا مالک نہیں۔ حضرت ابوالخیرؒ نے فرمایا کہ میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ مکارم اخلاق نداند (جانتا نہیں) بلکہ یہ کہا تھا کہ اخلاق نہ دارد (مکارم خلاق کا مالک نہیں) گویا فلاح کا راستہ جاننے سے نہیں بلکہ عمل سے ہے۔ اولیاء کرام فرماتے ہیں کہ جو علم دل میں ہو وہ جزوِ جان بن سکتا ہے اور عمل کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور لسانی علم کو یہ استعداد حاصل نہیں۔ جس نے علم پر عمل نہیں کیا اس کو روزِ حشر اس کی سزا ملے گی۔

جس نے عبادت کے صحیح ہونے کا علم حاصل نہ کیا یا حاصل تو کیا مگر اس پر عمل نہ کیا تو ایسی عبادت اس کے منہ پر ماری جائے گی۔ دنیاوی خواہشات انسان کو اپنی طرف کھینچ رہی ہیں اور انسان ان دنیاوی خواہشات کے پیچھے بھاگا جارہا ہے اور دین اسلام کے احکام کو اپنے پیچھے چھوڑے جارہا ہے' جیسے غالب نے کہا ہے کہ ہمارا رُخ کلیسا کی طرف ہے۔

ایمان مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر　　　کعبہ میرے پیچھے ہے کلیسا میرے آگے

حقِّ عبادت کا ادا ہونا ظاہر اور باطن کی تربیت میں ہے

انسان خود کو ظاہری کمالات سے کتنا ہی دلفریب کیوں نہ بنالے لیکن جب تک اس کا باطن تن پروری اور عیاشی پر کمر بستہ ہے وہ مردِ مومن ہونے سے عاری ہے کیونکہ جس کا کوئی اصول' نظریہ یا کوئی دین نہ ہو تو

ایسی منتشر شخصیت میں ضبط، تربیتِ عمل اور قاعدہ کہاں اور کب متصور ہوسکتا ہے۔ وہ تو ابھی بھی حیوانی صفت پر قائم ہے "Human Destiny" نامی ایک کتاب میں ہے کہ انسان کو ایسی صفات سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے جو درندہ جانوروں کیلئے عام ہیں اور اگر کوئی انسان ایسا کرنا چاہے تو اسے اپنی روح کی اپنے بدن پر مکمل حاکمیت حاصل کرنا ہوگی۔ دراصل تعلیم کچھ اور شے ہے اور تربیت کچھ اور شے ہے۔ علامہؒ نے فرمایا۔

علم را بے سوزِ دل خوانی شر است　　نورِ او تاریکی بحر و بر است[۲۴۴]

(علم بغیر سوزِ دل کے حاصل کرنا ایک شر ہے، اس کا نور بحر و بر کی تاریکی کی طرح ہے)

عالمی سیاست بھی اس شر سے خالی نہیں۔ لوگ بڑے بڑے اداروں میں اپنے شعبوں سے متعلق علمی، ذہنی، فکری اور نظری کمالات رکھتے ہوئے بھی اپنی دانش کا کمال اس میں سمجھتے ہیں کہ وہ کتنی صفائی کے ساتھ دوسرے ملکوں کو دھوکا دے سکتے ہیں۔ اپنے ملک کو کن کن ہتھکنڈوں سے ترقی دلا سکتے ہیں بنی نوع انسان کا خون بہاتے ہوئے بھی اپنا مفاد کس طرح حاصل کر سکتے ہیں اور ان تمام برائیوں کے ہوتے ہوئے بھی خود کو امن و امان کے پیغمبر تصور کرتے ہیں۔ اس قسم کے احوال ملکوں کے اندرونی محکمہ جات کے افراد میں بھی دیکھنے میں آتے ہیں کہ وہ اپنے نظریات کو حاصل کرنے کیلئے بہت ذہانت اور ہوشیاری سے اپنے حریف کو مات دیتے ہیں علامہؒ نے فرمایا ہے۔

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے　　حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات

رعنائی تعمیر میں، رونق میں، صفا میں　　گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے　　سود ایک کا لاکھوں کیلئے مرگِ مفاجات

یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت　　پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس　　کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات؟[۲۴۵]

ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت، علم و ہنر اور دیگر کمالاتِ انسانی اس وقت تک انسانوں کی اور خود ہر انسان کی فلاح و بہبود کیلئے فائدہ مند نہیں جب تک وحی الٰہی کی روشنی میں انسان اپنا راستہ استوار نہ کرے۔ جو علم و عبادت اس رنگ دوئی کو ختم نہ کر سکے تو ایسی عبادت ننگِ دین سے زیادہ درجہ نہیں رکھتی۔ عبادت اسی وقت اپنے مقاصد حل کر سکتی ہے جب ظاہر و باطن دونوں اس سے متاثر ہوتے ہوں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ کوئی عبادت تو کرتا ہو مگر اپنی گفتار، کردار، تجارت اور لین دین میں دروغ گوئی، چور بازاری اور دیگر برائیوں میں ملوث ہو۔ ایسے شخص نے عبادت کا حق ادا نہیں کیا۔ اسلام میں اخلاص کو اختیار کرنے اور ریا کاری سے بچنے پر زور دیا گیا ہے۔ قرآن نے ظاہر اور باطن دونوں پر نظر رکھنے کی ہدایت کی ہے "وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ" (انعام: ۱۲۰) (اور ترک کردو ظاہری گناہ اور چھپے ہوئے کو)۔

گناہ خواہ اعضاء انسانی سے ہوں یا دل سے خواہ کسی کو ان کا علم ہو یا نہ ہو خواہ تنہائی میں چھپ کر کیے

جائیں یا مجمع میں، سب معیوب ہیں اور سوسائٹی کے حقوق کو پامال کرتے ہیں۔ پاک معاشرہ اسی وقت معرضِ وجود میں آسکتا ہے جب افراد کی جلوت اور خلوت یکساں طور پر پاکیزہ ہو۔ زمانۂ جہالت میں چھپ کر زنا کرنے کو حلال سمجھتے تھے اور اس تفریق کو اہلِ یورپ نے بھی قانونی حیثیت دے رکھی ہے۔ یہی وجہ ہے ایسی قوموں کے باطن کو چنگیز سے بھی تاریک تر کہا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں ایک مقدمہ کی سماعت ہو رہی تھی کہ آپ نے ایک گواہ سے سوال کیا کہ تم اپنا ایسا ضامن پیش کرو جو تمہارے صفائے کردار کو جانتا ہو۔ اس پر ایک شخص اٹھا اور کہنے لگا کہ میں اس کو جانتا ہوں کہ یہ نیک آدمی ہے۔ آپ نے پوچھا کہ تم کس طرح جانتے ہو؟ اس نے کہا کہ یہ ہمارے ساتھ مسجد میں نماز پڑھتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم نے اس کے ساتھ کبھی لین دین یا معاملات میں اس کا معائنہ کیا ہے، اس نے نفی میں جواب دیا۔ آپ نے اس کی شہادت کو قبول نہ کیا اور کہا کہ تم اس کی ایک بات کو جانتے ہو۔ معلوم ہوا کہ جب تک کسی کے معاملات کے احوال معلوم نہ ہوں تو کسی کے نیک ہونے کا علم نہیں ہو سکتا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ جب تک انسان کے معاملات درست نہ ہوں اس کی عبادت قابلِ تسلیم نہیں۔ ہمیں یہ جان کر دکھ ہوتا ہے کہ کوئی نمازی اور دیندار ہوتے ہوئے بھی بے ایمانی اور دروغ گوئی سے کام لے۔ علامہ اقبالؒ نے اسی لئے فرمایا ہے کہ سوائے اولیائے کرام، باقی تمام لوگ اپنی نفسانی خواہشات کی پوجا میں گرفتار ہیں ؎

دل ہے مسلمان میرا نہ تیرا   تو بھی نمازی میں بھی نمازی[۲۴۶]

وجود انہیں کا طوافِ بتاں سے ہے آزاد   یہ تیرے مومن و کافر تمام زناری[۲۴۷]

آدمیت کی تربیت عبادت سے ہی ممکن ہے بشرطیکہ عبادت کو مطلوبہ درجہ حاصل ہو۔

مخلوق کی عبادات کے درجے

نفس کے اعتبار سے سالکین کے درجات کا ذکر اس مضمون سے کچھ پہلے گزر چکا ہے۔ نیتوں کے اعتبار سے نمازیوں کی قسموں کا بیان بھی حقیقتِ نماز کے باب میں واضح کیا جا چکا ہے۔ اب مخلوقات کے درجے کے مطابق عبادت کا بیان ملاحظہ فرمائیں۔

عبادت مخلوقات کے درجے کے مطابق ہوتی ہے: انسان چونکہ مخلوقاتی اور ربانی نمونوں کا مظہر ہے اس میں مخلوقی اور الٰہیاتی شانیں رکھی گئی ہیں۔ ان ہی دو شانوں کے مطابق اسے دو فریضے سونپ دیئے گئے ہیں۔

مخلوقی شان: مخلوقی شان کے مطابق اس کو فریضۂ عبادت عطا کیا گیا کہ وہ خدا کے آگے جھکے، گریہ وزاری کرے تا کہ اس میں عجز و نیاز پیدا ہو، اس کو عبادت کہتے ہیں۔

الٰہیاتی شان: الٰہیاتی شان کے مطابق اس کو کہا گیا کہ تم میرا کام کرو مثلاً مخلوق کو رزق کھلاؤ، ان پر رحم کرو، توجہ، التفات اور کرم کرو، ان کی تربیت کرو، ان کے نفسیاتی نقائص دور کرو ان کو طہارت، پاکیزگی، تزکیہ اور

آدابِ بندگی سکھاؤ اور ایک ایسا مکمل نظامِ دنیا میں قائم کرو جو منشاءِ الٰہی کے مطابق ہو۔ یہ وہ کام ہے جسے خلافت یا نیابت بھی کہتے ہیں' یعنی وہ مخلوق میں انسانِ کامل کا نمونہ ہونے کی حیثیت سے فریضۂ عبادت ادا کرتا ہے۔ نمونۂ الٰہیت ہونے کی حیثیت سے اس کا فریضہ خلافت ہے چونکہ مخلوقیت میں انسان کو کمال حاصل ہے تو اس کی عبادت کا بھی درجۂ کمال پر ہونا بھی لازم ہے۔ الٰہیت کے نمونوں کے کمال کی وجہ سے اسے مسجودِ ملائک بنایا اور اپنی خلافت اور نیابت عطا فرمائی اور مخلوقیت میں کمال کی وجہ سے اسے وہ عبادت عطا کی گئی جو کسی کو نہ دی گئی تھی۔ اس عبادت کا بیان اس باب میں کر دیا گیا ہے۔ تمام عبادات میں سب سے اعلیٰ درجہ نماز کو عطا فرمایا۔ انسان کو وہ بارِ امانت عطا فرمایا جس کا بوجھ اٹھانے کیلئے ہر چیز نے انکار کر دیا تھا اور اس امانت کا ذکر سورۂ احزاب کے آخری رکوع میں فرمایا جس کی تشریح وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کے ضمن میں ''ظَلُوْمًا جَهُوْلًا'' کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کر دی گئی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ (ظلم سے مراد ظلمتِ عدمی اور جہل سے مراد جہل از غیرُ اللہ ہے) اس کی مختصر تشریح نیچے بھی بیان کی جا رہی ہے۔

امانت سے مراد کیا ہے؟

آیت مذکورہ کی تشریح میں علامہ پانی پتیؒ نے بھی بہت خوب لکھا ہے کہ اس امانت سے مراد عبادات یا احکامِ شرعیہ نہیں کیونکہ عبادت کرنے پر تو فرشتے بھی مامور ہیں تو انسان کی فضلیت اس میں کیا ہوئی؟ صوفیاء نے امانت کی تشریح نورِ عقل اور نارِ عشق سے کی ہے کیونکہ نورِ عقل سے استدلال کیا جاتا ہے اور پھر اس استدلال سے خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے لیکن عشق کی آگ حجابات کو جلا کر بندے کو معرفتِ الٰہی کی ارتقاء تک پہنچاتی ہے۔ اس کے بعد علامہ موصوف نے لکھا ہے کہ حضرت مجددؒ کے ارشادات سے جو نتیجہ میں نے اخذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ امانت سے مراد وہ استعداد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ماہیتِ انسانی میں رکھی ہے کہ وہ تجلیاتِ ذاتِ الٰہی کو قبول کرتی ہے حالانکہ جن اور ملائکہ عبادات کے بعد تجلیاتِ ذاتی کی اہلیت نہیں رکھتے، اس عبادت سے ہی مسلمان غرور سے سرور یعنی سکون اور خوشی کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ آج مسلمان اگر تقدیر کو روتا ہے تو یہ اس کی غفلت کا باعث ہے کیونکہ اگر اس کے درد کے علاج کی دوا تجویز کر دی جائے اور وہ اس کے استعمال کرنے کی طرف معمولی سی توجہ بھی نہ کرے تو اسے اپنے سوا اور کسی کو کوسنا نہیں چاہیے۔ کفار اور بے دین لوگوں کے پاس روپیہ پیسہ ہونا اور عیش وعشرت کی زندگی گزارنا مقصودِ حیات نہیں۔ یہ دنیا تو کفار کی طرف مردار کی طرح پھینکی گئی ہے اور یہ عیاشی کی زندگی گناہ اور معاصی کی زندگی ہے۔ اصل زندگی وہ ہے جو ایک مسلمان کیلئے خدا نے پسند کی ہے، جس میں اطمینان، سکون اور عبادت کے چین کے علاوہ آخرت کی نجات ہے۔ مسلمان اگر مسلمان ہے تو اس کے پاس مال و دولت، دنیا بھی ہے اور چین و سکون اور عزت و قوت کے علاوہ خدا کی خوشنودی بھی ہے۔ اس سلسلے میں ''نمازی کیلئے خصوصی

اعزاز'' کا بیان جو گزر چکا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

اگر قرآن کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مسلمان کی عبادت اس کیلئے ایک بہت بڑا ہتھیار ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی قرآن میں موجود ہے کہ اے مسلمانو! اگر تم میرے احکامات کی پابندی کرلو تو تمام کائنات تمہارے لئے مسخر کردی جائے گی۔

وہ جن کی عبادت پر اللہ کو پیار آتا ہے

منقول ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے پاس ایک شخص بیعت کی نیت سے حاضر ہوا لیکن وہاں جب شاہانہ ٹھاٹھ دیکھے تو بدظن ہو کر واپس جانے لگا۔ آپ نے اس کو کہا کہ تم نے دن تو یہاں گزارا ہے ایک رات بھی ہمارے ساتھ بسر کرلو۔ آپ کے حکم کے مطابق اس شخص کا بستر حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے حجرے میں لگا دیا گیا اور آپ عشاء کی نماز کی ادائیگی کے بعد سو گئے لیکن وہ شخص عبادت کرتا رہا اور دل میں کہنے لگا کہ حضرت سے زیادہ عبادت گزار تو میں خود ہوں۔ جو وہ سو گیا تو حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے اپنی تہجد کی نماز اور دیگر معمولات ادا فرمائے۔ اسی دوران اس نے خواب میں دیکھا کہ اس کو اس کی عبادت کی روشنی دکھائی جا رہی ہے جو ایک ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی مانند تھی اور اس کے ساتھ ہی حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی عبادت کی روشنی نمودار ہوئی جو ایک نور کے ستون کی طرح زمین سے عرشِ معلیٰ تک جاتی ہوئی نظر آرہی تھی اور ہزاروں لاکھوں فرشتے اس نور پر قربان ہو رہے تھے۔ یہ منظر دیکھنے کے بعد وہ اپنے خیال سے تائب ہوا اور صبح حضرت کو اپنا خواب سنایا اور جب اس نے دونوں عبادات میں اس قدر فرق ہونے کی وجہ معلوم کی تو حضرت نے فرمایا جو چھوٹا بچہ ہو ماں کو اس کے سوتے میں بھی پیار آتا ہے یعنی جب بندہ اپنا ارادہ ختم کر کے رب کے ارادہ میں گم ہو جائے تو وہ معصوم بچے کی طرح ہوتا ہے کیونکہ معصوم بچے کا اپنا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔ وہ اپنی ماں کے ارادے سے چلتا ہے اسی کے ارادے سے سوتا ہے غرضیکہ اس کا ہر فعل ماں کے ارادے سے ہوتا ہے۔ اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ بچہ اپنے ارادے سے فنا ہوتا ہے اور ماں کے ارادے سے باقی ہوتا ہے، اسی لئے وہ اپنی ماں کا پیارا بن جاتا ہے۔ اگر کسی بات پر ناراض ہو کر ماں اسے مارتی ہے تو پھر بھی وہ ماں کی ٹانگوں سے چمٹ جاتا ہے چنانچہ اگر بندہ بھی اسی طرح رب تعالیٰ کے ساتھ تعلق استوار کر لے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اس بندے کو اپنی بندگی کے مقام پر فائز کر دیتا ہے۔

انسان کی ہر عبادت کا مقصود رب کے ارادے میں فنا ہو جانا ہے، اسی حالت میں بندے کا اپنا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ جس طرح غلام کی ہر چیز اور ہر فعل مالک کی رضا کیلئے ہوتا ہے اسی طرح مسلمان کا ہر فعل اللہ کیلئے ہونا ضروری ہے اور عبادت کا تصور بھی اسی اصول پر مبنی ہوتا ہے۔ بخاری شریف میں ایک حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر ایک شخص کوئی گھوڑا خریدے اور اس کو پالے اس نیت سے کہ میں اس کو جہاد

میں استعمال کروں گا تو اس گھوڑے کی لید اور غلاظت کو پھاوڑے سے صاف کرنا بھی اللہ کی عبادت ہے۔ اس طرح اگر کوئی اور کام بھی اللہ کیلئے کیا جائے تو وہ بھی عبادت ہوگی۔

مربوب اور محبوب کی عبادات میں فرق

حقیقت یہ ہے کہ خود کو تو ہر کوئی عبد کہتا ہے اور اِیَّاكَ نَعْبُدُ بھی ہر کوئی کہتا ہے مگر حقیقت عبدیت بہت کم لوگوں کو ہی میسر آتی ہے۔ ''عبد'' دو قسم پر ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک مربوب (پالا ہوا یا غلام) ہے جس کی پرورش اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے اور مربوب ہر کوئی ہوتا ہے۔ ایسا شخص اپنی حقِ مربوبیت ادا کرتا ہے (یعنی اللہ کے حقوق ادا کرتا ہے)۔ عبد کی دوسری قسم ''محبوب'' کہلاتی ہے، یہ وہ بندہ ہوتا ہے جو فقط اللہ کیلئے ہی ہو جاتا ہے یعنی جس کا ہر کام اللہ کیلئے ہو جائے۔ اُن محبوب بندوں میں بھی فرق ہوتا ہے، بعض وہ ہیں جن کو اعمال کا اجر ملتا ہے اور بعض وہ ہیں جن کو اعمال کا اجر نہیں بلکہ انعام ملتا ہے۔ قُرب والوں کو اجر نہیں بلکہ قُرب ملتا ہے جس طرح جادوگروں نے فرعون سے پوچھا اگر ہم موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے تو ہمارے لئے کوئی اجر ہوگا اس پر فرعون نے کہا ''قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ'' (الاعراف: ۱۱۴) (اس نے کہا (ہاں) اگر تم غالب آ گئے تم ہماری بارگاہ میں مُقرب ہو جاؤ گے)۔ فرعون کا یہ قرب عام اجرت کی طرح نہیں تھا بلکہ تمام اجرتوں سے بلند تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کیلئے عبادت کرتے ہیں تو انہیں اجر ملتا ہے اور جو لِوَجْهِ اللهِ (اللہ کی رضا کیلئے) عبادت کرتے ہیں تو ان کو اجر نہیں ملتا بلکہ خدا ملتا ہے اور اس کا قُرب ملتا ہے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے ایک روایت بیان فرمائی ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک عابد نے ستر (۷۰) سال عبادت کی مگر اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے نبی علیہ السلام سے کہلوایا کہ تیری عبادت ہم نے قبول نہیں کی۔ جب اس عابد کو یا بتایا گیا تو وہ وجد میں آ کر رقص کرنے لگا اور کہنے لگا کہ مجھے خوشی ہے کہ میری عبادت اللہ تعالیٰ کے شمار میں تو ہے اور یہ بھی خوشی کا مقام ہے کہ اس نے مجھے پیغام تو بھیجا اور میں اس کی یادوں میں تو ہوں، پس مجھے یہ جو کچھ مل گیا ہے بہت ہے۔ بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے لیلیٰ کی مثال کو بھی نقل کیا ہے کہ اپنی صحت یابی پر اس نے سب کو خیرات دی، مجنوں کو جب معلوم ہوا تو وہ بھی اپنا کاسہ لے کر آیا، مگر جب مجنوں کی باری آئی تو لیلیٰ نے اپنا ہاتھ مار کر اس کا کاسہ توڑ دیا، مجنوں نے مُسرت کا اظہار کیا، وہ کاسے کے ٹکڑے اٹھا کر خوشی خوشی رقص کرنے لگ گیا۔ لوگوں نے مجنوں سے پوچھا کہ اس میں خوشی کا کیا مقام ہے تو اس نے کہا کہ لیلیٰ نے سوائے میرے کسی کا پیالہ نہیں توڑا ہے اور میں خوش ہوں کہ میرے ساتھ اس کی یہ ادا امتیازی حیثیت رکھتی ہے، ہماری تصنیف ''نشانِ منزل'' میں ''ابتلاء'' کا باب ملاحظہ فرمائیں۔

---

۱ صحیح بخاری، حدیث ۲۶۴۱، جلد ۹، صفحہ ۴۵۵۔

عبادات میں اِستغراق سے قربِ الٰہی ملتا ہے

مولانا رومؒ نے ایک مثال پیش کی ہے کہ ایک شخص بادشاہ کا مُقرّب تھا اور جب وہ بادشاہ کے پاس جاتا تو شہر کے لوگ اپنی حاجات ایک کاغذ پر لکھ دیتے، مگر جب وہ شخص بادشاہ کے حضور حاضر ہوتا تو وہ بادشاہ کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو جاتا۔ بادشاہ معشوقانہ انداز سے اس کے کپڑے ٹٹولتا اور وہ رقعے نکال کر سب کی حاجات پوری کر دینے کا حکم دیتا اور کوئی محروم نہ رہتا۔ اس کے برعکس جو بندے ہوش وحواس میں ہوتے وہ اپنے دوستوں کی حاجتیں بادشاہ کے سامنے پیش کرنے کی جرات نہ کر سکتے تھے اور جب وہ ان درخواستوں کو پیش بھی کر دیتے تو (۱۰۰) سو میں سے ایک کی درخواست منظور ہوتی۔ یہی مثال صاحبِ استغراق صوفی کی ہے کہ جب وہ اللہ کے قُرب کی تاب نہ لا کر مستغرق ہو جاتا ہے تو خدا اس کی طرف اسی طرح متوجہ ہوتا ہے جس طرح مولانا نے بیان کیا ہے۔

ملفوظاتِ رُومی میں ہے کہ نماز کے وقت باپ بھائی یا دوست کا احترام نہ کرنا اور بے التفاتی کرنا ہی مناسب ہے اس طرح نماز کے دوران کسی خیال کا نہ آنا یا کسی دوسرے کی طرف توجہ نہ کرنا استغراق کے حصول میں مددگار ہے۔ کسی نے مولانا رومؒ سے پوچھا کہ نماز کے علاوہ خداوند تعالیٰ سے قُرب کا کوئی اور قریب تر راستہ بھی ہے۔ فرمایا صرف نماز ہی ہے مگر نماز کا ظاہر تو صرف نماز کا قالب ہے کیونکہ اس میں نماز کا اول و آخر (یعنی تکبیر اور سلام ہے) اور جس کا اول و آخر ہو تو وہ قالب ہوتا ہے اور زبان سے کوئی حرف کہا جائے تو اس کا بھی اول و آخر ہے اور جو چیز بھی حرف اور صورت میں سما جائے تو اس کا بھی اول و آخر ہے، جان بے مثل اور بے مثال ہے۔ اس کا اول و آخر نہیں اس لئے نماز کا باطن جو روح سے متعلق ہے، بحرِ بے کراں کی طرح لامحدود وسعت کا حامل ہے۔ اِستغراق میں کوئی صورت اور حرف وغیرہ نہیں ہے اس لئے اس کا اول و آخر نہیں ہے اور اس کی وسعتوں میں حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی نہیں سماتے جیسے حدیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "لِیْ مَعَ اللهِ وَقْتٌ لَا يَسَعُنِیْ فِيْهِ مَلَكٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ" (میرے لئے ایک ایسا وقت آتا ہے جس میں میرے اور خدا کے درمیان کسی مُرسل اور فرشتہ مُقرب کی گنجائش نہیں ہوتی)۔[۱] بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابی سعید بن المعلی رضی اللہ عنہ کو بلایا جب وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز ختم کر کے جب وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو عرض کی اے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے مجھے یاد فرمایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں نے تجھے بلایا تھا تو اس وقت تم کیوں نہیں آئے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضور میں نماز پڑھ رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو کیا تم نے یہ حکم

۱۔ کشف الخفاء حدیث ۲۱۵۹، جلد ۲، صفحہ ۱۷۳۔

خدا نہیں سنا ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ''
(الانفال:۲۴) (اے ایمان والو لبیک کہو اللہ اور (اسکے) رسول ﷺ کی پکار پر، جب وہ رسول ﷺ بلائیں تمہیں اس لئے کہ تمہیں زندگی عطا فرماتے ہیں)۔[1]

فقہا کرام نے اسی سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہو اور حضور ﷺ اسے بلائیں تو وہ حاضر خدمت ہو جائے اس کی نماز نہیں ٹوٹے گی۔ تفسیر روح المعانی میں ہے ''اَجَابَۃُ الرَّسُوْلِ لَا تُقْطِعُ الصَّلٰوۃَ''[2] (رسول اللہ ﷺ کے حکم کے جواب میں آنے سے نماز نہیں ٹوٹتی) یہاں ایک نکتہ یہ بھی ثابت ہوا کہ چونکہ اس آیت میں اللہ اور رسول ﷺ کے بلاوے کی بات ہو رہی ہے تو دعا کی جگہ دعوا یعنی تثنیہ کا صیغہ استعمال ہونا چاہیے تھا کیونکہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ دو ہستیاں ہیں مگر یہاں واحد کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کی دعوتیں الگ الگ نہیں ہیں اس لئے واحد کا صیغہ درست بلکہ مناسب ہے۔ اس آیت سے یہ بات بھی اخذ کی جاتی ہے کہ جس طرح آپ ﷺ کے بلانے سے نماز نہیں ٹوٹتی تو نماز کے دوران آپ ﷺ کے خیال آجانے سے نماز کیسے ٹوٹ سکتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ جس نماز میں حضور ﷺ کا عشق نہ ہو تو اس کا قیام اور سجود بھی حجاب کے سوا اور کچھ نہیں ہے ؎

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام ۔۔۔ میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب[248]

تفسیر مظہری میں بھی فرمایا گیا ہے کہ یہ بلانا اور بلانے کے سبب نماز کا چھوڑ دینا دل کو زندہ کرتا ہے کیونکہ ہر بات میں نبی ﷺ کی اطاعت اور محبت دل کو زندہ کرتی ہے اور آپ ﷺ کی نافرمانی سے دل مُردہ ہو جاتا ہے۔ استغراق میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف مکمل لگاؤ ہوتا ہے البتہ اس لگاؤ میں دنیا و مافیہا سے دور ہونا مقصود ہے۔

منظورِ بارگاہ ہونے کا راز

جب موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کے ہم نے تمہیں برگزیدہ بنالیا ہے تو انہوں نے عرض کی کہ الٰہی آپ اپنے بندوں میں برگزیدہ کس کو بناتے ہیں تاکہ میں اس کام میں اور بھی زیادہ ترقی کروں اللہ تعالیٰ نے جو جواب دیا اسے مولانا رومؒ نے یوں لکھا ہے۔

گفت چو طفلے بہ پیشِ والدہ ۔۔۔ وقتِ قہرش دست ہم بروے زدہ[249]

(فرمایا جس طرح بچہ اپنی ماں کے سامنے اس کے غصہ ہونے کے وقت ماں سے چپٹ جاتا ہے)

از کسے یاری نہ خواہد غیرِ او ۔۔۔ اُوست جملہ شرِ او و خیرِ او[250]

(بچہ ماں کے علاوہ کسی سے دوستی نہیں رکھتا اور ماں کو ہی اپنے خیر و شر کا منتہا سمجھتا ہے)

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۴۱۱۴، جلد ۱۳، صفحہ ۳۸۶۔

[2] تفسیر روح المعانی، جلد ۹، صفحہ ۱۹۱۔

خاطرِ تو ہم زما در خیر و شر التفاتش نیست جا ہائے دگر (۲۵۱)

(تمہارا رویہ ہمارے ساتھ خیروشر میں ایسا ہی ہو اور تمہاری توجہ کسی دوسرے کی طرف نہ جائے)

ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی ایک بکری ریوڑ سے گم ہوگئی۔ آپ سارا دن پہاڑوں میں جا بجا تلاش کرتے رہے اور شام کے وقت جب وہ بکری مل گئی تو آپ علیہ السلام نے اسے بہت پیار کیا۔ گلے سے لگایا اور کہا کہ تم اتنی دیر کہاں رہی ہو؟ تمہاری ٹانگیں تھک گئی ہوں گی، کہتے ہیں کہ یہ کریمانہ اخلاق بھی آپ کی نبوت کا سبب بنا۔ امدادُ السّلوک میں ایک روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نبوت کیلئے اس لئے چنا کہ ایک دن وہ اپنا روئے نیاز خاک پر رکھے ہوئے عاجزی کا اظہار کر رہے تھے تو یہ عاجزی خدا کو پسند آئی چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کے ہاں اس پسندیدگی کا علم ہوا تو نبوت کے بعد وہ دن میں ستر بار عاجزی کا اظہار فرماتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی دن میں ستر بار استغفار فرماتے تھے جیسا کہ بخاری کی حدیث میں ہے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''وَاللّٰہِ إِنِّی لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَأَتُوبُ إِلَیْهِ فِی الْیَوْمِ أَکْثَرَ مِنْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً''[1] اولیائے کرام کا بھی خدا کے ساتھ ایسے سلوک کا ہونا دیکھنے میں آتا ہے۔

سوچو کہ اللہ کے اطاعت گزار ہو یا نفس کے پجاری؟

سورۃ الدھر (آیات ۱ سے ۳) میں فرمانِ الٰہی ہے کہ ''بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت گزرا ہے جبکہ وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا، بلا شبہ ہم نے انسان کو پیدا فرمایا ایک مخلوط نطفہ سے تاکہ ہم اس کو آزمائیں۔ اس غرض سے ہم نے اس کو سننے والا دیکھنے والا بنادیا ہم نے اسے دکھایا اپنا راستہ اب چاہے شکر گزار بنے چاہے احسان فراموش''۔ مفرداتِ امام راغب میں ہے کہ ''الدھر'' کا لفظ مدتِ عالم کو ظاہر کرتا ہے یعنی ابتداءِ آفرینش سے لے کر اس کے اختتام تک کے عرصے کو دہر کہتے ہیں۔[2] پیدا ہونے سے پہلے انسان بالکل معدوم (غیر موجود) تھا۔ ماں کے پیٹ میں بھی اس کا علم نہ تھا کہ یہ کیا اور کیسا ہوگا۔ پیدا ہوا تو کمزور سا بچہ تھا اور ایسا بے بس تھا کہ جو نہ چل پھر سکے اور نہ کھا پی سکے اس کے پہلے اور اب تک وہ کوئی خاص قابلِ ذکر نہ تھا۔ آج اگر وہ بادشاہ افسر، سپہ سالار یا تاجر بن گیا ہے تو اسے یہ نہیں چاہیے کہ وہ مغرور ہو کر اپنے خدا کو ہی بھلا دے کہ اس کو نماز و روزہ اور اللہ کے احکام کا کچھ احساس نہ رہے۔

سورۃ الدھر کی درج بالا آیات میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے انسان کو اتنی خوبیاں دیکر پیدا کیا کہ خود اس کو اپنی خوبیوں کا بھی علم نہیں۔ انسان کو ان خوبیوں سے آراستہ کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ہم اس کو آزمائیں (جیسا کہ سورۃ الملک: آیت ۲ ''الَّذِی خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاةَ لِیَبْلُوَکُمْ أَیُّکُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا'' کہ (وہ ہمارا

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۵۸۳۲، جلد ۱۹، صفحہ ۳۶۵۔

[2] مفردات فی غریب القرآن، جلد ۱، صفحہ ۱۷۳۔

شکرادا کرتا ہے یا نہیں)۔ یہ قوتیں جو سمع' بصر' عقل' ارادہ اور اختیار کی صورت میں اسے دی گئیں، اس لیے عطا کی گئی ہیں تا کہ وہ احکامِ شرعی کا بوجھ آٹھا سکے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جب ہم خدا کی عطا کردہ تمام قوتیں حاصل کر لیتے ہیں تو چھوٹے یا بڑے فرعون' نمرود' شداد اور ہامان بن جاتے ہیں اور اس تکبر کے ہوتے ہوئے بھی خود کو صحیح القسم انسان تصور کرتے ہیں۔ اپنے عیبوں پر ہماری نظر جاتی ہی نہیں یہ بات ظاہر ہے کسی ابوجہل یا فرعون نے بھی قطعی طور اپنے آپ کو برا خیال نہیں کیا۔

اپنی اصلیت کو نہ بھولو

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اتنی صلاحیتیں عطا کرنے کے بعد ہم نے پیغمبروں کے ذریعے ہدایت کے راستے دکھائے حق اور باطل کی پہچان بھی کروادی۔ اب ہم دیکھیں گے کہ کون نفس کا پجاری اور کون اللہ کا اطاعت گزار ہے۔ انسان کی اس حالت کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر انسان اپنی ہر ترقی کے موقع پر اپنی پہلی اوقات کو یاد رکھے تو تکبر پیدا ہی نہیں ہوگا۔ مگر حضرت انسان جب ذرا سی طاقت پالیتا ہے تو سب کچھ بھول جاتا ہے۔ محمود اور ایاز کا قصہ کون نہیں جانتا، ایاز کی وفاداری مشہور ہے جس کو مولانا رومؒ نے مثنوی میں تحریر کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایاز ایک معمولی گڈریا تھے جو رفتہ رفتہ محمود کے منظورِ نظر بن گئے اور باقی تمام اُمراء اور وُزراء اس کی ترقی پر حسد کرنے لگے۔ مولانا نے لکھا ہے کہ ایاز نے ایک کمرہ تعمیر کر رکھا تھا جسے وہ ہمیشہ بند رکھتا تھا اور کسی کو اس کمرے میں جانے کی اجازت نہ تھی۔ اس قدر حفاظتی انتظامات دیکھ کر حاسدین کو خیال ہوا کہ ایاز نے اس کمرے میں شاہ کی دولت کو چھپا کر رکھا ہے اور انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ اس کی شکایت اگر شاہ کو کر دی جائے تو ایاز کا بھانڈہ پھوٹ جائے گا اور محمود کے سامنے جو اس کو عاشق اور درویش سمجھتا ہے ایاز کی قلعی کھل جائے گی۔ محمود نے کہا کہ اگر ایاز نے ایسا کیا ہے تو بہت برا کیا ہے چلو ہم آدھی رات کو چھاپہ ماریں، آگے مولانا روم فرماتے ہیں ؎

باچنیں اِکرام و لطفِ بے عدد　　از لیمی سیم و زر پنہا کند[۲۵۲]

((کہا) اس قدر اکرام و لطف شاہی کے ہوتے ہوئے (ایاز) نے یہ ذلیل حرکت کی ہے اگر وہ واقعی سونا چاندی جمع کر رہا ہے)

ہر کہ اندر عشق یابد زندگی　　کفر باشد پیشِ او جز بندگی[۲۵۳]

(جس شخص نے عشق میں زندگی پالی ہے اس کیلئے بندگی کے علاوہ (غیر اللہ میں مشغول ہونا) ناشکری ہے)

شاہ را بر وے نبودے بد گماں　　تسخرے می کرد بہرِ امتحاں[۲۵۴]

(شاہ کو اس حرکت کے متعلق چنداں شک نہ تھا' اس کا یہ کہنا (عمائدین کے ساتھ) مزاح کے طور پر تھا)

از ایاز ایں خود محال است و بعید　　کو یکے دریاست قعرش ناپدید[۲۵۵]

(ایاز سے ایسی امید کرنا تو محال اور بعید ہے' کیونکہ وہ ایک نہایت بیکراں سمندر تھا)

شاہ میدانست خود پاکئے اُو بہرِ ایشاں کرد اُو آں جستجو

(شاہ کو ایاز کی پاکبازی کا خوب علم تھا، اس کا یہ اظہار کرنا حاسدین (کی اصلاح) کیلئے تھا)

جب کمرہ کھولا گیا تو کچھ سامان نہ پایا۔ حاسدین سے فرش بھی اکھڑوا کر خزانے کو تلاش کیا مگر کچھ برآمد نہ ہوا۔ آخر شاہ نے ان امراء کو کہا کہ تم نے ایاز کی عزت کو داغدار کیا ہے اور اب ایاز ہی تمہیں سزا دینے کا فیصلہ کرے گا، شاہ نے کہا ؂

کن میانِ مجرماں حکم اے ایاز اے ایازِ پاک باصد احتراز[(۲۵۶)]

(اے ایاز ان مجرموں کیلئے تم ہی حکم جاری کرو اے ایاز تم پاک اور صدہا پرہیز گاریوں والے ہو)

زِ امتحاں شرمندہ خلقے بے شمار زامتحاں ہا جملہ از تو شرمسار[(۲۵۷)]

(تمہارے اس امتحان سے سب لوگ شرمندہ ہیں اور پہلے امتحان سے بھی وہ تجھ سے شرمندہ ہیں)

گفت، اے شاہ جملگی فرماں تراست باوجودِ آفتاب اختر فناست[(۲۵۸)]

(ایازؓ نے کہا اے شاہ جملہ حکمرانی تو آپ کو زیب دیتی ہے آفتاب کے سامنے بھلا ستارے کا کیا وجود ہو سکتا ہے)

ایے ایاز! از تو غلامی نُور یافت نورت از پستی سوئے گردُوں شتافت[(۲۵۹)]

(اے ایاز! تیری وجہ سے غلامی (بندگی) کو نُور ملا ہے، تیرا نور پستی سے کہکشاں کی طرف ٹھاٹیں مار رہا ہے)

حسرتِ آزادگاں شُد بندگی بندگی را چوں تو داری زندگی

(تیری غلامی پر بڑے بڑے آزاد بندوں کو حسرت ہے، یہ اس لئے کہ تو نے (خوئے) غلامی سے زندگی پائی ہے)

گفت آں دانم عطائے تست ایں ورنہ من آں چارق ام و آں پوستیں[(۲۶۰)]

(ایاز نے کہا کہ میں تو یہ سب آپ کی ہی عطا سمجھتا ہوں، ورنہ میں تو وہی ہوں جس کی چپلی پھٹی اور پوستین پرانی تھی)

اس گفتگو کے بعد ایاز نے اس کمرے کے تعمیر کرنے کی وجہ بیان کی اور بتایا کہ میں رات کو چھپ کر اس کمرے میں تہجد کے نفل پڑھتا ہوں، پھر ایک ٹرنک سے ایک گودڑی نکال کر دکھائی اور بتایا کہ یہ گودڑی اس وقت کی یادگار ہے جب میں بکریاں چرایا کرتا تھا۔ تہجد کی نماز کیلئے میں یہ گودڑی پہن کر شیشے کے سامنے کھڑا ہو کر یہ کہتا ہوں "اے ایاز! تیری اصل حقیقت تو یہ تھی اور اب اگر اللہ نے تجھے شاہ کا قُرب عطا کیا ہے تو اس پر ناز نہ کرنا اور اپنی اصل کو نہ بھول جانا۔ کہتے ہیں کہ یہ حقیقتِ حال دیکھ کر محمود کے دل میں ایاز کی اور بھی قدر و منزلت بڑھ گئی۔ اگر انسان اس طرح اللہ کے احسانوں کا احساس کرتا رہے تو اس کے دل میں جذبہ شکر پیدا ہو گا اور شکرِ نعمت پر نعمت کا بڑھنا قرآن کی آیت سے ثابت ہے "لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ" (ابراہیم:۷) (اگر تم شکر کرو گے تو ہم تمہیں اور زیادہ دیں گے)۔

ہر عمل اللہ کیلئے کرنا چاہیے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ دنیا اور دین کے اعمال کو فقط اللہ تعالیٰ کیلئے کرنا چاہیے نہ کہ اپنی کسی ذاتی

غرض کیلئے۔ ''قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' (اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ بے شک میری نماز' میری قربانی' میرا جینا اور مرنا سب اللہ کیلئے ہے جو تمام عالموں کو پالنے والا ہے) (انعام:۱۶۲)۔ اگر عبادت کو چند رسمی افعال کی صورت دے دی جائے اور یہ جذبہ اطاعت محبت اور عشق سے خالی ہو تو اس کو عبادت تصور کرنا بھی خطا ہے۔ اس کے برعکس اگر انسان اپنے ہر لمحے اور ہر عمل میں اللہ تعالیٰ کی رحمت' فضل و برکت اور احسان و کرم کو ملاحظہ کرے تو اس کا یہ احساس عمل کی ہر صورت میں عبادت کے درجے پر لے جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کو دوام حاصل ہے کیونکہ اس کی صفات میں تعطل نہیں چنانچہ جب اس کی شفقت اور کرم ہر وقت ہوتا رہتا ہے تو پھر ہمارا کوئی لمحہ بھی اس کی عبادت سے خالی کیوں ہو؟ اللہ کے پیارے بندے تو وہ ہیں جو اگر ایک لمحہ کیلئے بھی یادِ الٰہی سے غافل ہو جائیں تو خود کو کافر تصور کرتے ہیں، جو دم غافل سو دم کافر۔ قرآن میں ''رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ'' (اللہ کے اس نور کے حامل) وہی مردانِ (خدا) ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے) (النور:۳۷) انہی لوگوں کی شان میں آیا ہے۔

اولیائے کرام کا فرمان ہے کہ جیسے فرائض کی ادائیگی اللہ کیلئے ہے اسی طرح جو بھی کام کرو اس کی نیت اللہ کیلئے ہونی چاہیے۔ چلنا' پھرنا' سونا اور کام کرنا اسی طرح ہو جس طرح ان کاموں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرنے کا حکم دیا اور خود بھی ان کاموں کو ادا فرمایا ہے۔ بیوی بچوں سے محبت اس لئے ہو کہ یہ ان کا تمہارے اوپر اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حق ہے۔ کھانا ہو تو اس لئے کہ یہ زندگی کو برقرار رکھنے اور عبادت کیلئے ضروری ہے کاروبار بھی اپنے اہل و عیال کیلئے اور ملک و قوم کیلئے ضروری ہے چنانچہ ہر کام کرنے کا انداز یہ ہو تو پھر ہر کام عبادت میں شامل ہوگا ورنہ مقصد پروری کے علاوہ کچھ نہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی درج بالا روایت سے یہ بات اور بھی واضح ہوگئی ہوگی۔

باب نمبر ۲۰

اسلامی عبادات کے اثرات سائنس دانوں کی نظر میں

مسلمانوں میں روحانی تعلیمات تو اتنی ہی پرانی ہیں جتنا کہ خود خدا کا دین قدیم ہے۔ آدم علیہ السلام کو ان کی تخلیق کے وقت بہت سے علوم عطا کئے گئے اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علوم کا اندازہ کرنا تو انسانی طاقت سے باہر ہے۔ آپ کے کمالات کے متعلق مرزا غالب نے کیا خوب کہا ہے ۔

غالبِ ثنائے خواجۂ بہ یزداں گذاشتیم کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

(غالب ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کو خدا پر چھوڑتے ہیں کیونکہ وہی ذات پاک ہی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبہ کو جانتی ہے)

کتنی خوشی کی بات ہے کہ جو باتیں قرآن اور حدیث سے ہم تک پہنچی ہیں ان کی تصدیق آج ۱۳۰۰، ۱۴۰۰ سال بعد سائنس دان کر رہے ہیں۔ یہاں ''من کی دنیا'' کی مدد سے موجودہ سائنس دانوں کے نظریات پیش کئے جا رہے ہیں جو انہوں نے گزشتہ صدی کے دوران اپنے تجربات سے حاصل کئے۔ خدا کرے کہ مسلمانوں میں سے کوئی صاحب ہمت آگے آئے اور ایک ایسی کتاب تالیف کرے جس میں جدید سائنس کے تمام قوانین اور ایجادات کو قرآن اور حدیث کے عطا کردہ علوم کی روشنی میں قلمبند کرے۔ اس موضوع پر چند کتابیں جو اب تک لکھی جا چکی ہیں ان میں مطلوبہ معیار کے مطابق تفصیل موجود نہیں ہے۔

رُوحِ انسانی

اس جگہ رُوح کے متعلق صرف مغربی ممالک کا نقطۂ نظر پیش کیا جا رہا ہے۔ اسلام میں جو کچھ روح کے متعلق کہا جا چکا ہے ان علوم کا تذکرہ ہماری تصنیف ''اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبال'' میں کیا گیا ہے۔ مصر چونکہ تہذیب کا سب سے پہلا مرکز ہے وہاں کے لوگوں نے ہزاروں سال پہلے اس بات پر غور کیا کہ انسان کیا ہے، کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے؟ ہر سال پھولوں کے کھلنے اور ختم ہو جانے پر ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ حیات ایک جاودانی اور غیر فانی حقیقت ہے۔ ۱۵۴۳ء میں یورپ کے ''پَرنیکی'' نے انسان کو ایک روحانی حقیقت ثابت کیا ہے۔ اس کے بعد گلیلیو، کیپلر، نیوٹن اور بہت سے سائنس دانوں اور فلسفیوں نے یہ انکشاف کیا کہ مُردہ کبھی مرتا نہیں اور اب تک مختلف رُوحانی موضوعات مثلاً رُوح، جسمِ لطیف 'دعا' کاسمک ورلڈ (The Cosmic World) حیات بعد الممات اور تعلق باللہ وغیرہ پر ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ یورپ میں اس رُوحانی علم کی مقبولیت کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ اس موضوع پر کئی ایک کتب ایسی

بھی لکھی گئیں ہیں کہ جن کے ستائیس طبائع (ایڈیشن) صرف چند ماہ میں ہی چھپ گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے یہ علم جو مسلمانوں کی دولت تھا اب رفتہ رفتہ یورپ میں جا رہا ہے اور ہوسکتا ہے کہ اب روحانی معاملات میں بھی وہ مسلمانوں سے پیش رفت حاصل کر لیں۔

مسلمانوں کا رُوحانی علم تو حضرت آدم علیہ السلام سے ہی جاری اور ساری ہے اور بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم چھٹی صدی عیسوی) کے بعد اس علم میں بہت کچھ دیکھا' لکھا اور پڑھا گیا ہے۔ بہت سا علم سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا۔ مسلمانوں کے علوم رُوحانی کے متعلق کچھ لکھنا اس کتاب کی بساط سے باہر ہے البتہ یورپ نے اب یہ تسلیم کر لیا ہے کہ ہمارے جسمِ خاکی کے اندر ایک اور جسم ہے جو پانی کے بخارات سے بھی زیادہ لطیف ہے اور حقیقی انسان وہی ہے۔ یہ جسمِ خاکی فانی ہے اور وہ لطیف جسم غیر فانی ہے (یہ تمام نظریات چھٹی صدی میں ہی مسلمانوں میں موجود تھے) نیند میں یہ روح جسم سے نکل کر گھومتی پھرتی ہے اور کسی بیماری یا حادثہ کا شکار ہو تو یہ بندھن ختم ہو جاتا ہے اور موت واقع ہو جاتی ہے (دیکھیں سورۂ زُمر آیت ۴۲) گویا کہ جسمِ خاکی اس کی عارضی قیام گاہ ہے۔ مغربی سائنس دانوں نے معلوم کیا ہے کہ انسان کے جسم سے مختلف رنگوں کی شعاعیں نکلتی ہیں جو جسم کے اردگرد ایک ہالہ بنا لیتی ہیں۔ (AURA) ان کا رنگ انسان کے اعمال کے مطابق مختلف ہوتا ہے یہی وہ حجاب ہے جسے قرآن میں غلف (غلاف) غشاوہ (پردہ) اور سدًا (دیوار) کہا گیا ہے جس شخص کا ہالہ سخت غلاف کی طرح ہو جائے تو اس پر نہ نصیحت اثر کرتی ہے نہ دعا اور نہ ہی کاسمک ورلڈ (Cosmic World) کے عمدہ اثرات ظاہر ہو سکتے ہیں۔ قرآن نے بیان کیا ہے کہ ایسے شخص پر شیطان مستولی ہو جاتا ہے "نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهُ قَرِيْنٌ" (زخرف:۳۶) یہ شعاعیں جسم لطیف اور جسم خاکی دونوں سے خارج ہوتی ہیں۔ کاسمک ورلڈ سے مراد ایتھر ہے جس میں معروف عوالم ناسوت ملکوت' جبروت وغیرہ بھی شامل ہیں۔

ہر بات یا ہر عمل کا ریکارڈ کاسمک ورلڈ میں موجود ہے

فضا میں کئی شفاف دیواریں (Layers) موجود ہیں۔ ایک ایسی دیوار بھی ہے جو کاسمک شعاعوں کو روکتی ہے۔ کاسمک شعاعوں میں دس ارب وولٹ کی بجلی موجود ہوتی ہے۔ اگر یہ دیوار نہ ہوتی تو زمین پر زندگی ختم ہو جاتی اور لوگ جھلس کر مر جاتے۔ ایک دیوار ایسی ہے جو ایتھر کی لہروں کو روک کر زمین کی طرف لوٹا دیتی ہے (Ionosphere) اور اسی کی بدولت ہم ریڈیو سے آواز سن سکتے ہیں۔ مثبت بجلی (+ive)' کششِ زمین' رُوح اور ایتھر وہ راز ہیں جن کا علم انسان کے پاس بہت قلیل ہے۔ انیسویں صدی میں معلوم ہوا کہ ایتھر ہر جگہ موجود ہے' یہ ایک لطیف سا بادل ہے جو عرش سے تحت الثریٰ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں کوئی خلا یا وزن نہیں غالباً آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ "اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ" (ق:۶) (کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ ہم نے ان کے سروں پر ایک آسمان بنا کر

کس طرح آراستہ کیا اور اس میں کہیں رخنہ (یا شگاف) نہیں)۔

اگر پانی کے تالاب میں ایک پتھر پھینکا جائے تو اس میں لہریں پیدا ہو کر کناروں کی جانب روانہ ہوں گی مگر پانی وہیں رہے گا۔ دوسرے لفظوں میں پانی انتقالِ امواج کا وسیلہ بنتا ہے۔ اسی طرح ایتھر بھی ہماری متعدد خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ یہ ہمارا قاصد ہے جو ہمارے پیغامات آناً فاناً ہزار ہا میل کی مسافت پر پہنچا رہا ہے نیز عمل بصارت ایتھر ہی کی بدولت وقوع پذیر ہو رہا ہے۔ اس درمیانی واسطے یا وسیلے کا نام ایتھر ہے۔ آفتاب ایتھر میں ہیجان پیدا کرتا ہے اور یہ ہیجان ہمارے دماغ تک پہنچ کر روشنی اور حرارت کا احساس پیدا کرتا ہے۔ مقناطیس ایک سوئی کو اپنی طرف کھینچتا ہے چنانچہ سوئی اور مقناطیس کے درمیان واسطے کا نام ایتھر ہے۔ ایک روسی سائنس دان کا خیال ہے کہ ایتھر گیس سے بھی زیادہ لطیف کوئی چیز ہے جس کے ذرات ہر جسم میں داخل ہو سکتے ہیں۔ ایتھر کی لہریں روشنی کی رفتار جتنی یعنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ چلتی ہیں سورج کی روشنی ۸ منٹ میں زمین پر پہنچتی ہیں جس کے متعلق علماء کا خیال ہے کہ روشنی نہیں چلتی بلکہ ایتھر کی لہریں چلتی ہیں۔ یہ ایتھری لہریں منفیوں کی گردش سے پیدا ہوتی ہے۔ ان منفیوں کی مختلف گردش فی سیکنڈ کے حساب سے ہمارے ذہن میں مختلف رنگوں کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ (مثلاً ایک انچ کے فاصلے میں اگر ۳۷۰۰۰ لہریں ہوں اور منفیوں کی گردش ۴۴۰ ملین فی سیکنڈ ہو تو نارنجی رنگ کا احساس ہوگا)۔

سائنس دانوں نے جو روحانیت پر بھی کام کر رہے ہیں ایتھر کو کئی حصوں میں تقسیم کیا ہے اور کاسمک ورلڈ اور اسٹرل ورلڈ اس کے مختلف علاقہ جات ہیں۔ خواب میں انسان کا جسم لطیف (روح) جسم خاکی سے نکل کر آسٹرل ورلڈ (ایتھر) میں چلا جاتا ہے جہاں وہ عجیب و غریب مناظر دیکھتا ہے اور کبھی اپنے عزیزوں سے ملاقات کرتا ہے۔ اس دنیا میں جو کچھ ہے اس کی لطیف شکل اسٹرل ورلڈ میں بھی موجود ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ دنیاوی اشیاء پر جب روشنی پڑتی ہے تو یہ روشنی دنیائے ایتھر میں جاتی ہے تو وہاں اس چیز کی مثل شکل اختیار کر لیتی ہے تو گویا زمین پر جو چیز موجود ہے وہ آسٹرل ورلڈ میں بھی موجود ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ہر چیز کی اصل عالم بالا میں جسم لطیف کی شکل میں موجود ہے اور اس کا جسم کثیف دنیا میں ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ ؒ نے حجتہ اللہ البالغہ میں عالمِ مثال کے وجود کا تذکرہ کیا ہے اور اس کا مشاہدہ بھی کیا ہے۔ اگر ہم فضا کی بلندی میں جا کر دیکھیں تو زمین کی چیزوں سے ٹکرانے والی روشنی نظر آئے گی اور چونکہ روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چلتی ہے اس لئے سورج کے طلوع ہونے کا پہلا کنارا ہمیں زمین سے آٹھ منٹ کے بعد نظر آئے گا کیونکہ وہ روشنی 9.5 لاکھ میل کا فاصلہ ۸ منٹ میں طے کرے گی۔ اسی طرح اگر آپ فضا میں بہت زیادہ بلندی پر چلے جائیں گے تو سینکڑوں سال پہلے کے مناظر نظر آ سکتے ہیں۔ اگر ہم فضا میں ایسی جگہ پہنچ جائیں جہاں زمین کی لہریں جو ۶۲۲ء یا ۶۸۱ء یا ۱۵۶۰ء یا ۱۹۴۷ء میں روانہ ہوئیں تھیں اور آج وہاں پہنچی ہیں تو بصورتِ اول ہمیں حضور ﷺ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے نظر آئیں گے۔

بصورتِ ثانی واقعہ کربلا کا منظر نظر آئے گا بصورتِ ثالث جلال الدین اکبرؒ دہلی کے تخت پر متمکن نظر آئے گا اور بصورتِ رابع حضرت قائداعظمؒ گورنر جنرل ہاؤس میں نظر آئیں گے۔ یہ اس لئے کہ ایثر یا عالمِ مثال میں ہر چیز کی لاتعداد تصاویر محفوظ رہتی ہیں اور وقت کے ساتھ مسافت طے کرتی ہیں نہ صرف تصاویر بلکہ تمام آوازیں بھی ایثر میں موجود رہتی ہیں۔ امریکہ ریڈرز ڈائجسٹ برائے مئی ۱۹۵۹ء میں ایک مضمون تھا کہ امریکہ کی ایک ٹیلیویژن کمپنی جو ۱۹۴۱ء میں ختم ہوگئی تھی لیکن اس کے ختم ہونے کے سترہ سال بعد (اپریل ۱۹۵۸ء میں) ٹیلیویژن کے Sets میں اس کمپنی کا پروگرام دوبارہ آنے لگا جس سے لوگوں کو یقین ہو گیا کہ آواز کبھی فنا نہیں ہوتی قرآن میں ہے کہ ''مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ'' (ق:۱۸) (جب آدمی کے منہ سے کوئی لفظ نکلتا ہے تو ایک چوکس نگران اسے محفوظ کر لیتا ہے)۔

جب ہمارا ہر عمل، ہر قول اور ہر ارادہ فضا میں موجود رہتا ہے تو پھر کوئی شخص اپنے کیے ہوئے اعمال سے کیسے انکار کر سکتا ہے۔ سورہ یٰسین کی آیت ۶۵ میں ''وَتُكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِمْ'' یعنی اللہ تعالیٰ اس دن مجرموں کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ پاؤں گناہ کے اثبات میں بولیں گے اور ان کے کیے کی شہادت دیں گے۔ آج یہ طاقت تو سائنس نے حاصل کر لی ہے کہ سیٹلائٹ دنیا کی ہر چیز کی فوٹو لے لیتا ہے اگر روس کسی کے طیارے کو مار گراتا ہے تو امریکہ رُوس کے انکار کرنے کی صورت میں اس طیارے کے گرانے کی تصویریں (بمعہ اس جہاز کی تصویر کے جس نے اس کو گولی مار کر گرایا تھا) ثبوت کے طور پر دکھا دیتا ہے۔ راجیو گاندھی پر سری لنکا میں قاتلانہ حملہ ہوا تو اس پر حملہ کرنے کی تصویر اخبار میں سیٹلائٹ کے ذریعے دکھا دی گئی۔ اس مثال سے خدا کے نظامِ قدرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سیٹلائٹ زمین کے ہر حصے کی ہر لمحہ کی تصویر کو اپنے دماغ میں محفوظ رکھ لیتا ہے اور آپ جب چاہیں تو ان گزرے ہوئے لمحات کی تصاویر سکرین پر دیکھ سکتے ہیں۔ یہ وہی نظام ہے جو انسانی دماغ میں بھی موجود ہے کہ آپ لاکھوں حادثات واقعات اور تحریرات کو ذہن میں محفوظ رکھ لیتے ہیں۔ جب آپ کبھی کوئی بات بھول جاتے ہیں تو آپ اس کو یاد کرنے کے لئے بے چین ہو جاتے ہیں اور یہ بے چینی کی لہریں ہوا میں جا کر اس چیز کو تلاش کر کے اپنا پیغام لہروں میں بھیج دیتی ہیں تو وہ بھولی ہوئی بات آپ کے دماغ میں آ جاتی ہے۔ اسی طرح اگر ایک آدمی پہلی بار سائیکل چلاتا ہے تو ڈرتا ہے مگر اس کا شوق جو بذاتِ خود ایک انرجی ہے لہروں کی شکل میں ایثری طاقتوں کو متاثر کرتا ہے اور وہاں سے کوئی طاقت جواب میں ایسی لہریں بھیجتی ہے کہ اس کا خوف دور ہو جاتا ہے اور وہ شخص سائیکل چلانا سیکھ لیتا ہے۔ عالمِ مثال (اسٹرل ورلڈ) کے بہت سے طبقات ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں ان کی زیادہ تفصیل ہماری تصنیف ''اسلام ورُوحانیت اور فکرِ اقبال'' میں دی گئی ہے۔

۱۔ عالمِ ناسُوت: اسٹرل باڈی یعنی روحِ انسانی سب سے پہلے اس طبقہ میں جاتی ہے۔ بدکار لوگوں کی روحیں ہزاروں سال نچلے طبقہ میں پھرتی رہتی ہیں اور نیک روحیں طبقاتِ بالا میں چلی جاتی ہیں۔

۲۔ عالمِ جبروت: اس کو اعراف بھی کہتے ہیں۔ اس میں درمیانے قسم کے لوگ ہوتے ہیں عالم ناسوت والے سزا کے بعد اس میں آتے ہیں۔ عالم اعراف تو جبروت کا نچلا علاقہ ہے جو نہ جنت میں شامل ہے نہ دوزخ میں۔

۳۔ عالمِ مَلَکُوت: صالحین کا مقام اس میں ہوتا ہے۔

۴۔ عالمِ لاہُوت: زیادہ نیک ارواح کا مقام اس کے علاوہ ہاہوت' عالم ہُو' وغیرہ بھی ہیں۔

آج کل اس بات پر تجربات جاری ہیں کہ فضا کی محفوظ آوازیں اور تصویریں دوبارہ ٹی وی سکرین پر دیکھی جاسکیں اور اس میں کچھ کامیابیاں بھی ہوئی ہیں کچھ وفات شدہ روحوں کے دھندلے سے نقوش انگلینڈ میں مخصوص ٹی وی پر دیکھے گئے ہیں۔

دِل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

رُوح پر عبادت کا اثر ہوتا ہے نماز اور دیگر عبادات اللہ تعالیٰ کے سامنے نیاز مندی اور دُعا کا اظہار ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن اور اس کی تلاوت کو شفاء کہا ہے۔ اب یورپ والوں نے بھی ثابت کیا ہے کہ ہر بولے جانے والے حرف کا ایک خاص رنگ اور خاص طاقت ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں نے دیکھا کہ ''الف'' کا رنگ سرخ ''ب'' کا نیلا ''د'' کا سبز اور ''سین'' کا رنگ زرد ہے ان کے اثرات کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ کچھ الفاظ ایسے ہیں جن سے بیماریاں جاتی رہتی ہیں۔ وَحیِ الٰہی کا ہر لفظ قوت کا ایک خزانہ ہے یہی وجہ ہے کہ آج یورپین پادری (لیڈ بیٹر) اور کچھ دیگر سائنس دان تعویز یا ٹوٹکے میں زبردست مقناطیسی اثر ملاحظہ کرتے ہیں۔ لیڈ بیٹر نے لکھا ہے کہ ہر لفظ ایتھر میں ایک خاص شکل اختیار کر لیتا ہے (جس سے نفرت یا محبت وغیرہ کے جذبات پیدا ہوتے ہیں) اس پادری نے زبُور کے مختلف الفاظ پڑھنے سے بیماریوں کی شفاء کا معائنہ کیا۔ الہامی کتاب کے الفاظ کا ورد کرنے سے دکھ، درد اور پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں۔ ہمارے مذہب کے مطابق قرآن کی تلاوت اور اسمائے الٰہی کے ورد سے یہ توقع بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ غیر الہامی الفاظ میں وہ اثر کہاں جو اصل آخری اور صحیح اسلامی کتاب قرآن مجید میں موجود ہے۔ ہر لفظ ایک ایٹم کی طرح ہے اور اسکے اندر جذبات کی بجلیاں پنہاں ہیں اور ان کا اثر عالمِ خاکی اور عالمِ لطیف (بدن اور روح) دونوں پر ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی گالی دے تو سننے والے کے بدن میں یہ الفاظ ارتعاش یا آگ لگا دیتے ہیں۔ یہ گالی الفاظ ہی کا مجموعہ ہے جو اثر پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح بعض واعظ اپنی تقریر سے انسان کے رونگٹے کھڑے کر دیتے ہیں اور کسی قابل جرنیل کی تقریر مُردہ سپاہیوں کے تن میں نئی رُوح پھونک دیتی ہے اور وہ موت سے بھی ٹکرا جاتے ہیں، یہ الفاظ اور ان کی ادائیگی کے ہی کمال کی مثالیں ہیں۔

دُعا اور عبادت کے الفاظ عرش پر اثر انداز ہوتے ہیں

سائنس اس بات کو تسلیم کر چکی ہے کہ ایتھر جو فضا میں تقریباً ۸۰۰ میل کے بعد شروع ہوتی ہے نہایت

حساس چیز ہے اس فضا میں ہماری دنیا میں بجائے جانے والے ہلکے سے ساز کی معمولی آواز بھی ہیجان پیدا کر دیتی ہے۔ ماہرین رُوح نے یہ بات تحقیق سے ثابت کی ہے کہ معمولی سی آواز تو در کنار ایتھر میں خیال اور ارادہ سے بھی لہریں اٹھنے لگ جاتی ہیں۔ کاسمک ورلڈ (عالمِ بالا) میں جنات' فرشتے اور وفات شدہ رُوحیں رہتی ہیں اور ان کا رابطہ اہلِ زمین سے (نامہ و پیام اور مدد وغیرہ کے ذریعے) ان کاسمک (Vibrations) وائبریشنز کی وساطت سے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب ہم مصیبت میں دعا کیلئے گڑگڑاتے ہیں تو ہمارے اندرونی جذبات کی قوت (ایموشنل انرجی) کاسمک ورلڈ میں زبردست لہریں پیدا کر دیتی ہے۔ جب یہ لہریں فیض رساں طاقتوں سے ٹکراتی ہیں تو انہیں بے چین کر دیتی ہیں یا تو وہ خود وہاں سے آ کر رکاوٹ کو دور کر دیتی ہیں یا پھر قوتِ ارادی سے کوئی لہر وہاں سے چھوڑتی ہیں جو ہمارے دماغ سے ٹکرا کر ایسی تجویز کی شکل سمجھا دیتی ہیں جس پر عمل کرنے سے ہماری تکلیف دُور ہو جاتی ہے۔ (اس قسم کے ہزاروں واقعات اسلامی تاریخ سے ملتے ہیں کہ مسلمانوں کی آڑے وقتوں میں مدد ہوئی۔ یہ سب طاقتیں اللہ کی اجازت کے بغیر حرکت نہیں کرتیں۔ کئی مصائب گناہوں کی وجہ سے نازل ہوتے ہیں اور ایسی طاقتیں ان کے دلوں میں توبہ کی خواہش پیدا کر دیتی ہیں جو ان کی مصیبت رفع ہونے کا سبب بنتی ہیں۔ علامہؒ نے فرمایا۔

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر　　کرتے ہیں خطاب آخر اٹھتے ہیں حجاب آخر

R.W.Trine نے لکھا ہے کہ ہر خیال ایک لہر ہے جو دماغ سے نکلنے کے بعد موزوں صلہ لے کر واپس آتی ہے اور یہ قرآن کی اس آیت کے عین مطابق ہے "وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ" (اور تمہارے رب نے کہا ہے مجھے پکارو میں تمہاری دُعا قبول کروں گا) (المومن: ۶۰)۔ افسوس کہ ہماری دین سے دوری کے سبب اب انگریز ہمیں روحانی دنیا سے تعلق پیدا کرنے کی تلقین کر رہے ہیں اسلام نے مسلمانوں کو عبادت و ریاضت' گڑگڑاہٹ' آہ وزاری توبہ و استغفار کا سبق دیا ہے جس سے عرشِ اعظم ہل جاتا ہے۔ "اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ" (النمل: ۶۲) (بھلا کون قبول کرتا ہے ایک بے قرار کی فریاد جب وہ اسے پکارتا ہے)۔ کائنات کی طاقت کو مسخر کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ خدا کے سامنے جھک جاؤ اور اس کے ہر اشارے کی تعمیل کرو۔ سورۃ الفرقان کی آیت ۶۴ میں بھی ایسے لوگوں کی نشاندہی کی گئی ہے "وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا" (اللہ کے بندے وہ ہیں جو سجدوں اور قیام میں اللہ کے سامنے رات گزارتے ہیں)۔

ہر شے سے لہریں نکلتی ہیں (اور عبادت گزار کی لہریں)

نکلنے والی Wave Length (لہروں کی لمبائی) مختلف ہوتی ہے کچھ لہریں نظر آ جاتی ہیں اور کچھ صرف طاقتور کیمروں' ریڈاروں یا دیگر آلات کی مدد سے نظر آتی ہیں۔ ہر ایک لہر مختلف انداز سے اثر کرتی

ہے۔ کبھی گرمیوں میں بادل چھا جائیں اور بوندیں برسنے لگیں تو ہر شخص کا دل چاہتا ہے کہ کچھ آم لے کر دریا پر پکنک کرے۔ یہ خیال کہاں سے آیا؟ جواب یہی ہوگا کہ اس سماں سے نکلنے والی لہریں یہ اثر پیدا کرتی ہیں۔ چاندنی رات رومان پیدا کرتی ہے، فصلِ بہار جنون انگیز ہوتی ہے، برسات کی رُت تو بہ شکن ہوتی ہے اور اگر کوئی کسی اللہ والے کو دیکھ لے تو اللہ یاد آجاتا ہے اور دل عبادت کرنے کو چاہتا ہے یہ سب ان مختلف قسم کے ماحول سے نکلنے والی لہروں کا اثر ہے جو انسان کو متاثر کرتی ہیں۔ سائنس کا ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ مادہ طاقت میں بدل سکتا ہے اور ایک طاقت دوسری طاقت میں بدلی جا سکتی ہے۔ روشنی گرمی میں، گرمی حرکت میں، حرکت گرمی میں، روشنی آواز میں اور آواز روشنی میں بدلی جا سکتی ہیں۔ ایتھر کی لہریں بھی طاقت سے لبریز ہوتی ہیں اور کبھی نفرت میں، کبھی محبت میں، کبھی شوق میں، کبھی بے شوقی میں، کبھی شاعری میں، کبھی آواز میں، کبھی الفاظ میں، کہیں نغمات میں، کہیں راگ میں اور کہیں خوشبو میں اور کبھی بلبل کی نوا میں بدلتی جاتی ہیں۔ انبیائے کرام اور اولیائے کرام میں یہ طاقت ہے کہ وہ پرندوں، جانوروں اور خاموش فضاؤں میں پھرنے والی لہروں کو سن کر سمجھ بھی سکتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ایک دن ایسا بھی آئے کہ پھول کی خوشبو کو بلبل کی آواز میں اور بلبل کی آواز کو پھول کی خوشبو میں تبدیل کرنا ممکن ہو جائے۔

مہک کے لحاظ سے چیزوں کی دو ہی قسمیں ہیں ایک خوشبودار اور دوسری بدبودار، خوشبو کی لہروں سے کیف اور سرور پیدا ہوتا ہے اور بدبو سے طبیعت متعفن ہو جاتی ہے۔ انسان بھی پھولوں کی طرح ہیں، بعض کو دیکھ کر محبت، رحم اور گداز پیدا ہوتا ہے اور سارا ماحول خوشگوار ہو جاتا ہے جبکہ بعض کے کردار کو دیکھ کر گھن آتی ہے اور دماغ چکرا جاتا ہے۔ ڈاکٹر الیگزینڈر کانن لکھتا ہے ''زمین کی طرح انسان کی ہستی سے بھی مقناطیسی لہریں خارج ہوتی ہیں جن کا اثر مختلف حالات میں مختلف ہوتا ہے، اگر یہ لہریں ایسے آدمی سے نکلیں جس کے اعمال اور خیالات میں پاکیزگی ہے تو دوسرے میں محبت پیدا کریں گی۔ یہ مسئلہ کہ لوگ بعض آدمیوں سے محبت یا نفرت کیوں کرتے ہیں اس بات سے حل ہو جاتا ہے'' (Invisible Influence)۔ احادیث میں ہے کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محلوں اور گلیوں میں ان کی خوشبو سے تلاش کر لیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں بھی بیٹھتے ماحول خوشبودار ہو جاتا جبرائیل علیہ السلام جب تشریف لاتے تو ہر سُو خوشبو پھیل جاتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم سے جو لہریں نکلتیں وہ اگر کسی اہلِ ایمان پر پڑ جاتیں تو اس شخص کو صحابی کا درجہ مل جاتا۔ (حالانکہ کوئی خواہ کتنی بھی عبادت کر لے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا)۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی صحابی کے جہاد پر جانے والے گھوڑے کے پاؤں کی خاک بھی اگر میرے بدن پر گر جائے تو میں یہ سمجھوں گا کہ میری بخشش کا سامان ہو گیا۔ ہمارا ایمان ہے کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک بار ایمان کی نظر سے دیکھا تو اس کی بخشش ضرور ہوگی البتہ ابوجہل کے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ تھی کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہی نہیں کیونکہ قرآن میں ایسے کافروں کی رؤیت کا انکار ہے۔ سورۂ اعراف میں کافروں کی بے نُور اور بے بصر آنکھوں کیلئے فرمایا

کہ انہیں کچھ نظر نہیں آتا ''وَتَرٰھُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ وَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ '' (الاعراف:۱۹۸) (اور تو دیکھے گا انہیں کہ دیکھ رہے ہیں تیری طرف حالانکہ انہیں کچھ نظر نہیں آتا)۔

ڈاکٹر الیگزینڈر کا بیان کس قدر حقیقت پر مبنی ہے کہ نیک آدمیوں سے خارج شدہ لہریں محبت پیدا کرتی ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا قول ہے کہ اولیائے کرام کے پاس بیٹھنا بھی فیض رساں ثابت ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جس کو ہماری خاموشی سے فائدہ نہیں پہنچ سکتا اسے ہماری گفتگو سے بھی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اولیائے کرام کے چہرے کو دیکھنا (نفلی) عبادت سے افضل ہے بلکہ ان کی صحبت میں بیٹھو تو کچھ بھی نہ پڑھو کیونکہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف آنا درست نہیں، اسی لئے مولانا رومؒ حضور ﷺ کی شان میں فرماتے ہیں۔

اے ہزاراں جبرائیل اندر بشر　　بہر حق سوئے غریباں یک نظر (۲۶۱)

(اے وہ بشر جس کی بشریت میں ہزاروں جبرائیل موجود ہیں خدا کیلئے ہماری طرف بھی ایک نظرِ کرم فرمائیں)

جو کرو گے سو بھرو گے......عبادت کی بنیاد

ڈاکٹر الیگزینڈر لکھتا ہے کہ جب آپ کسی مصیبت زدہ انسان (یا جانور) کی مدد کریں گے تو وہ زبانِ حال سے تمہارے لئے دعا کرے گا جو ''ایموشنل انرجی'' سے بھری ہوئی ہوتی ہے۔ یہ بجلی ایتھر میں لہریں اٹھاتی ہے جو ملکوتی طاقتوں سے ٹکراتی ہیں۔ جواباً یہ طاقتیں ایسی لہریں چھوڑتی ہیں جو ہر دل میں رحم کرنے والے اثرات یا جذباتِ رحم پیدا کر دیتی ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی ظلم کرتا ہے تو وہ ظلم کا شکار ہو جاتا ہے یعنی جو تم کرو گے وہی بھرو گے، حدیث شریف میں ہے کہ ''اِرْحَمُوْا تُرْحَمُوْا'' [1] (رحم کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے)'' وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّھَا لَیْسَ بَیْنَھَا وَبَیْنَ اللهِ حِجَابٌ '' [2] (مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ مظلوم کی آہ بلا روک ٹوک عرشِ الٰہی پر پہنچ جاتی ہے)۔ یہ تمام اسلام کی باتیں ہیں جو آج ہمیں ایک انگریز اپنی تحقیق سے سکھا رہا ہے۔ ڈاکٹر نرائن لکھتا ہے ''دنیا کو بہترین چیز دو اور جواباً تمہیں بہترین چیز ملے گی''۔ کسی اور دانشور کا قول ہے ''جو لوگ زندگی کی بنیاد نفرت پر رکھتے ہیں وہ نفرت سے ہی ہلاک ہو جاتے ہیں۔ تلوار کے زور پر زندگی بسر کرنے والا تلوار ہی سے مرتا ہے۔'' ایمان ایک زبردست طاقت (یعنی Energy) ہے، جب ہم اس طاقت کو ایتھر میں چھوڑتے ہیں تو تمام فیض رساں طاقتیں ہماری طرف متوجہ ہو جاتی ہیں اور ہماری امداد کرتی ہیں۔ روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ قبیلہ مُراد کے چند آدمی آپ کو قتل کرنے پر تلے ہوئے ہیں، آپ نے فرمایا کہ ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے ہیں جو حفاظت کیلئے باری باری آتے ہیں مجھے ان لوگوں کی پرواہ نہیں۔ قرآن میں ہے کہ ''لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ

---

[1] مسند احمد بن حنبل، حدیث ۶۲۵۵، جلد ۱۳، صفحہ ۲۹۳۔

[2] سنن الترمذی، حدیث ۵۶۷، جلد ۳، صفحہ ۱۸۔

يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ط'' (الرعد:۱۱)(انسان کیلئے یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے ہیں اس کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی وہ نگرانی کرتے ہیں اس کی اللہ کے حکم سے)۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرنے لگیں تو وہ جبرائیل علیہ السلام کو کہتے ہیں کہ میں فلاں کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اسے دوست رکھ۔ جبرائیل علیہ السلام یہ منادی تمام فرشتوں میں کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں کو دوست رکھتے ہیں اور میں بھی فلاں کو دوست رکھتا ہوں لہٰذا تم سب فرشتے بھی اس شخص سے محبت کرو چنانچہ اللہ کے سب ملائکہ اس محبوب بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر جبریل امین زمین پر اتر آتے ہیں اور منادی کرتے ہیں تو تمام اہلِ دنیا اس شخص سے محبت کرنے لگتے ہیں۔[1] یہ تمام کام فرشتوں کے ذریعے ہوتے ہیں اور وہ کس طرح اس کو کرتے ہیں اس کی وضاحت اوپر کردی گئی ہے۔ بارشوں اور بادلوں کیلئے، موت کیلئے، رزق کیلئے غرضیکہ خدا کے مخفی ہاتھ کام کررہے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اس ہاتھ کو بڑھ کر تھام لیں۔ انگریزی کی ایک کتاب "Masters and The path" میں ہے کہ جب ہم فطرت کے سامنے جھک جاتے ہیں تو اسے مسخر کر لیتے ہیں۔

مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیک آدمیوں کو کوئی طاقت گزند نہیں پہنچا سکتی نہ دشمن، نہ زہر، نہ آگ، نہ سانپ، کیونکہ دکھ گناہ کا نتیجہ ہیں اور جہاں ذاتِ الٰہی اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری اور فرمانبرداری ہوگی وہاں مصائب دکھوں کا کیا کام۔ نافرمانوں کی حفاظت کیلئے پہرے دار واپس لے لئے جاتے ہیں اور ان کی حفاظت کا ذمہ ختم ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ بزرگوں کو آزمائشوں سے تو دو چار ہونا ہوتا ہے مگر دکھ انہیں محسوس نہیں ہوتے۔ ڈاکٹر زائن کہتا ہے ''صحیح خدا پرستی ہی سچی دانش ہے، جس شخص کو یہ دانش حاصل ہے وہ خداداد طاقتوں کا صحیح استعمال کرسکتا ہے، اس پر یہ عظیم کائنات اپنے خزانوں کے منہ کھول دیتی ہے اور وہ حسب طلب پاتا ہے'' یہی بات قرآن جگہ جگہ پر کہتا ہے۔ ''وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا'' (الاحزاب:۷۱)(اور جس نے اطاعت کی اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تو (یقیناً) اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کرلی)۔

دکھ اور بیماریاں گناہوں کے باعث ہوتی ہیں

الفاظ خیالات کی تصویریں ہیں اور خیالات وہ لہریں ہیں جو دماغ سے اٹھتی ہیں یہ لہریں دو قسم کی ہیں۔ ایک قسم کی لہریں غصہ، نفرت، ناامیدی، بے ہمتی، حسد، جلن، بغض، کینہ اور بے چینی وغیرہ پیدا کرتی ہیں۔ دوسری قسم کی لہریں محبت، رحم، فیاضی، سخاوت، شجاعت، نیکی اور تقویٰ کے اثرات مرتب کرتی ہیں۔ جب انسان چوری یا رشوت وغیرہ جیسے برے کام کرتا ہے تو ایسی لہریں پیدا ہوتی ہیں جو خوف اور بے چینی پیدا کردیتی ہیں اور مختلف

[1] صحیح بخاری، حدیث ۵۵۸۰، جلد ۱۸، صفحہ ۲۶۸۔

امراض یا دیوانگی کا سبب بنتی ہیں۔ آر۔ڈبلیو۔نرائن نے لکھا ہے کہ ایک عورت کو کسی بات پر اتنا غصہ آیا کہ اس کے دودھ میں زہر بھر گیا اور اس دودھ کے پینے سے اس کا بچہ فوراً مر گیا۔ایک امریکی ڈاکٹر کا نظریہ صوفیا کے قول کے عین مطابق ہے کہ بیماری پہلے جسمِ لطیف یعنی رُوح کو لگتی ہے اور پھر جسمِ خاکی میں منتقل ہوتی ہے۔ایک امریکی ڈاکٹر اپنی کتاب "In Tune with Infinite" میں لکھتا ہے کہ دماغ جسم کا فطری محافظ ہے۔ ہر قسم کے گناہ جسمِ لطیف میں برص اور دیگر امراض پیدا کرتے ہیں غصے کی وجہ سے تھوک کے اجزاء ایک خطرناک زہر میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔فوری اور شدید اِشتعال سے نہ صرف دل کمزور ہو جاتا ہے بلکہ دیوانگی اور موت تک کا خطرہ ہو جاتا ہے۔سندر بن کے جنگل میں ایک شخص نے شیر کو دیکھا تو بے ہوش ہو گیا۔ افاقے کے بعد دوسرے دن شیشہ دیکھا تو سر کے بال سفید ہو گئے تھے۔اسی طرح جرمن کی بمباری میں خوف کی وجہ سے کئی لوگوں کے بال یک دم سفید ہو گئے۔دوسری طرف محبت' رحم' مروت' عبادت اور گداز و نیاز سے جسم میں ایسی رطوبت پیدا ہوتی ہے کہ جو بیماری کے اثر کو زائل کر دیتی ہے۔ مذکورہ باتیں قرآن اور حدیث کے مطابق ہیں اور امریکی ڈاکٹر ہمیں ہمارا قرآن ہی سکھا رہے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ ''اِنَّ التَّوْبَةَ تَغْسِلُ الْحُوْبَةَ'' (توبہ گناہوں کو کھا جاتی ہے)[1] اور تکبر عمل کو ضائع کر دیتا ہے نماز تمام بیماریوں سے شفا دیتی ہے۔کلام پاک میں شفا ہے۔اہلِ تقویٰ کیلئے دنیا اور آخرت میں روشنی ہی روشنی ہے۔صُوفیا کا قول ہے کہ جہاں دین ہو گا وہاں جادو' جن' بھوت کے اثرات نہیں پائے جاتے' لیکن اے مسلمان تو اپنے خدا کی باتوں سے کب تک انکار کرتا رہے گا؟ اب تو یہ وقت آ چکا ہے کہ امریکی اور انگریز قرآن کی باتوں پر غور کر رہے ہیں۔ایک امریکی لکھتا ہے کہ دُکھ اس وقت تک دُکھ رہتا ہے جب تک گناہ باقی رہے۔ گناہ کے چھوڑتے ہی دکھوں کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ مشہور فقیہ امام وکیع ؒ کی خدمت میں ان کے شاگردِ خاص نے عرض کی کہ میرا حافظہ (یادداشت) درست نہیں کوئی علاج بتلایئے ان کے جواب میں امام وکیع ؒ نے کہا تھا کہ گناہ چھوڑ دو تمہارا حافظہ درست ہو جائے گا۔

شَكَوْتُ اِلٰى وَكِيْعٍ سُوْءَ حِفْظِيْ فَاَوْصَانِيْ اِلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِيْ

(میں نے وکیع سے اپنے خرابیٔ حافظے کی شکایت کی تو اس نے مجھے گناہوں کے ترک کی نصیحت کی)

لِاَنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنْ اِلٰهٍ وَنُوْرُ اللهِ لَا يُعْطٰى لِعَاصِيْ

(کیونکہ علم تو اللہ کی طرف سے ایک نور ہے' اور اللہ کا نور گنہگار کو نہیں دیا جاتا)[2]

ہم اپنے اور لوگوں کے خیر و شر سے متاثر ہوتے ہیں

دماغ کی ان لہروں سے صحت و مرض یا مسرت و الم ہی وابستہ نہیں بلکہ کارخانۂ قدرت میں جو کچھ نظر آ

---

[1] کشف الخفاء، حدیث ۶۶۳، جلد ۱، صفحہ ۲۱۸۔

[2] تفسیر روح المعانی، جلد ۴، صفحہ ۲۱۸۔

رہا ہے انسانی دماغ کی تخلیق ہی ہے۔ یہ عمارات' نغمے' حسن و جمال' ٹیلیفون اور جہاز غرضیکہ تمام چیزیں پہلے کسی دماغ میں آئیں اور پھر ان کو تخلیقی رنگ ملا۔ کائنات میں لاتعداد دماغ ہیں اور ان سے نکلی ہوئی لہریں ہر طرف اثر انداز ہو رہی ہیں۔ ان کی چھوڑی ہوئی ''ایموشنل انرجی'' اپنا کام کر رہی ہے جس سے کچھ لوگ ثواب کی راہ پر ہیں اور باقی گناہوں کی راہ پر۔ مولانا رومؒ نے لکھا ہے کہ بے ادب خود ہی محروم نہیں رہتا بلکہ وہ تمام کائنات میں آگ لگا دیتا ہے۔ ایتھر میں خیر اور شر کی دونوں طاقتیں موجود ہیں۔ جب ہم اللہ کے سامنے جھک جاتے ہیں تو ہمارا رشتہ قوائے خیر سے قائم ہو جاتا ہے اور بدی ہمیں شیطان سے منسلک کر دیتی ہے۔ شیاطین کی بھیجی ہوئی لہریں ہم میں بری خواہشات پیدا کرتی ہیں اور نیک قوتوں کی لہریں اعلیٰ جذبات پیدا کرتی ہیں اگر کوئی نیک بندہ صاحبِ تجویز ہو تو تجویز کا منبع کوئی فرشتہ ہو جاتا ہے ورنہ اگر تجویز شیاطین کی طرف سے ہو تو انجام برا ہوتا ہے۔ سورۂ حمٓ سجدہ آیت ۳۰ اور ۳۱ میں فرمایا گیا ہے کہ ''تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ'' (ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں) اور غم نہ کرنے کی بشارت دیتے ہیں اور دوسری طرف سورۂ الشعراء میں فرمایا گیا ہے۔ ''هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِيْنُ ۝ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ عَظِيْمٍ'' (الشعراء:۲۲۱) (کیا بتاؤں میں کہ شیاطین کن لوگوں پر اترتے ہیں یہ ہر جھوٹے اور بدکار انسان پر نازل ہوتے ہیں)۔ اسی بات کی قرآن نے ایک اور جگہ وضاحت کی ہے کہ ''ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ'' (الروم:۴۱) (پھیل گیا ہے فساد خشکی اور سمندروں میں بوجہ ان کرتوتوں کے جو لوگوں نے کئے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ چکھائے انہیں کچھ سزا ان کے (برے) اعمال کی (تاکہ) شاید وہ باز آ جائیں)۔

عبادت میں ملائکہ کی مدد اور شیطان کی مزاحمت

مشاہدے میں آیا ہے کہ ہر مسلمان کا دل اسے عبادت نہ کرنے پر ملامت کرتا ہے اس کے دل میں عبادت کرنے کی سخت خواہش ہمیشہ ہی رہتی ہے چنانچہ جب وہ ذرا سی کوشش کا مظاہرہ کرتا ہے تو نماز و روزہ پر پابند ہو جاتا ہے اور تہجد کی نماز تک قضا نہیں کرتا مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس پر صبح کی نماز کے دو فرض ادا کرنا بھی گراں گزرتے ہیں۔ اس شوق اور بدشوقی کا ہونا بھی سائنس دانوں کے مطابق' ایتھری لہروں سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کاسمک ورلڈ کے شیاطین اور ملائکہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کیلئے ہمیشہ مصروف عمل رہتے ہیں ہر طاقت یہ کوشش کرتی ہے کہ دوسری طاقت کے پیروکاروں کو اپنی طرف لے آئیں۔ اس مقصد کیلئے دونوں طاقتیں لہروں کا ایک سلسلہ زمین کی طرف بھیجتی ہیں جب کوئی شخص اللہ کی طرف تھوڑی سی کوشش کر کے چلا جاتا ہے تو شیطانی حلقے میں مصیبت کے حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ شیاطین زیادہ طاقتور لہریں چھوڑتے ہیں جس سے اس آدمی کا شوق کم ہو جاتا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر فرشتوں کی صف میں بے چینی سی پھیل جاتی ہے اور چنانچہ وہ اپنی لہروں میں زیادہ توانائی بھر دیتے ہیں جس سے (کچھ دنوں بعد) اس آدمی میں

شوق کی آگ دوبارہ بھڑک اٹھتی ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا ہے۔

قرآن اور حدیث کی رو سے مذکورہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ قرآن میں ہے کہ "وہ فرشتے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اللہ کے حضور میں دنیا والوں کیلئے دست بہ دعا رہتے ہیں اور ان کی مغفرت اور گناہوں سے بچنے کی دعا کرتے ہیں" (وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ) (المؤمن:٦،٩)۔ ان کی یہ دعا ایتھر میں لہریں پیدا کرتی ہے اور انسانوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں بھی آیا ہے کہ انسان کے دل میں ایک فرشتہ متعین ہے جو اسے نیکی کی طرف مائل کرتا ہے اس کو خطرۂ ملک کہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے دل میں ایک نور ظہور کرتا ہے اور آدمی نیکی پر مائل ہوتا ہے لیکن جب اس کا نفس اس کے قلب پر اپنا اثر ڈالتا ہے تو خطرہ نفسانی یا شیطانی کے اثر سے اس کے دل میں ظلمت پھیل جاتی ہے اور وہ بدی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اس کشمکش میں جس طاقت کا پلہ بھاری ہو جائے تو آدمی ادھر ہی لگ جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں طاقتیں ایک دوسرے کو دبانا چاہتی ہیں لیکن معاملہ انسان کے ہاتھ ویٹو پاور کی طرح رہتا ہے کہ وہ ذرا سا فرشتوں کی طاقت کا مددگار ہو جائے تو یقینی طور پر نیک ہو جاتا ہے اور اگر خواہشات کے سامنے ہتھیار ڈال دے تو بدی کی طرف چل پڑتا ہے۔ آج دنیائے اسلام میں مسلمانوں کا یہی حال ہے کہ شیطانی دعوتوں کو بخوشی لبیک کہتے ہیں اور شر کی جانب سے ایک معمولی اشارے پر پرہیز توڑ دیتے ہیں اور بلا کسی مزاحمت کے ہمہ وقت شیطان کے چنگل میں پھنسے رہتے ہیں۔ احادیث میں ہے کہ جب آدمی کسی کارِ خیر کی طرف مائل ہو تو شیطان اپنے سر پر خاک ڈالتا ہے اور اس آدمی کے دل میں طرح طرح کے خیال ڈالتا ہے۔ راقم الحروف کا یہ قاعدہ رہا ہے کہ وہ اپنے سرکاری ڈرائیور کو بھی نماز کی تلقین کرتا تھا اور جب کبھی گاڑی میں بیٹھتا تو صورت حال کا جائزہ لیتا۔ ایک دن تنگ آ کر اسی ڈرائیور نے کہا "صاحب کیا کروں کہ جب بھی میں نماز کی طرف آتا ہوں تو کسی نہ کسی مصیبت میں پھنس جاتا ہوں" راقم الحروف نے کہا کہ مصائب تو شیطان کی طرف سے نہیں ہوتے البتہ شیطان یہ احساس دلاتا ہے کہ دیکھا تم نے نماز پڑھی تو یہ مصیبت آ گئی۔ راقم الحروف کے ایک عزیز کا واقعہ بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ اس نے ایک دن دیوار کے ساتھ سائیکل لاکھڑی کی تو پھسل کر گر گئی۔ اس بات پر اس نے برجستہ کہا کہ دیکھا آج ہی میں نے نماز پڑھی تھی اسی لئے یہ سائیکل گر گئی۔ ظاہر ہے کہ سائیکل شیطان نے نہیں گرائی بلکہ اس کے دل میں یہ خیال ضرور پیدا کیا کہ نماز پڑھو گے تو سائیکل گرتی رہے گی، مصائب وغیرہ آتے رہیں گے۔ یہ اثرات ایتھر کی لہروں سے وجود میں آتے ہیں۔ راقم الحروف کی تصنیف "تہذیبِ نفس" میں نفس اور نفسانی خواہشات کا ایک باب شامل کر دیا گیا ہے جس میں شیاطین کی سرگرمیوں کا ذکر ہے اس کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ شیطان کس طرح ورغلانے میں کامیاب ہوتا ہے۔ شیاطین کا علاج یہ ہے کہ انسان ہمت اور استقامت اختیار کرے۔ استغفار اور لَا حَوْلَ کا وِرد کرے اور اللہ کے بندوں کی محبت اختیار کرے جو اسے شیطان کے چنگل سے نجات دلانے میں مدد کرتے ہیں کیونکہ مشائخ کی رُوحانیت معاون کا کام دیتی ہے

شیطان کے ہتھکنڈوں سے متعلق ہماری تصنیف ''نشانِ منزل'' دیکھیں۔

عبادت سے چہرے پر اثر

قرآن مجید میں سورۃ فتح آیت ۲۹ میں ہے کہ ''سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ'' (ان (کے ایمان اور عبادت) کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے نمایاں ہے)۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قدوسیوں (نیک لوگوں) کی جماعت کو پہچاننا مشکل نہیں ان کے چہروں پر نورِ ایمان کے جلوے صاف دکھائی دیتے ہیں۔ دیکھنے والے فوراً پہچان لیتے ہیں کہ یہ عشقِ نبی ﷺ کے پروردہ ہیں اور یہ انوارِ رسالت ﷺ کے فیض یافتہ ہیں ان کے حسین اعمال کا نکھار ان کے قلوب کی پاکیزگی اور روح کی طہارت دلوں کو بے ساختہ اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اس آیت میں سِيمَاهُمْ سے مُراد ماتھے کا گٹا نہیں ورنہ پھر جِبَاهُهُمْ کا لفظ استعمال ہوتا بلکہ اس سے مراد وہ نورِ باطن ہے جو چہروں پر ظاہر ہوتا ہے۔ مجاہدؒ سے کسی نے پوچھا تو فرمایا کئی بار گناہ بہت بڑا ہوتا ہے مگر دل پتھر سے زیادہ سخت ہوتا ہے لہٰذا ''سِيمَاهُمْ'' سے مُرادنورِ باطن ہے عبدالعزیز مکیؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ نور ہے جو عابدوں اور شب زندہ داروں کے باطن سے چمکتا ہے وہ عابد فرنگی اور حبشی ہی کیوں نہ ہو۔ جو رات کو نماز یا نوافل پڑھتا ہے تو دن کو اس کا چہرہ بڑا دلکش ہو جاتا ہے۔ ایک عارف کا قول ہے کہ نیکی سے دل میں نور، چہرے پر چمک، رزق میں فراخی اور لوگوں کے دلوں میں اس کیلئے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی کام خوب چھپ کر ہی کیوں نہ کیا جائے لیکن اس کے اعمال کو اللہ تعالیٰ ان کے چہرے اور گفتگو سے نمایاں کر دیتا ہے۔ اس کے برعکس ایک بدکار، غافل اور محرومِ عبادت شخص کے منہ پر سیاہی، گرد اور ذلت کی ایک غیر مرئی تہہ جم جاتی ہے۔ اس کے چہرے کے خطوط بھیانک، ہڈیاں بے طرح ابھری ہوئی، آنکھیں بے نور، پیشانی پچکی ہوئی، ناک ٹیڑھی اور گالوں میں جھریاں اور گڑھے ہوتے ہیں۔ یورپ کے سائنس دان کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا ہر قسم کے چہروں میں فرق صاف یہ ہے کہ جس طرح کوئی درخت مکمل غذا اور پانی پا کر سرسبز، گھنا اور خوشنما بن جاتا ہے مگر بیابان کا درخت کمزور اور بے برگ سارہ جاتا ہے، اسی طرح نیک آدمی کا چہرہ عبادت کی غذا سے تروتازہ اور شاداب ہو جاتا ہے اور بدکار آدمی کا چہرہ گناہوں کی وجہ سے پژمردہ اور مرجھایا سا ہوتا ہے۔

انسان علم کے بغیر حیوان محض اور علم حاصل کرنے پر مسجودِ ملائکہ بن جاتا ہے۔ سائنس دانوں نے کہا ہے کہ حصولِ علم ایک بلند پایہ عمل ہے جس سے اولاً جسم لطیف اور پھر جسم خاکی حُسن و تناسب حاصل کر لیتا ہے۔ لاعلمی دونوں اجسام کو مسخ کر دیتی ہے اور اس کے چہرے کا پلستر بگڑ جاتا ہے اسی طرح چہرہ باطن کا اشتہار ہے۔ چہرے کی ہر لکیر اور اُبھار خدائی قلم کی تحریر ہے۔ قرآن میں ''وُجُوهٌ مُّسْفِرَةٌ'' (روشن چہرہ) اور مُّسْتَبْشِرَةٌ (بشاش) چہروں کا ذکر آیا ہے اور ساتھ ہی فرمادیا کہ تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ یعنی انہیں تم چہروں

سے پہچان سکتے ہو۔ یہاں محسوس ہوتا ہے کہ انگریز سائنس دان کس طرح قرآن کی تصدیق کرتے ہیں۔

کائنات کا عظیم دماغ یا عقل کل

ان سائنس دانوں کا قول ہے کہ ایتھر کے ساتھ یہ تعلق پیدا ہونا دماغ کے ذریعے ممکن ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ دماغ کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک تو وہ قسم جس کا تعلق ایتھر سے بغیر عبادت اور ریاضت کے ہوتا ہے (عطائی)۔ ایسے لوگ اللہ کی عطا کردہ طاقت کے ذریعے عالمِ مثال سے رابطہ قائم کر لیتے ہیں اور طرح طرح کے مشاہدات کرتے ہیں ان کے پاس اجسامِ لطیف کی محفل بھی لگتی ہے۔ دوسری قسم کے وہ دماغ ہیں جو عبادت اور ریاضت سے اپنے اندر ایموشنل انرجی (روحانی قوت) پیدا کر لیتے ہیں اور اس طاقت کے ذریعے ان کا رابطہ اسٹرل ورلڈ سے ہو جاتا ہے۔ لیڈ بیٹر پادری نے اپنی کتاب ''Invisible Helpers'' میں لکھا ہے کہ کچھ لوگ اپنے اوپر بے ہوش ہو کر ایک کیفیت طاری کر لیتے ہیں اور اسٹرل باڈی کے لوگوں سے ملاقات کر کے کچھ ارواح کو بلا لیتے ہیں جس سے وہ سوال جواب کرتے ہیں اور نایاب انکشافات کرتے ہیں (جیسے علامہ اقبالؒ کی رومی سے ملاقات ہوتی تھی)۔ مسز گاسکل اپنی کتاب What's Life میں لکھتی ہیں کہ انسانی مادی جسم میں ایک ایتھری جسم (روح) بھی موجود ہے جو بعد از موت الگ ہو جاتا ہے، مادی جسم اصلی ایتھری جسم کا خول ہے۔ ڈاکٹر زائن نے بھی لکھا ہے کہ ایثری جسمِ مادی جسم میں اس طرح داخل ہے جس طرح چینی دُودھ میں۔ ایک انگریز نے ولسن چیمبر تیار کیا جس میں وہ ایک مینڈک کو بند کرتا ہے اور (ہوا کی کمی پیدا کرتے ہوئے) مینڈک کو مار دیتا ہے۔ اس بکس میں موجود کیمرہ موت کا منظر ریکارڈ کرتا ہے۔ اس کا کیمرہ دو قسم کی فوٹو لینے میں کامیاب ہوا۔ ان میں سے ایک فوٹو اس کے جسم کی ہوتی ہے اور ایک دھندلی سی جسمِ لطیف کی فوٹو ہوتی ہے جو مادی جسم سے ۵ سے ۷ انچ اونچی دکھائی دیتی ہے۔ ڈاکٹر اے۔ آر واٹرس نے اس موضوع پر ایک کتاب ''Intra Atomic Quantity'' کے نام سے لکھی ہے۔ انسان میں بھی ایسا ہی جسمِ لطیف ہوتا ہے جو ایموشنل انرجی حاصل کر کے ایتھر سے تعلق پیدا کر لیتا ہے۔ ان سائنس دانوں نے رُوح کے کمالات اور پرواز حاصل کرنے کے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں۔ ان واقعات کے مطابق اگرچہ چند جوگی اور کفار بھی ہوا میں اڑنے کا مظاہرہ کرتے ہیں اور مافوق الادراک کام کرتے ہیں مگر اس کے باوجود مسلمان اولیائے کرام کے مقابلے میں نہیں پہنچ سکے۔ اولیائے کرام سخت مجاہدات (ذکر، تزکیۂ نفس، ادائیگیٔ نفل، نماز وروزہ کے علاوہ اتباعِ شریعت اور ریاضتِ شاقہ کے ساتھ اپنے اس جسمِ لطیف پر کنٹرول حاصل کر لیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کو یہ تصرف حاصل ہو جاتا ہے کہ اپنی روح کو جب چاہیں جہاں چاہیں حاضر کر سکتے ہیں۔ ایسے بزرگ اپنی اس روح کے ساتھ لوگوں کی مدد کرنے کی طاقت بھی رکھتے ہیں۔ مشہور ہے کہ کچھ لوگ مدینہ شریف جا کر اپنی نماز ادا کرتے ہیں اور کچھ حج

کے موقع پر مکہ معظمہ میں دیکھے گئے ہیں حالانکہ ان کے اجسام یہاں پاکستان میں موجود رہتے ہیں۔ چونکہ یہ تمام باتیں روحانی قوت سے متعلق ہیں اس لئے ان کا مفصل تذکرہ راقم الحروف کی کتاب ''اسلام وروحانیت اور فکر اقبال'' میں تفصیل کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔ ان صاحب کمال اولیاء کرام کو تخلیق کا اختیار بھی مل جاتا ہے۔ یہ لوگ دنیا میں جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اور آخرت میں جو چاہیں گے کریں گے۔ جنت میں جس قسم کے باغات' میوہ جات' انہار' امصار اور بلاد چاہیں گے عدم سے وجود میں آ جائیں گے۔ ''وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُوْنَ'' (تمہارے لئے اس (جنت) میں ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے وہ کچھ ہے جو تم مانگو گے) (حم السجدہ: ۳۱) اس بات پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ''یَا سَارِیَةُ الْجَبَلَ'' (اے ساریہ رضی اللہ عنہ پہاڑ کے دامن میں ہو جاؤ)[1] کا کہنا اور حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کا شام کے ملک میں سننا اس روحانی تصرف کی مثال ہے۔ کسی بزدل کو بہادر' بے حیا کو حیادار اور کام چور کو محنتی بنانا چاہتے ہو تو خیالات (پر تصرف) کی تند لہر (بذریعہ مراقبہ) اس کی طرف منتقل کرو گے تو وہ متاثر ہونے لگے گا مگر شرط یہ ہے کہ نگاہوں میں عبادات اور ریاضت کی قوت موجود ہو اور جس کی طرف توجہ کی جائے وہ ابوجہل کی طرح بے حس نہ ہو۔ لوگوں کا قلبی توجہ سے اس طرح علاج کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص سینما کی محبت میں گرفتار ہو تو تم اپنے دل میں سینما کی نفرت جمع کر کے اس شخص کی طرف منتقل کر دو وہ بھی سینما سے متنفر ہو جائے گا۔

ڈاکٹر کانن لکھتا ہے کہ کائنات میں ایک عظیم دماغ کارفرما ہے جس سے طاقتور لہریں نکل کر ہر چیز پر اثر انداز ہو رہی ہیں جو شاعر کو شعر لکھنے کیلئے مائل کرتی ہیں جانباز کو شجاعت کیلئے تیار کرتی ہیں عابد کیلئے سکون کا باعث بنتی ہیں اور بدکار میں بے چینی کے احساسات پیدا کرتی ہیں۔ یہ عظیم دماغ خدائے محیط کا ہے اور اس کو عقل کل بھی کہا جاتا ہے جو شخص اپنا رابطہ اس ذات سے کر لیتا ہے تو وہ تمام نعمتوں سے متمتع ہو جاتا ہے۔ اس کا انکشاف (ڈاکٹر کانن کے مطابق) سب سے پہلے فیثاغورث نے کیا تھا کہ کائنات کی ہر چیز سے لہریں نکل رہی ہیں یہ لہریں مختلف آوازوں' روشنیوں اور موسیقیوں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ کہیں عشق اور کہیں نفرت بنتی ہیں کئی لوگوں میں یہ لہریں اس قدر تیز ہوتی ہیں کہ اگر کوئی حاصل کر لے تو اس کے بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔ سانپ اور شیر کو دیکھ کر خوف پیدا ہوتا ہے' بچھوے اور چھپکلی کو دیکھ کر گھن پیدا ہوتی ہے۔ لیکن کسی محبوب کو دیکھ کر مسرت پیدا ہوتی ہے۔ ڈاکٹر کانن نے لکھا ہے کہ ہپناٹزم ایک زبردست طاقت ہے تبت کے لامے اس طاقت میں مشہور ہیں۔ ڈاکٹر کانن لکھتے ہیں کہ ہمارے ایک نوکر کو شیاٹیکا کی شدید درد ہوئی ہم نے ہپناٹائز کرنے کی ناکام کوشش کی اور ہم بے بس ہو گئے۔ اتنے میں لامہ آیا اور کہنے لگا اے درد فوراً تھم جا۔ وہ درد فوراً رُک گیا۔ اس کے بعد لامہ کہنے لگا کہ اگر انسان اللہ کی مرضی کے سانچے میں ڈھل جائے اور اس سے محکم رابطہ

---

[1] کنز العمال، حدیث ۳۵۷۸۸، جلد ۱۲، صفحہ ۵۷۱۔

قائم کرلے تو اس کا ارادہ اللہ کا ارادہ بن جاتا ہے جو قضا کی طرح مؤثر ہوتا ہے۔

عبادت سے قیودِ زمان ومکاں توڑ سکتے ہیں

انسان گناہ سے بچے اور عبادت کے ذریعے احکامِ الٰہی کی تعمیل کرے تو اس میں بے پناہ طاقتیں جمع ہو جاتی ہیں اس کا جسمِ لطیف پرواز کرتا ہے رُوحوں سے رابطہ رکھتا ہے' توجہ سے امراض کو دور کرتا ہے دوسروں کے دل میں اپنا حکم چلا سکتا ہے غیبی آوازیں سنتا ہے آنے والے واقعات کا کافی حد تک علم ہو جاتا ہے۔ کائنات کی ہر چیز طوعاً یا کرہاً وہ عمل کر رہی ہے جس کیلئے اسے بنایا گیا ہے مگر انسان کو مرضی کا مالک بنایا ہے کہ اگر وہ چاہے تو عبادت اور احکامِ الٰہی کو تسلیم کرتے ہوئے تمام کائنات کو مسخر کر لے اور اگر احکامِ الٰہی سے دستبردار ہو جائے تو اسفل سافلین بن جاتا ہے۔ اگر وہ حقِ عبودیت ادا کرے تو تمام طاقتیں اس کی مددگار ہو جاتی ہیں اس کی شخصیت دلکش ہو جاتی ہے اور وہ آلام ومصائب اور دکھ، درد اور بیماریوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر کائن نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ جب کوئی اللہ سے رابطہ مستحکم کر لے تو ایسے افق پر جا پہنچتا ہے جہاں اللہ سے شرفِ کلام حاصل ہوتا ہے اور کتنے ہی اسرار ہیں جن کا علم اس ذاتِ علیم وخبیر سے تعلق پیدا کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ یہی ڈاکٹر لکھتا ہے کہ خدا کے ساتھ یہ رابطہ ایک نوری خط کی شکل میں اہلِ بصارت کو نظر آتا ہے اور اس نُوری خط سے ہی فیضانِ الٰہی عابد کو ملتا ہے اور جواباً اللہ تعالیٰ ایسی لہریں بھیجتا ہے جو بندے تک پہنچ کر مسرت میں بدل جاتی ہیں اور ایک جہاں اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ حضرت مجددؒ الف ثانیؒ کا قول ہے کہ بندہ پر حق تعالیٰ کی قیومیت روح کے ذریعے سے ہوتی ہے اور بندہ اسی روح کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے فیض حاصل کرتا ہے۔

ڈاکٹر کائن نے لکھا ہے کہ ہم خدا سے وہ تعلق پیدا کر سکتے ہیں کہ وہ ہمارے لئے ہدایت، نور اور قدرت کا سرچشمہ بن جائے۔ اس دانشِ اعلیٰ سے متاثر ہونے کے بعد ہم خدائے حَیٌّ وقَیُّوْمٌ کی صفات کا مظہر بن جاتے ہیں۔ ایمرسن کا قول ہے "اللہ عزوجل کے دائرہ قُرب میں پہنچتے ہی ایک انسان کی ہستی میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے گویا کہ تمام لذتوں' مسرتوں اور نعمتوں کا سرچشمہ خدا کی ذات ہے اور اللہ عزوجل کے ساتھ تعلق پیدا کرنا پاکیزگی افکار واعمال' ذاتِ الٰہی سے محویت اور ذکر وتسبیح یعنی حقِ عبادت ادا کرنے سے ممکن ہے غیر مسلم اس کے حصول کیلئے نہایت سخت ریاضتیں کرتے ہیں مگر اسلام میں اتباعِ شریعت سب طریقوں سے سہل ہے اور درجات میں زیادہ اعلیٰ وارفع مقامات عطا کرتی ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی' مسکین وجانِ پاک اور دیوارِ یتیم کے واقعات کا علم کس طرح حاصل کیا؟ آصف بن برخیاؒ (جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے امتی تھے) نے بلقیس کا تخت سینکڑوں میل کی مسافت سے ایک لمحے میں حاضر کر دیا، اس کا جواب یہ ہے کہ جب انسان ترکِ گناہ کے بعد عبادت کو اپنا معمول بنا لے اور

رات کو پرسکون ماحول میں اللہ کو پکارے تو یقین کرو کہ یہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ کس قدر بدقسمت ہیں وہ لوگ جو قوت وعظمت کے اس سرچشمے سے بے خبر اور محروم ہیں۔ مندرجہ بالا واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ عبادت وہ توانائی ہے جو حدودِ زمان ومکان کو توڑ کر ہمیں ربِ کائنات کے جوار میں پہنچا سکتی ہے اس سے کائنات کی وسعتیں سمٹ جاتی ہیں ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ علم سے دماغ کو اور عبادت سے روح کو نور عطا ہوتا ہے۔ جس قدر نور عظیم ہوگا مومن کی قوت بھی اسی طرح عظیم ہوگی۔ علامہ اقبالؒ نے فلسفہ زمان ومکان کے متعلق طویل بحث کی ہے۔ اس موضوع پر ایک مختصر سی گفتگو ہماری کتاب ''اسلام ورُوحانیت اور فکر اقبال'' میں بھی شامل کردی گئی ہے تاکہ جو بات فلسفیوں تک محدود تھی ایک عام مسلمان کو بھی اس کا علم ہو سکے۔ علامہ اقبالؒ نے فلسفۂ زمان ومکان میں اس بات کو واضح کیا ہے کہ مومن ہر چیز پر قاہر' قادر اور خدائے مطلق کا نائب مقرر کیا گیا ہے۔ اگر وہ اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرے تو وہ نہ صرف کائنات کو مسخر کر سکتا ہے بلکہ زمان اور مکاں کے بندھن کو بھی توڑ کر آگے نکل سکتا ہے اور پھر ایسے شخص کیلئے فرمایا کہ وہ حیاتِ ابدی حاصل کر لیتا ہے۔

ہو اگر خود نگر خود گر و خود گیر خودی یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے (۲۶۲)

علامہؒ فرماتے ہیں کہ ایک وہ زمان ومکاں ہے جس میں ہم آباد ہیں اس کے علاوہ اور بھی بہت سے زمان ومکاں ہیں۔ عرش اپنی وسعت کے باوجود دائرہ مکان سے باہر نہیں بلکہ اس کے برعکس بندۂ مومن کا دل لامکانیت کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسی روز و شب میں اُلجھ کر نہ رہ جا کہ تیرے زمان و مکان اور بھی ہیں (۲۶۳)

عبادت میں سکون کیوں ملتا ہے

حرکت کے بعد ٹھہر جانے کو ''سکون'' کہتے ہیں۔ اسی لئے جائے رہائش کو بھی ''مسکن'' کہا جاتا ہے۔ ہر وہ چیز جس سے راحت ملے ''مسکن'' کہلاتی ہے۔ بعض نے سَکِیْنَہ سے وہ فرشتے مراد لئے ہیں جو مومن کے دل کو تسکین دیتے ہیں۔ عقل جب شہوت کی طرف جانے سے رک جائے تو اسے بھی سَکِیْنَہ کہتے ہیں۔ سَکِیْنَہ سے مراد رعب اور خوف کا زائل ہونا بھی ہے۔[1] قرآن میں تاکیداً فرمایا گیا ہے ''اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ'' (یاد رکھو صرف اللہ کی یاد سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے) (سورۂ الرعد آیت:۲۸) اس آیت میں اس امر پر تنبیہہ کی گئی ہے کہ معرفتِ الٰہی اور کثرتِ عبادت سے ہی قلبی سکون حاصل ہوتا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں کہ مجنوں کو کسی نے صحرا میں دیکھا کہ زمین پر انگلی سے اس طرح لکھ رہا تھا جیسے کوئی خط لکھ رہا ہو۔ اس صحرانورد نے پوچھا کہ اے مجنوں یہ خط کس کو لکھ رہے ہو، مجنوں نے کہا کہ میں لیلیٰ کا نام لکھنے کی مشق کر رہا ہوں اور اس کے نام کو بار بار لکھنے سے میرے دل کو تسکین ملتی ہے۔

---

[1] مفردات فی غریب القرآن، جلد ا، صفحہ ۲۲۷، ۲۳۸۔

گفت مشق نامِ لیلیٰ می کنم خاطرِ خود را تسلی می دہم

مولانا ؒ نے اس مثال سے یہ ظاہر کیا ہے کہ جس کو کسی سے محبت ہو تو وہ اس کا بار بار نام لیتا ہے اور اس طرح کرنے سے اس کے دل کو تسلی ہوتی ہے۔ مولانا ؒ نے اپنے اشعار سے قرآن کی درج بالا آیت کا مطلب واضح کیا ہے کہ جن کو اللہ سے محبت ہو تو وہ مجنوں کی طرح اللہ کے نام لینے سے ہی اطمینان اور سکون حاصل کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ''مَنْ اَحَبَّ شَیْئاً فَاَکْثَرَ ذِکْرَہٗ'' (جو کسی سے محبت کرتا ہے اکثر اسی کے ذکر میں رہتا ہے)۔[1]

اہلِ طریقت اس بات کی یوں وضاحت کرتے ہیں کہ یادِ الٰہی میں انسان کی روح اپنے مقام (آخرت کا وہ مقام جہاں اس کی رُوح مرنے کے بعد پہنچے گی) کی طرف عروج پکڑتی ہے اور وہاں چونکہ انوار لطیف تر ہوتے ہیں اس لئے اس کی رُوح سکون محسوس کرتی ہے۔ اس کے علاوہ جب لطیف انوار کی بارش رُوح پر ہوتو انسان کے دل میں مخفی اسرار پھوٹنے شروع ہو جاتے ہیں جو مزید سکون کا باعث بنتے ہیں اور اس کے اثرات سے عبادت کرنے والے کے اخلاق و کردار کا معیار بلند ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسے راحت محسوس ہوتی ہے۔ علامہ ؒ نے فرمایا۔ ؎

کھلتے نہیں اِس قلزمِ خاموش کے اسرار جب تک تو اسے ضربِ کلیمی سے نہ چیرے (۲۶۴)

یہاں ضربِ کلیمی سے مُراد ذکر ہے جو عبادت کی رُوح کہلاتی ہے۔ عبادت میں سکونِ قلب کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ ایک حدیث کے مطابق جب بندہ عبادت میں مشغول ہوتا ہے تو بہت سے فرشتے اس کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیتے ہیں اور اس کی زیارت کرتے ہیں۔[2] فرشتوں کے مس ہونے سے رُوحانی مسرت کا احساس ہوتا ہے جو بندے کے سر میں ایک خاص قسم کی جھنجھلاہٹ کی صورت میں محسوس ہوتی ہے چنانچہ جب یہ کیفیت محسوس ہو تو جان لینا چاہیے کہ فرشتے یا کچھ نیک ارواح آپ کے پاس موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نمازی پر سکون ٹپکنے لگتا ہے، یہ فرشتے ہی مومن کے دل کو سکون دیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ ''اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ'' (حم السجدہ: ۳۰) (نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور تمھیں بشارت ہو جنت کی)۔ عبادت میں مسرت اس لئے بھی محسوس ہوتی ہے کہ عبادت رُوح کی غذا ہے اور رُوح تقویت محسوس کرتی ہے جس سے کیف و سرور پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ انسان جب کسی حسین و جمیل یا کسی عظیم شخصیت سے ملاقات کرتا ہے تو وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتا۔ نماز میں براہِ راست خدا سے ہمکلامی ہے اور مومن کا معراج پر پہنچنا اسی کام سے ممکن ہوتا ہے۔ باقی عبادتوں میں بھی خدا سے ربط قائم ہوتا ہے اور تمام عبادات میں سکون اور سرور کے اثرات حاصل ہوتے ہیں۔

---

[1] کشف الخفاء، حدیث ۲۳۵۲، جلد ۲، صفحہ ۲۲۲۔

[2] صحیح مسلم، حدیث ۴۸۶۸، جلد ۱۳، صفحہ ۲۱۳۔

عبادت میں رُوحانی مسرت حاصل ہونے کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ عبادت میں انسان اللہ تعالیٰ سے جب ربط قائم کر لیتا ہے تو ایک رُوحانی تار کے ذریعے رُوحانی برق انسان میں فیضان کی صورت میں آنی شروع ہو جاتی ہے جو اس عبادت کے نور کی وجہ سے دل میں کیفیت پیدا کرتی ہے اور رفتہ رفتہ بندے پر فنا کی حالت طاری ہونے لگتی ہے، یہ فنا بالآخر بقا میں تبدیل ہو کر دائمی سرور کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس حالت میں وہ دائمی سرور ملتا ہے جس کا ذکر ''رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ'' (النور: ۳۷) میں ہے۔ اسی دوران میں کبھی نیند کا سا غلبہ بھی طاری ہو جاتا ہے، جس کو ''سکر'' کہتے ہیں۔ اس حالت میں بھی نیند اور سکون کا محسوس ہونا فنا کی وجہ سے ہے اور ایسی کیفیت والوں کو ازخود رفتگی بھی میسر ہوتی ہے جس میں مغیبات کا ظہور ہوتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ جب مسلمانوں پر مشکل وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر سکون طاری کیا، جنگِ بدر میں ایک اُونگھ ایسی آئی جس نے مسلمانوں کو تازہ دم اور پُرسکون کر دیا۔ یہ قانونِ الٰہی ہے کہ جہاں مقصد کیلئے تڑپ ہو تو سکون بھی وہیں ملتا ہے۔ سَكِينَةٌ کا لفظ اس اطمینان اور تسلّی کو کہتے ہیں جس سے دل کو قرار آ جائے اور ہر قسم کے قلق دور ہو جائیں۔ صحابہ کرام کو صلح حدیبیہ میں جو پریشانی اور تشویش تھی اس کی جگہ اللہ تعالیٰ نے سکون اور طمانیت کا نور انڈیل دیا ''هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ط'' (الفتح: ۴) (وہی ذات ہے جس نے اتارا اطمینان کو اہلِ ایمان کے دلوں میں تاکہ وہ قوتِ ایمان میں اور بڑھ جائیں)۔

چند لمحات کا سکون جو عبادت میں میسر ہوتا ہے تمام کوفتوں اور تکالیف کو ختم کر دیتا ہے بلکہ سُکر کی حالت میں تو اولیائے کرام کو بشارتیں دی جاتی ہیں یا آئندہ آنے والے واقعات (حالت واقعہ میں) دکھا دیئے جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ نیکی اور عبادت میں انسان چونکہ اپنے اصل کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہاں اسے اپنے اصلی وطن کی سیر نصیب ہوتی ہے اور اپنے مسکن میں سکون محسوس کرتا ہے۔ کسی کو معلوم نہیں کہ شک و شبہات اور ظلمات یا تاریکیوں کی وجہ سے انسان بے قرار رہتا ہے۔ جب یقینِ عبادت کا اجالا ہوتا ہے تو سارے اضطراب ختم اور بے چینیاں دُور ہو جاتی ہیں۔ اسی نُور سے روح کو تقویت ملتی ہے اور انسان میں نیکی کی مُضمر صلاحیتیں نشوونما پاتی ہیں جس کی وجہ سے شیطانی وسوسے ختم ہو جاتے ہیں بلکہ شیطان پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ اللہ کی عبادت وہ سکون عطا کرتی ہے جو عزت دولت اور حکومت سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ حالت صوفیاء کے نزدیک وجدانیت میں سے ہے اور اس سکون کو حاصل کرنے والے عابد اور اولیائے کرام ہی ہوتے ہیں جو آتشِ کدۂ نمرود میں بھی مسکراتے ہیں اور ''لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ'' (ان پر نہ کچھ خوف اور نہ غم) (یونس: ۶۲) کے زمرے میں شامل ہوتے ہیں۔ قرآن کا فیصلہ ہے کہ یہ دولت ایمان والوں اور حقیقی لوگوں کو ہی ملتی ہے۔ جیسا کہ اس آیت کے آگے فرمایا ''اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ'' (وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں) (یونس: ۶۳)۔

اللہ والوں کے ہاں نہ خوشی ہے نہ غمی

شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کے مجموعہ کلام 'اسرارالتوحید' میں آپ کا قول ہے کہ ایک روز میں قصبہ آمل میں شیخ ابوالعباس قصابؒ کی خدمت میں حاضر تھا کہ دو شخص آئے اور کہنے لگے اے شیخ ہمارے درمیان یہ جھگڑا پڑا ہوا ہے کہ خوشی ابدی (ہمیشہ رہنے والی) ہے یا غم؟ آپ اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے چہرے پہ ہاتھ پھیر کر کہا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہ قصاب کے بیٹے کیلئے نہ غم ہے نہ خوشی۔ "لَيْسَ عِنْدَ رَبِّكُمْ صَبَاحٌ وَّلَا مَسَاءٌ" (تمہارے رب کے ہاں نہ صبح ہے نہ شام) خوشی اور غمی تمہاری صفت ہے جو حادث ہے اور حادث کو قدیم سے کیا راہ؟ پھر فرمایا خدا کے بندوں کیلئے سنتِ مصطفوی ﷺ ہی ایک راستہ ہے اور اگر کوئی جوانمردی کا دعویٰ کرے تو اس کا گواہ یہی راستہ ہے۔ یہ بوڑھی عورتوں کا راستہ نہیں بلکہ جوانمردوں کا میدانِ جنگ ہے، شیخ نے بتایا کہ یہ دونوں سائل ابوالحسن خرقانیؒ اور ابوعبداللہ داستانیؒ تھے۔

اگلے جہان میں جب یہ حال ہے تو اس جہان میں بھی اہلُ اللہ کی یہی شان ہے کہ نہ تو انہیں خوشی کے مواقع پر خوشی حاصل ہوتی ہے اور نہ رنج و غم کے مواقع پر کسی قسم کا رنج ہوتا ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے۔ "اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ" (یونس:۶۲ تا ۶۴) (سنو! بے شک اولیاء اللہکو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (عمر بھر) پرہیز گاری کرتے رہے۔ ان ہی کیلئے بشارت ہے دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں)۔ اسی کیفیت کیلئے علامہ اقبالؒ نے بھی دعائیہ انداز میں یہ شعر کہا ہے ؎

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر شریکِ زمرۂ لَا یَحْزَنُوْنَ کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں میرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر[۲۶۵]

اس آیت میں ولی کی شان بیان ہو رہی ہے۔ قاموس میں ولی کا معنیٰ "اَلْقُرْبُ وَالدُّنُوُّ" یعنی "قرب اور نزدیکی" لکھا ہے اس کے معنی قرب، محب، صدیق اور مددگار کے لئے جاتے ہیں۔

مولانا ثناءاللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں کہ قربِ الٰہی دو قسم کا ہے ایک تو وہ جو کائنات کے ذرے ذرے کو خالق کائنات سے ہے، اگر یہ قرب نہ ہوتا تو کائنات کا قائم رہنا محال ہوتا اور قرآن میں "وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ" (یعنی ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں) (سورہ ق:۱۶) کا اشارہ اسی طرف ہے۔ دوسرا قُرب وہ ہے جو صرف خاص بندوں کو حاصل ہے اسے قُربِ صحبت کہتے ہے، اس کے بہت سے درجے ہیں اور اس کی تفصیل "ولایت" کے باب میں بیان کی گئی ہے (تفصیل کے لیے دیکھیں ہماری تصنیف" اسلام و روحانیت اور فکر اقبال")۔ صوفیاءِ کرام کی اصطلاح میں "ولی" اس کو کہتے ہیں جس کا دل ذکرِ الٰہی تسبیح و تہلیل میں مستغرق اور مصروف رہے۔ اس کا دل محبتِ الٰہی سے لبریز رہے اور کسی غیر کی وہاں گنجائش نہ ہو، اس کا ہر کام اللہ کی محبت میں ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ایمان اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور ﷺ کی رسالت پر اس قدر

مستحکم ہوتا ہے کہ کوئی ابلیسی وسوسہ اندازی اور کوئی مصیبت انہیں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے متزلزل نہیں کرسکتی۔ ان کا ظاہر اور باطن تقویٰ کے نُور سے جگمگا رہا ہوتا ہے ایسے اعمال سے انکا دامن بالکل پاک ہوتا ہے جو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناپسند ہوں۔ شرکِ جلی، شرکِ خفی واخفی، حسد، کینہ، بغض، غصہ، غرور، تکبر، ہوا و ہوس اور تمام اخلاقِ مذمومہ سے پاک ہوتے ہیں ایسے لوگوں کو ہی خلعتِ ولایت دی جاتی ہے۔ تقویٰ کے اعتبار سے درجاتِ ولایت عطا ہوتے ہیں، ان میں کوئی چھوٹا اور کوئی بڑا تقویٰ کے اعتبار سے ہی ہوتا ہے۔ ولایت سے متعلق تفصیلی بیان ہماری کتاب ''اسلام ورُوحانیت اور فکرِ اقبال'' میں شامل کر دیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا آیات میں بیان کیا جارہا ہے کہ جو لوگ اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف تقویٰ اختیار کئے ہوئے ہیں ان کو دنیا میں اور آخرت میں کامیابی کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ جس طرح احادیث صحیحہ میں ہے کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے'' أَبُو بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَعُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَعَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَطَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ وَالزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ وَسَعْدٌ فِي الْجَنَّةِ وَسَعِيدٌ فِي الْجَنَّةِ وَأَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ''[1] (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد، حضرت سعید اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم جنت میں ہیں)۔ حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے متعلق بھی فرمایا ''سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ''[2] (یہ دونوں جنت میں جوانوں کے سردار ہیں)۔

منقول ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جب کسی بلا کے نازل ہونے پر دل کا معائنہ کرتے تو دل کو غم میں مبرا دیکھ کر فرماتے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور خوشی کی خبر ملنے پر دل کا معائنہ فرماتے تو دل کو خوشی سے مبرا دیکھ کر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہتے اور یہی ایک اللہ کے عاشق اور دوست کی پہچان ہے۔ ایسے لوگوں کو نہ شیطان بہکا سکتا ہے اور نہ یہ کسی قیمت پر خریدے جا سکتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کا مطلوب حقیقی اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ حفاظت اور مدد کرنے کا وعدہ فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ مطلوب حقیقی کے علاوہ ہر چیز عاشقانِ حق کیلئے بے معنی ہوتی ہے۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تا عصائے لا الٰہ داری بدست　　ہر طلسمِ خوف را خواہی شکست[266]

(جب تک تیرے ہاتھ میں لاالٰہ کا عصا ہے، تو خوف (وہراس) کا جو بھی جادو ڈالے گا ٹوٹ جائے گا)

گر خدا داری ز غم آزاد شو　　از خیالِ بیش و کم آزاد شو[267]

(اگر اللہ پر ایمان ہے تو ہر طرح کے غم اور نفع نقصان کے خیال سے آزاد ہو جا)

قوتِ ایماں حیات افزایدت　　وردِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ بایدت

(ایمان کی قوت تیری زندگی بڑھاتی ہے (اس لئے) تجھے لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ کا ورد کرنا چاہیے)

می کشد بارِ دو عالم دوشِ او　　بحر و بر پروردۂ آغوشِ او[268]

(اس کے کندھے دونوں عالموں کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور بحر و بر اس کی گود میں پلتے ہیں)

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۳۶۸۰، جلد ۱۲، صفحہ ۲۱۲۔

[2] صحیح ابن حبان، حدیث ۶۹۵۹، جلد ۱۵، صفحہ ۴۱۲۔

باب نمبر ۲۱

عبادت سے قوتِ برداشت پیدا ہوتی ہے

اسلام کا فلسفہ سخت کوشی

اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے تخلیق فرمایا ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو کوئی نہ کوئی خدمت سونپ رکھی ہے اور اس خدمت کے انجام دینے کو اس کیلئے فرض قرار دیا ہے۔ ہر چیز کیلئے اپنا فرضِ منصبی ادا کرنا ہی اس کیلئے اس کی عبادت ہوا کرتی ہے۔ جنوں اور انسانوں کو اپنے فرائض کی انجام دہی کے بدلے معرفتِ الٰہی حاصل ہونے کے علاوہ رذائل سے خلاصی نصیب ہو جاتی اور خصائلِ حمیدہ کا ان سے ظہور ہوتا ہے۔ خصائلِ رذیلہ کو ترک کرنا اور اوصافِ حمیدہ پیدا کرنے کیلئے انسانوں اور جنوں کو محنت اور مشقتِ شاقہ سے کام لینا ہوتا ہے۔ جن امور کی ادائیگی کیلئے محنت اور مشقت کی ضرورت ہوتی ہے وہاں سخت کوشی، تحمل مزاجی بردباری، صبر اور استقامت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اپنے فرائض کی انجام دہی کیلئے راستے کے تمام مصائب کو برداشت کرنا اور مردانہ وار آگے بڑھتے جانا اس راہ کی ضروریات میں شامل ہے۔ جس شخص کی عبادت مطلوبہ معیار پر پوری نہیں اُتر سکتی تو ایسے شخص کو جان لینا چاہیے کہ اس کی عبادت میں کچھ کمی رہ گئی ہے۔

اگر ہم اسلامی عبادات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ایک مسلمان کیلئے سخت کوشی، تحمل مزاجی، صبر آزمائی اور اپنے راہ کی مشکلات کو حل کرنے کی صلاحیت کا حاصل کرنا اس کے فرائض کے انجام دہی کیلئے از بس ضروری ہے۔ اگر روزہ، حج اور زکوٰۃ کا ہی مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام تحمل، بردباری اور مستقل مزاجی کے بغیر انجام دینا ممکن نہیں۔ یہ تمام عبادتیں مشکلات اور تکالیف کو برداشت کرنے کی متقاضی ہیں وہ مسلمان جو مطلوبہ مشکلات کو برداشت کرنے کی قوت سے محروم ہیں وہ فرائض کی ادائیگی سے بھی قاصر ہیں اس اعتبار سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عباداتِ الٰہیہ کا منشا صرف یہی ہے کہ مسلمان کو مجاہد، جنگجو، بہادر قوموں کی صف میں لا کر کھڑا کیا جائے اور ان میں قوتِ مدافعت، برداشت اور اپنے ارادوں پر ڈٹے رہنے کا مادۂ استقلال پیدا ہو سکے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے۔ ؎

چوں می گویم مسلمانم بلرزم   کہ دانم مشکلاتِ لاالٰہ را[۲۶۹]

(جب میں کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو لرز جاتا ہوں کیونکہ میں لاالٰہ کی مشکلات کو جانتا ہوں)

اسلام کے ابتدائی دور میں جب مسلمان کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کو زبان سے ادا کرتے تو ان پر ہر طرف سے مصائب اور مشکلات کے تیروں کی بوچھاڑ ہو جاتی اور ان کا جینا دوبھر کر دیا جاتا۔ آج بھی جو لوگ

اعلائے کلمۂ حق کا بیڑہ اٹھاتے ہیں تو ان کو بھی تلخیٔ ایام سے دوچار ہونا ہوتا ہے۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کے کہنے کے بعد اپنے آپ کو ثابت قدم رکھا اور ہر مصیبت اور مشکل کا مردانگی سے مقابلہ کیا۔ قرآن مجید میں اس بات کا ذکر آیا ہے کہ جب آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجا گیا تو اس وقت سے لے کر آج تک انسانوں کو مشقت کی زندگی میں ڈال دیا گیا اور وہ جب تک اس دارِ فانی میں رہیں گے سراسر مشکلات اور مصائب سے دوچار ہوتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الملک آیت نمبر ۲ میں اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ "اَلَّذِی خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا" انسانوں کیلئے حیات اور موت کو اس لئے پیدا فرمایا گیا ہے کہ ان کی آزمائش ہو سکے کہ دنیا میں تلخ ایام میں کون نیک کاموں کا مرتکب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرتا ہے۔ اپنے فرائض کی انجام دہی اور زندگی کی آزمائشوں پر پورا اترنے کیلئے انسان کو ہر قسم کی مشکلات اور تکالیف کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور جب تک وہ ان مشکلات کو برداشت نہیں کرتا وہ کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ عبادت کی ادائیگی سے انسان اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی کامیاب زندگی کی راہ میں حائل تمام مشکلات کو برداشت کر سکے۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جن اشخاص میں ان تکالیف کو برداشت کرنے کی صلاحیت موجود ہے اور جنہوں نے مصائبِ دنیا کا مردانگی سے سامنا کیا تو انہوں نے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ اس کلمۂ حق کے کہنے کے اہل تھے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے "وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا" (الفتح:۲۶) (اور انہیں کلمۂ تقویٰ پر مستحکم فرما دیا اور وہ اسی کے زیادہ مستحق تھے اور اس کے اہل (بھی) تھے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے)۔

علامہ اقبالؒ نے اسی لئے فرمایا کہ

چوں میگویم مسلمانم بلرزم کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را [۲۷۰]

(جب میں خود کو مسلمان کہتا ہوں تو لرز اٹھتا ہوں کیونکہ میں لَآ اِلٰهَ کی مشکلات سے واقف ہوں)

اسلام اپنے ماننے والوں کو مشکلات برداشت کرنے کا سبق دیتا ہے

مذکورہ بالا حقائق سے ظاہر ہوتا ہے کہ عباداتِ اسلامیہ میں وہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو مشکلات کو برداشت کرنے کا خوگر بنا دیں۔ جب تک مسلمان ان سختیوں کو برداشت کرتے رہے ان کے سر پوری دنیا میں بلند رہے اور اپنی ذمہ داریوں سے مکمل طور پر عہدہ براء ہوتے رہے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام میں مسلمانوں کو اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ اگر وہ کامیاب زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں تو خطرات کے ماحول میں زندگی بسر کرنا سیکھیں۔ سخت کوشی قانونِ فطرت ہے اور انسان اس قانون کے زیرِ اثر جدوجہد کرتے رہنے پر مجبور اور مکلف ہیں کیونکہ کسی قوم کی بقا اس کے اس مجاہدانہ کردار میں ہی مخفی ہے۔ علامہ اقبال

نے سخت کوشی پر بہت طویل کلام کیا ہے لیکن یہاں محض چند اشعار بطور نمونہ پیش کیے جا رہے ہیں آپ کا فلسفۂ سخت کوشی ایک قرآنی حقیقت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی زندگی اسی فلسفۂ قرآن کی ترجمانی کرتی ہے۔

علامہ اقبالؒ نے بھی کشمکشِ زندگی سے گریز کرنے کو مسلمان کی سب سے بڑی شکست قرار دیا ہے۔

گریزِ کشمکشِ زندگی سے مردوں کی — اگر شکست نہیں تو اور کیا ہے شکست؟(۲۷۱)

علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کو اس بات کا سبق دیا ہے کہ اگر وہ عناصرِ حیات کی ارتقاء چاہتے ہیں تو ذوقِ خطر اور حوادث کے ساتھ ٹکراؤ کو بخوشی قبول کریں جس سے انسان کارزارِ ہستی میں ایک بیباک مجاہد بن جاتا ہے مسلمان کیلئے یہ بات فرضِ منصبی کے برابر ہے کہ وہ اپنے اندر باطل شکن برق اور شرار پیدا کرے۔

حیاتِ شعلہ مزاج و غیور و شور انگیز — سرشت اس کی ہے مشکل کشی، جفا طلبی!(۲۷۲)

ملے گا منزلِ مقصود کا اسی کو سراغ — اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ(۲۷۳)

عقابی رُوح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں — نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم و عرفان ہے — اُمیدِ مردِ مومن ہے خدا کے راز دانوں میں

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر — تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں(۲۷۴)

علامہ اقبال کا نظریۂ خطر پسندی

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی تباہی کا باعث صرف اور صرف ایک بات ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں میں طوفانوں سے ٹکرا جانے اور خرابیٔ حالات کا مقابلہ کرنے کا ذوق نہیں رہا۔ اس دنیا میں صرف وہ لوگ قوی کہلا سکتے ہیں جن کا بازو قوتِ الٰہی کے باعث قوی ہو۔

ترا بحر پُر سکوں ہے یہ سکوں یا فسوں ہے — نہ نہنگ ہے نہ طوفاں، نہ خرابیٔ کنارہ(۲۷۵)

بے جراتِ رِندانہ ہر عشق ہے رُوباہی — بازو ہے قوی جسکا، وہ عشق یَدُاللّٰہی!(۲۷۶)

فارسی میں علامہؒ کا ایسا بہت کلام ملتا ہے جہاں انہوں نے زندگی کی کشکش کا بہادری اور قوتِ بازو سے مقابلہ کرنے کی تلقین کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ مومن تو ہر بالا سے بھی بالاتر ہے اور اس کی غیرت اپنے کسی ہم پایہ کو گوارا نہیں کرتی۔ قرآن نے تو ''لَا تَحْزَنُوْا'' (غم نہ کرو) اور ''اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ'' (یعنی تم ہی غالب رہو گے) کا تاج ان کے سر پر رکھا ہے۔ مسلمان کو بلاؤں سے گھبرانا زیب نہیں۔

از بلا ترسی؟ حدیثِ مصطفیٰ است — مرد را روزِ بلا روزِ صفا است

(تو بلاؤں سے ہراساں ہے؟ حدیثِ رسول ﷺ کہتی ہے کہ مردِ مومن کیلئے روزِ بلا تزکیہ باطن کا دن ہے)

علامہ اقبالؒ نے عزم و خطر پسندی کے عملی فوائد متعدد مقامات پر بیان فرمائے ہیں۔ شرعِ اسلامیہ کے مطابق اگر مسلمانوں کی دشمن فوج صلح کے ارادے سے اپنا نظامِ لشکر کو ڈھیلا کر دے اور اپنا وقت آرام میں

بسر کرے تو اس حال میں ان پر حملہ کرنا مسلمانوں کیلئے شرعاً ناجائز ہے۔ جب تک وہ سامانِ جنگ سے لیس نہ ہو جائیں اس وقت تک حملہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام بہادری کا سبق دیتا ہے۔ یہ مناسب نہیں کہ ایک دبلی پتلی بھیڑ پر شیر حملہ آور ہو جائے۔ باز جب چڑیوں کا شکار کرنے لگے تو وہ اپنے شکار سے بھی کمزور ہو جاتا ہے۔ شرع نے مسلمانوں کو بہادری کے سبق دیے ہیں تاکہ ان کے اعصاب کمزور نہ پڑ جائیں۔ فرماتے ہیں۔

ہست دینِ مصطفےٰ دینِ حیات　　شرعِ اُو تفسیرِ آئینِ حیات(۲۷۷)

(مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دین زندگی سے بھرپور ہے اور اس کی شریعت قانونِ حیات کی تفسیر ہے)

شرع می خواہد کہ چوں آئی بہ جنگ　　شعلہ گردی واشگافی کامِ سنگ(۲۷۸)

(شریعت یہ چاہتی ہے کہ جب تو آمادۂ جنگ ہو تو شعلہ بن جائے اور پتھر کو بھی پھاڑ کر رکھ دے)

آزماید قوتِ بازوئے تو　　می نہد الوند پیشِ روئے تو

((شریعت) تیری قوتِ بازو کو آزماتی ہے اور اس لئے کوہِ الوند تیرے سامنے رکھ دیتی ہے)

باز گوید سرمہ ساز الوند را　　وز تفِ خنجر گدازِ الوند را

(پھر کہتی ہے کہ اس پہاڑ کو سُرمہ بنا اور اپنے خنجر کی حرارت سے پہاڑ کو پگھلا دے)

علامہ اقبالؒ پیامِ مشرق میں فرماتے ہیں کہ ایک ہرن نے دوسرے ہرن سے اپنے دل کا درد بیان کیا کہ جنگل میں تو شکاری بہت آتے ہیں اور وہاں تو صبح و شام مجھے اپنی جان کا خطرہ لگا رہتا ہے۔ اب میں زندگی کے باقی دن اس غم اور تشویش سے آزاد گزارنا چاہتا ہوں اور بقیہ زندگی حرم میں جا کر گزاروں گا جہاں اللہ کی طرف سے جانوروں کو پناہ دی جاتی ہے۔ اس ہرن کے ساتھی نے کہا کہ اے دوست زندگی کا مزہ تو وہیں ہوتا ہے جہاں گھات میں شکاری ہوں اور ہر وقت موت کا خطرہ لگا رہتا ہو کیونکہ ایسے حالات میں جسم اور روح تیغِ اصیل کی طرح تیز دھار رہتی ہے۔

رفیقش گفت اے یارِ خردمند　　اگر خواہی حیات اندر خطر زی(۲۷۹)

(اس کے ساتھی نے کہا کہ اے عقلمند دوست اگر تو زندگی کا لطف چاہتا ہے تو خطرات میں جی)

دمادم خویشتن را بر فساں زن　　زتیغِ پاک گوہر تیز ترزی!

(خود کو پے در پے سنگِ فساں پر مار اور دنیا میں اصیل تلوار سے بھی زیادہ تیز رہ)

خطرتاب و تواں راہ امتحان است　　عیارِ ممکناتِ جسم و جان است!

(خطرہ ہر ذی رُوح کی قوت و توانائی کا امتحان ہے اور انسان کا جسم و روح ہی معیارِ کائنات ہے یعنی انسان کے حوالے سے اگر دنیا کو دیکھو تو انسان کی وجہ سے ہی دنیا کا معیار قائم ہے)۔

علامہؒ کے نزدیک اگر مسلمان اپنے عزائم سے ذوقِ خطر کو خارج کر دے تو اس کے حواس و قویٰ پر مرگ آفرین تعطل طاری ہو جائے گا۔ اس کے قلب و دماغ پر یاس و اندوہ کے تاریک بادل چھا جاتے ہیں۔

راحت اور سکون کی تلاش مسلمان کے دل میں امید و یقین اور جذبۂ آرزو کو سرد کر دیتی ہے۔ اس طرح مسلمانوں کے حواس مغلوب اور منفعل رہیں گے۔ اس حالت میں مسلمانوں میں نا مساعد حالات میں قوتِ مقاومت (برابری) اور مقابلہ کرنے کی سکت فنا ہو جائے گی اور اس طرح وہ معاشرے کا ایک عضوِ معطل ہو کر رہ جائے گا۔ رہبانیت کا طرزِ عمل زندگی سے شرمناک گریز ہے اور علامہ اس کو سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

میارا بزم بر ساحل کہ آنجا　　نوائے زندگانی نرم خیز است

(اپنی محفل ساحل پر آراستہ نہ کرو کیونکہ اس جگہ زندگی کی آواز نہایت مدھم ہوتی ہے)

بدریا غلط و با موجش در آویز　　حیاتِ جاوداں اندر ستیز است[۲۸۰]

(طوفانی دریا میں کُود جا اور موجوں سے اُلجھ جا کیونکہ غیر فانی زندگی صرف جنگ و تصادم میں ہے)

جستجو را محکم از تدبیر کن　　انفس و آفاق را تسخیر کن[۲۸۱]

(اپنی جستجو کو تدبیر سے مضبوط اور توانا کر، نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ دنیا کو بھی تسخیر کر)

مذکورہ بالا کلام سے معلوم ہوا کہ اپنے فرائض کی انجام دہی کیلئے کوششیں کرتے رہنا اور اس راہ کے مصائب کو بخوشی قبول کرنا مسلمان کی عبادت کا ماحصل ہے۔ اگر یہ عادت نہیں تو مومن کی عبادت اپنے رُتبے سے گر جاتی ہے اور ایسی عبادت مومن کو اس کی عبادت کا مقصود دلانے سے قاصر ہے۔

قرآن مسلمانوں کو مصائب کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا سبق دیتا ہے۔

ہم قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں ایسی بہت سی آیات ملتی ہیں جن میں مسلمانوں کو سخت کوشی جفاکشی اور صبر و استقامت کی تلقین کی گئی ہے۔ قرآن مومنوں کو کہتا ہے کہ "جب تم کفار سے مقابلہ کرو تو پیٹھ دکھا کر نہ بھاگو بلکہ بہادری اور جفاکشی کے ساتھ مقابلہ کرو"۔ کفار کے ساتھ بے جا نرمی کا رویہ رکھنے کی بھی ممانعت کی گئی ہے اور یہ کہا ہے کہ اگر "وہ تم سے لڑیں تو ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔ اس حالت میں اگر وہ خانہ کعبہ میں بھی پناہ لیں تو وہاں سے بھی ان کو مار بھگاؤ تاوقتیکہ وہ تمہارے ساتھ کسی معاہدے پر راضی نہ ہو جائیں"۔ عام مسلمانوں کو زندگی کے گزارنے کیلئے بھی قرآن یہ توقع کرتا ہے کہ وہ آرام طلبی کی زندگی نہ گزاریں اور اپنا کام خود کریں کیونکہ عیش و عشرت تو صرف اگلے جہان میں متصور ہیں چنانچہ اگر سواری پر سے کوڑا اگر جائے تو خود سواری سے اتر کر اسے اٹھاؤ۔ اس دنیا کو مومن کیلئے قید خانہ کہا گیا ہے۔ قرآن نے ایک سنہری اُصول یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب کبھی تمہیں کوئی مشکل یا مصیبت پہنچے تو نماز پڑھتے رہو اور صبر سے کام لو۔ درج ذیل آیت میں قرآن نے ایسی تلقین فرمائی ہے کہ جس سے مشکلات خود بخود حل ہو جائیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ" (البقرہ: ۱۵۳) (اے ایمان والو! مدد طلب کرو صبر اور نماز (کے ذریعے) بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

مذکورہ بالا آیت کی تشریح اس کتاب میں بعنوان ''نماز کا بیان قرآن کی زبان میں'' کافی تفصیل کے ساتھ کی جاچکی ہے۔ یہاں صبر کا مطلب سمجھا دینا ضروری ہے وہ یہ کہ مشکل کے وقتوں میں مصیبت کا مقابلہ ڈٹ کر اور استقامت کے ساتھ کرو۔ جس کام کی تکمیل کی راہ میں مشکلات حائل ہوں تو ان مشکلات کا حل دلیری سے اور انتھک محنتوں کے ذریعے حاصل کرو۔ مشکلوں اور مصائب کے باعث ہمت نہ ہارو بلکہ مسلسل جدوجہد سے مقابلہ کرتے رہو اور ساتھ ساتھ نماز بھی پڑھتے رہو تا کہ اللہ کی مدد بھی شاملِ حال ہو جائے اور اس طرح اپنی ہر مہم کو فتح کر سکو گے۔ روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سفر پر تھے تو ان کو راستے میں ہی ان کے بیٹے کے فوت ہونے کی اطلاع ملی۔ اس اطلاع کے ملنے پر آپ نے ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ'' پڑھا اور سواری سے اتر کر دو نفل پڑھے اور فرمایا کہ ہم نے وہی کیا ہے جس کا ہمیں (اوپر والی آیت میں) حکم ملا ہے۔

قوتِ برداشت نہ ہو تو وہ عبادت کیا؟

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر کے مریدین میں سے ایک شخص حمزہ سکاک نامی تھا جو آپ کی مجالس میں حاضری بہت کم دیتا تھا اور حضرت کے درویشوں پر اکثر درشتی سے پیش آتا تھا۔ ایک دن کچھ درویش مسجد میں آرام کر رہے تھے۔ حمزہ آئے اور دروازے کو بڑے زور سے بند کیا۔ تمام درویشوں کو اس حرکت پر سخت تکلیف ہوئی۔ کچھ دیر بعد حضرت ابوالخیر بھی خلافِ معمول مسجد میں تشریف لائے اور تمام درویشوں نے نہایت اضطراب سے حمزہ کے اس رویے کی شکایت کی کہ حمزہ ہم سب کو بڑا تنگ کرتا ہے۔ آپ کو بھی یہ حرکت ناپسند معلوم ہوئی۔ شیخ نے حکم دیا کہ حمزہ کو بلاؤ۔ حمزہ اس وقت بازار جا چکا تھا۔ درویشوں نے اس کو دربار میں طلب کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ حمزہ درویشوں کو تم سے شکایت ہے کہ تم ان کے آرام میں مخل ہوتے ہو اور عقل سے کام نہیں لیتے۔ حمزہ نے جواب دیا کہ حضرت جب یہ لوگ حمزہ کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے تو انہیں بار برداری کے کپڑے (یعنی صوفیوں والے کپڑے) اتار دینا چاہئیں۔ حضرت اس وقت بڑے اچھے مزاج میں تھے۔ آپ نے ایک نعرہ مارا اور کہا حمزہ پھر کہو! حمزہ نے پھر کہا۔ آپ نے پھر ایک نعرہ بلند کیا اور کہا حمزہ پھر کہو! حمزہ نے تیسری بار کہا اور شیخ نے پھر نعرہ مارا اور کہا حمزہ پھر کہو! حمزہ نے پھر ایک بار کہا اور آپ نے پھر نعرہ بلند کیا۔ شیخ نے خادم (حسن مودت) سے کہا کہ ایک تھال شکر لے آؤ۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے حمزہ کے سر پر شکر کو نچھاور کرنا شروع کیا اور اسی طرح نعرہ مارتے گئے اور کہتے گئے ''مَنْ لَّمْ یَطِقْ اِحْتِمَالَ الْاَذٰی فَعَلَیْہِ اَنْ یُّنْزِعَ ثَوْبَ الْحَتَالِیْنَ'' (جو دوسروں کی تکلیف کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے انہیں مردوں کے کپڑے اتار دینے چاہئیں) فرمایا صوفیوں کا جگر تو شیر سے بھی بڑا ہونا چاہیے۔

صوفیا کے تحمل کی چند مثالیں

حضرت بایزید بسطامی کے متعلق بھی مشہور ہے کہ آپ کی بیوی سخت مزاج تھی۔ ایک روز آپ کا ایک مرید سینکڑوں میل کی مسافت طے کر کے آپ کی زیارت کو آیا اور گھر پہنچ کر حضرت کے دروازے پر دستک دی تو آپ کی اہلیہ نے حضرت بایزید اور مرید کو خوب سنائیں اور کہا کہ تم کو کیا ہو گیا ہے کہ اتنی دور سے اس کے پیچھے آئے ہو بایزید میں ایسی کونسی بات ہے؟ جب وہ مرید تلاش کرتا ہوا جنگل کی طرف گیا تو دیکھا کہ حضرت شیر کی سواری کرتے ہوئے آرہے تھے اور اس کے دل میں بیوی کی گفتگو کا ملال تھا۔ حضرت بایزید بسطامی نے فرمایا کہ بھئی تم اس کی باتوں پر تعجب کیوں کرتے ہو؟ میں خود بھی تو اس کی ایسی باتوں کو سنتا ہوں (اور برداشت کرتا ہوں) تبھی تو یہ شیر میری بات سنتا ہے۔ صوفیا کے ہاں مشہور ہے کہ "بڑے موذی کو مارا نفسِ امارہ کو گر مارا" چنانچہ اکثر اولیاء کرام سخت کلامی اور درشتی کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں۔ عباداتِ الٰہی کا منشا بھی اسی صفتِ اخلاق کو پیدا کرنا ہے۔ خود اللہ تبارک وتعالیٰ کی عادت مبارکہ بھی یہی ہے کہ وہ جلدی گرفت نہیں فرماتے۔ ورنہ اگر کسی انسان کی رعایا نافرمانی کرے تو انسان اپنی ایسی رعایا یا مخلوق کو فوراً ملیا میٹ کر دے یا کم از کم اس کی روزی ضرور بند کر دے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کہ نافرمانوں پر اپنی رحمت کے دروازے بند نہیں کرتی۔ حضور ﷺ کا خُلق ہی قرآن تھا جیسا کہ حدیث میں ہے "کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ" (اس موضوع پر الگ مضمون ہماری تصنیف "متاعِ اخلاق" میں دے دیا گیا ہے)۔

حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی کی بیوی کے سلوک کے متعلق بھی روایات میں ذکر آیا ہے جس کا یہاں بیان کرنا ممکن نہیں۔ "اسرار التوحید" میں ہے کہ شیخ ابو سعید ابوالخیر کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ مجھے اسرارِ حق کی تلقین فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ کل آنا۔ چنانچہ دوسرے دن آپ نے اسے ایسی ہنڈیا دی جس میں چوہا تھا اور ہنڈیا کا منہ کپڑے سے باندھ دیا گیا تھا۔ فرمایا جاؤ اس کو گھر لے جاؤ اور حفاظت سے رکھنا مگر اس کا منہ نہ کھولنا۔ وہ لے گیا تو رات کو بے چین ہوا کہ اس میں بھید کیا ہے؟ جب کپڑا کھولا تو چوہا پھدک کر بھاگ گیا۔ دوسرے دن جب شیخ کو ماجرا سنایا تو شیخ نے کہا کہ ہم نے ایک چوہا تمہیں دیا تھا تم اس کی حفاظت نہ کر سکے تو اسرارِ خداوندی کی کیسے حفاظت کرو گے؟ حضور ﷺ کا مثالی اخلاق ہماری تصنیف "متاعِ اخلاق" میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔ چند مزید اولیائے کرام کی صبر و تحمل کی مثالیں بھی ہم تک پہنچیں ہیں جن کو متاعِ اخلاق میں لکھ دیا گیا ہے۔

عبادت کا دارومدار دِل پر ہے

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ صرف اعمال کی صورتوں اور رسمی عبادتوں سے کچھ نہیں بنتا۔ اگر دل غیر حق سے گرفتار ہے تو خراب اور ابتر ہے۔ قلبی توجہ غیر سے ہٹانا اور اعمالِ بدنی ادا کرنا دونوں درکار ہیں۔ اعمال بدنیہ

کے بغیر دل کی سلامتی کا دعویٰ باطل ہے اور قلبی احوال کے بغیر بدنی اعمال کا درست ہونا محال ہے۔ آج کل بہت سے ملحد اور بے دین اس قسم کا دعویٰ کرتے ہیں (کہ ہمارا دل تو ہر وقت ہی نماز میں رہتا ہے اور اب ہمیں نماز جیسے اعمال کی ضرورت نہیں)۔ فرماتے ہیں کہ بدنی ڈھانچے سے تعلق قطع ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کا قرب ہی قرب ہے۔ ''اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُّوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ''[1] (موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست کے ساتھ ملا دیتا ہے)۔ حضرت مجدد فرماتے ہیں دنیا میں رُتبہ نماز آخرت میں باری تعالیٰ کے دیدار کی طرح ہے یعنی دنیا میں اگر نہایت قُرب ممکن ہے تو وہ نماز میں ہی ہے اور آخرت میں نہایت قُرب دیدار خداوندی کے وقت ہوگا چنانچہ دنیا میں نماز آخرت کے دیدار کی طرح ہے۔ نماز میں خیالات کا آنا حُب الدنیا کی نشانی ہے جیسے کہ کہا گیا ہے۔ ''حُبُّ الدُّنْیَا رَاْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ''[2] (دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے)۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص عثمان الخیری (مُرید خاص یحیٰ بن معاذ) کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ حضرت میں زبان سے حق تعالیٰ کا ذکر کرتا ہوں لیکن دل متوجہ نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا شکر کرو کہ ایک عضو تو مطیع ہوگیا اور ایک جزو میں تجھ کو راستہ دے دیا گیا۔ ایک دن دل بھی موافقت کرے گا۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ ''وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ''[3] (انسان کے پہلو میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اگر اس کی اصلاح ہو جائے تو سارا بدن اور تمام اعمال درست ہو جاتے ہیں)۔ قلب کی اہمیت کی بناء پر دل کی دنیا کے معارف اور خشوع و خضوع کے بارے میں راقم الحروف کی تصنیف ''حضورِ قلب'' کا مطالعہ کریں جہاں سے چند اشعار بطورِ نمونہ پیش ہیں۔

حسن کا گنجِ گرانمایہ تجھے مل جاتا ۔۔۔ تو نے فرہاد! نہ کھودا کبھی ویرانۂ دل

جملہ عالم جرعۂ خوش جامِ دل ۔۔۔ از مکاں تا لامکاں یک گامِ دل (۲۸۲)

چوں مجرد شد دل از حرص و ہوا ۔۔۔ تافتن گیرد دَر او نورِ خدا

(جب حرص و ہوا سے دل الگ ہو جائے' تو اس میں نورِ خدا جھلکنے لگتا ہے) (عطار)

فیضِ خدا کہ بر دلِ آگاہ می رسد ۔۔۔ اے دل بہ ہوش باش کہ ناگاہ می رسد

(دلِ آگاہ پر خدا کا نور پہنچنے لگتا ہے' اے دل ہوشیار رہو ایسا اچانک ہونے لگتا ہے) (خواجہ معین الدین چشتی)

بہ دل شمع حرم داری چرا شوئے حرم پوئی ۔۔۔ چوں یار اندر بغل داری چہ سو از قطع منزلہا

(دل کے اندر کعبے کی شمع روشن ہے تو تم حرم میں کیا تلاش کرتے ہو جب یار پہلو میں ہے تو سفرِ منزل کرنے کا کیا فائدہ)

غبار سے دل کے آئینے کو صاف کرو ۔۔۔ اس بے قرار دل میں آگ بڑھاؤ

---

[1] شرح الصدور، امام جلال الدین السیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، حدیث ۷، جلد ۳، صفحہ ۲۳، دار المعرفۃ لبنان۔

[2] مشکوٰۃ المصابیح، حدیث ۵۲۱۳، جلد ۳، صفحہ ۱۴۳۸۔

[3] صحیح بخاری، حدیث ۵۲، جلد ۱، صفحہ ۲۸۔

کعبہ نہیں کہ ساری خدائی کو دخل ہو — دل میں سوائے یار کسی کا گزر نہیں

دلوں کو فکرِ دو عالم سے کر دیا آزاد — ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

وا کر دیئے ہیں شوق نے بندِ نقابِ حسن — جُزاک نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا

سمجھا لہو کی بوند اگر تو اسے تو خیر — دل آدمی کا ہے فقط اک جذبۂ بلند

گردش مہ و ستارہ کی ہے ناگوار اُسے — دل آپ اپنی شام و سحر کا ہے نقشبند

جس خاک کے ضمیر میں ہے آتشِ چنار — ممکن نہیں کہ سرد ہو وہ خاکِ ارجمند (۲۸۳)

نگاہ پاک ہے تیری تو پاک ہے دِل بھی — کہ دل کو حق نے کیا ہے نگاہ کا پیرو (۲۸۴)

ہر اک ذرہ میں ہے شاید مکیں دل — اسی خلوت میں ہے خلوت نشیں دل

اسیرِ دوش و فردا ہے و لیکن — غلامِ گردشِ دوراں نہیں دِل (۲۸۵)

دل و نظر کا سفینہ سنبھال کر لے جا — مہ و ستارہ ہیں بحرِ وجود میں گرداب

وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ اٹھتی تھی — اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب (۲۸۶)

دلوں میں ولولے آفاق گیری کے نہیں اٹھتے — نگاہوں میں اگر پیدا نہ ہوں اندازِ آفاقی (۲۸۷)

خِرد نے کہہ بھی دیا لَا اِلٰہ تو کیا حاصل — دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں (۲۸۸)

باب نمبر ۲۲

عبادت میں نماز کا مقام

عبادتِ الٰہی کے شرف کا ذکر تو ہو چکا ہے۔ احادیث میں ہے کہ عبادات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر توحید کے بعد نماز سے زیادہ کوئی محبوب ترین چیز فرض نہیں کی اس لئے فرشتے بھی عبادت کرتے ہیں کیونکہ اس سے بہتر کوئی اور چیز نہیں۔ احادیث میں نماز کو خدمت کہا جاتا ہے اور نمازی لوگ زمین پر اللہ کے خُدام ہیں (اللہ کی خدمت کرنے والے) اور آسمانوں پر فرشتوں کو خدام الرحمٰن کہا جاتا ہے۔ نمازیوں کے فرشتے باقی فرشتوں پر فخر کرتے ہیں گویا اصل عبادت تو نماز ہی ہے۔ اب اس بات پر وضاحت کی جائے گی کہ نماز اصل عبادت کیونکر ہے۔

نماز ہی اصلِ عبادت ہے

عبادت کے معنی تذلل ہے یعنی اللہ کیلئے حددرجہ یا انتہائی تذلل اختیار کرنا کہ اس سے بڑھ کر تذلل اور نہ ہو سکے۔ عبادت کا اصل مفہوم نماز ہی میں ہے چونکہ اللہ کیلئے عزت کی انتہا کو ظاہر کرنے کیلئے اس سے بہتر کوئی اظہار نہیں چنانچہ (عزیزِ مطلق کے سامنے) انتہائے عبادت سے مراد ذلیلِ مطلق ہو جانا ہے۔ اگر اس مفہوم کو پیشِ نظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یوں تو تمام عبادتوں میں اصل بات اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے مگر نماز میں جس انتہائی درجے کی عاجزی و انکساری کا اظہار ہوتا ہے وہ کسی اور عبادت میں موجود نہیں کیونکہ اس میں وہ اپنی ہستی کو مٹا کر اپنے سر کو خدا کے سامنے خاک پر رکھ دیتا ہے اور یہی انتہائے عبادت ہے چنانچہ عبادت کا اصل مفہوم نماز ہی میں پایا جاتا ہے۔ تمام عبادتوں کا نماز کے ساتھ تقابل کریں تو ایک معلوم حقیقت منکشف ہوگی۔ مندرجہ ذیل تفصیل پر غور کرنے کے بعد ظاہر ہوگا کہ تمام عبادات نماز میں شامل ہیں اور نماز تمام عبادات کی جامع ہے۔

نماز کا دوسری عبادات سے تقابل

اب تمام فرض عبادات کا موازنہ نماز کے ساتھ کیا جارہا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

۱) زکوٰۃ

زکوٰۃ میں خدا کیلئے مال خرچ کرنا ہے اور اس میں کچھ تواضع کا نمونہ ہے کہ اپنا مال کما کر خود اپنے اُوپر خرچ نہ کیا جائے بلکہ اوروں کیلئے خرچ کیا جائے۔ اس میں کچھ عزت اور جود و سخا کا مادہ بھی پایا جاتا ہے جو اہلِ دنیا کی نظر میں قابلِ تحسین اور قابلِ عزت ہے مگر اس کے برعکس نماز میں نمازی اپنی ذِلت کا اظہار کرتا ہے اور کسی قسم کا تفاخر مقصود نہیں ہوتا۔

۲) روزہ

یہ وہ عبادت ہے جس میں مسلمان کو حکم ہوتا ہے کہ کھانے پینے اور جماع سے رک جاؤ۔ روزہ دار کھانا چاہتا ہے تو نہ کھائے خواہشات کی اتباع چاہتا ہے مگر اپنے آپ کو روکے رکھے اور روزہ تو نام ہی اپنے آپ کو روکے رکھنے کا ہے۔ یہ ذلتِ نفس ہے اس لئے عبادت ہے مگر انتہائی ذلت اس میں بھی نہیں۔ اس میں کچھ قابلِ فخر بات اور بے نیازی بھی پائی جاتی ہے کہ ہم کھانے پینے کے بغیر اتنی دیر رہ سکتے ہیں۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ روزہ تو نماز میں شامل ہے کیونکہ نماز میں کھانا' پینا' بولنا' حرکت کرنا' سوچنا وغیرہ منع ہے۔ جب تک بندہ نماز میں ہے وہ منہ بند رکھنے کی وجہ سے روزہ دار بھی ہے اللہ سے لو لگا کر مُعتکِف بھی ہے اور نوافل سے جسم کی زکوٰۃ دینے والا بھی ہے (یعنی نماز میں روزہ، اعتکاف اور زکوٰۃ بھی شامل ہیں)۔

۳) حج

حج بھی چند اشیاء کے ترک کرنے کا مجموعہ ہے۔ اس میں ترکِ وطن، ترک زینت، ترک لذائذ اور ترک راحت ہے مگر ان چیزوں کے ترک میں بھی شانِ استغنا پائی جاتی ہے جو صرف اللہ کیلئے روا ہے اس ترک میں ذلتِ نفس ضرور ہے اور اطاعتِ حکم بھی ہے مگر انتہائی درجہ کی ذلت نہیں چنانچہ یہ عبادت تو ہوئی مگر اس شان کی نہیں جو کہ نماز کو حاصل ہے البتہ اضافی نسبت کی بناء پر اسے عبادت کہہ دیا گیا ہے۔ نماز میں حج کی مماثلت اس طرح موجود ہے کہ خانہ کعبہ کو قبلہ بنا کر نمازی کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جب کہ حج میں طوافِ کعبہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ حج کے دوران شیطانوں کو کنکر مارے جاتے ہیں۔ نماز میں بھی شیطانوں کو دور رکھا جاتا ہے اور شیطان نمازی کو دیکھ کر اپنے سر میں خاک ڈالتا ہے جو اس کیلئے ندامت اور تکلیف کا آخری درجہ ہے۔

نماز میں کون کون سی عبادات شامل ہیں

نماز کا ایک حصہ ذکر ہے مثلاً ثناء، حمد' قرأت، تسبیح اور التحیات وغیرہ جس میں اللہ کی بزرگی، عظمت اور برتری کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ دوسرا حصہ ہیئتِ نماز ہے جو اعضائے بدن سے متعلق ہے مثلاً قیام، رکوع، سجود وغیرہ۔ اس حصہ میں اللہ کے سامنے جھکنا اور اپنے جسم کے زیادہ باعزت اعضاء' ہاتھ' پیشانی اور سر کو مخلوقات میں سے سب سے حقیر ترین چیز یعنی زمین پر رکھ دیا جاتا ہے، اس سے زیادہ اظہارِ غلامی ذلت و مسکنت کسی اور عبادت میں نہیں ہو سکتی۔ اس بناء پر اس کو اعلیٰ عبادت کہا جاتا ہے کیونکہ انتہائی تذلل کو ہی عبادت کہتے ہے۔ اس کے علاوہ نماز میں استغناء اور عزتِ نفس جو روزہ' حج اور زکوٰۃ میں ہے اور جن میں خدائی کمالات کے ساتھ تشبیہ ہے نماز میں نہیں پائے جاتے کیونکہ زکوٰۃ میں بخشش اور عطا خدائی صفات ہیں اور روزہ میں کھانے پینے سے

استغناء بھی صفاتِ خداوندی کے ساتھ تشبیہ رکھتا ہے اور زکوٰۃ میں اظہارِ عطا ہے جو خدائی شان ہے۔

نماز تمام کائنات پر لازم کی گئی ہے

اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کو صرف نماز کا پابند کیا ہے جیسے فرمایا: ''كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ'' (ہر ایک نے اپنی نماز اور تسبیح کو جان لیا ہے) (النور:۴۱)۔ ہر ایک چیز خواہ جمادات' حیوانات' نباتات اور مجردات میں سے ہی کیوں نہ ہو اس کی نماز اس کی خلقت کے مطابق رکھی گئی ہے۔ سورج کی نماز یہ ہے کہ وہ اپنی تمازت کو وقتِ مقررہ کے مطابق طلوع اور غروب کے ذریعہ پہنچاتا اور لٹاتا ہے، چاند ستارے بھی ان معنوں میں اپنی نماز ادا کر رہے ہیں درخت اور پودوں کی نماز قیام کرنا اور پھل پھول اور سایہ دینا ہے۔ چوپائے ہر وقت رکوع میں رہتے ہیں اور مخلوقات کو اپنے فوائد پہنچاتے ہیں۔ حشرات الارض (سانپ' بچھو' چھپکلی وغیرہ) سجدہ کی حالت میں ہیں پہاڑ بجائے تشہد کے اور قعود کے ہیں۔ پرندے حالتِ انتقالات (اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر) میں رہتے ہیں، ستارے گردش میں اور زمین حالتِ سکون میں ہے۔ زمین کی یہ حالت جمود و سکون اس کی تکوینی نماز ہے (زمین اور تمام کائنات اگرچہ گردش میں ہیں مگر ہمارے لئے یہ ساکن ہیں کیونکہ ہم اس پر چلتے پھرتے ہیں جس طرح گاڑی چلتی ہے اور اس پر سکون سے بیٹھتے ہیں) ''هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا'' (الملک:۱۵) (وہی ذات تو ہے کہ جس نے تمہارے لئے زمین کو نرم کر دیا)۔ ملائکہ کی نماز صف بندی ہے اور یہ سب حالتِ نماز میں رہتے ہیں، کچھ ملائکہ قیام کچھ سجود کچھ رکوع، قعدہ، تسبیح، حمد، تکبیر میں ہیں اور یہ ان کی نماز ہے، کچھ ملائکہ آسمان اور زمین میں شب و روز اترتے چڑھتے رہتے ہیں اور کچھ خشوع اور سکون میں ساکن ہیں۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ جاندار تو زبانِ قال سے اور بے جان زبانِ حال سے اللہ کی تسبیح' بزرگی اور بڑائی بیان کرتے رہتے ہیں اور یہ حقیقت درج ذیل قرآن کی آیت سے بھی ظاہر ہوتی ہے ''وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ'' (بنی اسرائیل:۴۴) (اور (اس کائنات میں) میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں مگر وہ اس (خدا) کی پاکی بیان کرتی ہے اسکی حمد کرتے ہوئے لیکن تم انکی تسبیح کو نہیں سمجھتے)۔

اشیاء کی تسبیح کرنے کی کچھ مثالیں

امام بخاری ؒ نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا'' لَقَدْ كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيْحَ الطَّعَامِ وَهُوَ يُؤْكَلُ '' (کھانا جب کھایا جا رہا ہوتا تھا تو ہم اس کی تسبیح سنا کرتے تھے)۔[1] امام مسلم

[1] صحیح بخاری، حدیث ۳۳۸۶، جلد ۳، صفحہ ۱۳۱۲۔

نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''إِنِّیْ لَاَعْرِفُ حَجَرًا بِمَکَّةَ کَانَ یُسَلِّمُ عَلَیَّ قَبْلَ أَنْ أُبْعَثَ'' (میں اس پتھر کو جانتا ہوں مکہ میں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا)۔[1] امام بخاریؒ کی وہ روایت جس میں انہوں نے کھجور کے درخت حنانہ کے گریہ کرنے کا واقعہ نقل کیا ہے بہت مشہور ہے۔[2] وہ درخت اس لئے روتا تھا کہ حضور ﷺ نے اس سے ٹیک لگا کر خطبہ دینا اس وقت ترک کر دیا جب نیا ممبر بن گیا۔ جن اشیاء کو ہم بے حس خیال کرتے ہیں وہ بھی ادارک اور حس رکھتی ہیں لیکن ہم ان کی قوتوں کا احساس نہیں کرتے۔ کشف المحجوب میں اولیاء کی کرامات میں پتھروں کا چلنا بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ احادیث میں ہے کہ پانی جب تک جاری رہتا ہے تسبیح کرتا ہے درخت جب تک سبز رہتا ہے کپڑا جب تک ستھرا رہتا ہے اور کھانا جب تک تازہ رہتا ہے تسبیح کرتے ہیں۔ روایات میں ہے کہ کوئی درخت جب تسبیح کرنا بند کر دے تو اس پر آرا چلا دیا جاتا ہے۔ انسان جب تسبیح وتحمید (یعنی نماز) بند کر دے تو اللہ کی ذمہ داری (امان) سے نکل جاتا ہے اور اس پر کوئی نہ کوئی شخص حاوی ہو جاتا ہے اور اسے دبا دیا جاتا ہے۔ روایات میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک بار اپنی مٹھی مبارک میں کچھ کنکریاں لیں تو ان سے تسبیح سنائی دینے لگی، پھر آپ نے وہ کنکریاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیں تو ان سے بدستور تسبیح کی آواز آتی رہی اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں بھی آواز سنائی دیتی رہی۔ مخلوقات کو مختلف قسم کی نمازیں اور اذکار دیئے گئے ہیں، ملائکہ میں بھی نمازیں الگ الگ ہیں، کوئی کسی طرح اور کوئی کسی طرح نماز ادا کرتا ہے۔ معراج میں رسولِ کریم ﷺ نے سب ملائکہ کی نمازیں یکجا کیں اور اس پر اپنی اُمت کی نماز کی بنیاد رکھی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس اُمت کی نماز جملہ عبادات کی جامع ہے۔

نماز اور جہاد کی مماثلت

نماز اور جہاد کے معاملات میں ہم آہنگی موجود ہے۔ نماز کا ایک امام ہوتا ہے اور جہاد میں سالار ہوتا ہے۔ دونوں طرف صف بندی ہوتی ہے اور پہلی صف دونوں میں اولیٰ ہے۔ صفوں میں یمین اور یسار ہوتا ہے اور جنگ میں بھی میمنہ اور میسرہ ہوتا ہے۔ امام کے پیچھے کا نمازی محاذی کہلاتا ہے اور جنگ میں درمیانی لشکر قلب ہے۔ نماز میں صفوں کو گتھ کر رکھنا اور فوجی صفوں کا سیسہ پلائی دیوار ہونا ضروری ہے۔ نماز میں جنگ کی طرح کچھ قواعد وضوابط کو ملحوظ رکھا جاتا ہے مثلاً آسمان کی طرف نہ دیکھنا، جانوروں کی سی ہیئت نہ بنانا یعنی تدبیج حمار (رکوع میں گدھے کی طرح کوب نکالنا) بُروک جمل (یعنی اونٹ کی طرح ہاتھ ٹیک کر بیٹھنا) افتراش ثعلب (یعنی سجدہ میں لومڑی کی طرح بازو اور پنجے زمین پر رکھ دینا) نقر دیک (یعنی رکوع اور سجود جلدی کرنا جیسے مرغ کے ٹھونگے) اور تخصرِ شیطان (شیطان کی طرح کوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہونا) وغیرہ نماز کے یہ جملہ

[1] صحیح مسلم، حدیث ۲۲۷۷، جلد ۴، صفحہ ۱۷۸۲۔
[2] صحیح بخاری، حدیث ۳۳۹۱، جلد ۳، صفحہ ۱۳۱۴۔

قواعد جنگ کے قواعد وضوابط کی طرح ہیں۔نماز میں تکبیر جنگ کے نعرۂ اللہ اکبر کی طرح ہے۔نمازی جب نماز کی طرف آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اظہارِ حیرت فرماتا ہے کہ دیکھو میرے بندے کس طرح اپنے آرام وسکون کو چھوڑ کر میرے گھر کی طرف دوڑتے چلے آرہے ہیں اور میرے دشمن شیطان کو مار بھگانے کیلئے آمادہ ہیں۔اسی طرح مجاہدین کی صف بندی میں فرماتا ہے کہ دیکھو میرے بندے کس طرح اپنے سروں کو ہتھیلی پر رکھ کر میری راہ میں جان دینے کیلئے آرہے ہیں۔نماز کیلئے ''لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ'' (یونس:۲۶) فرمایا۔ جہاد میں مال غنیمت کا ذکر کیا۔ نماز میں اور نماز کے بعد ذکر ہے اسی طرح جہاد میں بھی ذکر ہے۔ ''وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ'' (الانفال:۴۵) (اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ تم (جنگ میں) کامیاب ہو جاؤ)۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ نمازی جب رکوع سے سجدے میں جاتا ہے تو اس کے گناہ خشک پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں[1] اور جہاد کیلئے فرمایا کہ ''اَلسَّيْفُ مَحَّاءٌ لِلذُّنُوبِ''[2] (تلوار گناہوں کو مٹا دینے والی چیز ہے)۔نماز میں وقت کی پابندی جہاد کی پابندیٔ وقت کی طرح ہے یہی وجہ ہے کہ نماز میں جنگی سپرٹ پیدا ہوتی ہے۔اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنگ کی ضروری ترکیبیں نماز میں سوچ لیتے تھے۔یہ اس لئے تھا کہ نماز اور جہاد میں جزوی مطابقت ہے۔نماز میں جہاد کی طرف توجہ کا رہنا عین دین ہے کیونکہ یہ تفکر الی اللہ میں شامل ہے۔

نماز میں ہر عبادت شامل ہے

ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ نماز ایک ایسی عبادت ہے جس میں تمام عبادات شامل ہیں۔حدیث شریف میں ہے کہ ''وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُولَهُ''[3] (نیک فرزند جو والدین کے لیے دعا کرے مسلمان کیلئے صدقہ جاریہ ہے) جو مرنے کے بعد بھی جاری رہے گا۔نیک فرزند وہ کہلاتا ہے جو نماز اور دیگر عبادات ادا کرے اور اپنے ماں باپ کیلئے دعائے خیر کرتا رہے۔نماز میں اسلام کے پانچوں ارکان کلمہ طیبہ' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ کا ثواب ملتا ہے۔پہلا رکن توحید اور رسالت ہے اور اس کا ثواب التحیات میں ہے۔دوسرا رکن نماز ہے جس کے معنی گیلی لکڑی کو آگ میں گرم کر کے سیدھا کرنے کے ہیں' چنانچہ تسبیح وتحلیل' درود شریف سلام ثناء قیام' تلاوت' ذکر' رکوع' سجود' التحیات' غرض بہت سی عبادات اس میں شامل ہیں جن کی گرمی سے ٹیڑھے اخلاق کو درست کیا جاتا ہے۔تیسرا رکن روزہ ہے'روزے کی حقیقت نیت صادق کے ساتھ صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے سے باز رہنا عورتوں کے ساتھ ازدواجی تعلقات سے منقطع ہونا' بول چال اور

---

[1] مسند احمد بن حنبل، حدیث ۲۱۵۹۶، جلد ۵، صفحہ ۱۷۹۔

[2] صحیح ابن حبان، حدیث ۴۶۶۳، جلد ۱۰، صفحہ ۵۱۹۔

[3] صحیح مسلم، حدیث ۱۶۳۱، جلد ۳، صفحہ ۱۲۵۵۔

نگاہوں پر کنٹرول کرنا ہے' لیکن نماز میں تو ہنسنا' بولنا' چلنا' عورتوں کا چھونا بھی منع ہے۔ روزہ میں کھانا پینا اور حرام کام بند ہو جاتے ہیں مگر نماز میں انسان ان سب سے ہی بند رہتا ہے۔ چوتھا رکن حج ہے۔ حج میں بیت اللہ کا قصد ہوتا ہے جو نماز میں بھی ہوتا ہے اور اس میں قبلہ کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔ طوافِ کعبہ میں ابتداء استلامِ کعبہ سے ہوتی ہے اور نماز میں ابتداء رفع یدین سے ہوتی ہے۔ طواف کے اذکار کی طرح نماز بھی اذکار اور دعاؤں سے معمور ہوتی ہے۔ دورانِ حج مقامِ عرفات میں یادِ الٰہی' مسجد حرام میں ذکر اور نوافل ہوتے ہیں۔ نماز میں ذکرِ الٰہی بھی ہے اور تعوذ (جو شیطان کو کنکریاں مارنے کی طرح ہے) اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر نماز سے رخصت ہونا طوافِ وداع کی طرح ہے۔

پانچواں رکن زکوٰۃ ہے، زکوٰۃ کے معنی محبتِ دنیا (مال کی محبت) سے قلب کو پاک کرنا ہے اس میں تزکیۂ نفس اور محبتِ حق کو اپنانا ہے اور جیسے زکوٰۃ سے مال پاک ہوتا ہے نماز سے انسان کے اعمال پاک ہوتے ہیں اور وہ گناہوں سے بھی پاک ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جس طرح زکوٰۃ ایک صدقہ واجب ہے اسی طرح نوافل پڑھنے سے حدیث شریف کے مطابق تین سو ساٹھ جوڑوں کا صدقہ ادا ہو جاتا ہے۔[1] مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ جملہ عبادات کی کوئی نہ کوئی صورت نماز میں ضرور پائی جاتی ہے۔ اسی لئے نماز کو دین کا ستون اور تمام عبادات کا مغز یا خلاصہ بھی کہا جاتا ہے۔ بے شک نماز کو تمام عبادات میں فضیلت حاصل ہے۔ نماز میں جب کانوں پر ہاتھ رکھا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں دنیا سے بے زار ہوں اور اللہ کی طرف آتا ہوں۔ نماز کی ادائیگی میں بہت سی چیزوں پر پیسہ خرچ ہوتا ہے مثلاً مسجد جائے نماز، مسواک، پانی، بجلی وغیرہ) جو زکوٰۃ کے مصارف سے کم نہیں۔

دوسری عبادات کو لیجئے مثلاً اعتکاف میں سونے، چلنے پھرنے سے ممانعت نہیں لیکن نماز میں یہ اعمال مفسدِ نماز (نماز کو فاسد کرنے والے) ہیں لہٰذا یہ نماز اعتکاف سے بڑھ کر عبادت ہے۔ اگر مسجد میں داخل ہوتے وقت نیت اعتکاف کرے تو نماز کے علاوہ اعتکاف کا ثواب بھی ملے گا۔ چنانچہ اعتکاف نماز کے ضمن میں بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اس طرح جہاد اور ہجرت بھی نماز میں شامل ہیں، ہجرت کا مفہوم نماز میں اس طرح ہے کہ اس میں ترک معاصی، مکانِ غفلت سے مکانِ اطاعت میں آنا اور گھر بار چھوڑ کر مسجد میں آنا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ "عَلَيْكُمْ بِالصَّلٰوةِ فَاِنَّهَا اَفْضَلُ الْجِهَادِ وَالْهِجْرَةِ"[2] (نماز کو لازم پکڑو وہ افضل ترین جہاد اور عمدہ ترین ہجرت ہے)۔ صوفیا کرام نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے بارہ ہزار چیزوں کو نماز کی ان کی بارہ چیزوں میں مدغم کر دیا ہے۔

۱۔ علم حاصل کرنا حضور کا فرمان ہے کہ علم کے ساتھ تھوڑا سا عمل جہل کی حالت میں بہت سے عمل سے بہتر ہے

---

[1] صحیح ابن حبان، حدیث ۱۶۶۹، جلد ۷، صفحہ ۲۸۵۔

[2] کنز العمال، حدیث ۱۸۹۱۹، جلد ۷، صفحہ ۱۱۷۔

(علم سے مراد وضو، فرائض، واجبات، شیاطین کے مکر یعنی نفس کا علم اور تمام وہ علوم جن سے دین کو تقویت ہو۔ اس میں علومِ سائنس، حرب وقتال اور وہ جدید ترین ایجادات جن سے اسلام کی حفاظت ہو سکے شامل ہیں)۔

۲۔ وضو کرنا کہ دل کو کینہ اور حسد سے پاک رکھے اور پانی میں اسراف نہ کرے۔

۳۔ لباس پہننا کہ حلال کی کمائی سے حاصل کیا ہو سنت کے مطابق اور تکبر سے پاک ہو۔

۴۔ وقت کا لحاظ کرنا کہ اپنے وقت مقررہ پر ادا کی جائے۔

۵۔ قبلہ رخ ہونا کہ ظاہری منہ قبلہ کی طرف اور دل کا رخ اللہ کی طرف ہونا ایسے جیسے مالک کے سامنے غلام ہوتا ہے۔

۶۔ نیت کرنا کہ معلوم ہو کہ کونسی نماز پڑھ رہا ہوں اور کس کے سامنے کھڑا ہوں اور یہ کہ خدا دل کی حالت کو بھی دیکھ رہا ہے۔

۷۔ تکبیر تحریمہ ادا کرنا کہ انسان محسوس کرے کہ اس نے ماسوا اللہ ہر چیز کو پسِ پشت پھینک دیا ہے اور لفظ اللہ اکبر میں عظمتِ الٰہی محسوس کرنا۔

۸۔ قیام کرنا کہ نگاہ سجدہ گاہ کی طرف ہو اور خود کو اللہ کے سامنے محسوس کرے۔

۹۔ قرأت کرنا کہ قرآن کو ترتیل سے پڑھنا یعنی رُک رُک کے پڑھے اور سمجھے اور جو پڑھے اس پر عمل کا تہیہ کرے۔

۱۰۔ رکوع کرنا کہ کمر سیدھی ہو نہ اونچی نہ نیچی یعنی سر کمر اور سرین برابر ہو جائیں۔ ہاتھ کی انگلیاں کھلی ہوں۔ تسبیحات عظمت اور وقار سے پڑھے۔

۱۱۔ سجدہ کرنا اس طرح کہ ہاتھ کانوں کے برابر ہوں اور کہنیاں کھڑی رہیں اور پیشانی کے علاوہ ناک بھی زمین پر لگے، تسبیحات عظمت سے پڑھے اس میں قُربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔

۱۲۔ قعدہ کرنا کہ دایاں پاؤں کھڑا کر کے بائیں پاؤں پر بیٹھے اور تشہد پڑھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کرے۔ مومنین اور فرشتوں کیلئے دعا کرے اور آخر میں دائیں بائیں طرف لوگوں پر سلام کرے۔ ان سب کی تکمیل اخلاص سے کرے یعنی صرف اللہ کیلئے پڑھے اور یہ جانے کے اللہ کی توفیق سے یہ نماز پڑھی گئی اس پر ثواب اور قبولیت کی اُمید رکھے۔

نماز مفتاح العبادات ہے

یہ کہا جا سکتا ہے کہ اپنی اصلاح درکار ہو یا نظامِ سیاست یا نظمِ مملکت درکار ہو تو وہ نماز سے مل سکتا ہے۔ نماز میں انفرادیت اور تبتل (لو لگانا) بھی ہے اور اجتماعیت وتوصل بھی اس میں سلم وسلامتی اور حرب وضرب بھی ہے۔ انفرادی اور قومی نظم وضبط نماز میں نظر آتا ہے چنانچہ عبادات اور عاداتِ حسنہ کا مُفصّل پروگرام جو اسلام میں ہے، تنہا ایک نماز میں نظر آتا ہے۔ اس لئے اسلام کو اسلام کبیر اور نماز کو اسلام صغیر کہا جا سکتا ہے۔ نماز ادا ہو جائے تو باقی عبادات بھی انسان ادا کر سکے گا ورنہ اس کے بغیر کوئی عبادت مقبول نہیں۔ روزِ حشر اگر نماز کسی کے

اعمال میں شامل ہوئی اور قبول ہو گئی تو باقی اعمال کی طرف دیکھا جائے گا اور اگر نماز نہیں تو باقی اعمال بھی نہ دیکھے جائیں گے۔ اس لئے نماز کو مفتاح العبادات کہتے ہیں۔ اگر کوئی اوقات کو منضبط کر لے تو کام ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں، یہ سبق بھی نماز سے ملتا ہے۔ جو نمازوں میں ناغے کرے گا اس کا اور کاموں میں بھی تواتر نہ ہوگا۔ ضبطِ اوقات سے نظامِ عمل ٹھیک ہو جاتا ہے اور وقت پر عمل کرنے سے اطمینان قلب پیدا ہوتا ہے۔ نماز کے وقت اور جگہ کی پابندی سے دیگر تمام امور میں بھی یہ عادت کام آئے گی اور سکون قلب کا باعث ہوگی۔ اس لئے تمام عبادات سے اس عبادت کو افضل اور اصل عبادت کہا جاتا ہے اور باقی فروع ہیں۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ نماز کی طرف توجہ آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہوتی ہے اور یہ ٹھنڈک جہنم کی آگ کو سرد کر دینے کی اہلیت رکھتی ہے۔ ؎

خونے دارم در نماز آں التفات معنٰی قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ

(میں نماز میں ایسی توجہ (الی الحق) رکھتا ہوں جس کو (حدیث میں) آپ نے آنکھوں کی ٹھنڈک فرمایا ہے)

بہر ایں بو گفت احمد در عظات دَائِمًا قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ

''اس خوشبو کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وعظوں میں فرمایا ہے کہ ہمیشہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے''

مولانا رومؒ فرماتے ہیں جب مومن پُل صراط سے گزرے گا تو جہنم اس کی خوشامد کرے گی کہ یہاں سے فوراً گزر جا کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرا نور میری گرمی کو ختم کر دے ؎

مصطفی فرمود از لغتِ جحیم کہ بمومن لابہ گر گردد زبیم

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوزخ کا یہ قول ہمیں بتایا ہے' کہ وہ مومن سے ڈرتے ہوئے اس کی خوشامد کرے گی)

گویدش بگذر زمن اے شاہ زود بیں کہ نورت سوزِ نارم را رَبود

(اسے کہے گی کہ اے شاہ مجھ پر سے جلدی گزر جا' دیکھو تو تمہارے نور نے میری آگ کی گرمی کو اڑا دیا ہے)

نماز نظم وضبط اور امورِ خلافت کے لئے تیار کرتی ہے

عبادت کا فردِ کامل نماز ہے تو اس کا حسی مرکز بھی قائم ہونا ضروری ہے چنانچہ کعبہ کی بنیاد نماز کیلئے رکھی گئی۔ حدیث کا مفہوم ہے کہ ''طواف بھی حکمًا نماز ہے'' اگرچہ نماز میں سلام کا جواب جائز نہیں مگر طواف میں جائز ہے۔ نماز ایسی چیز ہے کہ اس سے عبادت کا فریضہ بھی ادا ہو جاتا ہے اور خلافتِ الٰہی کا مقصد بھی اس سے پورا ہوتا ہے۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں نماز نے ان میں تواضع پیدا کر دی اور نماز کی وجہ سے پیدا شدہ اجتماعیت اور تنظیم ملت فنا نہیں ہوتی۔ اس تواضع کے باعث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک دن دیکھا گیا کہ اپنے کندھوں پر پانی کا مشکیزہ اٹھائے لوگوں کے گھروں میں پانی بھر رہے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ اے امیر المومنین آپ یہ کام کسی خادم کے سپرد کر دیتے۔ فرمایا کل سلطنتِ روم کا سفیر میرے پاس آیا تھا اور وہ

مجھ سے مرعوب ہوا جس سے میرے نفس میں ایک قسم کا عُجب اور خود پسندی کا احساس پیدا ہوا۔ اس کا علاج کرتا پھر رہا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں کہ اگر کسی نے ان کی کسی حرکت و عمل کے متعلق اعتراض کیا تو باوجود امیر المومنین ہونے اور سخت طبیعت ہونے کے آپ نے ہمیشہ اس کی بات کو درست مان لیا اور اپنے خلاف ہر جائز شکایت کو تسلیم کیا۔ آپ ایسے موقع پر کہا کرتے تھے کہ ''اے عمر تجھ سے بہتر تو قرآن اور اسلام کو ایک عورت جانتی اور سمجھتی ہے۔'' یہ تمام خوبیاں اور تنظیم آپ نے نماز سے حاصل کیں جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی۔ نماز اگر بطورِ ذکرِ الٰہی قائم کی جائے تو اس میں وہ تمام خوبیاں پیدا ہوتی ہیں جو ایک مسلمان میں ہونا ضروری ہیں مگر افسوس کہ اول تو مسلمانوں کی بہت بڑی کثرت نماز ہی نہیں پڑھتی اور جو تھوڑے بہت لوگ نماز پڑھتے بھی ہیں تو ان میں بیشتر مفاد پرست ہیں ایسے لوگ یا تو عادتاً نماز پڑھتے ہیں یا اپنے اغراض دنیا کے لیے نماز کے پابند رہتے ہیں۔

خدا بے نیاز ہے تو عبادت سے بے نیاز کیوں نہیں......؟

کفار و مشرکین کہتے ہیں کہ اگر خدا بے نیاز ہے تو وہ عبادت سے بے نیاز کیوں نہیں؟ جواب یہ ہے کہ وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے اور عبادت سے بھی بے نیاز ہے۔ اگر تمام کائنات اس کی نافرمانی کرے تو اس کی شان، عزت اور رتبے میں کچھ فرق نہیں ہوگا اور اگر تمام کائنات کا ذرہ ذرہ دن رات خدا کے سامنے سربسجود رہے تو اس کی شان میں ذرہ برابر اضافہ نہ ہوگا کیونکہ یہ تمام چیزیں اس کی محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ شان اور عزت کا خالق بھی وہی ہے تو اس کے سامنے دم مارنے کی کس کو مجال ہوگی۔ اس کے آگے تو ہر چیز سجدہ ریز ہے۔ نماز اور دیگر عبادات کی ضرورت خدا کو نہیں بلکہ خود ہماری ذات کیلئے اس کا ہونا ضروری ہے تاکہ ہم پاکیزہ اور صاف ستھرے ہو کر جنت میں جانے کے قابل ہو جائیں جیسا کہ ہم کسی صاف وگداز بستر پر لیٹنے سے پہلے اپنے بدن کو نجاست اور گندگی سے پاک کرنا لازمی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح جنت میں آلودہ روحوں کا جانا ناممکن ہے۔ عبادت ہمیں اس قابل بنا دیتی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں تزکیہ اور تعلیم کا بار بار ذکر آیا ہے۔ تاریکیوں سے نور کی طرف لے جانا بھی عبادات کا مقصد بتایا گیا ہے تو اس کا انسان کو ہی فائدہ ہے۔ خدا کسی ضرورت، حاجت اور احتیاج سے پاک ہے، اگر وہ بار بار نماز کا حکم دیتا ہے تو اسی لئے ہم اس کی دید کے اور جنت کے قابل ہو جائیں گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے سے محبت اور چاہت قائم کر کے بندے پر ظاہر کیا کہ وہ اگر اپنے خالق کا قُرب لینا چاہتا ہے تو یہ عبادت ہی واحد ذریعہ ہے یعنی خدا تعالیٰ نے بندے کو اپنے قریب کرنے کا بہترین راستہ نماز کا ادا کرنا قرار دیا ہے۔

عبادت کے مزید فوائد

دنیا کی مشغولیت انسانوں کے دلوں کو ناپاک کر دیتی ہے۔ کبھی دلوں پر زنگ اور میل کچیل جمع ہو جاتا ہے مگر جب عبادت کی رحمت کا پانی اس پر گرتا ہے تو اس کو صیقل کر دیتا ہے جیسے کہا گیا ہے کہ ''لِکُلِّ شَیْئٍ

صَقَالَۃٌ وَصَقَالَۃُ الْقَلْبِ ذِکْرُ اللّٰہِ ''[1] (ہر چیز کو صیقل کرنے والی کوئی چیز ہوتی ہے اور دل کو صیقل کرنے والی چیز اللہ کا ذکر ہے)۔ گویا عبادت دنیا کی آلودگی کو دُور کر کے انسان کو پاک کر دیتی ہے، نیز انسان دشمنوں میں گھرا ہوا ہے مثلاً نفس، شیطان، دنیا اور خود اس کے دوست اور احباب اس کے دشمن ہیں۔ ان دشمنوں سے بچنے کیلئے یا تو خود اتنا طاقتور ہو یا کسی طاقتور کا سہارا تلاش کرے لہٰذا ہم عبادت میں حق تعالیٰ سے تعلق قائم کرتے ہیں تا کہ اس کی نگرانی اور مدد کے حقدار بن جائیں۔ سورۂ طور کی آیت نمبر ۴۸ میں رسول کریم ﷺ کو فرمایا گیا ہے ''فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا'' (کہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں گھبرائیں نہیں) اور مومن سے بار بار وعدہ فرمایا کہ اگر تم میری عبادت کی ادائیگی کرتے ہوئے میرا ساتھ دیتے رہو گے تو میں بھی تمہارا ساتھ دیتا رہوں گا، جیسے علامہ اقبالؒ نے فرمایا ؎

مردِ مومن با خدا دارد نیاز مابہ تو سازیم و تو باما بساز (۲۸۹)

(اللہ تعالیٰ کی مردِ مومن کے ساتھ یہ راز و نیاز کی بات ہوتی ہے کہ ہم تمہارا ساتھ دیتے ہیں اس لیے تم ہمارا ساتھ دو)

ذکر قرآن اور نوافل کی عبادات

مکتوبات (اردو ترجمہ صفحہ ۱۲۸۷) میں مجدّد الف ثانیؒ نے فرمایا ہے کہ عبادات میں ذکر کے بغیر چارہ نہیں پھر اس کے ساتھ جو چیز جمع ہو جائے درست ہے۔ وصل الی اللہ کا دارو مدار ذکر پر رکھا ہے۔ دوسری چیزیں ذکر کے ثمرات اور نتائج پر ہیں۔ فرماتے ہیں کہ نفی اثبات کا ذکر وضو کی طرح ہے اور وضو تو نماز کی شرط ہے، جب تک طہارت درست نہ ہو نماز میں داخل ہونا منع ہے۔ اسی طرح جب تک نفی انجام تک نہ پہنچے فرائض و واجبات اور سنن مؤکدہ کے علاوہ جو بھی نفلی عبادتیں ادا کی جائیں گی داخل وبال ہونگی (یعنی فرائض واجبات اور سنن مؤکدہ کے بغیر نفی کے بھی پڑھ لیں تو ثواب مل جائے گا مگر ان کا اصلی مقام نہ ہوگا لیکن عبادتوں کیلئے نفی نہ ہو تو یہ وبال کے سوا کچھ نہیں) مطلب یہ ہوا کہ بندہ جب نوافل سے خود کو مکلف کرتا ہے تو غفلت سے کیوں پڑھے؟ اسی لئے فرمایا کہ نفی اثبات کے ذکر سے اگر نفی نہ ہو تو پہلے اس بیماری کو دور کرے اس کے بعد دوسری نیکیوں اور عبادتوں میں مشغول ہونا چاہیے جو بدن کیلئے غذا صالح کی طرح ہیں اور بیماری دور ہونے سے پہلے جو بھی غذا کھائیں گے مفسد اور فاسد ہوگی۔ ''ہر چہ گیرد علتی علت شود'' (بیمار جو چیز بھی لیتا ہے وہ بھی بیماری بن جاتی ہے)۔

ذکر شرک سے پاک کرتا ہے

ایک اور مکتوب میں حضرت مجدّد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ سلوک کے مبتدی (شروع کرنے والے) کے حال کے مناسب ذکر ہے اور ماسوئ اللہ کے (ہر چیز کی) نفی کرنا ضروری ہے یہاں تک کہ اللہ کے سوا اس کو

[1] کنز العمال، حدیث ۱۸۹۱۹، جلد ۷، صفحہ ۱۱۷۔

کوئی اور چیز یاد نہ رہے اور اللہ کے سوا کوئی چیز مُراد نہ ہو۔ اس کو تکلف سے بھی اشیاء یاد کرائیں تو یاد نہ آئیں اور وہ دنیا کی چیزوں کو اپنا مقصود نہ جانے اور جب اس طرح ہو جائے گا تو شرک سے پاک ہو جائے گا اور انفسی اور آفاقی خداؤں سے پاک رہے گا۔

ذکر اور تلاوت کن کن حالات میں متعین ہیں

جب سالک شرک سے پاک ہو جائے اور مکمل نفی حاصل کر لے تو اس حالت میں بہتر ہے کہ ذکر کی بجائے قرآن کی تلاوت کرے اور تلاوت کی دولت سے ترقی کرے۔ اس حالت سے پہلے تلاوت کرنا ابرار کے اعمال میں داخل تھا مگر حالتِ نفی کے بعد تلاوت کرنا مقربین کے اعمال میں سے ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ابرار کے اعمال عبادات میں سے ہیں اور مقربین کے اعمال تفکرات میں سے ہیں۔ ایک گھڑی تفکر کرنا ایک سال یا ایک اور حدیث کی رو سے ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے ''تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سَبْعِيْنَ سَنَةً'' تفکر کا مطلب یہ ہے کہ باطل سے نکل کر مستغرق ہو جائے۔ جتنا فرق ابرار اور مقربین میں ہے اتنا ہی فرق ان کی عبادات میں ہے۔ مبتدی کا وہ ذکر جو مقربین کے اعمال میں شامل ہوتا ہے وہ ہے جو اس نے شیخ کامل سے اخذ کیا ہو اور اس کا مقصودِ سلوکِ طریقت ہو ورنہ وہ ذکر بھی ابرار کے اعمال میں سے ہے۔ مجددؒ فرماتے ہیں کہ ذکر سے مُراد غفلت کا دور کرنا ہے چونکہ ظاہر میں ہر وقت غفلت ہو سکتی ہے اس لئے ابتداء ہو یا انتہاء انسان ہر وقت ذکر کا محتاج ہے۔ بعض اوقات اسمِ ذات کا ذکر نفع دیتا ہے اور بعض اوقات ذکر نفی اثبات مناسب ہوتا ہے۔ جب تک غفلت دور نہ ہو جائے ذکر کے بغیر چارہ نہیں۔ ابتداء میں یہ دونوں ذکر متعین اور ضروری ہیں، انتہاء اور توسط متوسط درجہ میں دونوں ذکر متعین نہیں ہیں (یعنی ان کی تعداد کا تعین متوسط اور منتہی کیلئے ضروری نہیں)۔ اگر قرآن کی تلاوت سے غفلت دور ہو جائے تو بھی ٹھیک ہے مگر قرآن کی تلاوت متوسط درجہ والوں کیلئے مناسب ہے اور نوافل ادا کرنا منتہی کے حال میں مناسب ہے۔

ذکر، قرآن اور نوافل کے تعین کا خلاصہ

جو کچھ اوپر بیان ہوا اس کا خلاصہ نیچے دیا جا رہا ہے۔

مبتدی: ذکر اسمِ ذات اور نفی اثبات متعین ہیں مگر ذکر زیادہ کرے (یعنی نفی اثبات)

متوسط: تلاوت سے غفلت دور ہو تو دونوں ذکر متعین نہیں۔ تلاوت مناسب ہوتی ہے۔

منتہی: تلاوت سے غفلت دور ہو تو دونوں ذکر متعین نہیں۔ نوافل کی کثرت مناسب ہے۔

اگر ذکر کسی کامل شیخ سے نہ سیکھا ہو تو یہ ذکر عام لوگوں کے اوراد کی طرح ہوگا، جس پر نیکیاں اور ثواب تو

---

[1] تفسیر روح البیان، جلد ۱۳، صفحہ ۳۲۴۔

ملے گا مگر قُرب جو مقربین سے متعلق ہے نہ ملے گا۔ کبھی اللہ کی طرف سے (یا اویسی طریقہ سے) کسی کو بغیر ظاہری شیخ کے ہی تربیت مل جائے تو بھی اس کا ذکر مقربین کے اعمال سے ہو جاتا ہے بلکہ بے تکرار ذکر سے بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے قُرب کے مراتب بخش دے اور اپنا ولی بنا لے۔

انسان کی فطرت پر نماز کا اثر

''اِنَّ الۡاِنۡسَانَ خُلِقَ هَلُوۡعًا ۙ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوۡعًا ۙ وَّاِذَا مَسَّهُ الۡخَيۡرُ مَنُوۡعًا ۙ اِلَّا الۡمُصَلِّيۡنَ ۙ الَّذِيۡنَ هُمۡ عَلٰى صَلَاتِهِمۡ دَآئِمُوۡنَ'' (المعارج ۱۹، ۲۳) (بے شک انسان بہت لالچی پیدا ہوا ہے، جب اسے تکلیف پہنچے تو سخت گھبرا جانے والا ہے، جب اسے راحت ملے تو حد درجہ بخیل بجز ان نمازیوں کے جو اپنی نماز پر پابندی کرتے ہیں)۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''ھلوع'' اس حریص کو کہتے ہیں جو حلال حرام میں تمیز نہ کرے۔ مقاتل[1] نے اس کے معنی تنگ دل لکھے ہیں۔ انسان میں بہت سے عیب ہیں۔ ایک یہ کہ وہ حریص اور کم ظرف ہے اور ایسی چیزوں کو ہڑپ کرنے کیلئے بیتاب رہتا ہے جو اس کیلئے حلال نہیں۔ ہر حال اور ہر قیمت پر دنیا کا مال سمیٹتا ہے خواہ رشوت، لوٹ کھسوٹ، چوری اور راہزنی سے پوری قوم کو نقصان ہو یا کئی بندوں کی (جعلی دواؤں سے) جان لے لی جائے مگر وہ باز نہیں آتا۔ ایسے لالچی کو ھلوع کہتے ہے، جس کو اپنی عاقبت کا بھی خیال نہیں ہوتا۔ مقاتل[1] نے نقل کیا ہے کہ ھلوع کوہِ قاف کے پیچھے ایک جانور ہے جو سات جنگلوں کی تر اور خشک گھاس کھا لیتا ہے اور سات دریاؤں کا پانی پی لیتا ہے پھر بھی رات کو اس خیال میں رہتا ہے کہ کل کیا کھائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس جانور سے تشبیہ دی ہے۔ انسان میں دوسرا نقص یہ ہے کہ ''جزوع'' بہت جزع و فزع کرنے والا بہت گھبرانے والا ہوتا ہے۔ جب کوئی مصیبت آ جائے تو ہاتھ پاؤں پھول جائیں اور اوسان خطا ہو جائیں، امید کا راستہ اس کو نظر نہیں آتا۔ انسان میں تیسرا نقص یہ ہے کہ وہ سخت قسم کا بخیل اور کنجوس واقع ہوا ہے اور کسی ملی یا قومی کارِ خیر کیلئے اور فقیر یا مسکین کیلئے ایک دمڑی بھی خرچ کرنے والا نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کو ''مَنُوع'' کہتے ہیں یعنی منع کرنے والا یہ تینوں نقائص والے انسان ملک و قوم اور گھر کیلئے باعثِ عار و ننگ اور باعثِ وبال ہوتے ہیں۔ ان کی یہ برائیاں قرآنی قوانین اور اسلامی نظامِ عبادت پر عمل کرنے سے مٹ جاتی ہیں۔

مذکورہ بالا آیات میں بتایا گیا ہے کہ جو لوگ نماز کو صمیم قلب سے اور خشوع خضوع سے ادا کرتے ہیں جیسا کہ ''اَلَّذِيۡنَ هُمۡ عَلٰى صَلَاتِهِمۡ دَآئِمُوۡنَ'' (المعارج: ۲۳) میں فرمایا گیا تو وہ ان برائیوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دائمون سے مراد پابندیٔ نماز نہیں بلکہ اس کے معنی ہیں کہ کسی اور طرف التفات نہ کرنا اس سے یہ مراد لیا جاتا ہے کہ نماز میں نگاہوں سے ادھر ادھر التفات نہ کیا جائے۔ (بلکہ نظر سجدہ کی جگہ پر رکھی جاتی ہے) ایسے لوگ اپنے تمام اعمال قرآن کے مطابق رکھتے ہیں۔

---

[1] تفسیر روح البیان، جلد ۶۱، صفحہ ۱۱۳۔

فنا - ولایت کی طرف پہلا قدم ہے

حضرت مجددؒ (مکتوب نمبر ۸۶، دفتر اول میں) فرماتے ہیں کہ جب تک وہ موت جو حسّی موت (یعنی طبعی موت) سے پہلے ہے جسے اہلُ اللہ "فنا" کہتے ہیں حاصل نہ ہو جائے اس وقت تک اللہ کی پاک جناب تک وصول (وصال ہونا) میسر نہیں ہوسکتا بلکہ معبودانِ باطلہ (یعنی نفسانی خواہشات) سے نجات نہیں مل سکتی، ولایت کیلئے فنا پہلا قدم ہے۔ فرماتے ہیں وہ صوفی جس کی محبت اللہ کے علاوہ کسی سے نہ ہو وہ مخلوق میں رہ کر بھی اللہ کے ساتھ رہتا ہے اور یہی کائن (اللہ کے ساتھ) اور بائن (مخلوق میں رہنے والے) صوفی کی شان ہے۔ حضرت مولانا روم فرماتے ہیں۔

ہیچ کس را تا نہ گردد او فنا   نیست راہ در بارگاہِ کبریا[۲۹۰]

(کوئی شخص جب تک فنا حاصل نہ کرلے بارگاہِ کبریا تک راہ نہیں پاسکتا)

اس فنا کے بعد ہی دوسرے مقامات تک رسائی ہوتی ہے اور اسی لئے اسکو پہلا قدم کہتے ہیں۔

نماز اور مجاہدہِ نفس

نفس کی بد خلقی کی بنیاد انانیت اور کبرِ نفس پر ہے جس سے نفس کی بغاوت پیدا ہوتی ہے۔ ہر انسان بالعموم یہ سمجھتا ہے کہ "ہم چو ما دیگرے نیست" (ہم جیسا کوئی دوسرا نہیں ہے)۔ اس تکبر اور فخر کا قدرتی اثر تحقیرِ غیر ہے اور اسی سے منافرت باہمی پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے جھگڑا، فساد اور گالی گلوچ تک نوبت پہنچتی ہے۔ بسا اوقات تکبر کی عادت چغلی اور غیبت پر بھی انسان کو آمادہ کرتی ہے اور کبھی قتل وغارت حتیٰ کہ عوام الناس کے قتلِ عامہ تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ یہ آفت ہمہ گیر ہو تو ملکوں میں منافرت پیدا ہو جاتی ہے اور لوگ کھلے عام خون ریزی سے بھی گریز نہیں کرتے۔ کبرِ نفس کے نتیجہ پر ہی تمام رذائل (حسد، کینہ، بغض، نفرت، رعونت، شہوت، بخل، طمع، جمعِ مال کا جذبہ وغیرہ) دل میں پیدا ہوتے ہیں اور انہی خصائل اور خدشات کے پیشِ نظر فرشتوں نے کہا تھا کہ "اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ" (البقرۃ: ۳۰) (کیا (اے خدا) زمین کا وارث تو اس (انسان) کو بنائے گا جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خون ریزی کرے گا؟)۔ نماز کا ہر رکن اور ہر فعل اس کبرِ نفس کیلئے تبر اور تیشہ ہے اور انسان میں بے حیائی، فحاشی جیسے خصائل بد کے دور کرنے کی خاصیت نماز میں رکھی گئی ہے۔ نمازی جب ناک زمین پر رگڑے تو اس کا تکبر ضائع ہوتا ہے مگر افسوس ہے ہم لوگ سجدے کا مقصود نہیں جانتے اور فقط رسمی سجدے کرتے ہیں۔ رسمی سجدہ تو سجدے کی سب سے کم ترین کیفیت ہے چنانچہ جب سجدہ کرنے کا مفہوم معلوم نہ ہو تو نمازی تکبر کی آفت سے محفوظ نہیں رہتا۔

صحابہ کرام کے عہد کو خَيْرُ الْقُرُوْنِ اور ان کے وجود مسعود کو خَيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْاَرْضِ کہتے ہیں۔ ان

میں جاہ وجلال (شان وشوکت اور قوت) دونوں خیر سے مغلوب تھے اس لئے ایسا امن ان کے بعد نصیب نہ ہوا اور یہ سب ان میں نماز کی پابندی اور اسکے شعور کی وجہ سے تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق کو "خَیْرُ الْاُمَّتِ یَا خَیْرُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِیَآءِ" سمجھا تو ان کو اپنے سامنے امام الصلوۃ بنایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت یہ کہہ کر کی کہ جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہمارا امام الصلوۃ بنا کر ہمارا دین ان کے سپرد کر دیا اور اس پر ہم راضی ہو گئے تو ہمیں اپنی دنیا انہیں سونپ دینے میں کون سا امر مانع ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام دین کی بقا کو نماز کی بقا میں اور تمام دین کی اضاعت (ضائع کرنا) کو نماز کی اضاعت میں سمجھا اور اپنی خلافت کے حکم کے ساتھ نماز کے حکم کا یوں اعلان فرمایا۔ "اِنَّ اُھَمَّ اَمْرِکُمْ عِنْدِی الصَّلَاۃُ فَمَنْ ضَیَّعَھَا فَھُوَ لِمَا سِوَاھَا"[۲] (تمہارے دینی امور میں میرے نزدیک سب سے اہم نماز ہے جس نے اسے ضائع کر دیا وہ دوسری اطاعت کو اس سے زیادہ ضائع کرے گا)۔ صحابہ کرام حضور ﷺ کے ساتھ قیام فرماتے اور ان کے پاؤں پر ورم آ جاتا جس کا ذکر قرآن میں یوں ہے۔ "اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ" (المزمل:۲۰) (بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ رات کے تیسرے حصہ سے کچھ کم قیام کرتے ہیں) چنانچہ صحابہ کی ترقی وکامیابی کی ضامن نماز ہی تھی جو قوم نماز گزار نہیں وہ ظاہری اسباب میں ترقی تو کر سکتی ہے مگر صحابہ کی طرح بے مثل، ہمہ گیر، دینی اور دنیاوی ترقیوں کو حاصل نہیں کر سکتی

جو آنکھ کہ ہے سرمۂ افرنگ سے روشن ۔۔۔ پرکار و سخن ساز ہے نمناک نہیں ہے

اصلاحِ نفس کیلئے خلاصہ یہ ہوا کہ جب تک کوئی اپنے سے بڑے کی بڑائی اور عظمت پر نظر نہ رکھے تو خود کو ہی سب سے اعلیٰ سمجھے گا۔ جیسے فرعون نے کہا "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" (النازعات:۲۴) (میں تمہارا سب سے بڑا خدا ہوں) کیونکہ اس نے اللہ کی عظمت اور بڑائی کی طرف نظر نہ رکھی۔ یہی تکبر اور رعونت ہے۔ نماز میں یہی بات سکھائی جاتی ہے کہ "اَلْمُلْکُ وَالْحُکْمُ وَالْعِزَّۃُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" (بادشاہی، حکم اور عزت اللہ ہی کا ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے) لیکن اگر کوئی خدا کے آگے رسمی طور پر سر جھکائے اور خود کو اس کے سامنے حقیر نہ سمجھے بلکہ اس طرح رعونت دل میں باقی رہے تو تکبر ختم نہ ہوگا۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ چھوٹی چھوٹی ملازمتوں والے اپنے افسروں کے سامنے تو جی حضوریاں کرتے نہیں تھکتے بلکہ ان کی جوتیاں بھی سیدھی کرنے سے گریز نہیں کرتے مگر گھر میں اپنے والدین، بیوی، بچوں اور بڑوں کے سامنے تکبر سے پیش آتے ہیں اور گھر والے بیچارے ان سے بات کرتے بھی ڈرتے ہیں۔ اسی طرح اگر نماز سے اصلاحِ نفس مقصود نہ ہو تو سجدہ کی کوئی افادیت ظاہر نہیں ہوتی۔ نماز اگر درست طریقہ سے پڑھی جائے تو نفس کا تکبر دور ہو جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کہ اے اللہ میں آپ تک کیسے پہنچ سکتا ہوں؟ فرمایا! "اپنے

[۱] فضائل صحابہ، احمد بن حنبل، حدیث ۵۰۴، جلد ۱، صفحہ ۴۱۵۔

[۲] مشکاۃ المصابیح، حدیث ۵۹۵، جلد ۱، صفحہ ۱۹۹۔

نفس کو چھوڑ کر آ جاؤ'' حافظ شیرازؒ فرماتے ہیں۔ ''تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز'' یعنی اے حافظ تو اپنی خودی کا پردہ درمیان سے ہٹا دے (اور واصل ہو جا)۔ نماز میں جب نفس کی تحقیر ہو تو نفس مرضی نہیں کرتا بلکہ مطیع ہو جاتا ہے۔ اس کے آثار مٹ جاتے ہیں اور آثارِ حق نمودار ہو جاتے ہیں۔ نفس کے آثار ختم ہونے کو ''تخلیہ'' کہتے ہیں اور اچھے خصائل و اخلاق پیدا ہونے کو تَجلِیَه کہتے ہیں۔ نفس پر نماز اس لئے بھاری ہے کہ اس میں نفس کی نامرادی ہے بری خصلتیں اس سے رفتہ رفتہ دور ہو جاتی ہیں۔ جن لوگوں کی خصلتوں پر نماز اثر انداز نہ ہو تو انہیں نماز کی تصحیح کرنی چاہیے۔ اس موضوع پر راقم الحروف کی کتاب ''تہذیب نفس'' لکھی جا چکی ہے اس کا مطالعہ فرمائیں۔

کمالاتِ عبادت نفس کی سرزنش میں ہے

اصلاحِ نفس وہ چیز ہے جسے عام دنیا دار سمجھنے سے قاصر ہیں۔ عام لوگ تو یہ سوچ ہی نہیں سکتے کہ نفس ان کا کتنا بڑا دشمن ہے بلکہ نفس کو تو خود خدا نے بھی اپنا دشمن قرار دیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ نفس خدا کی دشمنی پر تُلا ہوا ہے[1]۔ انسان اس کو معمولی سمجھ کر اس طرف ذرا سی توجہ بھی نہیں کرتا اور اس کی اصلاح کی چنداں فکر نہیں کرتا۔ یہ وہ دشمن ہے جو چھپ کر ہمیں اندر ہی اندر سے کھوکھلا کرتا جا رہا ہے اور انسان کو اس کی خبر تک بھی نہیں۔ ہم میں بہت سے وہ لوگ جو عبادت کرنے کی سعادت بھی رکھتے ہیں ان کو یہ معلوم نہیں کہ ان کے نفوس کے ہاتھوں ان کو کتنا بڑا نقصان ہو رہا ہے۔ روایات میں ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میں تیس سال سے عبادت کر رہا ہوں مگر ابھی تک میں ان کمالات کی بو بھی نہیں پاتا جو میں آپ کے احوال میں دیکھتا ہوں آپؒ نے فرمایا کہ اس طرح تم تیس سال تو کیا اگر تین سو سال بھی عبادت کرتے رہو تو کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا اور وہ کمالات پیدا نہیں ہو سکتے۔ اس شخص نے اس کا علاج دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم اس کا علاج نہ کر سکو گے۔ جب اس شخص نے اصرار کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ بازار سے ایک تھیلے میں اخروٹ خرید کر لاؤ اور اسے اپنے گلے میں ڈال کر اس محلے میں جاؤ جہاں تمہیں لوگ زیادہ جانتے ہیں اور بچوں کو کہو کہ جو مجھے ایک تھپڑ لگائے گا اسے میں ایک اخروٹ دوں گا اور جو دو تھپڑ لگائے اسے دو اخروٹ دوں گا۔ اس نے کہا جناب یہ علاج تو میں نہیں کر سکتا، آپ نے فرمایا کہ میں نے تو پہلے ہی یہ کہہ دیا تھا کہ تم یہ علاج نہ کر سکو گے۔

اس حکایت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جب تک نفس کی اصلاح نہ ہو تو اس کی عبادت کما حقہ اپنا کام نہیں کرتی چنانچہ تکبر کو دور کرنے کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے تاکہ کوئی اپنی خاطر خواہ اصلاح کر سکے۔ یاد رکھیں کہ آپ کو اپنی ذات کیلئے اگر کسی پر غصہ آئے تو یہ نفسانی رعونت اور تکبر میں شمار ہوگا اگر چہ ایسا غصہ دین یا خدا کیلئے ہو تو درست ہوگا۔ اس سلسلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور کافر کی جھڑپ قابلِ ذکر ہے کہ جب حضرت

[1] الاحکام آمدی، علی بن محمد الآمدی، متوفی ۶۳۱ھ، جلد ۱، صفحہ ۱۹۷، دار الکتاب العربی، بیروت۔

علی رضی اللہ عنہ نے اس کو پچھاڑا تو کافر نے آپ کے منہ پر تھوک دیا۔ اس کے اس عمل سے آپ نے اسے قتل کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اس لیے کہ اس حالتِ غصہ میں آپ کی ذات کا معاملہ شامل ہو گیا تھا۔ اولیائے کرام ملامت کو بخوشی برداشت کرتے ہیں اور خدا نے بھی عوام کو اولیاء کرام کے تنگ کرنے پر چھوڑا ہوا ہے اس سے غرض ولیوں کو تکبر سے بچانا ہے۔ نفس کی اصلاح کیلئے راقم الحروف کی ایک مبسوط کتاب ''تہذیبِ نفس'' منظرِ عام پر آ گئی ہے جس میں نفس کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

مشائخ اصلاحِ نفس پہلے کرواتے ہیں

اولیائے کرام مریدین اور سالکین کی اصلاح اس طرح فرماتے ہیں کہ پہلے ماہیتِ انسان اور اس کی تخلیق کی غایت کے متعلق دینی علوم سے مکمل روشناس کرواتے ہیں جن کا معلوم ہونا مذہب کے معاملات کی تصحیح کیلئے حجت کا درجہ رکھتا ہے۔ ان علوم میں خود شناسی، تخلیق کائنات، مقصودِ تخلیق، فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات کے متعلق تمام امور شامل ہیں۔ اسی طرح حرام اور مکروہات اور اخلاقیات کے علوم سے بھی آگہی حاصل کرنے کیلئے حکم فرماتے ہیں۔ پھر ان علوم کی اہمیت ان پر اچھی طرح ظاہر کرتے ہیں اور اوامر پر عملی قدم اٹھانے کی ترغیب اپنے حسین بیانوں اور روحانی نگاہوں سے عطا فرماتے ہیں۔ جس سے سالک میں علم کے ساتھ ساتھ عمل کا شوق پیدا ہو جاتا ہے اور ان کو جذب و کیف کی دولت سے مالا مال کرتے ہیں۔ اسی طرح کسی خاص شیخ کی صحبت اس راہ کو طے کرنے کیلئے ضروری خیال کی جاتی ہے۔ جو لوگ محض علم کو حاصل کرتے ہیں وہ جذب و کیف اور نائر العشق کی دولت سے محروم رہتے ہیں جس سے وہ صاحب قال تو بن جاتے ہیں مگر صاحب حال کا مقام حاصل نہیں کر سکتے۔ اس کا فرق درج ذیل شعر سے ظاہر ہوتا ہے ۔

جائے کہ زاہدے بہ صد ماہ می رسد — مست شرابِ عشق بہ یک آہ می رسد

(وہ جگہ جہاں زاہد سینکڑوں ماہ میں پہنچتا ہے، شرابِ عشق کا مست ایک آہ میں پہنچ جاتا ہے)

مولانا رومؒ نے فرمایا ہے کہ نفس بغیر پیر کے نہیں مرتا اس کیلئے کسی مرشد کا دامن مضبوطی سے پکڑو ۔

نفس راہ نہ کشد بغیر از ظلِ پیر — دامنِ آں نفس کُش محکم بگیر

(نفس بغیر پیر کے سائے کے نہیں مرتا، نفس کو مارنے والے کا دامن مضبوطی سے پکڑ لو)

اس تعلیم علم و عمل اور کیف و جذب کے بعد سالک کو ریاضتِ شاقہ کروائے جائیں تو وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ علم و عرفان اور معرفتِ حقیقیہ پر اس کی دسترس ہو جاتی ہے اور واصل باللہ ہو جاتا ہے۔ اس تربیت میں سالک کو ملامت اور خدمت سے بھی واسطہ پڑتا ہے۔

سالک اپنا امتحان ضرور کرے

راقم الحروف کا خیال ہے کہ بہت سے وہ لوگ جو راہ سلوک کو طے کرنے کے درپے ہیں اور نماز روزہ کی

پابندی بھی کرتے ہیں لیکن اگر ان کی شکلوں کو بغور دیکھا جائے تو ان کے چہروں پر غیض وغصہ کے اثرات جھلکتے صاف نظر آتے ہیں۔ مسجد میں ایسے لوگ دیکھے جاتے ہیں کہ ان کو کوئی مسئلہ بتایا جائے اور ان کی غلطی ان کی نگاہ میں لائی جائے تو فوراً جنگ پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اندازہ فرمائیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جیسے بزرگ کا بیان ہے کہ ایک طویل عرصہ کے مجاہدات کے بعد آپ نے اپنا احتساب کیا تو معلوم ہوا کہ طبیعت میں تکبر، غصہ وغیرہ ابھی باقی تھے۔ آپ نے اس کے بعد تمام رذائل کی نفی کیلئے مزید دو دو سال صرف کئے، اس سے اپنی کیفیت کا اندازہ کرنا چاہیے اور علاج کی فکر بھی کرنی ضروری ہے۔ منقول ہے کہ جو لوگ عبادت میں طمانیت حاصل نہ کر پاتے ان کو حضرت شمس الدین سیالویؒ دوبارہ بیعت فرماتے۔ ایک ایسے ہی شخص کو آپ نے سمجھایا کہ کل جو دن گزر گیا اگر کروڑوں روپے بھی خرچ کر دو تو واپس نہیں آ سکتا اور کل جو آنے والا ہے اس کا یقین نہیں کہ آئے گا یا نہیں چنانچہ آج کا دن ضائع نہ کر و اس کا فائدہ اٹھاؤ۔ فرمایا کہ پل صراط جو تیس (۳۰) ہزار سال کا راستہ ہے اور قیامت کے دن جو پچاس ہزار سال کا وقفہ ہے اس کیلئے اور اس دن کی مشکلوں کیلئے نیک عمل کا زادِ راہ تیار رکھو۔ حضرت شمس الدین سیالویؒ نے فرمایا کہ جس کو خدا کی خوشنودی حاصل ہو جائے اس کے دین و دنیا کے کام آسان ہو جاتے ہیں گویا خدا کی خوشنودی اس کی اطاعت کرنے میں ہے (اور یہی تصوف کا مقصود ہے)۔ فرمایا اگرچہ گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ روزی اتنی تنگ نہیں فرماتا لیکن عوام کی بدسلوکی اور بداعمالیوں کی وجہ سے پورے گاؤں پر ذلت اور قلت نازل ہو جاتی ہے۔ نماز ادا کرنا، لوگوں کے حقوق ادا کرنا اور غیرِ حق سے بچتے رہنے سے مصیبتوں سے رہائی ملتی ہے۔ فرمایا کہ لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے چرند، پرند اور کیڑوں مکوڑوں پر بھی روزی تنگ ہو جاتی ہے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

شنیدم کہ بر مرغ و مور و دواں   شود تنگ روزی زفعلِ بداں

(سنا ہے کہ چرند، پرند اور حشراتِ ارض پر بھی بُرے لوگوں کے عمل سے روزی تنگ ہو جاتی ہے)

رزقِ حلال کے عبادت پر اثرات

رزقِ حلال کا بیان اور اس کے کمالات انشاء اللہ ہماری عنقریب شائع ہونے والی کتاب ''اکتساب رزق اور انفاق'' میں آئے گا۔ یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اولیائے کرام ہدیہ (تحفہ) قبول کرنے کیلئے بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ رسول پاک ﷺ ''نَحْنُ لَا نَرُدُّ الْهَدِيَّةَ'' (ہم ہدیہ واپس نہیں کرتے)[1] کے حکم کے مطابق ہم اسے رد نہیں کرتے (اس قول کو امام بخاری نے صحیح بخاری میں عنوان کے طور پر نقل فرمایا) لیکن اسے خاص طور پر اپنے ہی لئے خرچ بھی نہیں کرتے۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ غیر مشکوک جگہ سے قرض لے کر وہ قرض اس ہدیہ سے ادا کر دیتے کیونکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسی

---

[1] فضائل صحابہ، احمد بن حنبل، حدیث ۴۰۵، جلد ۱، صفحہ ۳۱۵۔

صورت میں حلت پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت مجددؒ سخت تاکید فرماتے ہیں کھانا پکانے والا باوضو ہو بلکہ اہلِ ذکر اور اہلِ صفا میں سے ہو اور کھانا پکاتے وقت وہ دنیا کی باتیں نہ کرے۔ آپ فرماتے تھے کہ جو لقمہ بغیر احتیاط اور بغیر ذکر کے کھایا جاتا ہے اس سے ایک قسم کا دھواں اٹھتا ہے جو فیض کے راستے کو بند کر دیتا ہے اور ارواحِ طیبہ جو فیض کا ذریعہ ہیں ایسے شخص کے قلب کے سامنے نہیں آتیں۔ جو لوگ اس معاملے میں تسامح (چشم پوشی) کو جائز جانتے آپ اس بے احتیاطی کے ضرر کو ان کے باطنی احوال میں معائنہ فرما لیتے تھے۔ ایک روز ایک صاحبِ حال اور صاحبِ کشف شخص آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ میں اپنے معاملے میں انقباض (قبض) پاتا ہوں اور اپنے باطن میں کدورت دیکھتا ہوں۔ معلوم نہیں مجھ سے کیا خطا سرزد ہو گئی ہے؟ آپ نے مراقبہ کے بعد فرمایا کہ لقمہ میں احتیاط نہیں کی گئی اور سوائے اس کے مجھے اور کوئی وجہ معلوم نہیں ہوئی، جاؤ اور جا کر معلوم کرو، جب تفتیش کی گئی تو معلوم ہوا کہ لکڑیاں حلال ذریعہ کی نہ تھیں۔ اسی طرح آپ تمام حالات میں عزیمت اور افضلیت کو ملحوظِ خاطر رکھتے۔ دنیاوی مال و منال کے متعلق حضرت مجدد الف ثانیؒ کی مجلس میں کوئی بات نہ ہوتی تھی۔ آپ خاص مریدوں کیلئے فقر و مسکنت اور فاقہ و قناعت کے سوا اور کچھ نہ چاہتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ جس کیلئے ہماری مالی امداد ظہور میں آئے تو جان لے کہ ہم کو اس کے ساتھ دین کی محبت کم ہے۔ آپ درویشوں کیلئے ماہانہ وظیفہ مقرر کرنے کی اجازت نہ دیتے۔ عبدالرحیم خانِ خاناں (جو جہانگیر کے اتالیق اور صوبیدار بھی رہے ہیں اور جنہوں نے ۱۰۳۶ھ میں وفات پائی) کو جب معلوم ہوا کہ آپ حج کا ارادہ رکھتے ہیں تو ایک لاکھ روپیہ آپ کے درویشوں کی زادِ راہ کیلئے ارسال کیا اور عرض کیا کہ یہ رقم قبول کر کے مجھ پر احسان فرمائیں۔ جب آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا ہمارا حج کو جانا ہم کو اس طرح گوارا نہیں کہ مسلمانوں کا اس قدر روپیہ اپنے اوپر صرف کریں اور ضائع کر دیں' چنانچہ آپ نے وہ رقم قبول نہیں کی اور واپس کر دی۔

کھانے پینے اور اوڑھنے اور رہنے بسنے کیلئے آپ کی بے پروائی اس درجہ کی تھی کہ اگر کئی کئی دن ایک ہی طرح کا غیر مرغوب کھانا ہوتا تو آپ ہرگز نہ تناول فرماتے کہ اس کے علاوہ کوئی اور کھانا لایا جائے۔ اسی طرح مسلسل کئی دنوں تک آپ ایک ہی لباس پہنے رہتے اور ہرگز دوسرے کپڑے کی خواہش نہ کرتے۔ یہی حال مکان کا تھا کہ عرصے تک تنگ و تاریک مکان میں رہا کرتے اور کبھی دوسرے مکان کی تعمیر یا صفائی یا روشنی کی خواہش نہ کرتے جب تک وہ شکستہ نہ ہو جاتا یا خس و خاشاک سے پر نہ ہو جاتا۔ آپ راتوں کو مراقبے میں مصروف رہتے اور جب کمزوری غالب ہو جاتی تو وضو فرما کر دو رکعت پڑھ کر پھر مراقبے میں مصروف ہو جاتے۔

عوارف المعارف میں ہے کہ ایک شخص ابو مسعودؒ کے پاس حاضر ہوا (یہ شیخ خدا رسیدہ صاحبِ حال اور رموز و اسرار سے واقف تھے اور روحانیت کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے) اور عرض کرنے لگا کہ میں چاہتا ہوں کہ روزانہ کچھ روٹیاں آپ کے پاس بھیج دیا کروں پھر مجھے صوفیا کا قول یاد آتا ہے کہ مال نجس ہوتا ہے۔

(اَلْمَعْلُوْمُ شَئُوْمٌ) یہ سن کر ابو مسعودؒ نے فرمایا کہ ہم تو یہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ معلوم شئوم کو ہمارے واسطے پاک اور صفا کر کے بھیج دیتا ہے تو پھر ہم کس طرح اس رزق کو نجس کہیں جبکہ ہم اس کے اس فعل کو دیکھتے ہیں۔ پس جو کچھ ہمارے حصے کا عطا فرماتا ہے اس کو ہم مبارک سمجھتے ہیں شؤم نہیں سمجھتے۔[1] قوت القلوب میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ صدقہ (یا خیرات) اللہ تعالیٰ خود سائل کے ہاتھ پر رکھتا ہے اور خیرات سائل کے ہاتھ میں واقع ہونے سے پہلے خدا کے ہاتھ میں واقع ہوتی ہے گویا اس سائل کے ہاتھ پر پہنچنے سے پہلے پاک ہو جاتی ہے (ہماری تصنیف ''اکتسابِ رزق اور انفاق فی سبیل اللہ'' میں ھدیہ اور خیرات کے متعلق مزید تفصیل دیکھیں)۔ کچھ صوفیا اس قدر احتیاط برتتے ہیں کہ مشکوک مال کو بالکل قبول نہیں کرتے۔ بعض صوفیا کا یہ طریقہ رہا ہے کہ کھانا تین دن کے بعد کھاتے ہیں کیونکہ تین دن کے بعد تو مُردار کھانے کی بھی اجازت ہوتی ہے۔ بہرحال یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بے ضرورت مال طلب کرنے والا صوفی نہیں ہے۔ اپنے استعمال کیلئے مال اس وقت قبول کرے اگر مال قبول کرنا ضروری ہو جائے ورنہ لوگوں سے ملنے والے ہدایا لوگوں پر ہی صرف کر دے۔ روایات میں منقول ہے کہ کسی نے ابو یزیدؒ سے کہا کہ آپ کوئی کام تو کرتے نہیں پھر آپ کو معاش کہاں سے آتا ہے۔ حضرت نے جواب دیا کہ تو دیکھتا ہے کہ میرا مولا جو کتے اور خنزیر کو روزی دیتا ہے تو کیا ابو یزیدؒ کو روزی نہیں دے گا۔ حضرت ابو یزیدؒ کی ایک اور روایت جو کتاب اللمع (صفحہ ۳۴۵) میں ہے کہ آپ فرماتے ہیں۔ ''میں نے کسی عالم کے ہاں کسی سالک کی تعریف کی تو اس عالم نے پوچھا کہ اس سالک کا ذریعہ معاش کیا ہے؟'' اس پر حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا ''چونکہ مجھے اس کے خالق کے بارے میں کوئی شک نہیں اس لئے میں نے یہ ضروری نہیں سمجھا کہ اس کے رازق کے بارے میں پوچھوں'' یہ سن کر وہ عالم شرمندہ ہو کر چل دیا۔

عوارف المعارف میں کسی بزرگ کا قول ہے کہ فقیر کا خیرات لینا اس ذات کی طرف سے ہے جو اس کو دیتا ہے (اللہ کی طرف سے) اور اس شخص کی طرف سے نہیں جس کے ہاتھ سے اس کو خیرات ملتی ہے۔ جس نے درمیانی واسطوں سے قبول کیا وہ نام کا درویش ہے۔ منقول ہے حضرت معروف کرخیؒ چونکہ خود کو خدا کا مہمان تصور کرتے تھے اس لئے ہر ایک سے کھا پی لیا کرتے تھے۔ مگر بشر حافیؒ مشکوک غذا سے ہاتھ کھینچ لیتے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ؎

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک ۔۔۔ اور پہچانے تو ہیں ترے گدا دارا و جم [(۲۹۱)]

---

[1] عوارف المعارف، صفحہ ۳۰۳۔

باب نمبر ۲۳

نماز باجماعت اور جمعہ کی اہمیت

نمازِ جمعہ و عیدین، حج، رمضان کے روزے، باجماعت نماز، نمازِ جنازہ، بیمار پرسی، نکاح، زیارتِ اخوان، صلہ رحم، قرابتیں اور زکوٰۃ وغیرہ اجتماعی عبادتوں میں شامل ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی زندگی جماعتی زندگی کی شکل اختیار کرلے اور مسلمان بھائی آپس میں محبت کا رابطہ قائم کرنے کے علاوہ ایک دوسرے کی تکالیف کا ازالہ کریں۔ گویا نماز سے پیدا شدہ جذبات عام انسانی ہمدردی کو ایک ایسی حد پر قائم کر دیتے ہیں کہ خدمتِ خلق' عبادتِ حق کی ہم پلہ نظر آنے لگے اور اس میں انفرادیت کی بجائے اجتماعی رنگ پیدا ہوجائے۔ علامہ اقبالؒ نے مسلمان افراد کی صلاحیتوں کی نشوونما، بہبود، ترقی اور اصلاح کیلئے فلسفۂ خودی کے موضوع پر بہت سا کلام لکھا ہے اور پوری جماعت یا قوم کی اِصلاح کیلئے فلسفۂ بےخودی کے نام سے اشعار لکھے ہیں۔ ان دونوں فلسفوں کے متعلق بیان اور اشعار انشاء اللہ راقم الحروف کی ایک عنقریب شائع ہونے والی کتاب ''عقل و عشق اور فلسفۂ خودی'' میں قارئین کی نظر کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس خدمتِ خلق کی تنظیم کیلئے ہی امامتِ کُبریٰ اور خلافت رکھی ہے اور نماز کی امامت امامتِ صغریٰ کہلاتی ہے اور یہی امامت صغریٰ امامتِ کُبریٰ کی صلاحیت پیدا کرلیتی ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں ابن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو ہمیں حلقہ در حلقہ ٹولیاں بنے ہوئے دیکھا تو فرمایا کیا بات ہے کہ میں تمہیں منتشر دیکھتا ہوں۔ پھر تشریف لائے تو فرمایا کہ تم صف بندی کیوں نہیں کر لیتے جیسے کہ فرشتے اپنے پروردگار کے حضور صف بندی کئے رہتے ہیں، عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کیسے صف بندی کرتے ہیں تو فرمایا پہلے اولین صفوف کو پورا کرتے ہیں اور صفوں میں گتھ کر (مل کر) کھڑے ہوتے ہیں۔[1] اس حدیث میں جماعت کی یگانگت کا حکم ملتا ہے کہ نماز کے باہر بھی تمہارے درمیان فرقے نہ ہوں بلکہ اجتماعیت ہو اور ایک ہی جَسد کی طرح جماعت بن کر رہو۔ شیخ سعدیؒ کا قول ہے ''بنی آدم اعضائے یک دیگر اند'' یعنی تنظیم اور خیالات کی یکسانیت کے اعتبار سے پوری قوم ایک آہنی دیوار ہو، دلوں میں کجی نہ ہو، مقاصد ایک ہوں، رجوع الی اللہ اور اخلاص ہو، اس اجتماعیت میں مقصود دنیا نہ ہو بلکہ فقط رضائے الٰہی ہو۔

امام جماعت کا ضامن ہے

اسلام نے ایک فردِ واحد کو جماعت کے آگے بڑھا کر ساری قوم کی امامت کا معاملہ اس کے سپرد کر دیا ہے، اگر امام نہ ہو تو جماعت ہی نہیں خواہ جماعت کتنی خوبصورت ہی کیوں نہ ہو امام کے بغیر کچھ نہیں۔ جماعت تو

[1] صحیح مسلم، حدیث ۴۳۰، جلد ۱، صفحہ ۳۲۲۔

چلنے والی ہے اور چلانے والا امام ہے چنانچہ فقہاء نے کہا کہ صف بندی اس وقت کرنا چاہیے جب امام مصلّے پر پہنچ جائے اور بلا امام جماعت کا کوئی قدم نہ اٹھے گا۔ یعنی ملک کے نظام کیلئے قوم کے امام کو اہمیت حاصل ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ''[1] امام (بحقِ جماعت) ضامن ہے۔

احادیث میں ہے کہ اول صف میں بالغ مرد اور اس کے بعد لڑکوں اور نابالغ بچوں کی صف ہو اور عورتوں کا مقام لڑکوں سے بھی پیچھے ہو۔[2] حدیث ہے کہ ''اِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلٰی مَیَامِنِ الصُّفُوْفِ'' (بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے صفوں کے داہنے جانب والوں پر رحمت بھیجتے ہیں)[3] اور یہ بھی فرمایا کہ رحمت اول امام کے سر پر آتی ہے اور اس کے بعد صفِ اول میں اس شخص کی طرف چلتی ہے جو ٹھیک امام کے پیچھے آئے یعنی محاذی کے پاس اور پھر دائیں جانب درجہ بدرجہ آخر تک اور پھر اس صف کے بائیں طرف درجہ بہ درجہ آخر تک جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے تمام نمازوں کو قدرے تاخیر سے ادا کرنے کا فتویٰ دیا ہے تا کہ اجتماع نمازیوں کا زیادہ ہو سکے حتیٰ کے مغرب میں شفق سے شفقِ ابیض لی ہے نہ کہ شفقِ احمر تا کہ وقت ذرا آگے کو سرک کر وسیع ہو جائے اور لوگ زیادہ جمع ہو سکیں۔ غرض یہ کہ حنفیہ کے نزدیک ہر نماز میں تاخیر مستحب ہے۔

نماز باجماعت کے معارف

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما میرے لیے آنکھ اور کان جیسے ہیں۔ فرمایا کہ مجھے آسمانوں کی معراج کرائی گئی تو میں نے کوئی چیز ایسی نہ دیکھی جس پر نہ لکھا ہو'' محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے رسول ہیں'' اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے خلیفہ ہیں (گویا مراتب کی وضاحت فرمائی) فرمایا کہ اگر کسی جماعت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوں تو ان کے سوا کوئی (صحابی) جماعت کا امام بننے کا حق نہیں رکھتا۔ نماز کے امام کا سب سے بڑا اور پہلا مقصد یہ ہے کہ وہ تمام مقتدیوں کو خدا کے سامنے لے جا کر ڈال دے، جھکا دے اور انہیں رجوع اِلی اللہ سے اِنابت (توبہ یا رجوع) اور تضرّع وزاری کے مقام پر لا کھڑا کرے۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ بلند آواز سے ارشاداتِ الٰہی ان کے کانوں تک پہنچا دے اور ان کو مفسدات (یعنی کبر نفس بغاوت و سرکشی، مفاد پرستی وغیرہ) سے محفوظ رکھے۔ تیسرا مقصد یہ ہے کہ کسی سے سُوءِ ظن نہ رکھا جائے کیونکہ اس سے جماعتی نظام برباد ہو جائے گا۔ یہ اس لئے کہ جب نمازی پر حقائق کھل جاتے ہیں تو پھر سوءِ ظن کہاں رہا؟ چوتھا یہ ہے کہ نماز کی جماعت درجاتی امتیاز، نسلی تفریقیں، جماعتی تعصبات کو مساوات اور صفوں کی یکجہتی کی وجہ سے ختم کر دیتی ہے۔ امام کسی چھوٹے بڑے، امیر فقیر، شاہ و گدا کا امتیاز نہیں رکھتا۔ مسلمانوں کے ایک خلیفہ نے امامِ مسجد کو نماز جمعہ میں تاخیر کرنے کا حکم بھیجا لیکن امام نے معذرت کی تو خلیفۂ وقت نے امام کی اس عدمِ امتیاز پر اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اس

---

[1] المعجم الاوسط، حدیث ۳۵۴۵، جلد ۴، صفحہ ۳۶۔

[2] کنز العمال، حدیث ۱۷۹۵۱، جلد ۷، صفحہ ۲۴۔

[3] صحیح مسلم، حدیث ۱۰۰۵، جلد ۱، صفحہ ۳۲۱۔

کے اس عمل کو سراہا۔ پانچواں یہ کہ نماز جہاد کا درس دیتی ہے، انسان کے دشمن شیاطین ہیں اور شیاطین دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک شیاطین الجن اور دوسرے شیاطین الانس۔ مؤخر الذکر انسانوں کے نفوس میں سرکشی اور ظلمت پیدا کرنا چاہتے ہیں، ان کو یادِ حق سے ہٹاتے ہیں اور نماز جیسی قُربِ الٰہی بخشنے والی عبادت سے رُکاوٹ ڈالنے کی بے انتہا کوشش کرتے ہیں تاکہ ان کو نماز سے ہٹا کر بندے اور خدا کے درمیان رابطہ منقطع کر دیں (یاد رہے کہ بندہ اور خدا کے درمیان نماز سے بہتر کوئی رابطہ نہیں)۔ نماز میں خلل ڈالنے کیلئے شیاطین کا ایک لشکر برسرِ پیکار رہتا ہے جو وضو کے وقت اور نماز کے دوران نمازیوں کو وسوسے ڈالتا ہے جس کا بیان راقم الحروف کی کتاب ''تہذیبِ نفس'' میں مطالعہ فرمائیں۔

کونسی جماعت فرض، واجب یا سنت ہے اور کون سی جماعت منع ہے

پانچ وقت نماز با جماعت پڑھنا سنت مؤکدہ ہے ایسی مؤکدہ کہ جو قریب بہ واجب ہو۔ جماعت کا تارک گنہگار رہے۔ نماز با جماعت ادا کرنا ہر ایک کیلئے ضروری ہے جو اس سنت مؤکدہ کو ضروری نہیں سمجھتا وہ اس سنت کا تارک اور شفاعتِ مصطفوی ﷺ سے محروم ہونے والا ہے اور ویسے بھی نماز کے ستائیس (۲۷) گنا زیادہ ثواب سے محروم ہو جاتا ہے۔ سنت مؤکدہ کو سبک سمجھنے والے کیلئے مفتیانِ اسلام نے کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ ''وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ'' (البقرۃ: ۴۳) (اور صحیح ادا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کیساتھ)۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ یہود کی نماز بغیر رکوع کے تھی اب یہ حکم ہو رہا ہے کہ رکوع والی نماز پڑھا کرو اور با جماعت پڑھو (اس میں یہود کو بھی حکم ہے کہ وہ ایمان لا کر رکوع والی نماز پڑھیں نفل کے لیے اہتمامِ جماعت مکروہ ہے)۔

جماعت کے معنی و مقاصد

تفسیر روح البیان اور تفسیر نعیمی میں ہے کہ جماعت جمع سے بنا ہے اور جماعت کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے۔ قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ کے مطابق ایک نیکی دس کے برابر ہے ''مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا'' (انعام: ۱۶۰) (جو کوئی لائے گا ایک نیکی تو اس کیلئے اس کی مثل دس نیکیاں ہوں گی)۔ اس لئے تین کی نماز تیس ۳۰ کے برابر ہوئی، اب ان تین نمازیوں کا ثواب (تین کے بجائے) ستائیس (۲۷) نمازوں کا ملا یعنی تین نمازیں تو اصل تھیں اور ستائیس اللہ کی طرف سے عطیہ ہے اور چونکہ سب برابر کے شریک ہیں اس لیے ہر ایک کو ستائیس (۲۷) گنا ہی ملتا ہے چنانچہ ایک نماز پڑھنے سے ہر ایک کو ستائیس (۲۷) کا ثواب ملتا ہے۔ نماز با جماعت کا مطلب یہ ہوا کہ سب وفد کی صورت میں اللہ کے حضور پیش ہوئے اس سے جلد کامیاب ہونے کی اُمید

ہوتی ہے اور ویسے بھی حدیث ''یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَةِ''[1] کے مطابق جماعت پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔ اس جماعت کا پیشِ امام ان کا نمائندہ ہوتا ہے، امام جتنا اعلیٰ ہے نماز میں بھی اتنی ہی اعلیٰ نمائندگی ہوگی۔

جماعت کے فرض واجب اور سنت وغیرہ ہونے کی بحث

بعض فقہا کا خیال ہے کہ جمعہ اور عیدین کیلئے جماعت فرض ہے۔ پنجگانہ نمازوں کیلئے جماعت واجب ہے۔ نمازِ کسوف (سورج گرہن) استسقاء (بارش کیلئے نماز) اور تراویح کی جماعت سنت ہے اور نفلوں کیلئے اہتمام جماعت مکروہ ہے۔ بارش اور آندھی کے علاوہ طوفان زدہ علاقہ جات میں مسافروں اور سخت بیماروں پر بھی جماعت معاف ہے۔ عورتوں، بچوں اور بعض اندھوں اور لنگڑوں پر بھی نماز با جماعت معاف ہے مگر علماء کا زیادہ اس بات پر اتفاق ہے کہ جمعہ کی نماز فرض ہے۔ عیدین کی واجب لیکن پنجگانہ اور تراویح کی نماز کی جماعت سنتِ مؤکدہ ہے باقی کسوف اور اِستسقاء کی نماز با جماعت بھی سنت ہے۔ ان کے علاوہ باقی نمازوں میں کچھ اختلاف نہیں۔

یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ (سورۂ بقرہ کی درجِ بالا آیات میں) زکوٰۃ اور نماز کی جماعت کی فرضیت سب کیلئے ظاہر ہورہی ہے تو پھر با جماعت نماز کو سنت کیوں قرار دیا۔ تفسیر نعیمی میں اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ فرض وہ ہے جس کی طلب ضروری ہو اور اس کا ثبوت قطعی ہو اور دلالت بھی قطعی ہو۔ ''اِرْكَعُوْا'' کا ثبوت تو یقینی ہے لیکن دلالت یقینی نہیں یعنی اِرْكَعُوْا کے متعلق یہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ اِرْكَعُوْا سے مراد جماعت ہے۔ اس میں یہود کو یہ کہا جارہا ہے کہ تم رکوع والی نماز پڑھا کرو، جس طرح مسلمان پڑھتے ہیں۔ یاد رہے کہ پچھلی چند آیتوں میں خطاب بنی اسرائیل کو کیا جارہا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ایک نماز یا بعض نمازوں کیلئے نماز فرض ہو جیسے جمعہ اور عیدین وغیرہ کی نمازیں با جماعت پڑھنا مراد لیا جائے تب بھی آیت کا مقصود (اِرْكَعُوْا) والا پورا ہو جاتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کیلئے تو حکم وجوب کا ہے مگر ہر حکم وجوب کا نہیں ہوسکتا۔ جماعت کا وجوب (یعنی فرض ہونا) مان لیا جائے تو (جماعت کے وجوب سے) انسانوں پر طاقت سے زیادہ بوجھ پڑ جاتا ہے کیونکہ ہر شخص اپنے کام کا مختار ہے دوسروں کا مختار نہیں اور جماعت کیلئے تو آدمی دوسروں کی شمولیت کا محتاج ہے (ان کو کیسے مجبور کرسکتا ہے) تو پھر نماز کی جماعت اس پر کیوں فرض ہو۔ اس سے ظاہر ہوا کہ نماز کا حکم وجوب کیلئے ہے مگر جماعت کا (حکم) وجوب کیلئے نہیں۔ علماء اس بات پر متفق ہیں کہ جمعہ اور عیدین کی نماز کیلئے اگر بہ عذرِ شرعی جماعت میسر نہ ہو تو یہ نمازیں بھی معاف ہو جاتی ہیں یعنی ان پر وجوب بھی اٹھ گیا۔ پنجگانہ نمازیں بہرحال فرض ہیں اور انسان کو طاقت سے زیادہ تکلیف کہیں بھی نہیں دی گئی۔

---

[1] المعجم الاوسط، حدیث ۷۲۴۹، جلد ۷، صفحہ ۱۹۳۔

جماعت کی افضلیت

بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''صَلَاۃُ الْجَمَاعَۃِ تَفْضُلُ صَلَاۃَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ دَرَجَۃً'' (جماعت کی نماز اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس (۲۷) درجہ بڑھی ہوئی ہوتی ہے)۔[1] اس بات پر اور بھی بہت سی احادیث ناطق ہیں۔ حضرت شیخ سعدیؒ نے بھی اسی لئے فرمایا ہے۔

اگر درخانہ صد محراب داری   نماز آں بہ کہ در مسجد گذاری

(اگر تم گھر میں سو محرابیں بھی بنالو (مگر) نماز وہی بہتر ہے جو تم مسجد میں گزارو)

مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوری کے سبب کچھ صحابہ نے اپنا گھر مسجد کے نزدیک بنانے کا ارادہ کیا تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا اور یہ فرمایا کہ تمہارا مسجد کی طرف آنے والا ایک ایک قدم بھی لکھا جاتا ہے اور ہر قدم کے بدلے ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے۔ جماعت میں امام آمین کہتا ہے تو فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور جس کی آمین فرشتوں کے ساتھ ہوگئی تو اس کے بہت سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔[2] احادیث میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ چالیس روز اخلاص کے ساتھ با جماعت نماز پڑھنے سے نمازی کو جہنم سے چھٹکارا اور نفاق سے بری ہونے کا پروانہ مل جاتا ہے۔

جماعت کا ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ تنہا شخص کی نماز کے متعلق معلوم نہیں کہ قبول ہو یا نہ ہو لیکن با جماعت نماز اگر ایک شخص کی قبول ہوگئی تو اس کے طفیل سب کی قبول ہو جاتی ہے۔ مل کر نماز پڑھنے کی یہ بھی فضیلت ہے کہ جو دعا مل کر مانگی جائے وہ زیادہ قبول ہوتی ہے۔ جتنے زیادہ لوگ ہوں گے اتنی ہی زیادہ قبولیت کے امکان ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جس جگہ چالیس نیک مسلمان یکجا ہوں تو ان میں ایک ولی ضرور ہوتا ہے اور دعا قبول ہوتی ہے۔ چنانچہ نماز با جماعت ادا کرنے سے قبولیت کے امکانات تنہا نماز کی نسبت بڑھ جاتے ہیں۔ نمازی اگر با جماعت نماز پڑھے تو اس شرکت کی وجہ سے نمازی میں خود پسندی دور ہوگی کیونکہ وہ دیکھے گا کہ اتنے بڑے بڑے لوگ اور اس سے کتنے ہی اچھے لوگ باقاعدگی سے نماز پڑھتے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ یہ اس سے بہتر ہوں۔ اس طرح جب کوئی غرباء کو عبادت میں زیادہ مشغول دیکھے گا تو سمجھے گا کہ یہ لوگ ہم سے زیادہ عابد اور زاہد ہیں اس لئے خود پسندی پیدا نہ ہوگی۔ حقیقت ہے کہ جو مسجد میں آجائے اس کا کسی سے حسد نہ رہے گا' گویا وہ شفاخانہ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں داخل ہوگیا۔

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۶۱۹، جلد ۱، صفحہ ۲۳۱۔

[2] صحیح بخاری، حدیث ۷۴۷، جلد ۱، صفحہ ۲۷۰۔

دو آدمیوں کی جماعت

فوائد الفواد (ملفوظات حضرت نظام الدین اولیاءؒ) میں ہے کہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے جماعت کے متعلق بہت تاکید فرمائی ہے اور فرمایا کہ اگر دو شخص بھی ہوں تو بھی جماعت کا اہتمام کرنا چاہیے۔ فرماتے ہیں کہ گو دو آدمیوں کی جماعت نہیں ہوتی مگر جماعت کا ثواب مل جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر بچوں اور عورتوں کا خیال نہ ہوتا تو میں ان لوگوں کے گھروں کو جلا دیتا جو مسجد میں آ کر نماز نہیں پڑھتے۔[1] ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک نابینا صحابی (حضرت عبداللہ ابن اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ) کو بھی گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی۔[2] ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے نماز ادا کرنا چاہی مگر وہاں سوائے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اور کوئی نہ تھا۔ آپ ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ کھڑا کر لیا جب آپ ﷺ نے نماز شروع کر دی تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ پیچھے ہو گئے۔ نماز کے بعد جب آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ پیچھے کیوں ہٹ گئے تو عرض کیا کہ مجھ میں یہ طاقت کہاں کہ میں آپ ﷺ کے برابر کھڑا ہو سکوں۔ حضور ﷺ نے ہی حسنِ ادب پسند فرمایا اور دعا فرمائی ''اَللّٰھُمَّ فَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ'' (اے اللہ اسے دین میں فقیہہ بنا دے)۔[3] خواجہ شمس الدین سیالویؒ نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد آپ ہی فقیہہ تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دو آدمیوں کی جماعت چار آدمیوں کے علیحدہ علیحدہ نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ جتنی بڑی جماعت ہو گی اتنا ہی بڑا ثواب ہو گا۔ اس اعتبار سے جس نے نماز کی جماعت چھوڑ دی وہ اس کے اجر سے محروم رہا۔

نماز با جماعت گناہوں کا کفارہ ہے

نماز با جماعت مسلمان کو ایک ایسا عطیہ دیا گیا ہے کہ اس سے بہت سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے اپنے گناہ کے کفارے کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے اپنا رُخِ انور اس سے پھیر لیا۔ اس نے دوبارہ اور سہ بارہ پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی؟ (یعنی یہ نماز اس گناہ کا کفارہ ہو گئی)۔ اس پر ایک صحابی نے استفسار کیا کہ آیا یہ معافی اس شخص کیلئے خاص ہے یا سب مسلمانوں کیلئے (ایسے ہی معافی) ہے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور سب مسلمانوں کو اس میں شامل کیا گیا'' وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ط اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ط ذٰلِكَ ذِكْرٰی لِلذّٰكِرِیْنَ'' (اور قائم کیجیے نماز کو دن کے دونوں سروں پر (صبح، مغرب) اور

[1] مسند احمد، حدیث ۱۰۵۳۹، جلد ۲۲، صفحہ ۸۳۔

[2] کنز العمال، حدیث ۲۲۸۰۷، جلد ۸، صفحہ ۱۲۱۔

[3] مسند احمد، حدیث ۳۰۳۳، جلد ۱، صفحہ ۳۲۸۔

کچھ رات کے حصوں میں (عشاء)، بے شک نیکیاں مٹا دیتی ہیں برائیوں کو اور یہ نصیحت ہے قبول کرنے والوں کیلئے)(ھود:۱۱۴)۔ایک حدیث میں ہے کہ ایک نماز سے دوسری نماز تک ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اا اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک جو گناہ کئے گئے ہوں یہ نمازیں ان گناہوں کو معاف کروا دیتی ہیں (مراد صغیرہ اور توبہ کے بعد بعض کبیرہ ہیں)۔

جماعت قومی اجتماعات کی علامت ہے

قرآن میں جو فرمایا گیا ہے کہ "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا" (آل عمران:۱۰۳)(اللہ کی رسی مضبوطی سے پکڑے رکھو) اس آیت سے مراد یہ ہے کہ نظامِ اجتماعیت اور اتحاد کو قائم رکھا جائے اور نماز با جماعت اس کی اولین کڑی ہے ورنہ شیرازہ بکھر جانے اور بالآخر قوم کے تباہ ہو جانے کا امکان ہو جاتا ہے۔

در معرکۂ بے سوزِ تو ذوقے نتواں یافت　　اے بندۂ مومن توکجانی! توکجانی

(تیرے بے سوز معرکوں میں تجھے ذوق نصیب نہیں ہوسکتا، اے بندہ مومن تو کہاں ہے؟ کس خیال میں ہے)

کچھ ایسی ہی وجوہات کی بناء پر اسلام میں جماعت پر بہت زور دیا گیا ہے اور مفکرین اسلام کا خیال ہے کہ اس کے چھوڑ دینے سے قوموں کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ اگر تم جماعت چھوڑ دو گے تو منافق ٹھہرو گے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی دیہات میں صرف تین آدمی ہوں اور نماز باجماعت ادا نہ کریں تو ضروری ہے کہ شیطان ان پر غالب ہو کر رہے گا۔ایک جگہ فرمایا کہ جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنے والا ایسا ہے کہ جیسے بکری اپنے ریوڑ سے الگ نکل جائے تو اسے بھیڑیا اُچک کر لے جاتا ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ میرے پڑوسی کہاں ہیں۔اس پر فرشتے عرض کریں گے کہ اے خدا تعالیٰ آپ کے پڑوسی کون ہیں، ارشاد ہوگا مسجدوں کو آباد کرنے والے۔حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو دیکھو کہ مسجد کے کام کاج میں لگا ہوا ہے تو اس کے ایماندار ہونے کی گواہی دو اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی "اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ" (التوبہ:۱۸)(اللہ کی مسجدوں کو صرف وہی آباد کرتا ہے جو ایمان لایا ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر)۔

جماعت کا مقصد کیا تھا مگر اب؟

نماز کا مدعا یہ تھا کہ شاہ و گدا، محمود و ایاز اور آقا و غلام ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر اسلامی مساوات کا انسانیت پرور منظر پیش کریں، غرور و نخوت' امارت و غربت اور اعلیٰ و ادنیٰ کا امتیاز مٹ جائے۔ مسلمان ایک دوسرے کے ہمدرد اور غم گسار ہو جائیں اور اس سے وہ اتنے مضبوط ہو جائیں کہ ساری دنیا ان کی طاقت کے سامنے جھک جائے۔ جماعت کا لفظ خود اپنی خوبی' قوت' کامیابی' یگانگت اور قومی اتحاد کے جامع ہونے کی سعادت رکھتا ہے اور یہی اتحاد کسی قوم کی قوت اور عظمت کی دلیل ہوتا ہے۔جماعت کے ان ہی اغراض و مقاصد

کیلئے آج مغربی اقوام نے کانفرنسوں، لیکچروں، ورکشاپوں، سیمیناروں اور انجمنوں کا طریقہ ایجاد کیا ہے مگر اسلام میں یہ طریقہ پہلے سے ہی موجود ہے۔ افسوس ہے کہ مسلمان اپنے نایاب اصولوں کو ترک کر چکے ہیں اور کفار نے ان اصولوں کو اپنا کر فائدہ اٹھانا شروع کر دیا ہے۔ کفار نے نہ صرف ان اصولوں کو اپنایا بلکہ مسلمانوں میں باہمی منافرت اس قدر بڑھادی ہے کہ اب وہ ایک دوسرے کو شانہ بشانہ دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ محلہ ہو کہ شہر، ملک ہو یا پورا عالمِ اسلام، ایک مسلمان دوسرے کے ساتھ گفتگو کرنے میں جذبۂ اسلامی کی محبت محسوس نہیں کرتا، تمام اسلامی ممالک میں امیر اور غریب کے درمیان باہمی نفرت بڑھتی جارہی ہے۔ اُمراء کو مسجدوں میں جانے سے شرم آتی ہے، سینئر آفیسر تو شاید ہی کوئی ہو جو مسجدوں میں قدم رکھنے سے نہ گھبراتا ہو، اخوتِ اسلامیہ کا رشتہ پامال ہو گیا ہے، بغض اور عناد آپس میں بڑھ گیا ہے۔ اُمّتِ واحدہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ مسجدیں جن میں مسلمانوں کو اتحاد، مودت، اخوت، محبت، یگانگت اور خدا پرستی کو رواج دیا جاتا تھا آج اُن مسجدوں میں فتنہ پردازی، تکفیر و تفسیق (فسق کا فتویٰ) بغض و عناد، ہنگامہ آرائی اور بحثوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ مسلمان، مسلمان کے ساتھ جنگ وجدل میں اپنی طاقت اور قومی یک جہتی کو ضائع کر رہے ہیں۔

ترکِ جماعت کیلئے عذر لنگ

اپنی کمزوری کو چھپانا اور بہانے تلاش کرنا انسانی فطرت ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے ؎

عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے　　عشق بے چارہ، نہ مُلّا ہے، نہ زاہد، نہ حکیم (۲۹۲)

مسلمانوں میں ایک بہت بڑی تعداد ایسی موجود ہے جن کا تعلق اُمراء حکماء کے علاوہ مغرب زدہ اور تعلیم یافتہ لوگوں سے ہے جو مسجد میں نماز پڑھنا اپنی توہین اور نعوذ باللہ گھٹیا حرکتوں میں سے شمار کرتے ہیں اور ان کو عموماً مسجدوں میں نہیں دیکھا جاتا، کبھی شوق ہوا تو گھر میں ہی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو پانچ وقت کے نمازی تو ہیں مگر گھر میں ہی پڑھتے ہیں۔ کچھ لوگ اس لئے نماز کیلئے مسجد میں نہیں آتے کہ اس میں وہ اپنی عبادت کی تشہیر سمجھتے ہیں حالانکہ نماز کو چھپا کر پڑھنے کا حکم نہیں بلکہ جماعت کا حکم ہے۔ کچھ بد بخت ایسے بھی ہیں جن کو مولوی کے نام سے ہی چڑ ہے اور وہ اس لئے نماز نہیں پڑھتے کہ لوگ یہ کہیں گے کہ لوجی! فلاں تو مولوی ہو گیا ہے، اس نے تو نمازیں پڑھنا شروع کر دی ہیں اور ایسے لوگ فخریہ انداز سے کہتے ہیں کہ یہ نمازیں پڑھنا تو مولویوں کا کام ہے۔ کچھ مزاح کے طور پر کہتے ہیں کہ نماز تو وہ پڑھتے ہیں جو گنہگار ہوں، ہم جو کام کرتے ہیں ان کی نمازوں سے بہتر ہے۔ ان میں سے ایک جماعت ایسی بھی ہے جو یہ سمجھتی ہے کہ ہمارا کاروبار یا دفتر کا کام بھی نماز ہے اور اس نماز سے بہتر ہے۔ ایسے لوگ مولوی حضرات کے قصے کہانیوں کو اس طرح مسخر کر کے سناتے ہیں کہ عوام کو ان سے نفرت ہو جائے اور اس طرح ان کو نماز نہ پڑھنے کا جواز حاصل ہو جائے۔ ایک اور بہت بڑی لعنت جو مسلمانوں میں عام ہو گئی ہے وہ فرقہ بندی کی بنا پر مخالفت ہے جو بسا

اوقات لوگوں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے روکتی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی اور بھی وجوہات ہیں جو لوگوں کو نماز باجماعت سے روکے رکھتی ہیں۔ یہ سب شیطان مردود کی پھیلائی ہوئی لادینیت کی باتیں ہیں جس کیلئے ابلیس نے اسلام کے دشمنوں کو آلہ کار بنا کر مسلمانوں کو اس عظیم برکت سے محروم کر دیا ہے۔

مندرجہ بالا تمام اعتراضات کا جواب لکھنا باعثِ طوالت ہوگا اور یہ تمام باتیں ذرا سا غور کرنے پر از خود بھی واضح ہو جاتی ہیں۔ ایک سمجھدار اور ذی عقل انسان ان اعتراضات کو سوائے شیطان کی طرف سے گمراہی، انسانی کمزوری، کوتاہی اور بہانہ سازی کے کسی اور سبب پر مبنی نہیں سمجھے گا۔ البتہ مسجد کے ائمہ کے متعلق کچھ بیان کر دینا (نماز باجماعت کیلئے) ضروری ہے کہ اس غلط فہمی کا ازالہ ہو سکے۔

مُلّا دشمنی

لفظ مُلّا مولویت کی نشاندہی کرتا ہے اور کسی شخص کا مولوی بن جانا کسی زمانے میں بہت بڑا اشرف اور اعزاز سمجھا جاتا تھا بلکہ ایک وقت تھا کہ شہنشاہوں اور سلاطین کو بھی مشائخ اور علماء کی عزت پر رشک آتا تھا۔ مولانا رومؒ نے فخریہ طور پر مثنوی میں اپنے مولوی ہونے کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے ؎

مولوی ہرگزنہ شد مولائے روم تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد

(مولوی اس وقت تک مولائے روم نہ بن سکے جب تک شمس تبریزیؒ کی غلامی نہ کی)

اس بات کا تعین کرنا مشکل ہے کہ مولویت کی بدنامی کی ابتداء کس دور میں ہوئی البتہ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہ بیج ہے جو کفار اور دشمنانِ اسلام نے شیطان کی مدد سے بویا۔ جس کا ذکر کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ ''ابلیس کا فرمان اپنے فرزندوں کے نام'' کے عنوان سے ضربِ کلیم میں ایک طویل نظم لکھی اور اسلام کو ختم کرنے کے ان تمام ہتھکنڈوں کا ذکر کیا ہے جو ابلیس اپنے چیلوں کو بطور حکم دیتا رہا ہے ؎

افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج مُلّا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو[۲۹۳]

مسلمانوں کی شان اسلام سے وابستہ تھی اور لوگوں میں اشاعتِ اسلام مولوی حضرات کے دم سے تھی چنانچہ اِسلام کو کمزور کرنے کا حربہ یہی تھا کہ اسلام سے مُلّا کو نکال دو لہٰذا جب مغرب نے سلطنتِ ہسپانیہ اور عثمانیہ کو ختم کرنا چاہا تو بہت جدوجہد کے بعد انہوں نے مسلمانوں میں باہمی منافرت، دین سے دوری، عیش پرستی، قومی تعصب، اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت اور مجموعی دینی گراوٹ پیدا ہونے کے سامان مہیا کئے اور اس کا نتیجہ مسلمانوں کی کمزوری کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہوا کہ مولوی کی اہمیت جاتی رہی اور مسلمان عیش وعشرت کے دلدادہ ہو گئے، مادیت نے اپنی جڑیں اذہان میں مضبوط کر لیں۔ لوگوں نے مغربی اثرات کو قبول کر لیا اور غیر اسلامی تعلیمات کو اپنی توجہ کا مرکز بنا لیا چنانچہ وہ اہمیت جو مولویت کو دی جاتی تھی ختم ہو گئی اور اب شرف اور اعزاز کا ذریعہ صرف جاہ وجلالِ دنیا، مال ومنال امارت اور وزارت جیسے دنیاوی اقتدار تک محدود رہ گیا اور اس

حالت میں کوئی یہ پسند نہیں کرتا تھا کہ مولویت کا پیشہ اختیار کیا جائے۔اس کے برعکس اب یہ پیشہ باعثِ ذلت بن گیا ہے۔کوئی باپ اپنے بیٹے کو مولوی بنانا پسند نہیں کرتا، اب انگریزی تعلیم اور سی ایس پی جیسی ملازمتیں باعثِ عزت قرار پانے لگی ہیں۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ پہلے وقتوں میں جب کوئی محدّث حدیث کو بیان کرتا تو لوگوں کا بے پناہ ہجوم مکانوں پر چڑھ کر سنتا اور کسی محدّث کی سواری اگر بازار سے گزرتی تو لوگ ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوتے اور ان کی رکاب کو تھام کر حدیث بیان کرنے کی درخواست کرتے۔افسوس کی بات ہے کہ آج جب دشمنانِ اسلام نے اپنی کوششوں سے منبعِ علم وعرفان کو ختم کر دیا تو اس مولویت کی طرف عموماً وہ لوگ رجوع کرنے لگے ہیں جو دنیا میں کسی کام کاج کے قابل نہ تھے۔اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس کے فضل وکرم سے ایک طبقہ اس زمانے میں بھی اپنی بہترین صلاحیتوں کی وجہ سے مولویت کے شعبہ کے ساتھ منسلک ہے جو محض خدا کے دین کی خدمت کیلئے رات دن بے لوث اشاعتِ اسلام میں مشغول رہتے ہیں۔یہ لوگ قابلِ تحسین ہیں کیونکہ وقت کی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آج بھی دین کی خدمت میں سرگرم عمل ہیں۔اگرچہ یہ لوگ بھی مولویت کے زمرہ میں شمار کیے جاتے ہیں مگر انفرادی ذہانت' محنت' خلوصِ علمیت کے اعتبار سے یہ عام مولویوں کی نسبت ممتاز سمجھے جاتے ہیں اور ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔دوسرا طبقہ جو صحیح طور پر تعلیم یافتہ اور ممتاز نہیں ابھی تک لوگوں کی ملامت کا نشانہ بنا ہوا ہے۔اس بحث سے ہماری مراد اسی طبقہ کے متعلق اصلاحی تجاویز پیش کرنا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ دور میں لفظ مُلّا کا اطلاق صرف ان مولویوں پر ہوتا ہے جو باقاعدہ تعلیم یافتہ نہیں یا وہ جنہوں نے غربت کی وجہ سے اخلاص کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا مگر ان کی بدنامی اعلیٰ صفات والے علماء پر بھی اثر انداز ہو رہی ہے۔مُلّا کا نام عوام کو مولویت کی طرف آنے سے (مولویت کا خوف دلا کر) رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔علامہ اقبالؒ نے جہاں لفظ مُلّا لکھا ہے وہاں ان کی مراد ایسے ہی گروہ کی طرف اشارہ کرنا ہے نہ کہ خدا شناس اور مخلص مولویت کی طرف۔اسی طرح جھوٹے صوفیوں کو بھی علامہؒ نے ایسے ملاؤں کے ساتھ شامل کیا ہے ورنہ یہ حقیقت ہے کہ علامہؒ نے علماء کرام اور صوفیا عظام کے متعلق اپنے کلام میں بھی بہت عقیدت کا اظہار کیا ہے اور مزید برآں آپ کے خطوط میں ان کی عزت افزائی کے ثبوت ملتے ہیں۔

اس سلسلے میں یہ کہہ دینا بے جا نہ ہوگا کہ جو لوگ ملاؤں کے خلاف گفتگو پر مُصر رہتے ہیں انہیں یہ جان لینا چاہیے کہ ان کی اس مخالفانہ گفتگو سے وہ خود اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآں نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ پوری قوم پر واجب ہے کہ دینی خدمت کرنے والوں کو رسوا نہ کریں۔اگر یہ کم تعلیم یافتہ لوگ ان کے معیار کے مطابق نہ ہوں تو اعلیٰ معاوضہ دے کر اعلیٰ قسم کے عالموں کو اپنی مساجد میں مقرر فرمائیں۔ایسے مقابلے کی صورت میں امامت کا معیار بڑھے گا اس لئے ضروری ہے کہ علاقائی انتظامات میں تعاون کیا جائے جس سے اعلیٰ معیار کے دینی مدارس قائم کئے جا سکیں۔اس کے علاوہ علماء کی حوصلہ افزائی کی جائے۔اگر بالفرض کسی سے کوئی غلطی ہو

جائے تو اس کی تشہیر نہ کریں جس سے عوام میں غلط تصور پیدا ہو بلکہ اس معاشرے کی تصحیح کرنے کی کوشش میں اپنا وقت اور مال صرف کریں۔ محض مولویوں کے خلاف گفتگو کرنے سے معاملہ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس سمت مثبت قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔

عوام کی غیر ذمہ دارانہ گفتگو اسلامی معاشرے کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔ ویسے بھی دین سے ناواقف لوگوں کو علماء پر زبانِ طعن دراز کرنا کسی اعتبار سے بھی مناسب نہیں ہے۔ اگر خدانخواستہ علماء میں کچھ خامیاں نظر آئیں تو بجائے اس کے کہ مزے لے لے کر ان کو محافل میں بیان کیا جائے ان کمزوریوں کو دور کرنا ہم سب پر واجب ہے۔ اگر مسلمان اپنے اماموں کو ایسی کمترین تنخواہ (جو ایک مزدور کی تنخواہ کا چھٹا حصہ ہو) دیں تو اس امام کے خلاف یہ تمام شکایات بے معنی معلوم ہوتی ہیں۔ راقم الحروف کا مشاہدہ ہے کہ انگریز کا پادری نہایت معقول تنخواہ اور مفت رہائش حاصل کرتا ہے۔ اگر عوام مولویوں کے اس قدر کم معیار پر رضامند ہیں اور ان کے معیار کو بلند کرنے کے اقدام نہیں کرتے تو خدارا ایسی گفتگو بھی نہ کریں کہ لوگوں کو نماز پڑھنے اور داڑھی رکھنے میں عار محسوس ہونے لگے اور مولوی بننے سے پہلے ہی مولویت کی بدنامی کا لرزہ طاری ہو جائے۔ اسلام کی اس عظیم خدمت کی طرف کسی حکومت یا تنظیم کا بھی دل مائل نہیں ہوتا۔ اگر یہی حال رہا تو امامت کے اس عظیم منصب کو انجام دینے کیلئے کون آگے بڑھے گا۔ یہ بات کسی کے علم سے باہر نہیں کہ انگریزوں نے مسلمانوں کے خلیفہ کا نام اس طرح بدنام کیا ہے کہ اب شہر کے حجاموں کو خلیفہ کہا جانے لگا ہے۔ جولاہوں کو مومن کہہ کر پکارا جانے لگا اور مسلمانوں کے بادشاہوں کا نام اپنے کتوں کو دیا جانے لگا۔ (یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے بھی اسی جہالت کے باعث انگریزوں کی طرح اپنے کتوں کا نام مسلمانوں کے بادشاہوں کے نام پر رکھا)۔ مزید برآں انگریز نے مغلیہ خاندان کے بادشاہوں پر شکوہ اور طرّے دار لباس چپڑاسیوں کو پہنا کر اپنے دفاتر کے دروازوں پر کھڑا کیا۔ انگریزوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کو دھوکہ دے کر اسپین سے نکالا اور اس کی یاد میں ہر سال انہوں نے فرسٹ اپریل فول منایا۔ کتنی لاعلمی کی بات ہے کہ یہ سادہ لوح مسلمان آج بھی انگریزوں کی نقل کرتے ہوئے فرسٹ اپریل فول منا رہے ہیں۔ ان بے شمار ستم ظریفیوں میں ایک یہ بھی ہے کہ انگریزوں نے مشائخ کو بھی بدنام زمانہ اور رُسوا کر دیا تاکہ مسلمانوں کے دین کا دروازہ ہی بند کر دیا جائے۔ افسوس ہے کہ آج بھی مسلمان ان سب باتوں کو سمجھنے سے قاصر ہے اور انگریز کی شاطرانہ چالوں میں بڑے شوق سے ابھی تک گرفتار ہے۔ مسلمان اس کے بنائے ہوئے قوانین اور اصولوں پر آج بھی فخر کرتے ہیں۔

کاش! ہم ان تمام برائیوں کو دور کرنے کی عملی فکر کریں اور محض لفاظی سے گریز کریں۔ اس قضیہ کیلئے راقم الحروف کی تجویز یہ ہے کہ کسی مسجد میں ماسوائے تربیت یافتہ امام کے کوئی نااہل امام مقرر نہ کیا جائے اور ان کی تنخواہ کا سکیل حکومت کی طرف سے مقرر ہو۔ حکومت اس نظام کو محلوں کے سربراہوں کے توسط سے مکمل کرے

اوران کا خرچہ حکومت اور محلے دار مل کر اٹھائیں تاکہ کسی پر بوجھ نہ ہو۔ سب سے بہتر صورت تو یہ ہے کہ حکومت یا عوام مل کر ایک ایسا ادارہ قائم کریں جو باقاعدگی کے ساتھ تربیت یافتہ علماء کو ملک کی تمام مسجدوں میں متعین کرے۔ دوسرا ضروری کام یہ ہے ملک کے بڑے بڑے علماء کو اکٹھا کیا جائے اور متفقہ طور پر مذہبی عقائد سے متعلق ایک نظریہ فکر مرتب کیا جائے جس کی اساس قرآن، حدیث، صحابہ، تابعین اور اولیائے کبار کے مروّجہ خیالات کو ہی بنایا جائے۔ ایسے اولیائے کرام جن کی بزرگی پر کسی کو شک نہیں ان کے عمل پر عقائد کی بنیاد رکھنے کیلئے کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ فرقہ وارانہ جھگڑے ختم کرنے کیلئے صرف یہی ایک صورت ممکن ہے۔

جماعت کی مزید اہمیت

نماز با جماعت کا ثواب اکیلے میں حاصل ہونا ممکن نہیں، خواہ کوئی ایک سو مرتبہ نماز کو پڑھ لے کیونکہ نماز با جماعت میں ملائکہ آمین کہتے ہیں اور جماعت کے ساتھ نماز کے بعد کی دعا مخصوص ہے جو تنہا نمازی کو میسر نہیں ہو سکتی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم تو یہ حال دیکھتے تھے کہ جو شخص کھلم کھلا منافق ہو وہ تو جماعت سے رہ جاتا تھا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں عام منافقوں کو بھی نماز با جماعت چھوڑنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ کوئی سخت بیمار ہو تو خیر ورنہ جو شخص دو آدمیوں کے سہارے گھسیٹتا ہوا مسجد میں جا سکتا تھا وہ بھی صف میں لا کر کھڑا کر دیا جاتا تھا۔[1] احادیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے وصال سے ذرا قبل حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرے صحابی کے سہارے مسجد میں تشریف لے گئے حالانکہ زمین پر آپ کا پاؤں مبارک اچھی طرح جمتا بھی نہ تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آپ نے پہلے نماز پڑھانے کا حکم دے دیا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آ گئے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا اور خود ان سے آگے دائیں طرف کھڑے ہو کر نماز پڑھائی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ تکلیف میں بھی با جماعت نماز پڑھنے کا شوق رکھتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''إِنَّ أَثْقَلَ الصَّلَاةِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ صَلَاةُ الْعِشَاءِ وَصَلَاةُ الْفَجْرِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَاَتَوْهُمَا وَلَوْحَبْوًا'' (منافقوں پر فجر اور عشاء کی نماز بہت بھاری ہوتی ہے اور اگر ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ جماعت میں کتنا ثواب ہے تو مسجد میں ضرور آتے اگرچہ انہیں گھٹنوں کے بل چل کر آنا پڑتا)۔[2] حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث قدسی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ''میں کسی جگہ عذاب بھیجنے کا ارادہ کرتا ہوں مگر وہاں ایسے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ جو مسجدوں کو آباد کرتے ہیں اللہ کے واسطے آپس میں محبت رکھتے ہیں آخیر راتوں میں استغفار کرتے ہیں تو میں عذاب کو موقوف کر دیتا ہوں''۔

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۶۵۲، جلد ۱، صفحہ ۲۴۲۔

[2] صحیح ابن حبان، حدیث ۲۰۹۸، جلد ۵، صفحہ ۴۵۲۔

میمون ابن مہرانؒ ایک مرتبہ جب مسجد میں پہنچے تو نماز کی جماعت ہو چکی تھی۔ آپ نے ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ'' پڑھا اور فرمایا کہ جماعت کی فضیلت مجھے عراق کی سلطنت سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ مولانا رومؒ نے مثنوی میں بھی ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہو رہا تھا کہ اسے معلوم ہوا کہ لوگ نماز پڑھ کر واپس آ رہے ہیں۔ اس بات کا علم ہوتے ہی اس نے ایک آہ بھری جس سے درد ظاہر ہوتا تھا۔ مسجد میں ایک اہلِ دل نے دیکھا کہ ایک روشنی مسجد کے باہر آئی اور عرش تک چلی گئی۔ یہ اٹھ کر باہر آئے تاکہ معلوم ہو کہ یہ روشنی کیا ہے تو معلوم ہوا کہ ایک شخص کی جماعت فوت ہو گئی ہے اور اس نے ایک آہ بھری ہے۔ اس بزرگ نے سمجھ لیا کہ یہی آہ اس نور کے نظر آنے کی ہو سکتی ہے چنانچہ انہوں نے اس نمازی سے کہا کہ میری نماز مجھ سے لے لے اور اپنی آہ کا اجر مجھ کو دے دے، اس نمازی نے اس بات کو منظور کر لیا۔ مولانا رومؒ لکھتے ہیں کہ اس بزرگ نے خواب میں آواز سنی کہ تم نے آبِ حیات کو خرید لیا ہے ؎

شب بخواب اندر بگفتش ہاتفے | کہ خریدی آبِ حیات و شفے[294]

(ہاتف غیبی نے اسے خواب میں آواز دی کہ تم نے آب حیات اور آبِ شفا کو خرید لیا ہے)

اس سے سبق ملا کہ جب بھی عمل میں کوتاہی ہو تو گریہ وزاری اور توبہ و استغفار کرنا چاہیے اور یہ کہ نماز باجماعت ادا کرنا عظیم فضیلت کی حامل ہے ؎

مرکبِ توبہ عجائب مرکب است | تا فلک تازد بہ یک لحظہ زپست[295]

(توبہ کی سواری بہت عجیب سواری ہے جو پستی اور ذلت سے آسمانِ مقبولیت تک فی الفور پہنچا دیتی ہے)

ترکِ جماعت پر عتاب

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر لوگوں کو ان کا ثواب معلوم ہو جائے تو لڑائی سے بھی ان کو حاصل کرتے، ایک اذان دینا، دوسرا جماعت کی نمازوں کیلئے دوپہر کے وقت مسجد میں جانا، تیسرا پہلی صف میں نماز پڑھنا۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ ''لَوْ یَعْلَمُوْنَ مَا فِی الصَّفِّ الْاَوَّلِ لَکَانَتْ قُرْعَۃٌ'' (اگر اس کا ثواب معلوم ہو جائے تو لوگ قرعہ اندازی سے پہلی صف میں جگہ حاصل کریں)۔[1] ایک حدیث شریف میں ہے کہ ''مَنْ سَمِعَ الْاَذَانَ ثُمَّ لَمْ یَاْتِ الصَّلَاۃَ مِنْ غَیْرِ عِلَّۃٍ فَلَا صَلَاۃَ لَہٗ'' (جو شخص اذان کی آواز سنے اور بلا عذرِ شرعی نماز کیلئے نہ جائے تو وہ نماز قبول نہ ہوگی)۔[2] علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بغیر جماعت کے بھی نماز ہو تو جاتی ہے مگر وہ اکمل نہ ہوگی (جماعت سے پڑھی جانے والی اکمل ہوگی)۔ صحابہ کرام نے عذر کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ مرض ہو یا کوئی خوف ہو، صحابہ کے نزدیک بلا

---

[1] سنن ابن ماجہ، حدیث ۹۹۸، جلد ۱، صفحہ ۳۱۹۔

[2] المطالب العالیہ، ابن حجر عسقلانی، حدیث ۳۰۳، جلد ۳، صفحہ ۶۷۲، دار العاصمہ، السعودیہ۔

عذر جماعت چھوڑنا حرام ہے۔ علماء کے مطابق نماز باجماعت سنتِ مؤکدہ ہے اور سنتِ مؤکدہ کا تارک ملامتی (باعثِ ملامت) ہوتا ہے جبکہ ہمیشہ ترک کی عادت بنانا حرام ہے۔ موطا امام مالک کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سلیمان بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کو فجر کی نماز میں نہ پایا۔ نماز کے بعد آپ بازار جا رہے تھے تو راستے میں حضرت حثمہ رضی اللہ عنہ کے گھر پر رکے اور ان کی والدہ (شفا رضی اللہ عنہا) سے پوچھا کیا بات ہے کہ ہم نے سلیمان کو آج نمازِ فجر میں نہیں دیکھا، ان کی والدہ نے جواب دیا کہ وہ رات بھر تو نفل پڑھتے رہے اور آخری رات میں آنکھ لگ گئی۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ مجھے رات بھر کے قیام سے فجر کی نماز باجماعت پڑھنا زیادہ محبوب ہے۔[1] روایات میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ ایک شخص دن کو روزے رکھتا ہے اور رات کو نفل پڑھتا ہے مگر جمعہ اور جماعت میں شریک نہیں ہوتا، آپ نے فرمایا کہ وہ شخص بہت برا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تین شخصوں پر حق تعالیٰ لعنت بھیجتے ہیں، ایک اس شخص پر جس سے نمازی ناراض ہوں اور وہ امامت کرے، دوسرا اس عورت پر جس سے اس کا خاوند ناراض ہو، تیسرے اس شخص پر جو اذان کی آواز سن کر جماعت میں شامل نہ ہو۔ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ دو نمازوں کو بلا عذر ایک وقت میں پڑھے (یعنی ایک کو قضا کرے) وہ کبیرہ گناہوں کے دروازے میں سے ایک دروازے پر پہنچ گیا۔

مسجد کے کھونٹے

حضرت ابو داؤد رضی اللہ عنہ نے حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا کہ اکثر اوقات مسجد میں گزارا کرو۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ مسجد متقی کا گھر ہے۔[2] اللہ تعالیٰ نے اس بات کا عہد فرمالیا ہے کہ جو شخص اکثر مسجد میں رہتا ہے اس پر رحمت کروں گا، اس کو راحت دوں گا، قیامت میں پل صراط کا راستہ آسان کروں گا اور اپنی رضا نصیب کروں گا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے کہ جو شخص مسجد سے الفت رکھے حق تعالیٰ شانہٗ اس سے الفت رکھتے ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ قبر میں نیک اعمال مومن کے ہر طرف گھیرا ڈال لیتے ہیں اور فرشتے دور سے ہی کھڑے سوال کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو لوگ کثرت سے مسجد میں جمع رہتے ہیں وہ مسجد کے کھونٹے ہیں فرشتے ان کے ہم نشین ہوتے ہیں وہ بیمار ہو جائیں تو فرشتے ان کی عیادت کرتے ہیں وہ کام کو جائیں تو فرشتے ان کی اعانت کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص گھر سے وضو کر کے نماز کو جائے وہ ایسا ہے جو احرام باندھ کر حج کو جائے اور جب نماز پڑھ چکے تو جب تک مصلے پر رہے فرشتے مغفرت اور رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ احادیث کے مطابق نمازی کو چاہیے کے نمازیوں سے نماز میں مزاحمت نہ کرے اور اگر کوئی شخص پہلی

---

[1] مؤطا امام مالک، مالک بن انس، متوفی ۱۷۹ھ، حدیث ۲۹۴، جلد ۱، صفحہ ۱۳۱، دار احیاء التراث العربی، مصر۔

[2] مصنف عبدالرزاق، حدیث ۲۰۰۲۹، جلد ۱۱، صفحہ ۹۷۔

صف کو اس لئے چھوڑ دے کہ اس سے نمازیوں کو تکلیف ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی پہلی صف کا ثواب دے گا۔

بلوغ المرام میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مسجد کی صفائی کی غرض سے ایک تنکا بھی مسجد سے نکال کر باہر پھینکتا ہے تو میں اس کو بھی دیکھتا ہوں۔ ایک حدیث میں ہے کہ "مَنْ بَنٰی مَسْجِدًا لِلّٰہِ بَنَی اللّٰہُ لَہٗ فِی الْجَنَّۃِ مِثْلَہٗ"[1] (جس نے مسجد کو تعمیر کیا تو اللہ تعالیٰ اس کا گھر جنت میں بناتے ہیں)۔ حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ نامی صحابی ہر وقت مسجد میں رہتے تھے تو لوگ ان کو "حَمَامَۃُ الْمَسْجِدِ"[2] (مسجد کی کبوتری) کہتے تھے۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے مسجد میں قندیلیں لٹکائیں تو حضور ﷺ خوش ہوئے اور فرمایا کہ تو نے اسلام کو روشن کیا ہے۔[3] اسی لئے مساجد کی سجاوٹ اور خوبصورتی کو اسلام میں پسند کیا گیا ہے۔ مسجدوں میں چراغ جلانے والوں کیلئے حاملینِ عرش دعا کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ دوست رکھنا چاہے تو اسے مسجد کا خادم اور محافظ بنا دیتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو خدا کو دوست رکھنا چاہے تو اسے چاہیے کہ مجھے دوست رکھے، جو میری محبت چاہے تو اسے چاہیے کہ وہ میرے صحابہ کو دوست رکھے، صحابہ سے دوستی کرنے والے کو چاہیے کہ قرآن سے محبت کرے اور جو قرآن سے محبت رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ مسجدوں سے محبت کرے کیونکہ مسجدیں اللہ کا صحن اور اس کا گھر ہیں خدا نے ان کو اونچا کرنے اور پاک رکھنے کا حکم دیا ہے۔[4] ایک روایت میں ہے کہ ایک درویش گھروں کے دروازوں پر بھیک کیلئے سوال کرتا جا رہا تھا حتیٰ کہ وہ ایک مسجد کے دروازے پر پہنچا تو اسی طرح آواز لگائی۔ کسی دیکھنے والے نے کہا بابا جہاں تو آواز دے رہا ہے یہ تو اللہ کا گھر ہے۔ درویش نے جب یہ سنا تو اس پر رقت طاری ہوگئی اور اپنا سامان مسجد کے دروازے کے سامنے رکھ دیا اور وہیں جم کر بیٹھ گیا حتیٰ کہ وہ اپنی مراد کو پہنچا۔

سیّد الایام جمعۃ المبارک کی وجہ تسمیہ

غنیۃ الطالبین کے مطابق حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جمعہ کے روز تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا خمیر جمع کیا گیا تھا اس لئے اس دن کو یوم الجمعہ کہا گیا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ لفظ اجتماع سے ماخوذ ہے اس دن حضرت آدم علیہ السلام کے جسد میں تمام ارواح کا اجتماع ہوا تھا۔ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ اس دن آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کا زمین پر اتر آنے کے بعد عرفات میں اجتماع ہوا تھا۔ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس روز لوگ نماز کیلئے جمع ہوتے ہیں اور کچھ نے کہا کہ یوم قیامت کا نام یوم الجمع ہے

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۵۳۳، جلد ۱، صفحہ ۳۷۸۔

[2] تفسیر روح البیان، جلد ۵، صفحہ ۱۰۷۔

[3] کنز العمال، حدیث ۲۹۴۵۵، جلد ۱۰، صفحہ ۱۲۵۔

[4] کنز العمال، حدیث ۲۳۰۷۴، جلد ۸، صفحہ ۱۴۸۔

جیسے فرمایا'' يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ '' (التغابن:۹)(اور جس روز تمہیں جمع ہونے کے دن کیلئے جمع کیا جائے گا یہی گھاٹے کے ظہور کا دن ہے)۔

جمعہ کی ابتدا کب ہوئی

مدارج النبوت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ کو جمعہ کے دن سے گمراہ رکھا اور ان کی جمعہ سے گمراہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ انہیں جمعہ کے دن شکرِ نعمت بجالانے کیلئے ایک اجتماع کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے اس کا انکار کیا۔ یہود تو ہفتہ کو پسند کرنے لگے کیونکہ اس روز تکمیلِ کائنات ہوئی تھی لہٰذا اس دن عبادت کرنا بہتر سمجھا۔ نصاریٰ نے اتوار کا دن پسند کیا جو ابتدائے آفرینش کا دن تھا، انہوں نے اپنے اجتہاد سے یہ دن پسند کیا۔ لیکن مسلمانوں نے جمعہ کا دن اس لئے پسند کیا کیونکہ اس روز انسان کو پیدا کیا گیا تھا اور ان کے خیال سے اولیٰ وانسب یہی دن تھا۔ چنانچہ اس دن کی منظوری اللہ تعالیٰ نے بھی فرمادی۔[1] تفسیر ضیاء القرآن میں ہے کہ زمانہ جہالت میں اس دن کو عُروبہ کہا جاتا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور ﷺ کے جدامجد کعب ابن لوی اس روز قریش کو اکٹھا کر کے حضور ﷺ کی بعثت کی خوشخبری دیتے اور انہیں تاکید کرتے کہ آپ ﷺ پر ایمان لائیں اور نصرت کریں۔ کعب یہ بھی فرماتے کہ کاش میں حضور ﷺ کی بعثت کے وقت حاضر ہوتا، جب قریش آپ ﷺ کو ناکام کرنے کی کوشش کرتے تو میں آپ کی مدد کے لیے حاضر ہوتا۔ حضور ﷺ کی بعثت کعب سے پانچ سو ساٹھ برس بعد ہوئی۔ کعب ابن لوی نے ہی اس دن کا نام جمعہ رکھا مگر مشہور عُروبہ ہی رہا۔ حضور ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو تبلیغ کیلئے یثرب (مدینہ شریف) روانہ کیا اور انہوں نے کافی لوگ مسلمان کئے۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ یہودیوں کے یومِ سبت (ہفتہ) اور نصاریٰ کے اتوار کے مقابل ایک دن ایسا ہونا چاہیے کے سب چھوٹے بڑے مل کر ذکر اور عبادت کریں۔ انہوں نے یومِ عُروبہ کو ہی منتخب کیا' چنانچہ سب لوگ اکٹھے ہوئے اور حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو ادا کیا گیا۔ ان کا یہ فیصلہ از روئے اجتہاد تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے منظور فرمایا اور یوم الجمعہ کا نام دیا۔ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ شریف لائے تو چند روز یثرب کی نواحی بستی میں قیام کیا اور مسجدِ قبا کی بنیاد رکھی۔ سوموار' منگل' بدھ اور جمعرات قبا میں ہی ٹھہرے اور جمعہ کے روز وہاں سے یثرب کی طرف روانہ ہوئے تا کہ اسے مدینہ طیبہ بننے کا شرف عطا فرمائیں۔ جب آپ ﷺ بنی سالم بن عوف کی وادی رانونا پہنچے تو نماز جمعہ کا وقت ہو گیا۔ حضور ﷺ نے رانونا میں توقف فرمایا' خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور نمازِ جمعہ پڑھائی۔ دنیائے اسلام میں یہ پہلا جمعہ تھا جو حضور ﷺ نے ادا کیا، سورۂ جمعہ کا نزول مدینہ شریف میں ہوا۔[2] ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ

---

[1] مدارج النبوت، جلد ا، صفحہ ۶۵۴۔

[2] تفسیر ضیاء القرآن، جلد ۵، صفحہ ۲۳۵۔

لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ" (اے ایمان والو جب تمہیں بلایا جائے نماز کی طرف جمعہ کے دن تو دوڑ کر جاؤ اللہ کے ذکر کی طرف اور چھوڑ دو خرید و فروخت) (الجمعہ:۹)۔

جمعہ کی فضیلت

عید کا خطبہ سننا سنت ہے اور جمعہ کا خطبہ واجب ہے۔ اس کی رات کو قیام مکروہ ہے البتہ اگر ہر روز قیام کرتا ہے تو ٹھیک ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "أَفْضَلُ الْاَیَّامِ عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمُ الْجُمُعَۃِ" (تمام دنوں سے بہتر دن جمعہ کا دن ہے)۔[1] کچھ احادیث میں ہے کہ عرفہ کا دن سال میں افضل ہے۔ جمعہ کے دن ایک گھڑی قبولیت کی ہے، کچھ کہتے ہیں کہ یہ گھڑی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرما جانے کے بعد اُٹھ گئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا گیا تو فرمایا کہ یہ جھوٹ ہے۔ وہ گھڑی اب بھی جمعہ میں موجود ہے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن یہ گھڑی پوشیدہ ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ نہیں یہ متعین ہے اور متعین کے دو قول ہیں ایک یہ کہ وہ گھڑی امام کے منبر پر بیٹھنے سے نماز ختم ہونے تک ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عصر سے مغرب تک کے آخری وقت میں ہے اور صحابہ کا زیادہ اجماع بھی اسی دوسرے قول پر ہے۔ حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک خادمہ کو مقرر فرمایا کہ اس آخری گھڑی کا خیال رکھے اور اس کی انہیں خبر دے اور جب انہیں باخبر کیا جاتا تو وہ دعا میں مشغول ہو جاتیں۔[2] جمعہ کے دن مخلوقات کی تخلیق مکمل ہوئی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن جنت میں لائے گئے، اسی دن ان کو سجدہ کیا گیا اور اسی دن جنت سے نکالے گئے، اسی دن صور پھونکا جائے گا اور قیامت ہوگی۔ جمعہ کے دن ایک قبولیت کی گھڑی کا ہونا بھی اس کی فضیلت میں شامل ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات بھی جمعہ کے دن ہوئی تھی۔

جمعہ میں ساعتِ قبولیت

شیخ عبدالعزیز دباغ کا قول ہے کہ جمعہ کے دن آخری ساعت میں (عصر اور مغرب کے درمیان) اللہ تعالیٰ نے تکمیلِ کائنات فرمائی اور مخلوقات نے نعمتوں کے تمام کرنے کیلئے دعا کی تھی۔ یہی قبولیتِ دعا کی ساعت تھی لیکن یہ ساعت تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں یہ اس وقت ہوتی تھی جب آپ جمعہ کا خطبہ فرمایا کرتے تھے (یعنی زوال کے وقت) اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں زوال کے بعد۔ عبدالعزیز دباغ فرماتے ہیں کہ یہ گھڑی جمعہ کے دن آخری ساعت میں تھی پھر واپس آتی گئی حتیٰ کہ شروع دن تک پہنچتی ہے اور پھر جمعہ کے دن کی آخری ساعت تک پہنچتی ہے۔ یہ کس حساب سے تبدیل ہوتی ہے اس

---

[1] کنز العمال، حدیث ۲۱۰۳۳، جلد ۷، صفحہ ۲۹۰۔

[2] مدارج النبوت، جلد ۱، صفحہ ۶۵۷۔

کے ظاہر کرنے کا حکم نہیں البتہ یہ گھڑی جس کو مل جائے اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔فرماتے ہیں کہ یہ گھڑی نہایت مختصر ہے یعنی اتنا وقت جس میں بندہ رکوع میں جائے اور رکوع کے بعد ہر عضو اپنی جگہ پر لوٹ آئے۔آپؐ نے فرمایا کہ یہ گھڑی ہوتی جمعہ کے دن ہے مگر چھ ماہ زوال سے قبل اور چھ ماہ زوال کے بعد۔اس گھڑی کے متعلق علماء کے ۳۲ اقوال ہیں جو کہ حصن حصین میں نقل کئے گئے ہیں، وَاللهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

ضروری مسائل

جمعہ کی اذانِ اول کے بعد خرید وفروخت حرام ہے۔سورۂ جمعہ میں ''فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللهِ'' سے مراد خطبہ جمعہ ہے۔مجاہدؒ نے کہا کہ بندہ کثیر الذکر اس وقت کہلاتا ہے جب کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہر وقت اللہ کا ذکر کرے۔بخاری کی حدیث میں ہے کہ ''اِذَا جَاءَ اَحَدُکُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ'' (جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز کیلئے جانے کا ارادہ کرے تو غسل کرلیا کرے)۔[1] ایک روایت میں ہے کہ جمعہ کے دن غسل اتنا اہم اور ضروری عمل سمجھا جاتا ہے کہ اگر چہ اس کیلئے پانی خریدنا پڑے اور (پیسے نہ ہونے کی وجہ سے) رات کا کھانا بھی نہ ملے تب بھی غسل ضرور کرے خواہ بھوکا ہی کیوں نہ رہنا پڑے۔جمعہ کے دن نہانا سنت ہے اور ایک جماعت کے نزدیک واجب ہے۔خوشبو لگانا' مسواک کرنا' عمدہ لباس پہننا دوسرے دنوں کے مقابل زیادہ مستحب ہے۔اس دن نصف النہار کے وقت نفل پڑھنا ایک جماعت کے مطابق مکروہ ہے اور دوسرے دنوں میں منع ہے۔جمعہ کے دن زیادہ عبادت تضرع وزاری زیادہ پسند کی گئی ہے۔مسلمانوں کے نزدیک یہ دن عید کا ہے اور قبولیت کی گھڑی شب قدر کی طرح ہے۔جمعہ کی نماز کیلئے پیدل جانا سال بھر کے روزے اور نمازوں کے برابر ثواب ہے۔یہ دن کفارۂ سیئات کا دن ہے اور تمام مخلوق سوائے جن وانس اس دن اس علم کی بنا پر ڈرتے ہیں جو انہیں بخشا گیا ہے۔نماز کیلئے مسجد میں پہلی ساعت میں آنا اونٹ کی قربانی کے ثواب کے برابر ہے۔تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ عراک بن مالک رضی اللہ عنہ جمعہ سے فارغ ہو کر مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور یہ دعا پڑھتے ''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَجَبْتُ دَعْوَتَكَ وَصَلَّيْتُ فَرِيْضَتَكَ وَانْتَشَرْتُ كَمَا اَمَرْتَنِیْ فَارْزُقْنِیْ مِنْ فَضْلِكَ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ'' (اے اللہ میں نے تیری آواز پر حاضری دی اور تیری فرض کردہ نماز ادا کی، پھر تیرے حکم کے مطابق اس مجمع سے اٹھ آیا، اب تو مجھے اپنا فضل وکرم نصیب فرما اور تو سب سے بہتر روزی رساں ہے)[2] (اگر دعا یاد نہ ہو تو اپنی زبان میں کہہ لے)۔

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۸۳۷، جلد ۱، صفحہ ۲۹۹۔

[2] تفسیر ابن کثیر، جلد ۴، صفحہ ۳۶۸۔

شرائطِ صحتِ جمعہ

جمعہ کی نماز مسلمان مرد مکلف، آزاد، تندرست اور مقیم آدمی کیلئے ہر شہر میں واجب ہے۔ عورت، مریض، مسافر، غلام، نابینا اور لنگڑے پر واجب نہیں۔ حدیث میں ہے کہ ''مَنْ تَرَكَ ثَلَاثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهٖ'' (جس نے جمعہ کو معمولی سمجھ کر تین جمعے ترک کئے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا)۔[1]

صحتِ جمعہ کی چھ شرائط ہیں۔

(۱) شہر جہاں مقدمات کے فیصلوں کا کوئی حاکم ہو (کونسلر ہو تو بھی ٹھیک ہے) یا وہ علاقہ جو شہر سے متصل یا قریب ہو۔

(۲) حاکمِ وقت کا موجود ہونا۔

(۳) وقتِ ظہر کا ہونا۔

(۴) خطبہ وقت کے اندر ہونا اور نماز سے پہلے ہونا۔

(۵) اتنی جماعت کا ہونا جو جمعہ کیلئے ضروری ہے، جماعت کی اَقلّ مقدار امام کے پیچھے تین آدمی ہے۔

(۶) اِذنِ عام ہو کہ نمازیوں کو مقامِ نماز سے روکا نہ جائے۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مطابق جس جگہ چالیس عاقل و بالغ مرد، مستقل طور پر اقامت گزیں ہوں جمعہ کی اقامت واجب ہے۔ امام مالکؒ کے مطابق مکانات کا متصل ہونا بازار اور مسجد کا ہونا ضروری ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے مطابق شہر کی جامع مسجد کے بغیر جمعہ صحیح نہیں ہے۔ شہر وہ ہے جہاں گلی کوچے بازار ہوں اور اس کے ساتھ چھوٹی چھوٹی آبادیاں ہوں وہاں کا ایک والی ہو۔ جو فیصلے کرے اور ایک عالمِ بھی مسائل کے بیان کرنے کیلئے موجود ہو۔ بلا ضرورت ہر مسجد میں جمعہ کی نماز نہیں ہونی چاہیے۔ گاؤں میں جمعہ پڑھنا درست نہیں۔ نماز اور جمعہ کے پورے مسائل بیان کرنا اس کتاب کا مطلوب نہیں۔ اس کیلئے کتبِ متعلقہ مثلاً ''رکنِ دین''، ''نماز کی سب سے بڑی کتاب''، ''بہارِ شریعت''، ''ہماری نماز'' مصنفہ مفتی محمد خلیل برکاتی اور ''عالم فقری'' کی نماز وغیرہ سے رجوع کریں۔

[1] سنن ابی داؤد، حدیث ۱۰۵۲، جلد ۱، صفحہ ۲۷۷۔

باب نمبر ۲۴

معارفِ کعبۃُ اللّٰہ

لغوی معنی: کعبہ کا لفظ کَعَبْ سے مشتق ہے اور کَعَبْ کے معنی اٹھا ہوا یا اونچا ہونا ہے۔ ٹخنہ چونکہ اٹھا ہوا ہوتا ہے اس لئے اس کو بھی کعب کہتے ہیں۔ کنواری لڑکی کو بھی کاعبہ اس کی دوشیزگی کی وجہ سے کہتے ہیں (یعنی اس میں جوانی کا اُبھار ہوتا ہے)¹ اور قرآن میں "وَکَوَاعِبَ اَتْرَابًا" (جواں سال ہم عمر لڑکیوں) (سورۂ نبا: ۳۰) کا ذکر آیا ہے۔ کسی چیز کا سطح سمندر سے اٹھے ہونے کے لحاظ سے بھی کعبہ کہا جاتا ہے۔ ایک اور وجہ کعبہ کہنے کی یہ ہے کہ اقلیدس کے لحاظ سے چھ پہلوؤں والے کو مکعب کہتے ہیں۔ اگرچہ بناء ابراہیمی علیہ السلام میں یہ مستطیل تھا مگر نزولِ قرآن کے وقت مکعب تھا یعنی اس کی لمبائی چوڑائی اونچائی برابر تھی۔ اولیائے کرام نے قلبِ انسانی کو بھی کعبہ کہا ہے جس کو پاک صاف رکھنے کا حکم ہے اور اللہ کے ذکر سے آباد کرنے کا حکم ہے۔ اولیائے کرام کا مسلک ہے کہ کعبۃ اللہ تو پتھروں کا گھر ہے اور گھر کبھی ملتا ہے کبھی نہیں ملتا۔ اس کے برعکس دل بھی خدا کا گھر ہے اور محلِ معرفتِ الٰہی ہے۔ یہ فضلیت میں کعبہ سے افضل ہے اس لئے کعبہ محض قبلہ عبادات ظاہری ہے مگر (کشف المحجوب میں ہے کہ) دل وہ ہے جس پر رب جلّ مجدہٗ نے دن میں ۳۶۰ بار نظر فرمائی ہے، جب کہ کعبہ پر اللہ تعالیٰ نے ایک بار نظر فرمائی ہے، مولانا رومؒ نے فرمایا ہے۔

دل بہ دست آور کہ حجِ اکبر است   از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

(دل کو ہاتھ میں لو کہ یہ حج اکبر ہے، ہزاروں کعبوں سے ایک دل بہتر ہے)

کعبہ تعمیر خلیلِ اطہر است   دل گزر گاہِ جلیلِ اکبر است(۲۹۶)

(کعبہ تو خلیل پاک کا تعمیر کردہ ہے اور دل خدائے جلیل کی گزرگاہ ہے)

تاریخِ کعبہ

تاریخ ابن عساکر، تاریخ ارزقی اور تفسیر عزیزی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ آدم علیہ السلام جب جنت سے زمین پر تشریف لائے تو بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ اے خداوند کریم مجھے دنیا میں نہ تو ملائکہ کی تسبیح و تکبیر سنائی دیتی ہے اور نہ ہی بیت المعمور کی طرح یہاں کوئی عبادت گاہ ہے۔ آپ نے دعا فرمائی کہ ان کو کوئی ایسا مقام عطا ہو جو اس کمی کو پورا کردے۔ یہ دعا قبول ہوئی اور ارشادِ باری تعالیٰ ہوا کہ "جہاں ہم نشان بتائیں گے وہاں خانہ کعبہ تعمیر کرو اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو"۔

بنیادِ کعبہ اور مرمت و تعمیر

جبرائیل علیہ السلام آئے اور آدم علیہ السلام کو وہاں لائے جہاں سے زمین کا پہلا حصہ بنایا گیا تھا یعنی تخلیق

¹ تاج العروس، جلد ۴، صفحہ ۱۵۱۔

کائنات کے بعد زمین کی جگہ پر پانی تھا اور جس جگہ پانی پر جھاگ بنی تو وہی جھاگ پھیل کر زمین بن گئی۔ وہ جگہ خانہ کعبہ کا مقام تھا، اس جگہ آپ کو لائے، جبرائیل علیہ السلام نے یہاں آ کر اپنا پَر مارا اور خانہ کعبہ کی بنیاد ساتویں زمین تک ڈال دی گئی۔ اس بنیاد میں ملائکہ نے پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے بھرائی کی اور خانہ کعبہ کی چار دیواری بھی بنادی۔ یہ پہلی مرتبہ کی تعمیر تھی اور یہ روئے زمین پر پہلا خدا کا گھر تھا ۔

دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا ہم اُس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا(۲۹۷)

بعض روایات میں ہے کہ خود بیت المعمور کو لا کر اس بنیاد پر رکھ دیا گیا جو آدم علیہ السلام کی وفات پر یا طوفانِ نوح علیہ السلام کے وقت اٹھالیا گیا اور طوفان کے بعد لوگ خانہ کعبہ کے پتھروں کے نشانات پر آتے اور یہاں طواف اور دعا کرتے۔ دوسری مرتبہ کی تعمیر جیسا کہ قرآن میں ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو خانہ کعبہ کی جگہ چھوڑ آئے اور پھر یہاں آبادی ہوئی اور اللہ کے حکم سے باپ بیٹوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ ایک بادل کے ٹکڑے نے اس جگہ پر سایہ کیا اور جبرائیل علیہ السلام نے سائے کے مطابق نشان لگایا اور باپ بیٹے نے ان نشانات پر کھدائی کی تو آدم علیہ السلام والی جگہ کی بنیاد نمودار ہوئی۔ ابراہیم علیہ السلام کے بعد کئی بار اس کی مرمت ہوئی۔ تیسری مرتبہ کی تعمیر قبیلہ عمالقہ اور جرھم نے اسے بنایا۔ چوتھی مرتبہ کی تعمیر قصیٰ ابنِ کلاب نے اس کی تعمیر کی جو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پانچویں جد میں دادا ہیں۔ پانچویں مرتبہ کی تعمیر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہوئی جب کہ ایک عورت خوشبو لائی اور اسے آگ لگنے سے خانہ کعبہ کی چھت تک جل گئی۔ سیلاب کی وجہ سے دیواریں پہلے ہی پھٹ چکی تھیں چنانچہ ولید بن مغیرہ کو امیر تعمیرات مقرر کر کے ازسرِ نو کعبہ کی تعمیر ہوئی۔ اس کی تعمیر کیلئے لوگوں سے حلال مال کی شرط لگا کر چندہ اکٹھا کیا اور چونکہ حلال مال زیادہ اکٹھا نہ ہو سکا اس لئے چند تبدیلیاں کی گئیں (I) حطیمِ کعبہ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی (II) پہلے دو دروازے تھے اب ایک دروازہ ہی کر دیا گیا اور اس کو بجائے زمین کے برابر رکھنے کے اونچا کر دیا گیا تاکہ ہر ایک اس میں داخل نہ ہو سکے۔ (III) اندر چھت کیلئے چھ ستون لگائے گئے۔ (IV) بلندی نو ہاتھ کی بجائے اٹھارہ ہاتھ کر دی گئی۔ (V) شامی رُکن کے قریب ایک زینہ بنادیا گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کے مطابق ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لوگوں کے بھٹک جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم بنیادِ ابراہیم علیہ السلام پر خانہ کعبہ کی تعمیر کرتے۔ کچھ روایات میں ہے کہ یزید نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خانہ کعبہ پر حملہ کیا اور منجنیق سے آگ برسائی جس سے کعبہ کی عمارت کو نقصان ہوا۔ غلاف کعبہ جل گیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ ذبح ہونے والے مینڈھے کے سینگ جواب تک محفوظ رکھے ہوئے تھے اس حادثہ میں جل گئے۔ (صدقاتِ حج صفحہ ۴۷) چھٹی مرتبہ کی تعمیر حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ابراہیمی بنیاد پر خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور یہ تعمیر ۶۴ ہجری میں مکمل کی اور تکمیل پر سو اونٹ ذبح کر کے دعوتِ عام کی۔ آپ نے حطیم کو بھی خانہ کعبہ میں شامل کیا اور زمین کے برابر شرقاً غرباً دو

دروازے رکھے تا کہ ہر کوئی داخل ہو سکے۔ خوشبودار مٹی منگوا کر چونے سے چنائی کی (اسے اُرس از یمن کہتے ہیں)۔ دیواروں پر ریشمی غلاف چڑھایا جسے غلافِ کعبہ کہتے ہیں دیواروں پر مشک اور عنبر سے کہگل کیا گیا۔

پہلا غلافِ کعبہ

غلافِ کعبہ سب سے پہلے چڑھانے والے کا نام اسعد ہے جو یمن کا بادشاہ تھا اور اس نے مدینہ منورہ کو اس لئے آباد کیا کہ الہامی کتب میں حضور ﷺ کا مدینہ شریف میں ہجرت کر کے آنے کا تذکرہ تھا اور اس نے حضور ﷺ کے شوقِ ملاقات سے یہاں سکونت اختیار کی اور اس کی قوم حیرہ والے بھی یہاں رہ گئے اور یہی مدینہ پاک کی پہلی آبادی تھی۔ یاد رہے کہ قومِ جرہم نے مکہ معظمہ کو آباد کیا تھا۔ ساتویں مرتبہ کی تعمیر ۷۴ ہجری میں حجاج ابن یوسف نے جو عبدالملک ابن مروان کا نائب تھا۔ یہ عمارت گرا کر قریش کی طرز پر پھر سے بنا دی۔ خلیفہ ہارون رشید نے پھر سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرز پر بنانا چاہا مگر علماء نے اسے منع کر دیا کہ بار بار گرانا اور بنانا ایک کھیل ہو جائے گا۔ اس کے بعد اس کی مرمت ہوتی رہی۔ آٹھویں مرتبہ کی تعمیر ۱۰۴۰ ہجری میں سلطان مراد ابن احمد خان، شاہِ قسطنطنیہ نے دیکھا کہ حجرِ اسود والا رکن بہت کہنہ ہو چکا ہے تو اس نے سب عمارت گرا کر حجاج کے موافق بنائی۔ اندر سنگِ مرمر کا فرش، چھت پر مخمل، دیواروں کی سنگِ خارا اور چونہ میں چونائی کی اور سیاہ ریشمی پردے کا غلاف چڑھایا جس میں کلمۂ طیبہ لکھا گیا اور زریں حروف سے شاہ کا نام بھی لکھا گیا۔ موجودہ کعبہ سلطان مراد کا بنا ہوا ہے اور اہلِ قریش نے جن بنیادوں پر تعمیر کیا تھا ویسا ہی بنا ہوا ہے۔

غلافِ کعبہ مصر سے ہر سال آتا تھا ۱۳۸۲ھ میں لاہور سے بھی گیا، بعد میں ابنِ سعود کا نام بھی لکھا جاتا تھا۔

مقامِ ابراہیم کی تاریخ

روایات میں ہے کہ مقامِ ابراہیم ایک پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام تین بار کھڑے ہوئے۔ پہلی مرتبہ جب ان کی بہو (زوجہ اسماعیل علیہ السلام) نے ان کا سر دھونا چاہا تو آپ نے اس پتھر پر گھوڑے سے اتر کر قدم رکھا اور سر دھلوایا۔ دوسری مرتبہ تعمیر کعبہ کے دوران حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا کہ کوئی پتھر لاؤ۔ آپ تلاش کو نکلے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ آیئے میں آپ کو دو پتھر بتاؤں جو آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے آئے تھے۔ ان پتھروں کو ادریس علیہ السلام نے طوفان نوح کے خوف سے کوہ ابوقبیس میں دبا دیا تھا اور فرمایا کہ چھوٹے کو خانہ کعبہ کی دیوار میں دروازہ کے قریب لگا دو اور اس کا طواف کرنے والے اس کو چوما کریں اور بڑے پر ابراہیم علیہ السلام عمارت تعمیر کیا کریں چنانچہ یہ پتھر ضرورت کے مطابق اونچا ہو جاتا تھا اور خانہ کعبہ کی تعمیر اس پتھر کی مدد سے ہوئی۔ چھوٹا پتھر (حجرِ اسود) جب نصب کر دیا گیا تو اس کی روشنی دور دور تک گئی اور جہاں تک یہ روشنی گئی حرم کی حدود مقرر ہوئی۔ تیسری مرتبہ آپ اس پتھر پر اس وقت چڑھے جب

بحکمِ الٰہی اسے کوہِ ابوقبیس پر رکھا اور اس پر چڑھ کر کہا کہ اے بندو! حج کیلئے آؤ۔ یہ آواز تمام روحوں نے سنی اور جس نے جتنی بار لبیک کہا اتنی بار ہی وہ حج کرے گا، اس وقت آپ کے پاؤں کی انگلیوں کا نشان اس پتھر پر لگ گیا جو چومنے والوں نے ہلکا کر دیا، اب بھی کچھ نشان موجود ہیں بعد میں یہ پتھر خانہ کعبہ کے متصل رکھا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ سیلاب میں بہہ کر دور جا گرا مگر آپ نے مطاف کے کنارے چاہِ زم زم کے پاس اس کو رکھا اور اس پر پتھر کی عمارت بنا دی۔

قبولیتِ دعا

مکہ مکرمہ میں پندرہ جگہ پر دُعا بہت قبول ہوتی ہے، وہ جگہیں درج ذیل ہیں۔ ملتزم (جائے استلام)، میزابِ رحمت (پرنالہ)، رکنِ یمانی، صفا مروہ کے درمیان، حجر اسود، مقام ابراہیم علیہ السلام کے پاس، کعبہ کے اندر، منیٰ، مزدلفہ، عرفات، تین جمروں پر اور ہر ایک کے نزدیک، زم زم کے نزدیک، آب زم زم پیتے وقت، کعبہ کو دیکھتے وقت (تین جمروں سمیت پندرہ مقامات ہوئے)۔

قِبلتین کے ادوار اور تحویلِ کعبہ

عبادت کیلئے کوئی نہ کوئی سمت ضرور چاہیے، چنانچہ (۱) حاملین عرشِ اعظم کا قبلہ عرشِ اعظم ہے (۲) ملائکہ بررہ کا قبلہ کرسی ہے ملائکہ سَفَرہ کا قبلہ بیت المعمور ہے (ابن کثیر) فرشیوں کا قبلہ یوں تھا کہ آدم علیہ السلام تا موسیٰ علیہ السلام کا کعبۃ اللہ قبلہ تھا اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام تک بیت المقدس قبلہ رہا۔ یہودیوں نے اس کا غربی حصہ اور عیسائیوں نے اس کا مشرقی حصہ اختیار کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی نبی کے تابع نہ تھے بلکہ اپنے کشف سے شریعتِ ابراہیم علیہ السلام کے مطابق تھے، غارِ حرا میں عبادت کعبہ کی طرف منہ کر کے کی جاتی تھی۔ نبوت کے بعد معراج سے پہلے سجدے بیت اللہ کی طرف کئے جاتے تھے معراج کے بعد جب نماز فرض ہوئی تو بیت المقدس ہی قبلہ مقرر ہوا (نعیمی) کیونکہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے عبادت کرتا ہے۔ یاد رہے کہ بنی اسرائیل بیت المقدس کو چاہتے تھے اور بنی اسماعیل خانہ کعبہ کو چاہتے تھے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں نے آپ کی اتباع میں بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا شروع کی مگر منافقین نے باتیں بنانا شروع کر دیں اور اپنی منافقت کو ظاہر کرنے لگے۔ تفسیرِ عزیزی کے مطابق معراج کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز بیت المقدس کی طرف پڑھتے تو بیچ میں خانہ کعبہ کو رکھتے مگر مدینہ منورہ میں یہ ممکن نہ تھا کیونکہ یہ دونوں (کعبہ اور بیت المقدس) مختلف اور ایک دوسرے کے مقابل سمت میں تھے چنانچہ بیت المقدس کی طرف ہی نماز ہوتی رہی مگر آپ کا شوق یہی تھا کہ بیت اللہ ہی قبلہ بنے چنانچہ بیت المقدس ایک سال ساڑھے پانچ ماہ تک مسلمانوں کا قبلہ رہا اور ۱۵ رجب کو پیر کے دن مسجد بنی

سلمہ میں جب آپ ﷺ نماز ظہر پڑھا رہے تھے اور دو رکعت بیت المقدس کی طرف ہو چکی تھیں تو عین نماز کی صورت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ آیت لائے اور بیت اللہ قبلہ مقرر ہوا "قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" (البقرۃ: ۱۴۴) (ہم دیکھ رہے ہیں بار بار آپ ﷺ کا منہ کرنا آسمان کی طرف تو ہم ضرور پھیر دیں گے آپ ﷺ کو اس قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں (لو) اب پھیر لو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف)۔ آپ ﷺ صحابہ کے ساتھ ہی نماز کے دوران کعبہ کی طرف پھر گئے اور صحابہ کرام جس مسجد میں تھے اس اطلاع کے پاتے ہی وہ بھی پھر گئے۔ اس نماز کو نمازِ قبلتین کہتے ہیں اور مسجد کو مسجد ذو قبلتین کہتے ہیں۔

حکمتِ قبلہ

عبادات میں بدنی عبادت سب سے افضل ہے اور بدنی عبادت میں نماز اور نماز میں سجدہ سب سے اعلیٰ ہے۔ سجدے کو کعبہ کی سمت ضروری تھی قیامت کے دن کوئی عبادت نہ ہوگی مگر یہ کہ رب کے جمال کا مشاہدہ کر کے اس کو سجدہ کیا جائے گا، دیکھئے وہ تفصیل جو "یَوْمَ یُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّیُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ" (جس دن پنڈلی سے پردہ اٹھایا جائے گا اور لوگوں کو سجدے کی طرف پکارا جائے گا) کی تفسیر میں بیان کی جا چکی ہے۔ نماز کے علاوہ بقیہ عبادتوں کیلئے پابندیاں کم ہیں، کسی عبادت میں جگہ، وقت اور سمت کی قید نہیں مگر نماز کیلئے بہت پابندیاں ہیں چنانچہ جس سمت میں نماز ادا کی جائے قبلہ کہا جاتا ہے۔ نماز کیلئے سمتِ قبلہ ضروری ہے کیونکہ یہ شرائطِ نماز میں سے ہے اور عارفین کو نماز میں چشمِ قلب سے دیدارِ الٰہی حاصل ہوتا ہے اور وہ نماز میں عرشِ عظیم کو سامنے پاتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی کعبہ نظر آتا ہوا دکھا دیتے ہیں، بعض صوفی شاعروں نے فرمایا ۔

صبح دم تو رخ نمودی شد نمازِ من قضا — سجدہ کے باید روا چوں شمس می آید بروں

(تو نے صبح دم اپنا رخ دکھایا تو میری نماز قضا ہوگئی سجدہ اس وقت کیسے روا ہو سکتا ہے جب سورج سامنے ہو)

ایک پنجابی شاعر نے کہا کہ

میں سجدہ کراں یا تیں ول ویکھاں — مینوں سجدہ بھل گیو ای

اسی طرح ایک اور شاعر نے کہا کہ ۔

تو سامنے ہو تو میں سجدہ کروں تب لطف ہے سجدہ کرنے کا
میں اور کہیں تو اور کہیں تیرے نام کو سجدہ کون کرے

انسان میں قوتِ عقلیہ اور خیالیہ بھی ہے اسی لئے عقلی بات سمجھانا ہو تو کوئی نہ کوئی خیالی بات سامنے رکھ دی جاتی ہے۔ آج کے سائنس دانوں کا خیال ہے کہ جو بات انسان کے خیال میں آئے تو اس بات کو حاصل بھی کیا جا سکتا ہے۔ کعبے کے انوار و تجلیات کو حاصل کرنے کیلئے ان کا تصور ذہن میں رکھا جاتا ہے (قوت

خیالیہ سے ہپنوٹزم والے کیا کیا کام لیتے ہیں) یہ قوتِ خیالیہ کا ہی کرشمہ ہے کہ دلائل کی مدد سے اصل بات کی طرف رجوع کیا جائے اور جس سے نتیجہ برآمد ہو سکے اسے Suppose یعنی فرض اسی لئے کر لیا جاتا ہے۔ رعایا اپنے حکمران کے سامنے عرض و معروض پیش کر سکتی ہے کیونکہ بالمشافہ ہر ایک آدمی بادشاہ کے سامنے جا نہیں سکتا چنانچہ اگر بظاہر اللہ تعالیٰ نظر نہیں آتا تو اس کا خیال جمانے کیلئے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر لیا جاتا ہے اور جدھر خیال کیا جائے اسی کو ہی قبلہ کہتے ہیں۔ حکمت قبلہ یہ بھی ہے کہ نماز میں دل کی حاضری ضروری ہوتی ہے جو محض سکون کے واسطے سے حاصل ہوتی ہے اور سکون جب ہی ہو سکتا ہے اگر دھیان دنیا کی چیز سے کٹ کر اللہ کی طرف ہو جائے، دماغ اور دھیان کو انتشارِ ذہنی سے بچانے کیلئے ضروری ہے کہ قبلہ توجہ صرف ایک ہی طرف ہو اسی کا نام قبلہ ہے۔

ایک حکمتِ قبلہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں میں اتفاق و محبت ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ ہر شخص اگر مختلف سمت میں نماز پڑھتا تو اختلاف ظاہر ہوتا۔ لازم تھا کہ ایک اللہ کے بندے ایک نبی کے امتی ایک قرآن کے حامل اور ایک ملت کے افراد ایک ہی سمت میں نماز پڑھتے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ؎

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک   ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک   کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک [(۲۹۸)]

ایک حکمتِ قبلہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ بعض جگہیں بعض جگہوں سے افضل ہوتی ہیں۔ کعبہ زمین کے دوسرے حصوں سے افضل تھا اور اس جگہ رب کی خاص تجلیات ہوتی ہیں۔ اس طرف نماز پڑھنے سے انوار الٰہی حاصل ہوتے ہیں، اس کی فضیلت پر خدا نے اسی شہر کی قسم کھائی ہے جیسے فرمایا: ''لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ'' (البلد: ۱، ۲) (قسم ہے شہر (مکہ) کی درآنحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بس رہے ہیں اس شہر میں)۔

مندرجہ بالا حکمتوں کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے عصرِ حاضر کے مسلمانوں کیلئے خانہ کعبہ کو قبلہ مقرر فرمایا۔

نفس، دل اور سر کا قبلہ الگ الگ ہے

''سیرِ تصوف'' میں درویش محمد یعقوب مصطفائیؒ نے ابو عبداللہ بن سعیدؒ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے بعض بزرگوں میں سے کسی سے یہ سنا ہے کہ میں ایک دن بیت اللہ کے مقابل بیٹھا ہوا تھا تو میں نے گھر کے اندر سے آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا ہے۔ ''اے (کعبہ کی) دیوار و میرے احباء کی راہ سے ہٹ جاؤ پس جو تیری زیارت کرے اور تیرا طواف کرے اور جو میری زیارت کو آتا ہے وہ میری زیارت کرے۔'' اس کی تشریح میں صاحب سیرِ تصوف لکھتے ہیں کہ کعبہ نفس کا قبلہ ہے دل کا قبلہ عرش ہے اور سر کا قبلہ حق تعالیٰ ہے۔ نفس جب تک کعبہ کی طرف منہ نہیں لاتا خدمت سے محجوب رہتا ہے۔ دل جب تک عرش کی طرف منہ نہ لائے گا صحبت سے محجوب ہوتا ہے اسی طرح سر جب تک حق تعالیٰ کی طرف منہ نہ لائے گا مشاہدہ سے محجوب رہتا ہے۔

ان تینوں سے مراد حق تعالیٰ ہی ہے، ہر ایک کو الگ الگ مقام سے قُرب ملتا ہے اہل نفس کے آرام کی خاطر کعبہ کو زمین پر رکھا۔ قلوبِ عارفاں کے آرام کے واسطے عرش کو آسمان پر رکھا اور دونوں کو اپنا مکان نہیں ٹھہرایا۔ نفس کعبے کی طرف جاتا ہے اور جب اس جگہ نفس نے خدا کو نہ پایا تو کعبے کے گرد دوڑتا ہے اور جب خدا کو عرش پر نہیں پاتا تو اس کے گرد پویاں ہوتا ہے لیکن خدا کی صفت لامکانی ہے اور اگر خدا مکانی ہوتا تو سر طواف کرتا اور اس لئے سر کیلئے طواف نہیں۔ چنانچہ سر کیلئے حیرت ہے، دل کو نفس کی جگہ رہنا روا نہیں اور سر کو دل کی جگہ واپس آنا جائز نہیں۔ اگر کعبہ دل کے آگے ہو تو عرش کی راہ نہیں پائے گا اور سر کیلئے عرش بھی آگے سے اٹھ جاتا ہے کیونکہ راستے میں کوئی چیز ہو تو اللہ کی طرف راہ نہیں پائے گی۔ ان دیواروں کا اٹھنا یہی معنی رکھتا ہے جب تک خلق کے آگے تمام کائنات نہ اٹھائی جائے حق تعالیٰ تک کوئی راہ نہیں پا سکتا۔ حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ تیسری بار جب وہ حج پر گئے تو انہوں نے گھر کو نہیں دیکھا فقط گھر والا ہی نظر آیا۔

حکمتِ تحویلِ قبلہ

حضور ﷺ کو کعبہ سے بہت زیادہ محبت تھی اور کعبہ کو بھی آپ ﷺ پر فخر ہے کہ سرورِ کونین ﷺ کا قبلہ ہے۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ بیت المقدس کی جگہ خانہ کعبہ قبلہ ہو۔ تفسیر روح البیان اور تفسیرِ کبیر میں ہے کہ جس دن قبلہ کو تحویل کیا جانا تھا اس روز جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ کعبہ ہمارا قبلہ بنے۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ حضور میں تو مامور ہوں (مجھے تو حکم لانے کے سوا کوئی مجال نہیں) آپ ﷺ رب کے محبوب بندے ہیں، آپ دعا فرمائیں، یہ کہہ کر جبرائیل علیہ السلام آسمان پر گئے اور حضور ﷺ ان کے انتظار میں آسمان کی طرف آنکھیں اُٹھا اُٹھا کر دیکھتے تھے، تب ظہر کی نماز میں تحویلِ کعبہ کی آیت نازل ہوئی[1]۔ تحویلِ کعبہ میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ تھیں اس لئے اس کا حکم جاری کیا گیا، چند اہم حکمتیں قارئین کے علم کیلئے یہاں بیان کی جا رہی ہیں۔

(۱) پہلی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کا لقب امام القبلتین ، نبی الحرمین اور امام الثقلین تھا، اس لئے آپ ﷺ کو یہ شرف عطا ہوا۔ (۲) بعض انبیاء کرام نے بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی اور بعض نے خانہ کعبہ کی طرف۔ آپ ﷺ تمام انبیاء کرام کے کمالات کے جامع تھے لہٰذا دونوں طرف آپ ﷺ کا قبلہ ہونا ضروری تھا۔ (۳) قبلہ سے حضور ﷺ کی عظمت وابستہ نہیں بلکہ آپ ﷺ سے قبلہ کی عزت ہے کہ آپ ﷺ کا وہ قبلہ تھا، منشاء الٰہی تھا کہ دونوں قبلوں کو حضور ﷺ کے سجدوں سے عزت بخشی جائے۔ (۴) یہود و نصاریٰ مشرق اور مغرب پر اڑ گئے۔ مسلمان کسی سمت کے پجاری نہیں۔ کہیں سے قبلہ شمال کو ہے کہیں جنوب اور کہیں سے مشرق یا مغرب کی طرف ہے۔ مسلمان کسی سمت یا قبلہ کے عابد نہیں بلکہ خدا کے عابد

---

[1] تفسیر روح البیان، جلد ۱، صفحہ ۲۷۷۔

ہیں۔(۵) تبدیلی قبلہ سے حضور ﷺ کی خواہش کو پورا کرنا اور ان کی عزت افزائی ظاہر کرنا مراد تھا۔ آپ ﷺ نے کعبہ کو قبلہ بنایا مگر کعبے کا کعبہ آپ ﷺ ہیں کہ جس نے اسے قبلہ بنایا۔ اعلیٰ حضرت محمد احمد رضا خان بریلویؒ لکھتے ہیں

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

(۶) مشرکینِ مکہ کا اعتراض تھا کہ مسلمان اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے ہیں مگر قبلہ میں ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ (یعنی اسوقت جب آپ ﷺ بیت المقدس کو سجدہ کرتے تھے) دوسرا اعتراض یہود و نصاریٰ کا یہ تھا کہ مسلمان ہر معاملہ میں ہم سے اختلاف کرتے ہیں مگر ہمارے قبلہ کو اپنا قبلہ بنائے ہوئے ہیں۔ تیسرا اعتراض کفار کی طرف سے یہ تھا کہ جب بیت المقدس کو چھوڑ کر خانہ کعبہ کو قبلہ بنایا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بیت المقدس ناقص تھا (نعوذ باللہ) تو پھر بیت المقدس کی طرف پڑھی جانے والی نمازیں بھی ناقص ہوئیں اور اگر بیت المقدس کامل تھا تو اسے کیوں چھوڑا۔ ان اعتراضات کا خدا نے حسبِ ذیل آیت میں جواب دیا

''سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ'' (البقرہ:۱۴۲) (اب کہیں گے بیوقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا ان (مسلمانوں) کو اپنے قبلہ سے جس پر وہ اب تک تھے، آپ فرمایئے کہ اللہ ہی کا ہے مشرق بھی اور مغرب بھی وہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہے سیدھے راستہ کی طرف)۔(۷) تفسیر عزیزی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حکم دیا کہ اِئْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا (حاضر ہو جاؤ میرے حضور خوشی سے یا ناخوشی سے) تو اس جگہ سے ذات محمد ﷺ نے سب سے پہلے یہ حکم قبول کیا اور اس کے بعد ساتوں آسمانوں کے حصوں نے اس کی موافقت کی اور عرض کیا اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ (حٰم السجدہ:۱۱) (اے مولا ہم خوشی سے حاضر ہوئے) اس سے معلوم ہوا کہ اطاعتِ الٰہی کیلئے سب سے پہلی زمین یہی کعبہ کی زمین تھی اس لئے مسلمانوں کو بھی اطاعت میں اس کی طرف جھکنا چاہیے۔(۸) بیت المقدس میں حج کبھی ادا نہیں کیا گیا اور کعبہ میں ہمیشہ سے حج ہوتا رہا ہے چنانچہ حج اور نماز کو اسی سے منسوب ہونا چاہیے۔(۹) احادیث میں تقدسِ زیارت اور نمازوں کے ثواب کیلئے خانہ کعبہ کو ہی اولیت حاصل ہے اور زیادہ اجر ہے (حرمِ کعبہ کی ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کا اجر رکھتی ہے)۔

کعبہ کے اندر رسمِ قبلہ نہیں رہتی

تمام لوگ نماز میں کعبہ کی طرف منہ کرتے ہیں اور دنیا کے اطراف سے سمتِ قبلہ مختلف ہے۔ کعبہ کے باہر اور کعبے کے قریب جو لوگ نماز پڑھتے ہیں وہ قبلہ اسی عمارت کو بناتے ہیں مگر کعبے کے اندر قبلہ کی کوئی رسم نہیں ''فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ'' کے مصداق جدھر چاہو نماز پڑھ لو، یہاں قبلہ ہر طرف ہوگا۔ مولانا رومؒ نے اپنے اشعار میں اس بات کو بہت پیارے انداز میں بیان کیا ہے جسے پڑھ کر عاشق لوگ جھوم جاتے ہیں

فرماتے ہے ؎

اندرونِ کعبہ رسمِ قبلہ نیست   چہ غم ار غواص را با چپلہ نیست

(کعبے کے اندر قبلہ کی رسم نہیں ہوتی (یہ اس لئے کہ) اگر غوطہ زن پاؤں میں جوتی نہ پہنے تو غم کی بات نہیں)

(اس موضوع پر آپ کا کلام کافی طویل ہے)۔ مولانا رومؒ کے کلام کے لئے ملاحظہ فرمائیں ہماری کتاب ''سوزو ساز رومی'')

عشق کے معاملات میں عاشقوں کیلئے بہت سی قیودِ زمان و مکان ختم ہو جاتی ہیں۔ یہ لوگ عشقِ الٰہی میں ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جو عام آدمی کیلئے روا نہیں۔ ان کیلئے تمام قوانین اٹھ جاتے ہیں اور بسا اوقات (حالتِ جذب میں) شریعت سے بھی معذور گردانے جاتے ہیں۔ یہ بات مولانا رومؒ نے موسیٰ علیہ السلام کے گڈریے کی خدا سے باتیں کرنے کے بارے میں لکھی ہے۔ راقم الحروف نے اپنی تصنیف ''عقل و عشق اور فلسفۂ خودی'' میں اس بحث کو شامل کیا ہے، آپ نے فرمایا ہے کہ عاشقوں کیلئے ملت اور مذہب ہی کچھ اور شے ہے (عاشقاں را ملت و مذہب جدا است)۔

کعبہ کی امتیازی حیثیت

کعبہ تمام روئے زمین کا مرکز ہے، اس کو زمین کا وسط تسلیم کیا گیا ہے، اس لئے یہیں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا اور زمین کا سب سے پہلے بننے والا حصہ بھی یہی ہے۔ ایک مصری سائنسدان نے تحقیق کے بعد لکھا ہے کہ (Equator) خطِ استواء دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک سیدھا سادھا جغرافیائی خطِ استواء ہے جو قطبِ شمالی اور جنوبی کے مابین گزرتا ہوا فرض کر لیا گیا ہے جس کا عرض بلد صفر ڈگری ہے اور یہ خط زمین کو دو نصف حصوں میں تقسیم کرتا ہے مگر دوسرا خطِ استواء قدرتی (Natural) ہے جو سیدھا نہیں بلکہ ٹیڑھا میڑھا (Zig Zag) ہے۔ یہ قدرتی خط استواء مکہ میں گزرتا ہے اور اس خط پر تین نل پوائنٹس ہیں۔ (Three Null points) نل پوائنٹ وہ ہیں جس پر پہنچ کر مقناطیسی سوئی بالکل کام نہیں کرتی یعنی اس جگہ Magnetic Dip نہیں ہوتا اور اس علاقے میں سمت کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ ان تین پوائنٹس میں سے ایک پوائنٹ بحر الکاہل میں ہے، ایک بحر اوقیانوس میں ہے اور تیسرا مکہ معظمہ میں ہے (برمودہ کا تکون مشہور ہے جو بحر الکاہل میں واقعہ ہے۔ اس جگہ مقناطیسی کشش کے نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے جہاز ضائع ہو چکے ہیں کیونکہ یہاں کمپاس کام نہیں کرتا) اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ مکہ معظمہ خط استواء پر واقع ہے اور یہی دنیا کا مرکز ہے اور اسی جگہ سے دنیا کی ابتداء ہوئی۔

تفسیر نعیمی میں ہے کہ کعبہ چونکہ وسط زمین پر ہے اور مسلمانوں کو بھی امتِ وسطیٰ (درمیانی امت) کہا جاتا ہے لہٰذا ان کا قبلہ بھی خانہ کعبہ ہی ہونا افضل تھا کیونکہ یہ زمین کے وسط میں ہے۔ خانہ کعبہ کو افضلیت اس

لئے بھی حاصل ہے کہ یہ پیغمبرانِ اسلام کے ہاتھوں کا بنا ہوا تھا اور بیت المقدس جنات کی تعمیر تھی۔ کعبہ بیت اللہ ہے اور مسلمان عبداللہ ہیں ان کا پیغمبر حبیب اللہ ہے اور اس کا کلام کلام اللہ ہے' چنانچہ اتنی نسبتوں کے ساتھ مسلمانوں کا قلب نماز میں اللہ کی طرف ہو جاتا ہے، کعبہ حضور کو محبوب ہے لہٰذا کعبہ رب کا بھی محبوب ہوا۔ اس کی طرف نماز پڑھنے سے ہمیں بھی محبوبیت سے حصہ ملتا ہے، کعبہ کی زمین تمام زمین کا اصل ہے یہاں پر پانی میں جھاگ پھیلی اور اس سے ہی زمین بنی۔ آدم علیہ السلام کو بھی یہاں سے ہی پیدا کیا گیا' چنانچہ ہم نماز میں کعبہ کی طرف منہ اس لئے کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ بہت سے تاریخی واقعات منسلک ہیں اور اس کے علاوہ ہمارا رُخ نماز میں اپنے اصل اور مبداء کی طرف ہوتا ہے۔

حرمِ کعبہ میں عبادت کا اجر ایک لاکھ گنا ہے

عبادت کا اجر عبادت کی انواع، عبادت کے اوقات و مقامات، عبادت کرنے والے کی شخصیت اور رُوحِ عبادت پر منحصر ہے۔ خانہ کعبہ ایک ایسی جگہ ہے کہ جہاں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے اور ایک دینار خیرات کرنے کا ثواب ایک لاکھ دینار کے برابر ہے۔ حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ مکہ معظمہ کا ایک روزہ ایک لاکھ روزوں کے برابر ہے اور ایک نیکی لاکھ نیکیوں کے برابر ہے اور بیت المقدس میں ایک نماز پانچ سو کے برابر ہے۔ امام مالکؒ نے لکھا ہے کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک نماز باقی تمام مسجدوں سے ہزار درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ حضرت عطاؒ نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ بیت اللہ کو دیکھنا ایک سال کی نفلی عبادت کے برابر ہے۔ اسی طرح حرمِ پاک میں ایک گناہ بھی لاکھ گناہوں کے برابر ہے' لیکن مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم میں ایک گناہ ایک ہی شمار ہوگا۔ حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "صَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَفْضَلُ مِنْ مِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ"[1] (مسجدِ حرام میں ادا کی گئی ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہوتا ہے)۔ اجر کا کئی گنا ہونا بعض کج فہم لوگوں کی سمجھ سے باہر ہے، راقم الحروف کے ایک عزیز نے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا کہ خانہ کعبہ میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ گنا ہے اور یہ دلیل پیش کی کہ اگر اس قدر اجر ہے تو انسان ایک ماہ کیلئے بیت اللہ میں نمازیں ادا کر لے تو پھر ساری عمر نماز پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ ایک صاحب نے کہا کہ اگر ہم ۳۳ فیصد نمازیں پڑھ لیں تو پاس ہونے کے لائق نمبر مل جائیں گے' باقی پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان بے خبر لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ قرآن میں ایک نیکی پر دس نیکیوں کے ثواب کا ذکر ہے تو کیا ایک نماز پڑھ لینے سے دو دن کی نمازوں کی فرضیت ادا ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں کیونکہ نمازوں کا پڑھنا فرض ہے اور اس طرح نمازیں ساقط نہیں ہو سکتیں۔ قرآن میں اگر دس گناہ اجر کا ہونا ثابت ہے تو احادیث میں ۲۷، ۷۰۰، ۱۰۰۰، ۵۰۰۰۰، ۱۰۰۰۰۰، ۱۰۰ گنا اجر بھی ثابت ہے۔ اس معاملہ

---

[1] مجمع الزوائد، جلد ۴، صفحہ ۵۔

میں اس قسم کی فضول رائے کا اظہار نہ صرف گناہ ہے بلکہ قرآن کی نص کے انکار کے برابر ہے۔ ایسے اُمور کا انکار ہرگز نہ کرنا چاہیے جو اجماع سے ثابت ہو چکے ہوں۔ یہ کئی گنا نمازوں کا اجر عطیاتِ ربانی ہے۔ کون جانتا ہے کہ جب تم یومِ حساب اپنے اعمال کی گٹھڑی کھولو تو تمہارے اعمال اس وقت تک کے گناہوں کی پاداش میں کتنے ضائع ہو چکے ہوں اور تمہارے پلے کچھ بھی نہ ہو۔ راقم الحروف سے ایک عربی النسل شخص نے سوال کیا کہ نماز تو بے حیائی اور فاحشات سے بچاتی ہے لیکن میں تو بے حیائی وغیرہ کے قریب ہی نہیں جاتا چنانچہ یہ نماز میرے لئے ضروری نہیں۔ اس شخص کو معلوم نہیں کہ نماز تو فرضِ عین ہے بے حیائی کا پایا جانا نماز کیلئے شرط نہیں، جب پاک باز پیغمبروں نے نماز پڑھی ہے تو پھر تمہاری یہ دلیل کیا معنی رکھتی ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو انبیاء کرام پر نماز ساقط ہو جاتی۔ یہ تمام سوالات ان کی جہالت اور دین سے دُوری کی نشاندہی کرتے ہیں' بلکہ اس قسم کے سوالات بذاتِ خود بے حیائی میں شامل ہیں اور ان کی بدبختی کی کھلی دلیل ہے، اگر کوئی نماز نہ پڑھے تو جان بوجھ کر ایسے سوالات تو نہ اٹھائے۔

معارفِ کعبہ

ایک عام مسلمان یہ نہیں جانتا کہ ہم نماز کی ادائیگی کے وقت اپنا منہ کعبہ مکرمہ کی طرف کیوں کرتے ہیں یعنی اکثر لوگ محض رسمی طور پر اس سمت کو منہ کر لیتے ہیں کیونکہ ایسا کرتے ہوئے انہوں نے لوگوں کو دیکھا ہے، اگر غور کیا جائے تو بات ایسی نہیں۔ اوپر جو کچھ بیان ہوا۔ اس سے کعبہ کی بلندیٔ مرتبت اور عظمت کا خوب اندازہ ہو جاتا ہے چنانچہ ان عظمتوں کے پیش نظر ہم اس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ مزید اس بات کا انکشاف کرنا بھی ضروری ہے کہ کعبہ کی طرف اپنی جبینِ نیاز کو جھکانے میں ہم پر اور کیا مصلحتیں، فوائد، معارف اور اسرار وارد ہوتے ہیں۔ ان تمام معاملات کو مناسب تفصیل کے ساتھ نیچے بیان کیا جا رہا ہے۔

نماز میں دیدارِ الٰہی کی ضرورت ہے

آخرت میں جو سجدہ رَبِ ذُوالجلال کو کیا جائے گا' اس کی کیفیت یہ ہو گی کہ حق تعالیٰ کا جمال آنکھوں کے سامنے ہو گا۔ سجدے کا لطف تو جبھی ہے کہ مسجودلہٗ (خدا) سامنے ہو۔ اسی اعتبار سے چاہیے تو یہ تھا کہ جب ہم دنیا میں سجدہ کرتے تو اس وقت بھی خدا سامنے ہوتا لیکن اس دنیا میں ان آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیکھنا ممکن نہیں اور نہ ہی ہم جلالِ خداوندی کے انوار کو دیکھ سکتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام ایک جلیل القدر رسول تھے، آپ کی باتیں اللہ تعالیٰ سے ہوا کرتی تھیں تو خدا کے دیدار کیلئے بے چین ہو کر آپ علیہ السلام نے اللہ سے درخواست کی کہ اے باری تعالیٰ اب میں ان حجابوں کو برداشت نہیں کر سکتا، اپنا دیدار عطا فرمایئے۔ حکم ہوا کہ اے موسیٰ تم ہمیں نہ دیکھ سکو گے۔ آپ نے تکرار کیا تو فرمایا اچھا میں ایک چھوٹی سی جھلک اس پہاڑ پر پھینکتا ہوں اور اگر تم اس

جھلک کو بلا واسطہ برداشت کرلو گے تو مجھے بھی دیکھ سکو گے قرآن میں ہے کہ "فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا" (الاعراف:۱۴۳) (پھر جب تجلّی ڈالی انکے رب نے پہاڑ پر تو کر دیا اسے پاش پاش اور گر پڑے موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہوکر) جب موسیٰ علیہ السلام ہوش میں آئے تو توبہ کی۔ اہلِ سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ سوائے حضور کے اور کسی نے اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا (رویتِ حق تعالیٰ کے بارے میں راقم الحروف کی کتاب "اِسلام و روحانیت اور فکرِ اقبال" میں ایک مفصل بیان لایا جا چکا ہے)۔ ان حالات میں صرف ایک ہی بات ممکن تھی کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنا جمال بالواسطہ کسی طرح دل کی آنکھوں سے بندوں کو عطا کرے۔ جس سے بندوں کو حقیقی دیدار جیسا لطف حاصل ہو جائے اور اس کی شان پر حرف بھی نہ آئے کہ اس کو کوئی نظر دیکھ سکتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ مکرمہ کو اپنے جمال کیلئے ایک برزخ یا وسیلہ بنا دیا اور کہا کہ مجاہدات ذکر و فکر سے اپنی ایسی بصارت پیدا کرو کہ مجھے دیکھ سکو' چنانچہ لاکھوں دیکھنے والوں نے دیکھا اور کہا کہ ہم نے تو خدا کو دنیا میں ایسے دیکھتے ہیں کہ اگر تمام حجابات بھی اٹھا دیئے جائیں تو ہمارے یقین اور ایمان میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آئے گا، کسی نے کہا کہ ؎

امروز گر جمال تو بے پردہ ظاہر است   درد حیرتم کہ وعدۂ برائے چیست؟

(میں حیران ہوں کہ اگر آج تیرا جمال بے پردہ نظر آ رہا ہے تو کل قیامت کو دیدار کا وعدہ کیا ہے)

اولیائے کاملین اللہ تعالیٰ کے ظلال (تعین ذات کا ظہور یا پرچھائیں)' صفات اور ذات کا روحانی آنکھ سے مشاہدہ کرتے ہیں اور بعض لوگ وجدان اور عرفان کی وجہ سے خدا کا ہونا محسوس کرتے ہیں لہٰذا پردوں کا اُٹھ جانا ان کے ایمان میں فرق پیدا نہ کرے گا۔

منشاءِ الٰہی اپنے قُرب کو عام کرنا ہے

درج بالا گفتگو سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ایسا قُرب عطا فرمائے کہ ان کو دیدار بھی ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے قوانین کو بھی نہ توڑا جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بار بار اپنے قرب کا احساس دلایا ہے، کبھی کہا کہ "وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ" (ہم اس کی شہ رگ کے قریب ہیں) (سورۂ ق:۱۶) کبھی کہا "فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ" (میں تو تمہارے پاس ہوں، جب کوئی پکارنے والا پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں) (البقرۃ:۱۸۶)۔ قربانی قربان سے بنا ہے اور اس کو اَلْقُرْبَانُ (نیاز) اس لئے کہا کہ اس سے بھی اللہ کا قُرب ملتا ہے۔ کبھی یہ کہا کہ میرا قُرب چاہتے ہو تو سجدوں میں اسے حاصل کرو چنانچہ قرب کے یہ معنی کئے جاتے ہیں کہ "ایسے کام کرنا جس کے ذریعے کسی کے ہاں قدر و منزلت حاصل ہو جائے اور ایسا قرب اگر مل جائے تو کسی نہ کسی صورت میں خدا اپنا دیدار کروا دے گا۔ قرآن میں مرنے والے کیلئے کہا "وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ

وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ'' (تو ہم زیادہ قریب ہوتے ہیں (مرنے والے کے) لیکن تم دیکھ نہیں سکتے) (سورہ واقعہ:۸۵)۔ ایک حدیث بھی اس بات کو مزید واضح کرتی ہے کہ انسان مرنے کے بعد خدا سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ ''اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُّوْصِلُ الْحَبِیْبَ إِلَى الْحَبِیْبِ''[1] (موت ایک ایسا پل ہے جو بندے کو خدا سے ملا دیتا ہے)۔ ان آیات سے ظاہر ہوا کہ منشاء الٰہی کے مطابق قُرب کے یہ تمام راستے انسان کیلئے کھلے رہتے ہیں۔

کعبہ دنیا میں ہوتے ہوئے آخرت سے ملا ہوا ہے

اصلاحِ صوفیا میں کعبہ کا معنی مقامِ وصل ہے یعنی بندے کا رب سے واصِل ہونے کا مقام ہے۔ حضرت مجدِّد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ جونہی انسان مرجاتا ہے تو وہ قُربِ الٰہی کی ایک سیڑھی طے کرلیتا ہے۔ جب وہ قبر میں چلا گیا تو قُرب اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ قبر کو برزخ کہتے ہیں اور حشر کے دن تو یہ قُرب اور بھی زیادہ ہو جائے گا حتیٰ کے مسلمان جنت میں اللہ کا کھلم کھلا دیدار کرے گا کیونکہ اس جگہ قُرب مکمل ہو جاتا ہے۔ حضرت مجدِّد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ نماز میں معراج ہے اس لئے نماز میں انسان دنیا سے نکل کر آخرت میں چلا جاتا ہے اور آخرت کے حصے سے کچھ حصہ حاصل کرلیتا ہے یعنی وہ حصہ جو محض آخرت کیلئے ہی مخصوص ہے 'لہٰذا ظِلّیت کی آمیزش کے بغیر اصل کا فائدہ پالیتا ہے۔ اس دنیا کا عالم اور اس کے کمالات' کمالاتِ ظِلّی میں شامل ہیں اور جو اس عالمِ ظلال سے باہر ہے آخرت سے مخصوص ہے۔ چنانچہ جب آخرت سے نمازی کا تعلق قائم ہو گیا تو معراج لازمی ہوگی۔ آپ فرماتے ہیں کہ مومنین کیلئے نماز ہی ہے جو اس درجہ تک ان کو پہنچاتی ہے اور یہ معراج والی بات صرف اُمتِ محمدیہ ﷺ کیلئے مخصوص ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ بعض ناقص العقل لوگوں کو نماز کے مقام اور افادیت کا علم نہ ہو سکا۔ ایسے لوگوں نے اپنے امراض کا علاج دوسری عبادات یعنی چلوں سے کیا۔ ایک جماعت نے تو نماز کو بے فائدہ اور دور ازِ کار سمجھا اور روزے کو نماز سے افضل جانا۔ بعض نے سماع' نغمہ' وجد' تواجد سے تسکین حاصل کی اور رقص و سرور کو عادت بنالیا حالانکہ انہوں نے یہ سنا ہوگا کہ ''مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِی الْحَرَامِ شِفَاءً'' (اللہ تعالیٰ نے حرام میں شفاء کو نہیں رکھا)۔ اس قُرب کی وجہ سے ہی نماز کو سب سے اعلیٰ عبادت کہا جاتا ہے کیونکہ یہ قرب صرف نماز میں ہی ممکن ہے (یاد رہے کہ ظِل سائے کو کہتے ہیں، اس عالم کو اللہ تعالیٰ سے وہی نسبت ہے جو سائے کو اس شخص سے ہے جس کا وہ سایہ ہے گویا یہ عالم حق تعالیٰ کا ظِل ہے۔ اس کو وجودِ اضافی یا وجودِ خارجی یا ظلمتِ عدمی بھی کہتے ہیں یعنی وہ نور جو معدومات سے ظاہر ہو وہ ظِل کہلائے گا)۔

---

[1] شرح الصدور، حدیث ۷۰۳، جلد ۱، صفحہ ۲۳۔

کعبہ برزخ ہے اسکی ایک صورت اور ایک حقیقت ہے

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ کعبہ صرف ایک صورت ہی نہیں رکھتا بلکہ اس کی صورت کے علاوہ ایک حقیقت بھی ہے۔ (کعبے کی صورت سے مُراد اس کی ظاہری شکل وصورت ہے اور اسی طرح انسان کی صورت اس کا جسم ہے) فرماتے ہیں کہ فقیر کے نزدیک کعبے کی صورت (ظاہری شکل) تمام ملائکہ، جنات اور انسانوں کی صورتوں کیلئے مسجود الیہ بنادیا گیا ہے (جس کی طرف وہ منہ کر کے سجدہ کرتے ہیں) اور اسی طرح ان تمام مخلوقات (جن، ملک اور بشر) کے حقائق کیلئے (یعنی ان کی ارواح کیلئے) کعبے کی حقیقت کو (یعنی ذات باری تعالیٰ کے انوار کے پردے جن کے پاک دامن کو کوئی رنگ یا کیفیت نہیں لگی اور ظلیت نے اس کی طرف راہ نہیں پایا) مسجود الیہ بنایا ہے۔ گویا کعبے کی حقیقت حقائقِ کونی، مکانی اور حقائقِ الٰہی کے درمیان برزخ ہے یعنی عبادت میں صورت کو صورت کے سامنے اور حقیقت کو حقیقت کے سامنے جُھکنا مل جاتا ہے۔ اس طرح کعبہ کے ایک طرف ملائکہ، جن و بشر ہوتے ہیں تو دوسری طرف ذات باری تعالیٰ کی عظمت کے انوار کے پردے۔ چنانچہ جن، ملائکہ اور انسان اللہ تعالیٰ سے کعبے کے ذریعے منسلک ہوجاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ نماز میں حاصل ہونے والے حقائق و کمالات تمام عبادتوں کے حقائق اور کمالات سے بالاتر ہیں۔ خواہ وہ کتنی اعلیٰ عبادات ہی کیوں نہ ہو یہ بات کہ کعبہ کو ظہورات الٰہی کا مقام حاصل ہے اس طرح یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ ہم اس بات پر غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرمایا ہے۔ اس سے مراد یہ ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ خود اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے مظہر اتم ہیں۔ اسی طرح کعبے کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا مظہر اتم قرار دیا ہے (جیسا کہ بیعتِ رضوان کے موقع پر حضور ﷺ کے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ فرمایا کیونکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے مظہر اتم تھے،[1] کعبے کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا مظہر اتم قرار دیا ہے)۔ سید محمد

---

[1] حاشیہ نمبر ۱: مظہر ایک آئینہ ظہور الٰہی ہے یعنی اعتبارات واقعیہ سے وجود مطلق (اللہ) نے ظہور فرمایا۔

ذوقیؒ نے تربیتِ عشاق میں فرمایا ہے کہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم [1] حقیقت کعبہ سے کہیں بلند و بالاتر ہے حتیٰ کے انسانِ کامل بھی ذات وصفاتِ الٰہی کا مظہر ہے جو مرتبہ اس کو حاصل ہے سنگ وخشت کو حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رفعت اور عظمت کی بلندیاں تو انسان کے گمان میں بھی نہیں آسکتیں۔ اولیائے کرام کی بزرگی اور کرامات اللہ تعالیٰ کی نیابت اور ولایت کی وجہ سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان کا کچھ اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ اس کے ادنیٰ غلاموں کا یہ حال ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ تمام عالم کو اس طرح دیکھتے تھے کہ جس طرح کوئی اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہو۔ اس میں تعجب کی بات نہیں کیونکہ حضرت عزرائیل علیہ السلام بھی دنیا کے ہر گھر کو دن میں پانچ بار دیکھتے ہیں اور حضرت میکائیل علیہ السلام ایک ایک چیونٹی کو بھی دیکھتے ہیں اور ان کے رزق کا تقسیم کرنا ان کی خدمت میں شامل ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے خادم ہیں۔ انسان کامل کا مرتبہ تو ملائکہ سے بھی کہیں افضل ہے۔

کعبہ ملاپ کی کڑی ہے

سید محمد ذوقیؒ ''تربیتِ عشاق'' میں فرماتے ہیں کہ جو لوگ کعبے کو سجدہ کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کعبے کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں بلکہ اللہ نے کعبے کو اپنا مظہر بنایا ہے۔ معبودِ حقیقی کو سجدہ کرنے کیلئے مظہر کی سمت میں سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''حجرِ اسود کو بوسہ دینا گویا اللہ کے ہاتھ کو بوسہ دینا ہے'' اور ادھر یہ بھی فرمایا ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے، جس نے میرے رسول کا ہاتھ پکڑا اس نے میرا ہاتھ پکڑا''۔ فرمایا کہ اللہ تو بے نشان ہے کسی کو نظر نہیں آتا کیونکہ وہ لامحدود ہے اور انسان محدود ہے۔ چنانچہ ایک بے نشان اور لامحدود ہستی (اللہ تعالیٰ) اور ایک محدود مخلوق کے درمیان رابطہ پیدا کرنے کیلئے ایک برزخ کی ضرورت تھی، چنانچہ وہی نور صورتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں مظہر اتم کی حیثیت سے ظاہر

---

[1] حاشیہ نمبر ۲: حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت قارئین کی معلومات کیلئے یہ بیان کردینا ضروری ہے کہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد اس بات کو ظاہر کرنا ہے کہ آپ خلاصۂ موجودات ہیں، آپ ہی جانِ عالم ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجمال ہیں ان اسماء اور صفات کا جن کا ظہور تفصیلی کائنات میں ہوا۔ آپ کے نور سے ہر شے کو قیام ملا، عالمِ لاتعین سے جب حق تعالیٰ نے عالمِ تعین وشہادت وصفات میں نزول فرمایا تو پہلی تجلی حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں فرمائی۔ اس لئے آپ کے اسماء گرامی کے تعین اول، تجلی اول، عقل کل، روح المعظم، برزخ البرازخ اور مقام وحدت کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے اور تمام اسماء وصفات الٰہیہ کا ظہور اسی تجلی اول کے ظہور سے ہوا، جیسا کہ آپ نے فرمایا ''وَ خَلَقَ کُلَّ شَیْئٍ مِّنْ نُّوْرِیْ'' (ہر شے میرے نور سے پیدا ہوئی) مولانا رومؒ نے جو اشعار اس موضوع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں لکھے ہیں ان میں سے دو اشعار پیشِ خدمت ہیں۔

عارفِ اطوار سرِ جز وکل　　خلقِ اول، روح اعظم ، عقلِ کل

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم جز وکل کائنات کے اسرار واطوار کے عارف تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی خلقِ اول روحِ اعظم اور عقلِ کل ہیں)

حمدِ محمودے کہ در جملہ صور　　شد بہ انوارِ محمد جلوہ گر

(اس محمود ذات کی حمد ہے جو کائنات کی تمام صورتوں میں نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہو کر جلوہ گر ہوا)

ہوا اور آپ انسان اور اللہ کے درمیان (Connecting Link) یعنی ملانے والی کڑی کی طرح ہیں۔ کعبہ کو حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے ظہور ملا اور یہ تنزلاتِ ستہ [1] سے ہی وجود میں آیا ہے تنزلاتِ ستہ کا بیان نیچے دیا گیا ہے۔ یہ بھی عبادات میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملانے والی کڑی ہے، کعبے کو اللہ کے ساتھ ایک نسبت ہے کہ وہاں اللہ کی تجلیات کی فراوانی ہے۔

انسان خدا کی صفات کا مظہر ہے

سید محمد ذوقیؒ فرماتے ہیں کہ کعبہ تو اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کا مظہر ہے مگر انسان مظہرِ جمیع اسماء وصفات ہے اور انسان کی وہ تجلی بھی ہے کہ جس کیلئے فرمایا "کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ" (الرحمٰن:۲۹) آپ نے لکھا ہے کہ حقیقتِ انسان حقیقتِ قرآن سے بھی افضل ہے کیونکہ قرآن صرف ایک صفتِ کلام کا مظہر ہے۔ فرماتے ہیں کہ کعبہ کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے ایک بار فرمایا "بَیْتِیْ" (میرا گھر) مگر انسان مظہرِ جمیع اسماء وصفات ہے۔ روایت میں ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ اپنے بلند مرتبے پر پہنچنے سے قبل ایک بار حج کیلئے روانہ ہوئے تو راستے میں ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے پوچھا کدھر کا سفر ہے، عرض کیا کہ حج کیلئے جا رہا ہوں، اس بزرگ نے فرمایا "جو روپیہ تم حج پر خرچ کرنے کیلئے لائے ہو یہیں رکھ دو اور میرا طواف کرلو۔ اس وقت تم میں اتنی سعادت پیدا نہیں ہوئی کہ حج سے فائدہ حاصل کرسکو، اگر میرا طواف کرلو گے تو تمہارے اندر یہ صلاحیت پیدا ہو جائے گی" حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے تھے کہ واقعی اس وقت میرے اندر یہ صلاحیت نہ تھی اور اس بزرگ کی صحبت سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خانۂ کعبہ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اے کعبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان کا خون حرمت میں تجھ سے بھی بڑھ کر ہے۔

---

[1] حاشیہ نمبر ۳: تنزلاتِ ستہ۔ روحانیتِ اسلام (مؤلفہ واحد بخش سیال) میں تنزلاتِ ستہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات کا عمل چھ مراحل میں طے کیا ہے جسے تنزلاتِ ستہ کہتے ہیں (۱) مرتبہ اول ذات لاتعین کا ہے جب ذاتِ حق تمام اسماء وصفات، رنگ و بو، سمت و اشارہ اور شکل وصورت سے پاک اور منزہ تھی۔ تخلیق سے پہلے اس مرتبۂ وجود کو ذات بحت یا ذات لاتعین کہا جاتا ہے۔ اس مرتبہ وجود میں ذاتِ حق میں اسماء اور صفات مخفی تھے، جن کا ظہور تخلیقِ کائنات کے وقت ہوا اور اس سے پہلے جملہ صفات مخفی خزانے کی طرح تھیں اور کُنْتُ کَنْزًا کا اشارہ اسی کی طرف تھا (۲) دوسرا مرتبہ وجودِ حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جب حق تعالیٰ نے اپنی پہلی تجلی فرما کر اپنے نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا (۳) تیسرا مرتبہ وجودِ حقیقتِ انسانیہ ہے جو تجلی (ثانی) بھی کہلاتی ہے۔ تجلی اول اجمال ہے اور تجلی ثانی اس کی تفصیل ہے یعنی پہلے اسماء وصفات کے آثار مفصل طور پر اجزائے عالم میں ظاہر ہوئے پھر ان تفاسیر کا اجمال آدم میں ہوا (۴) چوتھا مرتبہ عالمِ ارواح کا ہے اور اس کو عالمِ ملائک بھی کہتے ہیں یعنی جو کائنات میں ظاہر ہے وہ عالمِ ارواح میں باطنی طور پر موجود ہے (۵) پانچواں مرتبہ وجودِ عالمِ مثال ہے جو عالمِ ارواح اور عالمِ مادی (کائنات) کے درمیان ایک لطیف جہاں ہے (۶) چھٹا مرتبہ وجودِ ظاہری یہ ظاہری دنیا ہے جس کو ہم عالمِ شہادت یا عالمِ ناسوت بھی کہتے ہیں۔

اعلامہؒ نے اس کو یوں بیان فرمایا ۔

ان شہیدوں کی دیت اہلِ کلیسا سے نہ مانگ قدرو قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کر[۲۹۹]

مشائخ اور فقہاء نے تو اس زمین کیلئے جس کیساتھ حضور ﷺ کا جسمِ اطہر مس ہو رہا ہے یہ فیصلہ دیا ہے کہ وہ جگہ روئے زمین بلکہ عرشِ اعظم سے بھی رتبے میں زیادہ ہے (جلال الدین سیوطیؒ اور عبدالحق محدث دہلویؒ)۔ معلوم ہوا کہ ہمارے سجدے خانہ کعبہ کی طرف اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے ہیں۔ انسان کا ظاہری جسم کعبہ کی جہت سے فیوض حاصل کرتا ہے اور اس کا باطن (چونکہ انسان خود بھی صفات اور ذاتِ الٰہی کا مظہر ہے) ظہوراتِ الٰہی کی طرف رجوع کر کے مکمل قرب حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن یہ شرف ان کاملین کو حاصل ہے جو اہل مشاہدہ ہیں۔ عوام کے سجدے تو رسمی سجدوں سے آگے نہیں بڑھتے)۔ علامہ اقبالؒ نے وشوامتر کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ عام لوگوں کا دین گفت وشنید تک محدود ہے اور خاصانِ حق کا دین انوارِ الٰہی کا مشاہدہ کرنا ہے۔

گفت دین عامیاں؟ گفتم شنید گفت دینِ عارفاں؟ گفتم کہ دید[۳۰۰]

(اس نے کہا کہ عام لوگوں کا دین کیا ہے؟ میں نے کہا کہ "سننا"، پوچھا عارفوں کا دین کیا ہے؟ میں نے کہا کہ مشاہدہ کرنا)

نماز میں آخرت سے نسبت قائم ہوجاتی ہے

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ کعبہ ایک ایسا عجوبہ ہے کہ صورت میں تو اس دنیا کی طرح صورت رکھتا ہے لیکن حقیقت میں اس دنیا کے اندر بھی آخرت سے متعلق ہے۔ نماز نے کعبے کے وسیلے سے یہ نسبت حاصل کر لی ہے اور صورت اور حقیقت میں یہ نماز دنیا اور آخرت کی جامع ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ حالت جو انسان کو نماز میں میسر ہوتی ہے، باقی تمام حالتوں سے جو نماز سے باہر ہوں بلند تر ہے کیونکہ نماز کے علاوہ تمام عبادات اگرچہ بہت اعلیٰ ہوں مگر دائرہ ظل (سایہ) سے باہر نہیں ہوتیں اور آخرت سے متصل نہیں ہوتیں، جب کہ نمازی کی حالت نماز میں اصل سے متعلق ہوجاتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جس قدر اصل اور ظل میں فرق ہے اسی قدر فرق نماز اور دوسری عبادات میں ہے۔ مشاہدہ میں آیا ہے کہ وہ حالت جو اللہ تعالیٰ کی عنایت سے موت کے وقت ظاہر ہوگی وہ نماز کی حالت سے برتر ہوگی۔ کیونکہ موت احوالِ آخرت کے مقدمات میں سے ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جو حالت آخرت سے زیادہ قریب ہے وہ قُربِ الٰہی میں زیادہ اَتم اور اکبر ہے۔ اسی طرح برزخِ صغریٰ (قبر) کی حالت موت کے وقت میسر ہونے والی حالتِ قُرب سے زیادہ اقرب ہوگی اور برزخ کبریٰ (قیامت) کے شہود سے جنت النعیم (جنتوں) کا شہود اکمل و برتر ہوگا اور سب سے بلند وہ مقام ہے جس میں عام جنتوں والی عام نعمتوں میں سے کچھ نہیں ہوگا اور اس میں اللہ تعالیٰ کے جلوے ہوں گے جیسا

---

۱ شرح سنن ابن ماجہ، حدیث ۳۹۳۲، جلد ۱، صفحہ ۲۸۲۔

کہ حدیث میں ہے کہ ''اِنَّ لِلّٰہِ جَنَّۃً لَیْسَ فِیْھَا حُوْرٌ وَلَا قُصُوْرٌ یَتَجَلّٰی فِیْھَا رَبُّنَا ضَاحِکًا''[1] (اللہ تعالیٰ کی ایک جنت ہے جس میں نہ کوئی حور ہے نہ کوئی قصور اس میں اللہ تعالیٰ ہنستے ہوئے تجلی فرمائے گا) حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ تمام ظہورات میں ادنیٰ ظہور دنیا و مافیہا کا ہے۔ ان ظہورات میں اعلیٰ جنت ہے جہاں اللہ کا دیدار ہوگا۔ بلکہ دنیا تو بالکل ظہور کا مقام نہیں اور ظلی ظہورات جو دنیا کے (چلوں، ریاضتوں اور مشقتوں) کے ساتھ مخصوص ہیں، سب اُمورِ دنیا میں شامل ہیں۔ چنانچہ دائرہ مکان میں داخل ہیں، فرماتے ہیں کہ مطلوب (اللہ تعالیٰ) کو اس دنیا میں تلاش نہیں کرنا چاہیے۔ دنیا میں مطلوب کو ڈھونڈنا خود کو پریشان کرنے کی بات ہے۔ دنیا میں مطلوب کی کوئی بو نہیں پاسکتا کیونکہ یہ تمام علاقہ ظلّی ہے۔ حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ پس دنیا میں نماز ہی اصل سے کچھ حصہ رکھتی ہے اس کے سوا بے فائدہ رنج ہے (دُوْنَہٗ خَرْطُ الْقَتَادِ) اور خاردار جھاڑی پر ہاتھ مارنے والی بات ہے۔

حضرت مجددؒ نے مکتوب نمبر ۷۰، حصہ ہفتم دوم، صفحہ ۱۱۷۹ میں لکھا ہے کہ انسان کا دل عرشِ رحمٰن کا نمونہ ہے اور (دل میں) اس کا ظہور (اس کے) ظہورِ عرشی کا نمونہ ہے (یعنی وہ دل میں اسی طرح ظہور فرماتا ہے جس طرح عرش پر اس کا ظہور ہے) بیت اللہ کا بھی قلبِ انسان میں نشان موجود ہوتا ہے اور یہ سینے میں دل کے درمیان میں ہے اور دائیں بائیں سے بیگانہ ہے۔ اس دولت عظمیٰ (اللہ تعالیٰ کے ظہور) کے حامل تو انبیائے کرام ہیں اور ان کی برکت سے یہ مقام صحابہ کرام اور باقی امت کے چند خوش قسمتوں کو ملتا ہے جو کہ درجے میں سابقین میں سے ہوتے ہیں اور اس دولت والے لوگ صراطِ مستقیم والے ہیں۔ مگر وہ لوگ جو اس راہ سے دائیں بائیں چلے ان کا وصول ظِلال میں سے کسی ظِل تک ہے اور جو اس صراط سے رائی برابر بھی ہٹا تو وہ مطلوب کے وصول سے دور ہوتا چلا جائے گا۔

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی کیں راہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

(اے اعرابی میں ڈرتا ہوں کہ تو کعبے کو نہ پہنچے گا کیونکہ یہ راستہ جس پر تو جا رہا ہے ترکستان کو جاتا ہے)

ظہوراتِ عرشی اگر محیط ہیں تو بیت اللہ مرکز کی طرح ہے

حضرت مجددؒ ایک اور جگہ مکتوب نمبر ۲۷ حصہ دوم (صفحہ ۱۱۸۲) میں فرماتے ہیں کہ اگرچہ ظہورِ عرشی عام ظہورات سے بلند تر ہے لیکن بیت اللہ کا معاملہ ظہورات اور تجلیات سے بھی بلند تر ہے۔ اس کے مقابلے میں ظہور اور تجلی کا نام لینا بھی ننگ ہے۔ فرماتے ہیں کہ انسان کا دل عرشِ رحمٰن کا نمونہ ہے اور اس کا (خدا کا) ظہورِ قلبی عرش کا نمونہ ہے۔ تجلیات اور ظہوراتِ عرشی کی مثال تو ایسی ہے جیسی محیط اور دائرہ کی ہو اور بیت اللہ کا ظہور ایسا ہے جیسے اس محیط دائرے کا مرکز ہو۔ اس بات میں شک نہیں کہ محیط دائرہ اپنی وسعت اور فراخی کے باوجود

[1] کنز العمال، حدیث ۳۹۲۱۱، جلد ۱۴، صفحہ ۱۹۱۔

دائرے کے مرکز کا ظل ہے کیونکہ مرکز کے نقطے نے ہی اپنے سائے کو فراخ کیا ہے اور سینکڑوں نقطوں کی شکل میں ظاہر ہو کر محیط دائرہ بنا ہے۔ فرماتے ہیں کہ نقطے سے تعبیر کرنے کا مطلب اقرب شے سے تعبیر کرنا مراد ہے۔ ورنہ اس جگہ نقطہ بھی دائرہ کی طرح مفقود ہے اور یہاں ظاہر ہے اور مظہر دونوں کی کوئی مجال نہیں کہ حقیقت کو بیان کر سکے۔ اس دنیا میں اصل بھی ظل کی طرح ہی نا معلوم ہے جس طرح عنقا کا تصور کرنا مشکل ہے لیکن اس جگہ ہمارے مطلوب پرندے (یعنی اللہ کی اصل) کا تو نام بھی معلوم نہیں (کہ وہ کیا ہے اور کیسا ہے)۔ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا قبلہ یعنی بیت المقدس کے ظہورات بھی بالآخر کعبے کی ظل سے مل جاتے ہیں کیونکہ اطراف کو مرکز کے بغیر چارہ نہیں (یعنی بیت المقدس اسی مرکز کے دائرے کے حصے کی طرح ہے) صراطِ مستقیم کے راستے جب مرکز تک نہ پہنچیں تو مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ فرمایا کہ مجھے کعبہ کی حقیقت سے الحاق میسر ہے اور اس الحاق کے بعد بے اندازہ ترقیاں نصیب ہوئی ہیں۔

دل معرفتِ حق کا مقام ہے اور کعبے سے عظیم تر ہے

کشف المحجوب میں ابو عبداللہ بن الفضل بلخیؒ کا قول نقل کیا گیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ "مجھے تعجب ہے اس آدمی پر جو خانۂ خدا تک جانے کیلئے دشت و صحرا کو طے کرتا ہے تاکہ وہاں انبیاء کی نشانیاں دیکھے، وہ کیوں اپنے نفس اور نفسانی خواہشات کو عبور کر کے اپنے دل تک نہیں پہنچتا۔ دل میں تو اس کے مولا کے آثار ہیں، مطلب یہ کہ دل معرفتِ حق کا مقام ہے اور اس کعبہ سے عظیم تر ہے جس طرف جبینِ بندگی خم ہوتی ہے۔ خلق رُو بقبلہ ہوتی ہے اور حق رو بہ دل، جہاں دل ہے بندے کا دوست بھی وہیں ہے جہاں اس کا حکم ہے ہماری آرزو وہیں ہے۔ جہاں ہمارے انبیاء کے نشانات ہیں اللہ کے دوستوں کی نگاہیں وہیں پر مرکوز ہیں۔ واللہ اعلم (اس سے مراد یہ ہے کہ عبادت میں حضورِ دل کا خیال رکھنا بہت اعلیٰ مقام والوں کو نصیب ہوتا ہے اور کعبہ کے مقام سے آگہی بہت بڑی بات ہے)۔ کسی صوفی کا قول ہے کہ کعبہ سے بڑھ کر کوئی نہیں مگر مومن۔ مگر اے کاش مومن کو اپنے مقام کی خبر ہوتی، وہ اپنے مقام سے کس قدر بیگانہ ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کے حج بیت اللہ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ آپ نے پہلی بار حج کیا تو وہاں صرف گھر (بیت اللہ) دیکھا مگر گھر والے کو نہ دیکھا۔ دوسری بار گھر بھی دیکھا اور گھر والے کو بھی دیکھا اور تیسری بار گئے تو گھر والے ہی کو دیکھا اور گھر نظر نہ آیا۔ رابعہ بصریؒ کے استقبال کیلئے کعبے کا جانا بھی منقول ہے، کچھ درویشوں کا بغیر زادِ راہ اور بغیر سواری حج پر پہنچنا بھی منقول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کا انتظام خود کرتا ہے۔

مذکورہ بالا معارف سے یہی بات اخذ کی جاتی ہے کہ نماز کو ادا کرتے ہوئے کعبے کے معارف کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہو۔ کعبے کے معارف کے متعلق تفکر کرتے رہنے سے اس کے

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ، ناشر، نشان منزل پبلیشرز۔

اسرار کھلتے ہیں اور نمازی کو وہ مقامِ قرب ملتا ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ کعبہ تو محض قلب ونظر کا قبلہ ہے اور ہم فقط اس کے بام و در کا ہی طواف نہیں کرتے بلکہ مومن اور بیت اللہ کے درمیان ایک ایسی رمز ہے جسے جبرائیلِ امین تک بھی نہیں جانتے۔راز سے مراد مومن کو ان تمام روحانی مقامات کا بیت اللہ کی وساطت سے ملنا ہے جن کو اس کتاب میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ان مقامات سے ایک یہ بھی ہے کہ مومن کو نماز میں معراج میسر ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقی ہو جاتا ہے۔راز سے جبرائیل علیہ السلام بھی آگاہ نہیں کیونکہ نماز میں مسلمان کو معراج حاصل ہوتی ہے اور معراج کی گہرائیوں سے جبرائیل امین بھی آگاہ نہیں۔اس سلسلہ میں ہماری تصنیف ''اسلام وروحانیت اور فکرِ اقبالؒ ''میں مقامِ آدم کا مطالعہ فرمائیں۔علامہ اقبال فرماتے ہیں۔ ؎

حرم جُز قبلۂ قلب و نظر نیست طوافِ اُو طوافِ بام و دَر نیست

(اللہ والے کہتے ہیں کہ) کعبہ قلب ونظر کے قبلہ کے سوا کچھ بھی نہیں اور اس کا طواف صرف بام و در کا ہی طواف نہیں)

میانِ ما وبیتُ اللّٰہ رمزیست کہ جبرئیل امیں را ہم خبر نیست[۲۰۱]

(ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان ایک ایسی رمز ہے جس کی خبر جبرائیلِ امین علیہ السلام کو بھی نہیں)

باب نمبر ۲۵

ذوقِ شب خیزی اور قیام اللیل

عاشقانِ الٰہی کو اپنے رب اور اس کے محبوب محمد مصطفی ﷺ سے اس قدر والہانہ محبت اور ہمہ تن وابستگی دامن گیر رہتی ہے کہ ان کے روزمرہ کے معمولات، نشست و برخاست اور کاروبارِ حیات انجام دینے کے دوران کوئی لمحہ خدا اور رسول ﷺ کی یاد سے خالی گزرنے نہیں پاتا۔ وہ عین کاروبارِ حیات میں ہوتے ہوئے بھی اللہ اور رسول ﷺ کے ذکر کو محو نہیں ہونے دیتے یہاں تک کہ ان کی ہر سانس ان ہی کے ذکر سے آباد رہتی ہے اور اگر ان کا دل ایک پل بھی ان کی یاد سے خالی رہ جائے تو وہ خود کو مرتد اور کافر تصور کرتے ہیں۔ ان کی سعادت اور عشق کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اس قدر لگاؤ کے باوجود بھی اپنی اس وابستگی کو خدا ہی کا عطا کردہ ایک بہت بڑا عطیہ اور عظیم احسان تصور کرتے ہیں اور زبانِ حال سے یوں کہتے ہیں ۔

بے تو جاناں قرار نتوانم کرد احسانِ ترا شمار نتوانم کرد

(اے محبوب تیرے بغیر میری جاں قرار نہیں پا سکتی' تیرے احسانات کا شمار کرنا ممکن نہیں)

گر برتنِ من زباں شود ہر موئے یک شکرِ تو از ہزار نتوانم کرد

(اگر میرے جسم کا ہر بال زبان بن جائے' تو بھی تیرے ہزار شکر سے ایک شکر بھی ادا نہیں کر سکتا)

جس طرح خدا نے اطاعت رسول ﷺ کو اطاعت خدا قرار دیا ہے اسی طرح ذکرِ رسول ﷺ بھی ذکر خدا ہے' لہٰذا جہاں عشقِ خدا کی بات ہو تو وہ عشق حبیب ﷺ سے جدا نہیں سمجھا جاتا کیونکہ محب اور حبیب میں انتہائی رابطہ موجود ہے۔ عاشقانِ ذات کبریا اور محبانِ ذاتِ مصطفی ﷺ نے اپنی جانوں کو ان ہی کی محبت میں شمع سوزاں کی طرح منور کیا ہے اور قرآن میں ''رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ'' (وہ لوگ جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی) (النور: ۳۷)، ان ہی کی شان میں آیا ہے۔ ان کی جانیں اور اموال غرض یہ کہ ہر شے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کیلئے وقف ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے مگر یہ لوگ اپنی بے بہا قیمتِ خرید سے بھی مطمئن نہیں کیونکہ سوائے اللہ اور رسول ﷺ کے ان کا کوئی مدعا نہیں۔

ایں عشقِ جلی عطائے درویشانست خود را کشتن ولایتِ ایشانست

(یہ عشق درویشوں کیلئے کھلی عطا ہے' خود کو (عشق میں) مار دینا ہی ان کی ولایت ہے)

دینار و درہم نہ زینتِ مردانست جاں کردہ نثار کارِ مردانست

(درہم و دینار مردوں کیلئے زینت نہیں' اپنی جان نثار کر دینا ہی مردوں کا شیوہ ہے)

شیخ ابوالخیر نے فرمایا ہے کہ ''اَلتَّصَوُّفُ قِيَامُ الْقَلْبِ مَعَ اللّٰهِ بِلَا وَاسِطَةٍ'' (تصوف اللہ کے

ساتھ بلاواسطہ دل کے قائم ہونے کا نام ہے) چنانچہ جب وہ اللہ کے ساتھ قائم ہو گئے تو اپنی صفات اور ذات سے فنا ہو گئے۔ منقول ہے کہ ذوالنون مصری کا ایک مرید حضرت بایزید بسطامی کی ملاقات کو گیا اور ان کے دروازے پر آواز دی تو حضرت بایزید اندر سے بولے کہ تم کون ہو اور کس کو چاہتے ہو؟ اس نے کہا کہ بایزید گھر میں ہیں۔ تو آپ نے جواب دیا کہ یہاں کوئی بایزید نہیں ہے اور فرمایا ''مَافِي الْبَيْتِ اِلَّا اللّٰهُ'' (اس گھر میں اللہ کے سوا کچھ نہیں ہے)۔[1] ایسے ہی کسی نے کہا ہے کہ میں دونوں جہانوں کی قید سے آزاد ہو جاؤں اگر اے خدا تو بندے کا ہم نشین بن جائے۔ درج ذیل شعر کا ترجمہ بھی ان ہی الفاظ میں موجود ہے۔

زقیدِ دو جہاں آزاد باشم اگر تو ہمنشینِ بندہٗ باشی

سرکارِ دو عالم ﷺ کی کیفیاتِ عبادت کے متعلق کون نہیں جانتا۔ آپ ﷺ جب عبادت کیلئے قیام فرماتے تو جوشِ محبت کے باعث آپ کے سینے سے پکتی ہوئی دیگ کی آواز سنائی دیتی حدیث کے الفاظ یہ ہیں ''وَفِيْ صَدْرِهٖ أَزِيْزٌ كَأَزِيْزِ الْمِرْجَلِ مِنَ الْبُكَاءِ''۔[2] غارِ حرا میں اور قیامِ شب کے دوران آپ اس قدر گریہ فرماتے کہ سجدے کی زمین تر ہو جاتی علامہؒ نے فرمایا ؎

ماند شبہا چشمِ أو محرومِ نوم تابہ تختِ خسروی خوابیدہ قوم[(۳۰۲)]

(کئی راتوں تک آپ کی چشمانِ مبارک نیند سے محروم رہیں، پھر کہیں آپ کی قوم تختِ خسروی پر سونے کے قابل ہوئی)

حضور ﷺ کی صحبت میں رہنے والے صحابہ کرام جو آپ کی محبت میں سرشار تھے آپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنے گھروں کو شب بیداری سے آباد رکھتے اور چونکہ حضور ﷺ سے یہ سلسلۂ عشق و محبت ابھی تک چلا آ رہا ہے اس لئے شب بیداری اور شب خیزی کا سلسلہ آج بھی بدستور قائم ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے والہانہ محبت کی شراب کو صرف ان لوگوں کیلئے مخصوص کیا ہے جو واقعتاً اس کے اہل ہیں اور اس کی محبت میں سرشار ہیں اور دونوں جہانوں کی محبت سے بے نیاز رہتے ہیں۔

جرعۂ مے را خدا آں می دہد کہ بداں مست از دوعالم می رہد

(اللہ تعالیٰ شراب کا گھونٹ اس کو دیتا ہے، جو اس کی وجہ سے دونوں عالم سے بے تعلق رہتا ہے)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا'' (ہم نے رات کو لباس بنایا) (النباء:۱۰)

''فتوحات'' میں ہے کہ رات اصحابُ اللّیل کا لباس ہے کیونکہ رات انہیں دوسروں کی نظر سے چھپا دیتی ہے اور وہ تنہائی میں مکالمہ، محاصرہ یا مشاہدہ کرتے ہیں۔ جب ساری دُنیا سوتی ہے تو اللہ کے خاص بندے اپنے سجدہ ہائے ناز سے، اپنے نالہ ہائے جگر گداز سے اور اپنی اشکباریوں سے، اپنے گوشۂ خلوت میں چراغاں کرتے ہیں

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ، ناشر، نشان منزل پبلیشرز۔

[2] صحیح ابن حبان، حدیث ۷۵۳، جلد ۳، صفحہ ۳۰۔

اوران کی شب بیداریوں کورات کی سیاہی لباس کی طرح ڈھانپ لیتی ہے۔

شبِ تاریکِ دوستانِ خدا می بتابد چوں روزِ رخشندہ

(خدا کے دوستوں کی تاریک راتیں' روزِ روشن کی طرح تابناک رہتی ہیں)

ایں سعادت بہ زورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(یہ سعادت اپنے بازوؤں کے بل پر نہیں (اس وقت تک) مل سکتی جب تک خدا کی عنایت نہ ہو)

قربِ الٰہی کی تلاش

اسلام اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی انسان کی منزلِ مقصود ہے۔عباداتِ شرعیہ اور احکاماتِ خداوندی کی بجا آوری اسی قُربِ الٰہی کے حاصل کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔قرآن میں جہاں صراطِ مستقیم کا ذکر ہوا وہاں اس سے مراد بھی خدا کا قرب حاصل ہونا ہی ہے اور فرمایا یقیناً میرا رب صراط مستقیم پر ہے"اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ" (ھود:۵۶) یعنی یہ راستہ ہے کہ جو سیدھا اللہ کے پاس لے جائے گا اور فرمایا کہ سب کا منتہیٰ (آخری ٹھکانہ) تیرے رب کی طرف ہے"وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی" (النجم:۴۲) یہ منزلِ قرب بھی کیا عجیب منزل ہے کہ راہ رو کی رفتار سے زیادہ رفتار کے ساتھ اس کی طرف بڑھتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جو میری طرف ایک قدم بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف دس قدم بڑھتا ہوں۔[1] یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ اتنی عظیم اور قادر ذات ہونے کے باوجود اس حقیر اور بے اختیار انسان کی طرف خود بڑھتا ہے۔اس سے بھی بڑی عجیب بات یہ ہے کہ یہ منزلِ قرب انسان کے قریب ہوتے ہوئے بھی اس کو محسوس نہیں ہوتی۔یہی وجہ ہے کہ خدا کے اس قسم کے غیر مرئی قرب میں اللہ کی ذات سے ایسا وصل نصیب ہوتا ہے جسے نہ وصل کہا جاتا ہے اور نہ جدائی۔ایسے وصل میں جدائی کا احساس ہونے کا باعث یوں نہیں ہوتا کہ قرب کی آرزو اور شوق کی موت واقع ہو جائے بلکہ"ہر دم نیا طور نئی برقِ تجلی" والی بات کی آرزو باقی رہتی ہے۔شاید اس وصل میں احساسِ جدائی باقی رہتا ہے، تبھی تو اس منزل کی طرف سفر کبھی ختم نہیں ہوتا، علامہؒ نے فرمایا ؎

جدائی شوق را روشن بصر کرد جدائی شوق را جوئندہ تر کرد

(اللہ سے جدائی نے میرے شوق کی آنکھیں کھول دی ہیں' اس جدائی نے شوق کو زیادہ تابندگی عطا کی ہے)

نمی دانم کہ احوالِ تو چوں است مرا ایں آب و گل از من خبر کرد (۲۰۳)

(میں نہیں جانتا کہ تیرے احوال کس طرح ہیں' (مگر اس کشمکش نے) میری پنہاں قوتوں سے مجھے آگاہ کر دیا ہے)

علامہؒ فرماتے ہیں کہ میری خاک کے ذرات سینا کی طرح ہیں (جہاں عیسیٰ علیہ السلام نے خدا کی تجلیات کو دیکھا) یا فاران کے پہاڑوں کی طرح ہیں (جہاں موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے جلوؤں کو دیکھا)۔علامہؒ فرماتے ہیں

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۷۰۶۹، جلد ۶، صفحہ ۲۶۹۴۔

اے بارِ خدا' یہ کیا مقام ہے کہ میری خاک کا ہر ذرہ آنکھ بنی ہوئی ہے اور تیری ذات کے مشاہدہ میں مَست ہے۔ یہی معنی درج ذیل شعر میں موجود ہیں۔

سینا است کے فاران است یارب چه مقام است ایں ہر ذرہ خاکِ من چشمے است تماشہ مست (۳۰۴)

خدا کے بیک وقت قرب اور جدائی کے باہم موجود ہونے کی کیفیت کو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان کیا ہے

میانۂ من و اُو' ربطہِ دیدہ و نظر است که در نہایتِ دُوری ہمیشه با اُویم (۳۰۵)

(میرا اور اللہ کا تعلق آنکھ اور نظر کے تعلق کی طرح ہے' میں بہت دور ہونے کے باوجود ہمیشہ اس کے ساتھ ہوں)

ایک اور شعر میں فرمایا ؎

ہم بخود و ہم باُو' ہجراں که وصال است ایں اے عقل چه می گوئی؟ اے عشق چه فرمانی (۳۰۶)

(ہم خود اپنے ساتھ ہیں اور خدا کے ساتھ بھی' یہ ہجر ہے یا وصال؟ اے عقل تو اس کیفیت کو کیا کہتی ہے اور اے عشق تو کیا فرماتا ہے؟)

حضرت بلھے شاہ نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے، فرماتے ہیں "اوّل ہو کے لامکانی ظاہر باطن وسدا جانی"

بلھیا رب اساں تو وکھ نئیں بن رب توں دوجا لکھ نئیں
پر ویکھن والی اکھ نئیں تاہیوں جان جدائی سہندی اے
منہ آئی بات نہ رہندی اے

کسی اور شاعر نے بھی کیا خوب کہا ہے کہ ؎

عُمر مکدیاں مکدیاں مک گئی ہے پینڈا یار دے در دا نئیں مکدا
یار دل دے اندر وسدا ایں سفر اپنے ہی گھر دا نئیں مکدا
سوہنا شہ رگ توں وی نیڑے ایں ڈونگا پینڈا ہجر دا نئیں مکدا

علامہ اقبالؒ نے فلسفۂ خودی کو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا ہے کیونکہ اس خودی کی پہچان سے ہی خدا کی پہچان ہوتی ہے۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ خدا لامحدود خودی ہے اور انسان محدود خودی کا مالک ہے۔ دونوں کا باہم رشتہ قائم ہے جیسے قرآن اور پارے کا، سمندر اور قطرے کا یا سورج اور ستارے کا۔ محدود خودی (انسان) کو لامحدود خودی (خدا) سے تقویت ملتی ہے اور کائنات سے الگ وجود رکھتے ہوئے بھی اس میں جاری ہے۔ اس لئے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ" (اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) (ق:۱۶)۔ یہ اس لئے کہا کہ اگر انسان خدا کو تلاش کرنا چاہتا ہے تو اپنے آپ کو تلاش کرے تو وہ خدا کو پا لے گا "مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ" راقم الحروف کی کتاب "اسلام روحانیت اور فکرِ اقبالؒ" میں چالیس صفحات پر مشتمل ایک مضمون "مَنْ اَنَا" کے عنوان سے لکھا جا چکا ہے۔ اس کا مطالعہ فرمائیں علامہ اقبالؒ مزید فرماتے ہیں۔ ؎

اگر خواہی خدا را فاش بینی خودی را فاش تر دیدن بیا آموز (۳۰۷)

(اگر خدا کو فاش دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے آپ کو فاش تر دیکھنا سیکھو)

علامہ اقبالؒ نے ایک اور جگہ فرمایا کہ اگر خدا کو تلاش کرو گے تو خود کو پاؤ گے اور خود کو تلاش کرو گے تو اس کے سوا کسی کو نہ پاؤ گے۔

کرا جوئی! چرا در پیچ و تابی کہ او پیداست تو زیرِ نقابی

(تم کس کو تلاش کرتے ہو؟ گھبراہٹ اور پریشانی میں کیوں ہو (دیکھو) خدا تو ظاہر ہے مگر تم خود در پردہ ہو)

تلاشِ او کنی جز خود نہ بینی تلاشِ خود کنی جز اُو نیابی (۳۰۸)

(اس کو تلاش کرو گے تو اپنے سوا کچھ نہ پاؤ گے اور اگر خود کو تلاش کرو گے تو سوائے خُدا کے کچھ نہ ملے گا)

علامہ اقبالؒ کے فلسفۂ خودی کو راقم الحروف کی تصنیف ''عقل و عشق اور فلسفۂ خودی'' میں بیان کر دیا گیا ہے جس کے مطالعے سے یہ مضمون مزید واضح ہو جائے گا۔

خدا کو بھی بندے کے وِصال کے بغیر قرار نہیں

''مثنوی گلشن رازِ جدید'' میں علامہؒ نے کچھ مشکل سوالات کا جواب دیا ہے ان میں سے ایک سوال کے جواب میں جو خدا انسان اور کائنات کی حقیقت اور ان کے رابطے کے بارے میں ہے فرماتے ہیں کہ ہستی اور وجود ایک ہے لہٰذا قدیم (خدا) اور حادث (انسان) کی جدائی کہاں ہے؟ عارف بھی خدا ہے اور معروف بھی وہی ہے۔ مگر انسان اس کی صفات کے پرتو سے صاحب سوز و ساز ہے۔ ان کے نزدیک عارِف اور معروف (قدیم) گو باہم رابطہ رکھتے ہیں مگر دونوں کا جُداگانہ وجود ہے اور محدث (دنیا) انسان اور خدا کے درمیان رابطے کا ذریعہ ہے فرماتے ہیں ۔

ازو خود را بریدن فطرتِ ماست تپیدن نا رسیدن فطرتِ ماست

(خدا سے جُداگانہ حیثیت میں رہنا ہماری فطرت ہے' تڑپنا اور مقصود تک نہ پہنچنا ہماری فطرت ہے)

نہ مارا در فراق او عیارے نہ اورا بے وصالِ ما قرارے (۳۰۹)

(رابطہ الٰہی کیلئے) ہمارے پاس اس کے فراق کے علاوہ کوئی کسوٹی نہیں' اور نہ خدا کو ہمارے وصال کے بغیر قرار ہے (ہماری پہچان یہ ہے کہ ہم اس کے فراق میں رہتے ہیں اور وہ ہمارے بغیر قرار نہیں پاتا)

جدائی خاک را بخشد نگاہے دہد سرمایہ کوہے بکاہے (۳۱۰)

(یہ فراق انسان کو نگاہ بخشتا ہے گویا ایک گھاس کے تنکے کے بدلے پہاڑ کا سرمایہ دیتا ہے)

فرماتے ہیں کہ فنا یہ نہیں کہ قطرہ سمندر میں مل جائے تو اپنی انفرادیت کو ختم کر دے بلکہ کمال تو یہ ہے کہ قطرہ خود اپنے اندر سمندر کی وسعت پیدا کرے کیونکہ خدا کی ایک لامحدود خودی میں انسان کی محدود خودی کا

سمانا محال ہے ؎

به بحرش گم شدن انجامِ ما نیست　　اگر اورا تودر گیری فنا نیست

(اس (خدا) کے سمندر میں گم ہو جانا ہمارا انجام نہیں ہے اور اگر اس کو اپنا لے تو یہ فنا نہیں ہے)

خودی اندر خودی گنجد محال است　　خودی را عینِ خود بودن کمال است [۳۱۱]

(خدا کی) خودی میں (انسان) کی خودی کا سمانا محال ہے خودی کا اپنی ذات میں رہنا ہی کمال ہے)

یہی وجہ ہے کہ علامہؒ نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ میں اس مقامِ بندگی کو چھوڑ کر شانِ خداوندی قبول کرنا نہیں چاہتا'' مقام بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی'' علامہؒ زبورِ عجم میں فرماتے ہیں ؎

ما از خدائے گم شدہ ایم، او بہ جستجوست　　چوں ما نیاز مند و گرفتار آرزوست

(ہم خدا سے خود کو گم کر چکے ہیں اور وہ (ہماری) جستجو میں ہے، وہ بھی ہماری طرح نیاز منداور ہماری آرزو میں گرفتار ہے)

گاہے به برگِ لاله نویسد پیام خویش　　گاہے درون سینه مرغاں به ہاو ہوست

(کبھی (اس بے قراری میں) وہ لالے کے پتے پر اپنا پیغام لکھتا ہے، اور کبھی (خوش الحان) پرندوں کے سینوں میں ھاو ھو کرتا ہے)

در نرگسِ آرمید که بیند جمالِ ما　　چنداں کرشمه داں که نگاہش بگفتگوست

(کبھی وہ نرگس میں سکون پکڑ تا رہا تا کہ ہمارا جمال دیکھے یہ اسی کا کرشمہ ہے کہ نرگس کی آنکھ گفتگو کرتی ہے)

آہے سحر گہے که زند در فراقِ ما　　بیرون و اندروں، زبرو زیر و چار سوست

(آہ سحر اس نے ہمارے فراق میں لگائی ہے، وہ آہ کہ جو کائنات کے اندر، باہر، نیچے، اوپر اور چار سو پھیلی ہوئی ہے)

ہنگامه بست از پئے دیدارِ خاکئے　　نظارہ را بہانه تماشائے رنگ و بوست [۳۱۲]

(دنیا کا ہنگامہ پیدا کیا کہ انسان خاکی کا دیدار کرے، یہ دنیائے رنگ و بو اسی کے نظارہ کرنے کا بہانہ ہے)

آدمی شمشیر و حق شمشیر زن　　عالم ایں شمشیر را سنگِ فن

(آدمی تلوار ہے اور اس کے چلانے والا اللہ تعالیٰ ہے، اور یہ دنیا اس تلوار کو تیز کرنے والا پتھر ہے)

چشم بر حق باز کردن بندگی است　　خویش راہ بے پردہ دیدن زندگی است

(اللہ کی طرف نگاہ کو کھولنا عبادت ہے اپنے آپ کو بے پردہ دیکھنا ہی زندگی ہے)

بنده چوں از زندگی گیرد برأت　　ہم خدا آں بنده را گوید صلوات [۳۱۳]

(جب بندہ زندگی سے بے نیاز ہو جائے تو خود خدا اس بندے پر درود بھیجتا ہے)

<u>مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اس کی تلاش میں ہی چھپا ہوا ہے۔ جس قدر تلاش زیادہ ہوگی قرب بھی اسی قدر زیادہ نصیب ہوگا۔ اولیائے کرام اپنے اوقات کو ہمہ وقت اللہ کی یاد سے آباد</u>

رکھتے ہیں تاکہ اس کا قرب نصیب ہو۔

شب خیزی میں غلبۂ رُوحانیت

بہت سی احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ رات کی عبادت کو دن کی عبادات پر بہت زیادہ فضیلت حاصل ہے۔صوفیا کا قول ہے کہ آخرت میں اگر کوئی عبادت کام آنے والی ہے تو وہ شب خیزی کی سعادت ہے۔رات کی عبادت کا وزن اس قدر بھاری ہے کہ وہ دن کے تمام اعمال پر غلبہ حاصل کر لیتی ہے۔یہی وجہ ہے عشاق لوگ راتوں میں اللہ تعالیٰ سے خلوت حاصل کر لیتے ہیں اور اس کی رضا کے آسانی سے حق دار بن جاتے ہیں۔

عاشقوں کا ہر سانس عبادت میں ہے

شب خیزی عشقِ الٰہی کے بغیر ممکن نہیں اور عشقِ الٰہی کا حاصل ہونا خواص کا شیوہ ہے۔خواص وہ لوگ ہیں جو اللہ کی رضا پر راضی رہتے ہیں اور بعد وفات بھی وہ ایسے کام کرتے ہیں جو اللہ کے فرشتے کرتے ہیں۔فرشتے اللہ تعالیٰ کے احکام بجالاتے ہیں اور کھانے پینے سے آزاد ہیں۔علماء کرام کی علامات یہ ہیں کہ وہ حرام وحلال میں تمیز کرتے ہیں۔محبان الٰہی جب دنیا کے کاروبار سے فارغ ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف یکسوئی سے منہمک ہو جاتے ہیں۔جب دنیا والے آرام کی نیند سوتے ہیں تو یہ اللہ کے دروازے پر دستک دیتے ہیں۔لوگ اپنے مشکل کاموں کیلئے امراء کے دروازوں پر جاتے ہیں لیکن یہ لوگ اللہ کے دروازے سے سب کچھ حاصل کرتے ہیں۔عام لوگ اللہ کی یاد کیلئے فراغت حاصل نہیں کر سکتے مگر یہ خدا کے درویش دنیائے فانی کیلئے وقت نکالنا مشکل سمجھتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کی کفایت کرتے ہیں۔ایسا کیوں نہ ہو کہ اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کے ہر کام میں کفایت کرے گا۔''اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ'' (الزمر:۳۶) (کیا اللہ بندے کیلئے کافی نہیں)،شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

طریقت جز ایں نیست درویش را   کہ افگندہ دارد تنِ خویش را

(درویش کیلئے طریقت اس کے سوا کچھ نہیں، کہ اپنے تن کو خدا کیلئے ہلاک کرے)

بزرگاں نہ کردند درخود نگاہ   خدا بینی از خویشتن بیں مخواہ

(بزرگ لوگ اپنی طرف تو نگاہ نہیں کرتے، خدا بینی کی جگہ خود بینی ہرگز نہ چاہو)

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ جو جس کا طالب ہے اس کا مطلوب اس کی طرف راغب ہو کر اس کی فکر کرتا ہے۔چنانچہ جس کی توجہ اللہ کی طرف ہو تو اللہ تعالیٰ خود اس کی کارسازی فرماتے ہیں۔خدا کا بندے کے ساتھ یہ اقرار ہے''تو چرا باشی بفکرِ مبتلا۔کارسازِ ما بفکرِ کارِ ما'' یعنی تم فکر میں کیوں مبتلا ہوتے ہو۔کارساز تو ہم ہیں اور تمہارے لئے فکر کرنا تو ہمارا کام ہے، چنانچہ تم کلیتہً اللہ کی طرف رغبت کو استوار رکھو اور کاروبار صرف اسباب کی حد تک رکھو،مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

میلِ جاں در حکمت است و در علوم　　میلِ تن در باغ و راغ و در کزوم[۳۱۴]

(رُوح کا میلان حکمت اور علوم کی طرف ہے، جسم کا میلان باغ وصحرا اور انگور کی طرف ہے)

میلِ جاں اندر ترقی و شرف　　میلِ تن در کسبِ اسباب و علف[۳۱۵]

(روح کا میلان ترقی اور شرف کی طرف ہے، جسم کا میلان اسباب اور خوراک حاصل کرنے کی طرف ہے)

حاصل آنکہ ہر کہ او طالب بود　　جانِ مطلوبش برو راغب بود[۳۱۶]

(خلاصہ یہ کہ جو بھی طالب ہوتا ہے، مطلوب کی جان اس کی طرف راغب ہوتی ہے)

شیخ مینا قدس سرہ نے فرمایا کہ مردانِ خدا وہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی پیروی کر کے دمِ زدن میں آسمان اور فرشتگان سے گزر جاتے ہیں اور اپنا قدم ''قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی'' پر رکھتے ہیں اور جن وانس کے اعمال کی جانب متوجہ نہیں ہوتے کیونکہ ''نَفَسٌ مِّنْ اَنْفَاسِ الْعَاشِقِیْنَ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَۃِ الثَّقَلَیْنِ'' (عاشقوں کا ایک سانس جن اور انسانوں کی عبادت سے بہتر ہے)۔ صوفیاء کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ''وَعَهِدْنَا اِلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْمَاعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ'' سے مراد یہ ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ خانۂ دل کو دنیا اور آخرت کی کثافتوں سے صاف رکھو کیونکہ یہ دوست کا حرم ہے یعنی دل کو ملاحظۂ اغیار سے پاک رکھو۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ اگر بہشت میں اللہ کے دیدار کا وعدہ نہ ہوتا تو عارفوں کی زبانوں پر بہشت کا نام بھی نہ آتا۔ اس لئے (چونکہ دیدارِ الٰہی مطلوب ہے جنت نہیں) تو جنت اہلِ معرفت کیلئے زنداں ہے جس طرح اہلِ ایمان کیلئے دنیا قید خانہ ہے۔ اس عشق اور محبت کے سبب اللہ والے اپنا قبلۂ توجہ ہر وقت خدا کو بنائے رکھتے ہیں اور اسی رجوع کی وجہ سے اللہ والوں کی نگاہ خدائے تبارک و تعالیٰ کے جلوؤں کی دنیا میں بھی ضیا پاشی محسوس کرتی ہے۔

دورم بظاہر از درِ دولت سرائے دوست　　لیکن بہ جان و دل زمقیمانِ حضرتم

(اگرچہ بظاہر دوست کے گھر کے دروازے سے دور ہوں لیکن دل وجان سے اس کی بارگاہ کے حاضرین میں سے ہوں)

جب اہل اللہ شب کی تنہائیوں میں بیٹھتے ہیں تو انہیں اپنی خلوت میں خدا اور رسول ﷺ کی جلوت نصیب ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ رات کی طویل گھڑیاں اس طرح گزر جاتی ہیں جیسے ابھی رات ہوئی اور سورج بلند ہو گیا۔ وہ مخلوق میں رہتے ہوئے بھی ان سے بے نیاز اور دنیا کی تابانیوں سے کنارہ کش رہتے ہیں ؎

ما از میانِ خلق کنارے گرفتہ ایم　　اندر کنارے خویش نگارے گرفتہ ایم

(ہم لوگوں کے درمیان ہو کر بھی کنارہ کش ہیں، اپنے پہلو میں اپنے محبوب کو لگائے ہوئے ہیں)

دامن نخست برہمہ عالم فشاندہ ایم　　وانگہ بہ صدق دامنِ یارے گرفتہ ایم

(پہلے تو ہم نے پوری دنیا سے اپنے دامن کو چھڑا لیا اور پھر صدق کے ساتھ یارِ حقیقی کا دامن تھام لیا ہے)

یہ لوگ اپنے اسی نگارِ حقیقی کو دل سے باہر نہیں جانے دیتے، بقول حافظؒ عشق دنیا کے برخلاف عشقِ حقیقی کے گرفتار غلام نہیں بلکہ آزاد ہوتے ہیں ۔

خلاص حافظ ازاں زلفِ تابدار مباد ۔۔۔ کہ بستگان کمندِ تو رستگارانند

(خدا کرے حافظ اپنے محبوب کی زلف تابدار سے خلاصی حاصل نہ کرے کیونکہ تیری کمند کے گرفتار آزاد ہوتے ہیں)

رجوع میں عروج ہے

منقول ہے کہ حضرت اسماعیل شاہ صاحب کرمانوالے'' ایک مجلس میں تشریف فرما تھے کہ آپ نے ایک مولوی صاحب سے پوچھا ''رجوع'' کے کتنے حروف ہیں؟ کہا کہ حضور چار حروف ہیں، پھر آپ نے دوسرے مولوی صاحب سے کہا کہ ''عروج میں کتنے حروف ہیں؟ انہوں نے عرض کیا چار، پھر آپ نے تیسرے مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ رجوع میں وہی حروف ہیں جو عروج میں ہیں (یعنی رٗ جٗ وٗ عٗ)، پھر آپ نے نہایت جذبے کی کیفیت میں فرمایا کہ جتنا بارگاہ الٰہی میں رجوع کیا جائے گا اتنا ہی عروج ملے گا، اس طرح جتنا جتنا رجوع حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیائے کرام کی طرف ہوگا اسی تناسب سے عروج اور روحانی ارتقاء ہوگا اور اُن سے فیض ملے گا، مراقبہ اسی رجوع کی ایک صورت ہے۔ اگر کوئی کسی بزرگ کی طرف رجوع کر کے بیٹھ جائے تو اس کا فیض ملنا شروع ہو جاتا ہے کیونکہ یہ رجوع ان کا قرب عطا کرتا ہے۔ رجوع کا مدعا یہ ہے کہ کوئی لمحہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد سے خالی نہ گزرے کیونکہ عدمِ رجوع دوری کا باعث بنتا ہے اور عشق میں دوری نہیں ہوتی۔

حد ادراک سے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی ۔۔۔ سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت ہے دوری (۳۱۷)

یہ بھی منقول ہے کہ حضرت کرمانوالے'' کے پاس ایک دن ایک ہندو منشی رام آیا اور عرض کیا کہ بندے کو ذکر کا طریقہ بتایا جائے۔ آپ نے فرمایا گھر جا کر پچھلی رات اٹھ کر گھر کے ایک کونے میں دل کی طرف توجہ کر کے بیٹھ رہا کرو۔ اس کام کے بارے میں گھر کے کسی فرد کو نہ بتانا ورنہ سب مست ہو جاؤ گے۔ اس کے بعد اس ہندو کو کئی بار حضرت کے پاس بے خودی کے عالم میں بیٹھے دیکھا گیا۔ اس سلسلے میں ہماری کتاب ''اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبال'' میں درج شدہ مضمون دیکھیں۔

غلبۂ روحانیت سے منازل جلد طے ہو جاتی ہیں

عاشقانِ الٰہی جذبے کے راستے سے قطعِ منازل (منزلیں طے) کرتے ہیں اور اس طرح بغیر مجاہدہ اور بغیر ریاضت غلبۂ روحانیت سے تھوڑے عرصے میں منازل سلوک طے ہو جاتے ہیں۔ منازلِ سلوک طے کرنے کا دوسرا راستہ تصفیۂ سلوک اِلی اللہ ہے، اس میں مجاہدات، عبادات اور اوراد و وظائف، اذکار اور دیگر مشاغل کے ذریعے مدارجِ سلوک طے کئے جاتے ہیں۔ سالک کو سب سے پہلے ذکر اور دیگر مشاغل کیلئے اس

لئے حکم دیا جاتا ہے کہ سالک کو جذبہ کی دولت حاصل ہو سکے اور جس کو یہ دولت میسر آ گئی وہ تمام منازلِ سلوک، غلبۂ روحانیت کی وجہ سے تھوڑی سی مدت میں ہی طے کر لیتا ہے۔ جب کوئی مشاہدۂ محبوب حاصل کر لے تو اس کے دل میں پیدا شدہ بے قراری تمام منازلِ سلوک طے کرنے میں مدد دیتی ہے۔

کدام کس کہ ترا دیدو بے قرار نشد　　کدام دل کہ تو غمزہ زدی فگار نشد

(وہ شخص کون ہے کہ جس نے تجھے دیکھا اور بے قرار نہ ہوا، وہ کون سا دل ہے کہ تیری ادا کا نشانہ بنا اور پارہ پارہ نہ ہوا)

مشائخ کا قول ہے کہ جس کو محبوبِ حقیقی کے حسن و جمال (جو تمام تعینات پر بکھرا ہوا ہے) کا مشاہدہ ہو جائے تو وہ عقل و ہوش کو کھو بیٹھتا ہے اور عقل کے گم ہوتے ہی شریعت سے آزاد ہو کر دین کو بھی الوداع کہہ دیتا ہے کیونکہ وہ ذاتِ الٰہی کے جلوؤں میں کھو جاتا ہے، اس کو مقام فنافی اللہ کہتے ہیں۔ درج ذیل اشعار میں شیخ کمال خجندی اور دیگر شعرا نے اسی طرح اشارہ کیا ہے۔

چشم گرایں است و ابروایں، و ناز و عشوہ ایں　　الوداع اے زہد و تقویٰ، الفراق اے عقل و دیں

(اگر دوست کی آنکھوں (ذات)، ابرو (پردے) ناز و عشوہ کا عالم یہ ہے، تو زہد و تقویٰ اور عقل و دیں کو ہم الوداع کہتے ہیں)

آتشِ رخسارِ گل، خرمنِ بلبل بسوخت　　چہرۂ خندانِ شمع، آفتِ پروانہ شد

(پھول کے چہرے کی آگ نے بلبل کے جسم کو جلا ڈالا، شمع کا مسکراتا ہوا چہرہ پروانے کیلئے وجہ آفت بن گیا)

مست گشتم از دو چشمِ ساقی، پیمانہ نوش　　الوداع اے ننگِ ہستی، الفراق اے عقل و ہوش

(پیمانہ نوش ساقی کی دو آنکھوں سے میں مست ہو گیا، چنانچہ احساسِ ہست و نیست اور عقل و ہوش کو الوداع کر دیا)

روایات میں ہے کہ صوفی شاعر مغربی کو ان کے مرشد شیخ اسماعیل سیسیؒ دیگر مریدوں کے ساتھ چلے میں بٹھانے کی تیاری کر رہے تھے تو مغربی نے درج ذیل اشعار پڑھے، جس کا مطلب تھا کہ ہم نے جذبہ کے طریق سے خدا تک پہنچنے کے تمام منازل طے کر لیے ہیں، اب ان چلوں اور ریاضات سے کیا حاصل ہوگا؟

ما مہرِ تو دیدیم و ذرات گزشتیم　　از جملہ جہاں از پئے آں ذات گزشتیم

(ہم نے تیرے آفتاب کو دیکھ لیا ہے اور ذرات سے گزر چکے ہیں، اور سارا جہان چھوڑ کر اس ذات تک پہنچ چکے ہیں)

در خلوتِ تاریک ریاضات کشیدیم　　در واقعہ از سبع سموات گزشتیم

(تاریک خلوت گاہوں کے مجاہدات سے گزر گئے حالتِ واقعہ میں سات آسمانوں سے ہم آگے جا چکے ہیں)

دیدیم کہ ایں ہا، ہمہ خواب و خیالات　　مردانہ ازیں خواب و خیالات گزشتیم

(ہم نے دیکھا کہ یہ سب دنیا خواب و خیال ہے ہم مردانہ وار اس خواب و خیالات سے گزر چکے ہیں)

با ما سخن از کشف و کرامات مگوئید　　چوں ما زسرِ کشف و کرامات گزشتیم

(ہمارے ساتھ کشف و کرامات کی بات نہ کرو، کیونکہ ہم کشف و کرامات کے اسرار کو پا چکے ہیں یعنی صفات سے

ذات تک رسائی مل گئی ہے)

اے شیخ اگر جملہ کمالاتِ تو ایں است　　　　خوش باش کزیں جملہِ کمالات گزشتیم

(اے شیخ اگر یہی تمہارے لئے سببِ کمالات ہیں، تو تو خوش ہو جا کہ ان کمالات سے ہم آگے گزر چکے ہیں)

ایں جا بہ حقیقت ہمہ آفاتِ طریق اند　　　　ما در طلب از جملۂ آفات گزشتیم

(دنیا کی سب چیزیں راہِ طریقت کی آفات ہیں، لیکن ہم طلبِ صادق کی وجہ سے ان آفات سے گزر چکے ہیں)

ما از پئے نورے کہ بود مشرقِ انوار　　　　از مغربی و کوکب و مشکوۃ گزشتیم

(ہم اس ایک نور کی خاطر جو منبعِ انوار ہے (اللہ)، ہم خود سے اور کوکب (ستارے) و مشکوٰۃ (چراغ) سے گزر چکے ہیں)

صوفی شاعر عراقی نے بھی اس راستے کی طلب کا اظہار کیا کیونکہ مجاہدات اور دیگر عبادات کا راستہ بہت طویل ہے جب کہ قلندرانہ طریق قیدِ زماں و مکان اور تکلفاتِ شرعیہ سے آزاد ہے ۔

پسرا رہِ قلندر سزد ار بمن نمانی　　　　کہ دراز و دور بینم رہِ زہد و پارسانی

(اے دوست اگر مجھے دکھاتے ہو تو سزاوار راستہ قلندرانہ ہے، کیونکہ زہد و پارسائی کی راہ بہت دور کی راہ ہے)

بہ زمیں چو سجدہ کردم، ز زمیں ندا بر آمد　　　　کہ مرا خراب کر دی تو بہ سجدۂ ریانی

(جب میں سجدہ کرتا ہوں تو زمین سے آواز آتی ہے، کہ تو نے مجھے ریا آلودہ سجدوں سے خراب کیا ہے)

بطوافِ کعبہ رفتم زحرم ندا برآمد　　　　کہ بروں در چہ کر دی کہ درونِ خانہ آئی

(میں نے کعبہ کا طواف کیا تو اندر سے آواز آئی کہ تو نے دروازے سے باہر کیا کیا ہے کہ اب اس گھر کے اندر آتا ہے)

بقمار خانہ رفتم، ہمہ پاکباز دیدم　　　　چو بصومہ رسیدم ہمہ یافتم دغانی

(جواء خانے میں گیا تو سب کو پاکباز پایا، جب عبادت گاہ میں گیا تو سب کو دغاباز دیکھا)

درِ دیر را زدم من، زدروں ندا برآمد　　　　کہ بیا! بیا! عراقی تو از خاصگانِ مانی

(میں نے بتخانے کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے آواز آئی، آؤ آؤ عراقی تم ہمارے خاص آدمی ہو)

جواء بازوں کو پاکباز اس لئے کہا کہ ان کے ظاہر اور باطن میں اختلاف نہیں ہے جیسے علامہؒ نے بھی فرمایا ہے۔

ہزار خوف ہو، لیکن زباں ہو دل کی رفیق　　　　یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں　　　　فقط یہ بات کہ پیرِ مغاں ہے مردِ خلیق

علاجِ ضعفِ یقیں ان سے ہو نہیں سکتا　　　　غریب اگرچہ ہیں رازی کے نکتہ ہائے دقیق (۳۱۸)

درجِ بالا کلام سے مُراد یہ ہے کہ جذبہ ہی سالک راہِ طریقت کی بے بہا پونجی ہے جس سے سالوں کے راستے دنوں میں طے ہوتے ہیں۔ راہِ طریقت کی یہ طویل راہیں شرابِ عشق کے متوالے چشمِ زدن میں طے کر لیتے ہے۔

جائے کہ زاہدے بہ صد ماہ می رسد　　　　مستِ شرابِ عشق بہ یک آہ می رسد

(وہ جگہ جہاں زاہد سینکڑوں ماہ میں پہنچتا ہے شرابِ عشق کا مست ایک آہ میں پہنچ جاتا ہے)

مشغولیت کے باوجود کثرتِ عبادت

آج کے مسلمان کا یہ عالم ہے کہ وہ دنیاوی لذات کو حاصل کرنے کیلئے آسانی سے وقت نکال سکتا ہے مگر عبادات اور نیک کاموں کیلئے ہمیشہ مشغولیت کا عذر پیش کرتا ہے۔ مقربینِ الٰہی اہم دنیاوی ذمہ داریوں کے باوجود کثرتِ عبادت میں خود کو مشغول رکھتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کی سوانح حیات کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ علمِ حدیث کی جو خدمات آپ نے انجام دیں کسی اور امام کو وہ مقام حاصل نہیں، اس لئے آپ کو امامِ اعظم کہا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمام احادیث جواب تک مسلمانوں کو پہنچی ہیں ان کی بہت بڑی کثرت امام صاحبؒ نے ہم تک پہنچائی ہے۔ شاید چند ہی احادیث ہوں گی جو ان کی نظروں سے بچ سکی ہوں۔ احادیث کے جمع کرنے کا اتنا بڑا کام امام موصوف کو ہمہ وقت مشغول رکھنے کیلئے کافی تھا مگر جب ہم ان کی کثرتِ عبادت و ریاضت پر نظر ڈالتے ہیں تو عقل حیران رہ جاتی ہے کہ اتنے بڑے کام کو انجام دینے والے عالم کو اس قدر طویل عبادتوں کیلئے وقت نکالنا کیسے ممکن ہو سکتا تھا۔ اگر کوئی امام صاحب کی خدمتِ حدیث، قرآن خوانی اور شب بیداری کے حالات کو آج کے کسی نوجوان کے سامنے پیش کرے تو وہ اس کو تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دے گا۔ امام احمد بن حنبلؒ بھی اپنی دینی خدمات کے باوجود روزانہ تین سو نفل پڑھتے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیتے، ایک رات میں ہر روز قرآن ختم کرنے والے سینکڑوں بزرگوں کے نام مستند کتابوں میں آ چکے ہیں۔ حضرت محمد بن منکدرؒ حفاظِ حدیث میں سے تھے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ تمام رات روتے رہے اور یہ آیت پڑھتے رہے۔ ''وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ'' (زمر:۴۷) (اور ان پر اللہ کی طرف سے وہ بات ظاہر ہوئی جو ان کے خیال میں بھی نہ تھی)۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درج ذیل ایک ہی آیتِ طیبہ کی تلاوت میں تمام رات گزار دی اور ساری رات روتے رہے۔

''وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ'' (یٰسین:۵۹) (اے مجرمو! آج کے دن تم الگ ہو جاؤ)۔

سورۂ الرعد کی آیت ۱۸ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر ظلم کرنے والے کے پاس دنیا کی ساری چیزیں ہوں اور اتنی ہی ان کے ساتھ اور بھی ہوں جسے وہ اس عذاب سے چھوٹنے کیلئے دینے لگیں تو بھی ناکافی ہوں گی۔ بزرگوں کا یہ قاعدہ رہا ہے کہ اس قسم کی آیات جب تلاوت کرتے تو ساری رات گریہ وزاری میں گزار دیتے۔ اس سلسلے میں ''خوفِ خدا'' کا بیان راقم الحروف کی کتاب ''متاعِ اخلاق'' میں مطالعہ فرمائیں۔ احادیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے بہت خوش ہوتے ہیں جو سردی کی راتوں میں نرم بستر میں لیٹا ہو دل میں جگہ کرنے والی بیوی بھی ہو اور پھر تہجد میں اٹھے اور نماز پڑھے۔ روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے یہ بھی دریافت فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنے آرام کو چھوڑ کر تہجد کیلئے اٹھ بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے متعلق فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ اس بندے کو کس چیز نے مجبور کیا ہے کہ آرام

چھوڑ کر اس طرح کھڑا ہو گیا فرشتے کہتے ہیں، ''اے خداوند کریم! آپ کے لطف و عطا کی امید سے اور آپ کے عتاب کے خوف سے'' ارشاد ہوتا ہے کہ ''اچھا جس چیز کی اس نے مجھ سے اُمید رکھی وہ میں نے اسے عطا کی اور جس چیز سے اس کو خوف ہوا اس سے امن بخشا''۔

یاد رہے کہ حضور ﷺ طویل عبادات میں مشغول رہتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ ہم سے باتیں کرتے تھے مگر جب نماز کا وقت آتا تو ایسے ہو جاتے جیسے ہم کو پہچانتے ہی نہیں اور ہمہ تن اللہ کیساتھ مشغول ہو جاتے۔ بکر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو اپنے مالک سے بلا واسطہ بات کرنا چاہے تو جب چاہے کر سکتا ہے۔ کسی نے پوچھا کہ اس کی کیا صورت ہے، فرمایا اچھی طرح وضو کرے اور نماز کی نیت باندھ لے۔

حضرت ربیع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو مجھ پر اس بات کا فکر سوار ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے کیا کیا سوال و جواب ہوگا۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کہ آج سجدے کی رات ہے اور تمام رات کبھی سجدے میں گزار دیتے اور کبھی رکوع میں رات گزار دیتے۔ اللہ کے بندوں کی ایک علامت سورہ فرقان کی آیت نمبر ۶۴ میں بھی فرمائی گئی ہے ''وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا'' (اللہ کے بندے وہ ہیں جو رات بسر کرتے ہیں اپنے رب کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور قیام میں کھڑے ہو کر)۔

بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ مجھ پر اس وقت تک اللہ کے قرب کا دروازہ نہ کھلا جب تک نیند کا دروازہ بند نہ ہوا۔ حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ بیس برس کے عرصے سے کبھی ایسا نہ ہوا کہ اذان ہوئی اور میں مسجد میں پہلے ہی موجود نہ ہوتا۔ محمد بن واسعؒ فرماتے ہیں کہ میں دنیا میں صرف تین چیزیں چاہتا ہوں۔ ایک ایسا دوست جو میری لغزشوں سے مجھے متنبہ کرتا رہے۔ دوسرے بقدرِ کفایت زندگی بھر ایسی روزی کا ملنا جس میں (حرام کا) جھگڑا نہ ہو۔ تیسری ایسی جماعت کے ساتھ نماز کہ جس سے کوتاہی ہو جائے تو معاف ہو اور اس کا ثواب مجھے مل جائے۔ مزید کچھ اولیائے کرام کی کثرتِ عبادت کے احوال آئندہ صفحات پر قیام اللیل کے بیان میں ملاحظہ فرمائیں۔

مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا (قیامِ شب)

قیامِ شب کرنے والوں کی فضیلت اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا ''تم جانتے ہو کہ بڑا آدمی کون ہے؟ فرمایا ''أَشْرَافُ أُمَّتِيْ حَمَلَةُ الْقُرْآنِ وَأَصْحَابُ اللَّيْلِ'' (راتوں کو اٹھنے والے اور حاملِ قرآن)۔[1] قیامِ شب کی خوبی بہت بڑی دولت ہے جو لاکھوں میں سے ایک نمازی کو بھی مشکل سے نصیب ہوتی ہے۔ حضور ﷺ کے قیام شب فرمانے کیلئے قرآن کی آیات شاہد ہیں جن میں سورۂ

---

[1] مشکوۃ المصابیح، حدیث ۱۲۳۹، جلد ۱، صفحہ ۳۹۰۔

طٰہٰ اور المزمل (کی آیات) خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان آیات میں فرمایا گیا ہے کہ" طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى " (طٰہٰ:۱۔۲) (اے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں اتارا ہم نے آپ پر قرآن اس لئے کہ آپ مشقت میں پڑیں)۔ طٰہٰ، حروفِ مقطعات میں سے ہے جس کے معنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی جانتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ طٰہٰ کے معنی یَارَجُلُ (اے شخص) اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اے چودھویں کے چاند ہیں کیونکہ "ط" کا عدد نو اور "ہ" کا عدد پانچ کو ظاہر کرتا ہے، دونوں کا مجموعہ ۱۴ ہوا۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ شمعِ اسلام کو منور فرمایا لیکن بہت سے کفار اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اسلام کی مخالفت پر کمربستہ رہے۔ آپ نے ان کو بہت محنت اور مشقت سے قرآن کی آیات سمجھائیں مگر ان پر اثر نہ ہوا۔ اس بات پر احادیث بھی شاہد ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام رات نماز و تلاوت میں کھڑے گزار دیتے یہاں تک کہ قدم مبارک سوج جاتے اور کفار کیلئے ایمان لانے کی دعا کرتے۔[۱] اس آیت (طٰہٰ) میں یہ حکم ہوا کہ اے ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر اتنی سختی کی ضرورت نہیں، آسانی سے آپ جتنا بھی پڑھ سکیں اتنا ہی کافی ہے۔ لغت میں شقا کے معنی مشقت اور تھکاوٹ کے ہیں۔[۲] سورہ المزمل آیت نمبر ۲ میں فرمایا" قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا " یعنی رات کو (نماز کیلئے) قیام فرمایا کیجئے مگر تھوڑا یعنی (نصف رات یا اس سے کم و بیش) سورۃ المزمل آیت نمبر ۶ میں ہے" اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِىَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا " (یعنی بے شک رات کا قیام (نفس کو) سختی سے روندتا ہے اور بات کو درست کرتا ہے) یعنی اس وقت نہ شور و غل ہوتا ہے اور نہ کسی کام کی جلدی ہوتی ہے اس لئے قرآن کریم کی تلاوت بڑے صحیح طریقے سے ہوتی ہے اور لطفِ کلام اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ دل سے جو بات نکلتی ہے وہ صحیح اور پُراثر نکلتی ہے۔ مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ تہجد کے وقت قرآن پڑھنے سے اللہ کا قرب ملتا ہے اور ان لوگوں کے دلوں میں رقت، حلاوت اور انوار کی آمد ہوتی ہے۔ یہ قربِ الٰہی کی دلیل ہے جیسے قرآن میں فرمایا" وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا " (بنی اسرائیل:۷۹) (اور رات کے بعض حصہ میں (اٹھیے) اور نماز تہجد (قرآن کے ساتھ) ادا کیجئے یہ (نماز) زائد ہے آپ کیلئے یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا)۔ تہجد ہجود سے بنا ہے جس کے معنی امام زہری نے نیند کو ترک کرنے کے کئے ہیں۔[۳] ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اچھی آواز سے تلاوت کرنے والے کی آواز سے زیادہ اور کسی چیز کو اس قدر اہتمام سے نہیں سنتا۔

---

۱ صحیح بخاری، حدیث ۴۵۵۶، جلد ۴، صفحہ ۱۸۳۰۔

۲ تفسیر القرطبی، جلد ۱۰، صفحہ ۷۲۔

۳ مختار الصحاح، جلد ۱، صفحہ ۲۸۸۔

قِیَامُ اللَّیل کی وضاحت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے "قِیَامُ الَّیْلِ بَعْدَ النَّوْمِ"[1] (سونے کے بعد اٹھنے کو قیام اللیل کہتے ہیں)۔ ابن کیسانؒ نے فرمایا "ھِیَ الْقِیَامُ عَنْ آخِرِ الَّیْلِ"[2] (رات کے آخری حصہ میں قیام کرنا قیام اللیل ہے)، اور سورۃ المزمل میں آنے والے الفاظ "اَشَدُّ وَطْأً" سے مراد ہے کہ راحت سے بیدار ہونا نرم اور گرم بستر سے اٹھ کر وضو کرنا، نماز پڑھنا، ذکر و اذکار کرنا انسان کیلئے بہت گراں اور شدید ہے اور راتوں کو بیدار رہنے والا نفس کی سرکوبی کرتا ہے۔ ابتداء میں تو اٹھنے کو دل نہیں چاہے گا لیکن جب اٹھے گا تو اونگھ اور نیند پریشان کرتی ہے۔ مگر آہستہ آہستہ جب نفس درست ہو جائے تو شب بیداری میں کوئی رکاوٹ نہیں رہتی' جس طرح بچے کو جب ماں کا دودھ چھڑوایا جائے تو چند دن کیلئے وہ روتا ہے مگر بالآخر ماں کا دودھ چھوڑ دیتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک متفق علیہ حدیث میں ہے کہ سرکار نے فرمایا "إِذَا مَضٰی شَطْرُ الَّیْلِ أَوْ ثُلُثَاهُ یَنْزِلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی إِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا فَیَقُوْلُ هَلْ مِنْ سَائِلٍ یُعْطٰی هَلْ مِنْ دَاعٍ یُسْتَجَابُ لَهٗ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ یُغْفَرُ لَهٗ حَتّٰی یَنْفَجِرَ الصُّبْحُ"[3] (جب رات کا تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے تو ہمارا پروردگار پہلے آسمان پر نزول فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ کون ہے جو مجھ سے دعا مانگ رہا ہے تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے سوال کر رہا ہوتا کہ میں اس کو عطا کروں؟ کون ہے جو گناہوں کی بخشش چاہتا ہے تاکہ میں اس کو بخش دوں، یہاں تک کہ صبح طلوع ہو جاتی ہے)۔ ایسے ہی ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین قسم کے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ دیکھ کر خوشی کا اظہار فرماتے ہیں۔ ایک ایسے لوگ جو رات کو اٹھ کر نماز تہجد پڑھتے ہیں، دوسرے وہ لوگ جو نماز کیلئے صفیں باندھتے ہیں اور تیسرے وہ لوگ جو میدانِ جنگ میں اپنی صفیں درست کرتے ہیں۔[4]

سکت سے زیادہ شب بیداری

حضرت ابی عمامہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ "عَلَیْکُمْ بِقِیَامِ اللَّیْلِ فَإِنَّهٗ دَأْبُ الصَّالِحِیْنَ قَبْلَکُمْ وَهُوَ قُرْبَةٌ إِلٰی رَبِّکُمْ وَمَکْفَرَةٌ لِلسَّیِّئَاتِ وَمَنْهَاةٌ لِلْإِثْمِ"[5] (تم پر رات کو جاگنا ضروری ہے پہلے لوگوں کا دستور ہے اور اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے اور گناہوں کو ملیامیٹ کرتا ہے)۔ قیام اللیل

---

[1] تفسیر الکبیر، جلد ۳۰، صفحہ ۱۵۵۔

[2] فتح القدیر، محمد بن علی الشوکانی، متوفی ۱۲۵۰ھ، جلد ۵، صفحہ ۳۱۶، دار الفکر، بیروت۔

[3] صحیح مسلم، حدیث ۵۷۸، جلد ۱، صفحہ ۵۲۲۔

[4] مسند احمد، حدیث ۱۱۷۷۸، جلد ۳، صفحہ ۸۰۔

[5] سنن الترمذی، حدیث ۳۵۴۹، جلد ۵، صفحہ ۵۵۲۔

کے حکم سے حضور ﷺ پر نمازِ تہجد کا پڑھنا فرض ہو گیا تو پھر صحابہ کرام نے بھی جاگنا شروع کیا اور ایک تہائی سے دو تہائی رات تک بیدار رہنا شروع کیا جس کی وجہ سے ان کے رنگ زرد ہو گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے نصف یا دو تہائی کی پابندی ختم کر دی اور فرمایا جتنا بھی آسانی سے جاگ سکتے ہو جاگو اور جتنا بھی قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھو۔[1] غنیۃ الطالبین میں حضور ﷺ کا (صحیحین کی حدیث سے) فرمان نقل کیا گیا ہے کہ جب نماز میں رات کی نیند غالب ہو جائے تو کچھ دیر سو جائے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ استغفار کی بجائے وہ خدا کو برا کہنے لگے۔ آپ ﷺ نے نیند کے ڈر سے رسی باندھ کر کھڑے ہونے سے بھی منع فرمایا ہے۔ آپ نے لوگوں کو ان کی سکت اور طاقت سے زیادہ عمل کرنے سے بھی منع فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ کو وہی عمل عزیز ہے جو ہمیشہ کیا جائے۔ اگر نیند کا غلبہ اس قدر ہو جائے جو اسے نماز اور ذکر سے روکے تو اسے چاہیے کہ سو جائے تاکہ نیند کا غلبہ جاتا رہے اور پھر تازہ دم ہو کر عبادت کرے اور جو پڑھے اس کو سمجھے بھی اور اگر پھر نیند آ جائے تو پھر سو جائے، مگر پھر اٹھ جائے، اس طرح کئی بار نیند ہو جاتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیٹھے بیٹھے سو جانے کو برا سمجھتے تھے، بعض لوگ قصداً سو جانے کو اچھا سمجھتے تھے تاکہ اٹھ کر عبادت کی جائے اور بعض غلبہ نیند ہو تو سوتے ہیں ورنہ جاگتے رہتے ہیں اور یہ ابدالوں کی صفت ہے۔ ایسے لوگ مصلے پر ہی کچھ دیر اونگھ لیتے ہیں اور جب آنکھ کھلی تو وضو کر کے مشغولِ عبادت ہو جاتے ہیں۔[2]

سورۂ انفال کی گیارہویں آیت "إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ" (جب اس نے تمہیں اونگھ سے گھیر دیا تاکہ (یہ) اس کی طرف سے چین کا باعث ہو)۔ فرمانِ الٰہی ہے کہ جب (جنگ بدر میں) خدا نے تم کو اونگھ سے گھیر دیا تو کفار کی طرف سے تمہیں چین ملا۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے کچھ بارش بھی نازل فرمائی اور اس سے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ یہاں اونگھ باعثِ رحمت تھی اور صحابہ کرام تازہ دم ہو گئے۔ اس طرح مومنوں کو بیداری میں اپنی صلاحیتوں کو درست رکھنے کیلئے کچھ نیند امن اور سکون کا باعث بنتی ہے کیونکہ اس سے نفس موافقت کرنے لگتا ہے اور یہ طمانیت کا موجب بنتا ہے۔[3]

شب بیداری کے انعامات

حضور ﷺ نے فرمایا کہ انسان کیلئے رات کے وقت دو رکعتیں پڑھ لینا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ فرمایا کہ اگر اُمت کی مشقت کا خیال نہ ہوتا تو میں رات کی دو رکعتیں ان پر واجب کر دیتا۔ رات کا قیام ۱/۳ اور ۱/۴ حصہ شب تک مستحب ہے۔ عوارف المعارف میں لکھا ہے کہ سالک ۱/۴ حصہ دن رات کا سو سکتا ہے (۲۴ گھنٹے میں سے ۴ گھنٹے شب کو ۲ گھنٹے دن کو) اور رفتہ رفتہ کم کرتا جائے جہاں تک برداشت کر سکے۔ نیند

---

[1] تفسیر ضیاء القرآن، جلد ۵، صفحہ ۴۰۴۔

[2] غنیۃ الطالبین، جلد ۱، صفحہ ۴۷۸، ۴۷۹۔

[3] عوارف المعارف، صفحہ ۵۱۶۔

سرد مرطوب ہے اور محبت اور عشق کا اثر بھی سرد مرطوب ہے اس لئے یہ نیند کا قائم مقام بن جاتا ہے۔ علی بن بکارؒ فرماتے ہیں کہ چالیس سال سے صبح کا طلوع ہونا مجھے غمگین کر دیتا ہے (یعنی وہ شب بیداری میں زیادہ لذت پاتے) ایک اور بزرگ کا قول عوارف المعارف میں یوں لکھا ہے کہ ''رات جب میری طرف رخ کرتی ہے تو میں اس کو اچھی طرح دیکھ بھی نہیں پاتا کہ وہ مجھ سے پلٹ جاتی ہے''۔ ابو سلیمان دُرّانیؒ فرماتے ہیں کہ جنت کی نعمتوں کی مانند دنیا میں کوئی چیز نہیں البتہ نیاز مندوں کی مناجات اور عبادت کی لذت اس کی کچھ مشابہ ہے اور یہ حلاوت شب زندہ داروں کو فوراً حاصل ہو جاتی ہے۔[1] ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کے نشانات بیان فرمائے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب رات ہوتی ہے تو بستر بچھا دیئے جاتے ہیں اور ہر دوست تنہائی میں اپنے دوست کو ملتا ہے اس وقت وہ میرے لئے (یعنی اللہ کیلئے) قیام کرتے ہیں کچھ گریہ وزاری کرتے ہیں کچھ خشوع و خضوع اور کچھ آہ و فغاں کرتے ہیں' کچھ قیام و سجود اور کچھ رکوع و سجود کرتے ہیں اور میری طرف سے ان پر پہلا انعام یہ ہوتا ہے کہ اپنے نور سے ان کے دلوں کو منور کر دیتا ہوں اور میں خود ان کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں (پھر ان کے دل سے یہ فوائد منتشر ہوتے ہیں کہ غافل لوگ بھی ان سے ہدایت یافتہ ہوتے ہیں)۔

شب بیداری کس کا حصہ ہے

تمام شب کا قیام ان قوی لوگوں کا کام ہے جن پر اللہ تعالیٰ کی عنایت پہلے سے ہو چکی ہے اور ان کے دلوں پر توفیقِ الٰہی اور جمال و جلالِ خداوندی کا نور ہمیشہ کیلئے چمکتا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے۔ روایات میں اور بہت سے شب زندہ دار اکابرین اسلام کے نام آتے ہیں۔ تہجد قضا ہو جائے تو اس کی جگہ صبح کو بارہ نوافل پڑھنا غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے۔ اس کتاب میں وہ دعائیں بھی درج کی گئی ہے جن کو اگر سونے سے پہلے پڑھ لیا جائے تو اللہ قیامِ شب کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ جن لوگوں میں درجِ ذیل بارہ چیزیں پائی جاتی ہیں ان کو شبِ بیداری میں مدد ملتی ہے۔[2]

۱۔ رزقِ حلال ۲۔ توبہ پر استقامت ۳۔ خوفِ عذاب ۴۔ اللہ کے وعدوں کا پاس رکھنا ۵۔ مشتبہ روزی سے پرہیز ۶۔ گناہوں سے گریز ۷۔ موت کی یاد اور آخرت کی فکر ۸۔ دنیاوی فکر و غم سے آزادی ۹۔ موت کو کثرت سے یاد رکھنا ۱۰۔ آخرت کو فراموش نہ کرنا ۱۱۔ اہلِ دنیا کی محبت سے دل کا خالی ہونا ۱۲۔ اللہ والوں کے ساتھ محبت رکھنا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب تمام رات بیدار رہتا تھا اور آنکھیں سوتی تھیں۔ سونے کے دوران بھی آپ وہ تمام باتیں جو کوئی کرتا تھا سنتے تھے۔ آپ کی بیداری وحی کیلئے تھی۔ آپ کو محض کروٹ کیلئے حرکت دی جاتی تھی اور یہ حال بجز آپ کی ذات کے کسی کو حاصل نہ تھا۔ آخر شب کچھ دیر سونے سے چہرے کی زردی سے انسان محفوظ رہتا ہے۔ چہرے کی یہ زردی شب بیداری کی وجہ سے آجاتی ہے۔ نمازِ فجر سے قبل جاگنا افضل ہے اور

---

[1] عوارف المعارف، صفحہ ۵۱۷۔

[2] غنیۃ الطالبین، جلد ۱، صفحہ ۴۸۱۔

سونا منع ہے تاکہ سونے میں نماز کا وقت گزر نہ جائے البتہ نماز کے بعد سو سکتا ہے۔اولیائے کرام کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اِشراق کی نماز کے بعد سوتے ہیں بلکہ خود حضور ﷺ سے بھی اشراق تک مسجد میں بیٹھے رہنا ثابت ہے۔

اولیاء کے تصرف کا راز

عوراف المعارف میں ہے کہ جو رات کی عبادت کرتے ہیں ان کے قلوب انوار سے معمور ہو جاتے ہیں اور ان کی تمام حرکات وسکنات اور تصرفات اسی نور سے صادر ہوتے ہیں۔ منقول ہے کہ جو شخص رات کو عبادت میں بسر کرتا ہے اس کا چہرہ دن کے وقت روشن رہتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ "مَنْ صَلّٰی بِالَّیْلِ حَسُنَ وَجْهُهٗ بِالنَّهَارِ" (جو رات کو نماز پڑھتا ہے اس کا چہرہ دن کو چمکتا ہے)۔[1] اس کی عبادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصرفات میں اس کو مدد ملتی ہے اور صدورِ اعمال میں ایک خوبی پیدا ہو جاتی ہے، جس کے باعث اس کے اقوال بھی درست رہتے ہیں۔ شب بیداری ان کے تمام تصرف کا راز ہے۔[2] حضرت داتا گنج بخشؒ نے بھی حضور ﷺ کا ارشاد کشف المحجوب میں نقل کیا ہے۔" مَنْ كَثُرَتْ صَلَاتُهٗ بِاللَّيْلِ حَسُنَ وَجْهُهٗ بِالنَّهَارِ"[3] (جو رات میں نماز زیادہ پڑھتا ہے اس کا چہرہ دن میں منور ہو جاتا ہے)۔ سورہ ھود آیت ۱۱۴ میں ہے" وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ" (اور نماز قائم رکھو دن کے دونوں کناروں میں اور کچھ رات کے حصوں میں بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں)۔

شب زندہ داری کے معاون

شب زندہ دار عموماً مغرب اور عشاء کے بعد استغفار اور نوافل پڑھتے ہیں اور ان کے اس عبادت کرنے سے ان کے باطن سے کدورتوں کے آثار مٹ جاتے ہیں جو دن بھر بندگانِ خدا سے گفتگو اور ملاقات کی وجہ سے دل میں پیدا ہوئے ہوں۔ عشاء کی نماز کے بعد گفتگو کرنا اسی لئے ناپسندیدہ ہے کہ مغرب سے عشاء کے مابین عبادت سے پیدا شدہ نور کی تازگی ختم نہ ہو جائے۔ اس آلودگی کے باعث قیام اللیل میں بھی خلل پیدا ہوتا ہے۔ کئی بزرگ عشاء کے بعد اور پھر کچھ سونے کے بعد اور تیسری بار نماز فجر ادا کرنے سے پہلے غسل کرتے ہیں، اس سے انہیں شب بیداری میں مدد ملتی ہے۔ رات کو نیند کے غلبہ کے وقت اگر کوئی شب بیداری کے عزمِ مصمم سے سو جائے تو اس کو اٹھنے کی توفیق ضرور ملتی ہے کیونکہ ان کو نماز تہجد ادا کرنے کی فکر دامن گیر رہتی ہے اور اسی فکر نے ان کے پہلوؤں کو بستر سے الگ کر رکھا ہے "تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا" (السجدہ:۱۶) (ان کے پہلو بستر سے الگ ہوتے ہیں اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہوئے امید

---

[1] مسند الشہاب، حدیث ۴۱۱، جلد ۱، صفحہ ۲۵۳۔

[2] عوارف المعارف، صفحہ ۵۲۰۔

[3] سنن ابن ماجہ، حدیث ۱۳۳۳، جلد ۱، صفحہ ۴۲۲۔

لگائے ہوئے پکارتے ہیں)۔

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شام کے بعض ساحلوں پر ایک عورت کو دیکھا، میں نے پوچھا کہ کہاں سے آئی ہو؟ کہا میں اس قوم کے پاس سے آئی ہوں کہ جن کیلئے فرمایا گیا ہے "تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ" (ان کے پہلو بستر سے الگ ہوتے ہیں) میں نے کہا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ کہا ان لوگوں کی جانب کہ "لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ" (جنہیں نہ تجارت اللہ کے ذکر سے روکے اور نہ خرید وفروخت) (النور۔۳۷) میں نے کہا کہ ان کا حال بیان کرو تو اس نے دو اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ وہ قوم جس نے تمام حوصلے اللہ تعالیٰ سے متعلق کردیئے ان کی کوئی مراد ایسی نہیں جس کی طرف ان کو تم منسوب کر سکو، ان کا مقصود ان کا مالک اور آقا تو اللہ تعالیٰ ہے۔ کچھ لوگ سونے کی لذت کو کم کرنے کیلئے سامانِ خواب کم کر دیتے ہیں مثلاً تکیہ ختم کر دیا، پھر بستر کو ہٹا دیا، پھر چارپائی ہٹا دی تاکہ نفس لذت سے نا آشنا ہو جائے اور نیند کم آئے، کھانا اور پانی کم کر دینے سے معدہ اور پیٹ کا بار کم ہو جاتا ہے اور نیند کم ہو جاتی ہے۔ بزرگوں کے نزدیک رات کے اٹھنے کی خاطر ایک لقمہ کھانے کا کم کر دینا زیادہ بہتر تصور کیا جاتا ہے کیونکہ شکم سیری نیند پیدا کرتی ہے۔ خواہشاتِ نفسانیہ، حب دنیا، کینہ اور حسد کی کدورتوں سے پاک رہنے سے سالک کو رویائے صادقہ (سچے خواب) نصیب ہوتے ہیں۔ جب نفس رذائل سے پاک ہو جائے تو دل کا آئینہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ لوحِ محفوظ سے انعکاس پذیر ہو سکے اور کچھ غیب کی خبریں اس پر کھل جائیں۔ صدیقین کو خواب میں ایسی چیزیں دی جاتی ہیں جو ظاہری اوامر اور نواہی کی طرح ہوتی ہیں یعنی وہ خواب میں نیک کام کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ اولیائے کرام کا زہد اور تقویٰ ان کو اس قابل کر دیتا ہے کہ وہ شب کو بھی اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری دیں۔[1]

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان متقی حضرات کی تعریف فرمائی ہے جو اپنے نیک اعمال کی بدولت روزِ جزا باغات اور چشموں والی جنت میں داخل کئے جائیں گے اور وہ اپنے رب کی عطاؤں کو خدا سے لے رہے ہوں گے کیونکہ یہ دنیا میں نیکوکار تھے راتوں کو بہت کم سویا کرتے تھے اور سحری کے وقت بخششِ الٰہی کو طلب کرتے تھے۔ "كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ" (الذاریات: ۱۷۔۱۸) (یہ لوگ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے اور سحری کے وقت (اپنی خطاؤں کی) بخشش طلب کرتے تھے)۔ مذکورہ آیت سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جب وہ دنیا میں عبادت کرتے تھے تو دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر اپنے محبوب کے حسن ازلی کے مشاہدے میں مستغرق ہو جاتے تھے، حافظؒ فرماتے ہیں ؎

ہر گنجِ سعادت کہ خدا داد بہ حافظ
از یمنِ دعائے شب و وردِ سحری بود

(اللہ نے خوش بختی کے تمام خزانے جو حافظ کو دیئے ہیں وہ رات کی دعا کی برکت اور سحری کے ورد کی وجہ سے ہیں)

ایران کے سپہ سالار رستم نے کچھ جاسوسوں کو عرب میں بھیجا کہ وہ اس بات پر اپنی رپورٹ پیش کریں

---

[1] عوارف المعارف، صفحہ ۵۲۳۔

کہ لوٹ مار کی خوگر عرب قوم کی کایا پلٹنے کے کیا اسباب ہیں؟ آخر اس مٹھی بھر مسلمانوں کی فوج میں یہ عزم (حوصلہ) کیسے پیدا ہوا کہ وہ ایران جیسی دنیا کی عظیم ترین قوت سے ٹکرا رہے ہیں اور اسے پاش پاش کر رہے ہیں۔ ان کی رپورٹ میں جملہ نہایت جامع تھا جو تاریخ میں موجود رہے گا "ھُمْ رُھْبَانٌ بِالّیْلِ وَ فُرْسَانٌ بِالنَّھَارِ" (یہ رات کے راہب اور دن کے شاہسوار ہیں)[1]۔ ان کی راتیں اپنے اللہ کے حضور میں قیام اور سجود گریہ وزاری اور دعا و مناجات میں بسر ہوتی ہیں۔ ان کی داڑھیاں اور سجدہ گاہیں خشیتِ الٰہی کے آنسوؤں سے تر ہوتی ہیں اور دن کو یہی لوگ برق کی طرح میدانِ جنگ میں کود جاتے' لپکتے اور جھپٹتے ہیں۔ یہ اس راہ میں اپنی گردنیں کٹوا دینا اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ اس کے برعکس بڑے بڑے ملکوں کے فوجیوں کی راتیں رنگ رلیوں میں کٹتی ہیں اور ان میں تمام عیب موجود ہیں۔ اس عبادت سے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی کامیابی کا راز ظاہر ہوتا ہے، کاش آج بھی مسلمان اسی معیار کو اپنا لیں۔

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!

اولیائے عظام اور مشائخ کرام کا یہی طریقہ رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح رات کے وقت اللہ تعالیٰ سے سرگوشیاں کرتے۔ تلاوتِ کلام پاک کرتے ذکرِ الٰہی رات دن اور صبح و شام کرتے کیونکہ جب تک دل ذاکر نہ ہو تو کوئی مقام حاصل نہیں ہوتا اور انسان اپنے نفس کی سرکوبی نہیں کر سکتا۔ وہ اپنی شب خیزی سے ہی اپنے غرور اور نخوت کو پاؤں تلے روندتے ہیں اور نفس کی سرکشی ختم کر دیتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ کو سحر خیزی سے بہت عشق تھا، ان کا خادم بیان کرتا ہے کہ جب آپ شب خیزی میں مصروف رہتے تو ان کا عجیب حال ہوتا۔ قرآن اس خوش الحانی سے پڑھتے کہ جی چاہتا تھا کہ ان ہی کے پاس بیٹھا رہوں۔ اس زمانے میں آپ نے کھانا پینا بالکل چھوڑ دیا، صرف شام کو تھوڑا سا دودھ پی لیا کرتے۔ علامہؒ کا ایک دوست بیان کرتا ہے کہ میرا مکان لندن میں علامہؒ کے بالمقابل تھا اور میں رات کو جب بھی اٹھتا تو دیکھتا کہ علامہؒ صاحب یا تو نماز پڑھ رہے ہیں یا تلاوت کر رہے ہیں۔ کچھ خطوط میں علامہؒ نے خود بھی لکھا ہے کہ میں صبح چار بجے یا تین بجے اٹھتا ہوں تو پھر اس کے بعد نہیں سوتا سوائے اس کے کہ مصلے پر کبھی اونگھ جاؤں۔ ایک خط (جون ۱۹۱۸ء) میں لکھا کہ بندۂ روسیاہ کبھی کبھی تہجد کیلئے اٹھتا ہے اور بعض دفعہ تمام رات بیداری میں گزر جاتی ہے۔ گول میز کانفرنس میں پابندی سے تہجد ادا کرتے رہے اور یہ شعر اسی وقت کی یاد ہے۔

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی — نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی
کہیں سرمایۂ محفل تھی میری گرم گفتاری — کہیں سب کو پریشاں کر گئی میری کم آمیزی[۳۱۹]

سُورۂ بنی اسرائیل' آیت ۷۹ میں رات کی نماز (تہجد) اور فجر کے وقت قرآن پڑھنے کی فضیلت کا ذکر

---

[1] البدایہ والنھایہ، علامہ ابن کثیر، متوفی ۷۷۴ھ، جلد ۷، صفحہ ۵۳، مکتبۃ المعارف۔

ہے۔ علامہؒ نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ جو بھی رب کائنات کے عشق میں گرفتار ہے اور اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا ہے تو ایسا کرنے کیلئے آدابِ سحر خیزی کا بجالانا اس کیلئے ضروری ہے۔ تمام بزرگانِ اسلام کا یہ شیوہ رہا ہے کہ عبادت میں اپنی راتوں کو سحر کرتے تھے، علامہؒ نے فرمایا ۔

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو　　کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی (۳۲۰)

علامہ اقبالؒ کا خیال ہے کہ جب تک عشق نہ ہو دل کی بیداری اور شب خیزی متصور نہیں کیونکہ عشق کا آشیانہ خوابیدہ دل میں نہیں بن سکتا ۔

علم در اندیشه می گیرد مقام　　عشق را کاشانه قلبِ ''لاَیَنام''(۳۲۱)

(علم خوف وخطر میں اپنا مقام بنالیتا ہے، عشق کا آشیانہ تو نہ سونے والا دل ہے)

اسی انداز میں کسی نے خدا سے کہا کہ خدایا تیرے نورحسن کا پرتو زمین وآسمان میں نہیں سما سکتا، لیکن حیرانگی کی بات یہ ہے کہ یہ مسلمان کے حریمِ سینہ میں کیسے سما جاتا ہے۔

پرتوے حسنت نه گنجد در زمین و آسماں　　در حریمِ سینه حیرانم که چوں جا کرده

علامہ اقبالؒ نے نظارۂ فطرت کے مطالعہ اور تاریک راتوں میں غور کرنے پر بہت کچھ لکھا ہے جس کا اس جگہ ذکر طوالت کے خوف سے نہیں کیا جاسکتا وہ خود اپنے متعلق بھی لکھتے ہیں ۔

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں　　کبھی سوز وسازِ رومی کبھی پیچ وتاب رازی (۳۲۲)

متاع بے بہا ہے درد و سوزِ آرزو مندی　　مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی (۳۲۳)

اگر ہو ذوق تو خلوت میں پڑھ زبورِ عجم　　فغانِ نیم شبی بے نوائے راز نہیں (۳۲۴)

خدا اگر دل فطرت شناس دے تجھ کو　　سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر (۳۲۵)

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے متعلق روایات میں ہے کہ آپ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی، ایسی ہی شب خیزی باقی مشائخ میں بھی پائی جاتی ہے، اگر کوئی شب خیزی کے بغیر ہی بزرگی کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ خودساختہ بزرگ ہے ۔

شب بخواب چه' سکوں کدام است　　خود خواب، به عاشقاں حرام است

(رات کو سونا کیا! اوران کو سکون کہاں ہوتا ہے، رات کو سونا تو عاشقوں پر حرام ہے)

ایک عاشق خدا کے حضور میں

ایک عبادت گزار عاشق اپنے دل میں سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں دیکھتا، اس کا دل بے قرار صرف اللہ کیلئے بے چین ومضطرب رہتا ہے، دنیا کی کوئی رعنائی اس کے دل میں نہیں جچتی اور وہ ایسا پاکیزہ دل لے کر خدا کی بارگاہ میں پہنچتا ہے گویا اس کے جلووں کو ملاحظہ کرتا ہے، بقول علامہ اقبال ۔

اشک چکیدہ ام بہ بیں، ہم بہ نگاہِ خود نگر　　ریز بہ نیستانِ من، برق و شرر ایں چنیں

(میرے آنسوؤں کو ٹپکتا ہوا دیکھئے، پھر اپنی نگاہوں کی طرف نظر کریں، پھر اس نگاہ سے میرے نیستانِ دل پر اسی طرح برق وشرر گرائیں)

دل بہ کسے نہ باختہ، با دو جہاں نہ ساختہ　　من بہ حضورِ تو رَسم، روزِ شمار ایں چنیں (۳۲۶)

(میرا دل نہ تو کسی سے الجھا اور نہ دونوں جہانوں میں کسی کو محبوب رکھا، میں آپ کے حضور قیامت کے دن اس طرح پہنچوں گا)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوت کرے تو اسے چاہیے کہ اپنے وجود کو خدا کے وجود کے ساتھ ختم نہ کر دے بلکہ اپنی وحدت اور اکائی کو باقی رکھے۔

چناں با ذاتِ حق خلوت گزینی　　ترا او بیند و اورا تو بینی

(خدا کی ذات کے ساتھ اس طرح خلوت اختیار کرو کہ وہ تجھے دیکھتا ہو اور تو اسے دیکھ رہا ہو)

بخود محکم گذار اندر حضورش　　مشو ناپید اندر بحرِ نورش

(اس کی حضوری میں اس طرح استحکام پکڑو کہ اس کے نور کے سمندر میں خود کو گم نہ کرو)

چناں در جلوہ گاہِ یار می سوز　　عیاں خود را نہاں اورا بر آفروز (۳۲۷)

(اپنے دوست کی جلوہ گاہ میں خود کو اس طرح جلاؤ، کہ تمہارے ظاہر میں اس کا نور چمکتا ہوا نظر آئے)

مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ انسان اللہ کی یاد کیلئے بیٹھے مگر اس کا دل و دماغ خدا کے حضور میں حاضر نہ ہو۔ ایسی عبادت کا فائدہ نہیں جس میں دھیان اللہ کی طرف نہ ہو اور اگر ایسا ہو تو اللہ کا وہ نور دل میں نہیں آتا جو شب خیزی سے متصور ہے۔ حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی معرفت ایسے شخص کیلئے حرام ہے جس کے باطن میں دنیا کی محبت رائی کے دانے کے برابر بھی ہو، مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

شیخ می گوئی و تسبیحِ بہ دست　　صد بتے داری نہاں اے بت پرست

(تو خود کو شیخ کہتا ہے اور تسبیح بدست ہے، اے بت پرست تو نے بغل میں سینکڑوں بت چھپا رکھے ہیں)

صد تمنا در دل است اے بو الفضول　　کے کند نورِ خدا در دل نزول

(اے فضول انسان تمہارے دل میں سینکڑوں تمنائیں ہیں، ایسی حالت میں خدا کا نور دل میں کیسے اترے گا)

علامہؒ فرماتے ہیں کہ ایسی عبادت فضول ہے جس سے عبادت کا مقصود حاصل نہ ہو۔

یہ ذکرِ نیم شبی یہ مراقبے یہ سرور　　تیری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل　　دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں (۳۲۸)

اے پیرِ حرم رسم و رہ خانقہی چھوڑ | مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت | دے ان کو سبق خودشکنی خودنگری کا[۳۲۹]
کر سکتی ہے بے معرکہ جینے کی تلافی | اے پیرِ حرم تیری مناجاتِ سحر کیا؟[۳۳۰]
افسردہ اگر اس کی نوا سے ہو گلستاں | بہتر ہے کہ خاموش رہے مرغِ سحر خیز[۳۳۱]

اولیائے کرام جب خود کو سخت ریاضتوں سے آراستہ کرتے ہیں تو یہ سب اللہ ہی کی دی ہوئی توفیق سے ہوتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر وہ شرعی احکامات پر عمل نہ کریں تو یہ کفر ہوگا اور جب شرعی احکام اور ریاضتیں اختیار کریں اور اپنے عمل پر نظر رکھیں تو غرور اور خود بینی پیدا ہوگی لہٰذا شرک ہوگا کیونکہ اگر خود پر نظر ہو اور خدا پر بھی تو دو وجود نظر آتے ہیں اور خدا کے علاوہ کسی وجود کو ماننا شرک ہوتا ہے۔ چنانچہ اپنے اعمال کو خدا کی طرف سے عطا تصور کرے، پھر اس کی عبادت میں عشق کی نیرنگیاں پیدا ہو جائیں گی اور اس پر دیدارِ الٰہی کے دروازے کھل جاتے ہیں، اور اس کی عجیب کیفیت ہو جاتی ہو۔

همه جمالِ تو بینم چو دیده باز کنم | همه تنم دل گردد که با توراز کنم

(جب اپنی آنکھ کھولتا ہوں تو ہر شے میں تیرے جلوے ہوتے ہیں، میرا تمام جسم دل بن جاتا ہے جب تجھ سے راز کی بات کرتا ہوں)

حرام دارم بادیگراں سخن گفتن | کجا حدیثِ تو آمد سخن دراز کنم

(دوسروں سے گفتگو کرنا حرام جانتا ہوں، جب تیری بات ہوتی ہے تو سخن کو دراز کر دیتا ہوں)

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہاں ہیں وہ لوگ جو خوشی اور رنج دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے تھے تو ایک چھوٹی سی جماعت بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جائے گی۔ پھر ارشادِ باری ہوگا کہاں ہیں وہ لوگ جو راتوں کو اپنی خواب گاہوں سے دور رہتے ہیں اور اپنے رب کو خوف اور رغبت کے ساتھ یاد کرتے تھے تو ایک دوسری مختصر جماعت اٹھے گی اور جنت میں داخل ہوگی۔ پھر ارشاد ہوگا کہاں ہیں وہ لوگ جن کو تجارت یا خرید و فروخت اللہ کی یاد سے نہیں روکتی تھی، اس پر تیسری مختصر جماعت کھڑی ہوگی اور بغیر حساب جنت میں داخل ہوگی۔[۱] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اذان کے بعد تمام بازار بند ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ انہی لوگوں کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے "رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ" (النور:۳۷) (یعنی ایسے لوگ جنہیں نہ تجارت اور نہ خرید و فروخت غفلت میں ڈالتی ہے اللہ کی یاد سے)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی ایک موقع پر فرمایا کہ خدا کی قسم یہ لوگ تاجر تھے مگر ان کی تجارت ان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہیں روکتی تھی۔

---

۱ تفسیر الکبیر، جلد ۲۴، صفحہ ۱۳۔

اللہ کے خوف نے اہل اللہ کی نیندیں اڑا رکھی ہیں

حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے مکتوبات شریف میں فرمایا ہے کہ مشائخ کرام میں سے ایک گروہ نے جو اپنے آپ اور اپنے ارادے سے پوری طرح باہر آ چکے ہیں بعض حقانی نیتوں کے باعث اہلِ دنیا کی صورت اختیار کر رکھی ہے اور بظاہر دنیا کی طرف راغب نظر آتے ہیں لیکن فی الحقیقت انہیں اس سے کوئی تعلق نہیں اور سب سے فارغ اور آزاد ہیں۔ تجارت اور بیع وغیرہ ان کیلئے ذکرِ حق سے مانع نہیں (اللہ کے خوف نے ان کی نیندوں کو اڑا رکھا ہے)۔ یہ لوگ ان امورِ دنیا کے ساتھ عین تعلق کے اندر بھی بے تعلق ہوتے ہیں۔ میاں محمد بخشؒ نے ان عاشقوں کے متعلق فرمایا ہے ۔

جنہاں دلاں وچ عشق سماناں رونا کم انہاں دا
وچھڑے روندے ملدے روندے روندے ٹردے راہاں
جس دل اندر عشق نہ رچیا کتے اس تھیں چنگے
مالک دے گھر راکھی کر دے صابر بھکھے ننگے

حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے منیٰ کے بازار میں تاجر دیکھا جو کم و بیش پچاس ہزار دینار کی خرید و فروخت کر رہا تھا مگر اس کا دل ایک لحہ کیلئے بھی یادِ حق سے غافل نہ تھا۔ اس کے برعکس حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ انہوں نے ایک شخص کو خانہ کعبہ میں دیکھا کہ وہ طوافِ کعبہ میں مصروف تھا مگر وہ خانہ کعبہ کے نزدیک ہوتے ہوئے بھی اس سے بہت دور تھا کیونکہ اس کی توجہ دنیا کے کاموں کی طرف تھی۔ ایسے لوگ عبادت میں ہوتے ہوئے بھی عبادت سے محروم ہوتے ہیں۔ قربِ الٰہی کے دعوے صرف ایسے لوگوں کیلئے ہیں جو نہ صرف عبادت کے وقت دل و جان سے حاضر ہوتے ہیں بلکہ کاروبارِ حیات میں بھی ان کی وابستگی کا یہی عالم ہوتا ہے، ان کا اصل کاروبار تو قربِ الٰہی ہوتا ہے اور دنیاوی کاروبار ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔

شب خیزی پر احادیث

روایات سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائی رات میں کچھ دیر سوتے اور آخری رات بیدار رہتے اور فرماتے کہ تم سے پہلے لوگوں کا طریقہ رات کو قیام کرنا تھا کیونکہ رات کا قیام اللہ سے نزدیکی کا سبب ہے، گناہوں کا کفارہ اور گناہوں سے روکنے والا ہے، بالخصوص رات کے پچھلے حصے میں قربِ الٰہی زیادہ ہوتا ہے، یہ بات باعثِ رحمت ہے کہ اگر کوئی شوہر رات کو اٹھے تو بیوی کو اٹھائے اور اگر وہ نہ اٹھے تو منہ پر چھینٹے مارے۔[1] حدیث میں ہے کہ اگر عورت رات کو اٹھے تو خاوند کو اسی طرح نماز کیلئے جگائے۔ رات کو جاگنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] سنن ابی داؤد، حدیث ۱۱۱۴، جلد ۴، صفحہ ۷۳۔

امت میں سے اشرف یعنی بلند مرتبہ لوگ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ تہجد پڑھنے والوں کو پسند فرمایا ہے لیکن نیند کا غلبہ ہو تو سو جانا چاہیے اور کچھ دیر بعد اٹھ بیٹھے۔ ارات کو وضو کر کے لیٹنا اور پھر ذکر کرتے کرتے سو جانا چاہیے اور جب کروٹ بدلے تو خدا سے دین و دنیا کی بھلائی مانگے تو خدا اسے عطا کرتا ہے۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ ''يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلٰى قَافِيَةِ رَأْسِ أَحَدِكُمْ إِذَا هُوَ نَامَ ثَلَاثَ عُقَدٍ يَضْرِبُ كُلَّ عُقْدَةٍ عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيْلٌ فَارْقُدْ فَإِنِ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَإِنْ تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَإِنْ صَلّٰى انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَأَصْبَحَ نَشِيْطًا طَيِّبَ النَّفْسِ وَإِلَّا أَصْبَحَ خَبِيْثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ'' (شیطان سونے والے کی گدی پر تین گرہ لگاتا ہے ہر گرہ دل پر ڈالتا ہے کہ رات بہت بڑی ہے، جب کوئی اٹھ بیٹھے پھر اللہ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، وضو سے دوسری اور جب نماز پڑھے تو تیسری بھی کھل جاتی ہے اور بندہ ہشاش بشاش ہو جاتا ہے اگر دن چڑھے اٹھے تو سست و کاہل اور پلید ہوتا ہے (کیونکہ شیطان اس کے کان میں پلیدی ڈال دیتا ہے، جو عام آدمی دیکھ نہیں سکتا)۔[۲]

احادیث کی رو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بے نمازی عورتیں قیامت کے دن برہنہ ہوں گی۔ ہر رات ایک ساعت ایسی ہے جس میں کوئی جو کچھ مانگے ملتا ہے (یہ گھڑی تقریباً ڈیڑھ بجے سے تین بجے کے درمیان ہوتی ہے)۔ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ خوب آدمی ہیں کاش کہ وہ رات کو نماز پڑھا کرتے، جب آپ کو یہ بات بتائی گئی تو اس کے بعد آپ ہمیشہ قیام شب کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت کیلئے ان چار چیزوں کو زادِ راہ فرمایا ہے، (۱) قیامت کے دن کیلئے کسی شدید گرم دن میں روزہ رکھنا۔ (۲) قبر کی وحشت کو دور کرنے کیلئے رات کے اندھیرے میں نماز پڑھنا۔ (۳) بڑے امور کیلئے حج کرنا۔ (۴) ہر مسکین پر صدقہ کرنا چاہیے کلمہ حق کہہ کر یا کسی برے کام سے روک کر ہی کیوں نہ ہو۔ احادیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص رات کو نماز (نفل) پڑھتا ہے پھر کسی روز اس پر نیند غالب ہو جائے تو اس کیلئے نماز کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر تم رات کو اٹھو اور نماز پڑھو اور اس سے تمہاری نیت رب کو راضی کرنے کی ہو تمہاری زندگی میں، موت کے وقت، قبر میں اور دوبارہ اٹھنے کے وقت اللہ کی رحمت برستی ہے۔ رات کو مکان کے کونوں میں نماز پڑھنے سے تمہارے مکان کی روشنی آسمان میں اس طرح چمکے گی جس طرح دنیا والوں کو ستاروں کی روشنی نظر آتی ہے۔

غفلتِ باطن سے نجات کا طریقہ

رات کا سونا انسان کیلئے ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے سکون کا باعث بنایا ہے۔ لیکن سونے اور عبادت کے اوقات کو معتدل رکھنے کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے۔ نفسِ انسان کی دو جہتیں ہیں، ایک جہت تو

---

[۱] صحیح بخاری، حدیث ۲۰۹، جلد ۱، صفحہ ۸۷۔

[۲] صحیح بخاری، حدیث ۱۰۹۱، جلد ۱، صفحہ ۳۸۳۔

جسمانی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے عالمِ تحت کی طرف اور دوسری جہت رُوحانی اور علوی ضرورتوں کی تکمیل کیلئے عالمِ بالا کی طرف رجوع کرنا ہے۔ جوار بابِ عزیمت ہیں وہ اپنے پہلوؤں کو بستر سے الگ کردیتے ہیں کیونکہ ان کی نظر علوی مدارج کی تکمیل کیلئے عالمِ بالا کی طرف رہتی ہے، اس لیے انہوں نے اپنے نفس کو صرف نیند کا ضروری حق دیا ہے اور بقدرِ ضرورت سوتے ہیں لیکن وہ نیند سے لطف اندوز نہیں ہوتے۔ چونکہ انسان کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے اس لئے اس کے نفس کی ترکیب میں خاکی عناصر غالب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نیند سے لطف اندوز ہونے کا خوگر ہے اور مٹی کی خاصیت تہہ نشین ہو کر بیٹھ جانا ہے اس لئے تساہل، تغافل اور سو جانا بندے کی خصلت بن گیا ہے۔ اھل اللہ نے نفس کو اپنی عادت سے ہٹا کر روحانی بلندیوں تک پہنچا دیا ہے اس لئے ان کے پہلو خواب گاہوں سے الگ رہتے ہیں "تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ" (السجدہ:۱۶) (ان کے پہلو بستروں سے جدا ہوتے ہیں)۔

باوضو رہنے سے غفلت کیوں دور ہو جاتی ہے؟

بندۂ حق کا باطن سوائے اللہ کے ذکر کے اور کسی چیز سے منور نہیں ہوتا اور وہ غیر کے ذکر سے خود کو بچاتا ہے۔ اگر اس کی یہ حالت نہ ہو تو انوارِ الٰہیہ کی تجلیات کا راستہ اس پر مسدود ہو جاتا ہے اور کہا گیا ہے کہ اگر نماز خشوع و خضوع سے پڑھی جائے تو اس سے زیادہ معرفت الٰہی اور کسی چیز میں نہیں ملتی ہے۔ قرآن میں فرمان الٰہی ہے "اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِیَةٌۢ بِقَدَرِهَا" (رعد:۱۷) (اس نے آسمان سے پانی نازل کیا اور اپنی قدرت کے مطابق وادیاں بہنے لگیں)۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پانی سے مُراد قرآن ہے، وادی سے مُراد قلوب ہیں اور زمین بقدرِ ظرف اپنے اندر پانی سما لیتی ہے۔[1] جس طرح پانی پاک و صاف کرنے کا ذریعہ ہے، اسی طرح قرآن کریم بھی طہارت کا ذریعہ ہے بعض چیزیں پانی کا قائم مقام ہو سکتی ہیں مگر قرآن کا قائم مقام کوئی نہیں، پانی ظاہر چیز کو پاک کرتا ہے۔ قرآن باطن کو پاک کرتا ہے، اس سے شیطانی وساوس کی نجاست دور ہوتی ہے۔

نیند ایک قسم کی غفلت ہے اور یہ بھی شیطانی نجاست میں شامل ہے کیونکہ یہ ذکرِ الٰہی سے غافل کرنے والی ہے۔ انسان کی تخلیق مٹھی بھر مٹی سے ہوئی۔ اس کے باہر کا حصہ بشرہ یعنی کھال کہلاتا ہے اور باطن کا حصہ آدمتہ (آدمیت) کہلاتا ہے۔ چونکہ شیطان نے آدم علیہ السلام کی مٹی کو اپنے پاؤں تلے پامال کیا تھا اس لئے اس میں تاریکی ہے اور یہ تاریکی آدمی کے ضمیر میں ہے۔ جس کی وجہ سے اخلاقِ رذیلہ اس میں پیدا ہوئے بلکہ غفلت اور سہو بھی اسی وجہ سے ہے۔ چنانچہ جب پانی کا استعمال (وضو) اور تلاوت کے ذریعے نماز میں ہوتا ہے تو اس وقت دونوں پاک کرنے والی چیزیں یکجا ہو جاتی ہیں۔ اس طرح نہ صرف شیطانی نجاست زائل ہو جاتی ہے بلکہ اسکو سکون اور قرار دے کر جہالت کے دائرے سے نکال لیتے ہیں۔

---

[1] تفسیر القرطبی، جلد ۹، صفحہ ۳۰۵۔

پانی کا استعمال شرعی حکم ہے جو دل کو منور کرنے کیلئے مؤثر ہے اور اس کی تاریکی کو دور کرتا ہے۔ اس لئے بعض محتاط حضرات غیبت، جھوٹ، غیظ وغضب کے موقع پر وضو کرتے ہیں کیونکہ ایسا کام غلبہ نفس اور شیطانی تصرف سے ہوتا ہے۔ نماز میں وضو، تلاوتِ قرآن، تسبیح وغیرہ سب جمع ہیں۔ اس لئے اس کا درجہ بلند ترین عبادات میں سے ہے۔ جب نفس مباح یا بے کار کاموں میں مصروف ہو جہاں اس کی ہمت اور عزیمت کی گرہیں کھل جانے کا اندیشہ ہوتا ہے تو ایسی حالت میں وضو کر لینے سے دل پاکیزگی پر قائم رہتا ہے۔ وضو بصیرت کو پاک کرتا ہے بلکہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد اکثر لوگ غسل کر لیتے ہیں کیونکہ اس سے دل کو مزید روشنی حاصل ہوتی ہے۔

شب بیداری اہلِ محبت کا شعار اور علامتِ محبت ہے

حدیث قدسی میں ہے کہ ہر حبیب اپنے حبیب سے خلوت حاصل نہیں کرتا؟ میں اپنے احباب کے قریب ہوں ان کی آہوں، مناجاتوں اور فریادوں کا مشاہدہ کرتا ہوں جب کوئی حبیب راتوں کو اپنے حبیب کے ساتھ خلوت کرتا ہے تو یہ میرے احترام کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں کچھ رونے اور چیخنے والے ہیں کچھ آہیں بھرنے اور فریادیں کرنے والے ہیں، کچھ کھڑے اور بیٹھے ہیں، کچھ رکوع اور سجود میں ہیں۔ جو مشقت اٹھا رہے ہیں وہ میری نظر میں ہیں میں انھیں تین انعام دیتا ہوں

۱) وسطِ شب قَانِتِیْنَ کا درجہ اور یہ بھی مروی ہے کہ ایک فرشتہ ان چاروں کو اٹھاتا ہے، پہلے اپنے پروں کو جھاڑتا ہے تو کہتا ہے عبادت کرنے والے اُٹھ جائیں، پھر نصفِ شب کے وقت پروں کو ہلاتا ہے اور کہتا ہے نماز (تہجد) پڑھنے والے اُٹھ جائیں اور فجر کے وقت کہتا ہے "قُمْ! قُمْ! قُمُوْا اَیُّھَا الْغٰفِلُوْنَ" (اٹھو! اٹھو! اٹھو! اے غافل لوگو)۔

۲) ان کے قلوب میں اپنا نور ڈالتا ہوں اور وہ مجھ سے خبریں دیتے ہیں (کشف کے ذریعے)۔

۳) زمین اور آسمان کے درمیان جو کچھ ہے وہ اگر ان کے اوزان میں ہو تو بھی ان کے لیے کم سمجھتا ہوں۔

۴) ان پر براہِ راست توجہ کرتا ہوں اور کوئی نہیں جانتا کہ میں انہیں کیا عطا کرنے والا ہوں۔[1]

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ مجھ کو ان کے پاس تلاش کرو جن کے دل میری وجہ سے شکستہ ہیں۔ درج ذیل آیت میں قُرَّۃُ اَعْیُنٍ یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک رات کی بیداری کی وجہ سے ہونا مراد ہے۔ "فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَھُمْ مِنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ" (السجدہ: ۱۷) (سو کسی کو معلوم نہیں کہ کیا چھپا ہے ان کے واسطے آنکھوں کی ٹھنڈک میں)۔ ایک قول کے مطابق "وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ" سے نمازِ تہجد مراد ہے کیونکہ اس میں مجاہدۂ نفس و دشمن کے مقابلے میں صبر کی قوت عطا ہوتی ہے۔ سورۂ آلِ عمران آیت ۱۱۳ میں

---

[1] احیاء العلوم، جلد ۴، صفحہ ۳۲۴۔

"یَتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰہِ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَھُمْ یَسْجُدُوْنَ" میں قیام اللیل والوں کو صالحین کہا گیا ہے۔ مستحب یہ جانا گیا ہے کہ دو تہائی رات کا حصہ قیام کرے اور اقل رات کا چھٹا حصہ قیام کرے۔ صوفیاء کا قول ہے کہ شروع رات قیام کرنا تہجد گزاروں کا کام ہے۔

اکثر صوفیاء کا یہ حال ہوتا ہے کہ انہیں خبر ہی نہیں ہوتی کہ رات کب آئی کب چلی گئی۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ علی بکارؒ فرمایا کرتے تھے کہ "پچھلے چالیس برسوں سے مجھے صرف طلوع فجر سے غم ہوتا ہے"۔ فضیل بن عیاضؒ "سورج غروب ہونے پر خوش ہوتے کہ اب پروردگار کے ساتھ خلوت ہوگی اور جب فجر ہوتی تو یہ غم ہوتا کہ اب لوگ آئیں گے، شب بیداری میں جو لذت ہے اگر یہی اس کا اجر ہو تو یہ کافی ہوگا، کیونکہ شب کی مناجات دنیا میں جنت کا مشابہ ہیں۔

بے ذوق عبادت مزدوری ہے اور معمولی اجر رکھتی ہے

شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ فرماتے ہیں کہ شیخ ابوقاسم قشیریؒ نے مجھ سے کہا کہ دین سے طمع کو نکال باہر کرو کیونکہ اخلاص طمع کے ہوتے ہوئے ہاتھ نہیں آتا اس لئے کہ عمل طمع کے ساتھ مزدوری کی حیثیت رکھتا ہے اور اخلاص کے ساتھ عبادت کہلاتا ہے۔ یاد رہے کہ عمل کا نیت پر ہی مدار ہوتا ہے، اگر عمل اجر کیلئے ہے تو اس کے مکافات معمولی اجر کے سوا کچھ نہیں ہوتے چنانچہ ایسا عمل مزدوری کی حیثیت رکھتا ہے عقلمند انسان کو چاہیے کہ ایسی مشقت یا مزدوری سے بچے۔ معراج کی شب اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے فرمایا کہ بندہ اسی قدر مجھ سے قریب ہوسکتا ہے کہ جس قدر فرائض اس نے ادا کئے ہوں مگر اس کے بعد ادا کئے جانے والے نوافل سے تو بندہ میرا مسلسل قرب حاصل کرلیتا ہے تا آنکہ میں اسے چاہنے لگتا ہوں (حتیٰ کہ میں اس کے کان، ہاتھ، آنکھ وغیرہ بن جاتا ہوں)۔[1] ابوقاسم قشیریؒ کا قول ہے کہ اگر چاہو کہ اللہ سے گفتگو ہو تو تنہائی میں اشعار پڑھا کرو۔

بے تو جاناں قرار نتوانم کرد

(تیرے بغیر میرے محبوب میں سکون نہیں پا سکتا)

اگر کوئی روزانہ اللہ تعالیٰ کے دروازے پر دستک دے تو وہ بات سنتا اور جواب بھی دیتا ہے لیکن اگر اس پکار میں ذوق و شوق نہیں تو خدا کو اس کیفیت کا علم ہوتا ہے چنانچہ خدا کی طرف سے اس بے ذوق عبادت پر لبیک کی آواز نہیں سنائی دیتی۔

اولیائے کرام کی کثرتِ شب خیزی

حضرت علی ہجویریؒ نے لکھا ہے کہ حسین بن منصورؒ رات دن میں چار سو رکعت نماز فرض نمازوں سے

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۶۱۳۷، جلد ۵، صفحہ ۲۳۸۴۔

زائد پڑھا کرتے تھے۔ کچھ لوگوں نے پوچھا کہ جس درجہ میں آپ ہیں وہاں اس قدر صعوبت اور تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ رنج وراحت کے یہ امتیازات آپ لوگوں کیلئے ہیں۔ نماز اور عبادت میں خواہ وہ کتنی ہی زیادہ ہو راحت ہی راحت ہے۔ حق تعالیٰ کے دوست جو کہ فَانِیُ الصِّفَت (مقامِ فنا) میں ہوتے ہیں ان کے جسم وجان پر رنج اور تکلیف اثر انداز نہیں ہوتے۔ فرماتے ہیں کہ دیکھنا کہیں کاہلی کا نام کمال اور حرص وہوس کا نام طلب نہ رکھ لینا (جیسا کہ آج کل کے کچھ بناوٹی درویش خود کو ریاضت' عبادت اور شریعت سے بالاتر سمجھتے ہیں، العیاذ باللہ) حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ روزانہ ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے اور نماز میں ان پر لرزہ طاری ہو جاتا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جب اذان کی آواز سنتے تو اس قدر روتے کہ چادر تر ہو جاتی، رگیں پھول جاتیں اور فرماتے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ موذِن کیا کہتا ہے تو راحت اور آرام کو بھول جائیں اور نیند اڑ جائے اور پھر ہر جملۂ اذان پر تنبیہ فرماتے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ دو سو رکعت نماز نفل ادا کرتے تھے، امام اعظمؒ تو اس قدر طویل الوقت درسِ حدیث اور فقہ کی خدمت کے باوجود اتنی عبادت کرتے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ آپ نے تیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی، سنت کے مطابق کچھ دیر کیلئے دوپہر کو آرام فرماتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ عصر کے بعد سونے والے کی عقل جاتی رہتی ہے، ایسا شخص سوائے اپنے آپ کے کسی اور کو ملامت نہ کرے۔ سوائے دوپہر کے سونا کسل مندی پیدا کرتا ہے اور بدن کیلئے مضر ہے۔ امام شافعیؒ رمضان شریف میں ساٹھ قرآن ختم فرماتے تھے۔ صرف رات کو تھوڑی دیر سوتے، آپ نے ۱۲ سال کی عمر میں تمام علوم کی تکمیل فرمائی۔

امام غزالیؒ کو کسی نے رحلت فرما جانے کے بعد خواب میں دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ تمام عبادات جو زندگی میں کرتا رہا وہ تو فرض ہونے کی حیثیت سے نافذ تھیں لیکن ان سے صرف ادائیگی فرض پوری ہوئی مگر حقیقتاً نجات کے لیے تو صرف رات کے پڑھے جانے والے وہ چند نوافل کام آئے جو کہ میں تہجد کے وقت پڑھ لیا کرتا تھا۔ حضرت عطا فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک ایسی لونڈی سستے داموں خریدی جس کو لوگ دیوانی کہتے تھے۔ جب رات کا کچھ حصہ گزرا تو وہ اٹھی وضو کیا اور نماز شروع کر دی اس کی حالت تھی کہ روتے روتے اس کا دم نکلا جا رہا تھا۔ نماز کے بعد مناجات میں کہنے لگی ''اے میرے معبود تجھے مجھ سے محبت رکھنے کی قسم مجھ پر رحم فرما'' حضرت عطاؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ ایسے نہ کہو بلکہ یہ کہو'' تجھ سے میری محبت رکھنے کی قسم'' یہ سن کر اُسے غصہ آ گیا اور کہنے لگی کہ اس ذات کی قسم اگر اسے مجھ سے محبت نہ ہوتی تو تجھے میٹھی نیند نہ سلاتا اور مجھے یوں نماز میں کھڑا نہ رکھتا'' اس کے بعد وہ سجدے میں گر کر روتی رہی اور اپنے عشق کے اشعار پڑھتی رہی اور آخیر میں کہا کہ'' الٰہی اب تک میرا اور تیرا راز مخفی تھا اب مخلوق کو خبر ہو گئی ہے اب مجھے دُنیا سے اُٹھا لیجئے۔ اس کے بعد اس نے ایک چیخ ماری اور مرگئی''۔

بزرگوں کی عبادت میں کمی یا ترک ممکن نہیں

شیخ ابوعبداللہ جلاء ؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے اپنی بیوی کی فرمائش پر بازار سے مچھلی خریدی اور قلی کی تلاش میں تھا کہ ایک نوعمر لڑکا بولا "چچا جان اٹھانے کیلئے مزدور چاہیے؟" جب میں نے کہا ہاں تو وہ اس مچھلی کو اٹھا کر ساتھ چلنے لگا۔ راستے میں اذان کی آواز سنی تو کہنے لگا "اللہ کے منادی نے بلایا ہے، مجھے وضو کرنا ہے۔ نماز کے بعد آگے جاسکوں گا۔ آپ چاہیں تو انتظار کرلیں ورنہ اپنی مچھلی لے جائیں" یہ کہہ کر وہ مچھلی چھوڑ کر مسجد میں چلا گیا۔ میں نے اپنے بیٹے سے کہا (جو میرے ساتھ تھا) کہ یہ مزدور لڑکا اگر ایسا کرتا ہے تو ہمیں تو بطریقِ اولیٰ اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ جب ہم نماز پڑھ کر آئے تو مچھلی وہیں پڑی ہوئی تھی اور اس لڑکے نے اٹھا کر ہمارے گھر پہنچادی۔ گھر پہنچ کر جب میں نے اپنی بیوی کو یہ قصہ سنایا تو اس نے کہا اس لڑکے کو روک لو وہ مچھلی کھا کر جائے، لڑکے نے کہا کہ میرا تو روزہ ہے، ان کی بیوی نے کہا کہ اُسے کہو کہ وہ افطاری پر آجائے۔ لڑکے نے کہا میں ایک بار جا کر دوبارہ نہیں آتا، ممکن ہے کہ شام تک تمہارے پاس والی مسجد میں رہوں اور اگر ایسا ہوا تو تمہاری دعوت کھا کر جاؤں گا، جب وہ آیا تو ہم نے کھانے کے بعد اس کو تخلیہ کی جگہ بتائی کہ آرام کرلے۔ ابوعبداللہ ؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک اپاہج عورت رہا کرتی تھی۔ ہم نے دیکھا کہ وہ ٹھیک ٹھاک چلتی ہوئی آرہی ہے۔ ہم نے پوچھا تم کیسے ٹھیک ہوگئی ہو۔ کہنے لگی کہ اس مہمان کے طفیل میں نے دُعا کی تھی کہ اے اللہ اس کی برکت سے مجھے اچھا کردے اور میں اچھی ہوگئی۔ مزدور کو جب کمرے میں دیکھا تو وہ غائب ہو چکا تھا۔

جنید بغدادی ؒ جب ضعیف ہوگئے تو جوانی کے اوراد سے ایک ورد بھی ترک نہ کیا۔ لوگوں نے کہا یہ عباداتِ نافلہ ہیں اب انہیں ترک کردیں۔ فرمایا جو چیز ابتداء میں میں نے اللہ کے فضل سے حاصل کی یہ محال ہے کہ اب انہیں ترک کردوں۔ یہ عبادت آخر کار بزرگوں کیلئے خوراک بن جاتی ہے جیسے فرشتوں کی غذا عبادت ہے فرشتہ سیرت انسانوں کی بھی یہی غذا ہوتی ہے۔ حضرت داتا گنج بخش ؒ نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن مبارک ؒ نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کو نماز کے دوران بچھو نے چالیس جگہ پر ڈنگ مارا مگر اس نے نماز کو ترک نہ کیا کیونکہ وہ اللہ کے کام میں اپنا کام کرنا مناسب نہیں سمجھتی تھیں۔

لقائے الٰہی کا حصول

کشف المحجوب میں حدیث قدسی نقل کی گئی ہے کہ "مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ أَحَبَّ اللهُ لِقَاءَ هُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللهِ كَرِهَ اللهُ لِقَاءَ هُ"[1] (جو اللہ سے ملنا پسند کرے اللہ اس سے ملنا پسند کرتا ہے، جو اللہ سے ملنا پسند نہ کرے اللہ اس سے ملنا پسند نہیں کرتا)۔ ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۶۱۴۲، جلد ۵، صفحہ ۲۳۸۶۔

حضور ﷺ سے اللہ کا فرمان بیان کیا وہ یہ کہ ''مَنْ اَهَانَ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ بَارَزَنِیْ بِالْمُحَارَبَةِ وَمَا تَرَدَّدْتُ فِیْ شَیْءٍ كَتَرَدُّدِیْ فِیْ قَبْضِ نَفْسِ عَبْدِیْ الْمُؤْمِنِ یَكْرَهُ الْمَوْتَ وَاَكْرَهُ مَسَاءَتَهٗ وَلَا بُدَّ لَهٗ مِنْهُ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ اَدَآءِ مَا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِ وَلَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ لَهٗ سَمْعًا وَّ بَصَرًا وَّیَدًا وَّرِجْلاً وَلِسَانًا''[1] (جس نے میرے ولی کی اہانت کی اس نے مجھ سے لڑائی کی جرأت کی، اور میں کسی چیز میں تردد نہیں کرتا جیسا میں بندۂ مومن کی جان قبض کرنے میں تردد کرتا ہوں، وہ موت کو مکروہ جانتا ہے اور میں اس کیلئے برائی کو مکروہ جانتا ہوں حالانکہ وہ ایک نہ ایک دن آنے والی لازمی ہے اور ادائے فرض سے کوئی چیز زیادہ عزیز نہیں جو میرے قرب کا باعث ہو اور ہمیشہ بندہ نوافل سے میرا قرب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں اور جب میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں، تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں اور ہاتھ بن جاتا ہوں اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں اور اس کی زبان)۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ''كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا''[2] (میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے)۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ چالیس تابعین سے بطریقِ تواتر یہ ثابت ہے کہ وہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے تھے۔ حضرت امام شافعیؒ تیس سال کی مدت تک تمام رمضان کی راتوں میں ساٹھ قرآن ختم کر دیتے۔ دن رات میں دوبار قرآن پڑھ لینا خواص کیلئے روا ہے۔ ابوعتاب سلمیؒ چالیس برس تک رات بھر روتے رہے۔

طویل سجدے

ابو اللیثؒ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی لوگوں کو دکھانے کیلئے لمبی نمازیں پڑھے تو نمازوں کا ثواب تو ملے گا مگر نماز کو دراز کرنے کا نہیں کیونکہ دکھاوے کی نماز کا ثواب نہیں ملتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مروی ہے کہ طویل قیام سے پل صراط پر بندے کا گزر امان سے ہوگا۔ طویل سجود کے باعث مسلمان عذاب سے امان میں رہے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ طولِ قیام سے تو قیامت کے دن قیام آسان ہوگا اور بعض کے نزدیک سکراتِ موت میں آسانی ہوگی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سجدہ دراز کیا کرو کیونکہ یہ خدا کو محبوب ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنے سامنے سجدہ کرتا ہوا دیکھے۔ حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ سجدے میں تین مرتبہ تسبیحات پڑھنے سے اکتفا نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اس میں مبالغہ کرے (یعنی گیارہ تک کہے)۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت اویس

---

[1] المعجم الاوسط، حدیث ۹۳۵۲، جلد ۹، صفحہ ۱۳۹۔

[2] صحیح بخاری، حدیث ۶۱۳۷، جلد ۵، صفحہ ۲۳۸۴۔

قرنی رضی اللہ عنہ اور دیگر بہت سے بزرگ ایسے تھے کہ تمام رات ایک ہی حالت میں گزار دیتے۔ کبھی رکوع فرماتے تو پوری رات رکوع میں کٹ جاتی اور کبھی یہ فرماتے کہ آج کی رات سجدہ میں گزار دیں گے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تو اکثر سجدے کی حالت میں رات گزارتیں اور صبح کو فرماتیں کہ اے اللہ رات کس قدر مختصر ہے کہ ایک سجدہ بھی پورا نہ ہوا کہ صبح ہو گئی۔

قیام اللیل پر اکابرین اسلام کے اقوال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَإِنَّهُ دَأْبُ الصَّالِحِينَ قَبْلَكُمْ"[1] (قیام اللیل کو لازمی پکڑو کیونکہ یہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ تھا)۔ یہ قرب الٰہی کا ذریعہ ہے اور گناہوں کو ساقط کرنے، گناہوں کو روکنے اور بیماری کو دور کرنے کا واسطہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے عشاء کے بعد دو رکعت یا اس سے زیادہ پڑھ لیں تو وہ گویا تمام رات سجدہ یا قیام میں لگا رہا۔ بشر حافیؒ کو کہا گیا کہ آپ راتوں کو اتنا قیام کرتے ہیں اور آرام کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک ورم کر جاتے تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے (نا کردہ) گناہ بھی معاف کر دیئے تھے تو میں کیسے سو سکتا ہوں جب کہ مجھے علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرا ایک بھی گناہ معاف کیا ہے یا نہیں۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ رات کا قیام اس شخص کیلئے بوجھل ہوتا ہے جس کو گناہوں نے بوجھل کر رکھا ہو۔ ابراہم بن ادھمؒ سے کسی نے کہا میں رات کو قیام نہیں کر سکتا، مجھے اس کا علاج بتائیں، فرمایا کہ دن کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو، وہ تجھے رات کو اپنے سامنے کھڑا کر لے گا کیونکہ رات کو اس کے سامنے کھڑا ہونا بڑے ہی شرف کی بات ہے اور عاصی اس شرف کا مستحق نہیں ہے۔ حضرت وکیعؒ نے فرمایا کہ علم ایک نور ہے جو گناہ گار کو نہیں دیا جاتا، جو علم حاصل کرنا چاہے وہ گناہوں کو ترک کر دے۔ اس سے متعلقہ ایک عربی کی رباعی "اسلامی عبادات کے اثرات سائنسدانوں کی نظر میں" کے ضمن میں گزر چکی ہے۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ کم کھایا کرو تا کہ رات کو قیام کر سکو۔

ابوالجویریہؒ چھ ماہ تک امام ابوحنیفہؒ کے پاس ٹھہرے اور انہیں اس چھ ماہ کے عرصہ میں (امام ابوحنیفہؒ کو) زمین پر پہلو لگاتے ہوئے دیکھا نہیں، آپ کیلئے رات کو سونے کا کوئی بستر نہ تھا۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں امام ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر کوئی عابد، زاہد اور پرہیز گار نہیں دیکھا۔ حضرت بغدادیؒ نے فرمایا کہ انہوں نے حضرت سری سقطیؒ کو نوے سال کی عمر تک زمین سے کمر لگاتے ہوئے نہ دیکھا۔ حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے جو پایا ہے شب بیداری سے، انکساری سے اور مال دنیا سے بے نیازی کی وجہ سے پایا ہے، انکساری انسان کو اللہ کے قریب لاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی نیازمندی اور عاجزی سے بڑھ کر

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۳۵۴۹، جلد ۵، صفحہ ۵۵۲۔

کوئی چیز پسند نہیں، انکساری سخت پتھر پر گرے تو وہاں سے چشمۂ آب جاری ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ طریقت کا اصل اصول تو یہی انکساری ہے اور انکساری ہی اللہ کی رحمت کی دلیل ہے۔ شب بیداری میں دیگر خوبیوں کے علاوہ ایک یہ بھی ہے کہ شب کی تنہائیوں میں یادِ الٰہی کو قائم کرنے اور چھپ کر آہ وزاری کرنے سے عاجزی اور انکساری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور نماز میں تو غایتِ اولیٰ انتہائی عجز اور تذلیل کا اظہار کرنا ہے۔ نمازی جب رات کو اللہ کیساتھ راز و نیاز کرتا ہے تو ''وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا'' کے مصداق (سب کچھ چھوڑ کر اللہ سے لو لگا لو) انسان دنیا کی ہر شے سے کٹ جاتا ہے لیکن جب کاروبارِ دُنیا میں آتا ہے تو پوری تندہی سے اپنے فرائض دُنیا ادا کرتا ہے، کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

نمی گویم کہ از عالم جدا باش   ولے ہر جا کہ باشی با خُدا باش

(میں یہ نہیں کہتا کہ دنیا سے الگ ہو جاؤ لیکن یہ کہ جہاں بھی رہو باخدا ہو کر رہو)

فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ روایات میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ رات کو تجلی فرماتے ہیں تو ارشاد فرماتے ہیں ''کہ کہاں ہیں وہ جو دن کو میری محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، دیکھو میں صبح تک اپنے دوستوں کی طرف جھانکتا ہوں کہ وہ میرے سامنے مجھ سے بالمشافہ باتیں کریں' طاؤسؒ کا قول ہے کہ جہنم کا ڈر عابدوں کی نیندیں اڑا کر لے گیا ہے۔ ثابت بنانیؒ اپنے گھر والوں کو کہتے کہ اُٹھو نماز پڑھو کیونکہ رات کی نماز قیامت کی ہولناکیوں سے بہت آسان ہے۔ عبدالعزیز بن ابی داؤدؒ رات کو اپنے بستر کو ہاتھ لگاتے اور فرماتے کہ تو بہت نرم ہے لیکن جنت کے بستر تجھ سے بھی زیادہ نرم ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی ہوئی کہ جو شخص میری محبت کا دعویدار ہے اور جب رات ہوتی ہے اور وہ سو جاتا ہے تو وہ کاذب ہے۔ رابعہ عدویہؒ ہر رات کو وضو کر کے خوشبو لگاتیں پھر اپنے خاوند سے فرماتیں کیا آپ کو کچھ ضرورت ہے۔ اگر وہ کہتے نہیں تو پھر صبح تک نماز پڑھتیں، اول شب میں دعا کرتیں ''کہ اے اللہ تمام آنکھیں سو گئی ہیں اور ستارے پیچھے چلے گئے ہیں' دنیا کے بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کر لئے ہیں لیکن ایک تیرا دروازہ ہے جو بند نہیں ہوتا، پس تو مجھے بخش دے اور پھر نماز کیلئے کھڑی ہوتیں تو عرض کرتیں کہ اے اللہ تیری عزت اور جلال کی قسم ہے جب تک زندہ ہوں تیرے سامنے ہر شب صبح تک یونہی کھڑی رہوں گی ؎

شب خیز کے عاشقاں بہ شبِ راز کنند   گِردِ در و بامِ دوست پرواز کنند

(رات کو جاگو کیونکہ عاشق لوگ رات کو راز کی باتیں کرتے ہیں اپنے دوست کے در و بام کے گرد پرواز کرتے ہیں)

ہر جا کہ درے بود' شب بر بندند   اِلّا درِ دوست را کہ شب باز کنند

(جہاں کہیں دروازہ ہوتا ہے رات کو بند کر دیتے ہیں' سوائے دوست کے دروازے کے کہ وہ کھلا رکھتے ہیں)

بعض علما نے کہا ہے کہ کسی کے پاس کھانے سے پہلے دیکھا کرو کہ کس کے ہاں کھا رہے ہو اس لئے کہ بندہ کبھی ایسا کھانا کھا لیتا ہے کہ اس نحوست سے اس کی پہلی حالت بگڑ جاتی ہے۔ کچھ گناہ ایسے ہیں کہ جن سے

تہجد سے محرومی ہو جاتی ہے اور کچھ ایسے کہ جن کے باعث تلاوت کلام پاک چھوٹ جاتی ہے، کچھ گناہ ایسے ہیں جس سے نماز بھی چھوٹ جاتی ہے اور بعض گناہوں سے بے حیائی اور بے باکی پیدا ہو جاتی ہے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ مولانا رومیؒ کا تو تمام کلام ہی روحانیتِ اسلام پر ہے۔ زیرِ غور موضوع یعنی شب بیداری سے متعلق آپ کے چند اشعار پیش کئے جا رہے ہیں آپ فرماتے ہیں ؎

راہ دور است اے پسر ہشیار باش　　خواب راہ گور افگن و بیدار باش

(اے بیٹے راستہ بہت دُور کا ہے ہشیار ہو جا، نیند کو قبر کیلئے چھوڑ دے اور بیداری اختیار کر)

ور تو مردِ زاہدی شب زندہ باش　　بندگی کن تا بروزے بندہ باش

(اگر تو مردِ زاہد ہے تو راتوں کو بیدار رہ اور بندگی کرتا کہ تو ایک دن بندہ بن جائے گا)

ور تو ہستی مردِ عاشق شرم دار　　خواب راہ در دیدۂ عاشق چہ کار

(اگر تو مردِ عاشق ہے شرم کر، نیند کا عاشق کی آنکھوں میں کیا کام ہے؟)

امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا جس کی وجہ سے میں پانچ ماہ تک رات کے قیام سے محروم رہا، بہت جستجو کے بعد ایسے گناہ کا علم ہوتا ہے۔ ابوسلیمانؒ فرماتے ہیں کہ گناہوں کی وجہ سے نمازی کی جماعت فوت ہو جاتی ہے۔ ناپاک رہنا خدا سے دور رکھتا ہے اور کم کھانے سے شب بیداری میں مدد ملتی ہے ستر (۷۰) صدیقوں کا قول غنیۃ الطالبین میں نقل کیا گیا ہے کہ نیند کی زیادتی پانی بکثرت پینے سے ہوتی ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بندہ ایک گناہ کرتا ہے اور اس کی وجہ سے شب بیداری اور دن کے روزے سے محروم ہو جاتا ہے۔ حضرت قزازؒ رات بھر بیٹھے جاگتے رہتے تھے۔ کسی نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ تصوف کی بنیاد تین چیزوں پر ہے (۱) ہمیشہ فاقہ کے بعد کھانا (۲) ضرورت کے مطابق گفتگو کرنا (۳) اور نیند کا غلبہ ہو تو سونا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ رات کی ایک رکعت دن کی دس رکعتوں سے افضل ہے احادیث میں ہے آخیر شب میں اور ہر فرض نماز کے بعد دعا مقبول ہوتی ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ دعا کس وقت زیادہ سنی جاتی ہے فرمایا کہ سحر کے وقت سے عرش میں لرزہ آتا ہے (اور جلالِ ازلی نمودار ہوتا ہے) حضرت سلطان باہوؒ کا اس سلسلہ میں بہت طویل کلام ہے۔ آپ کی ایک رباعی تبرکاً پیش کی جا رہی ہے، ملاحظہ فرمائیں ؎

عاشق راز ماہی دے کولوں کدی نہ ہون واندے (فارغ) ھو
نیند حرام تنہاں تے ہوئی جہڑے اسم ذات کماندے ھو
ہک پل مول آرام نہ کر دے دنے رات او تن کرلاندے ھو
جنہاں الف صحیح کر پڑھیا باھو واہ نصیب تنہاں دے ھو

حضرت اسماعیل شاہ صاحب کرمانوالےؒ کے پاس ایک شخص عرض کرنے لگا کہ عرصہ چھ سال سے حضور

میری بیٹی کی چارپائی کے نیچے ہر شب کوئی نہ کوئی سانپ آکر بیٹھ جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا جو شعر میں سناتا ہوں اسے اچھی طرح یاد کرلو اور سب گھر والے مل کر پڑھا کرو۔ تیسرے دن وہ شخص آیا اور کہنے لگا کہ ہم نے ایک ہی دن پڑھا تو اب کوئی سانپ نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا یہ شعر ایسا ہے کہ سانپ تو کیا ہر موذی جانور پڑھنے والے سے کوسوں دور بھاگتا ہے۔ وہ شعر یہ تھا، جو شب بیداری کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔

اٹھ فریدا ستیا جھاڑو دے مسیت   تو ستا رب جاگدا تیری ڈاہڈے نال پریت

بیدار ہونے کی دعائیں

حضرت معروف کرخیؒ نے اپنی سند ابن عباس رضی اللہ عنہ تک پہنچا کر روایت کی ہے کہ جو اس دعا کو سوتے وقت پڑھے تو خدا اس کے پاس نہایت پسندیدہ وقت میں فرشتہ بھیجے گا جو اُسے جگا دے گا۔ اگر وہ اٹھ کھڑا ہو تو خیر ورنہ فرشتے ہوا میں عبادت کرتے ہیں اور ان کی عبادت کا ثواب اس کو ملتا ہے اور اگر اُٹھ جائے اور دُعا مانگے تو دُعا قبول ہوتی ہے، دعا یہ ہے ''اَللّٰھُمَّ لَا تَاْمَنَّا بِمَکْرِكَ وَلَا تُنْسِنَا ذِکْرَكَ وَلَا تَکْشِفُ عَنَّا سِتْرَكَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْقَوْمِ الْغَافِلِیْنَ اَللّٰھُمَّ اَیْقِظْنَا فِیْ اَحَبِّ السَّاعَاتِ اِلَیْكَ حَتّٰی نَذْکُرَكَ فَتَذْکُرُنَا وَ نَسْئَلُكَ فَتُعْطِیْنَا وَنَدْعُوْكَ فَتَسْتَجِیْبُ لَنَا وَ نَسْتَغْفِرُكَ فَتَغْفِرْلَنَا'' (اے اللہ اپنی تدبیر خفی سے ہمیں نڈر کردے اور اپنی یاد ہمیں بھلا نہ دینا، ہم سے اپنا پردہ نہ کھول اور ہم کو غافلوں سے نہ بنا، اے اللہ ہمیں اپنی نہایت پسندیدہ ساعت میں بیدار کرتا کہ ہم آپ کو یاد کریں اور آپ (بھی) ہمیں یاد کریں اور ہم آپ سے دعا مانگیں اور آپ سن لیں ہم آپ سے معافی مانگیں اور آپ ہمیں بخش دیں)۔ سورۂ کہف کی آخری تین آیات ''اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' اگر رات کو پڑھ کو سو جائے اور وقت مقررہ پر اٹھنے کی دعا کی جائے تو تہجد کے وقت آنکھ ضرور کُھل جاتی ہے۔ اگر اٹھ کر تہجد نہ بھی پڑھے تو کم از کم کوئی دُعا مانگ لے۔ یہ قبولیت کا وقت عموماً رات کو پونے دو سے سوا تین کے درمیان ہوتا ہے۔

دعائے حاجت

حضرت معروف کرخیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ رات ہونے پر یہ دُعا اگر پڑھے تو خدا جبرائیل علیہ السلام سے جو بندوں کے قضائے حاجات پر مقرر ہیں فرماتا ہے کہ اے جبرائیل علیہ السلام میرے بندے کی حاجت کو پورا کر دو۔ وہ دعا ''دعائے حاجات اور امراض'' کے عنوان سے بیان کی گئی ہے، جہاں اس قسم کی اور بھی مشہور دعائیں نقل کردی گئی ہیں۔

---

[1] اسنی المطالب، الشیخ محمد بن درویش، متوفی ۱۲۷۷ھ، حدیث ۲۷۵، جلد ۱، صفحہ ۷۱۔

خواب میں ڈرنے والے کیلئے دعا

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو رات کو خواب میں خوفناک صورتیں نظر آتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تین بار یہ پڑھو تو تمہاری شکایت دور ہو جائیگی (تفسیر ابن کثیر میں امام احمد کے حوالے سے ایسا ہی لکھا ہے) ''أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَأَنْ يَّحْضُرُوْنَ'' (میں اللہ کے پورے کلموں کے ساتھ اس کے غضب اور عذاب سے اس کے بندوں کے شر سے اور شیطان کے وسوسے دینے سے اور اس بات سے کہ وہ میرے پاس آئیں پناہ مانگتا ہوں)۔[1]

مسئلہ تہجد کا حل

اس جگہ ان لوگوں کیلئے تہجد پر استقامت حاصل کرنے کا طریقہ بیان کیا جا رہا ہے جن احباب کو فرض نمازوں کی ادائیگی میں تواتر حاصل ہے۔ یاد رہے کہ نماز پنجگانہ کی ادائیگی تہجد کی نماز کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے۔ فرض نمازوں پر پابندی حاصل کرنے کا آسان طریقہ اس کتاب میں نماز کے آخری ابواب میں شامل کر دیا گیا ہے' خواہشمند حضرات اگر صدقِ دل سے کوشش کریں تو انشاء اللہ استقامت حاصل کرنے میں کامیابی حاصل ہوگی۔

تہجد کا لفظ ''هُجُوْدٌ'' سے بنا ہے جس کے معنی نیند کے ہیں تہجد میں نیند کو توڑنا ہے لہذا اس نماز سے پہلے کچھ وقت (خواہ پانچ منٹ ہی کیوں نہ ہو) سونا ضروری ہے سوائے ان لوگوں کے جو تمام رات شب بیداری کریں۔ تہجد کی نماز پر استقامت حاصل کرنا اس وقت ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ جب ہم اس کو اپنے دیگر اہم کاموں کی طرح ضروری تصور کریں۔ دنیاوی کام کرنے کیلئے جس قدر عزم اور انہماک سے کام لیا جاتا ہے اگر اتنی ہی کوشش وانہماک تہجد کیلئے بروئے کار لائی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس کی باقاعدہ ادائیگی کی توفیق حاصل نہ کر سکیں۔ اس کام میں اصل رکاوٹ یہ ہے کہ ہم دانستہ طور پر تہجد کی نماز کی پرواہ نہیں کرتے اس کو ادا کرنے کیلئے غفلت کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے دل میں اس کی رغبت نہیں پاتے۔ راقم الحروف اس بات کو وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ اگر مندرجہ ذیل چند اشاروں کو ذہن نشین کر لیا جائے تو تہجد کی ادائیگی میں کوئی مشکل نہیں آتی۔

(۱) غایتِ اوّل یہ ہے کہ نماز تہجد کی اہمیت اور بلندیٔ مرتبت کے متعلق تمام معلومات قیام اللیل کے مندرجہ بالا بیان سے حاصل کریں اور اگر اس بیان سے دل متاثر ہو جائے تو دل میں تہیہ کیا جائے کہ آج کے بعد تہجد کی نماز سے اپنی کوئی رات خالی نہیں جائے گی۔ جو قربِ الٰہی (فرائض کی ادائیگی کے بعد) نماز تہجد میں ملتا ہے وہ کسی اور عبادت میں نہیں، تہجد کا مقام اس قدر بلند ہے کہ ولایت اور تصوف کی دنیا میں اس عبادت

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۳۴۴۷، جلد ۵، صفحہ ۴۹۶۔

کے بغیر قدم رکھنا متصور نہیں۔

(۲) اس عزم کی پختگی کے بعد اس پر عمل کرنا اس حالت میں آسان ہو جاتا ہے جب دل میں یہ خیال کرے کہ ہم لذائذ دنیا کی خواہشات کو جس شدت سے دل میں جگہ دیتے ہیں' اس سے زیادہ تہجد کا حق ہونا چاہیے۔ اس شوق کو مؤثر بنانے کیلئے کسی ولی اللہ کی صحبت اختیار کرنا بہت سود مند ثابت ہوتا ہے کیونکہ ان کی صحبت سے دل عبادت کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

(۳) تہجد کی راہ ہموار کرنے کیلئے اپنی زندگی میں چند معمولی مگر اہم تبدیلیاں پیدا کریں۔ سب سے پہلی یہ کہ رات کو جلد سو جائیں تا کہ نیند پوری ہو جائے اور تہجد کے وقت خود بخود اٹھنے کو جی چاہے۔ رات کی بے سود اور بے ہنگم مجالس مثلاً دیر تک ٹی وی دیکھنا، زیادہ دیر تک خوش گپیاں لگانا، ہوٹلوں کی تفریح، سڑکوں کی سیر، دعوتوں میں بلاضرورت تاخیر وغیرہ کو ختم کریں یا کم از کم غایت ضروریہ سے زیادہ توجہ نہ دیں۔

(۴) تہجد کے وقت اٹھنے کیلئے الارم والی گھڑی کا استعمال بہت عُمدہ ثابت ہوتا ہے اور سحری کے وقت سے آدھ گھنٹہ پہلے اٹھ جانا کافی ہوسکتا ہے۔ حاجاتِ ضروریہ کے بعد اگر دس منٹ کا وقت نماز تہجد کیلئے مل جائے تو کافی ہوگا، اس وقفہ میں دس نوافل ادا کئے جاسکتے ہیں۔ اس مختصر وقفہ کے دوران ہی سجدے میں سر رکھ کر اپنی گزشتہ کوتاہیوں پر اگر کچھ اشک بہانا میسر ہو تو یہ ادا ہمارے پاک پروردگار کے ہاں بہت مقبول اور پسندیدہ ہے ؎

اک عمر کاٹ دی ہے سوادِ گناہ میں دھوتا ہوں شب کو بیٹھ کر داماں کبھی کبھی

(۵) تہجد کیلئے اٹھنے کی دعاؤں کا پڑھنا بھی نماز کے وقت پر اُٹھنے میں مدد دیتا ہے۔ نماز تہجد کے فوراً بعد نماز فجر ادا کریں اور پھر کچھ دیر سو لینا عام لوگوں کیلئے اس لئے بہتر ہے کہ نیند کی شدت باقی نہیں رہتی۔ حضور ﷺ اور حضرات صحابہ کرام کا یہ طریقہ تھا کہ نمازِ اشراق کی ادائیگی تک مصلّی پر ذکر و اذکار میں مشغول رہتے اور اس کے بعد کچھ دیر سو لینا بھی کچھ صحابہ سے ثابت ہے۔ اگر نماز تہجد اس مختصر وقت کیلئے قائم ہو جائے تو اس میں اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی چیز کی طلب کیلئے کوشش اور تڑپ ہو تو اس کی طلب کا پورا ہونا مشکل نہیں ؎

تو بہ جانے کہ باشی می طلب آب می جو دائما اے خشکِ لب

(جہاں بھی تم جاؤ طلب ہی کرتے رہو اے پیاسے تو ہمیشہ پانی کا متلاشی رہے)

گفت پیغمبر کے چوں کوبی درے عاقبت بینی ازاں در ہم سرے[۳۳۲]

(پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ اگر دروازہ کھٹکھٹاتے رہو گے تو ایک دن خود ہی اس در سے کسی کا سر باہر نکلے گا اور پوچھے گا کون ہو؟ کیا چاہتے ہو؟)

چوں نشینی بر سرِ کوئے کسے عاقبت بینی تو ہم روئے کسے[۳۳۳]

(اگر تم کسی گلی کے کنارے بیٹھے رہو گے تو یقیناً تم کسی کا چہرہ دیکھ لو گے)

اندریں راہ می تراش و می خراش تا دمے آخر دمے فارغ مباش[۳۳۴]

(راہِ طلب میں تراش وخراش کرتے رہو اور آخری سانس تک خود کو فارغ نہ رکھو)

حاصل آنکه ہر که اُو طالب بود جانِ مطلوبش بُرو راغب بود

(خلاصہ یہ کہ جو بھی کوئی طالب ہوتا ہے اس کے مطلوب کی روح بھی اس کی طرف راغب ہو جاتی ہے)

تشنگاں گر آب جویند از جہاں آب ہم جوید بعالِم تشنگاں[۳۳۵]

(پیاسے اگر جہاں میں پانی کی تلاش کرتے ہیں، تو پانی بھی پیاسوں کی تلاش میں رہتا ہے)

اے که تو طالب نۂ تو ہم بیا تا طلب یابی ازیں یارِ وفا[۳۳۶]

(جو طالب نہ ہو وہ بھی آئے تاوقتیکہ وہ بھی ولی کامل سے طلب حاصل کرلے)

ہر کرا بینی طلبگار اے پسر یارِ او شو پیشِ اُو انداز سر[۳۳۷]

(اے برخوردار جس کو بھی تم دیکھو کہ طالب ہے اس کے یار بن جاؤ اور اس کے سامنے اپنا سر رکھ دو)

احادیث میں وارد ہوا ہے کہ حضرت داود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ اے داؤد جس کو تم ہمارا طالب پاؤ تو اس کے خادم بن جاؤ "مَنْ رَاَيْتَهٗ لِیْ طَالِبًا فَکُنْ لَهٗ خَادِمًا"[۱] مولانا رومیؒ کا آخری شعر اس حدیث کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مولانا کا یہ کلام ہر شوق اور ہر طالب کیلئے واحد حل ہے، کسی کو جو چیز مطلوب ہو وہ مسلسل کوشش اور جدو جہد سے حاصل ہو جاتی ہے۔ جب طالب اپنی طلب میں سچا اور پکا ہو تو پھر خدائی مدد اور عنایت شاملِ حال ہو جاتی ہے اور وہ خود بخود تائید ایزدی سے منزل کی طرف پہنچا دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ جگر نے کہا ہے ؎

میری طلب بھی کسی کے کرم کا ہے صدقہ قدم یہ اٹھتے نہیں، اٹھائے جاتے ہیں

اصغر گونڈوی کا شعر ہے۔ ؎

نہ میں دیوانہ ہوں اصغر نہ کوئی شوقِ عریانی کوئی کھینچے لئے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو

---

[۱] المقاصد الحسنۃ، حدیث ۳۵۳، جلد ۱، صفحہ ۲۱۳۔

باب نمبر ۲۶

الدّعا

لغت

اَلدُّعاءُ کا لغوی معنی ''پکارنا'' ہے، اصطلاح میں دعا پکار کر کچھ مانگنے کو کہتے ہیں۔[1] جیسے قرآن مجید میں ہے ''اَغَیْرَاللّٰہِ تَدْعُوْنَ'' (کیا تم غیر اللہ کو پکارو گے) (الانعام:۴۰)۔دعا کا لفظ کبھی نام رکھنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً دَعَوْتُ اِبْنِیْ زَیْدًا (میں نے اپنے بیٹے کا نام زید رکھا)، کبھی بلانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا ''لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا'' (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلانے کو عام بلانے کی طرح نہ خیال کرو) (النور:۶۳)، اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلانے پر اجابت ہے اور یہ بھی کہ آپ کو ''یا محمد'' کہہ کر نہ پکارو۔ اصطلاح میں دعا کا لفظ درخواست کرنے کیلئے بھی بولا جاتا ہے مثلاً ''قَالُوْا اُدْعُ لَنَا رَبَّکَ'' (انہوں نے کہا کہ اپنے پروردگار سے درخواست کیجیے) (البقرہ:۶۸)۔قرآن مجید میں اکسانے کے معنوں میں بھی دُعا کا لفظ استعمال ہوا ہے ''قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْہِ'' (یا رب جس کام کی طرف یہ مجھے بلاتی ہے اس کی نسبت مجھے قید پسند ہے) (یوسف:۳۳)۔کئی جگہوں پر دعا کا لفظ دعوۃ یعنی رفعت اور عظمت کے معنوں میں لایا جاتا ہے مثلاً ''لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْہِ لَیْسَ لَہٗ دَعْوَۃٌ'' (المومن:۴۳) (سچ تو یہ ہے کہ جس چیز کی طرف تم مجھے بلاتے ہو اسے (دعا قبول کرنے کی) طاقت نہیں) اور کبھی دعا بمعنی قول کے کہا گیا ہے مثلاً ''وَاٰخِرُ دَعْوٰھُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' (ان کا آخری قول یہ ہوگا کہ خدائے رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کا شکر ہے) (یونس:۱۰)۔

دعا کا مقام

اللہ تعالیٰ نے دعا کو بہت بڑا مقام عطا فرمایا ہے۔''سلوک السلوک'' میں ہے کہ اہلِ جہان کو معلوم ہونا چاہیے کہ آدمی کیلئے ناز و نعمت میں شکر سے بڑھ کو کوئی جائے قرار نہیں ہے اور نیاز و غنا میں دعا سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔لہٰذا دعا کو وہ درجہ حاصل ہے جو کسی عبادت کو حاصل نہیں کیونکہ نماز بھی نیک دعا ہی ہے۔عبادت تو کوئی دن کی، کوئی ہفتے کی، کوئی مہینے کی اور کوئی سال کی ہوتی ہے لیکن دعا ایک ایسی چیز ہے جو پاک اور ناپاک محتاط و بیباک اور آقا و غلام سے صبح و شام جائز ہے۔ بزرگوں سے منقول ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو جس نام سے بھی عجز و

---

[1] المفردات فی غریب القرآن، جلد ۱، صفحہ ۱۶۹۔

نیاز کے ساتھ بلائے اسے اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے اور اسے ویسی ہی نعمت سے نوازتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ "اَلدُّعَاءُ وَالْبَلَاءُ یَتَعَالَجَانِ" (دعا اور مصیبت باہم کشمکش کرتے ہیں)۔ امسند احمد میں حدیث مروی ہے کہ "لَنْ یَّنْفَعَ حَذْرٌ مِّنْ قَدْرٍ وَلٰکِنَّ الدُّعَاءَ یَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ یَنْزِلْ فَعَلَیْکُمْ بِالدُّعَاءِ عِبَادَاللّٰہِ" [۲] (احتیاط تقدیر کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آسکتی سوائے دعا کے وہ ان باتوں میں فائدہ دیتی ہے کہ جو نازل ہوچکیں اور جو ابھی نازل نہیں ہوئیں، اے اللہ کے بندو! خوب دعا کرو)۔

صوفیاء کرام نے فرمایا ہے کہ مصیبت کے مقابلے میں اگر دعا قوی تر ہو تو اسے روک دیتی ہے اور اگر کمزور ہو تو مصیبت غالب آجاتی ہے مگر باوجود کمزور ہونے کے مصیبت کو کچھ نہ کچھ کمزور ضرور کردیتی ہے تیسری صورت یہ ہے کہ ہر دو کی قوت برابر ہو تو دعا مقابلہ کرتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ خدا کے ارادہ یا حکم سے بچنا کچھ مفید نہیں ہوسکتا اور دُعا اس مصیبت کیلئے جو نازل ہوچکی ہے اور جو نازل نہیں ہوئی مفید ہے۔ [۳] مصیبت نازل ہوکر دعا سے کشمکش کرتی ہے اور قیامت تک ہر دو آپس میں مدافعت کرتی ہیں۔ صحیح حاکم میں بروایت ثوبان رضی اللہ عنہ ہے کہ حکم یا ارادہ کو بجز دُعا کوئی چیز نہیں روک سکتی اور آدمی گناہوں کی وجہ سے آنے والے رزق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومن کو دعا ہتھیار کے طور پر عطا فرمائی ہے اور حدیث شریف میں ہے "اَلدُّعَاءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ وَعِمَادُ الدِّیْنِ" (دُعا مومن کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون ہے)۔ [۴] دعا اظہارِ بندگی ہے، محبتِ الٰہی کا سبب، سنتِ انبیاء کرام اور ہر مذہب کو عطا کیا گیا عمل ہے۔ دعا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اسی لئے بار بار قرآن مجید میں دعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہر عبادت دعا کے بغیر معلق رہتی ہے، خدا کو دعا اس قدر مرغوب ہے کہ تمام کی تمام نماز کو دعا کی ہی شکل دی اور جو دُعا نہ مانگے اس کو خدا سے لا پرواہ اور مستغنی شمار کیا گیا ہے۔

دعا مقابلہ کرتی ہے

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو فرمایا کہ ایک کام تمہارا ہے اور ایک کام ہمارا ہے، تمہارا کام دعا مانگنا اور ہمارا کام قبول کرنا ہے۔ مجدّد الف ثانی ؒ نے مکتوبات میں نقل کیا ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا تقدیر کو روک دیتی ہے "لَا یَرُدُّ الْقَضَآءَ اِلَّا الدُّعَآءُ" (تقدیر کو دعا کے سوا کوئی چیز نہیں روک سکتی)۔ [۵] آپ فرماتے ہیں کہ تلوار اور جہاد یہ قدرت نہیں رکھتے کہ تقدیر کو روک سکیں لیکن دعا کا لشکر باوجود کمزوری اور شکستگی

---

[۱] احیاء العلوم، جلد ۱، صفحہ ۳۲۹۔

[۲] مسند احمد ۲۲۰۹۷، جلد ۵، صفحہ ۲۳۴۔

[۳] المستدرک، حدیث ۱۸۱۳، جلد ۱، صفحہ ۶۶۹۔

[۴] مسند الشہاب، حدیث ۱۴۳، جلد ۱، صفحہ ۱۱۶۔

[۵] سنن الترمذی، حدیث ۲۱۳۹، جلد ۴، صفحہ ۴۴۸۔

کے مجاہدین کے لشکر سے زیادہ طاقت والا ہے، مجاہدین کا لشکر جسم ہے تو دعا کا لشکر روح ہے، مجاہدین کے لشکر کو دعا کے لشکر کے بغیر فتح ونصرتِ خداوندی حاصل نہیں ہوتی۔

خطباتِ اقبال اور دعا

''خطباتِ اقبال'' میں دعا سے متعلق تین اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں، اس میں دعا سے وسیع تر مراد ''عبادت'' لی گئی ہے۔ باعتبارِ نفسیات دُعا یا عبادت ایک جبلی (طبعی' فطری) امر ہے اور پھر جہاں تک حصولِ علم کا تعلق ہے، ہم اسے (دعا) غور وفکر کے مشابہ کہیں گے، یہ دوسری بات ہے کہ اس کا درجہ غور وفکر سے کہیں اونچا ہے۔ اگر فکر کی حالت لیں تو ہمارا ذہن حقیقتِ مطلقہ (یعنی خدا) کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کے اعمال وافعال پر نظر رکھتا ہے لیکن دُعا کی صورت میں وہ ایک آہستہ گام کلیت' منزل بہ منزل رہنمائی کو چھوڑ کر فکر سے آگے بڑھتا ہے اور حقیقتِ مطلقہ (خدا) پر تصرف حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

دعا خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، ضمیرِ انسانی کی اس غایت درجہ پوشیدہ آرزو کی ترجمان ہے کہ کائنات کے ہولناک سکوت میں وہ اپنی پکار کا کوئی جواب سنے۔ یہ انکشاف وتجسس کا وہ عدیم المثال عمل ہے جس میں طالبِ حقیقت کیلئے نفی ذات ہی کا لمحہ اثباتِ ذات کا لمحہ بن جاتا ہے (یعنی اس میں پہلے دنیا سے نفی کی جاتی ہے اور جب نفی ہو جائے تو ذاتِ حق کے انوار کا اثبات یا مشاہدہ ہونے لگتا ہے) اور جس میں وہ اپنی قدر و قیمت سے آشنا ہو کر بجا طور پر یہ سمجھتا ہے کہ اس کی حیثیت کائنات کی زندگی میں سچ مچ ایک فعال عنصر کی ہے (یعنی وہ اپنا عرفان حاصل کر لیتا ہے کہ وہ دنیا میں خدا کا نائب ہے اور کچھ کرنے کی اہلیت رکھتا ہے)۔ مذہب کے پیروکار کیلئے یہ ممکن نہیں کہ صرف تصورات پر قناعت کرے، وہ چاہتا ہے کہ اپنے مقصود و مطلوب (اللہ) کا زیادہ گہرا عمل حاصل کرے اور اس سے قریب تر ہوتا چلا جائے۔ لیکن یہ قرب دعا کے ذریعے ہی حاصل ہوتا ہے اور پھر اس قُرب کی انتہا رُوحانی تجلیات پر ہوتی ہے جن کی بدولت بندے پر روحانی تصرفات کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اور ان سے وہ تصرف کرنے لگتا ہے جس سے مختلف طبیعتیں اپنی استعداد کے مطابق مختلف اثرات قبول کرتی ہیں۔ مثلاً دورِ نبوت ہی کو لیجئے اس صورت میں ان کی نوعیت سراسر تخلیقی ہوتی ہے۔

بزرگ دعا میں کن باتوں سے مدد لیتے ہیں: دعا کی بابت سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کی قبولیت کیلئے بزرگوں نے کیا طریقے اپنائے ہیں تاکہ ہم بھی ان باتوں سے استفادہ کر سکیں۔ اس بارے میں نہایت مفصل بیان اس کتاب میں (دعا کے باب میں ہی) ''قبولیتِ دُعا کیلئے اہم عنصر'' کے عنوان سے شامل کر دیا گیا ہے اس کا مطالعہ بہت سودمند ثابت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے دُعا کا حکم دیا ہے

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ ''وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ'' (المومن:۶۰) (تمہارے رب

نے حکم کیا ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا)۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ایک شخص نے پوچھا کہ ہم اللہ کو کس طرح اور کس جگہ سے پکاریں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ''وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ'' (البقرہ:۱۸۶) (اور جب پوچھیں آپ سے (اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم) میرے بندے میرے متعلق تو انہیں بتاؤ کہ میں (ان کے) بالکل نزدیک ہوں۔ قبول کرتا ہوں دعا، دعا کرنے والوں کی جب وہ دعا مانگتے ہیں مجھ سے پس انہیں چاہیے کہ میرا کہا مانیں اور ایمان لائیں مجھ پر تاکہ وہ کہیں ہدایت پا جائیں)۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا'' فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ'' (جب آپ فرائض نماز سے فارغ ہو جائیں تو ریاضت میں لگ جائیں)۔ علامہ ابن جریر طبریؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا مفہوم نقل کیا ہے کہ جب آپ نماز ادا کرنے سے فارغ ہو جائیں تو بڑے خشوع خضوع سے دعا مانگنا شروع کریں۔ علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ مسلمان کو اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ وہ فارغ نہ بیٹھے کچھ نہ کچھ کرتا رہے۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا کہ ''میں اس بات کو سخت ناپسند کرتا ہوں کہ تمہیں نکما بیٹھا ہوا دیکھوں کہ نہ تم دنیا کا کوئی کام کر رہے ہو اور نہ آخرت کو سنوار رہے ہو''۔[1]

احادیث میں ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے جذبۂ عشقِ الٰہی کی کیفیت میں دریافت کیا کہ ہمارا رب کہاں ہے تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی ''وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ'' (اور جب پوچھیں آپ سے (اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم) میرے بندے میرے متعلق تو انہیں بتاؤ کہ میں (ان کے) بالکل نزدیک ہوں) (البقرۃ:۱۸۶)۔ ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک ہزاروں سال کی مسافت ہے تو پھر ہماری دعا اللہ تک کیسے پہنچ سکتی ہے تو اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا حکم ہے کہ (اتنی مسافتوں کے باوجود) میں بہت قریب ہوں اور پکارنے والے کی دعا سنتا ہوں۔[2] تم دستِ دعا دراز تو کرو، تم دامنِ مراد پھیلا کر تو دیکھو، تم دل کے ہاتھوں سے اس کے درِ رحمت پر دستک تو دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا وہ تمہاری فریاد اور دعا کو ضرور قبول کرے گا، لیکن جب وہ کرم فرمائے تو سرکشی نہ کرنا، اس کی اطاعت میں اپنا سر جھکائے رکھنا۔ علامہ خواجہ علاؤ الدین صدیقی نقشبندی مدظلہ العالی نے اس آیت کا مفہوم یوں بیان فرمایا ہے کہ تم نے اسلام قبول کر کے جو ذمہ داریاں قبول کیں ان کو نبھاتے رہو اور میں تمہاری دعا قبول کرتا رہوں گا، اسی میں تمہاری کامیابی ہے۔

---

[1] روح المعانی، جلد ۳۰، صفحہ ۱۷۱۔

[2] کنز العمال، حدیث ۴۸۸۳، جلد ۲، صفحہ ۲۶۰۔

قرب کی وضاحت

قربِ الٰہی کے متعلق اس کے تین ابواب یعنی ''نماز کی دلچسپ معلومات'' '' کثرتِ عبادت اور شب خیزی'' کے علاوہ ''عَبْدہٗ اور عَبْدُہٗ'' کا بھی مطالعہ کیا جائے جن میں ''قربِ الٰہی'' تجلیاتِ الٰہی سے قربِ الٰہی کا پیدا ہونا اور ''قرب سے کیا مراد ہے'' کے عنوانات سے کافی وضاحت کر دی گئی ہے۔ قربِ الٰہی پر ایک جامع گفتگو ہماری تصنیف ''اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبال'' میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ راقم الحروف کی تمام تصانیف میں شامل کردہ قرب کے مضامین مذکورہ کتاب میں یکجا کر دیئے گئے ہے۔ مذکوہ بالا سورۂ البقرہ کی آیت میں قرب کا مفہوم سمجھنے کیلئے یہ معلوم ہونا چاہیے کے قرب چار قسم کا ہوتا ہے۔ ایک قربِ زمانی جیسے جمعرات جمعہ سے قریب ہے۔ دوسرا قربِ مکانی جیسے شیخوپورہ لاہور سے قریب ہے۔ تیسرا قربِ درجاتی جیسے وزیر درجہ میں سلطان سے قریب ہے۔ چوتھا قربِ فضلی جس سے کرم، رحمت، علم وقدرت کی نزدیکی مراد ہے۔ آیتِ مبارکہ ''اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ '' (اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکوکار بندوں سے قریب ہے) میں اسی قربِ فضلی کا ذکر ہے اور اس میں رتبے کے قرب کیلئے فرمایا کہ نیک بندے مرتبے میں اللہ کے قریب ہیں۔ اس کی ایک مثال قرآن میں ''اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ'' ہے (یہی لوگ مقربینِ بارگاہِ الٰہی ہیں) (واقعہ:۱۱)۔ قرب کے ضمن میں جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی اپنے قرب کا تذکرہ کیا ہے وہاں اس سے مراد قربِ صفاتی ہے نہ کہ ذاتی یعنی صفات کے اعتبار سے میں تمہارے قریب ہوں۔ اسی سے مراد یہ ہے کہ تم بولتے ہو میں سنتا ہوں، تم جو کچھ کرتے ہو میں دیکھتا ہوں۔ اس دنیا میں قربِ ذاتی ممکن نہیں کیونکہ اس طرح اللہ تعالیٰ کا محدود فی المکان ہونا لازم آتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ محیط ہے محاط نہیں۔ اس کے برعکس بندہ مکانی ہے اور مکان میں لامکان کا سمانا محال ہے۔ یہی قرب اس آیت سے مراد ہے جہاں فرمایا'' نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ '' (ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) خدا کے اس قرب کی وضاحت کرتے ہوئے کسی نے کیا خوب کہا ہے

دوست نزدیک تر از من بمن است ویں عجب ترکہ من از وے دورم

(میرا دوست میرے لئے مجھ سے بھی نزدیک ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ میں اس سے کتنا دور ہوں)

اس حقیقت کی وضاحت کہ بندۂ مومن کے قلب میں (جو کہ لامکانیت کا درجہ رکھتا ہے) اللہ تعالیٰ کا سمانا ایک حدیث'' لَا يَسَعُنِيْ اَرْضِيْ ''[1] کے مطابق ثابت ہے۔ ہماری تصنیف ''حضورِ قلب'' میں مطالعہ فرمائیں۔

قرب و بعد کی صوفیانہ تشریح

قرب و بعد کی تعریف صوفیائے کرام اپنے منفرد انداز میں حسبِ ذیل الفاظ میں بیان فرماتے ہیں جو

[1] مرقاۃ المفاتیح، جلد ۱، صفحہ ۱۲۰۔

قارئین کے ذوق کیلئے پیش کی جا رہی ہے۔ ''قرب میں صفاتِ الٰہی سے متصف ہونا، سیرِ قطرہ بجانب دریا کا ہونا، رفعِ تعینات ہونا اور حجابِ خودی کا اٹھنا ہے''۔ ''بعد کی حقیقت تقید بقیودِ صفاتِ بشری، لذاتِ نفس میں گرفتار رہ کر مبدائے حقیقی سے دُوری اور حقیقتِ حال سے بے خبری میں رہنا ہے۔ انسان جتنا اپنے سے قریب ہے حق تعالیٰ سے اتنا ہی دور ہے یہ قرب و بعد مکانی نہیں بلکہ صفاتی اور حالی ہے''۔

صوفیائے کرامؒ کا قول ہے کہ قرب کا حصول نورِ الٰہی کے بغیر میسر نہیں ہوتا۔ اس نور کے پرتو سے سالک اپنی مجازی ہستی سے دور ہو جاتا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے اسے شہود حاصل ہوتا ہے۔ مگر علامہ اقبالؒ ایسے تقرب کو قبول نہیں کرتے جہاں اس کی خودی معدوم یا ضم ہو جائے۔ شہود میں تجربے کی آخری منزل ان کے نزدیک عبدیت ہے۔ علامہؒ فرماتے ہے ؎

لِی مَعَ اللّٰہ ہرکرا در دل نشت آں جوانمردے طلسم من شکست (۳۳۸)

(جس کے دل میں لِی مَعَ اللّٰہ بیٹھ گیا' ایسے جوان مرد میں 'اَنَا' کا جادو ٹوٹ جاتا ہے)

گر تو خواہی من نہ باشم درمیاں لِی مَعَ اللّٰہ باز خواں از عینِ جاں

(اگر تو خود کو درمیان سے ہٹانا چاہتا ہے تو دل و جان سے لِی مَعَ اللّٰہِ کا سبق پڑھ)

علامہ اقبالؒ کے نزدیک شانِ عبدیت انسانی رُوح کا کمال ہے۔ اس سے آگے کوئی مرتبہ یا مقام نہیں ابنِ عربی کے الفاظ میں اس سے آگے عدمِ محض ہے۔ علامہؒ کے خیال میں حالتِ سکر اسلام کے منافی ہے اور حالتِ صحو کا ہی دوسرا نام اسلام ہے۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں صدیق و عمر رضی اللہ عنہما تو کافی ملتے ہیں مگر کوئی حافظ شیرازی نہیں آتا (خطوطِ اقبال مرتبہ رفیع الدین)۔

فرمانِ الٰہی ہے کہ میرا کہا مانو گے تو تمہاری بات مانوں گا

سورۂ بقرہ کی مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي'' (پس چاہیے کہ میرا کہا مانیں) یعنی اگر میرا ان پر مہربانی کا وعدہ ہو چکا ہے تو میرے بندوں کو بھی چاہیے کہ میرا فرمان اس طرح مانیں کہ ''وَلْيُؤْمِنُوا بِي'' (کہ وہ مجھ پر ایمان قائم رکھیں) کیونکہ بغیر ایمان کے اعمال یا اطاعت معتبر نہیں اور آخر میں فرمایا کہ ''لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ'' یعنی یہ سب کچھ تمہاری ہدایت کیلئے کیا جا رہا ہے۔ اللہ کے نیک بندوں کا ہمیشہ یہ طریقہ رہا ہے کہ دعا میں دنیا کو طلب نہیں کرتے بلکہ اللہ سے اللہ کو ہی طلب کرتے ہیں کیونکہ خدا کی رضا مل جائے تو دنیا اس کے ضمن یا صدقے میں مل ہی جاتی ہے۔ مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ جو لوگ شریعتِ حقہ کے مطابق مجاہدہ نہیں کرتے تو ان کو اگر کچھ اجر ملتا ہے تو دنیاوی منافع کی شکل میں ہوگا اور اس طرح اگر ساری دنیا بھی اجر میں مل جائے تو یہ کچھ بڑی بات نہیں۔ یہ لوگ جن کو اجر میں دنیاوی جاتی ہے جھاڑو کش کی طرح ہوتے ہیں محنت زیادہ کرتے ہیں اور اجر بہت کم ملتا ہے اور شریعت پر عمل کرنے والوں کا کام

جوہریوں کی طرح ہے جن کا کام تھوڑا ہوتا ہے مگر اجرت زیادہ ملتی ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ قرآن کی آیت ''رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ'' میں حسنات سے مراد نیکیاں ہیں اور اس دعا سے نیکی کی قوت طلب کی جاتی ہے اور آخرت میں حسنات کے ملنے سے نیک پھل مراد ہیں۔ اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ الٰہی اس دنیا میں جو بھی دے اسے نیکیوں کا ذریعہ بنا دے اور ''عَذَابَ النَّارِ'' سے مراد اپنی ناراضگی سے بچالے۔

اثر پہلے اور دعا بعد میں ہوتی ہے

کچھ لوگ دنیا سے رشتہ توڑ کر اللہ کے ساتھ اس طرح منسلک ہو جاتے ہیں کہ انہیں اپنی کچھ خبر نہیں رہتی، یہ لوگ مجذوب کہلاتے ہیں۔ ان کے متعلق سنن الترمذی میں صحیح حدیث موجود ہے۔ ''کَمْ مِنْ أَشْعَثَ أَغْبَرَذِی طِمْرَیْنِ لَا یُؤْبَهُ لَهٗ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهٗ'' (بہت سے لوگ غبار آلودہ کپڑوں والے بکھرے بالوں والے ایسے ہیں کہ لوگ ان کو کسی خاطر میں نہیں لاتے مگر ان کا مرتبہ یہ ہے کہ اگر وہ کسی معاملہ میں خدا کی قسم کھائیں تو اللہ اسے پورا کر دیتا ہے)۔[1] مولانا رومؒ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص صدقِ دل سے اور عجز و نیاز سے اللہ کو دعا میں پکارتا ہے تو یہ پکارنا ہی توفیق دعا ہے اور رقتِ قلب خود خدا کی طرف سے مل جاتی ہے۔ دعا کیلئے یہ ضروری نہیں کہ دعا کسی خاص الفاظ سے مانگی جائے بلکہ خدا بندے کے میلانِ قلب کو دیکھتا ہے۔ یہاں اثر پہلے اور دعا بعد میں ہوتی ہے یعنی بیک وقت سبب اور اثر سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ اس میں زمانی تقدم و تاخر نہیں، قتیل شفائی نے اسی بات کو یوں کہا ہے ۔

وہ سن رہے ہیں بند لبوں کی بھی گفتگو ۔۔۔ ایسا نہیں کہ ان کا کرم ہو دعا کے بعد
کس منہ سے میں کہوں کہ وہ سنتے نہیں قتیل ۔۔۔ مجھ کو ملے جواب میری ہر صدا کے بعد

یقینِ کامل دعا کیلئے لازمی ہے، بزرگوں کا قول ہے کہ ''اگر نہ خواستے داد' نہ داد ے خواست'' اگر خدا دینا نہیں چاہتا تو ہمارے دل میں اس کی طلب کا مادہ ہی نہ عطا کرتا۔ کسی چیز کی طلب کا خیال ہی پیدا ہونا اس کی عطا کی علامت ہے۔ آنے والے صفحات پر بیان کیا جائے گا کہ دعا کی قبولیت کی وجوہات کیا ہیں اور کن لوگوں کی دعا قبول ہوتی ہے۔ یہاں اس قدر جان لینا چاہیے کہ دعا کیلئے یقینِ کامل ہونا ضروری ہے۔ منقول ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ سے کسی نے ان کے مجاہدات کے متعلق پوچھا، آپ نے فرمایا کہ میرے ادنیٰ مجاہدات کا تم یقین نہیں کرو گے اور اعلیٰ ریاضت کی کیفیت بیان کروں تو تم سن نہیں سکو گے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے چند ادنیٰ مجاہدات بیان فرمائے تو لوگ دنگ رہ گئے۔ بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ ان مجاہدات کے بعد مجھے ''نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ'' کا یقین ہوا (ہم

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۳۸۵۴، جلد ۵، صفحہ ۶۹۲۔

(انسان کے) اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) (ق: آیت ۱۶) ۔ آپ نے فرمایا کہ اگر شروع سے ہی میں اس بات پر یقین کر لیتا تو تیس سال اس قدر سخت مجاہدات کرنے نہ پڑتے۔ صوفیا کرامؒ فرماتے ہیں کہ جس کا ''نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ'' پر یقین ہے اس کا کام فوراً ہو جاتا ہے، جو کوئی مراقبہ کرے تو یقینِ کامل اور پوری قوت سے کرے۔

خدا کی صفتِ کلام پر یقین ہونا

اس بات کا یقین پیدا کر لینا ضروری ہے کہ خدا سنتا ہے، دعا قبول کرتا ہے، ہمارے قریب سے ہم سے ہم کلام ہوتا ہے اور جب ایسا یقین ہو تو پھر دعا کی قبولیت میں شک نہیں رہتا۔ جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت کلام کرنا بھی ہے اور وہ صفت ہر وقت جاری رہتی ہے یعنی خدا ہمیشہ ہم کلام رہتا ہے کیونکہ ذات اور صفات میں تعطل نہیں۔ دل میں یہ بات رکھنا چاہیے کہ بندہ اگر مراقبہ کرے تو ہم کلامی نصیب ہوگی۔ یہ شک نہ ہو کہ وہ پردہ اٹھائے گا یا نہیں۔ یقین ہو تو پردے خود اٹھ جائیں گے جیسے فرمایا'' اَنَا عِنۡدَ ظَنِّ عَبۡدِیۡ بِیۡ '' (میں اپنے بندے کے خیال کے مطابق اس سے معاملہ کرتا ہوں)۔[1] اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے ساتھ جیسا گمان رکھو گے ویسا ہی وہ بندے سے سلوک کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ بات کہہ کر اپنی رحمتوں کو بالکل اپنے بندوں کے حوالے کر دیا ہے۔ چنانچہ جو خدا سے نیک گمان رکھے اسے خدا سے پا سکتا ہے۔ اگر یقین کے ساتھ کوئی خدا کو رحیم سمجھے تو اسے رحیم پائے گا۔ اگر کوئی اسے رزّاق سمجھے تو وہ رزق دے گا مگر ہم اس بات کی پرواہ نہیں کرتے (اس سلسلے میں اس کتاب کے اوائل ابواب میں ہی یقین کا بیان لکھا جا چکا ہے اس کا مطالعہ فرمائیں)۔ مولانا رومؒ نے فرمایا ہے کہ اگر دروازہ کھٹکھٹاتے رہو گے تو ضرور اس میں سے کسی کا سر باہر آئے گا اور پوچھے گا کہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے؟

اللہ تعالیٰ پکار کا جواب کس طرح دیتا ہے؟

سورۂ البقرہ کی درج بالا آیت میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ''اُجِیۡبُ دَعۡوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ'' (کہ میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں) یعنی جب بندہ مجھے پکارتا ہے تو میں لبیک کہتا ہوں۔ مولانا رومؒ نے ایک صوفی درویش کا قصہ بیان فرمایا کہ وہ ہر شب اللہ اللہ کرتا تھا مگر ایک روز ابلیس نے اس سے کہا کہ اے زاہد! تو اس قدر اللہ اللہ کرتا ہے کیا تجھے کبھی اللہ کی طرف سے جواب بھی ملا ہے؟ اس بے فائدہ ذکر میں کیوں وقت ضائع کرتے ہو۔

آں یکے اللہ می گفتے شبے | تاکہ شیریں گردد از ذکرش لبے (۳۲۹)

(ایک صوفی رات کو بہت اللہ اللہ کرتا تھا، حتیٰ کہ اس ذکر سے اس کے لب شیریں ہو گئے)

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۷۰۹۱، جلد ۶، صفحہ ۲۶۹۴۔

گفت ابلیسش کہ اے بسیار گو   ایں ہمہ اللہ را لبیک کو؟(۳۴۰)

(اس کو اس کے ابلیس نے کہا کہ اللہ کے ذکر کرنے والے! تیرے اللہ اللہ کا جواب تجھے کہاں ملتا ہے)

می نیاید یک جواب از پیشِ تخت   چند اللہ می زنی با روئے سخت(۳۴۱)

(تیرے اللہ اللہ کا جواب تو تجھے اللہ سے نہیں آتا اگرچہ تو بار بار اللہ بہت تیزی سے کرتا ہے)

ابلیس کی یہ بات سن کر زاہد کا دل افسردہ ہو گیا کہ واقعی میں اللہ اللہ تو کرتا ہوں مگر اس کا جواب تو اللہ سے آتا ہی نہیں۔ اس نے سوچا کہ ایسا ذکر کرنے سے کیا فائدہ؟ یہ شکستہ دل صوفی ذکر کو ترک کر کے سو گیا۔ خواب میں حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ اے ذاکر تو نے ذکر سے کیوں غفلت کی؟ صوفی نے کہا کہ ایسا ذکر کرنے سے کیا حاصل جب اللہ کی طرف سے لبیک کی آواز نہیں آتی۔ اس سے میرے دل میں خیال آیا کہ میرا ذکر قبول نہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ کو اللہ نے پیغام بھیجا ہے اور فرمایا کہ میرے اس بندے سے کہہ دو کہ ایک دفعہ تیرے اللہ کہنے کے بعد جب تجھے دوسری بار توفیق دیتا ہوں تو یہی میرا لبیک ہے کیونکہ اگر تیرا پہلا ''اللہ'' قبول نہ ہوتا تو دوسری بار ''اللہ'' تیری زبان سے نہ نکلتا۔ مولانا نے لکھا ہے کہ۔

گفت آں اللہ تو لبیکِ ماست   آں نیاز و درد و سوزت پیکِ ماست(۳۴۲)

(اللہ نے کہا کہ تیرا اللہ کہنا ہی ہمارا جواب ہے، یہ تیرا (ذکر میں) درد و سوز و نیاز کا ہونا ہمارا ہی پیغام ہے)

نے ترا در کار من آوردہ اَم   نے کہ من مشغولِ ذکرت کردہ اَم

(نہیں! بلکہ اس کام میں تجھے لانے والا میں ہی ہوں، نہیں! بلکہ میں نے ہی تجھے اپنے ذکر میں مشغول کیا ہے)

ترس و عشقِ توکمند شوقِ ماست   زیر ہر یا رب تو لبیک ہاست(۳۴۳)

(تیرے خوف اور عشق (کی عطا) میرے شوق کی رسی ہے تیرے ہر یارب کے اندر میرے بہت سے لبیک موجود ہیں)

مولانا رومی فرماتے ہیں۔

ایں قدر گفتیم باقی فِکر کن   فِکر اگر جامد بود رو ذِکر کُن(۳۴۴)

(میں نے جو کہہ دیا ہے اس پر سوچ بچار کر اگر فکر منجمد ہو گئی ہے تو جا ذکر کر کھل جائے گی)

ذکرِ آرد فکر را در اِہتزاز   ذِکر را خورشید ایں افسردہ ساز(۳۴۵)

(ذکر کی گرمی فکر کو حرکت میں لاتی ہے، اس افسردہ جمود کے دور کرنے کیلئے ذکر کو آفتاب خیال کر)

فکر آں باشد کہ بکشاید رہے   راہ آں باشد کہ پیش آید شہے(۳۴۶)

(مفید) فکر وہ ہے کہ جو راستہ کھول دے اور راستہ وہ (مفید) ہے کہ جو شاہِ حقیقی یعنی اللہ سے ملا دے)

انسان کی پکار کی قسمیں

دُعا ایک پکار ہے اور پکار کی چار قسمیں ہیں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ پہلی کفار کی پکار ہے جیسے

فرمایا "وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (الرعد:۱۴)(کافروں کا پکارنا برباد جائے گا)۔ دوسری پکار ابرار اور نیکو کاروں کی ہے جو اللہ کو خشوع سے پکارتے ہیں، جیسے فرمایا "وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ" (الشوریٰ:۲۶)(اللہ ایمان داروں اور نیک اعمال والوں کی دعائیں سنتا ہے اور ان پر زیادہ نوازشات کرتا ہے اپنی مہربانی سے)۔ تیسری ان دل فگار لوگوں کی پکار ہے جو دل کی گہرائیوں سے اللہ کو پکارتے ہیں۔ چوتھی بے قرار کی پکار جیسا کہ فرمایا: "اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ" (النمل:۶۲)(بھلا کون قبول کرتا ہے ایک بے قرار کی فریاد جب وہ اسے پکارتا ہے)۔ مضطر وہ ہوتا ہے جو مصائب سے اتنا گھبرائے کہ وہ ہر طرف سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف رجوع کر کے پکارے اور اسے اپنی کوئی نیکی بھی نظر نہ آئے جس کے وسیلے سے دعا کرے۔ آخری دو قسم کی پکاریں، بہت پُر تاثیر ہوتی ہیں اور تیر بہ ہدف کا سا اثر رکھتی ہیں یعنی منہ سے نکلی اور پوری ہو گئی۔ اس دعا میں دل کا سوز شامل ہوتا ہے اس لئے جلد قبول ہوتی ہیں اور کبھی قبولیت کا وقت ہونے کی وجہ سے فوراً قبول ہو جاتی ہیں، کبھی شکستہ دل کی آواز ایک دم درجۂ قبولیت پالیتی ہے۔ قوت القلوب میں ہے کہ ایک عارف نے کہا کہ مُضطر وہ ہے کہ جب وہ اپنے مولا سے مانگے تو اپنے اور اللہ کے درمیان کسی نیکی کو بھی نہ پائے کہ جس کے عوض کسی چیز کا مستحق بنے اور کہے کہ "اے آقا میرے پاس تو کچھ نہیں ہے تو عطا فرما"۔

بے قرار کی دُعا

ایک دن ایک شخص بشر حافی کے پاس آیا اور عرض کی کہ حضور میرے لئے دعا کریں کہ میں بہت تنگ دست ہوں، آپ نے فرمایا اے شخص جس وقت تیرے گھر میں آٹا نہ ہو اور تیرے بچے بھوکے ہوں اور تو ان کو کھانا لا کر کھلانے سے عاجز ہو اور شدتِ غم سے بے چارگی کے بادل تجھ پر چھا جائیں تو اس وقت تو خدا کیلئے میرے واسطے دعا کرنا کہ تمہاری ایسی دعا میری دعا سے بدرجہا افضل ہو گی اور فوراً قبول ہو گی۔ آپ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ جب انسان بے چین اور مضطر ہو کر رب کو پکارے تو فوراً دعا قبول ہوتی ہے۔ ایسا خستہ دل اپنے دل کی گہرائیوں سے پکارتا ہے "یا رب دعائے خستہ دلاں مستجاب کُن" (اے اللہ ٹوٹے ہوئے دلوں کی دعا کو قبول فرما)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ" (مظلوم کی بددعا سے ڈرو اس لئے کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کی قبولیت کے درمیان حجاب اٹھ جاتا ہے)۔[1] یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب تک دعا میں اضطراب اور گداز کی کیفیت شامل نہ ہو تو اس وقت تک دعا اجابت کے درجے کو نہیں پہنچتی۔ راقم الحروف کی کتاب "رابطۂ شیخ" کے صفحات ۱۱۸ تا ۱۲۰ میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ

[1] صحیح بخاری، حدیث ۱۴۲۵، جلد ۲، صفحہ ۵۴۴۔

اور حضرت نظام الدینؒ نے اپنی زندگیاں اس طرح گزاریں کہ وہ عمر بھر کیفیتِ درد و سوز میں مبتلا رہے۔

دُعاؤں کی قسمیں

صوفیاء نے کہا ہے کہ دعا تین قسم کی ہوتی ہے ایک ''قولی'' جس میں الفاظ استعمال کیے جائیں اور مراد طلب کی جائے۔ دوسری قسم ''حالی'' جس میں صورت ایسی بنائی جائے کہ جو التجا کا رنگ اختیار کر لے، جیسے بھوکے کی حالت کو دیکھ کر لوگوں کو ترس آ جاتا ہے۔ ایسی دُعا عاجزی اور انکساری کی بنا پر ہوتی ہے۔ تیسری قسم ''استعدادی یا استبدادی کیفیت'' کی حامل ہوتی ہے جس میں اس قدر کیفیت اور استعداد پیدا ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ خود بخود عطا کرنے پر مائل ہو جائے (استعداد کا معنی فطری قابلیت ہے اور استبداد کے معنی جور و جفا کے تاثرات کا ہونا ہے)، اس میں قلبی کیفیت ایسی ہو جاتی ہے کہ زبانِ قلب سے دعا نکل جاتی ہے۔ آخر دونوں قسموں میں زبان استعمال نہیں ہوتی اور دُعا میں خاموشی ہوتی ہے۔ حالی دعا کی مثال ایسے ہے کہ جیسے کوئی مسکین صورت بنائے اور دیکھنے والے کو معلوم ہو جائے کہ اس کو کسی چیز کی حاجت ہے اور وہ اسے پورا کر دے۔ استعدادی کیفیت کی مثال یہ ہے کہ کوئی مزدور کو سامان اٹھوا کر گھر لائے اور اس کی مزدوری دینے کے بعد اسے نہایت اچھا کھانا اور مشروب پلائے تو اس کا دل اتنا خوش ہو کہ خود بخود اس کے منہ سے دعا نکلے، وہ زبانِ دل سے اس کیلئے دعا دے گا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اچھے خاصے متمول لوگوں کو بغیر کسی غرض کے اللہ کی رضا کی خاطر اچھا کھانا کھلائے تو کھانے والے اس کی اس مہربانی سے متاثر ہو کر دل ہی دل میں دُعا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کا اجر بھی عطا فرماتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی جانوروں پر رحم کرے تو جانور بھی دعا کرتے ہیں جیسا کہ تاریخ میں منقول ہے کہ سبکتگین نے شکار کے دوران ایک ہرنی کے بچے کو زندہ پکڑا اور گھوڑے پر بٹھا کر اپنے ساتھ لے گیا تو اس بچے کی ماں میلوں تک اس کے پیچھے چلتی رہی سبکتگین نے جب یہ ماجرا دیکھا تو اس کے بچے کو چھوڑ دیا اور اس کی ماں نے نہایت خوشی سے اس شکاری کی طرف دیکھا اور دعا دی۔ کہتے ہیں کہ اس دعا کے نتیجہ میں سبکتگین بادشاہ بن گیا۔

رسالہ قشیریہ میں ہے کہ سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ مقبول دُعا وہ ہوتی ہے جو صاحبِ حال مانگے۔ صاحبِ حال سے مُراد یہ ہے کہ جو کچھ وہ مانگ رہا ہے اس کے بغیر اس کو چارہ نہ ہو یعنی اس کو وہ اشد ضروری محسوس کرتا ہو۔[1] (اسی شدت خواہش سے کبھی کوئی نا اہل بھی مراد پا جاتا ہے) اس رسالہ میں عبداللہ الکانسیؒ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ایک بار میں حضرت جنیدؒ کے پاس تھا کہ ایک عورت آئی اور عرض کرنے لگی کہ میرا بیٹا گم ہو گیا ہے، آپ دعا کریں، آپ نے فرمایا کہ جاؤ صبر کرو۔ اس کے بعد وہ تین بار آئی اور آپ نے ہر بار یہی کہا کہ جاؤ صبر کرو۔ مگر آخری بار اس نے کہا کہ اب میرے صبر کا پیمانہ چھلک چکا ہے، مزید صبر کی طاقت نہیں ہے۔ جنیدؒ نے

---

[1] الرسالۃ القشیریہ، جلد ا، صفحہ ۱۲۱۔

فرمایا کہ اگر ایسا معاملہ ہے تو جاؤ تمہارا بیٹا واپس آچکا ہے۔ وہ گئی تو دیکھا کہ بیٹا واپس آچکا تھا۔ جب وہ آپ کا شکریہ ادا کرنے کیلئے آئی تو جنیدؒ سے کہنے لگی کہ آپ نے یہ کیسے معلوم کرلیا کہ میرا بیٹا واپس آچکا ہے، فرمایا اللہ کا فرمان ہے ''اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ'' (النمل: ۶۲) (بے چین کی کون سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور اس کی تکلیف کو کون دور کرتا ہے) حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ جب میں نے تیرا حال دیکھا کہ تو بے چین ہوگئی ہے تو تیرے بیٹے کا آنا بھی یقینی تھا۔[1] رسالہ قشیریہ میں ہے کہ صالح مریؒ کہا کرتے تھے کہ جو شخص ایک دروازے پر دستک دیتا رہتا ہے تو عنقریب وہ دروازہ اس کیلئے کھول دیا جائے گا، یہ سن کر رابعہ بصریؒ نے اس سے کہا کہ کب تک یہ بات کہتا جائے گا، وہ دروزاہ بند ہی کب ہوا ہے کہ کھلوانے کی ضرورت ہو۔ یہ سن کر صالحؒ نے کہا کہ ایک بوڑھا (یعنی صالحؒ) بے خبر ہے اور عورت باخبر ہے۔[2]

دُعا ضرور قبول ہوتی ہے

صرف چند معاملات میں دعا رد کی جاتی ہے ورنہ کسی نہ کسی صورت میں ہر مسلمان شخص کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اگلے باب میں دعا کی عدم قبولیت کے متعلق اولیائے کرامؒ کے خیالات کو قلم بند کیا گیا ہے، سب سے پہلے دعا سے متعلق چند احادیث کا مطالعہ فرمائیں۔

دُعا سے متعلقہ چند احادیث

ایک حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''مَنْ فُتِحَ لَهٗ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ''[3] (جس کیلئے دعا کا دروازہ کھل گیا اس کیلئے رحمت کے دروازے بھی کھل گئے)۔ شرح بخاری ابن ابی حمزہؒ میں روایت ہے کہ جس کیلئے دعا کا دروازہ کھل گیا اس کیلئے خیرات اور نیکیوں کے دروازے بھی کھل گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مذکورہ آیت ''اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ'' کی یہ تفسیر فرمائی کہ ''اُعْبُدُوْنِیْ اُثِیْبُكُمْ'' تم میری عبادت کرو میں تمہیں ثواب اور اجر عطا کروں گا۔[4] کچھ علمائے کرامؒ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ''اِسْئَلُوْنِیْ اُعْطِیْكُمْ'' یعنی تم مانگو میں تمہیں عطا کروں گا۔ دعا عبادت کی روح ہوتی ہے اور عبادت نیاز مندی اور عاجزی کو کہتے ہیں۔ چنانچہ جب انسان مصائب میں گھرا ہو تدبیر ناکام ہو چکی ہو اس کی قوت کو حالات نے ریزہ ریزہ کرڈالا ہو تو بندہ اپنے رب کے سامنے اس طرح اپنا سر نیاز جھکا دے کہ اس کی زبان خاموش ہو دل دردمندی کی داستان آنکھوں کے آنسو سنا رہے ہوں اور اس کو یقین ہو کہ

---

[1] الرسالہ القشیریہ، جلد ۱، صفحہ ۱۱۹۔

[2] الرسالہ القشیریہ، جلد ۱، صفحہ ۱۲۱۔

[3] سنن الترمذی، حدیث ۳۵۴۸، جلد ۵، صفحہ ۵۵۲۔

[4] روح المعانی، جلد ۲۴، صفحہ ۸۱۔

قادرِ مطلق کے سامنے وہ اپنی عرض پیش کر رہا ہے جس کے سامنے کوئی مشکل، مشکل نہیں جہاں کسی چیز کی حاجت نہیں اس کی سرکار بہت بلند ہے اور اس کا بھکاری نامُراد نہیں لوٹتا۔ اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا ''اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ'' (دعا عبادت کا مغز ہے)۔[1] ''اَلدُّعَآءُ سِلَاحُ الْمُؤمِنِ وَعِمَادُ الدِّیْنِ وَنُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' [2] (دعا مومن کا ہتھیار ہے دین کا ستون ہے اور زمین وآسمان اس کے نور سے منور ہیں)۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ دعا قبولیت کی جڑ ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ دعا مانگو تو یقین رکھو کہ وہ قبول فرمائے گا اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول نہیں کرتا جو غافل دل سے مانگی جائے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ''اِذَا دَعَا اَحَدُکُمْ فَلْیَعْزِمْ فِی الدُّعَاءِ وَلَا یَقُلْ اَللّٰھُمَّ اِنْ شِئْتَ'' [3] (جب تم میں سے کوئی دعا مانگے تو یوں نہ کہے کہ یا اللہ اگر چاہتا ہے تو میری مغفرت فرما بلکہ یہ عرض کرے کہ الٰہی مہربانی فرما کر ضرور بخش دے)۔ ترمذی میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ سختیوں کے وقت خدا تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرمائے تو اسے چاہیے کہ فراخی اور خوشحالی کے وقت کثرت سے دعا مانگے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو کسی بلا میں گرفتار تھی۔ آپ ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ کیا یہ لوگ (آرام اور عافیت کے زمانے میں) اللہ سے عافیت نہیں مانگا کرتے تھے؟

حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے بندو! تم سب گمراہ ہو مگر میں جسے سیدھی راہ دکھادوں۔ اے میرے بندو! مجھ سے ہدایت طلب کرو میں تمہیں ہدایت دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب کے سب برہنہ ہو مگر میں جسے چاہوں کپڑا پہنا دوں گا، مجھ سے مانگو میں دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب کے سب بیمار ہو مگر میں جس کو چاہوں تندرستی دوں، مجھ سے شفا مانگو میں شفا دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب محتاج اور فقیر ہو مگر میں جسے غنی اور تونگر کردوں، مجھ سے غنا طلب کرو میں تم کو غنی کردوں گا۔ مجھ کو پکارو میں سنوں گا، مجھ سے دعا کرو میں عطا کروں گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''تَقُوْلُ النَّارُ لِلْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ جُزْیَا مُؤْمِنُ فَقَدْ اَطْفَاَ نُوْرُکَ لَھَبِیْ'' (آگ مومن کو کہے گی قیامت کے دن کہ اے مومن جلدی گزر تیرا نور میرے شعلوں کو بجھا دے گا)۔[4] مولانا رومؒ نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے ؎

در حدیث آمد کہ مومن در دعا چوں اماں خواہد زدوزخ از خدا[(۳۶۷)]

(حدیث میں ہے کہ مومن دعا میں جب دوزخ سے خدا کی پناہ مانگتا ہے)

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۳۳۷۱، جلد ۵، صفحہ ۴۵۶۔

[2] مسند الشہاب، حدیث ۱۴۳، جلد ۱، صفحہ ۱۱۶۔

[3] صحیح مسلم، حدیث ۲۶۷۸، جلد ۴، صفحہ ۲۰۶۳۔

[4] المعجم الکبیر، حدیث ۶۶۸، جلد ۲۲، صفحہ ۲۵۸۔

دوزخ از وے ہم اماں جوید بجاں　　　که خدایا دور دارم از فلاں[۳۴۸]

(دوزخ بھی اس سے دل وجان سے پناہ مانگتی ہوئی کہتی ہے کہ الٰہی مجھے فلاں آدمی سے دور رکھ)

کچھ صفحات قبل ''نماز مفتاح العبادات'' کے بیان میں بھی مذکورہ بالا حدیث شریف گزر چکی ہے کہ جب مومن دوزخ کے اوپر سے گزرے گا تو جہنم کہے گی کہ اے مومن جلد گزر جا کیونکہ تیرے نورِ ایمان نے میرے شعلوں کو ٹھنڈا کر دیا ہے ''جُزْ یَا مُؤْمِنُ فَقَدْ اَطْفَاَ نُوْرُكَ لَهَبِیْ''

مولانا روم ؒ کے اشعار بھی مع ترجمہ ''مفتاح العبادات'' کے عنوان کے تحت بیان ہو چکے ہیں۔

مصطفٰی فرمود از گفتِ جحیم　　　که بمومن لابہ گرگردد زبیم[۳۴۹]

(حضور ﷺ نے جہنم کا قول (ہمیں) بتایا ہے کہ وہ مومن سے ڈرتے ہوئے خوشامد کرے گی)

گویدش بگذر زِمَن اے شاہ زود　　　بیں که نورت سوزِ نارم را ربود[۳۵۰]

(اسے کہے گی کہ اے شاہ مجھ پر سے جلدی گزر جا' دیکھو تو تمہارے نور نے میری آگ کی گرمی کو اڑا دیا ہے)

دُعا کبھی رد نہیں ہوتی

ایک روایت میں ہے کہ دعا کی مثال بیج کی سی ہے کہ اس کو اگتے، پھل پھول دیتے کچھ وقت درکار ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ انسان ہمیشہ بھلائی کے ساتھ رہتا ہے جب تک وہ جلد بازی نہ کرے۔ عرض کی گیا کہ جلدی کرنے کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا کہ (اگر کوئی) بہت دفعہ دعا کر چکے اور قبولیت کا اثر نہ دیکھے تو یہ نہ کہے کہ خدائے پاک میری دعا قبول نہیں کرتا تو پھر میں کیا دعا مانگوں اور یہ خیال کر کے دعا کرنی چھوڑ دے۔ ایسے شخص کی دعا قبول نہیں ہوتی (جو مایوسی کا اظہار کرے) کسی نے ان ہی معنوں میں کہا ہے کہ

کچھ وقت میں اک بیج شجر ہوتا ہے　　　کچھ روز میں ایک قطرہ گہر ہوتا ہے

اے بندۂ ناصبور تیرا ہر کام　　　کچھ دیر میں ہوتا ہے مگر ہوتا ہے

حافظ شیرازی ؒ فرماتے ہیں کہ انسان کا کام دعا کرنا ہے اور بس اس چکر میں نہ پڑے کہ وہ سنتا ہے یا نہیں، درج ذیل کا ترجمہ بھی یہی ہے۔

حافظه وظیفۂ دُعا گفتن است و بس　　　در بندِ ایں مباش که نه شنید یا شنید

مگر حقیقت حال یہ ہے کہ انسان اللہ سے بہت لمبی لمبی مرادیں مانگتا ہے اور جب دعا قبول نہ ہو یا کوئی تکلیف پہنچے تو خدا سے مایوس ہو جاتا ہے، جیسے فرمایا ''لَا یَسْئَمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَیْرِوَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَیَئُوْسٌ قَنُوْطٌ'' (حم السجدہ:۴۹) (نہیں اکتاتا انسان بھلائی کی دعا کرنے سے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بالکل مایوس (اور) نا اُمید ہو جاتا ہے)۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مسلمان اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے (اور اس دعا میں رشتہ داری سے قطع تعلق یا کسی

گناہ کا سوال نہ کرتا ہو) تو تین چیزوں میں سے ضرور ایک چیز عطا فرما دیتا ہے۔ وہ یہ کہ یا تو اس کا مدعا فوراً دنیا میں پورا کر دیتا ہے یا اس کا اجر آخرت کیلئے جمع کر دیتا ہے یا کسی آنے والی برائی سے اسے بچا لیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دعا پوری ہوتی ہے اگر مشیتِ الٰہی ہو (یعنی وہ تقدیر کے موافق ہو اور اس میں ناممکن کا سوال نہ ہو اور دعا اس کیلئے بہتر ہو)۔ قرآن میں ہے کہ "کسی چیز کو انسان چاہتا ہے مگر ہو سکتا ہے کہ وہ چیز اس کیلئے بری ہو اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی چیز کو برا جانے اور وہ اس کیلئے اچھی ہو" (البقرہ:۲۱۶)۔ ایک ایسی ہی حدیث میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں کو اپنے سامنے بلا کر فرمائیں گے اے بندو! دنیا میں ہم نے تمہیں حکم دیا تھا کہ تم دعا کرو ہم قبول کریں گے، بندے کہیں گے کہ ہاں یا رب! ارشاد ہوگا کہ تم نے جو دنیا میں دعائیں مانگیں ہم نے وہ سب قبول فرمائیں، اے بندو! تمہاری فلاں فلاں دن فلاں دعا کا اثر دنیا میں ظاہر کر دیا، عرض کریں گے ہاں بے شک یا رب! ارشاد ہوگا کہ تمہاری فلاں فلاں دعائیں فلاں فلاں وقت قبول فرمائیں مگر ہم نے اس کا اثر بدل دیا، اس دعا کے بدلے تم پر جو فلاں مصیبت آنے والی تھی ہم نے تمہاری دعا کے سبب وہ مصیبت دفع کر دی اور تمہیں اس کے صدمے سے بچا لیا، عرض کریں گے کہ ہاں بے شک خداوندا ایسا ہی ہوا تھا، پھر ارشاد ہوگا کہ اے بندو! تم نے فلاں دن فلاں وقت دعا مانگی تھی مگر ہم نے اس کا کوئی نتیجہ دنیا میں ظاہر نہیں کیا بلکہ آج کے دن کیلئے رکھ چھوڑا تھا، لو یہ تمہاری امانت موجود ہے۔ پھر جو کچھ ان کے سامنے ان کی دعاؤں کے ثمرے آئیں گے تو سب کے سب یہ تمنا کریں گے کہ الٰہی کاش ہماری کسی دعا کا اثر دنیا میں ظاہر نہ ہوتا، ساری کی ساری دعائیں آج کے دن کیلئے جمع رہتیں تو کتنا اچھا ہوتا۔

ترمذی کی حدیث میں ہے کہ "ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمُ الصَّائِمُ حَتّٰى يُفْطِرَ وَالْإِمَامُ الْعَادِلُ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ فَوْقَ الْغَمَامِ"[1] "تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی، ایک تو روزہ دار کی اس وقت جب وہ روزہ افطار کرے، دوسرے عادل حاکم کی، تیسرے مظلوم کی کہ اللہ تعالیٰ اس کو ابر کے اوپر اٹھاتا ہے)۔ ابوداؤد، ابنِ ماجہ اور ترمذی میں اس طرح بھی ہے کہ "ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيْهِنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلٰى وَلَدِهٖ"[2] (تین دعائیں قبول کی جاتی ہیں ان کے قبول ہونے میں کوئی شک نہیں ایک باپ کی، دوسرے مسافر کی اور تیسرے مظلوم کی)۔

مظلوم کی دعا: بیہقی نے پانچ دعاؤں کا ذکر کیا ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ فی الفور قبول فرماتا ہے، ایک مظلوم، دوسرا حاجی جب تک گھر نہ آ جائے، تیسرا جہاد کرنے والا جب تک فارغ نہ ہو، چوتھا بیمار جب تک اچھا نہ ہو جائے اور پانچواں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان بھائی کیلئے اس کی غیر موجودگی میں دعا کرنا۔[3] ابوالعالیہؒ نے ایک

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۳۵۹۸، جلد ۵، صفحہ ۵۷۸۔

[2] سنن ابی داؤد، حدیث ۱۵۳۶، جلد ۲، صفحہ ۸۹۔

[3] شعب الایمان، حدیث ۱۱۲۵، جلد ۲، صفحہ ۴۶۔

دن ہارون الرشیدؒ سے کہا کہ مظلوم کی بد دعا سے بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے رد نہیں کرتا اگر چہ وہ فاجر کی ہی ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر چہ وہ کافر کی ہی ہو۔

ایک دل برداشتہ درویش کی دعا

حضرت داتا گنج بخشؒ نے کشف المحجوب میں ''کراماتِ اولیا'' کے باب میں لکھا ہے کہ حضرت ذوالنون مصریؒ نے مصر سے جدہ کے سمندری سفر میں کشتی پر ایک درویش دیکھا جس کی ایک ساعت یادِ الٰہی سے غفلت میں نہ تھی اور اس کے چہرے پر کثرتِ عبادت سے ایسی ہیبت تھی کہ مجھ میں اس سے بات کرنے کی ہمت نہ تھی۔ ایک روز اہل کشتی میں سے کسی کا ایک موتی چوری ہو گیا اور لوگوں نے اس درویش پر شک کیا۔ جب میں نے اسے بتایا کہ ان لوگوں کا موتی گم ہو گیا ہے اور وہ آپ پر شک کرتے ہیں تو وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور آسمان پر دیکھ کر کچھ کہا جس کو مولانا رومؒ نے یوں تحریر فرمایا ہے

گفت یا ربِّ برغلامت ایں خساں تہمتے کردند فرماں در رساں[۳۵۱]

(اے پروردگار یہ کمینے لوگ تیرے غلام پر تہمت لگاتے ہیں تو ان پر اپنا حکم صادر فرما)

یَاغِیَاثِیْ عِنْدَ کُلِّ کُرْبَۃٍ یَامُعَاذِیْ عِنْدَ کُلِّ شِدَّۃٍ

(اے ہر مصیبت میں میری فریاد کو پہنچنے والے اے ہر سختی میں مجھے پناہ دینے والے)

یَا مُجِیْبِیْ عِنْدَ کُلِّ دَعْوَۃٍ یَامَلَاذِیْ عِنْدَ کُلِّ مِحْنَۃٍ

(اے میری ہر دعا کو قبول کرنے والے ہر مشقت کے کام میں میرے جائے پناہ)

جب اس درویش نے یہ دعا مانگی تو حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ سمندر کی تمام مچھلیاں سطح سمندر پر آ گئیں اور ایک ایک موتی منہ میں لئے ہوئے تھیں، آپ نے ایک مچھلی کے منہ سے ایک موتی لے کر اس شخص کو دے دیا جس کا موتی گم ہوا تھا۔ کشتی کے تمام مسافروں نے یہ کمال دیکھ کر آپ کی طرف عقیدت مندی کا اظہار کرنا چاہا تو آپ نے اس کشتی سے باہر پاؤں سمندر میں ڈال دیا اور سطح آب پر چلنا شروع کر دیا، اس موتی کو ملاحوں میں سے ایک شخص نے چوری کیا تھا۔ اس نے گھبراہٹ اور خوف میں وہ موتی اس کے مالک کو دے دیا اور اہلیان کشتی شرمندہ ہوئے۔[1]

دعا کا قبول نہ ہونا بھی عطائے خدا ہے

اگر اللہ تعالیٰ کوئی دعا قبول نہ فرمائے تو اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے اس لئے کہا گیا ہے کہ مَنْعُہٗ عَطَائُہٗ (اس کا کسی کام سے دعا قبول نہ کر کے منع کرنا اس کی عطا ہی ہے) کمال اس میں ہے کہ اللہ کی منع کو عطا ہی

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۔

جانے کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

اگر مراد تو اے دوست نامرادی ما است مراد خویش دگر بار من نخواہم خواست

(اے اللہ! اگر تیری مراد ہماری نامرادی میں ہے' تو میں اپنی مراد کی درخواست دوسری بار نہیں کرتا)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کہ میں کس حال میں صبح کروں گا، (آیا) ایسی حالت جس کو میں پسند نہیں کرتا یا ایسی حالت جس کو میں پسند کرتا ہوں۔ کیونکہ میں نہیں جانتا کہ میرے لئے بھلائی کس حالت میں ہے اور اس بات پر سورۃ البقرہ کی آیت ۲۱۶ میں فرمایا گیا کہ "وَعَسٰٓى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـئًا وَّهُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ" (شاید کہ بُری لگے تمہیں وہ چیز جو تمہارے لئے بہتر ہو) یہیں سے مقامِ رضا کی ابتدا ہوتی ہے۔ اللہ کی حکمت دیکھئے کہ بندۂ مومن کی جو دُعا قبول نہ ہو تو حق تعالیٰ اس کے قلب کی حفاظت فرما دیتے ہیں اور مطلوب کی طرف سے خیال پلٹ دیتے ہیں اور جزع و فزع کے بغیر مقامِ رضا عطا فرما دیتے ہیں۔ انسان چاہتا ہے کہ اس کی ہر تمنا پوری کی جائے مگر اللہ وہ کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ "اَمۡ لِلۡاِنۡسَانِ مَا تَمَنّٰى ۚ فَلِلّٰهِ الۡاٰخِرَةُ وَالۡاُوۡلٰى" (النجم: ۲۴، ۲۵) (کیا انسان کو ہر وہ چیز مل جاتی ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے، پس اللہ کے دستِ قدرت میں ہے آخرت اور دنیا)۔ گویا ہر چیز اللہ کے ہاتھ میں ہے اس دنیا میں جو ہوا جو کچھ ہو رہا ہے اس کے اِذن سے ہو رہا ہے۔ کسی اہلِ رضا نے کہا ہے کہ الٰہی میری تمنائیں اپنی رضا کے مطابق کر دے ؎

اے خالقِ ذُوالجلال و اے بارِ خدا تاچند روم در بدرم و جانے بجا

(اے خالقِ ذوالجلال اور اے بارِ خدا' میں کب تک در بدر اور جا بجا پھروں)

یا خانۂ اُمید مرا در بند یا قفلِ مہماتِ مرا در بکشا

(یا تو میری امیدوں کا گھر بند کر دے' یا میری مہمات کے دروازے کا قفل کھول دے)

روایات میں ہے کہ رابعہ بصریؒ کے قریب ایک بزرگ دعا کر رہے تھے کہ الٰہی تو مجھ سے راضی ہو جا۔ رابعہ بصریؒ نے اس سے کہا کہ اے شخص تجھے شرم نہیں آتی کہ تو خدا کو کہہ رہا ہے کہ وہ تجھ سے راضی ہو جائے، تو یہ کیوں نہیں کہتا کہ الٰہی میں تجھ سے راضی ہوں، خدا کب کسی سے ناراض ہوتا ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ اگر انسان یہ معلوم کرنا چاہے کہ اس کا خدا اس سے راضی ہے تو پہلے خود اپنی طرف دیکھے کہ میں خدا سے راضی ہوں یا نہیں۔ اگر وہ خدا سے راضی ہو تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ خدا بھی اس سے راضی ہے۔ اس سلسلے میں ہماری تصنیف "نشانِ منزل" میں ابتلاء (آزمائش) کا باب مطالعہ فرمائیں۔ اس باب میں آزمائش کی مشکلات کی بہت خوبصورت توجیہہ دی گئی ہے۔ مولانا رومؒ نے مثنوی میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے سپیرے کا ایک سانپ چوری کر لیا، جب اسے گھر لے گیا تو سانپ نے اسے ڈس لیا اور وہ فوراً مر گیا۔ سپیرا دعائیں کرتا تھا کہ اس کا سانپ برآمد ہو جائے اور جب اسے معلوم ہوا کہ ایک شخص سانپ کے ڈسنے سے مر گیا

ہے تو وہ سمجھ گیا کہ اس کو میرے سانپ نے ڈسا ہے، سپیرے نے شکر کیا کہ اس کی دعا قبول نہ ہوئی ورنہ شاید وہ سانپ اسے ہی ڈس لیتا اور وہ مر جاتا ۔

شکر حق را کاں دعا مردود شد   من زیاں پنداشتم آں سود شد[۳۵۲]

(خدا کا شکر کہ وہ دعا رد ہو گئی' میں اسے زیادتی سمجھتا تھا لیکن یہ فائدہ مند ثابت ہو گئی)

مولانا فرماتے ہیں کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کئی دعاؤں کو اس لئے قبول نہیں کرتا کہ وہ ان کیلئے ہلاکت کا باعث ہوتی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کئی دعاؤں کو نہیں سنتا جیسا کہ قرآن میں ہے ''وَعَسٰٓی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَشَرٌّ لَّکُمْ'' (ہوسکتا ہے کہ کوئی چیز تم اچھی سمجھتے ہو مگر تمہارے لئے بری ہو) (البقرہ ۲۱۶)۔

پس دعاہا کاں زیاں است و ہلاک   ازکرم می نہ شنود یزدانِ پاک[۳۵۳]

(بہت سی دعائیں زیاں کاری یا ہلاکت کا باعث ہوتی ہیں' اللہ پاک اپنے کرم کی وجہ سے ان کو سنتا ہی نہیں)

اللہ دُعا سے خوش ہوتا ہے

قرآن اور احادیث میں صاف صاف بیان کیا گیا ہے کہ خدا پکار پکار کر بلاتا ہے کہ ادھر آؤ مجھ سے مانگو میں دوں گا۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

یا نمی دانی کرم ہائے خدا   کو ترا میخواہد ایں سو کہ بیا[۳۵۴]

(یا تو تم کو خدا کے اکرام کی خبر نہیں' جو تجھے بار بار پکارتا ہے کہ اِدھر چلا آ)

ترمذی میں ہے کہ ''مَنْ لَّا یَسْئَالُ اللہَ یَغْضِبُ عَلَیْہِ''[1] (جو اللہ سے دعا نہیں مانگتا اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے) بلکہ احادیث میں ہے کہ جو نماز پڑھے اور دعا نہ مانگے اور ویسے ہی اُٹھ کر چلا جائے تو اس کی نماز گندے کپڑے کی طرح اس کی پیٹھ پر ماردی جاتی ہے۔ جو اللہ سے دعا نہیں مانگتے اللہ تعالیٰ ان کی مذمت کرتا ہے چنانچہ فرمایا ''وَیَقْبِضُوْنَ اَیْدِیَھُمْ'' (وہ اپنے ہاتھوں کو سکیڑ لیتے ہیں) (التوبہ:۶۷)۔ سورۂ فرقان میں ہے ''قُلْ مَا یَعْبَئُوا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَائُکُمْ'' (آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ کیا پرواہ ہے میرے رب کو (تمہاری) اگر تم اسکو نہ پکارو (یعنی دعا نہ کرو)۔ اگر تم نہ دعا کرتے تو خدا کو تمہاری کیا پرواہ تھی۔ مراد یہ کہ مجھے تمہارے پیدا کرنے کی ضرورت نہ تھی مگر یہ کہ تم مجھ سے دعا مانگتے ہو اور میں تمہاری دعا قبول کر لیتا ہوں۔ تخلیقِ کائنات کے باب میں اس بات کی وضاحت کردی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب کائنات کو پیدا نہ فرمایا تھا تو اس کی صفات اور کمالات کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ یہ بات یوں سمجھ میں آ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ابد سے رزاق تھا' مگر کس کو رزق دیتا جب کہ کوئی مخلوق ہی نہ تھی۔ اسی طرح وہ غفور اور کریم تھا مگر اس کی ان صفات کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ وہ اپنی صفات سے صرف اسی وقت پہچانا جا سکتا تھا اگر مخلوق ہوتی۔ چنانچہ جب اللہ نے چاہا میں پہچانا جاؤں تو اس نے مخلوق کو پیدا کیا جیسا کہ حدیث میں فرمایا ''کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۳۳۷۳، جلد ۵، صفحہ ۴۵۶۔

أَعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ" (میں ایک مخفی خزانہ تھا، پس میں نے یہ پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا)۔[1] اس حدیث میں کائنات کو تخلیق کرنے کی حکمت بیان فرمائی گئی ہے، چنانچہ اس حدیث کی رو سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اسے اس کی صفات (رزاق' کریم' غفور' ستار' مُعطی وغیرہ) سے پہچانا جائے اور پوری کائنات اس کے سامنے دستِ طلب دراز کرے اور اگر کوئی ایسا نہ کرے تو وہ اس سے ناراض ہوتا ہے، وہ خود فرماتا ہے۔"وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا" (الاعراف: ۱۸۰) (اور اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں ان ہی ناموں سے اسے پکارا کرو (یا دعا مانگا کرو)۔ ایک جگہ فرمایا ہے "وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ" (النساء: ۳۲) (اللہ سے اس کا فضل مانگا کرو) ایک اور جگہ فرمایا "اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً" (الاعراف: ۵۵) (دعا کرو اپنے رب سے گڑگڑاتے ہوئے اور آہستہ آہستہ (بھی)۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بہت چلا کر دعا نہ مانگو کیونکہ یہ آدابِ الٰہی کے خلاف ہے۔ دعا میں خوف و رجا کی کیفیت ہونی چاہیے، اللہ تعالیٰ نے دعا کو تقدیر کے قفل کی کلید بنایا ہے، دعا میں کوتاہی کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اس لئے کہ خواہش دعا سے ہی پوری ہوتی ہے ۔

نخبشی در دعا مکن اہتمال از دعاء التماس دادہ شود
(اے نخبشی دعا سے کوتاہی نہ کر' کیونکہ دعا سے ہی خواہشیں پوری ہوتی ہیں)

ہر درے را کہ آسماں بندد بہ کلید دعا کشادہ شود
(ہر وہ دروازہ جو آسمان بند کر دیتا ہے' وہ دعا کی چابی سے کھل جاتا ہے)

رسالۂ قشیریہ میں سہل بن عبداللہؒ کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کر کے فرمایا کہ مجھ سے باتیں کرو، اگر یہ نہیں کر سکتے تو میری طرف دیکھو۔ اگر یہ بھی نہ کر سکو تو میری بات کو سنو، اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو میرے دروازے پر رہو اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو میرے پاس اپنی ضرورتوں کو لاؤ۔[2]
کسی اور شاعر نے کہا ہے کہ ۔

قفلِ قبولیت نہ کھلے یہ بعید ہے انساں کے پاس دستِ دعا کی کلید ہے

رسالۂ قشیریہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے ورنہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے ایک عارف فرماتے ہیں کہ اللہ کے گرد اس طرح ہو جاؤ جیسے بچہ اپنی ماں سے چپک جاتا ہے اور پھر عاجزی سے دعا کرو اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرو ۔

تونی معبود گر نزدیکِ دیرم تونی مقصود گر مشغولِ غیرم
(اگر میں بُت خانہ کے قریب ہوں تو معبود پھر بھی تو ہی ہے' اگرچہ میں غیر میں مشغول ہوں لیکن میرا مقصود تو ہی ہے)

اگرچہ کافرم یا بت پرستم قبولِ کُن خدایا ہر کہ ہستم
(میں اگرچہ (معنوی) کافر یا بت پرست ہوں' خدایا جس حال میں ہوں قبول فرما)

---

[1] مرقاۃ المفاتیح، جلد ۱، صفحہ ۲۴۹۔

[2] الرسالۃ القشیریہ، جلد ۱، صفحہ ۱۵۰۔

اللہ تعالیٰ مانگنے والے سے حیا کرتا ہے

حدیث شریف میں ہے کہ "وَاللّٰہُ یَسْتَحْیِ مِنَ الْعَبْدِ اَنْ یَّرْفَعَ اِلَیْہِ یَدَیْہِ وَیَرُدَّھُمَا خَائِبِیْنَ" [1] (اللہ تعالیٰ اس بات سے حیا کرتا ہے کہ بندہ اس کی طرف ہاتھ اٹھا کر مانگے اور وہ اس کے ہاتھوں کو خالی پھیر دے)۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا پروردگار بہت حیادار ہے بغیر مانگے دینے والا ہے۔[2] کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی بندے کے متعلق اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ مجھ سے مانگتا ہی رہے چنانچہ جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیتا ہے کہ اس کی دعا پوری کردو مگر دیر سے پوری کرنا کیونکہ میں اس کی پیہم آواز سننا پسند کرتا ہوں، اور کسی کی دعا فوراً قبول کرلی جاتی ہے۔ نزہۃ المجالس میں ہے کہ جب کوئی عابد اللہ کو پکارے تو اللہ، لبیک کہتا ہے اور جب گنہگار پکارے تو تین بار لبیک کہتا ہے اس لئے کہ اس نے اللہ کے فضل پر بھروسہ کیا اور عابد کا بھروسہ اپنی عبادت پر ہوتا ہے (اس سے بچو)۔ ایک حدیث (جو اس کتاب میں بھی نقل کردی گئی ہے) میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کے اعمال سے ناراض ہوکر منہ موڑ لیتا ہے اور اس کی دعا کو نہیں سنتا اور وہ بندہ بار بار دعا مانگتا ہے تو آخر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے فرشتو! میرے اس بندے نے میرے سوا کسی اور کو خدا ماننے سے انکار کردیا ہے، اس کی دعا کو پورا کردو۔ گویا گنہگار کے بار بار مانگنے سے بھی اللہ تعالیٰ کو شرم آتی ہے اور دعا قبول کرلیتا ہے۔

جب اللہ حال سے واقف ہے تو دعا کیسی؟

دعا تو اللہ کو بتانے کیلئے نہیں بلکہ نیازمندی کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "فَاِنَّہٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی" (طٰہٰ: ۷) (وہ بھید کو جانتا ہے اور اسے بھی جانتا ہے جو اس سے بھی زیادہ چھپا ہوا ہے)۔ بھید وہ ہے جسے آدمی دل میں رکھتا اور چھپاتا ہے اور اخفیٰ اس سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے جسے آدمی کرنے والا ہے مگر ابھی اس سے واقف نہیں اور نہ ہی اس سے اس کا ارادہ ابھی متعلق ہوا ہے اسے اسرار ربانی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ایسے اسرار سے بھی واقف ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے مگر پھر بھی فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ تم نے دنیا میں کچھ دیکھا۔ ان فرشتوں کی بات سن کر اللہ تعالیٰ لوگوں پر اپنی بخششوں کیلئے گواہ بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایسا ہی نظام قائم کیا ہے کہ بچہ روئے تو ماں دودھ دے بندہ دوا کھائے تو شفا ہوجائے کھانا کھائے تو پیٹ بھر جائے شادی کرلے تو بچے پیدا ہوں حالانکہ وہ چاہتا تو ان اسباب کے بغیر تمام کام کرسکتا ہے۔ اسی طرح اس نے ہر چیز کیلئے حیلے بہانے قائم کردیئے۔ مولانا روم نے اس کی یوں وضاحت فرمائی ہے ۔

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۳۵۵۶، جلد ۵، صفحہ ۵۵۶۔

[2] سنن ابی داؤد، حدیث ۱۴۸۸، جلد ۲، صفحہ ۷۸۔

تا نہ گرید ابر کے خندد چمن   تا نہ گرید طفل کے جوشد لبن(۳۵۵)

(جب تک بادل نہ آنسو بہائے تو چمن میں کس طرح بہار آئے' جب تک بچہ نہ روئے (ماں کا) دودھ کس طرح جوش مارے)

زور را بگزار زاری رابگیر   رحم سوئے زاری آید اے فقیر(۳۵۶)

(طاقت کو یکطرف کرو اور آہ وزاری اختیار کرو' کیونکہ اے فقیر اللہ کا رحم آہ وزاری سے آتا ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے مگر وہ یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے اس سے گریہ وزاری اور عاجزی سے مانگیں تو وہ اپنی رحمتوں کے دریا بہا دے۔ فقط یہ بات ہے کہ ہماری دعا اور عاجزی اس کی رحمت کو جوش میں لے آتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر بات سے بے نیاز ہے مگر رزاقی اور سخاوت وغیرہ اسکی صفات ہیں۔ وہ اپنی ان صفات کو کام میں لانے کیلئے بہانے تلاش کرتا ہے اور یہی اس کائنات کے پیدا کرنے کا مقصد تھا کہ وہ اپنی صفات کے ساتھ پہچانا جائے اور اگر کوئی نہ مانگے تو وہ کہتا ہے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں(۳۵۷)

خدا کی بخشش کب جوش میں آتی ہے

مولانا روم ؒ نے اپنے مخصوص انداز میں لکھا ہے کہ جب کوئی بچوں کی طرح خدا کے حضور میں روئے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اس بات کو انہوں نے ایک خوبصورت مثال سے واضح کیا ہے، فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ اپنی فیاضی کی وجہ سے اکثر قرضدار رہتے تھے۔ انہوں نے قرض سے ہی ایک خانقاہ تعمیر کی اور قرض سے عاشقانِ حق کی خدمت کرتے، فرماتے ہیں کہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک فرشتہ خرچ کرنے والوں کے حق میں دعا کرتا ہے اور ایک فرشتہ کنجوسوں کی بربادی کی دعا کرتا ہے۔ یہ شخص حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح لوگوں کی خاطر اپنے حلق پر چھری چلوانے کیلئے تیار رہتا مگر قانونِ الٰہی ہے کہ ایسے حلق پر چھری کارگر نہیں ہوتی۔ مولانا ؒ فرماتے ہیں کہ اس شخص کی سخاوت کی داستانیں بہت طویل ہیں اور مرتے دم تک ایسے ہی نیک کام کرتا رہا۔ جب اس شیخ میں مرنے کے آثار پہنچے تو قرض خواہ سب اکٹھے ہو کر اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ وہ شیخ کی حالت مرگ دیکھ کر بہت ناامید ہوئے اور شیخ کو برا بھلا بھی کہتے رہے قرض خواہوں کی باتیں سن کر شیخ کہنے لگا کہ خدا سے بدگماں نہیں ہونا چاہیے۔ خدا کیلئے تمہارے ۴۰۰ دینار ادا کروا دینا کوئی بڑی بات نہیں، اتنے میں ایک لڑکا حلوہ بیچتا ہوا اُدھر آ نکلا، شیخ نے اپنے خادم کو سر کے اشارے سے کہا کہ اس سے حلوہ لیکر ان سب کو کھلا دو تا کہ کچھ دیر تو یہ میری طرف خشمگیں آنکھوں سے نہ دیکھیں، خادم نے سارا حلوہ نصف دینار میں خرید لیا۔ شیخ نے قرض خواہوں سے کہا کہ یہ عطیہ تبرک ہے اس کو حلال سمجھ کر کھاؤ۔ جب تھالی خالی ہو گئی تو حلوہ فروش لڑکے نے اپنا آدھا دینار مانگا۔ شیخ نے کہا'' دام کہاں سے لاؤں؟ میں تو خود ان لوگوں کا جو

تیرے سامنے قرض کا مطالبہ کر رہے ہیں مقروض ہوں اور اب میں مر بھی رہا ہوں"۔ لڑکے نے غم کے مارے تھال زمین پر دے مارا اور چیخنے چلانے لگا، ہائے مر گیا' مٹ گیا' تباہ ہو گیا' خدا ان صوفیوں سے بچائے۔ مولانا روم ؒ نے اس لڑکے کی باتوں کو یوں لکھا ۔

صوفیانِ طبل خوارِ لقمہ جو — سگ دلاں ہمچو گربہ روئے شو[۳۵۸]

(ان پیٹو صوفیوں سے جو کھانے کے خواہاں ہیں (خدا بچائے) یہ کتوں کی طرح حریص اور بلی کی طرح منہ دھوتے ہیں)

اس کے اس شور وغل پر گرد و نواح کے لوگوں کا ایک جمگھٹا لگ گیا۔ وہ لڑکا شیخ کو کہنے لگا کہ اگر میں اپنے استاد کے پاس گیا تو وہ مجھے مارے گا، ادھر قرض خواہوں نے بھی بک بک شروع کر دی اور کہنے لگے کہ تم نے ہمارا مال تو کھایا اب اس کے علاوہ ایک اور ظلم کمایا ۔

مالِ ما خوردی مظالم می بری — زا چہ بود ایں ظلمِ دیگر برسری[۳۵۹]

(ہمارا مال تو تم نے ہضم کیا ہی تھا' اس کے علاوہ یہ ایک اور کیسا ظلم اپنے سر پر لے لیا ہے)

شیخ فارغ از جفا و ازخلاف — درکشیدہ روئے چوں مہ در لحاف[۳۶۰]

(شیخ بھی ان جھگڑوں سے آزاد اپنا چاند سا نورانی منہ لحاف میں چھپائے ہوئے تھا)

با اجل خوش' با ازل خوش شاد کام — فارغ از تشنیع وگفتِ خاص و عام[۳۶۱]

(اپنی موت پر خوش اور اپنے مقدر پر راضی تھا' وہ خاص وعام کے بُرا بھلا کہنے سے بے پروا تھا)

در شبِ مہتاب مہ را بر سماک — از سگاں و عُو عُوِ ایشاں چہ باک[۳۶۲]

(چاندنی رات میں جب چاند کمال پر ہوتا ہے' تو اسے کتوں کے بھوں بھوں کرنے سے کیا غرض ہوتی ہے)

خس خسانہ می رود بر روئے آب — آبِ صافی می رود بے اِضطراب[۳۶۳]

(تنکا کمینوں کی طرح پانی کی سطح پر جارہا ہوتا ہے' مگر صاف پانی کسی جھجک کے بغیر بہتا رہتا ہے)

می خورد شہ برلبِ جُو تا سحر — در سماع از بانگِ چغراں بے خبر[۳۶۴]

(بادشاہ صبح تک نہر کے کنارے کھاتا پیتا ہے مگر مینڈکوں کے ٹرانے کی اسے خبر تک نہیں ہوتی)

شیخ چندہ جمع کر کے اس حلوے والے کے پیسے ادا کر سکتا تھا مگر بزرگوں کی قدرت اس سے بہت بلند ہے۔ آخر کار اس بزرگ کے ایک مرید نے جس کو شیخ کے قرضوں کا علم تھا کچھ رقم تھالی میں رکھ کر بھیجی جب کپڑا اٹھا کر دیکھا تو اس میں چار سو دینار تھے اور ایک کاغذ میں آدھا دینار الگ بندھا پڑا تھا۔ لوگ یہ دیکھ کر حیران ہوئے اور الٹا شیخ کے سخت مُعتقِد ہو گئے اور اس راز کا حال پُراسرار طور پر دریافت کرنے لگے۔ یہ لوگ شیخ سے کہنے لگے کہ ہم نے بہت زیادتی کی ہے اور ہم آپ کو پہچان نہ سکے، ہم نے تو موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے قصے سے بھی سبق حاصل نہ کیا، شیخ نے کہا جو زیادتی تم نے مجھ سے کی ہے میں نے اس کو معاف کر دیا ہے۔ دراصل میں نے خدا سے ادائے قرض کی دعا کی تھی اور اس نے مجھے اس کی تدبیر بتا دی، خدا نے فرمایا۔

گفت ایں دینار اگرچه اندک است　　لیک موقوفِ غریو کودک است

(فرمایا اگر چہ دینار تھوڑے ہی ہیں، لیکن وہ ایک بچے کے رونے پر موقوف ہیں)

تا نه گرید کودکِ حلوه فروش　　بحرِ بخشایش نمی آید به جوش[۳۶۵]

(جب تک حلوہ بیچنے والا لڑکا گریہ نہ کرے، ہماری بخشش کا دریا جوش میں نہیں آتا)

گر ہمی خواہی که مشکل حل شود　　خارِ محرومی به گل مبدل شود[۳۶۶]

(اگر تم چاہو کہ یہ مشکل حل ہو جائے اور محرومی کا کانٹا پھول کی شکل میں بدل جائے)

گر ہمی خواہی که آں خِلعتِ رسد　　پس بگریاں طفلِ دیده بر جسد[۳۶۷]

(اگر تم چاہو کہ قبول حق کی خِلعت تمہیں مل جائے، تو اپنی آنکھوں کے بچے کو جسم (کی خواہشات) پر رُلاؤ)

قبولیتِ دعا کیلئے کچھ مفید مشورے

صوفیاء نے لکھا ہے کہ مشکل کے وقت وضو کر کے اللہ کی طرف متوجہ ہو کر دو نفل پڑھے اور دعا مانگے ان شاء اللہ دعا پوری ہوگی۔ ''تربیتِ عشاق'' میں ہے کہ ایک بزرگ کا لنگر غرباء کیلئے ہر وقت کھلا رہتا تھا، ایک دن ایک خادم نے اطلاع دی کہ اب لنگر میں کچھ نہیں رہا تو آپ نے دو رکعت نفل ادا کئے، اور دیکھا کہ کچھ دیر بعد ایک شخص نے بہت سا گھی، شکر اور اناج وغیرہ کے لدے ہوئے اونٹ بھیجے اور ساتھ ہی بہت سی اشرفیاں لنگر کیلئے بھیجیں۔ قبولیت دعا کا راز اس بات پر موقوف ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف۔ ماں سے لپٹے ہوئے بچے کی طرح متوجہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ اگر کوئی انسان اس قابل نہ ہو کہ اسکی دُعا سنی جائے تو بار بار عرض کرنے سے خدا کی رحمت متوجہ ہو جاتی ہے۔ رسالہ قشیریہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اللہ تعالیٰ ناراضگی کی وجہ سے اس سے منہ موڑ لیتا ہے، وہ پھر پکارتا ہے اللہ تعالیٰ پھر منہ موڑ لیتا ہے، وہ پھر پکارتا ہے تو اللہ فرشتوں سے کہتا ہے کہ میرے بندے نے میرے سوا کسی اور کو پکارنے سے انکار کر دیا ہے لہٰذا میں نے اس کی دعا منظور کر لی۔[1]

تربیتِ عشاق میں ہے کہ ''دو دل کوہ را بشکنند'' یعنی دو دل مل کر بڑی سے بڑی مہم سر کر لیتے ہیں۔ سورۂ یٰسین قرآن کا دل ہے، پچھلی رات کا وقت رات کا دل ہے اور اگر تیسرا دل انسان کا ساتھ مل جائے تو بڑی سے بڑی مہم سر ہو جاتی ہے۔ پچھلی رات سورۂ یٰسین اگر اکتالیس بار پڑھ لی جائے تو مشکل حل ہو جاتی ہے۔

کسی شاعر نے کہا ہے ؎

اگر خیریتِ دنیا و عقبیٰ آرزو داری　　بدر گاہش بیا و ہرچه می خواہی تمنا کن

(اگر دنیا اور آخرت میں خیریت کی آرزو رکھتے ہو تو اس کی درگاہ میں آؤ اور جو چاہو تمنا کرو)

نماز کے ابواب میں ہی تربیتِ عشّاق کی ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ ڈاکٹر زین العابدین پروفیسر جامعہ

[1] تربیتِ عشاق صفحہ ۶۸۵۔

ملیہ دہلی ایک بار امریکہ گئے تو ایک ایسے ڈاکٹر سے ملاقات ہوئی جس نے ایک نئی طرز کا سینی ٹوریم ایجاد کیا تھا جس میں اس نے سائنٹیفک بنیادوں پر یہ تجزیہ کیا تھا کہ اگر صحت افزا فضا ہو تو بغیر دوا کے مریض ٹھیک ہو سکتا ہے۔ اسی سینی ٹوریم میں مختلف نظارے اور آوازیں یکجا کر کے ایک فضا قائم کی گئی اور اس میں جب مریض آتا ہے تو اس کے تاثرات کی بدولت مریض بغیر دوا کے ٹھیک ہو جاتا۔ اس امریکن ڈاکٹر نے زین العابدین صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کے ہاں جو صوفی اور روحانی لوگ کلام کے ذریعے علاج کرتے ہیں وہ کیا پڑھتے ہیں؟ ڈاکٹر صاحب نے کہا وہ کچھ قرآن پاک کی آیات پڑھتے ہیں اور تعویذ دیتے ہیں۔ اس پر انہوں نے مجھے کہا کہ کچھ آیات تم پڑھو جس کی ہم اپنے کیمرہ میں فوٹو لیں گے اور اس کے تاثرات نوٹ کریں گے۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ میں نے الحمد شریف پڑھنا شروع کی کیوں کہ مجھے اور تو کسی قسم کا دم کرنا نہیں آتا تھا۔ اس الحمد شریف کے پڑھنے سے ہوا میں کچھ لہریں پیدا ہوئیں جوان کے آلے نے ریکارڈ کیں۔ یہ عمل انہوں نے تین چار بار کرنے کو کہا اور پھر کہا کہ حیرانگی کی بات ہے کہ سورہ فاتحہ کے پڑھنے سے وہی صحت مند تاثرات پیدا ہو جاتے ہیں۔

روحانی دنیا میں یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ جو لوگ وظائف پڑھنے میں مشغول رہتے ہیں تو وہ دوسروں کے تاثرات سے بھی اثر قبول کرتے ہیں۔ اسی لئے بزرگ اپنے اوراد اور عبادت کیلئے الگ کمرے یا حجرے رکھتے ہیں۔ جنگل میں چونکہ لوگ نہیں ہوتے اس لئے وہ تاثرات سے مبرا ہوتے ہیں اور اسی لئے خاص چلے جنگلوں یا غیر آباد جگہوں میں کئے جاتے ہیں۔ اس روایت سے یہ بات بھی سمجھ میں آسکتی ہے کہ الحمد شریف کا وظیفہ سلسلۂ نقشبندیہ میں وظائف کے طور پر کیوں پڑھایا جاتا ہے؟ تجربے سے ثابت ہو چکا ہے کہ سورہ فاتحہ میں ہر بیماری سے شفا مخفی ہے۔ سورہ فاتحہ کے سورہ شفا ہونے کی احادیث سورہ فاتحہ کے باب میں بیان ہو چکی ہیں۔ بابا فرید گنج شکرؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص گوشۂ تنہائی میں تازہ وضو کر کے دو نفل پڑھے اور سلام کے بعد آسمان کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ اٹھائے اور پھر سو مرتبہ ''یارب'' کہے تو جو دعا مانگے قبول ہو گی۔ مراۃ العاشقین میں ہے کہ بعض قلندر بظاہر شریعت کے خلاف ہوتے ہیں اور لوگوں کے حق میں ان کی دعا اور بددعا بھی قبول ہوتی ہے اور وہ صاحبِ کرامت مشہور ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ کچھ ایسی ریاضتیں کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے دروازے پر بیٹھنے والے کتے ہیں۔ ان کی عبادت کے عوض میں ایک ہڈی پھینک دو یعنی ان کی عبادات کا ثمرہ صرف دُعا یا بددُعا قبول ہونا ہوتا ہے۔ دعا مانگتے ہوئے یہ بھی یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ سے انصاف کی درخواست نہ کرے بلکہ اس کے فضل سے مانگے کیونکہ اگر وہ انصاف کرنے لگے تو بڑے بڑے مقامات والے بزرگ بھی شرفِ قبولیت سے رہ جاتے ہیں، حضرت میاں محمد بخشؒ نے فرمایا۔

عدل کریں تے تھر تھر کنبن اُچیاں شاناں والے
فضل کریں تے بخشے جاون میں جئے منہ کالے
جے میں دیکھاں عملاں ولے تے کجھ نئیں میرے پلّے
جے میں دیکھاں فضل تیرے وَلؔ تے بلّے بلّے بلّے

بزرگوں کی بات کا اثر

"امیرُ الروایات" میں یہ روایت ہے کہ خواجہ احمد جامؒ کی خدمت میں ایک عورت اپنا نابینا بیٹا لائی اور عرض کی کہ اس کے منہ پر ہاتھ پھیر دیں تا کہ یہ ٹھیک ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کام ہے آپ اٹھ کر چلے گئے۔ آپ کے کانوں میں آواز آئی "نہ عیسیٰ کند نہ موسیٰ کند مامی کنیم" یعنی نہ عیسیٰ علیہ السلام کرتے ہیں نہ موسیٰ علیہ السلام کرتے ہیں بلکہ ہم کرتے ہیں۔ جاؤ اُس کے منہ پر ہاتھ پھیرو۔ آپ واپس آئے اور "مامی کنیم' مامی کنیم" کہتے ہوئے ہاتھ پھیرا اور اس کا بیٹا بینا ہو گیا۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اپنے خاص بندوں (اولیاء کرامؒ) کو خاص طاقت عطا کی ہے کہ جو وہ چاہیں کر سکتے ہیں (میلے کپڑوں والے خستہ حال فقیروں کی حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بات کو رد نہیں کرتا)۔

اولیاء راہست قدرت از اله تیرِ جسته باز گرداند زراه[368]

(اللہ کے ولیوں کو خدا کی طرف سے توفیق حاصل ہے' کہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو بھی راستے سے پھیر سکتے ہیں)

گفتۂ اُو گُفته اللّٰه بود گرچه آز حَلقُومِ عبدُ اللّٰه بود

(اس کا کہنا اللہ کا کہا ہوا بن جاتا ہے اگر چہ وہ اللہ کے بندے کے حلق سے نکلتا ہے)

ایں دعائے شیخ نے چو ہر دعا است فانی است و گفتِ او گفتِ خدا است

(شیخ کی یہ دعا عام لوگوں کی دعا کے برابر نہیں' شیخ فنافی اللہ ہے اس لئے اسکا کہنا خدا کا کہنا ہے)

مسجدے کو اندرونِ اولیا است سجدہ گاہِ جملہ است آنجا خدا است[369]

(وہ مسجد جو اولیاء اللہ کے دل میں ہے، تمام مخلوق کی سجدہ گاہ ہے کیونکہ اس جگہ خدا ہوتا ہے)

میاں محمد بخشؒ نے بھی فرمایا کہ اولیاء اللہؒ کو خدا پورے اختیارات دے دیتا ہے۔

سچے مرد صفائی والے کجھ کہن زبانوں — مولا پاک منیندا اوہو کی خبر اَسانوں
ہر مشکل دی کنجی یارو ہتھ مرداں دے آئی — مرد نگاہ کرن جس ویلے مشکل رہے نہ کائی
قلم ربانی ہتھ ولی دے' لکھے جو من بھاوے — مرداں نوں رب طاقت بخشی' لکھے لیکھ مٹاوے
ولی اللہ دے بھانڈا تک کے پاندے خیر حضوروں — جیہڑا پاک غروروں ہووے' سو پُر کردے نوروں
مرداں دے ہتھ کارج سارے آپ خداوند سکّے — دنیا باغ' ولی وچ مالی' بوٹے لاوے پکّے
کدھرے پتلا بیج کھلارے کدھرے گھنیرا — کدھرے تھوڑا پانی لاوے' کدھرے دے ودھیرا
ڈالی قلم کرے اک رُکھوں' جا دوئے پر جوڑے — پیوند لا بنا وے میوہ آپے پھیر تروڑے

---

[1] الرسالۃ القشیریہ، جلد ا، صفحہ ۱۲۰۔

خدا اپنی صفاتِ حکمت، قدرت اور محبت کو بروئے کار لاتا ہے

مشائخِ عظام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ صرف تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شرف ملا ہے کہ ان کی ہر دعا قبولیت کا درجہ رکھتی تھی اور آپ کی کوئی دعا ایسی نہ تھی جس کا رنگ اس دنیا میں نہ دیکھا گیا ہو۔ آپ کے بعد حسبِ مراتب ہر بزرگ کیلئے قبولیت کا درجہ الگ ہوتا ہے لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بڑے بڑے اولیائے کرامؒ کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی کیونکہ اس میں یا تو کوئی مصلحت ہوتی ہے یا یہی ہوسکتا ہے کہ وقت کی پابندی لاحق ہو۔ دعا کی قبولیت کبھی اس لئے بھی نہیں ہوتی کہ دعا کروانے والے کی نیت درست نہ ہو۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام میں لکھا ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر ایک یا دو افراد گناہ کے مرتکب ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سے چشم پوشی فرمالیتا ہے مگر جب پوری قوم ہی اس گناہ میں گرفتار ہو جائے تو پھر ان پر فطری حکم بھیجتا ہے اور انہیں عذاب میں مبتلا کر کے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ اس بات پر قرآن کی آیات بھی شاہد ہیں۔ ایسی قوم کیلئے بزرگوں کی دعا بھی سنی نہیں جاتی تاوقتیکہ قوم اپنی اصلاح کر کے راہِ راست پر نہ آ جائے۔ فرماتے ہیں ۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے ‌ ‌ ‌ کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو یہ کہتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر دعا (نعوذ باللہ) مقبول نہ تھی اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ گو عبداللہ بن اُبی کیلئے آپ نے نماز جنازہ پڑھائی مگر بالاتفاق وہ جہنم میں جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں جو یہ دعا پڑھی ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا'' یہ دعا اس کیلئے نہ تھی کیونکہ وہ نہ ''تو ہمارے زندوں'' میں سے تھا اور نہ ''ہمارے مردوں'' میں سے اسی طرح وہ نہ ''ہمارے'' حاضرین میں اور نہ ہمارے غائبین میں سے تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ کُرتہ مبارک جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیلئے دیا تھا تو وہ بھی اسے عذاب دینے کے وقت اللہ کے حکم سے آسمان پر اٹھالیا گیا تھا چنانچہ اس کا بھی اسے فائدہ نہ ہوا۔[۲]

مشائخ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ دعاؤں کی قبولیت کیلئے اپنی تین صفات کو بروئے کار لاتا ہے۔ ان میں سے ایک حکمت ہے یعنی جب وہ اپنی حکمت کا رویہ اختیار کرے تو جس میں انسان کی بہتری ہو عطا کرتا ہے اور اگر بہتری نہ ہو تو دعا کو روک لیتا ہے اور اس کا اجر کسی دوسری شکل میں ظاہر کر دیتا ہے۔ دوسری صورت میں وہ اپنی قدرت کو بروئے کار لاتا ہے لہٰذا اگر اس کی رضا ہو تو مان لیتا ہے اور اگر رضا نہ ہو تو روک لیتا ہے بلکہ ایسی حالت میں زیادہ تر انکار ہی ہوتا ہے۔ تیسری صورت محبت ہے یعنی جب بندہ و آقا میں محبت کا رابطہ ہو تو انکار نہیں ہوتا اور عموماً دعا مستجاب ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے تینوں واقعات ان تین

---

[۱] سنن الترمذی، حدیث ۱۰۲۳، جلد ۳، صفحہ ۳۴۴۔

[۲] ماہنامہ منہاج القرآن، جون ۱۹۹۰ء صفحہ ۱۰۶۔

انواع میں سے تھے۔ حضرت ابو العباس ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت فضل بن عیاض ؒ کو پیشاب بند ہونے کی بیماری لگ گئی تو انہوں نے دعا کی کہ "اے اللہ! تجھے میری محبت کی قسم ہے کہ میرا پیشاب کھول دے" ابو العباس ؒ کہتے ہیں کہ ہم ابھی وہیں تھے کہ انہیں شفا ہو گئی۔ اس موضوع پر زیادہ گفتگو انشاء اللہ ہماری کتاب "عقل و عشق اور فلسفہ خودی" میں کر دی گئی ہے۔

تقدیرِ مبرم اور غیر مبرم کا بدلنا

حضرت مجدد ؒ نے مکتوبات میں فرمایا ہے کہ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا شمار تقدیرِ مبرم میں ہوتا ہے اور وہ قبول نہیں ہوتیں۔ آپ ؒ نے یہ بھی فرمایا کہ کئی امور ایسے بھی ہیں کہ لوحِ محفوظ میں ان کی حیثیت مبرم کی سی ہو لیکن حقیقتاً وہ غیر مبرم ہوتے ہیں، چنانچہ خصوصی دعاؤں سے ایسی تقدیریں بدل جاتی ہیں۔ غیر مُبرم تو کسی نہ کسی شرط کے ساتھ منسلک ہوتی ہیں اور شرط پوری ہو جانے سے بدل دی جاتی ہیں (مثلاً دعا نیک عمل یا صدقہ و خیرات سے)۔ حضرت مجدد ؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تقدیرِ مُبرم بدلنے کا اختیار بھی دیا ہے کہ اگر چاہیں تو اپنے تصرف سے مُبرم (اٹل) تقدیر کو بھی بدل دیں۔ تقدیرِ مُبرم کے بدلنے پر اس جگہ زیادہ تفصیل نہیں دی جا سکتی، ہماری تصنیف "اسلام و رُوحانیت اور فکرِ اقبال ؒ" میں اس کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ شائقین حضرات مکتوبات شریف میں مکتوب نمبر ۲۱۷، دفتر اول حصہ سوم کا مطالعہ فرمائیں تو کچھ زیادہ تفصیل مل جائے گی۔

عدم قبولیتِ دعا کے اسباب

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ "يُطِيْلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ"[1] (وہ دور دراز کا سفر کرتا ہے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا ہے اس کے بال بکھرے ہوئے، جسم اُس کا گرد آلود، اس کا کھانا اور لباس سب حرام کی کمائی سے ہے اس کے پیٹ میں جو غذا ہے وہ بھی حرام کی (تو وہ لاکھ دعائیں کرے) ایسے حرام خور کی دعا کو قبول نہیں کیا جائے گا)۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری ہر دعا قبول ہو تو رزقِ حلال کھایا کرو۔

جو چاہے کہ رب اس کی بات مانے تو اسے چاہیے کہ وہ رب کی بات مانے۔

میری رات کی دعائیں جو نہیں قبول ہوتیں میں سمجھ گیا یقیناً ابھی مجھ میں کچھ کمی ہے

روایات میں ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی ؒ کے پاس ایک بہت بڑے شیخ حاضر ہوئے اور عرض کرنے

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۱۰۱۵، جلد ۲، صفحہ ۷۰۳۔

لگے کہ میں ریاضتِ شاقہ کے باوجود اپنے اندر روحانی کمالات نہیں پاتا۔ حضرت مجددؒ نے مراقبہ کرنے کے بعد بتایا کہ خوراک میں احتیاط نہیں کی جاتی، معلوم ہوا کہ ان کے گھر میں لکڑیاں حلال مال سے نہ آتی تھیں۔

غنیۃ الطالبین میں نقل کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں مگر وہ ان کو قبول نہیں فرماتا؟ انہوں نے جواب دیا کہ:

۱۔ تم رسول اللہ ﷺ کو پہچانتے ہو مگر آپ کے طریقے (حکم) پر نہیں چلتے۔

۲۔ قرآن کو جانتے ہو مگر اس پر عمل نہیں کرتے (جو بھی اس میں لکھا ہے اس کے برعکس کرتے ہو)۔

۳۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتیں کھاتے ہو مگر اس کا شکر ادا نہیں کرتے (شکر فقط اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنے سے ادا نہیں ہوتا بلکہ اس نعمت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے ہوتا ہے جو اسے خدا نے دی)۔

۴۔ جنت سے واقف ہو مگر اسے طلب نہیں کرتے (یعنی ویسے عمل نہیں کرتے)۔

۵۔ دوزخ کا اعتراف کرتے ہو مگر اس سے خوف نہیں کھاتے۔

۶۔ شیطان کو پہچانتے ہو مگر اس سے مقابلہ نہیں کرتے بلکہ اس سے موافقت کرتے ہو۔

۷۔ موت سے آگاہ ہو مگر اس کی تیاری نہیں کرتے۔

۸۔ مُردوں کو دفن کرتے ہو مگر ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

۹۔ تم نے اپنے عیبوں کو چھوڑ دیا ہے اور لوگوں کے عیب بیان کرنے میں لگے رہتے ہو۔

عزرائیل علیہ السلام (ملک الموت) فرماتے ہیں کہ مجھے مسلمان کی رُوح قبض کرتے ہوئے شرم آتی ہے کہ کہیں اس کا نامۂ اعمال خالی نہ ہو۔

مندرجہ بالا وجوہات کی تفصیل بیان کی جائے تو ایک مکمل کتاب کی ضخامت درکار ہوگی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر مندرجہ بالا نو باتوں میں سے ایک دو باتوں پر عمل کر لیا جائے تو کافی ہے مگر حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے دعا سے متعلق تمام حقائق کو اس بیان میں جمع کر دیا ہے۔

کامیاب زندگی کا راز

ہم اس دور میں سے گزر رہے ہیں جب کہ قوم کے بیشتر افراد کو مال و زر کی الفت نے اپنی گرفت میں بری طرح جکڑ رکھا ہے جس کے نتیجے میں پیسے کی دوڑ میں مصروفیت اس قدر بڑھ گئی ہے کہ بیچارہ مسلمان اسی روز و شب کی ضروریات میں اُلجھ کر رہ گیا ہے، علامہؒ نے فرمایا ؎

ترسم ایں عصرے کہ تو زادی دراں　　در بدن غرق است و کم داند زجاں [۴۷۰]

(میں اس زمانے سے ڈرتا ہوں کہ جس میں تم پیدا ہوئے ہو تم بدن کی ضروریات میں غرق اور رُوح کو بہت کم جانتے ہو)

مسلمانوں کی یکطرفہ توجہ انہیں دین سے نابلد کر دیتی ہے اور دنیا میں اس قدر غرق ہو جانے کے بعد

انہیں جو تھوڑا بہت مالِ دنیا مل جاتا ہے اس کے ساتھ ساتھ طرح طرح کے مصائب بھی ورثہ میں مل جاتے ہیں۔ مالِ دنیا خواہ کتنا ہی مل جائے مگر سکونِ قلب کا نہ ہونا' بیماریوں اور مصائب سے دو چار رہنا' مقدمات اور دیگر پریشانیوں کے جھگڑے وغیرہ ان کی زندگی کو مسلسل بے چینی اور بدمزگی کے گہرے سمندر میں لا پھینکتے ہیں۔ بہت سے رئیس اور امیر انسانوں کو ہمیشہ یہی شکایت رہتی ہے کہ پیسہ بہت ہے مگر اطمینان اور سکون نہیں ملتا۔ ان کا دل مسلسل گھبراہٹ میں رہتا ہے۔ کسی نے ایسے ہی لوگوں کیلئے کہا ہے کہ اگر مصائب اور حوادثات کے تیر ہر طرف نظر آئیں تو ان تیروں سے بچنے کا طریقہ صرف ایک ہی ہے کہ تیر انداز خدا کے پہلو میں آ جاؤ۔ ایسے لوگوں کی پریشانیوں کا علاج یہی ہے کہ ان لوگوں کو نیک لوگوں کی صحبت میں آنا چاہیے تاکہ وہ ان کو دینی تربیت دے کر ان کی مشکلات کا حل پیش کریں۔ جو لوگ مال و دولت کی کمی محسوس کرتے ہیں یا بیماریوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہوں ان کی یہ تکالیف بھی بسا اوقات انہیں کفر کی حد تک لے جاتی ہیں۔ اکثر لوگ غربت میں بھی دل کا سکون کھو بیٹھتے ہیں لیکن لوگوں کو شاید یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہر مشکل کا علاج دینی امور میں پنہاں کر رکھا ہے مگر یہ نادان اللہ تعالیٰ کے دین کو چھوڑ کر دنیاوی امور کی طرف ہی زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ اُن کے ذہن یہ بات کبھی محسوس نہیں کرتے کہ جو اللہ کی طرف آ گیا اس کی ہر مشکل آسانی سے دور ہو جاتی ہے۔ یہ بات مشاہدے میں آ چکی ہے کہ جونہی کسی نے اللہ کی طرف رجوع کیا تو چند دنوں میں ہی اس کے مصائب کا حل پیدا ہو گیا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ چند مصلحتوں کی بنا پر تاخیر ہو جائے۔ مگر جلد یا بہ دیر مشکلات حل ضرور ہو جاتی ہیں۔ نماز کی پابندی کر لینے کے بعد کئے جانے والے کچھ وظائف تو ایسے ہیں کہ جو ان کی بدقسمتی کو جڑ سے اکھیڑ پھینکتے ہیں۔

اس جگہ یہ امر واضح کر دینا مقصود ہے کہ مصائب خواہ کسی قسم کے ہوں وہ صرف ان لوگوں کی طرف رجوع کرتے ہیں جہاں بے دینی کی طرف زیادہ توجہ ہو اور خدا کو بھلا دیا گیا ہو۔ دینداروں کے ہاں بھی مشکلات آتی ہیں لیکن وہ یا تو عالمِ اسباب کی طرف توجہ نہ دینے کی وجہ سے ہوتی ہیں یا آزمائش کی وجہ سے۔ ایسی مشکلات میں دل پریشان نہیں ہوتا بلکہ دل کو تقویت ملتی ہے کیونکہ یہی مشکلات انسانی دل کی غذا ہیں۔ قرآن میں مشکلات کا حل بھی یہی بیان کیا گیا ہے۔ ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ'' (البقرۃ: ۱۵۳) (اے ایمان والو! مدد طلب کرو صبر اور نماز (کے ذریعہ) سے بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔ صبر سے مراد یہ ہے کہ حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے اور نماز سے مراد پنجگانہ نماز ہے کیونکہ اس میں ہر مشکل کا حل موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے جو صبر اور نماز کے ذریعے اس کی مدد طلب کرتے ہیں، اس معیت سے خصوصی معیت مراد ہے۔ یعنی تائید اور نصرت کی معیت۔ چنانچہ تفسیرِ مظہری میں ہے کہ اس سنگت سے وہ خاص سنگت مراد ہے جس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی، صرف عارف ہی اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ علامہ اقبال ؒ نے اسے اپنے اشعار میں یوں

سمجھانے کی کوشش کی ہے ۔

مردِ مومن با خدا دارد نیاز   با تو ما سازیم تو با ما بساز

(مردِ مومن کا اللہ تعالیٰ سے یہ رازو نیاز ہے کہ ہم تمہارا ساتھ دیتے ہیں اگر تم ہمارا ساتھ دو)

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں   یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں (۳۷۱)

کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں   ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں (۳۷۲)

نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے   کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا (۳۷۳)

ہزار چشمہ تیرے سنگِ راہ سے پھوٹے   خودی میں ڈوب کے ضربِ کلیم پیدا کر (۳۷۴)

اس مرد خدا سے کوئی نسبت نہیں تجھ کو   تو بندۂ آفاق ہے وہ "صاحبِ آفاق" (۳۷۵)

گر بگیرد سوز و ساز از لا الٰہ   جز بکامِ او نگردد مہر و مَہ

(اگر کوئی لا الٰہ کا سوز و ساز حاصل کر لے تو اس کے حکم کے بغیر مہر و ماہ حرکت نہیں کر سکتے)

اِس موضوع پر علامہ اقبالؒ کے کلام کا تلاطم خیز مجموعہ موجود ہے اور اس کو یہاں شامل کرنا مناسب نہیں، اس کلام کا لبِ لباب یہ ہے کہ اگر دینِ اسلام کو تھامے رکھو گے تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں گزند نہیں پہنچا سکے گی۔ دینِ اسلام تو انسان کی پختہ کاری کیلئے ہی بنایا گیا ہے ۔

اِیں ہمہ اسبابِ استحکامِ تست   پختۂ محکم اگر اسلامِ تست (۳۷۶)

(یہ (اسلام کے تمام ارکان) تمہیں مستحکم کرنے کیلئے ہیں، اگر تمہارا اسلام محکم ہے تو تم بھی پختہ ہو جاتے ہو)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مصائب میں گرفتار ہو تو اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ وہ دین سے دُور ہے اور خدا کا باغی ہے اور باغی کو ایسی سزا ہی دی جاتی ہے، کہ اس کا ناطقہ بند کر دیا جائے۔ ایسا شخص مصائب میں گرفتار رہتا ہے اور اس کے شب و روز مصائب سے چھٹکارا حاصل کرنے میں ہی صرف ہو جاتے ہیں۔ ایسے شخص کیلئے بہتر یہی ہے کہ وہ بجائے ہسپتالوں کے چکر لگانے یا مصائب کے دور کرنے اور سرگرداں رہنے کے اپنی توجہ کا مرکز اللہ تعالیٰ کی طرف کرے کیونکہ اس طرح وہ مصائب میں صرف ہونے والی بھاگ دوڑ سے بچ سکتا ہے۔ اگر پریشانی مالی کمی کے باعث ہو تو بھی اس کا یہی حل ہے۔ کسی اللہ والے سے رابطہ قائم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ والے چونکہ ان امراض کے حکیم ہوتے ہیں اور ہر مشکل کا حل جانتے ہیں لہٰذا مناسب طریقے سے ایسے لوگوں کی راہنمائی حاصل کرنا ضروری ہے۔

باب نمبر ۲۷

قبولیتِ دعا کیلئے اہم عنصر

قبولیتِ دعا کیلئے گذشتہ باب میں کافی بیان ہو چکا ہے، اس باب میں قبولیت دعا کے اہم عناصر بیان کرنے سے پہلے قارئین کی دلچسپی اور شوق کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے چند مقبول دعائیں اور نکات جو راقم الحرو ف کے مشاہدے میں آئے ہیں بیان کئے جارہے ہیں۔

مقبول دعائیں

کچھ دعائیں بارگاہ رب العزت میں اس قدر قبولیت کا درجہ رکھتی ہیں کہ ان کے پڑھنے سے بلا تاخیر مُراد حاصل ہوتی ہے۔ کچھ لوگوں کی ذات کو بارگاہ ایزدی میں اِس قدر شرفِ قبولیت حاصل ہوتا ہے کہ ان کی دعا شاید ہی کبھی رد ہوتی ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی مرضی کو اللہ کی رضا پر چھوڑ دیا ہے تو ایسی حالت میں اللہ بھی اپنی مرضی ان کے سپرد کر دیتا ہے۔ ایسے لوگ اپنی ہر مُراد اور ہر خواہش کو اللہ کی رضا پر ترک کر دیتے ہیں گویا ان کی اپنی خواہش ہی کوئی نہیں۔ دعا کی فوری قبولیت کے سلسلے میں حضرت رابعہ بصریؒ کا ایک نہایت دلچسپ واقعہ اس کتاب کے دعا کے ابواب میں بیان ہو چکا ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں اس واقعہ کی مطابقت میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا ۔

واعظ کمالِ ترک سے ملتی ہے یاں مُراد ۔۔۔ دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبیٰ بھی چھوڑ دے
شوخی سی ہے سوالِ مکرر میں اے کلیم! ۔۔۔ شرطِ رضا یہ ہے کہ تقاضا بھی چھوڑ دے [۳۷۷]

صوفیا کا یہ کہنا ہے کہ جس نے کبھی خدا سے اپنے لئے کچھ نہ سوال کیا ہو تو جب اس کے منہ سے کوئی دعا نکل جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو رد کرنا مناسب نہیں خیال کرتا خواہ وہ بات تقدیرِ مُبرم کی حیثیت ہی کیوں نہ رکھتی ہو۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کوئی بزرگ کسی کو خاص دعا پڑھنے کی اجازت دے دے تو اس کا اثر اس سے بہت بہتر ہوگا جس کو اجازت نہ ملی ہو۔ اس لئے اہلِ طریقت اپنے شیخ کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں پڑھتے۔ مگر اس اجازت کے علاوہ دعا کا اثر اس کے پڑھنے والے کی کیفیت، اندازِ طلب اور رُوحانی مقام پر منحصر ہے۔ یحییٰ بن سعیدؒ نے کہا کہ میں رب العزت کے دیدار سے خواب میں مشرف ہوا تو میں نے عرض کی الٰہی میں نے تجھ سے دعا کی لیکن تو قبول نہیں فرماتا، فرمایا یحییٰ ہم کو تیری آواز پسند ہے۔ ایک مشہور روایت میں ہے کہ ایک بزرگ خواجہ اجمیری قدس سرہٗ کے مزار پر حاضر ہوتے تو قرآن پڑھتے اور وظائف بھی پڑھتے مگر ان کی دعا قبول نہ ہوتی، انہوں نے دیکھا کہ ایک دن کچھ طوائفیں آئیں اور اسی دن ان کی دعا پوری ہوگئی۔ اس بزرگ کو اہل قبر نے القا کیا کہ تمہارا یہاں آنا اور قرآن پڑھنا ہم کو بہت پسند ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ تم آتے ہی رہو۔ حصن حصین میں

ابو درداؓ سے منقول ہے کہ جو شخص ہر روز مومن مردوں اور مومن عورتوں کیلئے ستائیس یا پچیس بار مغفرت کی دعا کرے گا یعنی کہے "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ" تو وہ ان مستجاب الدعوات میں سے ہو جائے گا جن کی وجہ سے زمین والوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ حضرت معروف کرخیؒ سے شرح زرقانی (مواہب لدنیہ جلد نمبر پانچ) میں منقول ہے کہ جو شخص روزانہ دس بار یہ وظیفہ کرے وہ ابدالوں میں لکھا جاتا ہے "اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ اَللّٰهُمَّ فَرِّجْ عَنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"[1] (اے اللہ اُمتِ محمدیہ ﷺ کی اصلاح فرما دے۔ اے اللہ اُمتِ محمدیہ ﷺ کو کشادگی عطا فرما دے، اے اللہ اُمتِ محمدیہ ﷺ پر رحم فرما)۔ سورۃ النمل کی آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ کفار جب گرداب بلا میں اس طرح پھنس جائیں کہ ان کے ذاتی وسائل اور دوست احباب بے بس ہو جائیں تو ایسی حالت میں ان کی نجات کا سامان کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کفار سے دریافت فرماتے ہیں کہ ایسے نامساعد اوقات میں کون ہے جو ان کی مشکل کو حل کرتا ہے جب کہ اس حالت میں ان کے معبودان باطلہ بھی ان کی مدد نہیں کر سکتے۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنی اُمت کے لوگوں کیلئے مشکل مقامات پر اللہ کے دربار میں یہ دعا کرنے کا سبق دیا ہے "اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْا فَلَا تَكِلْنِىْ اِلٰى نَفْسِىْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّ اَصْلِحْ لِىْ شَاْنِىْ كُلَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ"[2] (اے اللہ! میں صرف تیری رحمت کا امیدوار ہوں مجھے آنکھ جھپکنے کی دیر کیلئے بھی میرے نفس کے حوالے نہ کر میرے سارے کام درست فرما دے تیرے بغیر کوئی معبود نہیں)۔

علامہ ابن کثیرؒ، امام احمدؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے درج ذیل دعا سونے سے پہلے پڑھنے کیلئے حکم دیا تھا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے بچوں کو یہ کلمات سکھائے اور نابالغ بچوں کے گلے میں تعویذ لکھ کر ڈال دیتے اور وہ کلمات یہ ہیں۔ "أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَأَنْ يَّحْضُرُوْنَ"[3] (میں پناہ لیتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ اور اس کے کلمات کے ساتھ جو پورے ہیں ان میں کوئی نقصان نہیں ہے، اس غضب سے اور اس کے عقاب سے اور اس کے بدترین بندوں سے اور شیطان کی چھیڑ سے اور اس سے بھی کہ وہ میرے پاس آئے ہیں)۔

زاری مومن کا اعزاز ہے

کئی سو احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ رزق حلال ہو تو دعا قبول ہوتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دل میں سوز وگداز ہو تو بھی دعا قبول ہوتی ہے۔ ابو علی دقاقؒ نے فرمایا کہ جب گنہگار روتا ہے تو سمجھو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو

---

[1] احیاء العلوم، جلد ۲، صفحہ ۲۰۹۔

[2] شعب الایمان، حدیث ۷۶۱، جلد ۱، صفحہ ۴۷۷۔

[3] سنن الترمذی، حدیث ۳۴۴۳، جلد ۵، صفحہ ۴۹۶۔

اپنا پیغام بھیج دیا، حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

دلا بسوز که سوزِ تو کارہا بکند دعائے نیم شبی دفعِ صد بلا بکند

(اے دل تو خود کو جلا کیونکہ تیرا جلنا بہت کام کرتا ہے' اور آدھی رات کی دعا سینکڑوں بلاؤں کو دفع کرتی ہے)

کہا جاتا ہے کہ آوازیں کان سے ہی نہیں بلکہ دل سے بھی سنی جاتی ہیں۔ خواب میں کھانا پینا سونا اور سننا ظاہری کان، آنکھ، پیٹ وغیرہ سے نہیں ہوتا۔ صوفیاء حواسِ خمسہ بند کر کے باطنی حواس سے سُن لیتے ہیں۔ کسی وقت دل میں سوز و گداز اور جوش کا پیدا ہو جانا اس لئے ہوتا ہے کہ دل رب کی آواز سنتا ہے۔ امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ اسماء الحسنیٰ کے ذریعے دعا مانگے اور اپنی ذلت اور خدا کی ربوبیت پیشِ نظر رکھے۔ بایزید بسطامیؒ سے کسی نے پوچھا کہ خدا کا کون سا نام بزرگ ہے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کے سب ہی نام بزرگ ہیں لیکن دعا کا راستہ پاک ہونا چاہیے، یعنی دل پاک ہو۔ حدیث میں ہے کہ ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يُقْبِلُ دُعَاءً مِّنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ''[1] (اللہ تعالیٰ غافل دل کی بات نہیں سنتا)۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''اَلدَّاعِیْ بِلَا عَمَلٍ كَالرَّامِیْ بِلَا وَتْرٍ'' (بغیر عمل کے دعا مانگنے والا اس طرح ہے جیسے بغیر ڈوری کے تیر پھینکنے والا)۔[2] اگر نوا (دعا کی پکار) دلگداز ہو تو اجابت بھاگ کر آجاتی ہے، خدا کو وہ ادائیں بہت پسند ہیں جس میں ذلت اور مسکنت ہو۔

به ملازمانِ سلطاں ایں خبر دہم ز رازی که جہاں تواں گرفتن به نوائے دلگدازی

(مقربین الٰہی تک رازیؒ کی یہ بات پہنچاتا ہوں وہ یہ کہ سارے جہاں پر دلگداز آواز سے قابو پایا جا سکتا ہے)

به ملازمانِ سلطاں کہ رساند ایں دعا را که به شکرِ پادشاہی زنظر مراں گدا را

(بادشاہ کے مقربین تک یہ فریاد کس طرح پہنچائی جائے کہ بادشاہی کے شکرانے میں اس درویش کو اپنی آنکھوں سے نہ ہٹائیں)

مولانا رومیؒ نے سوز و گداز اور گریہ وزاری پر کافی اشعار لکھے ہیں جن میں سے کچھ راقم الحروف کی کتب ''سوز و ساز رومی''، ''عقل و عشق اور فلسفۂ خودی'' اور ''اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبالؒ'' میں شامل کئے گئے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا رحم زاری میں ہی پوشیدہ ہے۔

زور را بگذار و زاری را گزیں رحم سوئے زاری آید اے مہیں (۳۷۸)

(طاقت کا استعمال چھوڑ دو! گریہ اختیار کرو' کیونکہ اے بڑے بھائی اللہ کی رحمت زاری کی طرف آتی ہے)

نالہ مومن ہمی داریم دوست گو تضرع کن کہ ایں اعزازِ اوست

(مومن کے نالے کو ہی ہم (یعنی اللہ) دوست رکھتے ہیں لوگوں سے کہو کہ اللہ تعالیٰ سے رو کر دعا کرنا ان کیلئے بڑا اعزاز ہے)

---

۱ المستدرک، حدیث ۱۸۱۷، جلد ۱، صفحہ ۶۷۰۔

۲ شعب الایمان، حدیث ۱۱۴۸، جلد ۲، صفحہ ۵۳۔

طفلِ یک روزہ ہمیں داند طریق — کہ بگریم تا شود دایۂ شفیق[۳۷۹]

(ایک روزہ بچہ بھی یہ طریق جانتا ہے کہ اب میں روتا ہوں تا کہ دایہ شفیق ہوجائے)

قبولیتِ دعا کیلئے معاون باتیں

کہا جاتا ہے کہ عوام کی دُعا اقوال والفاظ سے ہوتی ہے زاہدوں کی دعا افعال سے اور عارفین کی دعا احوال سے ہوتی ہے۔ اللہ کے اسماء الحسنیٰ سے دعا قبول ہوتی ہے اور کچھ کلمات پاک ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کو رات کے وقت پڑھا جائے تو دعا قبول ہوتی ہے جیسے کہا گیا ہے کہ "دو دل کوہ رابشکند" (دو دل پہاڑ کو بھی توڑ سکتے ہیں) یعنی ایک قرآن کا دل، ایک رات کا دل ہو اور اس کے ساتھ اپنا دل بھی مل جائے تو بات بن جاتی ہے۔ اسی لئے علامہ اقبال ؒ نے فرمایا ہے۔

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی[۳۸۰]

اللہ کے نیک بندے راتوں کو قیام کرتے ہیں، ان کی دعا قبول ہوتی ہے کیونکہ رات میں ایک گھڑی قبولیت کی ہوتی ہے اور رات کا قیام اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ "وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا" (الفرقان: ۶۴) (اللہ کے وہ بندے جو راتوں کو بسر کرتے ہیں اپنے رب کے حضور سجدہ میں اور قیام میں)۔ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ "دَعْوَةٌ فِي السِّرِّ تَعْدِلُ سَبْعِيْنَ دَعْوَةً فِي الْعَلَانِيَةِ" (تنہائی میں دعا کرنا ستر مرتبہ اعلانیہ دعا کرنے کے برابر ہے)۔ [۱] بزرگانِ اسلام حتیٰ کے انبیاء کرام علیہم السلام نے خلوت نشینی میں ضرور کچھ وقت گزارا ہے۔ بھیڑ بکریاں چرانے میں بھی انبیاء کرام اور اولیاء کرام ؒ کو تنہائی میسر ہوتی ہے۔ غار حرا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت دیر معتکف رہے اور وہ اعتکاف جو کہ فرضِ کفایہ ہے میں بھی مقصود تنہائی ہے۔ ویسے بھی تنہائی کے مقامات پر دُعا قبول ہونے کے اس لئے زیادہ امکانات ہوتے ہیں کہ وہاں یکسوئی میسر آتی ہے۔ حضرت ابو درداؓ نے فرمایا "مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میری کونسی دعا قبول ہوتی ہے فرمایا جس وقت میرا دل خوف زدہ ہو بدن میں کپکپی آجائے اور آنکھوں میں آنسو بہنے لگیں تو اس وقت کی دعا مقبول ہوتی ہے"۔ حضرت ثابت بنانی ؒ نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے ۔

ہم بہ آبِ چشمِ خود کردند ترتیبِ وضو — مغفرت جویاں کہ در وقتِ دعا بگریستند

(یہ لوگ اپنی آنکھوں کے پانی سے بھی ترتیب وضو کرتے ہیں، وہ لوگ جو اللہ سے مغفرت چاہتے ہیں وقتِ دعا روتے ہیں)

مولانا رومی ؒ مثنوی میں فرماتے ہیں کہ جب بندۂ مومن خلوص سے دعا مانگے اور زاری کرے تو فرشتے بھی اس کے واسطے اللہ کے حضور مقبولیت کیلئے عرض کرتے ہیں اور اگر قبولیت میں کچھ تاخیر ہوجائے تو اس کا

---

[۱] مصنف عبدالرزاق، حدیث ۱۹۶۴۵، جلد ۱۰، صفحہ ۴۴۲۔

مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس بندے کی آواز اچھی لگتی ہے۔ فرماتے ہیں ۔

اے بسا مخلص کہ نالد در دُعا   دودِ اخلاصش برآید تا سما(۳۸۱)

(بہت سے مخلص ایسے ہیں کہ دعا میں زاری کرتے ہیں' حتیٰ کہ ان کے اخلاص کا دُھواں آسمان پر پہنچتا ہے)

پس ملائک با خدا نالند زار   کاے مجیب ہر دُعا و مستجار(۳۸۲)

(پس پھر ملائکہ (تاخیر قبولیت پر) اللہ کے حضور زاری کرتے ہیں' کہ (اے خدا) ہر دعا کو قبول کرنے والے اور اے کہ جس سے پناہ طلب کی جاتی ہے)

بندۂ مومن تضرع می کند   او نمی داند بجز تو مستند(۳۸۳)

(یہ بندہ مومن تضرع کررہا ہے' وہ تیرے سوا کسی کو سہارا نہیں سمجھتا)

حق بفرماید کہ نہ از خواری اُوست   عین تاخیرِ عطا یاری اوست(۳۸۴)

(حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری تاخیر اس کی ذلت کے سبب نہیں' بلکہ یہ عطا میں تاخیر اس کی دوستی کے باعث ہے)

خوش ہمی آید مَرا آوازِ اُو   وآں خدایا گفتن وآں رازِ اُو

(مجھ کو اس کی آواز بھی معلوم ہوتی ہے' اس کا نعرہ یارب اور مناجات مجھ کو اچھی لگتی ہے)

ایں جہاں زندانِ مومن زیں بود   کافراں را جنتِ حالے شود(۳۸۵)

(یہ جہاں مومنوں کیلئے اسی وجہ سے قید خانہ ہے کہ کافروں کیلئے (اس جہاں میں) جنت کا سامان ہے)

ابی عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک بعض بندے اللہ سے کوئی چیز مانگتے رہتے ہیں تو خدا فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ میں نے اس کی دُعا کو قبول تو کرلیا ہے مگر اس کی حاجت کو پورا نہ کرنا کیونکہ میں اس کی آواز کو پسند کرتا ہوں۔ بعض کیلئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کی حاجت کو جلدی پورا کردو کیونکہ اس کی آواز مجھے ناپسند ہے ۔

از دعا نبود مرادِ عاشقاں   جز سخن گفتن بآں شیریں دہاں

(دعا سے عاشقوں کی مراد اس کے سوا کچھ نہیں' کہ اس بہانے سے اُس شیریں دہن سے بات ہوجائے)

زاغ را و چغد را اندر قفس   کے کنند ایں خود نیامد در قصص(۳۸۶)

(کوّے اور اُلّو کبھی پنجرے میں بند نہیں کئے جاتے' اور بند کئے بھی کیسے جاسکیں کیونکہ یہ کبھی حکایات میں نہیں آیا ہے)

بے مُرادی مومناں از نیک و بد   تو یقیں می داں کہ بہرِ ایں بود(۳۸۷)

(مومنوں کی بے مُرادی خواہ مومن نیک ہو یا بد' تو یقین کرلے کہ یہ اس وجہ سے ہوتی ہے) (کہ دنیا مومن کیلئے قید خانہ ہے اور کافر کیلئے جنت)

دعا کے وقت اگر دل میں عجز و نیاز ہو تو یہ اللہ کے ہاں بہت قدر و منزلت رکھتا ہے۔ اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا ہی اللہ کی بہت بڑی عبادت ہے۔ حدیثِ قدسی میں ہے ایسے لوگوں سے جو گناہ پر بار بار اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور دعا کریں اللہ تعالیٰ حیا فرماتا ہے ۔

سر بہ پیش افگندن از شرمِ گناہ خوش طاعتیت — بہر ما گر ہست محرابے گریباں است وبس

(شرمِ گناہ سے سر جھکا دینا بہت اچھی عبادت ہے، ہمارے لئے اگر محراب ہے تو بس وہ (اپنا) گریبان ہی ہے)

کسی اور کا قول ہے کہ اسی طرح لوگوں پر بھی احسان کرنا بہت سی عبادتوں سے بہتر ہے۔

بہ احسانے آسودہ کردن دلے — بہ از الف رکعت بہر منزلے

(احسان کے ساتھ کسی دل کا آسودہ کر دینا کسی مقام پر ادا کئے جانے والی ہر ہزار رکعت سے بہتر ہے)

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں — کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

مکتوباتِ حضرت محمد معصوم سرہندیؒ میں منقول ہے کہ ایک شخص نے ایک فاسق کو خواب میں اس کے مرنے کے بعد دیکھا اور اس کے حالات دریافت کئے، اس نے کہا کہ مجھے بخش دیا گیا، سائل نے ازراہ تعجب پوچھا کس عمل کی وجہ سے؟ اس نے کہا کہ ایک روز بایزید بسطامیؒ نے بعد از نماز عصر دُعا کیلئے ہاتھ اٹھا رکھے تھے تو میں بھی اس دعا میں شریک تھا اور ہاتھ اٹھا کر آمین کہتا جاتا تھا۔ اس دعا کے طفیل مجھے بھی بخش دیا گیا۔

اسی طرح صوفیاء کا قول ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اگر وہ کسی میت کا جنازہ پڑھ دیں تو میت کی بخشش ہو جاتی ہے اور کچھ بزرگ ہستیوں کی میتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ ان کی نمازِ جنازہ پڑھنے والا بخشا جاتا ہے بلکہ ان کے جنازے کو کندھا دینے والے بھی بخش دیئے جاتے ہیں۔

دوسروں سے دعا کروانا

دوسروں سے دعا کروانے کے متعلق بہت سی احادیث موجود ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مومن کی دعا دوسرے مومن کے حق میں بہت جلد قبول کی جاتی ہے۔ کسی دوسرے کی دعا اخلاص سے خالی نہیں ہوتی کیونکہ اگر اخلاص نہ ہو تو وہ دُعا ہی نہیں کرے گا۔ دوسری بات یہ کہ وہ بے لوث اور بے غرض ہو کر دعا کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ایسی دعا قبول فرماتے ہیں۔ احادیث میں ہے کہ جب کسی مریض کی تیارداری کیلئے جاؤ تو اس سے دعا کیلئے کہو کیونکہ مریض کی دعا جلد قبول ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اولیاء کرامؒ چونکہ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں اس لئے ان کی دعا بھی جلد قبول ہوتی ہے۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

ایں دعائے شیخ نے چوں ہر دعا است — نائب است و دستِ او دستِ خدا است

(شیخ کی دعا عام دعا کی طرح نہیں، بلکہ وہ نائب خدا ہے اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے)

گر نداری تو دمِ خوش در دعا — رَو دعا می خواہ زاخوانِ صفا[۴۸۸]

(اگر تم دعا کیلئے قبولیت نہیں رکھتے (گناہ کے سبب) تو جاؤ اللہ والوں سے دعا کراؤ)

مولانا رومؒ نے یہ منطق حدیثِ قدسی کے حوالے سے نقل کی ہے جس کے مطابق دوسروں سے دعا کروانے

میں یہ حکمت ہے کہ دعا کروانے والا اگرچہ خود گنہگار ہو لیکن چونکہ دوسرے کی زبان سے اس نے خطا نہیں کی اس لئے اس کی دعا تمہارے حق میں (خطا نہ ہونے کے باعث) قبول ہوگی فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار اللہ سے عرض کی کہ اگر کسی کی زبان دعا کے لائق نہیں فرمایا دوسرے کی زبان سے طلب کرو۔

گفت موسیٰ من ندارم آں دہاں　　گفت مارا از دہانِ غیر خواں[۳۸۹]

(موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے اللہ میں دعا کیلئے وہ منہ نہیں رکھتا فرمایا کہ دوسروں سے (ہماری بارگاہ میں) دعا کراؤ)

یاد رہے کہ یہ کلام اُمت کو سبق دینے کیلئے فرمایا گیا ورنہ نبی ہر گناہ اور عیب سے پاک ہوتے ہے۔

از دہانِ غیر کے کردی خطا　　از دہانِ غیر برخواں اے الٰہ[۳۹۰]

(غیر کی زبان سے تو نے کب خطا کی ہے، پس دوسرے کی زبان سے کہوا اے اللہ!)

یا دہانِ خویشتن را پاک کن　　روحِ خود را چابک و چالاک کن

(یا پھر اپنے منہ کو پاک کرلو اور اپنی (غافل) روح کو (تقویٰ سے) چُست اور چالاک کرلو)

چوں در آید نامِ پاک اندر دہاں　　نے پلیدی ماند و نے آں دہاں[۳۹۱]

(جب اللہ کا نام پاک منہ پر آتا ہے تو وہاں نہ وہ پلیدی رہتی ہے اور نہ وہ منہ رہتا ہے)

آخری شعر سے یہ مُراد ہے کہ ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاؤ گے تو تمام پلیدی اور گناہ کی نحوست ختم ہو جائے گی۔ اس کی ذکر کی خوشبو کے بعد گناہوں کی بدبو بُری لگتی ہے۔ جب ذکرِ الٰہی شروع ہو جائے تو توبہ کرنے سے رجوع الی اللہ ہو جاتا ہے اور اس کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے اور اس کی زبان سے دعا قبول ہوتی ہے۔ روایات میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو بار بار دعا کرتے دیکھا لیکن اس کا سوال پورا نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے حضور عرض کی کہ الٰہی آپ اس کی دعا قبول کر لیتے تو بہتر تھا، ارشاد ہوا کہ وہ بخیل ہے صرف اپنے لئے دعا کرتا ہے۔ جب اسے معلوم ہوا تو اس نے تمام بنی اسرائیل کیلئے دعا مانگی پھر دعا قبول ہوگئی۔ لہٰذا دعا جتنے زیادہ لوگوں کیلئے مانگی جائے اتنی ہی زیادہ دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک اور شخص کو دیکھا کہ گریہ وزاری کرتا ہے مگر اس کی دعا قبول نہیں ہوتی آپ نے خدا سے عرض کی کہ الٰہی اگر یہ میرے بس میں ہوتا تو میں اس کی دعا پوری کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام مجھے اس شخص پر تجھ سے بھی زیادہ رحم آتا ہے مگر یہ مجھ سے دعا مانگ رہا ہوتا ہے اور اس کا دل بکریوں اور بھیڑوں کے پاس ہوتا ہے، ایسوں کی دعا میں قبول نہیں کرتا۔

چوں شوی ایستادہ از بہرِ نماز　　دل بود دَر گاؤ خر اے حیلہ ساز

(جب تو نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے، تو اے بہانہ ساز تیرا دل گائے اور گدھے میں ہوتا ہے)

تفسیرِ عزیزی میں سورۂ بقرہ کی آیت ''وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ'' کے تحت لکھا ہے کہ بعض خاندانی یا بزرگ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے پاس بیٹھ کر توبہ کرنے سے توبہ جلد قبول ہوتی ہے۔ حضرت

علی رضی اللہ عنہ نے (بروایت ابن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ) فرمایا ہے کہ اس اُمت میں ہم اہل بیت' کشتی نوح اور بنی اسرائیل کے دروازے ''حِطَّةٌ'' کی طرح ہیں۔[1] مولانا رومؒ کے درج بالا اشعار اسی قول کے حوالے سے ہیں اور آپ نے مزید فرمایا ہے کہ۔

ہیں بجو ایں قوم راے مبتلا ہیں غنیمت دار شاں پیش از بلا (۳۹۲)

(اے رنج و غم میں مبتلا لوگو! اللہ والوں کو تلاش کر لو اور بلا کے آنے سے پہلے انکے وجود کو غنیمت جانو)

بہر ایں فرمود پیغمبر کہ من ہمچو کشتی ام بطوفانِ زمن (۳۹۳)

(اس لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں زمانے کے طوفان میں کشتی کی مانند ہوں)

ما و اصحابیم چوں کشتی نوح ہر کہ دست اندر زند یابد فتوح (۳۹۴)

(ہم اور صحابہ کرام کشتی نوح علیہ السلام کی مانند ہیں' جو شخص ہمارا سہارا پکڑے گا نجات پائے گا)

یہ اشعار اس حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں ''مَثَلُ أَهْلِ بَيْتِيْ مَثَلُ سَفِينَةِ نُوحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا، وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ'' (میری اہلِ بیت کی مثال کشتی نوح کی سی ہے جس نے اس کا آسرا لیا اس نے نجات پائی اور جو پیچھے رہا ڈوب گیا)۔[2] یہ اُمت کے نیک بندوں کا وسیلہ ہونے کی طرف ایک دلیل ہے۔

تقدیر میں تدبیر کا ہاتھ

یہ بات قابلِ تسلیم ہے کہ بزرگوں کی دعاؤں میں بہت طاقت اور اثر ہوتا ہے مگر جس کام کیلئے دعا کی جائے اس کی تکمیل کیلئے ہاتھ پاؤں مارنا بھی اللہ کی منشا اور سنت ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر سکتا ہے مگر یہ مشیت الٰہی ہے کہ مرد اور عورت کے اختلاط سے بچہ پیدا ہو۔ حضرت خضر علیہ السلام نے یتیم بچوں کی کشتی میں سوراخ کیا ورنہ کشتی میں سوراخ کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ اسے بچا سکتا تھا اور بادشاہ کے ارادے کو جب چاہتا بدل دیتا۔ اسی طرح یتیم بچوں کی دیوار کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام نے کھڑا کیا کیونکہ مشیتِ الٰہی یوں ہی تھی چنانچہ تقدیر کا تدبیر کے ساتھ بھی کچھ نہ کچھ تعلق ہوتا ہے اور تقدیر اس وقت تک تقدیر نہیں بنتی جب تک اس کی کوشش نہ کی جائے۔ اس لئے دعا کے ساتھ ساتھ حیلہ جوئی یا عالمِ اسباب کو بھی استعمال کرنے کی کوشش رکھنی چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود مُستجاب الدعوات ہونے کے عالمِ اسباب کے تقاضوں کو ہمیشہ پورا کیا اور کوئی موقع ایسا نہ تھا کہ وقت کے تقاضوں کے مطابق قدم نہ اٹھائے گئے ہوں۔

میری نظر میں یہی ہے جمالِ زیبائی کہ سر بہ سجدہ ہیں قوت کے سامنے افلاک

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث ۳۲۱۱۵، جلد ۶، صفحہ ۳۷۲۔

[2] المستدرک، حدیث ۳۳۱۲، جلد ۲، صفحہ ۳۷۳۔

نہ ہو جلال تو حسن و جمال بے تاثیر — نرا نفس ہے اگر نغمہ ہو نہ آتشناک
مجھے سزا کیلئے بھی نہیں قبول وہ آگ — کہ جس کا شعلہ نہ ہو تند و سرکش و بے باک (۳۹۵)

اس دنیا کا عالمِ اسباب سے گہرا تعلق ہے

اس دنیا کو عالمِ اسباب اِس لئے کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو اس عالم سے تعلق رکھتا ہے اس کیلئے زندگی کی ضروریات کیلئے اسباب مہیا کرنا لازمی امر ہے اور اگر اسباب کے بغیر ہی کام بن جائے تو یہ عجائبِ روزگار میں شمار ہوتا ہے۔ اگر کسی کا نشانہ صحیح ہے تو بندوق کی گولی ضرور نشانے پر لگے گی اگرچہ وہ (معاذ اللہ) نبی پر ہی کیوں نہ چلائی گئی ہو اور اگر نبی کو کوئی گولی کا نشانہ نہ بنا سکے تو یہ اس نبی کا معجزہ ہوگا' گویا ہر اچھی اور بری چیز ضرور اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ رُوحانی وجہ سے اسکا اثر نہ ہو' مثلاً زہر کھانے سے یہ زہر اثر نہ کرے تو یہ بھی معجزہ یا کرامت کہلائے گی۔ اس بات کا ہم سب کو مشاہدہ ہو چکا ہے کہ جس نے کوشش کی اس نے پالیا (مَنْ جَدَّ وَجَدَ) زندگی میں ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ کسی چیز کو حاصل کرنے کیلئے کسی نے بہت جدوجہد کی ہو اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہو۔ ایسے حالات کو دیکھ کر ظاہر ہوتا ہے کہ اگر وہ اس قدر سخت کوشش نہ کرتا تو کامیاب نہ ہوتا ؎

یہ بزم مے ہے یہاں کوتاہِ دستی میں ہے محرومی — جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

اس قانون کا بھی استثناء ہے کہ اس دنیا کے اسباب اس شخص کیلئے اٹھا دیئے جاتے ہیں جس کی نظر اسباب سے اُٹھ کر مُسبّبُ الاسباب (اللہ تعالیٰ) کی طرف مرتکز ہو جائے یعنی وہ اولیائے کرام جن کی نظر میں دُنیاوی اسباب کچھ حیثیت نہ رکھتے ہوں بلکہ ان کا اوڑھنا بچھونا صرف اللہ کی ذات کیلئے ہو تو پھر وہ دریا کو عبور کرنے کیلئے کشتی کے محتاج نہیں ہوں گے بلکہ سطحِ دریا پر قدم رکھ کر ایسے ہی دریا کے پار چلے جاتے ہیں عین اسی طرح جیسے عام لوگ زمین پر چلتے پھرتے ہیں۔ سفرِ حج کیلئے بھی انہیں نہ سواری کی ضرورت ہے اور نہ زادِ راہ کی۔ ان کی ہر حاجت اللہ تعالیٰ پوری فرما دیتے ہیں۔ لیکن جب کسی کو یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے تو یہ دنیا اس کی آنکھ میں لَاشَیئی اور بے معنی ہو جاتی ہے، عدمؔ کا شعر ہے ؎

وہی شئے مقصدِ قلب و نظر محسوس ہوتی ہے — کمی جس کی برابر عمر بھر محسوس ہوتی ہے

علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کو زندگی میں محنت کوشش، عملِ پیہم اور کشمکش جاوداں پر آمادہ کیا ہے اور انہیں بتایا کہ جب تک سخت کوشش اور محنت کش رویہ اختیار نہ کریں گے انہیں دنیا میں باعزت مقام نہیں مل سکتا۔ اس سلسلے میں آپ کا مجموعی کلام نقل کرنا تو مشکل ہے، البتہ چند اشعار تبرکاً پیشِ خدمت ہیں ؎

رازِ حیات پوچھ لے خضرِ خجستہ گام سے — زندہ ہر ایک چیز ہے کوشش ناتمام سے (۳۹۶)

---

[1] اسماعیل صفوی کے زمانہ کا مشہور ایرانی نقاش بہزاد جو نہایت حسین تصویریں بناتا تھا۔

ہر چند کے ایجادِ معانی ہے خدا داد
کوشش سے کہاں مردِ ہنر مند ہے آزاد
خونِ رگِ معمار کی گرمی سے ہے تعمیر
میخانۂ حافظ ہو کہ بت خانۂ بہزاد
بے محنت پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا
روشن شررِ تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد(۳۹۷)

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ وخشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا(۳۹۸)

گریز کشمکشِ زندگی سے مردوں کی
اگر شکست نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست(۳۹۹)

سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی
فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی(۴۰۰)

تندئ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کیلئے

بہ مہر و ماہ کمندِ گلو فشار انداز
ستارہ را ز فلک گیر و در گریباں کُش

(چانداور سورج کو پھانسنے والی کمند ڈال' اور ستارے کو فلک سے کھینچ کر اپنی جھولی میں ڈال لو)

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

(میرے صحرائے جنون میں جبرائیل علیہ السلام بھی شکار بن گئے ہیں' اب اپنی کمند خدا پر ڈالو اگر ہمت مردانہ رکھتے ہو)

مسلمانوں کو اسی عارضۂ کم کوشی نے خداوندی انعامات سے محروم کر دیا ہے۔ اسلام نے مسلمان کو اپنے اندر جذبۂ عمل پیدا کرنے کا سبق دیا ہے مگر آج کا مسلمان ہر کام کیلئے ہاتھ پر ہاتھ دھرے عمل سے محروم ہے اور اپنے کاموں میں کامیاب ہونے کیلئے صرف دُعاؤں اور تعویذات کا سہارا ڈھونڈتا ہے، اگرچہ دعاؤں اور تعویذات میں چنداں برائی نہیں مگر یہ دعائیں اور تعویذات بغیر عمل کے اثرات پیدا نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی طالب علم امتحان کا پرچہ خالی چھوڑ کر آ جائے تو دُعا اُسے کام نہ دے گی۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ دنیاوی جدو جہد کے ساتھ دُعا اور کلامِ الٰہی سے مدد حاصل کی جائے۔ علامہ اقبالؒ نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے یہاں صرف چند اشعار پیش کئے جا رہے ہیں (اس موضوع پر علامہ کا کلام کافی تفصیل کے ساتھ ہماری تصنیف ''مسئلہ تقدیر'' میں لکھ دیا گیا ہے) جسے پڑھ کر علامہ اقبالؒ کی ان تمام کوششوں سے نقاب کشائی ہوتی ہے جو انہوں نے اپنی قوم کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کیلئے قوم کے سامنے پیش کیں مگر افسوس ہے کہ اس قوم نے ان تحریروں سے ذرہ بھر بھی فائدہ نہ اٹھایا، علامہؒ فرماتے ہیں ۔

تری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے(۴۰۱)
تری دعا ہے کہ ہو تری آرزو پوری
مری دعا ہے تری آرزو بدل جائے(۴۰۲)

اِک آن میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر
ہے اس کا مقلد ابھی ناخوش ابھی خورسند
تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند(۴۰۳)

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے(۴۰۴)

''مسجدِ قوتِ اسلام'' کے متعلق علامہؒ فرماتے ہیں کہ اب وہ مسلمان کہاں ہیں جنہوں نے ایسی مسجدوں

کو بنایا اور آباد رکھا ؎

ہے تری شان کے شایاں اسی مومن کی نماز جس کی تکبیر میں ہو معرکۂ بود و نبود
اب کہاں میرے نفس میں وہ حرارات وہ گداز بے تب و تابِ دروں میری صلوٰۃ اور درود
ہے میری بانگِ اذاں میں نہ بلندی نہ شکوہ کیا گوارا ہے تجھے ایسے مسلمان کا سجود؟ (۴۰۵)

اللہ تعالیٰ نے قوانینِ فطرت کو نافذ کیا اور ان قوانین میں سے ایک قانون اسباب کا مہیا کرنا بھی ہے۔ جو شخص اسباب پیدا کر لیتا ہے اور وہ اس چیز کا مالک بن جاتا ہے اور دوسرا شخص خواہ کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو اہل اسباب کے مقابلہ میں کمزور نظر آئے گا۔ علامہؒ نے فرمایا ؎

یہی آئینِ قدرت ہے یہی اسلوبِ فطرت ہے جو ہے راہِ عمل میں گامزن محبوبِ فطرت ہے (۴۰۶)

خدا نے اس اسباب کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ ہم اس کو درمیان سے ہٹا نہیں سکتے۔ منقول ہے کہ ایک شیر کا بچہ بھیڑوں میں پلا تو بھیڑوں کی طرح ہی بن گیا۔ ایک جنگلی شیر نے جب اسے دیکھا تو اسے اٹھا کر پانی کے کنارے لے گیا اور اسے اپنی شکل پانی میں دکھائی، اس میں شیروں جیسی خصلت پیدا ہو گئی۔ مسلمان کو فرض شناسی کا سبق حاصل کرنے کیلئے اپنے اجداد کی مسلمانی شان کو بھلانا نہیں چاہیے۔ جس طرح اس کے آباء چست و چالاک اور چاک و چوبند تھے اسے بھی ہر وقت برسرِ پیکار رہنا چاہیے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اہلِ اسباب غلط ذرائع کو اپناتے ہوئے اپنے مقاصدِ دنیاوی میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور نیک آدمی جو غلط ذرائع کے استعمال کو ناجائز سمجھ کر گریز کرتا ہے کامیاب نہیں ہو پاتا ایک یہ نیک شخص ناجائز ذرائع والے سے دین اور دنیا دونوں میں اعلیٰ اور برتر مقام رکھتا ہے۔ قانونِ الٰہی کو توڑنے والا قدرت کی سزا سے بچ نہ سکے گا۔ جس طرح اسباب کا ایک قانون ہے اسی طرح مکافاتِ عمل بھی قانونِ الٰہی ہے۔ بُرے لوگوں کو بُری بات کا بدلہ ضرور ملتا ہے خواہ کتنے سالوں بعد ہی کیوں نہ ملے۔ مومن کیلئے ضروری ہے کہ عمل میں کمی نہ رکھے اس کے باوجود اگر کوئی تکلیف پہنچے تو اس پر صبر کرے اور اگر ارزانی ہو تو شکر کرے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ یہ سعادت صرف مومنوں کیلئے ہے۔ روایات میں ہے کہ بیماری بھی فطری سبب ہے تو علاج بھی فطری اسباب میں سے ہے اور اسلام نے اسے مباح اور جائز قرار دیا ہے۔ امام غزالیؒ احیاءُ العلوم میں لکھتے ہیں کہ ایک زاہد جنگل میں گیا اور جب وہ بھوک سے مرنے لگا تو خدا سے فریاد کی کہ الٰہی یا تو میرا رزق پہنچا دے یا پھر مجھے موت دیدے۔ خدا کی طرف سے اسے عتاب ہوا اور فرمایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ ترکِ دنیا اور ترکِ اسباب سے ہماری حکمت کو توڑ دو۔ ان اسباب کی طرف رجوع کرنا حکمت ہے اور سنتِ الٰہی ہے۔ اسباب سے دُوری حکمت سے دور ہونا اور اللہ کی سنت سے دُور ہونا ہے، اسباب کو عمل میں لانا توکّل کے منافی نہیں۔

مصائب کیوں آتے ہیں؟

راقم الحروف کے پاس لاتعداد لوگ دنیاوی اور دینی مشکلات کے حل کرنے کیلئے آتے ہیں اور یہ دیکھا گیا ہے کہ جہاں بے دینی، خدا سے دوری اور احکامِ خداوندی سے بغاوت ہے وہیں مصیبتیں اپنا ڈیرا جمالیتی ہیں۔ حیرانگی کی بات ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں یہ بات کیوں نہیں واضح ہو جاتی کہ خدا کیساتھ بغاوت کا یہی انجام ہوتا ہے افلاس بیماری اور طرح طرح کے عذاب ایسے باغیوں پر ہی نازل ہوتے ہیں اور اس کا علاج صرف اللہ کی طرف رجوع کر لینے میں ہوتا ہے۔ راقم الحروف نے ان مصیبت زدگان کو ہمیشہ یہی سبق دیا ہے کہ اللہ کے احکام سے اعراض نہ کرو گے تو یہ مصائب تمہارے گھر کا رُخ نہیں کریں گے اور جن لوگوں نے اس بات پر عمل کیا تو وہ ان مصائب سے نجات پا گئے۔ یاد رہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرامؒ پر بھی مصائب نازل ہوتے ہیں' مگر دونوں کے مصائب میں فرق ہوتا ہے۔ ہماری تصنیف ''نشانِ منزل'' کے اوائل میں اور ''ابتلاء'' کے باب میں قرآن کی متعلقہ آیات بیان ہو چکی ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاءؒ کے مصائب مشکل مقامات سے تعبیر کئے جا سکتے ہیں جو ان کے مقامات کو بلند کرنے کیلئے متعین ہوتے ہیں ۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق (۲۰۷)

دعا کے ہوتے ہوئے بھی ترکِ عمل ہرگز روا نہیں

ہماری قوم بُری طرح بے عملی کا شکار ہے۔ یہ اس لئے کہ اس کو اب اس بات پر یقین نہیں رہا کہ قرآن میں شفا ہے اور دین کے احکام پر عمل پیرا ہونے میں نجات ہے۔ جس کو بھی دیکھو وہ تعویذ اور دُعا کی تلاش میں ہے تا کہ ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر کچھ محنت کئے بغیر ہی کام بن جائے۔ راقم الحروف کے پاس موٹر ورکشاپ کے ایک مستری نے شکایت کی کہ اس کے گھر میں جنات اور نحوستوں کے سخت اثرات پائے جاتے ہیں۔ اس نے بہت سے عاملوں سے علاج کروایا مگر اس کے باوجود یہ مصائب ختم نہیں ہوئے۔ راقم الحروف نے اس کی تفصیل سن کر اسے اپنے گھر آنے کو کہا اور بتلایا کہ اسے ایسا نسخہ کیمیا بتایا جائے گا کہ یہ تمام مصائب ختم ہو جائیں گے اسے اس بات کا یقین دلایا کہ اگر وہ پکا نمازی اور پرہیزگار بن جائے تو اس کے تمام معاملات درست ہو جائیں گے۔ وہ شخص یہ بات سُن کر سخت متحیر ہوا کہ وہ تو تعویذ اور عملیات کی تلاش میں ہے اور اس کو ان پیر صاحب کی طرف سے نمازی اور پرہیزگار بننے کا یہ عجیب مشورہ کیوں دیا جا رہا ہے چنانچہ بہت سمجھانے کے باوجود وہ اس صحیح رائے کی طرف آنے کیلئے رضامند نہ ہوا۔ یہ ایک شخص کی حکایت نہیں بلکہ پوری قوم اِلَّا مَا شَاءَ اللہ کا یہی حال ہے۔ خدارا مسلمانوں کو کوئی سمجھائے کہ تمہارے ہر دکھ درد کا علاج اطاعت خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع میں ہے۔ علامہ اقبالؒ نے قوم کو راستے پر لانے کیلئے اپنے کلام کو وہ رنگ دیا ہے

جس پر تمام دُنیا داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتی، مگر اس قوم نے ان کی طرف قطعاً دھیان نہیں دیا لہٰذا ان پر مطلوبہ اثر بھی پیدا نہ ہو سکا۔ نمونے کے طور پر چند اشعار درج کئے جا رہے ہیں۔

ندرتِ فکر و عمل سے معجزات زندگی — نُدرتِ فکر و عمل سے سنگِ خارہ لعلِ ناب (۴۰۸)

(رنگا رنگ تبدیلیوں سے زندگی میں معجزات پیدا ہوتے ہیں اور ایسی تبدیلیوں سے سخت ترین پتھر عمدہ لعل بن جاتے ہیں)

فیض یہ کس کی نظر کا ہے؟ کرامت کس کی ہے — وہ کہ ہے جس کی نگہ مثلِ شعاعِ آفتاب

جس ساز کے نغموں سے حرارت تھی دلوں میں — محفل کا وہی ساز ہے بیگانۂ مضراب

بت خانے کے دروازے پہ سوتا ہے برہمن — تقدیر کو روتا ہے مسلمان تہِ محراب (۴۰۹)

تن بہ تقدیر ہے آج ان کے عمل کا انداز — تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر

تھا جو ناخوب، بتدریج وہی خوب ہوا — کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر (۴۱۰)

دنیا بغیر دین کے اِلحاد ہے

افسوس کی بات ہے کہ چند مسلمان جنہوں نے عمل پیہم سے دُنیا میں ایک بلند مقام تو پیدا کر لیا ہے اور ان کے چہروں پر دُنیاوی ہوشیاری، علوم و فنون کے تاثرات اور فنی قابلیت کے جواہر جھلکتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن ان کی زندگی کا دینی حصہ بالکل ویران اور ماتم کناں نظر آتا ہے۔ دنیا کی ترقی بغیر دین کے ہو تو یہ اِلحاد ہے اور دینی احوال بغیر دنیاوی کامرانی کے صرف ادھورے ہی نہیں رہتے بلکہ ایک کمزور اور ضعیف مسلمان ہونے کی علامت بن جاتے ہیں۔ مسلمان وہ ہے جو دین و دنیا میں اسلامی معیار پر پورا اترے، زمانۂ حاضر کے مسلمان کی موجودہ حالت کو علامہؒ نے بالِ جبریل میں ''ابلیس کی عرضداشت'' کے عنوان سے ابلیس کی گفتگو کو اپنے شعروں میں اس طرح بیان کیا ہے ۔

کہتا تھا عزازیل خداوندِ جہاں سے — پر کالۂ آتش ہوئی آدم کی کفِ خاک

جانِ لاغر و تن فربہ و ملبوس بدن زیب — دِل نزع کی حالت میں خرد پختہ و چالاک

ناپاک جسے کہتی تھی مشرق کی شریعت — مغرب کے فقیہوں کا یہ فتویٰ ہے کہ ہے پاک

تجھ کو نہیں معلوم کہ حورانِ بہشتی — ویرانئ جنت کے تصور سے ہیں غمناک

جمہور کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست — باقی نہیں اب میری ضرورت تہِ افلاک (۴۱۱)

علامہ اقبالؒ نے شریعت کو ''جنگ دست بدست'' کہا ہے اور مسلمان کی فلاح اسی جہاد سے نبرد آزما ہونے میں ہے۔ علامہ صوفیانِ وطن کو رہبانیت سے دُور رہنے کی تلقین کرتے ہیں کیونکہ یہ اسلام کی روح کے منافی ہے اور اپنے کلام میں مسلمانوں کو عملِ پیہم کی تلقین کرتے ہیں ۔

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں — بہانہ بے عملی کا بنی شرابِ اَلَست

فقیہِ شہر بھی رہبانیت پہ ہے مجبور | کہ معرکے ہیں شریعت کے جنگِ دست بدست
گریز کشمکشِ زندگی سے مردوں کی | اگر شکست نہیں تو اور کیا ہے شکست (۴۱۲)

کسی قوم میں مذہبی اور اخلاقی بیماریاں اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب اس کے علما اپنا نصب العین دنیا کی بہتات کو بنالیں اور دھواں دھار تقریروں کو اپنی کامیابی کی علامت تصور کریں۔ یہ حقیقت ہے کہ ان کی نیت میں کمی کی وجہ سے ان کی تقاریر عوام پر اثر کی دولت سے بے نصیب ہیں اگر چہ ان کی تقاریر پر واہ واہ بھی خوب ہوتی رہتی ہے۔ یہ ایک مشہور قول ہے کہ لوگ بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔[1] اور بادشاہوں کا دین علماء کی لگام کشی پر منحصر ہوتا ہے۔ علماء اگر دنیا کے آرام میں ملوث ہو گئے تو ان کی اس نا اہلی کی وجہ سے بادشاہوں کو کھینچنے والی لگام ڈھیلی ہو جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں بادشاہ دین سے دور ہو جاتے ہیں۔ یہ حکماء کی دین سے دُوری عوام الناس کیلئے دین میں سستی اور مداہنت کا باعث بن جاتی ہے۔ اسی لئے علامہ اقبالؒ اپنے وقت کے صوفیوں، شعراء اور علماء کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

صوفی کی طریقت میں فقط مستیٔ احوال | علماء کی شریعت میں فقط مستیٔ گفتار
شاعر کی نوا مُردہ و افسردہ و بے ذوق | افکار میں سرمست! نہ خوابیدہ نہ بیدار
وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو | ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستیٔ کردار (۴۱۳)

علامہؒ نے مسلمانوں کو شاہین کی طرح چاک و چوبند اور جفاکش رہنے کا سبق دیا ہے اور اس امر کو واضح کیا ہے کہ دنیا میں عیش و عشرت طلب کرنا مسلمان کو زیب نہیں دیتا کیونکہ عیش و عشرت صرف آخرت کیلئے متصور ہیں، یہاں تو کوشش پیہم کا شعار اپنانا ہوگا ؎

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر | تیرا زجاج[2] ہو نہ سکے گا حریفِ سنگ
یہ زورِ دست و ضربتِ کاری کا ہے مقام | میدانِ جنگ میں نہ طلب کر نوائے چنگ
خونِ دل و جگر سے ہے سرمایۂ حیات | فطرت لہو ترنگ[3] ہے! غافل نہ جل ترنگ (۴۱۴)

خدا سے عافیت مانگو

سالک کو چاہیے کہ خدا سے ہمیشہ اس کے فضل کیلئے سوال کرے اور اپنے لئے عافیت طلب کرتا رہے۔ ایک شخص یہ دعا کیا کرتا تھا کہ ''اَللّٰھُمَّ اخْتِمْ لِیْ مِنْكَ بِخَیْرٍ'' (اے اللہ اپنی طرف سے میرا خاتمہ بخیر کر) کہتے ہیں کہ صابن کی بھٹی میں گر کر مر گیا کسی نے اسے خواب میں دیکھا اور اس سے اس کا حال پوچھا تو اس نے کہا کہ مرنے کے بعد جب اللہ نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ الٰہی تو نے

---

[1] فتح الباری، جلد ۷، صفحہ ۱۵۱۔

[2] شیشہ۔ اس سے مراد کمزور یا نازک چیز ہے۔ [3] لہو کے رنگ والی۔

میرے اوپر یہ کیسی موت کا حکم لگا یا۔ فرمایا کہ تو دُعا مانگتا تھا کہ میرا خاتمہ بخیر ہو اور یہ نہیں کہتا تھا کہ عافیت کے ساتھ ہو۔ مسئلہ یہ ہے کہ کسی مسلمان کیلئے یہ دُعا کرنا کہ خدا اسے ایمان سے محروم کر دے یا کوئی کافر اگر اس سے کلمۂ توحید کی درخواست کرے اور وہ کہے کہ میں فلاں کام سے فارغ ہو لوں تو سکھاؤں گا تو وہ سخت گنہگار ہو جاتا ہے۔[1] بہت سی بلائیں ہر وقت منہ کھول کر کھڑی رہتی ہیں اور انسان ہر وقت ہی ہر قسم کی بلاؤں کی زد میں رہتا ہے۔ اللہ کا نام لیتے رہنے سے بلاؤں کو ٹال دیا جاتا ہے۔ اس لئے بزرگ لوگ کبھی ننگے سر باہر نہیں نکلتے کیونکہ اس حالت میں گزرنے والے پر ہر لحہ میں بے حد بلاؤں کا نزول ہوتا رہتا ہے اور ننگے سر والوں پر مصائب کا نزول زیادہ ہوتا ہے۔ ان بلاؤں سے بچنے کیلئے نیچے دی ہوئی دُعا بہت کارگر ہے۔ نماز پڑھنے والوں پر بہت کم بلاؤں کا نزول ہوتا ہے کیونکہ وہ دن میں کئی بار اللہ کے حضور حاضر ہو کر التجائیں اور دعائیں کرتے ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کو پڑھنے کا حکم فرمایا ہے "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرْكِ الشَّقَاءِ وَسُوْءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ"[2] (اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں مشکل آزمائش سے اور بُری قسمت سے اور بُرے خاتمے سے اور دشمنوں کے خوش ہونے سے)۔

رسالہ قشیریہ میں ایک نیک صالح مرد کی روایت نقل کی گئی ہے کہ ایک شخص "العافیہ، العافیہ" بہت کہا کرتا تھا۔ راوی لکھتا ہے کہ میں نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے بتایا کہ میں مزدور تھا ایک دن کسی کا آٹا لے کر جا رہا تھا اور تھک کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ میں نے خدا سے عرض کی کہ الٰہی مجھے بلا مشقت دو روٹیاں مل جائیں تو کیا اچھا ہوتا۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک دن دو آدمی لڑ رہے تھے تو میں نے ان کو چھڑایا اور مجھے بھی کچھ ضرب لگنے سے خون نکل آیا۔ بادشاہ نے مجھے لڑائی میں ملوث گردان کر قید میں بھیج دیا اور وہاں ایک مدت تک مجھے دو روٹیاں ملتی رہیں۔ ایک روز مجھے خواب میں کسی نے کہا کہ تو نے بلا مشقت دو روٹیاں اللہ سے مانگیں اور عافیت کا خواستگار نہیں ہوا۔ جب میں بیدار ہوا تو عافیت عافیت کہہ رہا تھا، کچھ عرصہ بعد ایک شخص نے مجھے قید خانے سے نکال دیا۔[3]

ایک حدیث میں ہے کہ "اَلدُّعَاءُ لَا يُرَدُّ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ قَالُوْا فَمَاذَا نَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ سَلُوْا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ"[4] (اذان اور اقامت کے درمیان دعا قبول ہوتی ہے۔ جب صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اس وقت ہم کیا مانگا کریں تو فرمایا عافیت دارین)۔ اور ایک جگہ فرمایا کہ جس دُعا کے ذریعے کوئی بندہ عافیت کیلئے درج ذیل دُعا کرے تو اس دُعا سے

---

[1] نزہۃ المجالس، جلد ۲، صفحہ ۱۹۲۔
[2] المعجم الاوسط، حدیث ۸۴۰۰، جلد ۸، صفحہ ۲۰۱۔
[3] الرسالۃ القشیریہ، جلد ۱، صفحہ ۱۷۹۔
[4] سنن الترمذی، حدیث ۳۵۹۴، جلد ۵، صفحہ ۵۷۶۔

افضل کوئی دُعا نہیں۔ "اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ الْعَافِیَةَ وَالْمُعَافَاةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ"[1] (اے اللہ ہم تجھ سے دنیا اور آخرت کی عافیت کا سوال کرتے ہیں)۔

قبولیت دعا کے لئے اہم عنصر

دعا سے متعلق وہ لطیف نکات اور کچھ آداب جن پر قبولیتِ دعا کا انحصار ہے پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ اب ان باتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جن کے پائے جانے سے قبولیت دعا کے امکانات بہت روشن ہو جاتے ہیں۔ وہ نکات حسب ذیل ہیں۔

(۱)	اعمالِ صالحہ	(۲)	توبہ و استغفار
(۳)	وسیلہ	(۴)	اسمِ اعظم
(۵)	مقاماتِ متبرکہ	(۶)	اوقاتِ قبولیت

ان تمام موضوعات پر مختصر تفصیل قارئین کی دلچسپی کیلئے بیان کی جارہی ہے تاکہ ان کی افادیت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ درج ذیل تفصیل احادیث اور مستند روایات سے ماخوذ ہے جس سے کسی بھی مکتبۂ فکر کے لوگوں کو اختلاف نہیں ہو سکتا البتہ وہ لوگ جو وسیلہ کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں ان کے ساتھ بحث کرنا مقصود نہیں۔ وہ اگر چاہیں تو اس سے متعلق زیادہ غور و خوض کریں اور اللہ تعالیٰ سے صحیح راہنمائی کی دعا کریں۔ شاید اس طرح یہ مسئلہ حل ہو جائے اور وہ بھی وسیلہ جیسی جلیل القدر استعانت سے فیض یاب ہو سکیں۔

۱۔ اعمالِ صالحہ

دعا کی قبولیت کیلئے پہلا سبب انسان کے اپنے اعمال کا صالح ہونا ہے، یہ ایک بہت بڑا وسیلہ ہے جو بارگاہِ الٰہی میں قبولیت کا شرف حاصل کرتا ہے۔ نزہتہ النواظر میں نقل ہے کہ حضرت حذیفہ مرعشیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کے ساتھ گیا، کئی روز سے کھانا نہیں کھایا تھا۔ جب ہم کوفہ کے ایک ویران مکان میں پہنچے تو آپ نے فرمایا حذیفہؓ تمہارے چہرے پر بھوک کے آثار معلوم ہوتے ہیں، عرض کیا ہاں، تب حضرت نے فرمایا دوات قلم اور کاغذ مجھے لا دو، آپ نے تحریر فرمایا "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَنْتَ الْمَقْصُوْدُ بِکُلِّ حَالٍ وَالْمُشَارُ اِلَیْهِ بِکُلِّ مَعْنًی اَنَا حَامِدٌ اَنَا شَاکِرٌ اَنَا ذَاکِرٌ اَنَا جَائِعٌ اَنَا عَارِیٌ وَاَنَا ضَائِرٌ هِیَ سِتَّةٌ وَاَنَا الضَّمِیْنُ لِنِصْفِهَا فَکُنِ الضَّمِیْنَ لِنِصْفِهَا یَا بَارِیُٔ"[2] ("اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنیوالا ہے! ہر حال میں ہر شے کا تو ہی مقصود بالذات ہے ہر

---

[1] المعجم الاوسط، حدیث ۸۴۰۰، جلد ۸، صفحہ ۲۰۱۔

[2] احیاء العلوم، جلد ۴، صفحہ ۲۷۰۔

قسم کے معنی تیری طرف اشارہ کرتے ہیں، میں تیری حمد کرتا ہوں، شکر کرتا ہوں، تیرا ذکر کرتا ہوں، میں بھوکا بھی ہوں، ننگا بھی ہوں اور بہت زیادہ بے آرام بھی، خداوند یہ چھ باتیں ہیں۔ ان میں سے پہلی تین باتوں (حمد، شکر اور ذکر) کا بجالانا میرا ذمہ ہے اور باقی تین باتوں (بھوک، پیاس، لباس اور تکلیف کے رفع کرنے کو) اے خدا تو اپنے ذمہ لے"۔

پھر آپ نے حذیفہؓ سے فرمایا کہ جاؤ اللہ کے سوا کسی کا خیال دل میں نہ لاؤ اور جو شخص تمہیں سب سے پہلے ملے اسے یہ کاغذ دے دینا۔ حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے مجھے ایک شخص ملا جو خچر پر سوار تھا، جب اس نے پڑھا تو زار و قطار رونے لگا اور پوچھا کہ اس کے لکھنے والا کہاں ہے۔ میں نے بتلایا تو اس نے اسی وقت چھ سو اشرفیوں کی تھیلی نکال کر مجھے دی۔ جب میں کھانا لے کر واپس پہنچا تو حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہ وہ نصرانی تھا ابھی حاضر ہوتا ہے تھوڑی دیر بعد وہ آیا اور قدموں پر گر کر مشرف بہ اسلام ہوا۔

بخاری شریف کی ایک حدیث ہے جس میں منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلے تین آدمی کہیں جا رہے تھے، جب شام ہوگئی تو شب باشی کی غرض سے ایک غار میں سو گئے۔ کچھ رات گزری تھی کہ اچانک ایک بہت بڑا پتھر اس غار کے منہ پر لڑھک گیا اور اس کا منہ بند ہو گیا۔ یہ تینوں سخت پریشان ہوئے ایک دوسرے سے کہنے لگے اب یہاں سے ہمیں کوئی چیز نہیں نجات دلا سکتی سوائے اس کے کہ ہم اپنی عمر کے کسی نیک کام کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر کے اسے نجات کا ذریعہ بنائیں۔

مذکورہ بالا تین آدمیوں میں سے ایک بولا "میرے ماں باپ تھے اور میں مال و منال دنیا سے کچھ نہ رکھتا تھا بجز ایک بکری کے جس کا دودھ انہیں پلا دیتا تھا اور لکڑیوں کا گٹھا جو جنگل سے لاتا اسے فروخت کر کے سب کی پرورش کرتا۔ ایک روز مجھے دیر ہوگئی جب میں آیا تو میں نے دیکھا کہ والدین سو چکے تھے میں نے بکری کا دودھ نکال کر اس میں روٹی بھگوئی اور ان کے سونے کی جگہ آ کر ان کے پیروں کی طرف کھڑا رہا۔ خود بھی کچھ نہ کھایا کہ جب تک انہیں نہ کھلاؤں میں کیسے کھاؤں، ان کے بیدار ہونے کا انتظار کرتے کرتے صبح ہوگئی۔ جب وہ بیدار ہوئے اور کھانا کھالیا تو میں بیٹھا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ الٰہی اگر میں اس خدمت میں سچا ہوں تو مجھ پر کشادگی کر اور میری فریاد رسی کر"۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ پتھر اس نیکی کے توسل کی برکت سے ہلا اور کچھ کشادگی ہوگئی۔ دوسرا بولا کہ میرے چچا کی لڑکی تھی جو میری طرف رجوع نہ کرتی تھی حتیٰ کہ میں نے ایک سو بیس دینار بھیجے کہ وہ خلوت کرے۔ جب میں اس سے ملا تو مجھے خوفِ خدا پیدا ہوا اور میں نے وہ دینار بھی خدا کیلئے دے دیئے۔ یہ کہہ کر اس نے بارگاہِ متعال میں عرض کی کہ الٰہی اگر میں اس بات میں سچا ہوں تو مجھے اس پتھر سے نجات عطا فرما۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ پتھر یک لخت ہلا اور غار پہلے سے زیادہ فراخ ہوگئی مگر نکلنے کی جگہ کافی نہ تھی۔ تیسرا بولا کہ میرے پاس مزدور کام کرتے تھے دن گزرنے پر سب اپنی اپنی مزدوریاں لے جاتے تھے ایک دن ایک مزدور غائب ہوگیا اور اس کی مزدوری میرے پاس

رہ گئی میں نے اس سے بھیڑ خرید لی۔ دوسرے سال دو جانور ہو گئے۔ اسی طرح وہ ہر سال بڑھتے رہے جب چند سال گزر گئے تو ایک مالِ عظیم بن گیا اور وہ مزدور بھی آ گیا۔ اس نے کہا کہ میں نے آپ کی مزدوری کی تھی، شاید آپ کو یاد ہو۔ اب مجھے اس کی ضرورت ہے مجھے دے دو میں نے کہا کہ جاؤ وہ تمام بھیڑیں اور مال تیری ملکیت ہے، وہ بولا کیا میری بات آپ کو ناگوار گزری؟ میں نے کہا کہ درحقیقت یہ سب مال تیرا ہی ہے۔ میں سچ کہہ رہا ہوں، چنانچہ وہ سب مال میں نے اسے دے دیا، تو الٰہی اگر یہ میرا بیان صحیح ہے تو تو مجھے اس بلا سے نجات دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ وہ پتھر (ہوا سے) غار کے دروازے سے ہلا اور نیچے گر گیا اور یہ تینوں آدمی وہاں سے باہر آ گئے۔[1]

مندرجہ بالا روایت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بیان فرما کر دعا کرنے کا طریقہ تعلیم فرمایا چنانچہ دعا براری کیلئے صالح اعمال کو وسیلہ بنایا جا سکتا ہے۔ یاد رہے کہ احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ بات ثابت ہے کہ نیک کام کرنے، صدقہ دینے، عبادت کرنے، لوگوں کو خیرات دینے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے بُری تقدیر بھی ٹل جاتی ہے۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ ہماری تصنیف ''مسئلہ تقدیر'' میں جو عنقریب شائع ہونے والی ہے میں شامل کی جائے گی۔

۲۔ توبہ واستغفار

ایک ایسا سبب جس سے دعائیں مقبول ہوتی ہیں توبہ واستغفار ہے۔ افسوس ہے کہ اس بھاری نعمت سے مسلمان بالکل بے بہرہ ہیں اور عوام الناس کو خبر نہیں کہ استغفار کی کیا برکات ہیں۔ کاش مسلمان آج بھی اس سے متعلقہ آیاتِ قرآنی کا مطالعہ کریں تو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ جب قوم عاد نے ہود علیہ السلام کی دعوت قبول نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب تین سال تک بارش موقوف کر دی اور نہایت شدید قحط نمودار ہوا، ان کی عورتوں کو بانجھ کر دیا۔ جب یہ لوگ بہت پریشان ہوئے تو حضرت ہود علیہ السلام نے وعدہ فرمایا کہ اگر وہ اللہ پر ایمان لائیں اور اس کے رسول کی تصدیق کریں اور اسکے حضور توبہ واستغفار کریں تو اللہ تعالیٰ بارش بھیجے گا اور ان کی زمینوں کو سرسبز وشاداب کر کے تازہ زندگی عطا فرمائے گا اور ان کو قوت اور اولاد بھی دے گا، قرآن میں جو اس کا ذکر آیا ہے ملاحظہ فرمائیں ''وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ'' (ھود: ۵۲) (اے میری قوم مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر دل وجاں سے رجوع کرو اس کی طرف وہ اتارے گا آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش اور بڑھا دے گا تمہیں قوت میں تمہاری پہلی قوت سے اور نہ منہ موڑو (اللہ تعالیٰ سے) جرم کرتے ہوئے)۔ اس سے قبل سورۂ ہود کی تیسری آیت میں فرمایا کہ اگر تم استغفار کرو اور اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ تو وہ تمہیں زندگی کی راحتیں عطا

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۱۲۵۲، جلد ۲، صفحہ ۷۹۳۔

فرمائے گا''وَ یُمَتِّعۡکُمۡ مَّتَاعًا حَسَنًا''(تمہیں مفید منافع عطا فرمائے گا)۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو آپ سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک ملازم نے عرض کیا کہ میں مالدار آدمی ہوں مگر میرے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوتی مجھے کوئی ایسی چیز بتلائیں جس سے اللہ تعالیٰ مجھے اولاد دے، آپ نے فرمایا کہ کثرت سے استغفار پڑھا کرو۔ اس نے استغفار کی یہاں تک کثرت کی کہ روزانہ سات سو مرتبہ استغفار پڑھنے لگا۔ اس کی برکت سے اس شخص کے ہاں دس بیٹے ہوئے۔ یہ خبر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انہوں نے اس شخص سے فرمایا ''تو نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کیوں نہ دریافت کیا کہ یہ عمل حضور نے کہاں سے فرمایا''، دوسری مرتبہ اس شخص کو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو اس نے یہ بات ان سے دریافت کی تو امام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو نے ہود علیہ السلام کا (مذکورہ بالا) قول نہیں سنا جو انہوں نے فرمایا اور حضرت نوح علیہ السلام کا ارشاد کہ'' فَقُلۡتُ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا ۙ یُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡکُمۡ مِّدۡرَارًا ۙ وَّ یُمۡدِدۡکُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّ بَنِیۡنَ وَ یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ جَنّٰتٍ وَّ یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ اَنۡہٰرًا ؕ مَا لَکُمۡ لَا تَرۡجُوۡنَ لِلّٰہِ وَقَارًا ۚ''(پس میں (حضرت نوح علیہ السلام) نے کہا کہ (ابھی وقت ہے) معافی مانگ لو اپنے رب سے بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے، وہ برسائے گا تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش اور مدد فرمائے گا تمہاری اموال اور فرزندوں سے اور بنا دے گا تمہارے لیے باغات اور بنا دے گا تمہارے لیے نہریں۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم پروا نہیں کرتے اللہ کی عظمت اور جلال کی) (نوح:۱۰، ۱۳)۔ اس سے معلوم ہوا کہ کثرتِ رزق اور حصولِ اولاد اور دیگر بہت سے امور کے لئے استغفار کا بکثرت پڑھنا قرآنی عمل ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ'' سَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ''(دوڑو بخشش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے) (آل عمران:۱۳۳)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ'' اِذَا اَذۡنَبَ الۡعَبۡدُ نُکِتَ فِیۡ قَلۡبِہٖ نُکۡتَۃٌ سَوۡدَاءُ فَاِنۡ تَابَ صُقِلَ مِنۡھَا ، فَاِنۡ عَادَ زَادَتۡ حَتّٰی تَعۡظُمَ فِیۡ قَلۡبِہٖ فَذٰلِكَ الرَّانُ الَّذِیۡ ذَکَرَہُ اللہُ عَزَّوَجَلَّ''(جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ داغ پڑ جاتا ہے اگر وہ توبہ کرے اور اس گناہ سے باز آجائے اور استغفار کرے تو دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر بار بار گناہ کرتا ہے تو داغ بڑھ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ سارے دل کو (یہ داغ) گھیر لیتا ہے، یہی وہ داغ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا۔[۱] ''کَلَّا بَلۡ ٚ رَانَ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ مَّا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ''(المطففین:۱۴)(ایسے نہیں بلکہ ان کے دل پر زنگ چڑھ گیا ہے اور ان کی کرتوتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے)۔

نیک اعمال سے نورانیت پھیلتی ہے اور آئینہ دل شفاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نافرمانیوں کے باعث دل کا آئینہ زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ اس لیے دلوں کے گرد و غبار اور زنگ کو ٹھیک کرنے کے لئے استغفار اور پھر

---

[۱] صحیح ابن حبان، حدیث ۹۳۰، جلد ۳، صفحہ ۲۱۰۔

عمل صالح قبولیت دعا کے لئے بہت زود اثر ہے۔ ہمارے بزرگ دوست ڈاکٹر پیر محمد حسن نے رسالہ قشیریہ کے ابتدا میں رسول اللہ ﷺ کا دن میں ستر بار استغفار کرنے اور حجاباتِ قلب وغیرہ پر تقریباً ۴۰ صفحات لکھے ہیں اور ''ران'' یعنی رین کی تشریح کی ہے۔

استغفار کی برکات کی لاعلمی اور دین سے دوری کے باعث راتوں کو اکثر لوگ بے نیاز ہو کر سو جاتے ہیں۔ نماز اور استغفار کی فکر تک دل میں نہیں لاتے اور اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز کی تجلیات آسمانِ اول پر نزول ہوتی ہیں۔ ندا آتی ہے کہ ہے کوئی گنہگار جو استغفار کرے اور میں اس کو بخش دوں؟ ہے کوئی جو مجھ سے رزق طلب کرے اور میں اس کو رزق دوں...... الخ اہگر مسلمان خدا سے دوری کی حالت میں وقت گزارتے ہیں۔

امام شعبیؒ سے منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک بار نمازِ استسقاء کے لئے نکلے اور صرف استغفار پڑھ کر واپس آ گئے۔ جب پوچھا کہ نماز تو آپ نے پڑھی نہیں تو بارش کیسے ہو گی تو فرمایا کہ میں نے بارش آسمان کے اس عمل کے طفیل طلب کی جس کے باعث بارش اترا کرتی ہے پھر سورۂ نوح کی (درج بالا) آیات پڑھیں۔ ابن صبیحؒ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت حسن بصریؒ کے پاس ایک آدمی آیا اس نے قحط سالی کی شکایت کی آپ نے فرمایا استغفار کرو، کچھ دیر بعد ایک اور آدمی آیا اس نے فاقہ کی شکایت کی، اس کو بھی آپ نے استغفار پڑھنے کے لئے فرمایا، تیسرا آدمی آیا اس نے اولادِ نرینہ کی درخواست کی۔ اس کو بھی یہی جواب دیا۔ ایک اور آدمی آیا اس نے کہا کہ میرا باغ خشک ہو گیا ہے، اسے بھی یہی جواب دیا۔ ہم نے کہا کہ مختلف لوگوں نے مختلف درخواستیں پیش کیں اور آپ نے سب کا ایک ہی جواب دیا۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا بلکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نوح میں فرمایا ہے اِسْتَغْفِرُوْ رَبَّكُمْ ...... الخ اور یہ سورۂ ہود میں بھی موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کا شیطان کے حملوں سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ صبح و شام استغفار پڑھتے ہیں اور ان کے استغفار پڑھنے سے شیطان کی کمر ٹوٹ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں کو معاف فرما دیتا ہے جیسے کہ قرآن مجید کی ان آیات میں فرمایا گیا ہے۔ ''قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ '' (الحجر: ۳۹،۴۰) ((شیطان) بولا اے رب اس وجہ سے کہ تو نے مجھے بھٹکا دیا میں ان کے لئے زمین میں (برے کاموں کو) ضرور خوشنما کر دوں گا اور میں ضرور گمراہ کر دوں گا ان سب کو سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے چن لیا گیا ہے)۔

صحیح ابن حبان میں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ اے رب مجھے تیری عزت و جلال کی قسم جب تک ان کی روحیں ان کے جسم میں رہیں گی میں ان کو گمراہ کرتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے بھی اپنی عزت کی قسم ہے کہ جب تک یہ بندے مجھ سے مغفرت طلب کرتے رہیں

---

۱ سنن ابن ماجہ، حدیث ۱۳۸۸، جلد ا، صفحہ ۴۴۱۔

گے میں ان کو معاف کرتا رہوں گا۔ا وہ لوگ جن پر شیطان کا زور نہ چلے گا یہ وہی لوگ ہیں جو صالح مرد اور عورتیں ہیں جن کو نیکیوں کی توفیق دی گئی ہے اور وہ خوب استغفار کرتے ہیں۔ان ہی کے لئے اللہ نے فرمایا ''اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْہِمْ سُلْطٰنٌ'' (بے شک میرے بندوں پر تیرا زور نہ چلے گا) (بنی اسرائیل:۶۵)۔

ا۔استعاذہ یا تعوذ: جمہور علما کرام کے نزدیک قرآن کی تلاوت سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ کا پڑھنا مستحب ہے۔امام خازنؒ نے سنت لکھا ہے، عطا ابن رباحؒ نے واجب قرار دیا ہے، ابن سیرینؒ بھی ساری عمر میں ایک بار تَعَوُّذْ پڑھنے کو واجب لکھتے ہیں۔حقیقتاً قرآن کا حکم ندب اور استحباب کے لئے ہے، اس کا ترک گناہ نہیں۔ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ تَعَوُّذْ پڑھ کر بندہ اللہ سے منسلک ہو جاتا ہے اور شیاطین سے پناہ میں آجاتا ہے

استغفار کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے استعاذہ پڑھنے کا حکم دیا ہے (یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ) اس سے خدا کی مدد ملتی ہے اور انسان کے اردگرد بے شمار شیطان خصلت انسانوں کے شر و فساد اور ان کے حسد و عداوت کے نقصان سے انسان محفوظ رہتا ہے۔انسان تعوذ پڑھنے سے خود بھی برے کاموں اور بری خصلتوں سے پاک رہتا ہے۔شیطان کی وجہ سے انسان اللہ سے دور رہتا ہے اور تعوذ پڑھنے سے رجیم کی ملامت اور شقاوت سے محفوظ رہتا ہے اور اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے۔تعوذ پڑھنے سے انسان جان لیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی طاقت نہیں جو بُروں کے اثر سے بچائے، اس میں تکبر نہ ہوگا اور نہ ہی وہ کسی سے ڈرے گا ۔

ہر کہ رمزِ لَا اِلٰہ فہمیدہ است   شرک را در خوف مضمر دیدہ است

(جس نے بھی لا الٰہ کے راز کو پہچان لیا ہے اس نے خوف میں شرک کو پنہاں دیکھا یعنی سمجھا)

ایک روایت میں ہے کہ شیطان نے کہا کہ استغفار نے تو میری کمر توڑ دی ہے یعنی وہ بندوں کو گمراہ کرتا ہے اور برائی کروا دیتا ہے مگر وہ استغفار کر کے پھر اس کے پنجے سے نکل جاتے ہیں۔ سعودیہ کے ایک عالم نے اپنی روایت میں لکھا ہے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات خانہ کعبہ میں محوِ عبادت تھا۔شدید سردی کے باعث وہاں کوئی شخص موجود نہ تھا۔شب کا آخری حصہ تھا اور ایک شخص کے سسکنے کی آواز آرہی تھی۔ میں نے کان لگا کر سنا تو وہ رو رہا تھا۔وہ باب رحمت سے چمٹا ہوا تھا اور کہہ رہا تھا کہ الٰہی میرے اتنے گناہ ہیں کہ وہ زمین کے ذروں سے بھی زیادہ ہوں گے، تو مجھے بخش دے، میرے گناہ معاف کر دے۔تمام رات اس شدت سے وہ آہ و زاری کرتا رہا کہ آخر تنگ آکر میں نے بھی دُعا مانگی کہ اے اللہ یہ شخص نہ جانے کس قدر گنہگار ہے اس شخص کے گناہ معاف کر دے۔ جب صبح ہوئی اور اس نے نقاب اٹھایا تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ تھے، اندازہ کریں کہ آپ اس قدر بلند مرتبت تھے اور کس طرح استغفار کرتے رہے۔

ایسے ہی ایک اور روایت میں ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانیؒ چالیس سال تک شب بیداری اور سخت ریاضتیں کرتے رہے اور ہر روز صبح و شب بیداری کے بعد سجدے میں سر رکھ کر سخت آہ و زاری کرتے اور خدا سے

ا صحیح ابن حبان، حدیث ۹۳۰، جلد ۳، صفحہ ۲۰۰۔

اپنے گناہوں کی معافی کی درخواست کرتے اور یہ کہتے کہ الٰہی اگر روزِ قیامت مجھے تو نے سیاہ رو کیا تو مجھے اندھا کر دینا تا کہ میں لوگوں کو دیکھ کر شرمندہ نہ ہو سکوں۔ ایک بزرگ غالباً (سری سقطیؒ) دن میں کئی بار شیشہ اس غرض سے دیکھتے کہ کہیں ان کے اعمال کے سبب ان کا چہرہ مسخ تو نہیں ہو گیا، مولانا رومؒ بھی فرماتے ہیں ۔

ہمچو پیغمبر زگفتن وز نثار توبہ آرم روز من ہفتاد بار (۴۱۵)

(حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح اپنی گفتگو کے موتی نثار کرنے کے لیے میں ہر روز ستر بار توبہ کرتا ہوں)

سعد دیدی شکر کُن ایثار کُن نحس دیدی صدقہ و استغفار کن (۴۱۶)

(اگر تم نے کوئی مبارک بات دیکھی تو شکر اور ایثار کرو اگر کوئی منحوس بات دیکھو تو صدقہ و استغفار کرو)

دیو اگرعاشق شود ہم گوئے شد جبرائیلی گشت و آں دیوے بمرد (۴۱۷)

(شیطان اگر عاشق ہو جائے تو وہ بھی بازی لے گیا ایسے وہ جبرائیل کی طرح ہو گیا اور شیطنت تباہ ہو گئی)

اَسلَمَ الشَّیطَانُ واینجا شد پدید کہ یزیدے شد زفضلش بایزید (۴۱۸)

(یہاں یہ بات سچ ہو گئی کہ شیطان مسلمان ہو گیا، کیونکہ ایک شخص یزید سے بایزید بن جاتا ہے)

غم چو بینی زود استغفار کُن غم بامرِ خالق آمد کار کُن (۴۱۹)

(جب غم دیکھو تو جلدی استغفار کرو غم اللہ کے حکم سے آتا ہے اس لئے اپنا (ذکر کا) کام کرتے رہو)

ii۔ لاحول کی برکات: الترغیب والترہیب میں ہے کہ حضرت مالک اشجعی رضی اللہ عنہ صحابی کے بیٹے عوف رضی اللہ عنہ کسی لڑائی میں کافروں کے ہاتھ قید ہو گئے، ان کی والدہ بہت رونے لگیں اور کھانا پینا چھوڑ دیا۔ تب ان کے والد حضرت مالک رضی اللہ عنہ نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر اپنی بیوی کے رونے دھونے کا حال بیان کیا۔ آپ نے سنتے ہی فرمایا کہ کسی طرح عوف رضی اللہ عنہ کو یہ کہلا بھیجو کہ اٹھتے بیٹھتے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ وظیفہ کرے۔ چنانچہ ایک سانڈنی سوار عوف رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا گیا اور پیغام پہنچا دیا گیا۔ وظیفہ کے پڑھنے سے ان کی بیڑیاں ٹوٹ گئیں اور وہ باہر آئے تو دروازے کے باہر ایک سانڈنی کو پایا۔ آپ اسی پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ آ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سانڈنی کا فتویٰ دریافت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ تمہارا مال ہے جو جی چاہے کرو۔

ایک حدیث میں درج ذیل دعا پڑھنے کا ذکر ہے

''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِکَ لَکَ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ'' (یعنی نہیں کوئی تدبیر اور طاقت سوائے تیرے (اور) تیرے ہی لیے ہے تمام خلق اور (ہر) حکم)۔[1] ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ'' سے دشمن اور جنات بھاگ جاتے ہیں روایات میں ہے کہ اس کے پڑھنے والا گناہ اور برائی سے محفوظ رہتا ہے اور گناہ معاف ہوں گے کیونکہ یہ استغفار ہے۔ احادیث میں ہے کہ جب کوئی بندہ ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' کہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں ''اطاعت گزار ہوا میرا بندہ، نجات پائی

---

1 الفردوس بماثور الخطاب، حدیث ۲۰۲۰، جلد ۱، صفحہ ۴۹۵۔

میرے بندے نے اور فرمانبردار ہوا یا یہ کہتا ہے کہ سپرد کر دیے اس نے تمام کام اللہ کی طرف"۔[1]

علامہ پانی پتیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ دینی اور دنیاوی منافع کے حصول کے لئے اور ہر قسم کی مشکلات کے لئے یہ وظیفہ بتلایا کرتے تھے کہ پانچ سو مرتبہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" اول و آخر ایک سو مرتبہ درود کے ساتھ پڑھے۔

ایک حدیث میں ہے کہ "کَنْزًا مِنْ کُنُوْزِ الْجَنَّةِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے)۔[2] ننانوے بیماریوں کی دعا ہے جن میں سے معمولی بیماری غم ہے۔ مصائب کے ستر دروازوں کا رخ اس کی طرف سے پھیر دیا جاتا ہے جن میں سے ادنیٰ ترین فقر و فاقہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی گھر سے باہر نکلے تو یہ کہے "بِسْمِ اللّٰهِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" (اللہ کے نام سے بھروسہ کیا میں نے اللہ پر نہیں کوئی تدبیر اور نہ کوئی طاقت مگر اللہ کی مدد سے) جس وقت کوئی یہ کلمات کہے تو فرشتہ اس کے جواب میں کہتا ہے کہ "هُدِیْتَ وَکُفِیْتَ وَوُقِیْتَ فَتَتَنَحّٰی لَهُ الشَّیَاطِیْنُ فَیَقُوْلُ لَهُ شَیْطَانٌ آخَرُ کَیْفَ لَكَ بِرَجُلٍ قَدْ هُدِیَ وَکُفِیَ وَوُقِیَ" (تو ہدایت دیا گیا، تو کفایت کیا گیا اور محفوظ رہا تو) یہ سن کر شیطان ہٹ جاتا ہے اور دوسرے شیطان کو کہتا ہے تو اس شخص پر کس طرح قابو پا سکتا ہے جو ہدایت دیا گیا اور محفوظ کیا گیا برائیوں سے)۔[3]

iii۔ فقر و فاقہ دور کرنے کی دعا: بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے فرمایا کہ جو شخص فقر و فاقہ میں ہو وہ لَا حَوْلَ کا کلمہ کثرت سے پڑھے تو شکایت دور ہو جائے گی۔ حسب ذیل وظیفہ مجرب ہے۔ "حَسْبِیَ اللّٰهُ نِعْمَ الْوَکِیْلُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ"

iv۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ: قرآن میں ہے "اَلَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ" (صبر کرنیوالوں کو) جب مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم صرف اللہ ہی کے لیے ہیں اور یقیناً ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں) (البقرہ:۱۵۶) ان الفاظ کو اللہ تعالیٰ نے بہت تاثر کا حامل کہا ہے اور ان کو مصائب میں پڑھنے سے بہت فوائد مرتب ہوتے ہیں مگر افسوس ہے کہ مسلمان اور خاص طور پر پاکستان ہندوستان کے مسلمان اس سے بے بہرہ ہیں۔ البتہ عرب ممالک میں دیکھا گیا ہے کہ یہ کلمہ کچھ لوگوں کی زبان پر رہتا ہے اور مشکل میں وہ بار بار پڑھتے ہیں۔ اب آپ احادیث کی رو سے اس کلمہ کی برکات ملاحظہ فرمائیں اور اس کو اپنائیں۔

پاکستان و ہند میں یہ کلمہ فقط کسی کے مرنے پر استعمال کیا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جوتی کا تسمہ ٹوٹنے پر،

---

[1] مسند احمد، حدیث ۷۹۵۳، جلد ۲، صفحہ ۲۹۸۔

[2] سنن الترمذی، حدیث ۳۶۰۱، جلد ۵، صفحہ ۴۵۷۔

[3] سنن ابی داود، حدیث ۵۰۹۵، جلد ۴، صفحہ ۳۲۵۔

ہاتھ میں پھانس لگنے پر، چراغ گل ہوجانے پر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھتے اور فرماتے کہ کبھی چھوٹی بات بھی بڑی ہوجاتی ہے۔ فرمایا کہ یہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ہماری امت کو ہی ملا ہے۔ امام بیہقیؒ نے فرمایا ہے کہ جس میں چار باتیں ہوں اس کا گھر جنت میں ہوتا ہے۔

(۱) ہر کام میں رب سے التجا کرے (۲) مصیبت میں اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھے

(۳) نعمت پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ پڑھے (۴) گناہوں پر اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ پڑھے۔

امام احمدؒ اور بیہقیؒ نے امام حسین رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب پرانی مصیبت یاد آئے تو تب اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھے تو نئے صبر کا ثواب ملتا ہے۔[1]

اِنَّا لِلّٰهِ ...الخ پڑھنے سے رب کی طرف دھیان ہوجاتا ہے اور غم غلط ہوتا ہے۔ اور اس سے تکلیف کم ہوجاتی ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ ...الخ پڑھنے سے شیطان مایوس ہوتا ہے اور بھاگتا ہے اور ہائے وائے میں شیطان کی شرکت ہوتی ہے۔ زبان سے اِنَّا لله کہنے سے دل میں رضا بالقضا پیدا ہوتی ہے۔ مصیبت میں پڑھنے سے ہوش ٹھکانے آجاتے ہیں اور کسی غلطی سے انسان رُک جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تک پہنچنا ہے تو مصیبتیں بے شمار ہیں (یعنی مصیبتیں جھیلنا ہوں گی) اور جس نے خود کو اللہ کی ملک جانا اور کہا اِنَّا لِلّٰهِ تو اس پر ہم رحمتیں نازل کرتے ہیں۔ اِنَّا لله پڑھنے سے جس کے دل میں احساس پیدا ہوجائے کہ جب سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے اور ہر چیز اللہ کی ملک ہے'' نَحْنُ الْوَارِثِيْنَ اَلْمُلْكُ وَالْحُكْمُ لِلّٰهِ'' تو کسی چیز کے جانے سے وہ دلگیر نہ ہوگا۔ قرآن نے نازک مرحلوں سے بچنے کے لئے یہی طریقے بتائے ہیں۔

تفسیر عزیزی میں ہے کہ جو شخص مصیبت میں اِنَّا لله پڑھے تو رب تعالیٰ ثواب کے علاوہ یا تو گئی ہوئی نعمت واپس فرماتا ہے یا اس سے بہتر بدلہ میں کوئی چیز دے دیتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ ...الخ سن کر دوسرے بھی اس کی پیروی کرتے ہیں اور صابرین کے دفتر میں اپنا نام لکھاتے ہیں کیونکہ یہ صرف صابرین ہی سچے دل سے پڑھتے ہیں۔

۳۔ وسیلہ اور اس کی وضاحت

کسی نبی مرسل یا ولی کامل کا ذریعہ اور وسیلہ پروردگار کے دربار میں پیش کرکے دعا مانگی جائے تو یہ اس نبی یا ولی کا وسیلہ کہلائے گا۔ کچھ لوگ نیک اعمال کو ہی وسیلہ خیال کرتے ہیں اور بزرگوں کی حیثیتِ وسیلہ سے انکار کرتے ہیں۔ اس لیے مناسب ہوگا کہ یہاں وسیلہ کے متعلق کچھ تفصیل پیش کردی جائے تاکہ شبہات دور ہوجائیں۔ امام راغب نے مفردات میں لکھا ہے کہ اَلْوَسِيْلَةُ کے معنی کسی چیز کی طرف رغبت کے ساتھ پہنچنے کے ہیں چنانچہ

---

[1] سنن بیہقی، حدیث ۹۱۷۰، جلد ۴، صفحہ ۶۵۔

رغبت کی وجہ سے یہ وَصِیۡلَۃٌ یعنی جوڑنے والی چیز سے اخص ہے۔[1] فرمان باری تعالیٰ ہے کہ ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابۡتَغُوۡٓا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ وَجَاھِدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِہٖ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ'' (اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ اور جدوجہد کرو اس کی راہ میں تا کہ تم فلاح پاؤ) (المائدہ:۳۵)۔ وسیلہ کی خوبصورت توجیہہ کے لئے چند مفسرین اور مفکرین کے اقوال حسبِ ذیل عبارت میں قارئین کے پیش نظر کئے جا رہے ہیں۔

(۱) ابنِ منظور لفظ وسیلہ کی تحقیق کرتے ہوئے لسان العرب میں لکھتے ہیں کہ جس چیز کے ذریعے کسی تک پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل ہو تو اُسے وسیلہ کہتے ہیں۔[2]

(۲) کشاف میں ہے کہ ایمان، نیک عمل، عبادات، پیرویٔ سنت اور گناہوں سے بچنا یہ سب اللہ تک پہنچنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔[3] مرشد کامل جو اپنی روحانی توجہ سے اپنے مرید کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی اتار دے دل میں یادِ الٰہی کی تڑپ پیدا کر دے اس کے وسیلہ ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے۔ کاملینِ امت نے ایسے مرشد کی تلاش میں سینکڑوں ہزاروں کوس کی مسافت طے کی ہے اور ان کی راہنمائی سے آسمانِ معرفت وحکمت پر مہرو ماہ بن کر چمکے۔

(۳) حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ''قولِ جمیل'' میں تصریح فرمائی ہے کہ مذکورہ آیت وسیلہ سے مراد بیعتِ مرشد ہے۔

(۴) اس تحریر کی وجہ سے مولانا اسماعیل دہلوی کو بھی صراطِ مستقیم میں لکھنا پڑا ''سالکان راہِ حقیقت نے وسیلہ سے مراد مرشد لیا ہے پس حقیقی کامیابی اور کامرانی حاصل کرنے کے لئے مجاہدہ اور ریاضت سے پہلے تلاشِ مرشد از بس ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے سالکان راہِ حقیقت کے لئے یہی قاعدہ مقرر فرمایا ہے۔ اسی لیے مُرشد کی راہنمائی کے بغیر اس کا ملنا شاذ و نادر ہے''۔

(۵) شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ بھی مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جب ایمان، نیک عمل، عبادات، پیروی سنت (ایک جماعت کے قول کے مطابق) اللہ کا قُرب حاصل کرنے کا وسیلہ ہیں تو مُرشد بدرجہ اتم اس سے زیادہ وسیلہ ہے کیونکہ وہ اپنی روحانی توجہ سے مُریدوں کو چشمِ بصیرت عطا کرتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ''صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں ''اہل اللہ کے طریقے میں داخل ہونا اور ان کو بارگاہ رب العزت میں وسیلہ بنانا اہل اسلام کے نزدیک نیک مستحسن ہو گیا ہے...... اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی زیارت کرنے والوں کو بھی لگاتار برکتیں عطا فرماتا ہے اور اپنے نزدیک ان کو وہ مرتبہ ومقام بخشتا ہے کہ ان کی ہر دُعا قبول کی جاتی ہے بلکہ جو کوئی کسی حاجت میں ان کا وسیلہ پکڑتا ہے اس کی حاجت بھی پوری ہو جاتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت

---

[1] مفردات فی غریب القرآن، جلد ۱، صفحہ ۵۲۳۔

[2] لسان العرب، جلد ۱۱، صفحہ ۷۲۴۔

[3] تفسیر الکشاف، جلد ۱، صفحہ ۶۶۲۔

اسمٰعیل علیہ السلام تک تمام انبیاء کرام پر مختلف احوال میں جو کرم ہوا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام نامی کی برکت سے تھا۔

(۶) مولانا جامیؒ فرماتے ہیں کہ اگر آدم علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام بطورِ شفیع اپنی زبان پر نہ لاتے تو ان کی توبہ قبول نہ کی جاتی اور نوح علیہ السلام غرق ہونے سے نجات نہ پاتے ؎

اگر نامِ محمدرا نیاوردے شفیع آدم   نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نَجّینا

حضرت شاہ عبدالعزیز دھلویؒ فرماتے ہیں کہ درجِ بالا آیت میں وسیلہ سے مراد ایمان نہیں کیونکہ یہ خطاب ہی اہلِ ایمان کو کیا جا رہا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ وسیلہ سے مُراد تقویٰ اور نیک اعمال بھی نہیں کیونکہ خطاب میں علیحدہ ''اِتَّقُوا اللہَ'' فرمایا جا رہا ہے اور وسیلہ سے مُراد جہاد بھی نہیں کیونکہ اس آیت میں ''جَاھِدُوْا'' کا ذکر الگ ہو چکا ہے چنانچہ سوائے مُرشدِ کامل کے وسیلہ سے کچھ اور مراد نہیں لی جا سکتی۔

(۷) علامہ اسماعیل منصبِ امامت میں لکھتے ہیں ''وسیلے سے مُراد وہ شخص ہے جو منزلت میں اللہ کا مقرب ہو''۔[1] کَمَا قَالَ اللہُ تَعَالٰی ''اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ'' (وہ لوگ جنہیں یہ مشرک پکارا کرتے ہیں وہ خود ڈھونڈتے ہیں اپنے رب کی طرف وسیلہ کہ کون سا بندہ (اللہ سے) زیادہ قریب ہے) (بنی اسرائیل:۵۷)۔

علامہ اسماعیل لکھتے ہیں کہ اقرب الی اللہ باعتبارِ منزلت پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے بعد جو ان کا نائب ہے علامہ اسماعیل فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لئے جو اقرب الی اللہ ہے وسیلہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کے بعد بحث کی گنجائش نہیں کہ مقربین بارگاہ اِلٰہی ہی بارگاہ ربُّ العزت کا وسیلہ ہیں جن کی تلاش کے لئے سورۂ مائدہ کی درج بالا آیت میں حکم دیا گیا ہے۔!

(۸) شاہ عبدالرحیمؒ نے بھی ''شیخ کامل'' کو وسیلہ قرار دیا ہے۔

(۹) سرِ دلبراں میں بھی وسیلہ کو مقامِ قربت لکھا ہے اور کہا ہے کہ یہی مقام محمود ہے۔[2]

مندرجہ بالا قرآنی دلائل سے اس بات میں کوئی شک نہیں رہتا کہ اگر کوئی نیک اعمال کو وسیلہ مان لیتا ہے تو مرشد کامل بدرجہ اتم وسیلہ ہے اور تمام اولیائے اُمت مثلاً حضرت بایزید بُسطامیؒ، جنید بغدادیؒ، معین الدین چشتیؒ، نظام الدین اولیاءؒ وغیرھم نے مرشدِ کامل کو وسیلہ تسلیم کیا ہے اور شیخ کامل کو بندے اور خدا کے درمیان برزخ (پردہ) قرار دیا ہے۔ تمام علماء حق اس بات پر متفق ہیں کہ نبی بھی خدا اور مخلوق کے درمیان وسیلہ (برزخ) ہوتا ہے۔ اس جگہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مسلک کا حوالہ جان بوجھ کر نہیں دیا گیا کیونکہ آپکا کلام اس سلسلے میں بہت طویل ہے۔ حضرت مجددؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ مرید کے لئے پیر کامل کے بغیر کام بننا ہی دشوار ہے۔ مرید کو چاہیے کہ شیخ کے وجود کو غنیمت جانے اور اپنے آپ کو مکمل طور پر اس کے حوالے کر دے۔ قربِ ایزدی

---

[1] منصب امامت، اسماعیل دہلوی، صفحہ ۵۵، مطبع فاروقی دہلی۔

[2] سر دلبراں، صفحہ ۳۴۴۔

کے مدارج طے کرنا راہ دان، راہ بین اور راہنما یا شیخ کامل کی توجہ کے ساتھ وابستہ ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ روحانی طور پر احیاء اور اماتت (موت) پیر کے مقام کے لوازمات میں سے ہے اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ "اَلشَّیْخُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ" یعنی شیخ ہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی محبت ریاضتوں سے بہتر ہے، پیر کامل طالب کی استعداد سے زیادہ مدارج طے کرا سکتا ہے۔ تصورِ شیخ بہت بڑی دولت ہے اور اگر نماز میں شیخ کا تصور بے ساختہ آجائے تو یہ بڑی سعادت ہے۔ آپ نے مکتوبات میں فرمایا کہ یہ بزرگوار جس طرح نسبت عطا کرنے پر کامل طاقت رکھتے ہیں اور تھوڑی دیر میں طالبِ صادق کو حضور اور آگاہی بخش دیتے ہیں اسی طرح نسبت کے سلب کرنے میں بھی پوری طاقت رکھتے ہیں۔ حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ وصل الی اللہ کی راہ میں میرے راہنما وہ لوگ ہیں جن کے توسل سے میں نے اس راہِ سلوک میں آنکھیں کھولیں اور انہیں کی وساطت سے میں نے لب کشائی کی ہے۔ طریقت میں الف اور با کا سبق انہیں سے لیا ہے اور میں نے قیومیت کی جہت سے جذب کی نسبت ان ہی سے اخذ کی ہے۔ آپ کا کلام اس محدود بیان میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ تصوف کے سلسلے میں راقم الحروف کی تصنیف "اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبال" میں کافی تفصیل دے دی گئی ہے۔ گزشتہ صفحات پر اس بات کا ذکر ہو چکا ہے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ میری اہل بیت کی مثال کشتی نوح علیہ السلام کی سی ہے۔[1] اس پر مولانا رومؒ نے حضور ﷺ کی اہلِ بیت کو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی سے تشبیہ دی ہے اس کی تشریح میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم کشتی نوح کی طرح ہیں یعنی جو پار جانا چاہے اس میں سوار ہو جائے، کشتی نوح کی مثال مومنین کے لئے وسیلے کے جواز سے کم نہیں۔

مندرجہ بالا بزرگوں کے بعد سینکڑوں اولیائے کرام کا نظریہ طوالت کے سبب شامل نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت مولانا رومؒ اور علامہ اقبالؒ کا بیشتر کلام ہی مردِ مومن سے فیض حاصل کرنے کی طرف ترغیب دیتا ہے اور یہ مذکورہ بالا بلند مرتبت ہستیاں (محدثین اور مفکرینِ اسلام) اس قدر بلند مقامات پر فائز ہیں کہ جن کی معاملہ فہمی پر کوئی شک نہیں کر سکتا اور اگر اس کے باوجود بھی کوئی وسیلے کی اس حیثیت کو تسلیم نہ کرے جیسا کہ انہوں نے پیش کیا ہے تو اسے اس کی محرومی کی طرف ہی منسوب کیا جا سکتا ہے۔

أ۔ **وسیلہ اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا نظریہ:** مقام گنج شکر میں کپتان "واحد بخش سیال" نے جو لکھا ہے اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ معترضین کے اپنے بزرگوار حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے اپنی کتاب فیصلۂ ہفت مسئلہ میں توسل یعنی انبیاء کرام اور اولیاء کرام کو وسیلہ بنا کر خدا سے دعا مانگنا جائز قرار دیا ہے اور حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے مریدین کے اپنے ہی منظوم شجرہ میں مشائخ عظام کا وسیلہ مانگا ہے۔ ایسے ایک شجرے کا ایک شعر برائے مثال پیش کیا جا رہا ہے

بحر امداد بہ نور و حضرتِ عبد الرحیم   عبدِ باری، عبدِ ہادی عزّدین مکی ولی

---

[1] المستدرک، حدیث ۳۳۱۲، جلد ۲، صفحہ ۳۷۳۔

بحرِ امداد میں حضرت امداد اللہؒ کا واسطہ دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ فریقین خواہ مخواہ بحث اور ضد میں الجھے ہوئے ہیں اور دونوں ہی وسیلے کے قائل ہیں لیکن ایک دوسرے کے خلاف وہ عناد وفساد پایا جاتا ہے کہ ہندوؤں، یہودیوں اور عیسائیوں کے خلاف بھی اتنا زور وشور نہیں۔ حضرت امداد اللہ مکیؒ نے ان جھگڑوں کو ختم کرنے کے لئے اپنے مُریدوں سے فرمایا کہ "فقیر وہ ہے جو حنفی المذہب اور صوفی المشرب ہو جو کوئی میرے یاروں میں سے اس سے تجاوز کر گیا میرے رابطہ اور واسطہ (وسیلہ) سے اس کو کچھ حصہ نہ ملے گا"۔

مقامِ گنج شکر صفحہ ۳۰۷ کپتان واحد بخش سیالؒ نے حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ملفوظات پر مولوی اشرف علی تھانوی کے حواشی جو امداد المشتاق میں درج ہیں نقل کئے ہیں اور ان کے حوالوں سے آپ نے ثابت کیا ہے کہ ان خیالات کی شدت ان کے بعد کی پیداوار ہے اور بالکل بے بنیاد ہے۔

ii۔ وسیلہ پہلے سے ہی رائج تھا: نسائی، ترمذی اور بیہقی میں ہے کہ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک نابینا شخص سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لئے دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میری آنکھیں روشن کر دے۔ رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اچھا وضو کرو اور دو رکعت نماز آنکھیں روشن ہونے کے ارادے سے پڑھو اور جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو یہ دعا کرو "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ وَیَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰی لِیَ اللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ" (اے خدا میں تیری بارہ گاہ میں سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ پیش کرتا ہوں، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں آپ کا وسیلہ پیش کیا ہے اپنی اس ضرورت میں تاکہ وہ پوری ہو، یا اللہ تو میرے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت قبول فرما) [1]۔ یہ دعا وہ ہے جو فراغتِ معاش کے آخری حصہ میں بھی بیان کی گئی ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بطور وسیلہ پیش کیا گیا ہے۔

قرآن میں اس بات کا بھی تذکرہ ہے کہ قومِ یہود کے لوگ تورات کے وہ صفحات کھول کر جن میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے کا ذکر تھا۔ اللہ سے جنگ میں فتح مندی کی دعا کرتے تھے اور اللہ نے ان کے اس عمل کو جتلایا کہ پہلے تو ان کے نام سے مدد مانگتے تھے اور اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانتے نہیں۔ (دیکھیں سورہ بقرہ آیت ۸۹) "وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" اس آیت میں وسیلے کو بُرا نہیں کہا گیا بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لانے کو مذموم قرار دیا گیا ہے۔

سورۃ النساء کی آیت ۶۴ "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ ......" کے حکم سے ثابت ہے کہ "اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے" حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے تیسرے دن آیا اور اسی طرح

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۳۵۷۸، جلد ۵، صفحہ ۵۶۹۔

مغفرت طلب کی اور عرض کی کہ اس آیت کے طفیل میں بھی معافی کا طلب گار ہوں تو (قرطبیؒ نے روایت کی ہے کہ) قبر سے آواز آئی ''قَدْ غُفِرَلَكَ'' (تجھے بھی بخش دیا گیا)۔ امشائخ کبار کا خیال ہے کہ یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ ظاہری کے لئے نہیں بلکہ اس آیت کریمہ کا حکم تا قیامت ہے کیونکہ آپ کی حیات ابدی ثابت ہے، جو لوگ نہیں مانتے وہ ان بے شمار سچے دلائل کو کس طرح جھٹلائیں گے۔

بخاری شریف میں منقول ہے کہ جب قحط سالی ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے کہ'' اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ''[۲] (الٰہی پہلے تو ہم تیرے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے بارش مانگتے تھے اور تو بارانِ رحمت برساتا تھا اور اب ہم اپنے نبی کے بوڑھے چچا کے وسیلے سے بارش مانگتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول سُن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''الٰہی تیرے نبی کی امت نے مجھے وسیلہ بنایا ہے میرے بڑھاپے کی لاج رکھ لے''۔ فوراً بارانِ الٰہی کی رحمت کا فیضان شروع ہو جاتا اور بارش برسنے لگتی)۔

سنن الدارمی میں یہ واقعہ بھی درج ہے کہ جب قحط سالی ہوتی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرہ مبارک کا جھروکہ (جو باہر کی طرف کھلتا تھا) کھول دیتیں تو بارش کا نزول ہو جاتا ''قُحِطَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ قَحْطًا شَدِيْدًا فَشَكَوْا اِلٰى عَائِشَةَ فَقَالَتْ اُنْظُرُوْا قَبْرَ النَّبِيِّ فَاجْعَلُوْا مِنْهُ كُوًى اِلَى السَّمَآءِ حَتّٰى لَا يَكُوْنَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ السَّمَآءِ سَقْفٌ قَالَ فَفَعَلُوْا فَمُطِرْنَا مَطَرًا حَتّٰى نَبَتَ الْعُشْبُ''[۳]۔ احادیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے حضور مہاجرین اور اصحابِ صفہ کا وسیلہ دے کر دعا مانگا کرتے تھے، اس بات کا حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی اپنے مکتوبات میں ذکر کیا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ جب آدم علیہ السلام فکرِ توبہ میں مبتلا تھے تو آپ نے اپنی دعا ''رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا'' کے ساتھ یہ دعا ملائی ''اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اَنْ تَغْفِرَلِيْ'' (کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل یہ سوال کرتا ہوں کہ مجھے معاف کر دے) یہ کہتے ہی توبہ قبول ہو گئی۔ ابنِ منذرؒ کی روایت میں ہے کہ'' اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَكَرَامَتِهٖ عَلَيْكَ اَنْ تَغْفِرَلِيْ خَطِيْئَتِيْ''[۴] (اللہ میں تجھ سے تیرے بندۂ خاص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاہ و مرتبت کے طفیل اور اس کی کرامت کے صدقے میں جو انہیں تیرے دربار میں حاصل ہے مغفرت چاہتا ہوں)۔ روایات میں ہے کہ جوں ہی آپ علیہ السلام نے دعا مانگی تو فوراً توبہ قبول ہو گئی۔[۵] ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے

---

۱ تفسیر قرطبی، جلد ۵، صفحہ ۲۶۵۔

۲ صحیح بخاری، حدیث ۹۶۴، جلد ۱، صفحہ ۳۴۲۔

۳ سنن الدارمی حدیث ۹۲، جلد ۱، صفحہ ۵۶۔

۴ المعجم الاوسط حدیث ۶۵۰۲، جلد ۶، صفحہ ۳۱۳۔

۵ المستدرک، حدیث ۴۲۲۸، جلد ۲، صفحہ ۶۷۲۔

محمد ﷺ کے واسطے سے دعا مانگنے کی وجہ پوچھی تو آدم علیہ السلام نے عرض کی کہ الٰہی جب مجھے یاد آیا کہ وقتِ پیدائش میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو عرش پر لکھا تھا "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ" اس سے میں سمجھ گیا کہ بارگاہ الٰہی میں وہ رتبہ کسی کو حاصل نہیں جو حضرت محمد ﷺ کو حاصل ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کا نام اپنے نام اقدس کے ساتھ عرش پر مکتوب فرمایا، یہی وجہ ہے کہ میں نے آپ ﷺ کے طفیل مغفرت طلب کی۔

اہل علم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق واجب نہیں ہوتا مگر وہ اپنے مقبولانِ بارگاہ کو اپنے فضل و کرم سے حق دیتا ہے۔ اس تفضل کے حق کے وسیلے سے دعا کی جاتی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے "مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ" (جو اللہ پر ایمان لایا اور اسکے رسول ﷺ پر اور نماز کو قائم کیا اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ پر اس کا یہ حق ہو جاتا ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے)۔[1]

بیشتر کتب میں یہ بھی روایت آئی ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک وقت بارش کی کمی ہوئی۔ اس سال آپ جہاد کے لئے لشکرِ اسلام کے آراستہ کرنے اور فوج کی روانگی میں مشغول تھے۔ نمازِ استسقاء ادا کرنے کا آپ کو مطلق خیال نہ رہا۔ کہیں سے ایک روز ایک صحابی آقائے نامدار ﷺ کے مزارِ پرانوار پر زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔ اتفاقاً صلوٰۃ و سلام کے بعد وہیں سو گئے۔ اس صحابی نے خواب میں دیکھا کہ رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام مزار اقدس سے باہر آئے اور یہ فرمایا جاؤ عمر سے کہو کہ بہت ہوشیار اور نہایت خبردار ہو جاؤ اور صلوٰۃ استسقاء ادا کرو کیونکہ بندگانِ خدا کی حالت تنگ ہو گئی ہے۔ اس صحابی کی مارے خوشی کے آنکھ کھل گئی اور فوراً حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو کچھ خواب میں دیکھا آپ سے بیان فرمایا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سید الابرار ﷺ کا یہ پیغام سن کر زار و قطار رونے لگے۔ دوسرے دن نماز استسقاء ادا کی اور دعا کے لئے نہایت عجز و انکساری کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ حضور رب العزت کی بارگاہ میں بارش مانگنے کے لئے پھیلائے۔ فوراً ابر نمودار ہوا اور بہت زور و شور سے مینہ برسنے لگا۔ جب بارش موقوف ہوئی تو ہر طرف سے لوگ مدینہ طیبہ آئے۔ ان میں سے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں فلاں دن کھیت میں کھڑا تھا کہ یکا یک ابر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا نمودار ہوا اور بہت جلد بڑھنے لگا۔ میں اس وقت اللہ پاک کی رحمت کا مشاہدہ کر رہا تھا کہ اچانک اس ابر سے آواز آئی کہ اے ابر جلدی چل اور بارش برسا کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ کی فریاد آسمان پر پہنچ گئی ہے۔ یہی وہ وقت تھا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ دعا مانگ رہے تھے۔ اگر سیرِ تصوف کی کتابوں اور صوفیاء کے ارشادات کا مطالعہ کیا جائے تو سینکڑوں واقعات ایسے ملیں گے جس میں وسیلہ کے ذریعے دعاؤں کا ایک سلسلہ جاری نظر آئے گا اور ان کے مطالعہ سے نہایت عجیب و غریب واقعات کا علم ہوتا ہے۔ یہ کتاب اس سے زیادہ طوالت کی متحمل نہیں، اگر اب بھی یہ معاملہ بعید از فہم ہو تو کسی اللہ والے سے رابطہ قائم کیا جائے۔

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۲۶۳۷، جلد ۳، صفحہ ۱۰۲۸۔

۴۔ اسمِ اعظم

چوتھا سبب دعا کی قبولیت کے لئے اسمِ اعظم کا پڑھنا ہے، محدثین اور مفسرین نے چند روایتیں نقل کی ہیں۔ ان روایات کو دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے بہت سے نام ایسے ہیں جن کا اسمِ اعظم ہونا ظاہر ہوتا ہے چیدہ چیدہ روایات نقل کی جارہی ہیں۔ بہت سے اولیائے کرام کا خیال ہے کہ اسمِ اعظم خواہ کچھ بھی ہو مگر جب تک اس کے پڑھنے والے کا روحانی مقام ایک معیار تک نہ پہنچ چکا ہو کسی بھی اسمِ اعظم کے پڑھنے سے فائدہ نہیں ہوتا اور جب وہ مقام حاصل ہوجائے تو ہر اسم ہی اسمِ اعظم کی طرح ہوجاتا ہے۔ بابا فرید گنج شکرؒ تین بار سورۂ اخلاص پڑھتے تو پتھر بھی سونا ہوجاتا تھا مگر ایک عام آدمی لاکھ بار بھی پڑھے تو یہ اثر نہیں ہوسکتا۔ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ نے خود فرمایا "زبانِ فریدبیار" یعنی فریدؒ کی زبان بھی لاؤ گے تو یہ اثر ہوگا۔

حضرت اسماعیل شاہ صاحبؒ کرمانوالے کے نزدیک درود شریف ہی اسمِ اعظم ہے فرماتے ہیں کہ جس کام کے لئے میں ایک بار بھی درود شریف پڑھوں تو وہ کام ہوجاتا ہے نیچے دی گئی عبارات میں مختلف لوگوں کے خیالات کو پیش کیا جارہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

i)۔ اسمائے خمسہ: انوارالاولیاء میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے فرمائے ہوئے پانچ اسماء لکھے گئے ہیں اور ان میں اسمِ اعظم کے اثرات ہونے کے متعلق عرب ممالک کے لوگوں نے تصدیق کی ہے۔ فتوحاتِ مکیہ میں ابنِ عربی نے بھی ان اسماء کے رموز و فوائد کے متعلق بہت لکھا ہے اور حضرت غوث پاکؒ نے بھی یہ وظیفہ مدتوں کیا ہے۔ ہر نماز کے بعد ان کا ورد کیا جائے۔ وہ اسماء یہ ہیں۔

(۱) یااللہ (۲) یارحمٰن (۳) یارحیم (۴) یاحیّ (۵) یاقیوم

ان کے پڑھنے کی تعداد ایک سے سات ہزار تک روزانہ ہے۔ قلائد الجواہر جو حضرت غوث الاعظمؒ کی اولاد میں ایک بزرگ نے لکھی ہے اس میں سیدنا غوث الاعظمؒ کا فرمان ہے کہ لفظِ "اللہ" اسمِ اعظم ہے مگر اس کا اثر اس وقت معلوم ہوتا ہے جب طالب کے دل میں اللہ کے سوا کچھ نہ ہو۔ عرفان کی دنیا میں "اللہ" کا اسم "کُنْ" کی طرح ہے یعنی جس طرح اللہ نے "کُنْ" سے کائنات پیدا فرمائی۔ اسی طرح کائنات معارف میں لفظِ "اللہ" کی شان ہے۔ اللہ کا لفظ وہ عظیم نام ہے جس سے ہر مہم آسان اور ہر غم و فکر دور ہوجاتا ہے اور جو اللہ کا مشتاق ہو جاتا ہے اللہ اس کا مشتاق ہوجاتا ہے۔ حضرت غوث الاعظمؒ فرماتے ہیں کہ تم اسے (اللہ کو) شوق و اشتیاق سے یاد کرو وہ قرب اور وصال سے تمہیں یاد کرے گا تم حمد و ثناء سے اسے یاد کرو وہ انعام و احسان سے تمہیں یاد کرے گا، تم بغیر غفلت کے اسے یاد کرو وہ بغیر مہلت کے تمہیں یاد کرے گا، تمہاری یاد میں ندامت ہو اس کی یاد میں عنایت و کرامت ہوگی۔ تم اسے تنگدستی میں یاد کرو وہ تمہیں فراخدستی سے نوازے گا، تم اسے صدق سے یاد کرو وہ تمہیں رزق سے یاد کرے گا، تم اسے تنہا یاد کرو وہ تمہیں اپنی تنہائی میں یاد کرے گا، تم اسے مجلس میں یاد کرو وہ

تمہاری مجلس سے بہتر مجلس میں یاد کرے گا تم اسے ہر جگہ یاد کرو وہ بھی تمہیں ہر جگہ یاد کرے گا۔

قرآن مجید کی سورۃ المزمل میں ہے "وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ" (اپنے رب کے نام کا ذکر کرو) اس میں بھی رب سے اسمِ ذات یا اسمِ اشارہ مراد ہے اور یہی اسمِ اعظم ہے، اس میں جذب و کشش اور تاثیرِ فنا و بقا ہے، اس کا ہر ہر حرف ذات اَحدیت پر دلالت کرتا ہے۔ اگر "اللہ" کے الف کو دیکھو تو اللہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اگر الف ہٹا دیا جائے تو "للہ" رہ جاتا ہے اور اگر "ل" بھی ہٹا دیں تو "لہ" رہ جاتا ہے۔ وہ بھی اللہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور دوسرا ل ہٹا دیں تو "ہٗ" بھی اللہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اسمِ "اللہ" کی طرف نسبت رکھتی ہیں جیسے فرمایا "وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى" (الاعراف:۱۸۰) (اللہ تعالیٰ کے بہت اچھے اچھے نام ہیں)۔ اللہ کا نام اسمِ ذاتی ہونے کی وجہ سے تمام صفتوں پر حاوی ہے۔ کسی ایک صفت پر نہیں اس لئے اس نام میں بے چونی اور چگونی ہے یعنی اللہ بے مثل ہے جیسا کہ قرآن میں فرمایا "سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ" (یعنی پاک ہے آپ کا رب جو عزت کا مالک ہے ان (ناسزا) باتوں سے جو وہ کہا کرتے ہیں) (الصّٰفّٰت:۱۸۰)۔

ii)۔ کثرتِ درود شریف: صوفیاء کرامؒ نے لکھا ہے کہ کثرت سے درود شریف پڑھنا اسمِ اعظم کی تاثیر رکھتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ درود شریف کے بغیر دعا معلق رہتی ہے۔ کثرت سے درود شریف پڑھنے والا شخص اگر چہ بیعت نہ بھی ہو تو اس کے درود سے اس کو اس قدر فائدہ ہوگا جس طرح شیخ متصرف سے ہوتا ہے۔ اس کی ہر مُراد پوری ہوتی ہے حتیٰ کہ بیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوتی ہے (راقم الحروف کی تصنیف "اسلام و رُوحانیت اور فکرِ اقبال" میں درود شریف کے باب کا مطالعہ فرمائیں)۔

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو بزرگی کیسے ملی تو انہوں نے بتایا کہ مجھے ایک ایسا شخص ملا جس نے کہا کہ میں تم سے بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ میں بزرگ تو نہ تھا مگر اس کے اصرار پر اسے بیعت کرنا پڑا۔ اس نے پوچھا کہ میں کیا ورد کروں، میں نے اسے کہا کہ درود شریف پڑھا کرو، اس نے کثرت سے درود پڑھنا شروع کیا۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں قبر میں ہوں اور اس میں سخت اندھیرا ہے۔ کچھ دیر بعد مجھے ایک روشنی کا نقطہ سا نظر آیا جو رفتہ رفتہ بڑا ہوتا گیا اور میری طرف بڑھتا ہوا آرہا تھا حتیٰ کہ میری قبر روشن ہو گئی۔ دیکھا تو وہی شخص درود شریف پڑھ رہا تھا اور اس کے درود کا یہ فیضان مجھے دکھایا گیا۔ وہ بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ جب میرے مرید نے درود شریف پڑھا تو میری قبر میں روشنی ہو گئی اور اگر میں خود درود شریف پڑھوں گا تو اس کا اثر کس قدر زیادہ ہوگا۔ اس کے بعد میں نے کثرت سے عبادت کرنا شروع کر دی اور میری اپنی زندگی کے شب و روز بدل گئے۔

iii)۔ یا حی و یا قیوم: تفسیر ابن کثیر میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اللہ پاک کا اسمِ اعظم "اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ" ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ جنگِ بدر میں سخت بے چینی اور بے قراری کے عالم میں سرور

کائنات ﷺ سجدے میں دعا فرماتے تھے تو اسی اسمِ اعظم ''اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ'' کو زبان سے تلاوت فرماتے۔[1]
حی کے معنی زندہ کے ہیں اور قیوم وہ ذات ہوتی ہے جو زندہ بھی ہو اور دوسروں کو بھی زندہ رکھ سکے۔ ترمذی میں روایت ہے کہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''اِسْمُ اللّٰہِ الْاَعْظَمُ فِیْ ھَاتَیْنِ الْاٰیَتَیْنِ'' (اسمِ اعظم ان دونوں آیتوں میں ہے)۔ (i) وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۚ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ (ii) اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔[2]

حاکم میں بروایت ابی امامہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ ''اِنَّ اِسْمَ اللّٰہِ الْاَعْظَمَ فِیْ ثَلَاثِ سُوَرٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ فِیْ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ، وَآلِ عِمْرَانَ، وَطٰہٰ'' (اسمِ اعظم تین سورتوں سورۂ البقرہ، سورۂ آلِ عمران اور سورۂ طٰہٰ میں ہے)۔[3] حضرت قاسم فرماتے ہیں کہ میں نے تلاش کرنے کے بعد معلوم کیا وہ صرف ''اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ'' ہے۔
حضرت آصف بن برخیا کی دعا یہ تھی جس سے بلقیس کا تخت پلک جھپکنے میں وہ لے آئے۔ ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّكَ اَنْتَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الطَّاھِرُ الْمُطَھِّرُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَةِ الْکَبِیْرُ الْمُتَعَالُ الْمَنَّانُ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاَنْ تَفْعَلَ بِیْ کَذَا وَکَذَا''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''اِذَا اَھَمَّهُ الْاَمْرُ رَفَعَ رَاْسَهٗ اِلَی السَّمَاءِ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَاِذَا اجْتَھَدَ فِی الدُّعَاءِ قَالَ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ'' (جب کوئی امرِ عظیم پیش آتا تو حضور ﷺ آسمان کی طرف سر اٹھاتے اور جب دعا میں زیادہ مبالغہ کرتے تو یہ فرماتے ''اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ'')[4] اور ترمذی شریف میں تو یہ فرمایا ''یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اَسْتَغِیْثُ''[5]

iv)۔ اللہ تعالیٰ کا سوواں نام: ابریز میں ہے کہ اسمِ اعظم ننانوے ناموں میں سے نہیں بلکہ وہ سوواں نام ہے مگر اسمِ اعظم کے بیشتر معانی ۹۹ اسماء الحسنیٰ میں پائے جاتے ہیں اور وہ بندے کی ذات کا ذکر ہے زبان کا نہیں۔ لہٰذا جب بندے کی ذات سے نکلتا ہے تو اس سے اس طرح آواز نکلتی ہے جس طرح پیتل کی آواز ہے۔ یہ ذکر ذات کے لئے بڑا ثقیل معلوم ہوتا ہے چنانچہ ذات دن بھر میں ایک یا دو بار سے زیادہ اس کا ذکر نہیں کرسکتی۔ ذات مشاہدۂ تامہ کے بغیر یہ ذکر نہیں کرسکتی اور جب ذکر کرتی ہے تو اس کی ہیبت اور خوف کے مارے تمام عالم مفقود ہوجاتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام میں اس کے برداشت کی طاقت تھی وہ دن میں چودہ بار اس کا ذکر کرتے تھے، وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

---

[1] تفسیر الکبیر، جلد ۱۷، صفحہ ۵۷۔
[2] سنن الترمذی، حدیث ۳۴۷۸، جلد ۵، صفحہ ۵۱۷۔
[3] المستدرک، حدیث ۱۸۶۱، جلد ۱، صفحہ ۶۸۴۔
[4] تفسیر الکبیر، جلد ۱۷، صفحہ ۵۷۔
[5] سنن الترمذی، حدیث ۳۵۲۴، جلد ۵، صفحہ ۵۳۹۔

v)۔ یا ذا الجلال والاکرام: الترغیب والترہیب میں ہے کہ ایک بزرگ شخص نے اللہ کے دربار میں عرض کی کہ الٰہی مجھے وہ اسم اعظم بتا جس کی برکت سے دُعا قبول ہوجائے۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ آسمان کے ستاروں میں یہ لکھا ہے۔ ''یَا بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ''[1]

ایک شخص نے دعا میں یہ کہا ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَاحَیُّ یَا قَیُّوْمُ'' تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص نے اسم اعظم کے ذریعے دُعا مانگی ہے۔[2] ایک اور دعا کے لئے بھی آپ ﷺ نے یہی فرمایا وہ دعا یہ ہے۔ ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ بِاَنِّیْ اَشْھَدُ اَنَّکَ اَنْتَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ'' فرمایا جب اللہ سے ایسے اسم کے ذریعے حاجت مانگی جائے تو خدا اسکو پورا کر دیتا ہے۔[3] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ''اَلِظُّوْا بِیَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ'' (یاذا الجلال والاکرام کے ساتھ چمٹ جاؤ)۔[4]

vi)۔ آیتِ کریمہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایک چیز سے آگاہ کر دوں کہ جب تم میں سے کسی پر کوئی مصیبت نازل ہوتو اس چیز کے ذریعہ سے خداوند کریم اس کی مصیبت کو دفع کرے؟ وہ یہ دعا ہے۔ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ'' (الانبیاء: ۸۷) (تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیری ذات پاک ہے، بے شک میں ہی (اپنی جان پر) زیادتی کرنے والوں میں سے تھا)۔[5]

ترمذی کی روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ''حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام کی دعا جو آپ نے مچھلی کے پیٹ میں کی تھی کہ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ''[6] قبولیت اور رنج وغم کے دفع کرنے کیلئے اکسیرِ اعظم ہے۔ قرآن میں فرمایا ہے کہ ''یونس علیہ السلام نے اندھیروں میں پکارا تو ہم نے اس کو غم سے نجات دی اور اسی طرح ہم مومنوں کو بھی نجات دیتے ہیں'' (الانبیاء: ۸۸)۔ روایات میں ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو چار اندھیروں نے گھیرا تھا ایک رات کا اندھیرا، ایک دریا کے پانی کا اندھیرا، ایک مچھلی کا اندھیرا اور ایک دوسری مچھلی کا اندھیرا جس نے پہلی مچھلی کو کھا لیا تھا۔ قرآن میں وارد ہے کہ اگر حضرت یونس علیہ السلام یہ دعا نہ مانگتے اور استغفار نہ کرتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔ فرمانِ الٰہی ہے کہ ''فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ۝ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ

---

[1] الترغیب والترہیب، حدیث ۱۶۴۱، جلد ۲، صفحہ ۱۳۰۔

[2] سنن ابی داود، حدیث ۱۴۹۵، جلد ۲، صفحہ ۷۹۔

[3] صحیح ابن حبان، حدیث ۸۹۱، جلد ۳، صفحہ ۱۷۳۔

[4] المستدرک، حدیث ۱۸۳۶، جلد ۱، صفحہ ۶۷۶۔

[5] المستدرک، حدیث ۱۸۶۴، جلد ۱، صفحہ ۶۸۵۔

[6] سنن الترمذی، حدیث ۳۵۰۵، جلد ۵، صفحہ ۵۲۹۔

یُبۡعَثُوۡنَ'' (الصفت: ۱۴۲) (پس نگل لیا ان کو مچھلی نے در آنحالیکہ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے پس اگر وہ اللہ کی پاکی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو پڑے رہتے مچھلی کے پیٹ میں قیامت کے دن تک)۔

قارئین کی اطلاع کے لئے یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ اسم اعظم کا علم صرف ان ہی لوگوں کو دیا جاتا ہے جو اسے ذرا ذرا سی بات پر استعمال کرنے کی خواہش نہ رکھتے ہوں۔ ایسے لوگوں کے لئے مٹی اور سونا ایک جیسا ہوتا ہے بلکہ مٹی کو وہ سونے سے بھی بہتر جانتے ہیں۔ حقیقتاً ایسے لوگوں کو اسم اعظم کی طرف رغبت نہیں ہوتی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک مرید نے اپنے شیخ سے اسم اعظم پوچھا تو شیخ نے اس کو اس ارادے سے منع فرمایا مگر وہ بضد رہا۔ ایک روز شیخ نے کہا اچھا آج شام کو شہر کے دروازے پر جا کر کھڑے ہو جاؤ اور جو واقعہ دیکھو اسے میرے پاس آ کر بیان کرو۔ اس مرید نے دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص لکڑیوں کا گٹھا سر پر رکھ کر لا رہا تھا کہ پولیس والے نے اسے زد و کوب کیا اور لکڑیاں بھی چھین کر لے گیا۔ شیخ نے مرید کو بتایا کہ اس بوڑھے شخص نے جسے پولیس والے نے مارا پیٹا تھا وہ میرا استاد تھا اور میں نے اسمِ اعظم اس بوڑھے شخص سے ہی سیکھا تھا۔ فرمایا اس کا صبر دیکھو کہ اس نے اتنے برے سلوک کا بدلہ نہ لینا چاہا اور مار کھانے کے بعد بھی اسم اعظم کو استعمال نہیں کیا۔

روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بیس سال تک خدمت کی اور آپ علیہ السلام سے اسم اعظم معلوم کرنے پر اصرار کرتا رہا۔ آخر ایک روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے اسم اعظم بتلا دیا۔ وہ شخص اسم اعظم لے کر حضرت سے رخصت ہو گیا اور اپنے گھر چلا گیا۔ راستے میں ایک مردہ شیر کی ہڈیوں کا ڈھانچہ دیکھا، اس کے دل میں خیال آیا کہ اسمِ اعظم کو آزما کر تو دیکھوں، جب اس نے اسم اعظم پڑھا تو شیر زندہ ہو گیا اور چونکہ اس کو ایک مدت سے کوئی خوراک نہ ملی تھی اس لئے شیر نے اس شخص کو ہی کھا لیا۔ صوفیاء کا قول ہے کہ اس نے شیر کو زندہ تو کر دیا مگر اس کی خوراک کا انتظام نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کو احسن الخالقین اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ بچے کو پیدا کرنے سے پہلے ماں کی چھاتیوں میں دودھ کا انتظام کر دیتا ہے اور نومولود کی ضرورت کے تمام اسباب پہلے سے ہی مہیا کر دیتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اسم اعظم صرف اس کے اہل کو ہی دیا جاتا ہے کیونکہ اگر ہر کسی کو اس کی خبر دے دی جائے تو دنیا میں طوفان برپا ہو جائے اور لوگ ایک دوسرے کو مار کر تباہ کر دیں۔

خلاصہ کلام: اسم اعظم اللہ کا ایسا نام ہے جس کو پڑھنے سے جو کہے ہو جاتا ہے اور لفظ ''کن'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسم ذات لفظ ''اللہ'' کو ہی اولیائے کرام نے اسم اعظم کہا ہے مگر جب انسان میں تمام اوصاف حسنہ پیدا ہو جائیں اور اسمائے حسنہ کے اخلاق کا کامل ہو جائے تو اس میں اسم اعظم کی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے گویا یہ زبان کی تاثیر ہے اگر کسی اور نام سے اللہ کو پکارا جائے اور عشق اور پیار سے پکارے تو بھی دعا قبول ہوتی ہے۔ مگر یہ کیفیت بہت ہی کم لوگوں میں ہوتی ہے اور اسم اعظم کی کیفیت تو لاکھوں میں سے ایک کو بھی حاصل نہیں ہوتی۔ اس پر بہت بحث کی گئی ہے مگر طوالت کی وجہ سے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۵۔ مقاماتِ متبرکہ

بعض مقامات کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔ یہ دعا کی قبولیت کے اسباب میں سے ہے کہ مقاماتِ متبرکہ میں دعا کی جائے مثلاً روضہ اطہر' خانہ کعبہ اور مکہ معظمہ میں پندرہ مقامات ایسے ہیں جہاں دُعا قبول ہوتی ہے (تفصیل کے لیے خانہ کعبہ کا باب دیکھیں) میدانِ عرفات' کوہِ صفا و مروہ یا مزدلفہ، بیت المقدس وغیرہ کے مقامات پر دعا قبول ہونے کے زیادہ امکانات ہیں۔ یہ تمام مقامات احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہیں۔ ایک حدیث میں تو یہ ہے کہ خانہ کعبہ کو پہلی بار دیکھنے پر جو بھی دُعا مانگی جائے قبول ہوتی ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے جب بی بی مریم علیہا السلام کو دیکھا کہ بے موسم پھل ان کے محراب میں پڑے ہیں حالانکہ حجرہ مقفل تھا تو آپ نے یہ دریافت کیا اے مریم یہ پھل کہاں سے آئے تو آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے آئے ہیں، آپ نے اسی مقام پر دعا کی جو قبول ہوئی، جسے قرآن نے یوں بیان کیا ہے۔ "هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَآءِ" (وہیں دعا مانگی زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے عرض کی، اے میرے رب مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما) (آلِ عمران: ۳۸)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مبارک مقام اور مبارک وقت میں کسی اللہ کے محبوب کے پاس کھڑے ہو کر جو دعا مانگی جاتی ہے اللہ اسے اپنے فضل سے منظور فرماتا ہے۔ معین الدین چشتیؒ کا حضرت علی ہجویریؒ کے مزار پہ چلہ کرنا بھی اسی نوعیت سے تھا، اس قسم کے چلّے اور بہت سے بزرگوں سے بھی ثابت ہیں۔ دعا تو ہر جگہ قبول ہو سکتی ہے مگر مقامات متبرکہ کی اور ہی بات ہے۔ بہت سے بزرگوں کا صخرہ بیت المقدس میں کچھ عرصہ معتکف ہونا منقول ہے اور اعتکاف جو فرض کفایہ ہے بھی اسی اصول کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

۶۔ اوقاتِ قبولیت

احادیث اور بزرگوں کے اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ کچھ اوقاتِ قبولیت ایسے ہوتے ہیں جن میں جو دعا مانگی جائے قبول ہوتی ہے۔ حضورِ قلب اگر کسی کو حاصل ہو یا کسی ولی اللہ پر خاص قربِ الٰہی کے آثار ظاہر ہوں تو بھی دعا قبول ہوتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے خدا کا بحرِ کرم جوش میں ہو (جو اکثر اولیاء کرام کو معلوم ہو جاتا ہے) اس وقت بھی دعا قبول ہوتی ہے۔ کبھی اللہ تعالیٰ ولی اللہ کو خود کہتا ہے کہ مانگو کیا چاہتے ہو؟ اس وقت جو مانگا جائے مل جاتا ہے۔ کبھی ولی اللہ پر ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے جب وہ بہ اِذنِ الٰہی کرم کرنے پہ مائل ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کوئی ان سے کچھ مانگے تو اس وقت اگر ان سے کوئی دعا کے لئے کہے تو وہ پوری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح خدا جانے کتنے ہی اوقات آتے ہیں جن میں دعا قبول ہوتی ہے۔

پروفیسر محمد بخش توکلیؒ نے جو (جو خلیفہ حضرت سائیں توکل شاہ صاحبؒ بھی تھے) نے اپنی تصنیف

اولیائے نقشبند میں لکھا ہے کہ حضرت توکل شاہ صاحبؒ اپنے ایک مرید بہرام خان نامی کے ساتھ لدھیانہ کی کوتوالی کے سامنے سے گزرے تو اس مُرید سے فرمانے لگے کہ کیا تمہیں اس جگہ کا کوتوال مقرر کر دیں؟ مرید نے عرض کیا حضور میں کوتوال بننا پسند نہیں کرتا، مجھے اپنی خدمت میں ہی رہنے دیں۔ فرمایا نہیں جو مرضی ہے کہو اب تو ہم نے تمہیں کوتوال بنا دیا ہے۔ دوسرے دن وہاں کے انگریز حاکم نے ان کو طلب کیا اور اس جگہ کا کوتوال مقرر کر دیا، کوئی وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت ولی اللہ کے منہ سے نکلی ہوئی بات پوری ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ تو ولی کامل ہوتے ہیں۔ امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے سر میں کبھی درد ہوتا تو اپنے مریدوں سے کہتے کہ تم میرے لئے دعا کرو، تم طالبِ مولا ہو، تمہاری دعا قبول ہوگی۔ جب مرید آپ کی عزت کرتے تو فرماتے کہ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں تم لوگوں کا حسنِ ظن ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ مجھے تمہارے اس حسنِ ظن سے بخش دے۔

حضرت خواجہ حسن رسول نماؒ کا واقعہ ''تربیت العشاق'' میں لکھا ہے کہ ان کے ایک مُرید سخت غربت میں تھے اور ان کی بیوی ان کو سخت سست کہتی رہتی تھی اور اسے بار بار کہتی تھی کہ جا اپنے پیر سے کچھ پڑھنے کے لئے پوچھ۔ حضرت خواجہ نے اپنے مرید سے کہا کہ تم اپنی بیوی سے مجھے گالیاں دلواتے ہو، جاؤ اور جا کر پچھلے پہر ''یا باب'' کا وظیفہ کر جب وہ پڑھنے لگا تو دل میں کہنے لگا حضرت نے ''یا باب'' غلبہ حال میں کہہ دیا ہوگا۔ وہ ''یا وہاب'' کہنا چاہتے ہوں گے۔ جب اثر کچھ نہ ہوا تو بیوی نے پھر چلانا شروع کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہاری بیوی خواہ مخواہ مجھے گالیاں دیتی ہے، حالانکہ قصور تمہارا ہے۔ تم تو ''یا وہاب'' پڑھتے رہے لیکن ہم نے تمہیں ''یا باب'' پڑھنے کو کہا تھا۔ جاؤ اب ''یا بویا'' پڑھو۔ اب کے بار علمیت بکھیری تو ڈنڈا مار کے تمہارا سر پھوڑ دوں گا۔

مولوی صاحب رات کو چار بجے اٹھے اور سوچ میں پڑ گئے۔ کافی دیر کشمکش میں رہے آخر ''یا بویا'' پڑھنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد بادشاہ نے خادم بھیج کر مولوی صاحب کو طلب کیا اور اپنے بچوں کا اتالیق مقرر کر دیا اور بہت سا انعام واکرام بھی عطا کیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ یہ رسول نماؒ کون بزرگ ہیں مجھے خواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فلاں مولوی کو اپنے لڑکے کا اتالیق مقرر کر لو کیونکہ میں رسول نما کی بات نہیں ٹال سکتا۔ قصہ تو بہت لمبا ہے مگر مختصر یہ کہ حضرت رسول نماؒ نے مولوی صاحب کو بتایا تھا کہ جب تم اس شش و پنج میں تھے کہ پڑھوں یا نہ پڑھوں اس وقت رسول اللہ ﷺ تمہاری یہ کیفیت دیکھ کر تبسم فرما رہے تھے۔ میں نے آپ ﷺ کو خوش دیکھ کر موقعہ غنیمت سمجھا اور عرض کیا کہ حضور ﷺ بادشاہ کو حکم فرمائیں کہ اس کو اپنا اتالیق مقرر کرلے چنانچہ حضور ﷺ نے بادشاہ کو یہ حکم دیا۔[1]

اس واقعہ کی ذوقی صاحب نے وجہ یہ بیان کی کہ اہل اللہ اکثر اوقات کیف و مستی میں مختلف انداز سے اللہ کو یاد کرتے ہیں، ان کا یہ والہانہ انداز اللہ کو پسند آجاتا ہے۔ (حضرت بلھے شاہؒ نہ جانے کتنے سال الف،

---

[1] تربیت العشاق، صفحہ ۶۰۵، ۶۰۶۔

الف ہی پڑھتے رہے) پہلی بار حضرت رسول نماؒ کی رٹ یہ تھی میرے باب، یا باب، یا باب اور دوسری بار ''یا بویا'' کا لفظ وردِ زبان تھا۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ ان پر ایک وقت آئے گا کہ تمام سلسلے کی بخشش ان کی دعا سے ہوگی، چنانچہ وہ وقت آیا اور لوگوں نے ان سے دعا کے لئے کہا اور آپ نے دعا فرمائی (قصہ طویل ہے)۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ صوفیائے کرام کی جماعت پر رحمتِ الٰہی کا نزول تین وقتوں میں ہوتا ہے، ایک کھانے کے وقت اس لئے کہ وہ نہیں کھاتے مگر فاقے کے بعد۔ دوسرے ہم نشینی اور مکالمت کے وقت اس لئے کہ یہ حضرات انبیاء و مرسلین اور صدیقین کے مقامات میں ان کے قائم مقام ہو کر کلام فرماتے ہیں اور تیسرے سماع کے وقت اس لئے کہ یہ حضرات اس وقت حق تعالیٰ کے وجد اور شہود میں ہوتے ہیں (جب اللہ کی رحمت کا نزول ہو تو پھر دعا کیوں نہ قبول ہو)، اس قسم کے اتنے واقعات ہیں جو یہاں لکھے نہیں جا سکتے۔ چند واقعات یہاں محض معاملے کی تفہیم کے لئے دے دیئے گئے ہیں۔ یہ اولیائے کرامؒ کے قلبی احوال کی باتیں ہیں ورنہ چند مستجاب دعاؤں کے باب کے اوائل میں بیان کردہ حضرت بابا کرمانوالہ شریفؒ کا بیان جو انہوں نے اونٹ کے مل جانے کیلئے توڑی کا پانی پینے کے لئے کہا تھا تو اس سے اس اونٹ کے مل جانے سے کیا تعلق تھا یا اس شعر کا کہ ''اٹھ فریدا ستیا تیری ڈاہڑ بے نال پریت'' کا سانپ کے نہ آنے سے کیا تعلق تھا۔ اصل میں ان کے یہ اقوال اثر اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ اوقات جو قبولیتِ دعا کے لئے احادیث سے ثابت ہیں تقریباً چالیس ہیں مگر ان میں سے چیدہ چیدہ نیچے درج کئے جا رہے ہیں۔ (دیکھیں حصن حصین)

۱۔ رات کا آخری تیسرا حصہ، اگر سورۂ کہف کی آخری چار آیات ''اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ'' سے لے کر اَحَدًا تک رات کو پڑھ کر سوئے اور یہ دعا کرے کہ الٰہی قبولیت کے وقت مجھے جگا دے تو اس وقت پر فوراً آنکھ کھل جائے گی، اس وقت دعا کرے اور پھر اٹھ کر نماز تہجد پڑھے تو بہت بہتر ہوگا ورنہ دعا کر کے سو جائے۔

۲۔ اذان اور اقامت کے مابین۔

۳۔ نماز فرض کے بعد۔

۴۔ جمعہ کے دن امام کے منبر پر چڑھنے سے نماز ادا کرنے کے وقت تک۔

۵۔ جمعہ کے دن عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک، منقول ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے ایک خادمہ کی ڈیوٹی لگائی تھی کہ سورج غروب ہونے سے کچھ دیر قبل (تقریباً ۲۰ منٹ قبل) آگاہ کر دے پھر آپ اس میں دعا فرماتیں۔

۶۔ جب منہ سے نکلی بات پوری ہو جائے (تو فوراً اپنی مرضی کے مطابق دعا مانگے)۔

۷۔ شب قدر کی رات کا ایک مخصوص حصہ۔

۸۔ جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان کا وقت۔

۹۔ قرآن کی تلاوت کے بعد، درس قرآن و حدیث یا تبلیغی وعظوں کے بعد، زکوٰۃ اور خیرات کی ادائیگی کے بعد، روزہ افطار کرنے کے بعد، پنجگانہ نمازوں کے بعد، ذکر کے بعد، وعظ و نصیحت کے بعد۔

اللہ والوں کی دعاؤں کا انداز

ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ بندے کی ہر خواہش کو اس کی مرضی کے مطابق پورا کر دے مگر اللہ والے اپنی دعاؤں میں اللہ کی رضا کو تلاش کرنے کے بعد اپنی دعاؤں کو متعین کرتے ہیں۔ سرسری نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت بزرگ ہستی ہی اس قسم کا معیار اختیار کر سکتی ہے اور عام آدمی کے لئے اس میں قدم رکھنا مشکل امر ہے لیکن حقیقتاً یہ دعا کو مقبول بنانے کا بہترین اور آسان طریقہ ہے۔ اس میں صرف اس قدر خیال رکھنا ضروری ہے کہ اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے مطابق کر لیا جائے اور پھر وہی ہوگا جو آپ چاہتے ہیں۔ درج ذیل مثالوں سے بات واضح ہو سکتی ہے۔

کشف المحجوب میں ہے کہ ایک روز ایک شخص حضرت جنیدؒ کے پاس آیا جب کہ وہ بخار کی حالت میں تھے اس شخص نے کہا کہ آپ دعا کریں کہ خدا آپ کو صحت عطا فرمائے۔ فرمانے لگے میں نے کل دعا کی تھی مگر ہاتف غیب نے کہا کہ تیرا جسم خدا کی ملکیت ہے وہ تندرست رکھے یا بیمار تو دخل دینے والا کون ہے؟ اپنا تصرف ختم کر دو تا کہ بندگی کا صحیح مقام حاصل ہو۔ راقم الحروف ایک بار سخت زکام میں مبتلا ہوا تو اس کے دل میں خیال آیا کہ آج بلا وجہ ہی اس قدر سخت زکام ہو گیا ہے۔ فوراً دل میں خیال آیا کہ زکام بھی تو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے ہی بنایا ہے اور اگر اللہ کی مرضی ہے کہ زکام ہو تو پھر اس کا ہونا ہی اچھا ہے۔ دل میں اس خیال کے آنے کے چند لمحات کے بعد زکام گھٹنا شروع ہو گیا اور چند گھنٹوں کے بعد بالکل نابود ہو گیا حالانکہ اس قدر سخت زکام تین دن سے پہلے ختم نہیں ہوتا۔

ابو علی محمد القاسم الرودباریؒ فرماتے ہیں کہ مرید صرف اس چیز کی طلب کرتا ہے جو حق تعالیٰ اس کیلئے چاہتا ہے اور مراد کونین میں کسی غیر اللہ کی طلب نہیں کرتا۔ مطلب یہ کہ رضائے حق پر راضی رہنے والا اپنی مرضی کو ترک کر دیتا ہے تا کہ صحیح مرید کا مقام حاصل کر سکے۔ اہلِ محبت کی اپنی کوئی مرضی ہوتی ہی نہیں اس لئے اس کی اپنی مراد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، وہ حق کو چاہتا ہے اور وہی چاہتا ہے جو حق چاہتا ہے۔

''وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ'' (التکویر:۲۹) (اے لوگو! تم نہیں چاہ سکتے بجز اس کے کہ اللہ چاہے)۔ الغرض رضا، مقام ابتدا ہے اور محبت انتہا ہے۔ مقاماتِ تحقیق بندگی کے لئے ہیں اور مشربِ وحدانیت تائید ربوبیت کے لئے، مرید اپنی ذات میں قائم ہوتا ہے اور مُراد ذاتِ حق میں۔

حضرت علی الہجویریؒ فرماتے ہیں کہ اختیارِ حق کو اپنے اختیار پر فائق سمجھا جائے یعنی خیر و شر جو کچھ بھی ہو

اسے "مِنَ اللهِ" سمجھے اور کافی تصور کرے۔ اختیارِ حق کو اختیار کرنا اختیارِ حق سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ جب تک حق تعالیٰ بندے کو بے بس نہ کرے وہ اپنا اختیار چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتا۔ کسی نے حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ سے دریافت کیا کہ کوئی ایسی نشانی ہے جس سے دُنیا میں یہ معلوم ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ بندے سے راضی ہے۔ فرمایا کہ خدا کے راضی ہونے کی نشانی یہ ہے دُنیا میں بندہ اگر اللہ سے راضی ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ بھی اس پر راضی ہے، علامہ اقبالؒ نے مردِ مومن کی شان میں فرمایا ؎

تابعِ حق دیدنش نادیدنش خوردنش' نوشیدنش' خوابیدنش [۳۲۰]

(اس کا دیکھنا نہ دیکھنا اللہ کے تابع ہوتا ہے، اس کا کھانا، پینا اور سونا بھی خدا کے حکم کے تحت ہوتا ہے)

درخیالش مرضی حق گم شود ایں سخن کے باور مردم شود [۳۲۱]

(اس کی مرضی، مرضی حق میں گم ہوتی ہے اس بات کو لوگ کس طرح یقین کریں گے)

ان لوگوں کا شعار قرآن نے یوں بیان فرمایا ہے۔ "اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" (سورہ الانعام: ۱۶۳) (بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور مرنا (سب) اللہ کے لئے ہے)۔ اگر انسان کا ہر عمل اللہ کے لئے ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی کائنات کا ذرہ ذرہ بھی انسان کے لئے (تابع) ہو جاتا ہے۔ حضرت رابعہ بصریؒ ایک کشتی میں دجلہ سے سوار ہوئیں تو اچانک ہوا کا سخت طوفان آیا مسافروں کی چیخ و پکار اور آہ و بکا بلند ہوئی حتیٰ کے حضرت رابعہؒ بھی دعا میں مشغول ہوئیں تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص کشتی میں بہت اطمینان سے لیٹا ہوا ہے جیسے اسے طوفان کی کوئی خبر ہی نہیں۔ حضرت رابعہؒ نے اس بوڑھے سے پوچھا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ سخت طوفان آیا ہے اور قریب ہے کہ کشتی غرق ہو جائے انہوں نے جواب دیا کہ میرا اللہ ہم سب کو دیکھ رہا ہے اگر اس کی مرضی کشتی ڈبونے کی ہے تو میں کون ہوں کہ اس کی مرضی کے خلاف کچھ کر سکوں۔ اس بات نے حضرت رابعہؒ کے دل میں ایمان کی شمع روشن کر دی، حضرت رابعہؒ نے کہا کہ آپ اللہ کے حضور دعا کریں، انہوں نے اپنی چادر اٹھائی اور جس سمت سے طوفان آ رہا تھا اس سمت میں کر دی، چادر کا کرنا ہی تھا کہ ہوا تھم گئی، کشتی آرام سے چلنے لگی۔ حضرت رابعہؒ کو تجسس ہوا کہ یہ شخص ضرور اللہ کا محبوب ہے۔ جب اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ کوئی ایسی ان ہونی بات نہیں ہے، یہ تم بھی کر سکتی ہو جب حضرت رابعہؒ نے پوچھا تو اس نے کہا "تَرَكْنَا مَا نُرِيْدُ لِمَا يُرِيْدُ فَتَرَكَ مَا يُرِيْدُ لِمَا نُرِيْدُ" (جو ہم چاہتے ہیں اس کو ہم نے اللہ کی چاہت کے لئے چھوڑ دیا ہے پس اس نے اپنی چاہت کو ہمارے چاہنے کے لئے ترک کر دیا)۔

ایک اور جگہ علامہ اقبالؒ نے اس قانونِ الٰہی کا درج ذیل اشعار میں اظہار کیا ہے ؎

چوں فنا اندر رضائے حق شود بندۂ مومن قضائے حق شود [۳۲۲]

(جب بندۂ مومن اللہ کی رضا میں فنا ہو جاتا ہے تو بندۂ مومن (خود) قضائے الٰہی بن جاتا ہے)

گر بگیرد سوز و تاب از لا اله جز بکامِ اُو نہ گردد مہر و مہ [۳۲۳]

(اگر لا الٰہ کا سوز اور حرارت حاصل کر لی جائے تو اس کی مرضی کے بغیر چاند و سورج بھی گردش نہیں کرتے)

علامہ اقبالؒ فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد کی فیضانِ نظر نے مجھے اقبال بنایا ہے اور یہ سچ ہے کہ ہزار کتب ایک طرف اور باپ کی نگاہِ شفقت ایک طرف۔ فرماتے ہیں کہ اس لئے جب بھی موقع ملتا ہے تو پہاڑ پر جانے کے بجائے میں ان کی گرمیٔ صحبت سے مستفید ہوتا ہوں۔ علامہؒ کا یہ شعر بھی جملہ کائنات میں انسان کی سرداری کی دلیل پیش کرتا ہے ؎

ہر کہ عاشق شد جمالِ ذات را   اوست سید جملۂ موجودات را[۴۲۴]

(جو خدا کے حسنِ ذات کا عاشق ہو گیا (سمجھ لو کہ) تمام کائنات کا سردار بن گیا)

دعا دل کی کیفیت سے اثر انداز ہوتی ہے، اگر دل میں درج بالا اندازِ دُعا موجود ہو اور اپنی مرضی خدا کے سپرد کر دی جائے تو دعا کے قبول ہونے کے آثار زیادہ ہو جاتے ہیں۔ یہاں تو آہ کے اظہار کی بھی ضرورت نہیں، دل کو متاثر کرنے کی ضرورت ہے یعنی اگر دُعا دل سوزی کا اثر رکھے تو لب ہلانے کی بھی ضرورت نہیں۔

علامہؒ نے فرمایا ؎

آہے کہ زِ دل خیزد از بہرِ جگر سوزی است   در سینہ شکن اورا آلودہ مکن لب ہا[۴۲۵]

(جو آہ دل سے اٹھتی ہے وہ جگر سوزی کے باعث ہے اس (آہ) کی ضرب کو سینے پر لگاؤ لبوں کو آلودہ نہ کرو)

آدابِ دعا

حصن حصین میں ہے کہ آدابِ دُعا میں بعض کو رکنیت کا درجہ حاصل ہے بعض کو شرط کا اور کچھ آداب ایسے بھی ہیں کہ جن کو کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور کچھ ایسے ہیں جن سے روکا گیا ہے، آدابِ دعا یہ ہیں۔

۱۔ کھانے پینے اور کمانے میں حرام چیزوں سے پرہیز رکھنا۔

۲۔ اخلاص سے دعا کرنا۔

۳۔ دعا سے پہلے نیک کام کرنا اور سختی کے وقت اپنی کی ہوئی نیکی کو یاد کرنا۔

۴۔ پاک و صاف ہونا۔

۵۔ باوضو ہو کر دُعا کرنا۔

۶۔ رسول اللہ ﷺ پر دعا کے اول و آخر اور درمیان میں درود پڑھنا۔

۷۔ دعا سے پہلے نماز پڑھنا (یا پہلے) نفل پڑھ کر دعا کرنا۔

۸۔ دوزانو بیٹھ کر دعا کرنا۔

۹۔ دعا کے اول و آخر اللہ کی حمد و ثنا کرنا۔

۱۰۔ دعا میں قبلہ کی طرف منہ کرنا۔

۱۱۔ دونوں ہاتھوں کا پھیلانا۔

۱۲۔ دونوں ہاتھوں کا کندھوں تک اٹھانا۔

۱۳۔ دونوں ہاتھوں کا ملانا۔

۱۴۔ دعا میں باادب ہوکر عاجزی اور ذلت و مسکنت کا اظہار کرنا۔

۱۵۔ دعا کے وقت اپنی نگاہ آسمان کی طرف نہ اٹھانا۔

۱۶۔ اللہ سے اس کے اسماء ذاتی اور صفاتی کا واسطہ دے کر مانگنا۔

۱۷۔ دعا میں بہ تکلف قافیہ بندی سے پرہیز کرنا۔

۱۸۔ دعا میں خوش الحانی سے گا نا نہ گانا۔

۱۹۔ انبیاء کے وسیلہ جلیلہ سے دعا مانگنا۔

۲۰۔ اللہ کے نیک بندوں کا واسطہ دینا۔

۲۱۔ آواز کو پست رکھنا۔

۲۲۔ گناہ کا اعتراف کرنا۔

۲۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ماثورہ دعاؤں کا اختیار کرنا۔

۲۴۔ جامع دعاؤں کو اختیار کرنا۔

۲۵۔ اپنی ذات سے دعا کی ابتدا کرنا اور اپنے والدین اور مومنین کو دعا میں شامل کرنا۔

۲۶۔ انتہائی رغبت اور شوق سے دُعا مانگنا۔

۲۷۔ حضورِ قلب اور تہہ دل سے دُعا مانگنا۔

۲۸۔ ایک ہی دُعا بار بار مانگنا یعنی تین بار تکرار کرنا

۲۹۔ دعا میں اصرار اور مبالغہ کرنا۔

۳۰۔ گناہ اور قطع رحمی کی دُعا نہ کرنا۔

۳۱۔ جو چیز ازل سے ہو چکی اس کی دُعا نہ کرنا۔

۳۲۔ معدوم اور محال امر کے بارے میں حد سے تجاوز نہ کرنا۔

۳۳۔ رحمتِ خداوندی کو تنگ نہ کرنا۔

۳۴۔ اپنی تمام حاجتیں مانگنا۔

۳۵۔ دعا سننے والوں کا آمین کہنا۔

۳۶۔ دعا سے فارغ ہو کر اپنے دونوں ہاتھ منہ پر پھیرنا۔

۳۷۔ جلدی نہ کرنا کہ قبولیت میں دیر سمجھے یا یہ کہے کہ دُعا کی تھی اور قبول نہ ہوئی۔

باب نمبر ۲۸

اوراد و وظائف اور مستجاب دعائیں

اولیاء اللہ کے معمولات

یہ امر مسلم ہے کہ قبولیتِ دُعا کیلئے تاثیر کا پیدا ہونا انسان کے اعمال پر انحصار کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص کلامِ پاک کی روزانہ تلاوت کرتا ہے تو اس کلام کا اثر قاری کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔ عملیات کرنے والے شعبدہ باز اسی بات سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور چلوں کی مدد سے کسی نہ کسی کلام کے عامل بن جاتے ہیں۔ غیر مسلم مذاہب کے لوگ بھی قرآن کی آیات کی اس قدر تلاوت کرتے ہیں کہ اس کے اثر سے فیض یاب ہو کر کچھ خلافِ عادت امور کا اظہار کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں اور ان نورانی الفاظ کے انوار کا مظہر بن جاتے ہیں اور اس وجہ سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کر لیتے ہیں۔ قرآنی اور دیگر نورانی الفاظ سے نکلنے والی لہروں کا ذکر تو پہلے ہو چکا ہے۔ ان لہروں کے تذکرے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حروف سے نکلنے والی لہریں اپنا اثر دکھاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص سورہ فاتحہ کی ۴۱ تا ۸۱ بار روزانہ تلاوت کرے تو اس کے اس کلام سے بیماروں کو شفا حاصل ہو سکتی ہے اور اسی نسبت سے سورۂ فاتحہ کو سورۂ شفا بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح ہر سورۃ کا اپنا الگ اثر ہے۔ جہاں عام لوگ کچھ آیات کا ورد روزانہ جاری رکھتے ہیں تو وہاں اللہ والے بھی اپنے معمولات میں کچھ نوافل' تلاوت کلامِ پاک' ذکر و اذکار' تسبیح' تہلیل' درود شریف' اسمائے الٰہی' مخصوص آیاتِ قرآنی کا ورد اور توبہ استغفار وغیرہ کو شامل کرتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں عملیات کا کمال حاصل کرنا مُراد نہیں ہوتا بلکہ قربِ الٰہی' اللہ کی رضا' مخلوق کی خدمت اور بلندیٔ درجات کو حاصل کرنا ہوتا ہے۔ ان کے اثرات عاملوں کے حاصل کردہ اثرات سے کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ ہوتے ہیں۔ یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ اگر کوئی کامل بزرگ کسی بیمار کو ہاتھ ہی لگا دے یا اپنی نظر کا رُخ اس کی طرف کر دے تو مریض شفایاب ہو جاتا ہے۔ کچھ پڑھ کر دم کرنا ان کیلئے ضروری نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عاملین تو محض ایک دو عملیات سے مؤکلات کو قابو کر لیتے ہیں لیکن اللہ والوں کو اللہ کی طرف سے تصرف کرنے کی اجازت مل جاتی ہے چنانچہ ان کے کمالات کا دائرہ ان سے کئی گناہ زیادہ اور وسیع تر ہوتا ہے بلکہ ایک مقام پر تو زمین اور آسمان اللہ والوں کیلئے مسخر کر دیئے جاتے ہیں۔ اسی لئے ان اولیائے کرامؒ کو عاملین نہیں بلکہ کاملین میں شمار کیا جاتا ہے اور ان کا فیض اور دائرہ اثر لامتناہی اور لامحدود ہونے کی وجہ سے کاملیت کا درجہ اختیار کر لیتا ہے۔ ان دونوں کے درجہ کمال میں فرق اتنا ہوتا ہے کہ جہاں عاملین کی انتہا ہے وہاں سے کاملین کی ابتداء ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ اوراد و وظائف کا جاری رکھنا عوام کا کام نہیں بلکہ خواص کی

عادت میں شامل ہے۔عوام میں بھی سب تو کہاں کچھ لوگ ہی ایسے ہوتے ہیں جو نماز، روزہ اور تلاوت کلامِ پاک کے بھی پابند ہوتے ہیں اور تھوڑی بہت محنت اور ریاضت کو اختیار کر کے اسی کو ہی کافی سمجھتے ہیں مگر خاص الخاص اولیائے کرامؒ اپنے ہر لحہ کو یادِ الٰہی سے آباد رکھتے ہیں، ان کے ہر سانس کے آنے اور جانے کے ساتھ ذکرِ الٰہی جاری رہتا ہے، ان کے اوقات جچے تلے اور گنے چُنے ہوتے ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت جنیدؒ کچھ غمگین بیٹھے ہوئے تھے۔حضرت جریریؒ نے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ آج مجھ سے ایک ورد نہ ہو سکا۔حضرت جریریؒ نے کہا کہ ایک ورد رہ گیا ہے تو کیا ہوا؟ اسے دوسرے وقت میں کر لیں۔حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ اوقات تو گنے چُنے ہوتے ہیں (جو ورد رہ جائے اس کیلئے دوبارہ وقت ہی کب ملتا ہے)۔روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت جنیدؒ جب بوڑھے ہو گئے تو وظائف کی تکمیل ان کیلئے خاصی مشکل ہو گئی۔لوگوں نے مشورہ دیا کہ جوانی کے وظائف کو اب ترک کر دیا جائے۔آپ نے فرمایا کہ جن وظائف کے ذریعے مجھے یہ رُتبہ ملا ہے اب میں انہیں کیسے ترک کر دوں؟ چنانچہ آخری دم تک آپ کا سلسلہ اوراد جاری رہا۔یہ بات مشاہدے میں آ چکی ہے کہ اولیائے کرامؒ جو وظائف اپنی زندگی میں شروع کرتے ہیں اور تمام عمر اس پر استقامت حاصل کر لیتے ہیں تو مشکل اوقات میں بھی اللہ تعالیٰ ان کو اپنے معمول کے مطابق وظائف کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرماتے ہیں بلکہ ان کے مرنے کے بعد بھی ان اوراد کا ثواب ان کے اعمال نامے میں شہیدوں کے اعمال کی طرح جاری رکھا جاتا ہے۔ (وبِاللّٰہِ التّوفیق)

وظائف سے پیدا ہونے والے احوال

تمام عبادات اور وظائف قلب پر احوال پیدا کرتے ہیں اس لئے مُریدین کو سخت مجاہدات کرتے رہنے کا حکم دیا جاتا ہے۔مراقبہ سے یقین کی صفائی پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے غیب کی چیزوں کو دیکھا جاتا ہے۔عبادات سے مُریدین میں احوال اور واردات پیدا ہوتے ہیں اور ان مجاہدات سے مشاہدات کی سعادت پیدا ہوتی ہے اور اسرارِ کائنات سالک پر کھلتے ہیں۔جو مُرید اپنے ان احوال اور واردات کو نہ پرکھے وہ طریق تصوف کا سالک نہیں ہے۔حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص نفس کو روزہ، نماز اور مجاہدات میں مشغول نہیں کرتا یعنی ریاضت کا عادی نہیں بناتا وہ ایسی بات کی تمنا کرتا ہے جس کیلئے وہ موزوں نہیں ہے۔

ہر بندے کا ایک اپنا مقام ہوتا ہے جو عبادات کے باعث اسے اللہ کے سامنے حاصل ہوتا ہے۔جیسے فرشتوں کیلئے فرمایا۔''وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ'' (الصافات: ۱۶۴) (ہم میں سے ہر ایک کا ایک متعین شدہ مقام ہے) مثلاً انتباہ، انابت، ورع، ارادت، فقر، صدق، تصبّر (یعنی نفس کو قید کرنا) صبر (شکوے کا ترک کرنا) رضا، اخلاص اور پھر توکل کا مقام ہر بزرگ کو اپنی استطاعت کے مطابق حاصل ہوتا ہے۔سالک کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنا محاسبہ کرے اور معلوم کرے کہ میرا کیا مقام ہے۔مشائخ کا قول ہے کہ جب کوئی ذکر لَآ اِلٰهَ

اِلَّا اللّٰہُ کرتا ہے تو عرش عظیم حرکت میں آجاتا ہے کیونکہ کلمہ طیبہ جبروت سے ہے اور اس کی نسبت ملک سے ہوتی ہے، اس لئے یہ ملکوت کی طرف صعود کرتا ہے۔ ''اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ'' (فاطر:۱۰) (اس کی طرف بڑھتا ہے پاک کلام اور نیک عمل پاکیزہ کلام کو بلند کرتا ہے)۔ مشائخ کا قول ہے کہ اگر کوئی کلمہ طیبہ صبح کے وقت ۱۰۰۰ بار پڑھے تو رزق میں برکت ہوتی ہے دوپہر کو پڑھے تو شیطان شکست خوردہ ہو کر باطن سے نکل جاتا ہے اور اگر کوئی اس نیت سے ۱۰۰۰ بار پڑھے کہ اس پر غیب کی باتیں ظاہر ہو جائیں تو اس کیلئے ایسی باتیں کھل جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اس پر ملکوت کے پردے کھول دیتا ہے۔ اسی طرح ہر کلام کا اپنا اثر ہوتا ہے اور سالک جس قدر محنت کرے اس کیلئے اتنے ہی عروج کے زینے کھول دیے جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ الحارثؒ کا قول ہے کہ جس نے مراقبہ اور اخلاص کے ذریعے اپنا باطن درست کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو مجاہدہ اور اتباع سنت سے مزین کر دیتا ہے۔ انسان کی روح میں جسم کے مقابلے میں بہت زیادہ لطافت اور نورانیت ہوتی ہے مگر ان مجاہدات سے جسم میں بھی لطافت بڑھنا شروع ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کی ارواح اور جسموں میں یکساں نورانیت اور لطافت موجود ہوتی ہے۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ''اَرْوَاحُنَا اَجْسَامُنَا وَ اَجْسَامُنَا اَرْوَاحُنَا'' (ہماری روحیں جسموں کا حکم رکھتی ہیں اور ہمارے اجسام روحوں کا حکم رکھتے ہیں)۔ سالک کیلئے لازم ہے کہ وہ اپنے دل سے دریافت کرے کہ اللہ کی معرفت کیلئے حاصل ہوتی ہے پھر اس کے احکام پر عمل کرے اور اگر اس طرف توجہ نہ دے اور مجاہدات نہ کرے تو (شاہ عبدالعزیز دباغؒ فرماتے ہیں کہ) ایسے شخص پر نورِ حق نازل نہیں ہو سکتا۔ مجاہدات کیلئے راقم الحروف کی دوسری کتابوں میں اور خاص طور پر ''اسلام روحانیت اور فکرِ اقبال'' میں مفصل بیان دے دیا گیا ہے۔ یہاں صرف اس قدر بتا دینا ضروری ہے کہ وظائف کی ادائیگی کیلئے مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھا جائے تو بہتر نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

۱۔ وظائف کا انتخاب اپنے شیخ کے حکم پر اور اپنی استطاعت کے مطابق کریں اور وظائف کی مقدار اس قدر تجویز کریں جو آپ روزانہ ادا کر سکیں۔

۲۔ وظائف میں ایک روز کا ناغہ بھی روا نہیں۔ جس روز مرید اپنے وظائف ترک کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی امداد اس پر بند کر دیتا ہے۔ ایک دن کے ناغے سے ہی اثرات میں زبردست کمی واقع ہو جاتی ہے۔

۳۔ وظائف کی ادائیگی کیلئے ابتدائی ۴۰ دن تک ایک وقت اور ایک جگہ مقرر کریں تو اس سے بہتر نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ چالیس دن کے بعد اگر جگہ اور وقت میں تبدیلی ہو تو مضائقہ نہیں البتہ بہتر صورت یہی نظمِ اوقات و مقامات وظائف کو برقرار رکھنا ہے۔

۴۔ جو واردات ظاہر ہوں اپنے شیخ کے علاوہ کسی سے بیان نہ کریں اور اپنے شیخ کے حکم کے بغیر کوئی وظیفہ اختیار نہ کریں۔

۵۔ وظائف کے اعداد کا خاص خیال رکھیں کہ مقررہ تعداد سے نہ تو زیادہ ہوں اور نہ کم۔

سلسلہ نقشبندیہ موہڑوی ثم نیروی کے مطابق راقم الحروف نے جو ہدایات جاری کی ہیں وہ قارئین کی معلومات کیلئے نیچے بیان کی جارہی ہیں۔ یاد رہے کہ وظائف کی ادائیگی کے بارے میں یہ نہ کہے کہ یہ قرآن اور حدیث کی رو سے ضروری نہیں بلکہ قرآن اور حدیث میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے جس کا ذکر تصوف کی کتاب ''اسلام رُوحانیت اور فکر اقبالؒ '' میں کیا گیا ہے۔ قرآن کی آیات کا پڑھنا شفا ہے اور اوراد و وظائف کی پابندی کے بغیر کسی کو مقامات بلند میسر نہیں ہوتے۔ پیغمبروں کا اوراد کا پابند ہونا بھی ثابت ہے' بلکہ ان کا تو ہر لمحہ یادِ الٰہی میں گزرتا ہے۔ حضور ﷺ کا دن میں ستر بار استغفار کرنا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اوراد پڑھنا ثابت ہے۔

قرآن مجید میں آدم علیہ السلام کیلئے کچھ کلمات کا تجویز کیا جانا ایک معقول ثبوت مہیا کرتا ہے جس کا ذکر سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۳۷ میں ہے ''فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ'' اور سورۃ الدہر ''يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ'' میں عباداتِ غیر واجبہ کو اپنے اوپر واجب کرنے کا ذکر ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو کچھ دُعائیہ کلمات تلقین فرمائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے کچھ پڑھنے کیلئے درخواست کی تو انہیں کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے پڑھنے کا حکم ہوا۔ سورۃ مزمل میں حضور ﷺ کا رات کے اکثر حصے میں قیام کرنا انہی مجاہدات کی طرف دلالت کرتا ہے۔ درود شریف کے پڑھنے کا قرآن مجید میں حکم ہے۔ مشائخ کرامؒ جانتے ہیں کہ جو شخص مجاہدات نہیں کرتا اسے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

ضرورتِ وظائف

انبیاء کرام اور اولیاء کرامؒ کا معمول رہا ہے کہ وہ ہمہ وقت اللہ کی یاد میں محو رہتے ہیں اور امورِ دنیا کے اندر ہوتے ہوئے بھی یادِ الٰہی سے غافل نہیں رہتے۔ اللہ والوں کا طریقہ کچھ یوں چلا آتا ہے کہ ابتدائی ایام میں حصولِ روحانیت کیلئے کچھ عرصہ پہاڑوں، غاروں یا مسجدوں میں ''وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا'' کے مصداق معتکف رہتے ہیں۔ اسلام میں اعتکاف کا منشاء بھی یہی خلوت نشینی اور خدا کی طرف یکسوئی حاصل کرنا ہے۔ آج بھی اولیائے کرامؒ اپنے لئے ابتدائی ایام میں کچھ وظائف کی مدد سے خدا کی یاد کے قیمتی موتی اکٹھے کرتے ہیں اور اس طرح کچھ عرصے کے بعد ان کا قلبی میلان اور رجحان ایسا ہو جاتا ہے کہ وہ ہمہ وقت خُدا کی یاد میں لگے رہتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، اور بایزید بُسطامیؒ کا رات کے اکثر حصے میں عبادات کرنا کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ یہ تحریر وظائف یا اوراد کے متعلق تفصیلی گفتگو کی متحمل نہیں۔ اس قسم کے مضامین کافی ضخامت کے ساتھ ہماری کتاب ''اسلام رُوحانیت اور فکر اقبال'' میں شامل کر دیے گئے ہیں جو زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے۔ یہاں اتنا کہنے پر ہی کفایت کی جاتی ہے کہ ان اوراد کی وجہ سے سالک اللہ تبارک و تعالیٰ کے دربار میں حاضری، پیوستگی اور وابستگی حاصل کر لیتا ہے اور وہ اکتسابِ فیوض و انوارِ

الٰہیہ سے اپنا تزکیہ کرتا ہے۔ اس کی روح اور بدن کو ''مِنْ عِنْدِ اللهِ'' غذا میسر ہوتی ہے۔ خدا کے ذکر میں مشغول ہو کر انوارِ قُرب سے مشرف ہوتا ہے اور ذکرِ الٰہی کے باعث سالک خدا کا مذکور (جس کا اللہ خود ذکر کرے) بن جاتا ہے۔ اس کی روح عروج حاصل کرتی ہے اور اس مقام پر انوارِ الٰہی کی سعادت سے جھولیاں بھرتا ہے۔ ان انوار کی بارش کے نتیجے میں اسرارِ خداوندی جو سالک کے قلب میں پہلے سے ہی موجود ہوتے ہیں پھوٹنے لگتے ہیں اور اس کی زندگی میں مختلف خصائل اور کمالات کی صورت اختیار کر کے رونما ہونے لگتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ توجہ الی اللہ ہی بہت بڑی بات ہے اور صرف خدا کی طرف ہی لو لگا کے بیٹھے رہنے سے سالک کو نورِ یزدانی کا پرتو حاصل ہو جاتا ہے اور جب باقاعدہ مراقبہ کیا جائے تو فیوض ربانی کا سمندر سالک کے قلب سے بہنا شروع ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کے قلب سے معرفت کے چشمے پھوٹنے لگتے ہیں۔ یہ کارروائی یکطرفہ نہیں بلکہ خدا کی طرف سے بھی ان اذکار کا جواب ملتا ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے ''فَاذْكُرُونِيٓ اَذْكُرْكُمْ'' (تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا) چنانچہ جب تک دل یادِ الٰہی سے وابستہ رہے گا اور زبان اس کے ذکر سے تر رہے گی اللہ کے قُرب کی لطافتوں کے جلوے میسر ہوتے رہیں گے بلکہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ سالک کے دل میں اور رگ رگ میں خدا کی یاد یوں سموجاتی ہے کہ وہ خود اس کے حسن و جمال کا پیکر بن جاتا ہے۔ اس عابد اور زاہد کی خوبصورت اور دل کش شکل کو دیکھ کر دیکھنے والوں کو خدا یاد آجاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ''اِذَا رُؤُوْا ذُكِرَ اللهُ'' (اللہ والے وہ ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر خدا یاد آجائے)۔[1] اس یادِ الٰہی سے اُخروی برکتوں کے علاوہ دنیاوی برکات بھی میسر ہوتی ہیں جن میں نفس کی اصلاح، بیماریوں کی شفاء، مخلوقِ خدا کو فیضان رسانی اور تفہیم معرفت و عرفان عام طور پر مشہور ہیں۔ مقدر کے وہ برے اثرات جو ہر وقت انسان کے سر پر تلوار کی طرح لٹکتے رہتے ہیں، ان وظائف اور اسماءُ الحسنٰی کی مدد سے نیست و نابود اور بے معنی ہو جاتے ہیں بلکہ سالک کی زندگی میں خوشگوار اثرات و نتائج برآمد ہونے لگ جاتے ہیں، ایسے اللہ والے لوگ پورے عالم کیلئے باعث رحمت بن جاتے ہیں۔

طریقہ وظائف

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی سالک کسی کتاب میں لکھے ہوئے روحانی احوال و مواجید کو اپنے شیخ کی روحانیت کے بغیر اخذ کرے تو خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہو سکتے چنانچہ ان وظائف کیلئے اپنے مُرشد سے ہدایات لینا اور اس کی صحبت میں بیٹھنا نہایت ضروری خیال کیا جاتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ معاملہ فہمی حاصل ہو سکے اور وظائف کی ادائیگی صحیح خطوط پر استوار ہو سکے۔ نیچے لکھے ہوئے وظائف میں سے کچھ وظائف مُریدین اور معتقدین کو ان کے کوائف اور احوال کے مطابق متعین کئے جاتے ہیں۔ انتخاب شدہ

---

[1] المعجم الکبیر، حدیث ۱۰۴۷۶، جلد ۱۰، صفحہ ۲۰۵۔

وظائف کو ایک نشان کے ذریعے ہر شخص کیلئے مقرر کیا جاتا ہے۔ سالک کیلئے ضروری ہے کہ جو وظائف ان کیلئے مقرر کئے جائیں وہ اُسے بلا ناغہ اہتمام کے ساتھ ادا کریں کیونکہ اگر کسی روز سالک اپنے وظائف ادا نہیں کرتا تو اس دن اللہ تعالیٰ اپنی خصوصی رحمت اور مدد کو سالک سے ہٹا لیتا ہے۔ وظائف کی تعداد کم وبیش نہ ہونے پائے۔ کوشش کی جائے کہ سالک ہر وقت باوضو رہے کیونکہ وضو کرنے کے بعد کی کیفیات وضو سے پہلے کی کیفیات سے بہت اعلیٰ وارفع ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) اگر تو گھر سے بے وضو نکلے اور تجھے کوئی تکلیف پہنچے تو اپنے سوا کسی اور کو ملامت نہ کرنا کیونکہ ایسا شخص جو بے وضو ہو وہ ہماری ذمہ داری سے باہر ہو جاتا ہے۔

یہ بات خوب سمجھ لیں کہ

وظائف شروع کرنے سے پہلے سالک اپنی توجہ کا مرکز دُنیا اور دُنیاوی امور، ذہنی اور قلبی تاثرات اور تفکرات سے مکمل طور پر ہٹا کر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ (یا اپنے سلسلہ) کے اکابرین کی طرف کرے اور ان سے توجہ کی درخواست کرے (ایسا کرنے سے سلسلہ کے تمام بزرگ طالب کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں)۔ سالک اپنے وظائف کو شوق اور پورے انہماک سے پورا کرے کیونکہ وظائف کے ثمرات اس قسم کی محویت کے ہی مرہونِ منت ہوتے ہیں۔ حضرت بایزید بسطامی ؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو خواہ کسی نام سے پکارا جائے مگر پکارنے والے کا انداز درست ہونا ضروری ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی ؒ فرماتے ہیں کہ اپنے شیخ کی محبت کو دل میں جگہ دی جائے کیونکہ اس کے ساتھ محبت وعقیدت اور رابطہ نہ ہو تو خار دار جھاڑی پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔ دل میں بے چینی اور اضطراب کی حالت طاری کی جائے تو سالک کی بات بہت جلد سُنی جاتی ہے۔ کبھی آہ وزاری اور گریہ طاری ہو جائے تو فوراً اجابت ہو جاتی ہے۔ اولیائے کرامؒ کی محبت سے بہت جلد فتوحات حاصل ہوتی ہیں۔ صوفیاء کا قول ہے کہ سالک کا رزق حلال ہو، اس کے دل میں سوز وگداز ہو اور وظائف کی ادائیگی میں صدق اور عجز ونیاز ہو تو سمجھ لو کہ سالک نے اللہ کو اپنا پیغام پہنچا دیا ہے۔ اگر یہ توفیق میسر ہو تو رقتِ قلب خدا کی طرف سے مل جاتی ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ فقط میلانِ قلب دیکھتا ہے اور اگر سالک یہ کیفیت حاصل کر لے تو بیک وقت وظیفہ کا سبب اور اس کے اثرات ہم کنار ہو جاتے ہیں، اس میں زمانی تقدم وتاخر نہیں ہوتا۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے قریب ہے اور وہ ایمانداروں اور نیک عمل کرنے والوں کی دُعا کو سنتا ہے اور اُن کی پکار کا جواب دیتا ہے بلکہ اُن کا ایک بار اللہ کہنا اگر قبول نہ ہو تو انہیں دوسری بار اللہ کہنے کی توفیق نہیں دی جاتی۔

ترتیبِ وظائف

وظائف بعدِ فجر: (۱) فجر کی سنتوں کے بعد اور فرائض سے قبل، سورہ فاتحہ (مع بسم اللہ ہر بار) ۲۱ یا ۴۱ یا ۸۱ بار اور

اس کے اول و آخر ۳۳ بار یا ۱۰۰ بار درود شریف بھی پڑھے۔ (۲) تنگیٔ معاش اور مقامات کی بلندی کیلئے درج ذیل درود شریف ۱۰۰ سے لیکر ۵۰۰ بار روزانہ پڑھیں اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ۔ (۳) سورج نکلنے سے پہلے ایک تسبیح پڑھے (خواہ چلتے پھرتے پڑھے)'' سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ'' اس کے اول و آخر گیارہ بار درود بھی پڑھے۔ (۴) نماز کے بعد تین بار ''اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ اور بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ '' ایک بار اور پھر ایک بار سورہ حشر کی آخری تین آیات پڑھیں۔ صبح پڑھے تو شام تک فرشتے حفاظت کرتے ہیں۔ (۵) درود شریف ۳۳ بار یا ۱۰۰ بار اور پھر ذکر ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ '' ذکر اللہ ھو، مراقبہ، اسم ذات اَللّٰہُ کی اَللّٰہ ھُوْ کریں۔ اس کے بعد ۳۳ بار یا سو بار درود پڑھیں۔ (۶) وظیفہ اسمائے الٰہی (جو مرشد کی طرف سے متعین کیا جائے) اور پھر شجرہ شریف پڑھنے کے بعد دعا مانگیں۔ (۷) اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ ۱۰۰ بار، ۲۰۰ '۳۰۰ تا ۷۰۰ بار پڑھیں۔ (چلتے پھرتے بھی پڑھ سکتے ہیں)'' اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا یَا غَفُوْرُ یَا غَفُوْرُ یَا غَفُوْرُ'' ۱۰۰، ۲۰۰، ۳۰۰ تا ۷۰۰ بار تک پڑھیں، (خواہ چلتے پھرتے پڑھیں)۔ (۸)'' حَسْبِیَ اللّٰہُ نِعْمَ الْوَکِیْلُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ '' ایک سو مرتبہ روزانہ پڑھیں اور ۳۳ بار کوئی سا بھی درود شریف اول و آخر پڑھیں۔ (۹)'' اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ'' ۲۰۰ سے ۵۰۰ بار تک۔ (۱۰) صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَسَلِّمَ ۲۰۰ سے ۵۰۰ بار تک۔ (۱۱) صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۱۱۰۰ سے ۲۰۰۰ تک۔ (۱۲) اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۱۱۰۰، ۱۷۰۰ تا ۳۵۰۰ بار، اول و آخر نمبر ۱۱ یا نمبر ۲ والا درود شریف ۱۰۰ بار پڑھیں۔ (۱۳) تلاوتِ کلام پاک ایک رکوع تا ایک پارہ روزانہ۔

وظائف بعدِ عصر: (۱۴) حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ ۳۳، ۱۰۰، ۵۰۰ بار، مع اول و آخر درود شریف ۱۱ بار۔ (۱۵) سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۱۱، ۳۳ سے ۱۰۰ بار تک مع ۱۱ بار درود شریف اول و آخر۔

وظائف بعدِ مغرب: (۱۶) نماز کے بعد تین بار اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھیں اور ایک بار بسم اللہ شریف اور ایک بار سورہ حشر کی آخری تین آیات پڑھیں۔ اس سے صبح تک حفاظت رہے گی۔ (۱۷) اول و آخر گیارہ بار درود شریف اور پھر ایک تسبیح یہ پڑھیں۔ رَبِّ اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (یا الٰہی بے شک میں مغلوب ہو گیا تو میری مدد فرما)۔ (۱۸) لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ ۳۳ بار یا ۱۰۰ بار، اول و آخر درود شریف ۱۱ مرتبہ۔ (۱۹) لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۳۳ سے ۱۰۰ بار (اول و آخر درود شریف، ۱۱ بار)۔

وظائف بعد عشاء: (۲۰) اللہ تعالیٰ کیلئے دو نفل پڑھے اور ہر رکعت میں گیارہ بار سورہ اخلاص۔ (۲۱) وظیفہ اسمائے الٰہی (جو مرشد کی طرف سے متعین کیا جائے) اور اس کے اول و آخر درود شریف ۳۳ بار۔ (۲۲) درود شریف ۳۳ بار یا ۱۰۰ بار پڑھنے کے بعد ذکر، (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) ذکر (اَللّٰه هُو) مراقبہ، (اسم ذات اللہ ھو) پڑھے اور پھر درود شریف ۳۳ بار یا ۱۰۰ بار پڑھ کر دعا مانگے۔ (۲۳) یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ ۵۰۰ یا ۱۰۰۰ بار، پہلے ۳۳ یا ۱۰۰۰ بار درود شریف اور آخر میں درود دوامی ۳۳ بار یا ۱۰۰ بار پڑھے درود دوامی یہ ہے۔ ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَافِىْ عِلْمِ اللّٰهِ صَلٰوةً دَائِمَةً بِدَوَامِ مُلْكِ اللّٰهِ''۔ (۲۴) اول و آخر ۳۳ بار درود شریف اور پھر پڑھے۔ ''يَا مُسَخِّرُ سَخِّرْلِىْ كُلَّ الْمَخْلُوْقَاتِ اَجِبْ يَا جِبْرِئِيْلُ بِحَقِّ يَا بَاسِطُ''

متفرق وظیفہ جات: (۲۵) نمازِ اشراق کیلئے ۲، ۴، ۶ یا ۸ آٹھ نفل ادا کریں۔ سورج طلوع ہونے کے ڈیڑھ گھنٹہ بعد تک اشراق کا وقت رہتا ہے لیکن یہ نماز سورج نکلنے کے ۲۰ منٹ بعد پڑھی جائے۔ (۲۶) نمازِ چاشت ادا کرنا بہت افضل ہے، اس سے روزی میں برکت ملتی ہے اور درجات بلند ہوتے ہیں۔ اشراق کے وقت ختم ہونے سے لے کر زوالِ آفتاب کے درمیان کم از کم ۲ سے ۶ نفل پڑھے جاتے ہیں۔ (۲۷) صلوٰۃ التسبیح پڑھے (روزانہ یا ہفتے میں ایک بار یا مہینے میں ایک بار یا سال میں ایک بار)۔ (۲۸) رات کو سونے سے پہلے الحمد شریف ۷ بار، سورۂ اخلاص ۷ بار، اور درود دوامی ۷ بار پڑھ کر دائیں بازو پر پھونک کر سو جائے۔ اس کے بعد کلام نہ کرنا بہتر ہے۔ (۲۹) ہر نماز کے بعد ایک مرتبہ سورۂ مزمل اور اول و آخر ۱۱ بار درود شریف پڑھے۔ (۳۰) سورۂ واقعہ اول روز ایک نشست میں ۴۱ بار پڑھیں اور پھر ہر روز ۳ بار یا ایک بار عشاء کی نماز کے بعد پڑھیں۔ (۳۱) تہجد کی نماز کے ۸ نوافل نصف شب کے بعد پڑھیں۔ (۳۲) اول و آخر ۱۱ بار درود شریف کے بعد مندرجہ ذیل وظائف میں سے جو چاہے پڑھیں۔ (ا) ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ'' ۲۷ بار پڑھیں۔ (ب) سورہ توبہ کی آخری دو آیات ۷ یا ۱۱ بار پڑھیں۔ (ج) ''يَا لَطِيْفُ يَا وَدُوْدُ'' ۳۰۰ بار پڑھیں۔

سالکین درجہ اول کیلئے وظائف: تمام وظائف ضروری ہیں۔ اگر چاہے تو نمبر ۲، ۸، ۱۲، ۱۵، ۱۷، ۱۹، ۳۰، ۳۲ چھوڑ سکتا ہے۔ (یہ منتہی مریدین کے لیے ہیں)۔

سالکین درجہ دوم کیلئے وظائف: صرف ۱ سے ۹، ۱۳، ۱۶، ۲۱ سے ۲۶ تک پڑھے جائیں۔ (یہ متوسط مریدین کے لیے ہیں)۔

سالکین درجہ سوم کیلئے وظائف: صرف ۲، ۳، ۵، ۷، ۱۱، ۲۲ اور ۲۳ ہی پڑھے جائیں۔ (یہ مبتدی مریدوں کے لیے ہیں)۔

زائد نوعیت کے وظائف ۲، ۳، ۶، ۱۱، ۱۲، ۱۹، ۲۱، ۲۶ اور ۳۰ پڑھیں۔

چند مفید اور مستجاب دعائیں

چند مستجاب الدعوات بزرگوں نے اپنی تصنیفات میں اُن خاص خاص دُعاؤں کا ذکر فرمایا ہے جن میں انہوں نے اجابت کا اثر محسوس کیا۔ایسی کچھ دُعاؤں کا ذکر نیچے کیا جا رہا ہے۔دُعا مانگنے والے کا روحانی مقام تقویٰ کی حد تک پہنچا ہوا ہو اور اس کو مانگنے کا ڈھنگ بھی معلوم ہو تو ایسے لوگوں پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس کے باعث ان کو قبولیتِ دُعا کا بھی معلوم ہو جاتا ہے لہٰذا ان کی دعا فوراً قبول ہو جاتی ہے۔

حضرت بابا کرمانوالے شاہ صاحبؒ کا طریقۂ دُعا

حضرت اسماعیل شاہ صاحب المعروف بہ حضرت بابا کرمانوالے شاہ صاحبؒ ولی کامل اور نہایت مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔راقم الحروف کی ملاقات حضرت شاہ صاحب سے ہو چکی ہے۔آپ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ نہ ہی تو کسی کو تعویذ عطا فرماتے اور نہ ہی دم وغیرہ کرتے تھے۔آپ نے کبھی کسی عورت کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہیں دی اور فرمایا کرتے تھے کہ میاں شیر محمد شرقپوریؒ نے مجھے عورتوں کو اپنے پاس آنے سے منع فرمایا ہے۔صوفی اللہ دتہ نقشبندیؒ نے ''خزینۂ کرم'' میں بیان کیا ہے کہ ایک عورت کو خنازیر کا مرض تھا اس نے خود دربار پر حاضر ہو کر ایک شخص کو آپ کی خدمت میں بھیجا کہ اس کیلئے تعویذ لائے۔آپ نے فرمایا کہ اسے کہو کہ کلمۂ طیبہ پڑھ کر لعابِ دہن اس جگہ لگا لیا کرے آرام آ جائے گا لیکن اس عورت نے تعویذ کیلئے اصرار کیا۔ آپ نے کہلوا بھیجا کہ میں تعویذ نہیں دیا کرتا۔میں نے جو عمل بتایا ہے وہی کرے اللہ خیر کرے گا لیکن اس عورت نے پھر کہلا بھیجا کہ میں تو تعویذ لے کر ہی جاؤں گی۔یہ سُن کر آپ جلال میں آ گئے اور فرمایا کہ اس عورت کو باہر نکال دو، اُسے کلمے کی فضیلت کا علم نہیں ہے۔کلمہ طیبہ تو جسم سے کُفر کا فاسد اور غلیظ مواد تک نکال دیتا ہے تو خنازیر کیسے رہ سکتی ہے۔راقم الحروف کو آپ سے اس قدر عقیدت ہے کہ جب اس نے اپنے پاؤں پر ایک بہت پُرانے زخم پر کلمہ طیبہ پڑھ کر لعابِ دہن لگایا تو تین چار دن میں برسوں پُرانا زخم ٹھیک ہو گیا۔ایک شخص کو پیٹ میں گیس کی تکلیف تھی اس کو بھی یہی فرمایا کہ کلمہ پڑھ کر سویا کرے۔کبھی آپ کسی کو فرمایا کرتے تھے کہ تین دن لنگر کھاؤ مرض ٹھیک ہو جائے گا۔

حضرت شاہ صاحبؒ موصوف نے بہت سے مہلک امراض کیلئے کوئی معمولی سا نسخہ بھی اگر تجویز کر دیا تو اس سے شفا حاصل ہو جاتی ہے۔ایک شخص نے شکایت کی کہ مجھے ٹانگوں میں سخت درد رہتا ہے آپ نے فرمایا کہ توڑی (گندم کا بھوسہ) ابال کر پی لو،ایک عورت نے اسی مجلس میں کہلوا بھیجا کہ میری اونٹنی گم ہو گئی ہے فرمایا اس کو کہو کہ تم بھی توڑی ابال کر پی لیا کرو، اونٹنی مل جائے گی۔ایک شخص کو سخت بیماری تھی جو لا علاج صورت اختیار کر گئی آپ نے فرمایا۔بیلیا! جا پیاز اور انڈہ ملا کر کھا لیا کر۔حقیقت یہ ہے کہ معتقدین کیلئے جو بھی آپ کی

زبان سے نکل گیا ویسا ہی ہو جایا کرتا تھا، یہ اللہ والوں کی شان ہے۔

چوہدری محمد انور بیرسٹر، سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ لاہور بیان کرتے ہیں کہ اپنی وفات کے وقت آپؒ نے مجھے تخلیہ میں فرمایا کہ آئندہ نسلوں کیلئے دُعا کرنا، اب یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ فرمایا کہ جب بھی اپنے دل سے تمام خیالاتِ فاسدہ نکال کر کسی سائل کیلئے جوشِ محبت اور خلوص سے دُعا کرو گے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ کسی تعویذ گنڈے یا پھونک مارنے کی بھی ضرورت نہیں ہے میں خود بھی اسی طرح کرتا ہوں۔ اگر دل میں خلوص ہے تو دُعا قبول ہوگی۔ فرمایا کہ جب بھی میرے دل سے دُعا کیلئے پُر جوش خواہش پیدا ہوتی ہے تو لوگ دُعا کرانے کیلئے خود بخود آنے لگتے ہیں۔ دغابازوں، چوروں اور رہزنوں پر جب بھی آپ توجہ ڈالیں گے تو ان کے دل نیکی کی طرف مائل ہو جائیں گے، اسی کا نام دُعا ہے۔ یہ ایک راز ہے جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ دعا کے اسی فلسفے کو بِرّ کہتے ہیں۔ سرکا مظہر مخلوق خدا کی بہتری کیلئے ایک خفیہ خواہش ہے۔ آپ کے مریدین بیان کرتے ہیں کہ آپ عموماً دعا کیلئے ہاتھ بھی نہیں اٹھایا کرتے تھے۔ صرف دل میں دعا ہوگئی تو کام بن گیا۔ آپ اکثر یہ کہا کرتے تھے ''جا رب بھلا کرے گا'' حاجی رحمت علی آڑھتی غلہ منڈی بورے والہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت اسماعیل شاہ صاحبؒ کی خدمت اقدس میں حاضر تھا۔ آپ نے مجھے پاس بلا کر آہستہ سے کان میں کہا کہ حاجی صاحب جو کچھ مانگنا ہو مانگ لو، دروازہ کھلا ہے جو مانگو گے وہی ملے گا۔ عرض کیا کہ حضور سب کچھ آپ کے طفیل اللہ کریم نے دے رکھا ہے، فرمایا اچھا آج میرا جی چاہتا ہے کہ حاجی صاحب کو پانچ لاکھ روپے، تین دوکانیں اور ایک کارخانہ بھی دے دیا جائے۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا سرکار۔ چنانچہ چند دنوں میں آپ کا فرمودہ اللہ کے حکم سے پورا ہو گیا۔ یہاں حضرت بابا کرمانوالہ شریفؒ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت قبولیت کا دروازہ کھلا تھا جس میں جو بھی مانگے ضرور قبول ہوتا ہے مگر اس نہایت مختصر وقت کا علم صرف عارف لوگوں کو ہوتا ہے۔ حضرت رابعہ بصریؒ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قبولیتِ دعا کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا جب چاہو مانگو لیکن اس کے کچھ آداب ہوتے ہیں۔

حضرت اسمٰعیل شاہ صاحبؒ کے نزدیک درود شریف اسمِ اعظم ہے

حضرت اسماعیل شاہ صاحبؒ کے ایک مرید بیان فرماتے ہیں کہ حضرت قبلہ سے کسی نے پوچھا کہ اسم اعظم کیا ہے آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک تو درود پاک ہی اسم اعظم ہے۔ جس کام کو خود اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے کرتے ہیں اور مومنین کو اس کام کے کرنے کی دعوت دیتے ہیں وہی اسم اعظم ہے۔ جو شخص روزانہ درود پاک پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے دُنیا اور آخرت کے تمام کام خود ہی آسان کر دیتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ پتہ نہیں تم لوگ کس طرح درود پاک پڑھتے ہو۔ میں تو ایک مرتبہ ہی درود پاک پڑھوں تو جو کام چاہوں پایہ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔[1] حضرت (قبلہ شاہ صاحبؒ) نے فرمایا کہ درود شریف پڑھتے وقت یہ خیال ہونا

---

[1] خزینہ کرم، صوفی اللہ دتہ نقشبندی، صفحہ ۲۷۸۔

چاہیے کہ میں رسول پاک ﷺ کے حضور میں ہوں اور آپ ﷺ کی سرکار میں درود پاک پڑھ رہا ہوں۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ اور فرشتے ہیں اور دوسری طرف ایمان والے اور درمیان میں نبی کریم ﷺ ہیں۔ حضور ﷺ بندوں اور اللہ کے درمیان وسیلہ ہیں۔ آپؒ کا فرمان ہے کہ دل کے امراض کی دوا پانچ چیزوں میں ہے۔ (۱) تلاوتِ کلامِ پاک (۲) پیٹ خالی رکھنا (۳) اہلِ تقویٰ کی صحبت میں بیٹھنا (۴) نماز تہجد (۵) صبح یعنی تہجد کے وقت زاری کرنا۔ حضرت اسمٰعیل شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جس کا دل تین وقتوں میں حاضر نہ ہو تو سمجھ لو اس پر رحمت کا دروازہ بند ہو چکا ہے، ایک قرآن کی تلاوت کے وقت، دوسرے نماز کی حالت میں اور تیسرے ذکر کی حالت میں۔ فرمایا کہ تہجد کی بارہ رکعت پڑھنا چاہیے۔ پہلی رکعت میں پانچ بار اور دوسری میں تین بار سورۂ اخلاص پڑھے اور نماز تہجد کے بعد پانچ صد مرتبہ دُرودِ خضری پڑھے۔ ''صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَسَلَّمْ'' یہ دُرود شریف دوزانو ہو کر پڑھنا رب کریم کو پسند ہے اور تہجد ہی دُعائے سحر گاہی ہے۔ آپ مراقبہ پر کافی وقت صرف فرمایا کرتے تھے۔

مزارات پر دعا کا طریقہ

کسی نے حضرت اسماعیل شاہ صاحبؒ سے دریافت کیا کہ مزارات پر دُعا مانگنے کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا اہلِ ظاہر تو خدائے بزرگ و برتر سے اس بزرگ کے واسطے سے دُعا کریں لیکن فقراء کا مسلک یہ ہے کہ اس بزرگ سے براہِ راست دُعا مانگی جائے (یعنی یوں کہے کہ حضور میرے لئے دُعا فرمائیں کہ میری فلاں حاجت پوری ہو جائے۔ یہی طریقہ راقم الحروف کو ملا ہے اور دیکھا گیا ہے کہ اہلِ قبور دُعا کرتے ہیں اور انکی دُعا قبول ہوتی ہے)۔ قبولیتِ دُعا یا عدم قبولیت دُعا کے متعلق اولیائے کرامؒ جو کہہ دیں ویسا ہی ہوتا ہے اور جب اہلِ قبر سے معلوم کردہ یعنی مکشوف حالات ظاہر ہو جائیں تو جو کچھ کشف ہوا وہ سچ ثابت ہو جاتا ہے۔ ان کی گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ انکو اس بات کا عموماً علم ہوتا ہے کہ فلاں کام ہوگا یا نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ خود ہی کہہ دیتے ہیں کہ فلاں کام فلاں وقت تک ہو جائے گا۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب ان کی نظر لوحِ محفوظ پر ہو۔ ان کی یہ شان ہے جو کام نہ ہونے والا ہو تو اس کے متعلق مثبت جواب نہیں ملتا یا اس کام کے ہونے سے انکار کر دیتے ہیں۔

وسعتِ معاش

ہمارے پیر و مرشد حضرت خواجہ علامہ علاؤ الدین صدیقی نقشبندی مدظلہ العالیٰ فرمایا کرتے ہیں کہ ہم نے فراخی رزق کیلئے اس سے بہتر کوئی دوا نہیں پائی کہ رات میں سورۂ واقعہ ۳ یا ۵ مرتبہ پڑھ لی جائے اور اگر وقت نہ ملے تو ایک بار ہی پڑھ لینا کافی ہوگا۔ اس عمل کو شروع کرنے سے پہلے ایک مجلس میں ۴۱ بار سورۂ واقعہ پڑھ لی جائے اور پھر روزانہ ۳ یا ۵ مرتبہ پڑھ لے۔ سورۂ مزمل بھی گیارہ بار پڑھے (عشاء کے بعد) تو ایسے ہی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اگر زیادہ نہ ہو سکے تو سورۂ مزمل تین یا پانچ دفعہ پڑھنا بھی باعثِ کشادگیٔ رزق

آزمودہ ہے۔ فرمایا کہ سورۂ واقعہ ایک مجلس میں ۴۱ بار ختم کر کے جو دُعا مانگی جائے قبول ہوگی بالخصوص رزق کیلئے۔ حضرت سائیں توکل شاہ صاحب کے مُریدین ہر نماز کے بعد ایک بار سورۂ المزمل پڑھنے کو کہتے ہیں اور یہ پڑھنا مجرب ثابت ہوا ہے۔ اس سورۃ کے بعد ۳۱۳ بار سورۂ مؤمنوں کے یہ حروف پڑھیں تو بہتر ہوگا۔ ''رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ '' پیر سید مہر علی شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ نماز عشاء کی دو رکعت سنت اور وتروں کے درمیان ایک ہزار بار ''یَا وَهَّابُ '' پڑھا کرو اس سے وسعتِ معاش ہو جاتی ہے۔ جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد بیٹھ کر یَا اَللّٰهُ یَا رَحْمٰنُ یَا رَحِيْمُ پڑھے اور جب نماز مغرب کی اذان ہو تو ہاتھ اٹھا کر دعا کرے اور جب اذان ختم ہو تو دعا بھی ختم کر دے۔ اگر کوئی کام ٹھیک نہ ہو تو تین جمعہ تک کرے مشکل سے مشکل کام ہو جائے گا، اسی طریقے سے آیتِ کریمہ کا پڑھنا بھی مجرب ہے۔ اکثر لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ درود شریف ہر مصیبت اور بیماری کا علاج ہے اور ہر مشکل اور تکلیف کا واحد حل ہے اس لئے درود شریف کا کثرت سے پڑھنے والا ہر مشکل سے کشائش حاصل کرتا ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ اجتماعی شکل میں ستر، اسی ہزار سے لاکھ، سوا لاکھ بار تک درود شریف پڑھاتے ہیں اور پڑھنے والوں کو کھانا کھلاتے ہیں تو ان کے ہاں رزق کی ریل پیل رہتی ہے۔

سلسلۂ نقشبندیہ میں قرضہ کی ادائیگی یا واجبی کشائشِ رزق کیلئے ۱۴۱ مرتبہ روزانہ شب کو (اول و آخر درود شریف کے ساتھ) درج ذیل دُعا پڑھنے کیلئے بتائی جاتی ہے۔ راقم الحروف نے بے شمار لوگوں پر اس کا تجربہ کیا اور تمام پڑھنے والوں نے اس کا بہت جلد اثر دیکھا۔ ''اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَأَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ'' اگر اس دُعا کو ۲۰۰ مرتبہ صبح اور تین سو مرتبہ شام کو پڑھا جائے اور ہر نماز کے ساتھ گیارہ مرتبہ تو یہ زیادہ مؤثر ثابت ہوگی، انشاء اللہ۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے حضور ﷺ کے سامنے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ دنیا نے مجھ سے پیٹھ پھیر لی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا وہ تسبیح تمہیں یاد نہیں جو تسبیح ملائکہ کی ہے اور جس کی برکت سے روزی دی جاتی ہے۔ فرمایا دنیا آئے گی تیرے پاس ذلیل و خوار ہو کر' طلوع فجر کے ساتھ سو بار کہا کر'' سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ '' اس صحابی کو سات دن ہی گزرے تھے کہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور دنیا میرے پاس اس کثرت سے آئی ہے کہ میں حیران ہوں کہ کہاں اُٹھاؤں کہاں رکھوں۔ راقم الحروف نے جس کو بھی بتایا اس نے ایسا ہی پایا۔[1]

بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے فرمایا کہ شیخ الاسلام قطب الدین بختیار کاکیؒ نے تنگئ معاش دور کرنے کیلئے یہ وظیفہ لوگوں کو بتایا کہ ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ '' کثرت سے پڑھیئے۔ آپ نے سونے سے پہلے سورۂ جمعہ کا پڑھنا بھی اس مقصد کیلئے لکھا ہے۔ بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے ہی یہ فرمایا ہے کہ جو شخص فرض

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۳۵۶۳، جلد ۵، صفحہ ۵۶۰۔

نماز کے بعد سورۂ اخلاص اور تین بار درود شریف پڑھے اور ایک بار یہ آیت پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے درازیٔ عمر، مالِ بسیار، اقبال مندی دے گا اور بغیر حساب جنت میں داخل کرے گا۔ ''وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۚ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا'' (اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لیے (دنیا و آخرت کے رنج و غم سے) نکلنے کی راہ پیدا فرما دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے تو وہ (اللہ) اسے کافی ہے، بے شک اللہ اپنا کام پورا کر لینے والا ہے، بے شک اللہ نے ہر شے کے لیے اندازہ مقرر فرما رکھا ہے) (طلاق: ۲،۳)۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے بھی ایک اور دُعا تنگیٔ معاش کیلئے فرمائی ہے، اس کا ورد کرے۔ ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يَا دَائِمَ الْعِزِّ وَ الْمُلْكِ وَ الْبَقَاءِ يَا ذَالْمَجْدِ وَالْعَطَاءِ يَا وَدُوْدَ ذِالْعَرْشِ الْمَجِيْدِ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ'' برہان الدین زاہد صاحب ہدایہ تفسیر زاہدی میں لکھتے ہیں کہ وسعتِ رزق کیلئے یہ آیت پڑھی جائے ''رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ'' (سورۃ مائدہ: آیت ۱۱۴) (اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے خوانِ (نعمت) نازل فرما دے کہ (اس کے اترنے کا دن) ہمارے لیے عید ہو جائے ہمارے اگلوں کے لیے (بھی) اور ہمارے پچھلوں کے لیے (بھی) اور (وہ خوان) تیری طرف سے نشانی ہو اور ہمیں رزق عطا کر! اور تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے)۔

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ ایک صحابی عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ایک نابینا کا واقعہ منقول ہے کہ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے دو نفل ادا کرنے کے بعد یہ دعا پڑھنے کیلئے فرمایا تو اس کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔ مشائخ کا قول ہے کہ اس سے جو دعا مانگی جائے قبول ہوتی ہے۔ ''اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ وَيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰى لِيْ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ'' (اے خدا میں تیری بارہ گاہ میں سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ پیش کرتا ہوں، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں آپ کا وسیلہ پیش کیا ہے اپنی اس ضرورت میں تاکہ وہ پوری ہو، یا اللہ تو میرے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت قبول فرما) اس میں اپنی حاجت کا ذکر کرے۔[1]

علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ایک بار اس لئے جمعہ میں شریک نہ ہو سکے کہ انہوں نے یوحنا بن باریا کا قرض دینا تھا اور وہ دروازے پر تاڑ لگائے بیٹھا تھا کہ یہ نکلیں اور وہ انہیں اپنی حراست میں لے لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ تمہارا قرض ادا ہو جائے تو انہوں نے عرض کی جی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ فرمایا پھر ہر روز ''قُلِ اللّٰهُمَّ سے بِغَيْرِ حِسَابٍ'' (آل عمران ۲۶،۲۷) تک پڑھا کرو۔

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۳۵۷۸، جلد ۵، صفحہ ۵۶۹۔

اس کے ساتھ پڑھو "یَا رَحْمٰنَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَرَحِیْمَھُمَا تُعْطِیْ مِنْھُمَا مَنْ تَشَاءُ اِقْضِ عَنِّیْ دَیْنِیْ" اگر تجھ پر زمین کے برابر سونا قرض ہوگا تو اللہ تعالیٰ ادا فرمادیں گے۔[1]

علامہ ابن جوزیؒ نے اپنی کتاب مَوْلِدُ الْعُرُوْسِ (میلادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو تنگ دستی کی حالت میں ہو وہ مجھ پر کثرت سے (درج ذیل) صلوٰۃ و سلام بھیجے۔ "اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ" یہ درود شریف ایسا ہے کہ اس سے تنگ دست کا ٹھکانہ مکرم ہو جائے گا۔ آخرت میں اس کو شرف بخشا جائے گا اور شفاعت کے ذریعے اس کی رضا اور آرزو پہنچائی جائے گی۔ راقم الحروف نے اس درود شریف کے اثرات کو بالکل صحیح پایا ہے اور اپنے ہر مرید پر اسے آزمودہ قرار دیتا ہے۔

دعائے حاجات وامراض

خواجہ نقشبند حضرت خواجہ قبلہ علاؤالدین صدیقی مدظلہ العالی نے بہت سے لوگوں کو مشکل کے وقت میں حاجت روائی کیلئے "حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ" بعد از نماز عصر پانچ سو مرتبہ پڑھنے کیلئے فرمایا (اول وآخر درود شریف) جس کے ہمیشہ اچھے نتائج صادر ہوئے ہیں۔ اگر زیادہ مشکل بات ہو تو عصر اور مغرب کے درمیان کم و بیش گیارہ ہزار بار پڑھے۔ کوئی خاص مشکل نہ ہو تو ۴۱ بار یا ۱۰۰ بار بطور وظیفہ پڑھنا ہی کافی ہوگا۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ نے وجع مفاصل (جوڑوں کا درد) اور کرم دماغ (دماغ کے کیڑے) کی امراض کیلئے فرمایا کہ ہر نماز کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھ کر دائیں ہاتھ پر دم کر کے مقامِ مرض پر ہاتھ پھیرنا چاہیے، بیمار کے مقامِ مرض پر انگشت شہادت رکھ کر یہ پڑھے تو ان شاء اللہ شفا ہوگی "اَعُوْذُ بِعِزَّۃِ اللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَ اُحَاذِرُ" (میں اللہ کی عزت اور قدرت کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں اس شر کی جو میں پاتا ہوں اور جو موجود ہے)۔[2] موصوف شاہ صاحبؒ نے ہر مرض اور تمام حاجات کیلئے یہ نقش مثلث از اسم ذات ارشاد فرمایا ہے

یااللہ	یااللہ	یااللہ
یااللہ	یااللہ	یااللہ
یااللہ	یااللہ	یااللہ

بزرگوں نے لکھا ہے کہ اَسْمَاءُ الْحُسْنٰی سے اللہ کو پکارو جیسا کہ قرآن میں بھی ہے۔ "وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِھَا" (الاعراف:۱۸۰) (اور اللہ کیلئے ہیں نام اچھے اچھے، سو پکارو اسے ان ناموں سے)

[1] تفسیر القرطبی، جلد ۴، صفحہ ۵۲۔

[2] مہر منیر، پیر مہر علی شاہ، صفحہ ۴۸۳۔

یادِ اُو سرمایۂ ایماں بود   ہر گدا از یادِ اُو سلطان بود

(خدا کی یاد (اگر) ایمان کا سرمایہ بن جائے، (تو) ہر گدا اس کی یاد سے سلطان ہو جائے)

یادِ او گر مونسِ جانت بود   ہر دو عالم زیرِ فرمانت بود

(اس کی یاد اگر تیری جان کی مونس ہو جائے، (تو) دونوں عالم تیرے زیرِ فرمان ہو جائیں)

کتبِ صوفیاء میں ہے کہ مندرجہ ذیل اسماء سے خدا کو یاد کیا جائے گا تو برکات کا باعث ہوتا ہے۔

(i) یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اَغِثْنِیْ (اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے میری مدد فرما)۔

(ii) یَا لَطِیْفُ یَا وَدُوْدُ کا ورد ۵۰۰ سے ۱۰۰۰ تک پڑھے۔ اس سے لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہوتی ہے، (پڑھنے والے کی محبت)۔

(iii) اپنے نام کے اعداد حروفِ ابجد کے مطابق معلوم کرے اور اس تعداد کے برابر کسی اسماء الحسنٰی (میں سے کسی اسم) کا ورد کرنا بہت بہتر اور فائدہ مند ہے۔ اسمائے حُسنٰی میں سے ایک یا دو نام اپنی حاجت کے مطابق چنے جائیں (یعنی جس چیز کی ضرورت ہو اسی صفت والے نام کو چنے) اور ان کا وظیفہ صبح و شام کرے اور تعدادِ وظیفہ اس عدد سے دوگنا ہو تو بہتر ہے۔ ورنہ ان اعداد کے برابر ہی رکھے۔ مثلاً عبداللطیف خان کیلئے عبداللطیف کے نام کے حروف ۲۳۶ بنے اور اس نام کے عدد کے مطابق "یَا قُدُّوْسُ یَا اَللّٰہُ یَا بَدِیْعُ یَا سُلْطَانُ" کا ورد ۲۷۴ بار کرے۔ صبح و شام کرنے سے اس کے حالات رفتہ رفتہ بدل جائیں گے اور بلاؤں سے اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائیں گے۔ یہ نہایت اعلیٰ وظیفہ ہے، اور مجرب بھی ہے۔ اس وظیفے میں محبت، مال اور مصائب کا حل بھی موجود ہے۔ خیال رہے کہ اگر اللہ کے ناموں میں سے ایک نام جلالی لیا گیا ہو اور ایک جمالی تو فوراً اثر رونما ہونے کے امکانات ہوتے ہیں۔ راقم الحروف کا یہ قاعدہ ہے کہ بیعت کے بعد یہ نام مُرید کیلئے تجویز کر دیتا ہے تا کہ مُرید کے حالات درست ہو جائیں اور پیر کو تنگی کی شکایت ہی نہ آئے۔

حضرت سعد بن مسیب رضی اللہ عنہ جب حجاج بن یوسف سے بھاگے تو حجرۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں جا کر چھپ رہے آپ فرماتے ہیں کہ مجھے نماز کے اوقات میں ایک قسم کی گونج سی آواز معلوم ہوا کرتی تھی چند روز بعد یہ آواز آئی کہ اے ابن مسیب رضی اللہ عنہ یہ پڑھ "اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَمَا تَشَآءُ مِنْ اَمْرٍ یَّكُوْنُ" (اے اللہ آپ بادشاہ ہیں اور آپ ہر شے پر قادر ہیں جو آپ چاہتے ہیں ہو جاتا ہے)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ جتنی تکلیف مجھے شب گزشتہ بچھو کے کاٹنے سے ہوئی کبھی نہیں ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے شام کے وقت یہ کہہ لیا ہوتا تو تم کو کچھ بھی ضرر نہ ہوتا۔ "اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ"[1] (خدا نے جتنی چیزیں پیدا کی ہیں ان کے شر سے میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۲۷۰۸، جلد ۴، صفحہ ۲۰۸۰۔

شخص کو ایک ایسی دعا فرمائی جو ردنہ ہو، وہ دعا یہ ہے۔ "أَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الْاَعْلَى الْاَعَزِّ الْاَجَلِّ الْاَكْرَمُ" (اے خدا) میں آپ کے نہایت برتر نہایت باعزت وجلال وکرامات والے نام کے طفیل درخواست کرتا ہوں (کہ میرا فلاں کام ہو جائے)۔ اگر صبح کی نماز کے بعد سورۂ حشر کی آخری تین آیات میں سے پہلے تین بار "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" اور پھر ایک بار "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" پڑھے تو صبح سے شام تک اور اگر شام کے بعد پڑھے تو شام سے صبح تک فرشتے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اسے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ یہ بہت مستند دعا ہے اور ہر شیخ اپنے مُرید کو اس کی تعلیم کرتا ہے۔ نہایت مؤثر اور مجرب ہے۔ رات کو یا شام کے بعد اگر مندرجہ ذیل سلام گیارہ بار پڑھ لے تو بھی حفظ وامان میں رہے گا۔ (اس کا چلہ کرنے کے بعد روزانہ گیارہ بار پڑھنا زیادہ بہتر ہے) ہر بیماری کیلئے دم کرے تو شفاء یاب ہوگا، انشاءاللہ۔ وہ سلام یہ ہیں

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ — سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِى الْعٰلَمِيْنَ

سَلٰمٌ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ — سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ

سَلٰمٌ عَلٰى اِلْيَاسِيْنَ — سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ

سَلٰمٌ هِىَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ

(اول وآخر درود شریف پڑھیں) اس میں بہت شفا رکھی گئی ہے اور مجرب ہے۔ راقم الحروف تو یہ ساتوں سلام تعویز میں بھی لکھ دیتا ہے۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص صبح شام "سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِى الْعٰلَمِيْنَ" پڑھا کرے تو اس کو سانپ اور بچھو ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔ رسالہ قشیریہ میں بھی لکھا ہے کہ سانپ اور بچھو نے نوح علیہ السلام سے یہ عہد کیا تھا کہ ہم کو بھی کشتی میں سوار کرلیں اور ہم آپ سے یہ عہد کرتے ہیں کہ جو آپ کو یاد کرتا رہے گا تو اس کو ہم ضرر نہ پہنچائیں گے۔ صحیح مسلم میں حضرت مہلب بن صفرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اگر دشمن تم پر شب خون مارے تو کہو۔ "حٰمٓ هُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ" (حٰم کی برکت سے ان کی مدد نہ کی جائے)۔ مالی مشکلات کے حل کیلئے راقم الحروف اپنے مریدین کو ۳۵۰۰ بار یا ۱۷۰۰ بار یا ۱۱۰۰ بار "اَللّٰهُ الصَّمَدُ" (اول وآخر سو بار کوئی سا بھی چھوٹا درود شریف) پڑھنے کی تلقین کرتا ہے اور اس کا فوراً اثر محسوس ہوتا ہے۔ مُرید اسکو جتنا زیادہ پڑھے گا اتنا ہی جلد اثر ہوگا۔ یہ وظیفہ حضرت سائیں توکل شاہ صاحبؒ سے ہم تک آیا ہے اور نہایت کامیاب پایا گیا ہے۔ مذکورہ بالا وظائف ہر مسلمان کیلئے لکھ دیئے گئے ہیں۔ اکثر لوگ ایسے کامیاب وظائف کو مخفی رکھتے ہیں لیکن راقم الحروف کا منشاء ہے کہ اگر ان سے کوئی فائدہ اٹھائے تو اس کا استفادہ خدمت کے زمرہ میں شامل ہو جائے گا، اجازت اگر لی جائے تو بہتر ہوگا۔

---

[1] المعجم الاوسط، حدیث ۶۱۱۵، جلد ۶، صفحہ ۱۷۶۔

دعائے حاجات وامراض

i۔ مرگی کیلئے: پیرمہر علی شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ سات بار الحمد شریف پڑھ کر نمک پر دم کردیں اور بیمار تین ماہ تک اسے ہر روز طعام سے پہلے اور بعد کھائے۔ اسی طرح سونے سے پہلے اور جاگنے کے بعد یعنی روزانہ چھ بار چکھ لیا کرے۔ اگر اس کے استعمال پر مداوت کرے تب بھی بہتر ہے، نمک کا استعمال تین ماہ تک جاری رکھے۔

ii۔ حاجات کیلئے: رسالہ قشیریہ میں ہے کہ حضرت لیثؒ نے روایت کی کہ ابن نافع رضی اللہ عنہ نابینا تھے خواب میں کسی نے یہ دعا پڑھنے کیلئے کہا تو وہ بینا ہوگئے۔ ''یَا قَرِیْبُ یَا مُجِیْبُ یَا سَمِیْعَ الدُّعَاءِ یَا لَطِیْفُ لِمَا یَشَاءُ رُدَّ عَلَیَّ بَصَرِیْ'' اسی طرح مشکل کے وقت اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کہنا بھی قبولیت کا باعث ہے۔ حضرت معروف کرخیؒ نے فرمایا ہے کہ رات کی ہونے پر یہ دعا اگر پڑھے تو خدا جبرائیل علیہ السلام سے جو بندوں کی قضائے حاجات پر مقرر ہیں فرماتا ہے کہ اے جبرائیل علیہ السلام میرے بندے کی حاجت کو پورا کر دو۔ وہ دعا یہ ہے ''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ وَرَحْمَتِکَ فَاِنَّھُمَا بِیَدِکَ وَلَا یَمْلِکُھُمَا اَحَدٌ سِوَاکَ'' (اللہ پاک ہے اور سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں اور خدا کے سوا کوئی معبود نہیں خدا سب سے بڑا ہے میں خدا سے معافی مانگتا ہوں اے اللہ میں آپ سے آپ کے فضل اور رحمت کا خواستگار ہوں بے شک وہ دونوں آپ کے قبضے میں ہیں اور ان کا اور کوئی مالک نہیں آپ کے سوا)۔[2]

iii۔ بچے کی پیدائش کیلئے: نزہۃ المجالس میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک گاؤں پر گزر ہوا تو عسرتِ ولادت میں مبتلا ایک عورت کو آپ نے یہ دعا تجویز فرمائی تو بچہ فوراً پیدا ہوگیا۔ ''یَا مُخَلِّصَ النَّفْسِ مِنَ النَّفْسِ خَلِّصْھَا'' (اے جان کو جان سے خلاصی دینے والے اسے خلاصی عنایت کیجئے)۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس دعا کو لکھ کر عسرت ولادت کیلئے دینے کو کہا ہے اگر اس میں سورۂ فاتحہ، اخلاص اور معوذتین کا اضافہ کرے تو بہتر ہے۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ ایک سفر کے دوران ایک گاؤں میں رات بھر کیلئے قیام کرنا چاہتے تھے اور اس گاؤں میں صرف ایک مسلمان دہقان رہتا تھا۔ جس سے آپ نے رات کیلئے جگہ طلب کی۔ اس نے کہا حضور میری بیوی عسرتِ ولادت میں ہے اور کمرہ بھی گھر میں ایک ہی ہے (اور اتفاق سے اس وقت بارش ہو رہی تھی) آپ نے فرمایا کوئی بات نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم میرے لئے اپنی ڈیوڑھی میں کچھ جگہ کر دو۔ چنانچہ اس نے بات کو سن کر اور ان کی شکل وصورت سے متاثر ہو کر ڈیوڑھی سے چند لکڑیاں اُٹھا کر آپ کیلئے کچھ جگہ بنادی۔ آپ نے فرمایا کہ میرا گدھا بھی باہر بھیگ رہا ہے، اس کیلئے بھی جگہ کر دو۔ دہقان نے اس کیلئے بھی چند اور

---

[1] الرسالۃ القشیریہ، جلد ۱، صفحہ ۱۲۱۔

[2] حلیۃ الاولیاء، جلد ۲، صفحہ ۲۲۔

لکڑیاں اٹھا کر جگہ کر دی تو چونکہ کاغذ اس کے پاس نہ تھا آپ نے مٹکے کے ٹھیکرے پر یہ شعر لکھ دیا اور اس عورت کے پیٹ پر رکھوا دیا جس کی برکت سے فوراً اس عورت کی مشکل حل ہو گئی۔

مرا جا شد خرم را نیزجا شد زنِ دہقاں بزاید کہ نزاید

(میرے لئے تو جگہ بن گئی ہے اور میرے گدھے کیلئے بھی جگہ بن گئی ہے اے دہقان کی عورت اب تو بچہ جن یا نہ جن)

اولیائے کرام فرماتے ہیں کہ چشتیہ سلسلہ میں یہ تعویذ اب بھی جاری ہے (اور مصنف بھی اس کا کامیاب تجربہ کر چکا ہے)۔ ایک اور تعویذ بھی ہے جو کہ عسرتِ ولادت کیلئے لکھا جاتا ہے۔ "اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۝ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ" (انشقاق:۱تا۵) ان آیات کو لکھ کر اچھی طرح چمڑے میں بند کر کے عورت کے پیٹ پر رکھے یا دائیں ران پر باندھے۔ ولادت کی عسرت رفع ہو جائے گی۔ انشاء اللہ

۱۷۔ گم شدہ کی تلاش: امام نووی "بستان العارفین" میں لکھتے ہیں کہ اس دعا کو آزمایا تو گم شدہ شے کے پانے میں نہایت نافع پایا۔ "یَا جَامِعَ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ اِجْمَعْ عَلَیَّ ضَالَّتِیْ" (اے لوگوں کو اس دن جمع کرنے والے جس میں شک نہیں میری گمشدہ شے کو میرے پاس اکٹھا کر دے)[1] ایک چیف انجینئر کا بیٹا شادی کروا کے عرصہ تین سال سے اپنے والد کے گھر سے فرار ہو چکا تھا مگر اس دعا میں کچھ ترمیم کے بعد پڑھا گیا تو دو تین ماہ میں واپس آ گیا مگر مطلب براری کے بعد باپ بھاگ گیا۔ قرطبی نے "کِتَابُ التَّذْکَارِ فِیْ فَضَائِلِ الْاَبْرَار" میں لکھا ہے کہ سورۂ یٰسین کو ایک مربع کاغذ پر لفظ یٰسین سے فَهُمْ لَا یُنْصَرُوْنَ تک الگ حروف کر کے لکھے اور کاغذ کے بیچ میں بھاگنے والے کا نام لکھ دے اور اس نام پر سوئی گاڑ کر ایسے مقام پر جہاں اس کی بود و باش رہتی تھی لٹکا دے تو حکمِ خدا سے واپس آ جائے گا۔ بچہ فرار ہو جائے تو زوال کے وقت یہ وظیفہ ۱۰۰۰ بار (اول آخر درود شریف) پڑھے: "یَا صَبُوْرُ یَا کَرِیْمُ یَا وَدُوْدُ"

۱۸۔ کسی مشکل کام کیلئے جاؤ تو: "حَسْبِیَ اللّٰهُ نِعْمَ الْوَکِیْلُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ" پڑھ کر جاؤ تو جس سے کام ہو گا وہ رضا مند ہو جائے گا۔ اس کی ایک تسبیح (۱۰۰۰ مرتبہ) روزانہ پڑھنے سے اس کی تاثیر زیادہ ہو جاتی ہے، ڈاکٹر محمد مظفر قریشی ایک امریکی دوست کا مجرب ہے۔ راقم الحروف نے بھی اپنے مُریدوں کے ذریعے اسے آزمایا ہے اور کامیاب پایا ہے۔ سورۂ یوسف کی آیت ۱۸، الفاظ "وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ" کا ورد سوا لاکھ بار (اکیلے کئی دنوں میں یا جماعت کے ساتھ) پڑھنے سے کاروبار میں بہت برکت اور مال ملتا ہے۔ کسی کام کیلئے بھی پڑھا جائے تو کام ہو جاتا ہے۔ یہ وظیفہ خاص طور پر مخالفین کیلئے یا میاں بیوی جھگڑے کیلئے بہت اچھا ہے، بیوی یا خاوند مخالف ہو تو یہ لکھ کر پاس رکھے "اَلْقَیْنَا اَلْقَیْنَا"۔

[1] بستان العارفین، جلد ا، صفحہ ۱۵۔

باب نمبر ۲۹

رسول اللہ ﷺ کی سب دعائیں مقبول ہیں

ایسی دعاؤں کے چند حوالہ جات

سیرت کی کتابوں میں دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بہت سی دعائیں فرمائیں اور جس کے حق میں جو فرمایا وہ پورا ہوا اور آپ کی ہر دُعا مقبول ہوئی۔ یہ بات ہر ایک جانتا ہے کہ آپ کی ہر بات وحیِ الٰہی تھی ''وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی'' (النجم: ۳۔۴) (وہ تو بولتے ہی اپنی خواہش سے نہیں ہیں مگر جو وحی ان کی طرف کی جاتی ہے)۔ قرآن حکیم وحی متلو اور حدیث شریف وحی غیر متلو کہلاتی ہے اس کو وحی خفی بھی کہتے ہیں آپ ﷺ نے خود فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے ''میری زبان سے کبھی کوئی بات حق کے سوا نہیں نکلی'' اگر یہ بات ہو تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی ہر بات درست نہ ہو۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کی کوئی دعا ایسی نہ تھی جو مقبول بارگاہِ الٰہی نہ ہوئی ہو۔ کسی نے آپ ﷺ کے لئے درست فرمایا۔

تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

بعض لوگ موشگافی کرتے ہیں کہ ابوجہل کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی کہ مسلمان ہو جائے مگر وہ تو ایمان نہ لایا۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی تھی کہ الٰہی ان دونوں عمروں میں سے ایک عمر کو مسلمان کر دے چنانچہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور دعا مقبول ہوئی۔ ابوجہل تو ازلی شقی تھا، اس کے لئے یہ دعا نہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ تو یہ رہا کہ اگر کوئی دعا منظور ہونے کے لائق نہ ہوتی تو پہلے فرما دیا جاتا کہ فلاں کے لئے دعا نہ کریں میں ہرگز قبول نہ کروں گا حتیٰ کہ رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کے لئے نماز جنازہ تو پڑھائی گئی مگر اس کی شفاعت یا بخشش کی دعا نہیں مانگی گئی کیونکہ دعا میں یہ فرمایا گیا تھا۔ ''اَللّٰهُمَّ اغۡفِرۡ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا'' تو عبداللہ بن ابی چونکہ ہمارے زندوں اور مردوں میں سے نہ تھا چنانچہ اس کے لئے یہ دعا ہی نہ کہی گئی تھی۔ چند لوگوں کیلئے آپ نے جو دعائیں فرمائی ہیں ان کی مختصر تفصیل عشاقانِ رسول ﷺ کے دلوں کو خوش کرنے کے لئے لکھی جا رہی ہیں۔ جلال الدین سیوطیؒ کی خصائصِ کبریٰ حصہ دوم صفحہ ۲۷۶ سے چند لوگوں کی بابت حضور ﷺ کی دعائیں نقل کی جا رہی ہیں، اسی طرح باقی کتابوں میں بھی بہت سی روایات درج ہیں۔

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے سینے پر تین مرتبہ اپنا دست مبارک مارا اور یہ دُعا کی کہ الٰہی ان کے سینے میں جو کچھ کھوٹ ہو نکال دے اور اس کی جگہ ایمان کو بھر دے ''اَللّٰهُمَّ اخۡرُجۡ مَا

فِیْ صَدْرِ عُمَرَ مِنْ غِلٍّ وَّاَبْدِلْہُ اِیْمَاناً'' اس کے بعد آپ پکار اٹھے کہ یارسول اللہ ﷺ مجھے آپ میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔[1]

۲۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لئے آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی ''اَللّٰھُمَّ اسْتَجِبْ لِسَعْدٍ اِذَا دَعَاكَ'' (الٰہی سعد کی دعا قبول فرما جب بھی وہ دعا مانگے)۔[2] منقول ہے کہ آپ نے جو بھی دعا مانگی قبول ہوئی حتیٰ کہ جب کوئی آپ سے زیادتی کرتا تو آپ اس کو کہتے کہ میں تیرے لئے بددعا کروں تو وہ فوراً توبہ کرتا اور معذرت پیش کرتا۔ تمام تفاصیل نقل کرنا طوالت طلب ہے صرف دو واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

عامر بن سعد رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کو مجمع میں برا بھلا کہا، آپ نے فرمایا کہ تو ان لوگوں کے متعلق بری باتیں کر رہا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ ہونا تھا سو ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ باز آ جا نہیں تو میں تمہیں بددعا دوں گا، اس نے کہا یہ شخص مجھے اس طرح خوف دلاتا ہے جیسے کوئی نبی ہے اور جو دُعا کرے گا قبول ہو جائے گی۔ چنانچہ سعد رضی اللہ عنہ نے بددعا کی تو اسی وقت ہجوم سے ایک اونٹنی آئی اور اس کو کچل دیا۔ مروان کے زمانے میں کچھ مالِ غنیمت آیا تو اس نے کہا ہم جس کو چاہیں تقسیم کریں یہ ہمارا مال ہے آپ نے بددعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو مروان دوڑ کر آیا اور آپ کو گلے لگالیا اور کہا کہ اے ابو اسحاق بددعا نہ کرو یہ اللہ کا مال ہے۔

۳۔ حضور ﷺ نے مالک بن ربیع رضی اللہ عنہ کے لئے دعا فرمائی کہ ان کی اولاد میں برکت ہو چنانچہ ان کے ہاں ۸۰ لڑکے پیدا ہوئے۔

۴۔ عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پانچ یا سات برس کا تھا کہ مجھے آپ ﷺ نے اپنی آغوش میں بٹھایا اور میری اور میری اولاد کے لئے برکت کی دُعا کی ہم اس دُعا کی برکت یہ دیکھتے ہیں کہ ہم بوڑھے نہیں ہوئے۔

۵۔ نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے سامنے شعر پڑھا جو کہ آپ ﷺ کو پسند آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''لَا یَغْضُضِ اللّٰہُ فَاكَ'' (اللہ تیرے دانتوں کو ضائع نہ کرے)[3] روایتوں میں ہے کہ سو سال کی عمر تک ان کا کوئی دانت نہ ٹوٹا۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر نابغہ رضی اللہ عنہ کا کوئی دانت ٹوٹتا تو فوراً اس کی جگہ نیا آ جاتا اور ان کے دانت اولوں سے زیادہ سفید تھے۔

۶۔ اہلیہ مقداد خباء بنت الزبیر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مقداد رضی اللہ عنہ ایک دن ویران جگہ پر گئے تو ایک چوہا ایک سوراخ سے ایک دینار نکال لایا، حتیٰ کہ ستر دینار تک لاتا رہا۔ حضور ﷺ سے دریافت کیا تو فرمایا کہ تمہیں اس

---

[1] المستدرک، حدیث ۴۴۹۲، جلد ۳، صفحہ ۹۱۔

[2] سنن الترمذی، حدیث ۳۷۵۱، جلد ۵، صفحہ ۶۴۹۔

[3] معجم الصحابہ، حدیث ۸۸۲، جلد ۲، صفحہ ۳۴۵۔

پر صدقہ فرض نہیں، اللہ تعالیٰ تمہیں ان دیناروں میں برکت دے۔ خباء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ان دیناروں میں اتنی برکت ہوئی کہ یہ ختم نہ ہوئے۔

۷۔ عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دودھ پلایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا مانگی اَللّٰھُمَّ اَمْتِعْهُ بِشَبَابِهٖ (اے اللہ اس کی جوانی کو نفع بخش دے) چنانچہ اسی سال کی عمر تک ان کا کوئی بال سفید نہ ہوا۔

۸۔ خمرۃ بن ثعلبۃ البہزی رضی اللہ عنہ نے التجا کی کہ میرے لئے شہادت کی دُعا فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دُعا فرمائی۔ ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحَرِّمُ دَمَ ابْنَ ثَعْلَبَةَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ''[۲] (اے اللہ میں ابن ثعلبہ کے خون کو مشرکین پر حرام کرتا ہوں)۔ چنانچہ وہ عمر بھر مشرکین پر حملے کرتے رہے ان کی صفوں کو چیرتے اور آگے نکل جاتے اور پلٹ کر آجاتے۔

۹۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک یہودی سامنے بیٹھا ہوا تھا اور آپ کو چھینک آئی تو یہودی نے کہا یرحمک اللہ تو اس پر آپ نے فرمایا ھداک اللہ تو یہودی مسلمان ہو گیا۔

۱۰۔ حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے زنا کی اجازت طلب کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو اپنی ماں سے زنا کرنا چاہتا ہے۔ اس نے کہا نہیں اسی طرح بیٹی، بہن، پھوپھی خالہ کے لئے دریافت کیا وہ کہتا گیا نہیں۔ آپ نے اپنا دست مبارک اس کے سینے پر رکھا اور دُعا کی۔ ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهٗ وَطَهِّرْ قَلْبَهٗ وَاَحْصِنْ فَرْجَهٗ'' (الٰہی اس کے گناہ معاف فرما اس کا سینہ پاکیزہ فرما اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما)[۳] اس کے بعد وہ نوجوان کبھی بُرے کاموں میں نہ الجھا۔

۱۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میرے لئے یہ دعا فرمائی ''اَللّٰھُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاوِیْلَ'' (اے اللہ اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور تاویل کا علم عطا فرما)۔[۴] ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میرے لئے حکمت کی دُعا فرمائی اور وہ قبول ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کو قرآن کی سمجھ دی گئی ہے اور مجھے تاویلِ آیاتِ قرآنی کی بھی سمجھ دی گئی ہے آپ کو ''رَاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ'' میں شمار کیا جاتا ہے۔

۱۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق حدیث صحیح میں ہے آپ حدیثوں کو یاد کرتے تو بھول جاتے تھے۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اپنی چادر زمین پر بچھا دو، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے فضا میں سے چند چلو اس چادر میں ڈالے پھر فرمایا کہ اس چادر کو سینے سے لگالو، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس

---

[۱] مصنف ابن شیبہ، حدیث ۳۱۷۵۹، جلد ۶ صفحہ ۳۲۲۔
[۲] مجمع الزوائد، جلد ۹ صفحہ ۳۷۹۔
[۳] احیاء العلوم، جلد ۲ صفحہ ۳۳۵۔
[۴] مسند احمد، حدیث ۳۰۳۳، جلد ۱ صفحہ ۳۲۸۔

کے بعد وہ کبھی کوئی حدیث نہیں بھولے اور بے شمار احادیث کے آپ ہی راوی ہیں۔

۱۳۔حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لئے فرمایا "اَللّٰھُمَّ اَکْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَبَارِکْ لَهٗ فِیْمَا اَعْطَیْتَهٗ" (اے اللہ اس کا مال زیادہ کر دے اور بیٹے بھی اور جو اسے دیا ہے اس میں برکت فرما دے)[1] حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس کثیر مال ہے بیٹے اور پوتے ایک سو کی تعداد میں ہیں۔ ابو عالیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ایک باغ تھا جس کے پودوں کو سال میں دو دفعہ میوہ آتا تھا، اس میں ایک قسم کا ریحان تھا جس میں مشک کی خوشبو آتی تھی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت سے تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ۹۹ سال کی عمر پائی۔

ترجمہ مراۃ الاسرار میں صفحہ ۴۲۸ پر اس بات کا ذکر ہے کہ حضرت میر سید مکیؒ کے بارے میں لکھا جاتا ہے کہ وہ شیخ نصیر الدین محمودؒ کے خلیفہ تھے، حضرت مکیؒ نے ۳۸۲ مشائخ کی صحبت حاصل کی۔ لکھتے ہیں کہ میں اپنے شیخ کی اجازت سے ان مشائخ کی خدمت کے لئے کمربستہ رہا اور ان میں سے ہر ایک نے اس فقیر کے حال پر نوازش فرمائی (آپ نے ان کے احوال بحر المعانی میں درج فرمائے ہیں) لکھتے ہیں کہ میں عبدِ مناف کے بھائی صفوان بن قیصر رضی اللہ عنہ جو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے کی زیارت سے بھی مشرف ہوا۔ آپ ایک غار میں مشغول تھے اس وقت (جب میں نے زیارت کی) آپ کی عمر ۹۹۳ سال تھی، انہوں نے مجھے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے حق میں درازی عمر کی دعا فرمائی تھی اور یہ واقعہ غرائب میں سے ہے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں کا یہ ایک عجیب واقعہ ہے)۔

چند قرآنی اور مسنون دعائیں

یوں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے نکلی ہوئی دعاؤں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ کتابوں سے ملتا ہے لیکن چند مشہور دعاؤں کو قارئین کی سہولت کے لئے نیچے بیان کیا جا رہا ہے۔ قرآن مجید میں بھی بہت سی ایسی دعاؤں کا ذکر آیا ہے جو مختلف انبیائے کرام اور اولیائے کرام کے ورد زبان رہیں لیکن اختصار کی خاطر یہاں چند ایک قرآنی اور مسنون دعاؤں کو شامل کیا جا رہا ہے۔ نیچے لکھی گئیں دعاؤں کا شمار ان دعاؤں میں ہوتا ہے جو بہت آسان مختصر اور عام بزرگوں کی زبان سے سنی جاتی رہی ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

۱) "رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ج اِنَّكَ اَنْتَ الْوَھَّابُ"
(اے ہمارے رب! نہ پیدا کرنا کجی کبھی ہمارے دلوں میں بعد اس کے کہ اب تو ہمیں ہدایت دے چکا ہے اور بخش ہمیں اپنے خزانہ فیض سے رحمت، یقیناً تو ہی ہے بہت زیادہ عطا کرنے والا)۔ (آل عمران:۸)۔

۲) "رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ" (آل عمران:۱۸) (اے ہمارے رب!

[1] صحیح بخاری، حدیث ۲۴۸۰، جلد ۴، صفحہ ۱۹۲۹۔

بے شک ہم ایمان لائے سو بخش دے تو ہمارے گناہ اور بچالے ہمیں دوزخ کے عذاب سے)۔

۳) ''رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ'' (الممتحنہ:۴،۵) (اے ہمارے رب! تجھ ہی پر بھروسہ کیا ہم نے تیری ہی طرف رجوع کیا ہم نے تیرے ہی حضور لوٹ کر جانا ہے ہمیں، اے ہمارے رب! نہ بنا ئیو ہم کو فتنہ ان لوگوں کے لئے جو کافر ہیں اور معاف فرمادے تو ہمارے قصور، اے ہمارے رب! بے شک تو ہی زبردست حکمت والا ہے)۔

۴) ''رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ'' (احقاف:۱۵) (اے میرے رب! توفیق دے تو مجھ کو کہ میں شکر ادا کرتا رہوں تیری ان نعمتوں کا جو تو نے عطا فرمائیں مجھے اور میرے والدین کو اور (توفیق دے) کہ میں کرتا رہوں ایسے نیک کام جن سے تو راضی ہو اور نیک بنادے تو میری خاطر میری اولاد کو، میں توبہ کرتا ہوں تیرے حضور اور میں ہوں تیرے تابع فرمان بندوں میں سے)۔

۵) ''رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ'' (اے ہمارے رب! بخش دے تو ہمیں اور ہمارے ان سب بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور نہ باقی رہنے دے ہمارے دلوں میں کوئی بغض اہل ایمان کے لئے۔ اے ہمارے رب! بے شک تو بڑا مہربان اور ہر حالت میں رحم فرمانے والا ہے) (حشر:۱۰)۔

مسنون دعائیں

۱۔''اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ وَالْمُعَافَاةَ الدَّائِمَةَ فِي الدِّينِ وَالدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ'' (اے اللہ! میں سوال کرتا ہوں عفو اور صحت و تندرستی کا اور دین و دنیا اور آخرت میں ہمیشہ معافی کا طلب گار ہوں)۔[1]

۲۔''اَللّٰهُمَّ لَا تَدَعْ لَنَا ذَنْبًا إِلَّا غَفَرْتَهُ وَلَا عَيْبًا إِلَّا سَتَرْتَهُ وَلَا هَمًّا إِلَّا فَرَّجْتَهُ وَلَا دَيْنًا إِلَّا قَضَيْتَهُ وَلَا حَاجَةً مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ هِيَ لَكَ رِضًا وَلَنَا صَلَاحًا إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ'' (اے اللہ! اے ارحم الراحمین! نہ چھوڑ ہمارے کسی گناہ کو الّا یہ کہ اسے معاف فرمادے اور نہ کسی عیب کو الّا یہ کہ اسے ڈھانپ دے اور نہ کسی غم کو الّا یہ کہ اسے دور فرمادے اور نہ قرض کو الّا یہ کہ اسے اتار دے اور نہ کوئی دنیاوی اور اخروی حاجت کو جس میں تیری رضا اور ہمارے لئے بہتری ہو الّا یہ کہ اسے پورا کردے)۔[2]

---

[1] احیاء العلوم، جلد ۱، صفحہ ۲۵۲۔

[2] مجمع الزوائد، جلد ۹، صفحہ ۷۹۔

۳۔ ''اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَ شُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ'' (اے اللہ! میری مدد فرما کہ میں تیرا ذکر کرتا رہوں ترا شکر ادا کرتا رہوں اور بہترین طریقے سے تیری عبادت کروں)۔[1]

۴۔ ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَاَھْلِیْ وَمَالِیْ'' (اے اللہ! میں سوال کرتا ہوں اپنے گناہوں کی معافی کا اور اپنے دین اور اپنے مال واولاد میں صحت وعافیت کا سوال کرتا ہوں)۔[2]

۵۔ ''اَللّٰھُمَّ اِھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ اِنَّكَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْكَ وَاِنَّهٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ'' (اے اللہ! مجھے ہدایت دے ان لوگوں کے ساتھ جن کو تو نے ہدایت دی مجھے عافیت دے ان لوگوں کے ساتھ جن کو تو نے عافیت دی مجھ کو دوست بنا ان لوگوں کے ساتھ جن کو تو نے دوست بنایا جو کچھ تو نے مجھے دیا ہے اس میں برکت عطا فرما اور مجھے اس چیز کے شر سے بچا جو تو نے مقدر کر دی ہے۔ اس لئے کہ تو حکم کرتا ہے تجھ پر کوئی حکم نہیں چلا سکتا جس کو تو دوست رکھے وہ ذلیل نہیں ہو سکتا اور جس سے تو دشمنی رکھے وہ عزت نہیں پا سکتا! اے ہمارے رب تو برکت والا ہے بلند و بالا ہے)۔[3]

۶۔ ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اَلْاَحْیَاءِ مِنْھُمْ وَالْاَمْوَاتِ اِنَّكَ قَرِیْبٌ مُّجِیْبُ الدَّعْوَاتِ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ'' (اے اللہ! مجھے میرے والدین مسلمان مرد اور مسلمان عورتوں مومن مرد اور مومن عورتوں زندہ اور وفات شدہ سب کو معاف فرما بے شک تو دعاؤں کو قبول فرمانے والا انتہائی قریب ہے اے رب العالمین!)۔[4]

۷۔ ''اَللّٰھُمَّ مَا اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِّعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ فَلَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّکْرُ'' (اے اللہ! صبح کے وقت جو نعمت مجھ کو ملے یا تیری مخلوق میں سے کسی کو ملے وہ تجھ اکیلے ہی کی طرف سے ہے تیرا کوئی شریک نہیں ہر قسم کی تعریف اور ہر قسم کا شکر تیرے ہی لئے خاص ہے)۔[5]

متفرق دعائیں

مذکورہ بالا مشہور دعاؤں کے علاوہ کچھ دعائیں ایسی بھی ہیں جو اکثر بزرگوں کے روزمرہ معمولات میں شامل ہیں۔ اہل ذوق حضرات کے لئے چند ایسی متفرق دعاؤں کا مجموعہ نیچے دیا جارہا ہے جن کا انتخاب قرآنی دعاؤں، مسنون دعاؤں اور اولیائے کرام کی دعاؤں سے کیا گیا ہے۔ قارئین اپنے حال اور ضرورت کے

---

[1] المستدرک، حدیث ۱۰۱۰، جلد ۱، صفحہ ۴۰۷۔

[2] موارد الظمآن، علی بن ابی بکر، متوفی ۸۰۷، حدیث ۲۳۵۶، جلد ۱، صفحہ ۵۸۵، بیروت۔

[3] سنن ابی داود، حدیث ۱۴۲۵، جلد ۲، صفحہ ۶۳۔

[4] حاشیۃ الجمل، جلد ۳، صفحہ ۳۶۷۔

[5] سنن ابی داود، حدیث ۵۰۷۳، جلد ۴، صفحہ ۳۱۸۔

مطابق درج ذیل دعاؤں میں سے چند دعائیں اپنے معمولات میں شامل کر سکتے ہیں۔

۱۔ ''اَللّٰھُمَّ بِیَدِکَ الْخَیْرُ وَالْعَافِیَةُ اِنَّا نَسْئَلُکَ خَیْرًا وَّ عَافِیَةً یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ '' (اے اللہ تیرے ہی ہاتھ میں ہے ہر خیر یعنی بھلائی اور عافیت یعنی امن وسلامتی ہم آپ سے خیر اور عافیت کی درخواست کرتے ہیں اے بہت رحم کرنے والے مہربان ورحیم)۔

۲۔ ''اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ بَرَکَةً فِی الْعُمُرِ وَصِحَّةً فِی الْبَدَنِ وَوُسْعَةً فِی الرِّزْقِ وَزِیَادَةً فِی الْعِلْمِ وَثُبَاتًا عَلَی الْاِیْمَانِ وَنَوِّرْ قُلُوْبَنَا بِنُوْرِ الْعِرْفَانِ بِحُرْمَةِ نَبِیِّکَ وَ حَبِیْبِکَ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ آخِرِ الزَّمَانِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ'' (اے اللہ ہم آپ سے عمر میں برکت مانگتے ہیں اور بدن میں صحت کے طلبگار ہیں اور رزق میں کشائش اور علم میں اضافہ اور ایمان پر ثابت قدمی واستقلال اور ہمارے دلوں کو منور کر دے اپنی معرفت کے نور سے بطفیل اپنے حبیب ﷺ اور اپنے نبی رحمت والے آقا جو آخری زمانے کے نبی ہیں صلوٰۃ وسلام آپ پر اور آپ کے تمام اصحاب پر)۔

۳۔ ''اِلٰھِیْ عَبْدُکَ الْعَاصِیْ اَتَاکَ مُقِرًّا بِالذُّنُوْبِ وَقَدْ دَعَاکَ فَاِنْ تَغْفِرْ فَاَنْتَ لِذَاکَ اَھْلٌ وَاِنْ تَطْرُدْ فَمَنْ یَّرْحَمْ سِوَاکَ '' (اے اللہ! تیرا گنہگار بندہ تیری خدمت میں حاضر اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے آپ کو پکارتا ہے اگر میرے گناہ تو بخش دے تو تو ہی بخشنے والا ہے اور اگر تو مجھے رد کر دے تو کون ہے تیرے سوا رحم کرنے والا)۔

۴۔ '' یَا رَحِیْمُ کُلِّ صَرِیْخٍ وَّمَکْرُوْبٍ وَغِیَاثُهٗ وَمَعَاذُهٗ یَا رَحِیْمُ '' (اے رحم کرنے والے ہر فریادی اور پریشان حال پر اس کی مدد کرنے والے اور اس کی جائے پناہ اے رحم کرنے والے)۔

۵۔ '' رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ '' (اے پروردگار میرے توفیق عطا فرما مجھے کہ شکر کروں تیری نعمتوں کا جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں اور میرے والدین پر اور توفیق دے کہ میں ایسے عمل صالح کروں جن سے تو راضی ہو اور مجھے اپنے نیک صالح بندوں میں شامل فرما اپنی خاص رحمت سے نواز دے) (النمل:۱۹)۔ (اس دعا میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے یہ دعا مانگی تھی)۔

۶۔ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ'' (تمام تعریفیں اللہ کے لئے جو پروردگار ہے سارے جہانوں کا اور بہتر انجام پرہیزگاروں کے لئے صلوٰۃ وسلام اللہ کے رسول محمد ﷺ پر اور آپ کے جملہ آل واصحاب پر)۔

۷۔ '' لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ، نَسْئَلُکَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِکَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِکَ وَالْغَنِیْمَةَ مِنْ کُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ

---

[1] قوت القلوب، جلد ۱، صفحہ ۹۹۔

مِنْ كُلِّ اِثْمٍ اِلاَّ تَدَعْ لَنَا ذَنْبًا اِلاَّ غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلاَّ فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلاَّ قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ'' (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی حوصلے والا اور کرم کرنیوالا ہے پاک ہے اللہ جو مالک ہے عرشِ عظیم کا اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جو پروردگار ہے جہانوں کا اے اللہ ہم آپ سے رحمت کے لانے والی دعائیں مانگتے ہیں اور آپ سے مغفرت اور بخشش کی امید رکھتے ہیں اور ہر نیکی کی قبولیت چاہتے ہیں اور ہر گناہ سے محفوظ کر ہمیں کوئی گناہ ایسا نہ ہو کہ ہم نے اس سے کنارہ کیا ہو مگر تو نے معاف کر دیا اور نہ کوئی دکھ ایسا کہ تو نے دور نہ کیا ہو اور نہ کوئی ضرورت ایسی کہ جس میں تیری رضا ہو یقیناً تو نے پوری کر دی اے بہت رحم کرنیوالے رحیم)۔[1]

۸۔ ''اَللّٰهُمَّ نَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَئَلَكَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَكَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ''[2] (اے اللہ! ہم وہ خیر یعنی بھلائی آپ سے مانگتے ہیں جو آپ سے آپ کے بندے اور نبی محمد ﷺ نے مانگی ہے اور ہم پناہ مانگتے ہیں ہر اس شر سے جس سے پناہ مانگی ہے تیرے بندے اور نبی محمد ﷺ نے)۔

۹۔ ''اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا مِمَّنْ غَابَ عَنَّا وَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَ مُؤْمِنَةٍ فِي الدَّارَيْنِ حَسَنَةً يَا وَاسِعَ الْمَغْفِرَةِ'' (اے اللہ! اے رب ہمارے عطا کر ہمیں اور ہر اس مومن مرد اور عورت کو جو ہم میں موجود اور جو موجود نہیں ہیں دونوں جہانوں میں بھلائی اے وسیع مغفرت والے)۔

۱۰۔ ''اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْيَآءَ كَمَا هِيَ اَللّٰهُمَّ سَهِّلْ عَلَيْنَا بِجُوْدِكَ وَيَسِّرْ عَلَيْنَا بِكَرَمِكَ يَا اَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ وَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ'' (اے اللہ! کھول دے ہم پر حقیقت تمام چیزوں کی جیسے کہ وہ ہیں ،اے اللہ سہل فرما دے ہر مشکل کام اپنی جود و سخا سے اور آسان کر دے اپنے خاص کرم سے اے بہت کرم کرنے والے اور رحم کرنے والے کریم و رحیم)[3] (یہ دعا حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ نمازِ تہجد کے بعد پڑھا کرتے تھے)۔

۱۱۔ بے چینی اور اضطراب کی حالت میں ''يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ''[4] (اے ہمیشہ زندہ رہنے والے بالذات اور حیات بخشنے والے اے ہمیشہ قائم اور سلامت رکھنے والے تیری رحمت سے مدد مانگتا ہوں نہیں کوئی معبود سوائے تیرے مگر تو ہی عبادت کے لائق ہے پاک ہے ذات تیری میں گناہوں کی ظلمت میں پھنسا ہوا ہوں)۔

---

[1] شرح منتھی الارادات، منصور بن یونس، ۱۰۵۱ھ، جلد ۱، صفحہ ۲۵۰، عالم الکتب، بیروت۔

[2] مسند ابی یعلی، حدیث ۴۴۷۳، جلد ۷، صفحہ ۴۴۶۔

[3] تفسیر الکبیر، جلد ۱۳، صفحہ ۲۷

[4] سنن الترمذی، حدیث ۳۵۲۴، جلد ۵، صفحہ ۵۳۹۔

۱۲۔ "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَااِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ فَاِنَّهٗ لَایَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلاَّ اَنْتَ" (اے اللہ! بے شک تو ہی میرا رب ہے کوئی معبود نہیں سوائے تیرے تو نے ہی مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا ہی بندہ ہوں اور میں تیرے پیمان اور وعدے پر قائم ہوں اپنی بساط کے مطابق جو تو نے توفیق بخشی ہے میں پناہ مانگتا ہوں اپنے نفس کے شر سے جو مجھ سے بصورت گناہ ظاہر ہو، میں ندامت کے ساتھ واپس پلٹتا ہوں یعنی تائب ہوتا ہوں تیری نعمتوں اور احسانوں کے شکر کرتے ہوئے جو تیری طرف سے مجھ پر ہیں میں سچے دل سے اپنے تمام گناہوں سے توبہ و استغفار کرتا ہوں کیونکہ مجھے یقین ہے کہ گناہوں کا بخشنے والا صرف اور صرف تو ہی ہے)۔[1]

۱۳۔ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ مَاقَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ تَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ" [2] (اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں آپ کی بارگاہ میں بزدلی سے اور پناہ مانگتا ہوں بخیلی اور کنجوسی سے ضعیف العمری سے دنیا کے فتنوں سے اور قبر کے عذاب سے اے اللہ بے شک میں پناہ مانگتا ہوں کفر سے اور محتاجی سے اور عذاب قبر سے اے اللہ میرے گناہ معاف کر دے اگلے اور پچھلے اور جو میں نے خفیہ کئے ہیں اور ظاہر کئے ہیں تو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے، تو ہی معبود برحق ہے تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں)۔

۱۴۔ "اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ" [3] (اے اللہ! تو جو عطا کرنا چاہے تو کوئی روکنے والا نہیں اور تو جس سے روک لے اس کو کوئی دینے والا نہیں اور آپ کی عزت سے کوئی صاحب عزت نفع نہیں دے سکتا یعنی آپ کی عزت ہی نفع دے سکتی ہے)۔

۱۵۔ "رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ اِنَّكَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ" (اے رب! مغفرت فرما دے اور رحم کر دے اور درگزر فرما ان گناہوں سے جن کو تو ہی جانتا ہے بے شک تو بڑی عزت و شان والا اور بڑے کرم والا ہے)۔

۱۶۔ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَّعَمَلًا مُتَقَبَّلًا وَّرِزْقًا طَیِّبًا" [4] (اے اللہ! آپ سے سوال کرتا ہوں علمِ نافع اور عملِ مقبول اور پاکیزہ حلال روزی کا)۔

۱۷۔ "اَللّٰهُمَّ أَسْاَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُقَرِّبُ إِلٰی حُبِّكَ" (اے اللہ! عطا فرما

---

[1] المستدرک، حدیث ۱۸۹۶، جلد ۱، صفحہ ۶۹۶۔

[2] صحیح ابن حبان، حدیث ۸۹۱، جلد ۳، صفحہ ۱۷۳۔

[3] صحیح مسلم، حدیث ۴۷۷، جلد ۱، صفحہ ۳۴۷۔

[4] سنن ابن ماجہ، حدیث ۹۲۵، جلد ۱، صفحہ ۲۹۸۔

اپنی محبت اوران کی جو آپ سے محبت رکھتے ہیں اوران اعمال کی بھی محبت جو قریب کردیں ہمیں آپ کی ذات سے)۔[1]

۱۸۔''اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَّصَرَ الدِّیْنَ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَ اَھْلَ الدِّیْنِ اَللّٰھُمَّ اخْذُلْ مَنْ خَذَلَ الدِّیْنَ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ اَھْلَ الدِّیْنِ'' (اے اللہ! مدد فرما ان کی جو دین کی مدد کرتے ہیں اوران کی بھی مدد کر جو دینداروں کی مدد کرتے ہیں اے اللہ! ذلیل کر ان کو جو دین کی ناقدری کرتے ہیں اوران کو بھی ذلیل کر جو دین والوں کی تذلیل کرتے ہیں)۔

۱۹۔''اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنَ الْعِلَّۃِ فِی الْغُرْبَۃِ وَمِنَ الْمُذِلَّۃِ عِنْدَ الشَّیْبِ وَمِنَ الشَّقَاوَۃِ عِنْدَ الْخَاتِمَۃِ وَمِنَ الْفَضِیْحَۃِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ'' (اے اللہ! محفوظ رکھ ہمیں ہر قسم کی بیماریوں سے غربت میں اور محفوظ فرما بڑھاپے کی کسمپرسی سے اور خاتمے کی نحوست و بدبختی سے اور قیامت کے دن شرمندگی سے)۔

۲۰۔''اَللّٰھُمَّ زَیِّنْ ظَوَاھِرَنَا بِخِدْمَتِكَ وَبَوَاطِنَنَا بِمَحَبَّتِكَ وَقُلُوْبَنَا بِمَعْرِفَتِكَ وَاَرْوَاحَنَا بِمُشَاھَدَتِكَ وَاَسْرَارَنَا بِمُعَایَنَۃِ جَنَابِ قُدْسِكَ'' (اے اللہ! سنوار دے ہمارے ظاہر اپنی عبادت سے اور ہمارے باطن اپنی محبت سے اور ہمارے دل اپنے نورِ معرفت اور ہماری روحیں اپنے مشاہدہ وتجلیات سے اور اسرار ہمارے سنوار دے اپنی ذات کے دیدار سے)۔

۲۱۔تزکیہ نفس کیلئے ''اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰھَا وَزَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَّنْ زَکّٰھَا وَاَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلٰھَا'' (اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ کی نعمت عطا فرما اور پاک صاف کر دے اس کو اس لئے کہ تو ہی مالک ہے تجھ سے بہتر کون ہے جو پاک کرے اس کو جبکہ تو ہی اس کا ولی بھی ہے اور مولیٰ بھی)۔[2]

۲۲۔دردِ شکم یا بدہضمی کے لئے اس آیت کو پڑھ کر پیٹ پر دم کرلیا جائے یا پانی پر دم کر کے پی لیا جائے۔ ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط کُلُوْا وَاشْرَبُوْا ھَنِیْٓـئًا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ط اِنَّا کَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ '' (شروع اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے کرتا ہوں کھاؤ اور پیو فراخ کے ساتھ یعنی جی بھر کے اس لئے کہ تم عملِ خیر کرتے تھے ہم اسی طرح جزادیتے ہیں احسان کرنے والوں کا)۔

۲۳۔زبان کی لکنت دور کرنے کے لئے۔اگر زبان میں لکنت ہو تو اس آیت کو پڑھا کرے اس کے پڑھنے سے سینہ بھی کشادہ ہوجاتا ہے۔''رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ۙ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ ۙ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ ۙ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ'' (طٰہٰ:۲۵،۲۶،۲۷) (اے رب! میرا سینہ کھول دے اور آسان کردے کام میرا اور کھول دے گرہ میری زبان کی تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں)۔

۲۴۔بجلی کے کڑکنے پر''وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِہٖ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ مِنْ خِیْفَتِہٖ'' (الرعد:۱۳)

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۳۲۳۵، جلد ۵، صفحہ ۳۶۹۔

[2] صحیح مسلم، حدیث ۲۷۲۲، جلد ۴، صفحہ ۲۰۸۸۔

(اور تسبیح پڑھتا ہے رعد (فرشتہ) اس کی حمد کی اور کل فرشتے ہمیشہ اس سے خوف میں رہتے ہیں)۔

۲۵۔ آندھی آنے پر " اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَخَيْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ " (اے اللہ! میں سوال کرتا ہوں آپ سے اس کے خیر کے پہلو کا اور جو اس میں ہے یا جس کے لیے روانہ کی گئی ہے اور پناہ مانگتا ہوں اے اللہ اس کے شر سے اور اس کے اندر جو کچھ ہے اور جس کے لیے وہ بھیجی گئی ہے یعنی آندھی)۔[1]

۲۶۔ گناہوں کی بخشش اور اعمال نامہ کو بھاری کرنے کیلئے " سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ " (پاک ہے اللہ اپنی تمام محامد کے ساتھ پاک ہے اللہ عظمت والا)۔

۲۷۔ نفاق، ریاء وغیرہ سے بچنے کے لئے " اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِیْ مِنَ الرِّيَآءِ وَلِسَانِیْ مِنَ الْكِذْبِ وَعَيْنِیْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرِ "[2] (اے اللہ پاک کردے دل میرا منافقت سے اور عمل میرا ریا سے اور زبان میری جھوٹ سے اور آنکھ میری خیانت سے بے شک تو جانتا ہے آنکھوں کی خیانت اور جو دلوں میں چھپا ہوتا ہے)۔

۲۸۔ " اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ ضِيْقِ الدُّنْيَا وَضِيْقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ "[3] (اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں آپ سے دنیا یعنی معاش کی تنگی سے اور آخرت کے عذاب سے)۔

۲۹۔ " اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ "[4] (اے اللہ! مجھے شامل فرما توبہ کرنے والوں میں اور پاک لوگوں میں سے مجھے بنا)۔

۳۰۔ " رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا " (الکہف: ۱۰) (اے رب ہمارے دے تو ہمیں اپنی خاص رحمت سے حصہ اور ہمارے کام آسان کر کے ان کی بھلائی سے نواز دے)۔

۳۱۔ " رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا " (الفرقان: ۷۴) (اے رب ہمارے عطا فرما ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور اتنا پرہیزگار بنا ہمیں کہ متقیوں کے امام ٹھہریں)۔

۳۲۔ " اَللّٰهُمَّ اَعِنَّا عَلٰی ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ "[5] (اے اللہ! مدد فرما ہماری اپنے ذکر و شکر اور حسنِ عبادت میں آپ کی اچھی عبادت و بندگی پر)۔

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۸۹۹، جلد ۲، صفحہ ۶۱۶۔

[2] مشکوٰۃ المصابیح، حدیث ۲۵۰۱، جلد ۲، صفحہ ۷۷۰۔

[3] مشکوٰۃ المصابیح، حدیث ۱۲۱۶، جلد ۱، صفحہ ۳۸۳۔

[4] سنن الترمذی، حدیث ۵۵، جلد ۱، صفحہ ۷۸۔

[5] المستدرک، حدیث ۱۰۱۰، جلد ۱، صفحہ ۴۰۷۔

۳۳۔ ''اَللّٰھُمَّ اعْفُ عَنِّیْ فَاِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ وَاَنْتَ عَفُوٌّ کَرِیْمٌ ''[1]

(اے اللہ! معاف کردے مجھے اس لئے کہ تو ہی معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے اور تو بڑا معاف کرنے والا کریم ہے)۔

۳۴۔ ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الصِّحَّۃَ وَالْعِفَّۃَ وَالْاَمَانَۃَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضَا بِالْقَدْرِ ''[2]

(اے اللہ! بے شک میں سوال کرتا ہوں آپ سے صحت و سلامتی اور امن سے زندگی بسر کرنے کا اور حسنِ اخلاق کا اور رضا بالقضا کا)۔

۳۵۔ ''رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاھْدِنِی السَّبِیْلَ الْاَقْوَمَ ''[3]

(اے رب بخش دے اور رحم کر اور راہنمائی فرما سیدھے راستے کی)۔

۳۶۔ ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْمُعَافَاۃَ وَالْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ''[4]

(اے اللہ میں سوال کرتا ہوں آپ سے معافی کا اور سلامتی کا دنیا و آخرت میں)۔

۳۷۔ ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَاَھْلِیْ وَمَالِیْ، اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَتِیْ وَاٰمِنْ رَوْعَتِیْ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنِیْ مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ وَمِنْ خَلْفِیْ وَعَنْ یَّمِیْنِیْ وَعَنْ شِمَالِیْ وَمِنْ فَوْقِیْ وَاَعُوْذُ بِعَظْمَتِکَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِیْ ''[5] (اے اللہ میں درخواست کرتا ہوں آپ سے گناہوں کی معافی کی اور دین و دنیا اور اہل و عیال اور مال کی سلامتی کی، اے اللہ پردہ ڈال میری عزت پر اور حفاظت فرما میرے گھر بار کی اے اللہ حفاظت فرما میری میرے سامنے اور میرے پیچھے اور میرے دائیں اور میرے بائیں سے اور میرے اوپر سے اور میں پناہ مانگتا ہوں تیری عظمت کے ساتھ کہ میں آزمائش میں مبتلا ہوں نیچے سے)۔

۳۸۔ ''اَللّٰھُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِی الْاُمُوْرِ کُلِّھَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْیِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَۃِ''[6]

(اے اللہ بہتر انجام فرما ہر مشکل کام میں ہمارا اور آزاد کر ہمیں دنیا کے غم اور عذابِ آخرت سے)۔

۳۹۔ ''اَللّٰھُمَّ یَا نُوْرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَا مُزَیِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَا جَبَّارَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَا عِمَادَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ یَا بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَا قَیَّامَ السَّمٰوٰتِ ''[7]

(اے اللہ! اے روشن کرنے والے آسمان و زمین کے اور اے سجانے والے آسمانوں اور زمین کے اور اے

---

[1] مجمع الزوائد، جلد ۱۰، صفحہ ۱۷۳۔

[2] مشکوٰۃ المصابیح، حدیث ۲۵۰۰، جلد ۲، صفحہ ۷۷۰۔

[3] مسند احمد بن حنبل، حدیث ۲۶۷۲۷، جلد ۶، صفحہ ۳۱۵۔

[4] مجمع الزوائد، جلد ۱۰، صفحہ ۱۷۵۔

[5] مجمع الزوائد، جلد ۱۰، صفحہ ۱۷۵۔

[6] صحیح ابن حبان، حدیث ۹۴۹، جلد ۳، صفحہ ۲۲۹۔

[7] مجمع الزوائد، جلد ۱۰، صفحہ ۱۷۹۔

حکم چلانے والے آسمان وزمین کے اے تھامنے والے آسمان وزمین کے اے بغیر نمونے کے نئے سرے سے پیدا کرنے والے آسمان وزمین کے اور قائم رکھنے والے آسمانوں کو)۔

۴۰۔''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَعَنْ یَمِیْنِیْ نُوْرًا وَعَنْ شِمَالِیْ نُوْرًا وَاَمَامِیْ نُوْرًا وَخَلْفِیْ نُوْرًا وَفَوْقِیْ نُوْرًا وَتَحْتِیْ نُوْرًا وَاجْعَلْ لِیْ نُوْرًا اَوْ قَالَ وَاجْعَلْنِیْ نُوْرًا''[1] (اے اللہ میرے دل میں نور بھر دے اور میری آنکھوں میں نور ڈال دے اور میرے کانوں میں نور بھر دے اور میرے دائیں اور بائیں نور اور میرے آگے اور پیچھے نور اور میرے اوپر نیچے نور، اور مجھے سراپا نور بنا دے)۔

۴۱۔''اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اِجْتِنَابَهٗ وَلَا تَكِلْنَا اِلٰی اَنْفُسِنَا وَلَا اِلٰی اَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ طُرْفَةَ عَیْنٍ وَلَا اَقَلَّ مِنْ ذَالِكَ وَكُنْ لَنَا وَالِیًا وَنَاصِرًا وَحَافِظًا وَعَوْنًا وَمُعِیْنًا وَعَلٰی كُلِّ خَیْرٍ دَلِیْلًا وَمُصَدِّقًا وَمُؤَیِّدًا''[2] (اے اللہ! ہمیں حق کے حقائق سے آگاہ فرما اور حق کی اتباع نصیب فرما اور باطل کے بطلان سے خبردار اور اس سے ہمیں محفوظ فرما اور ہمیں ہمارے نفسوں کے سپرد نہ کر اور نہ کسی کا محتاج کر اپنی مخلوق میں آنکھ جھپکنے کی دیر اور نہ کم اس سے اور تو ہی ہمارا کارساز اور مددگار اور محافظت کرنے والا اور مدد کرنے والا ہر کار خیر پر دلیل اور تائید و تصدیق کرنے والا ہے)۔

۴۲۔''اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِیْ مِنَ الرِّیَاءِ وَلِسَانِیْ مِنَ الْكِذْبِ وَعَیْنِیْ مِنَ الْخِیَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْیُنِ''[3] (اے اللہ میرا دل پاک کر دے منافقت سے اور میرا عمل ریا سے اور میری زبان جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے کیونکہ تو ہی جانتا ہے آنکھوں کی خیانت کو)۔

۴۳۔ نیا چاند دیکھنے پر''اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ وَالتَّوْفِیْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی رَبُّنَا وَرَبُّكَ اللّٰهُ''[4] (اللہ بہت بڑا ہے اے اللہ اس چاند کو ہمارے لئے امن و ایمان اور سلامتی و اسلام کا پیغام بنا اور توفیق دے اچھے اعمال کی جو تیرے پسندیدہ ہوں۔ ہمارا اور تیرا رب اے چاند اللہ ہی ہے)۔

۴۴۔''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَهُ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اَنْ تَجْعَلَنِیْ فِیْ حِرْزِكَ، وَحِفْظِكَ، وَجِوَارِكَ، وَتَحْتَ كَنَفِكَ''[5] (اے اللہ میں سوال کرتا ہوں آپ سے تیری ذات کے نور سے جس سے آسمان وزمین منور ہیں یہ کہ آپ مجھے اپنی پناہ میں اور اپنی حفاظت میں اور اپنے سایہ

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۷۶۳، جلد ۱، صفحہ ۵۲۸۔

[2] تفسیر ابن کثیر، جلد ۱، صفحہ ۲۵۲۔

[3] مشکوۃ المصابیح، حدیث ۲۵۰۱، جلد ۲، صفحہ ۷۷۰۔

[4] صحیح ابن حبان، حدیث ۹۴۹، جلد ۳، صفحہ ۲۲۹۔

[5] مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث ۲۹۵۳۹، جلد ۶، صفحہ ۶۹۔

رحمت اور جوارِ عرش میں رکھیں)۔

۴۵۔ ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِکَ وَتَحَوُّلِ عَافِیَتِکَ''

(اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ تو اپنی نعمتیں چھین لے مجھ سے اور اپنی سلامتی پھیر لے)۔[1]

۴۶۔ ''اَللّٰھُمَّ لَا تَدَعْ لَنَا ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا ھَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا دَیْنًا اِلَّا قَضَیْتَهٗ وَلَا حَاجَةً مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا قَضَیْتَھَا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ''[2] (اے اللہ میرا کوئی گناہ نہ چھوڑ مگر معاف کر دے اس کو اور نہ کوئی غم مگر دور کر دے اس کو اور نہ کوئی قرض مگر ادا کر دے اس کو نہ کوئی دنیا و آخرت کی ضرورت مگر تو اس کو پورا کر دے یا ارحم الرحمین)۔

۴۷۔ ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ كُلِّ خَیْرٍ خَزَائِنُهٗ بِیَدِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ كُلِّ شَرٍّ خَزَائِنُهٗ بِیَدِكَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ وَالْغَنِیْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَالنَّجَاةَ مِنَ النَّارِ''[3] (اے اللہ میں سوال کرتا ہوں آپ سے ہر خیر و بھلائی کا کہ اس کے خزانے تیرے قبضہ میں ہیں اور پناہ مانگتا ہوں ہر شر سے کہ اس کے خزانے تیرے ہاتھ میں ہیں اور سوال کرتے ہیں اس کی رحمتوں کے واجب کرنے والی چیزوں کا اور کثرت مغفرت کا طالب ہوں اور سلامتی کا ہر گناہ سے اور غنیمت ہر نیکی سے اور دوزخ سے نجات طلب کرتا ہوں)۔

۴۸۔ ''یَا اِلٰهَ الْعَالَمِیْنَ یَا اَحْكَمَ الْحَاكِمِیْنَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ بِفَضْلِكَ وَبِجُوْدِكَ وَبِجَاهِ نَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ فَسَهِّلْ یَا اِلٰهِیْ كُلَّ صَعْبٍ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْاَبْرَارِ یَا عَزِیْزُ یَا غَفَّارُ'' (اے جہانوں کے معبود اے حاکموں کے حاکم اے مہربانوں میں زیادہ مہربان تیرے فضل اور عطا کا امیدوار ہوں اپنے نبی محمد ﷺ کے طفیل آسان کر دے ہر مشکل حضور ﷺ سید ابرار کی عزت و حرمت کا واسطہ دیتا ہوں اے بڑی عزت والے اے بخشش والے)۔

۴۹۔ ''اَللّٰھُمَّ فَرِّجْنَا بِدُخُوْلِ الْقَبْرِ وَاخْتِمْ لَنَا بِالْخَیْرِ وَظَفَرٍ وَاغْفِرْ لَنَا وَلِوَالِدَیْنَا وَلِجَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ اَجْمَعِیْنَ'' (اے اللہ فراخ یعنی کھول دے قبر کو جب ہم داخل کیئے جائیں اس میں اور ہمارا خاتمہ بالخیر اور کامیابی کے ساتھ کر اور مغفرت فرما ہماری اور ہمارے ماں باپ کی اور تمام مومن مرد اور تمام مومن عورتوں کی اپنی خاص رحمت اور نوازش سے اے بہت رحم کرنے والے مہربان اور درود ہو محمد ﷺ پر اور آپ کی جملہ آل پر)

---

[1] المستدرک، حدیث ۱۹۴۶، جلد ۱، صفحہ ۷۱۳۔

[2] مجمع الزوائد، جلد ۱۰، صفحہ ۱۵۷۔

[3] المستدرک، حدیث ۱۹۵۷، جلد ۱، صفحہ ۷۱۶۔

دعائیہ اشعار

الٰہی طاقتِ دوزخ نداریم بفضل و رحمتت امیدواریم

(الٰہی مجھ میں دوزخ کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں، تیرے فضل اور رحمت کا امیدوار ہوں)

الٰہی عاصیم استغفر اللّٰہ تونی فریاد رس الحمد للّٰہ

(اے اللہ! ہم گناہگار ہیں تیری مغفرت کے طلبگار ہیں تو ہی ہماری فریادیں سننے والا ہے الحمدللہ)

تکیہ نداریم، بغیرِ خدا وسیلہ نداریم بجز مصطفیٰ ﷺ

(بھروسا نہیں کہیں سوائے خدا کے اور وسیلہ نجات کوئی نہیں سوائے مصطفیٰ ﷺ کے)

پادشاہا جرم مارا در گزار ما گناہگاریم و تو آمرز گار

(اے بادشاہ ہمارے جرم وخطا معاف کر ہم بہت گناہ گار ہیں اور تو بہت بخشنے والا)

تو نکو کاری و ما بدکردہ ایم جرم بے اندازہ، بے حد کردہ ایم

(تو ہمیشہ اچھے کام کرتا ہے اور ہم تو بہت بدکار ہیں بے حساب جرم ہم نے کئے ہیں)

مغفرت امید واریم از لطف تو زانکہ خود فرمودۂ لَاتَقْنَطُوْا

(ہم بخشش کے امیدوار ہیں تیرے کرم سے، اس لئے کہ تیرا فرمان ہے میری رحمت سے مایوس نہ ہونا)

یا رب زکرم بہ بخش تقصیرِ مرا مقبول بکن نالہ شبگیر مرا

(یارب اپنے کرم سے میری تقصیر معاف فرما، میرا راتوں کا نالہ وفریاد قبول فرما)

پیری و گناہِ ما جرأتست عجیب لطفِ تو کند چارۂ تدبیر مرا

(بڑھاپے میں گناہ ہمارے عجیب جرأت ہے، تیرا ہی کرم اور مہربانی ہمیں سہارا دیتے ہیں)

شاہا زکرم برمنِ درویش نگر برحالِ من، خستہ و دلِ ریش نگر

(اے بادشاہ کرم مجھ درویش پر نظر فرما، میرے خستہ حال اور زخمی دل کو دیکھ)

ہر چند نیم لائقِ بخشانشِ تو برمن منگر بر کرم خویش نگر

(اگرچہ میں تیری بخشش کے لائق نہیں ہوں، لیکن تو مجھے نہ دیکھ اپنے کرم کو دیکھ)

اختتامیہ

امتِ مسلمہ کی بقا ان کے فریضۂ صلوٰۃ کی بقا پر ہی منحصر ہے لہٰذا اسلام میں نماز کا رکن اس کے ماننے والوں کے لئے اساسی اہمیت کا حکم رکھتا ہے۔ نماز کو اس کی اہمیت کے باعث ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت کے بعد شمار کیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام میں جس قدر نماز کو قائم کرنے پر توجہ دی گئی ہے کسی اور رکن کے اہتمام کیلئے دیکھنے میں نہیں آتی۔ نماز کی مرکزی حیثیت کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ پورے کا پورا اسلام بلکہ تمام اسلامی عبادات کا مغز نماز کی ایک عبادت میں سمو دیا گیا ہے۔ نماز کا ادا کرنا اور بات ہے لیکن اس کو اس کے اہم بنیادی تقاضوں اور ضروریات کا اہتمام کرتے ہوئے قائم کرنا ایک ایسی بات ہے جس کے لئے زبردست روحانی علوم اور مخصوص ریاضتوں پر مبنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے بغیر چارہ نہیں۔ اس کتاب میں ایسی روحانی صلاحیتوں کو حاصل کرنے کا ذکر کیا گیا ہے جس سے نماز کو حقیقت کے درجے پر لانا ممکن ہو سکے اور ایسی نماز قائم کی جائے کہ جس کی حقیقت کو ''حسنِ نماز'' سے تعبیر کیا جا سکے۔

اس کتاب کے مضامین کی تحریر میں پوری پوری کوشش کی گئی ہے کہ اقامتِ صلوٰۃ کے لئے ان تمام ضروری پہلوؤں کو بیان میں لایا جائے جن کے بغیر نماز سے مکمل افادیت حاصل کرنا ممکن نہیں۔ نماز کو ادا کرنے کا صحیح طریقہ سیکھنا کسی بہتر ہنر یا فن کے سیکھنے سے زیادہ پیچیدہ ہے۔ اس طریقہ کو سیکھنے کے لئے اس کے متعلقہ علوم کا جاننا اور فہم حاصل کرنے کے علاوہ کسی شخصی راہنمائی کا حاصل ہونا ازبس ضروری ہے۔ نماز کی عامیانہ ادائیگی جسے صورتِ نماز سے تعبیر کرتے ہیں ایک ایسی بات ہے جو ہر شخص آسانی سے جان سکتا ہے لیکن حقیقتِ نماز کے تقاضوں کا حاصل کرنا خاص بلکہ خاص الخاص بندوں سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ عام نمازی تو ''اللہ اکبر'' سے نماز شروع کرتے ہیں اور اسلام علیکم ورحمتہ اللہ کہنے سے نماز سے فارغ ہو جاتے ہیں اور اس نماز کے دوران ان کا ذہن دنیاداری کے بکھیڑوں میں الجھا ہوا پایا جاتا ہے۔ ایسی نماز تو صرف صورتِ نماز ہی کہلا سکتی ہے مگر حقیقتِ نماز کو حاصل کرنے کے لئے کامل مردوں کی صحبت میں رہنا ایک ضروری امر ہے جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کو سیکھا اور پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے نماز کی تربیت حاصل کی حتیٰ کہ یہ معاملہ مختلف ادوار کے اکابرین سے ہوتا ہوا ہم تک پہنچا۔

حضرت داتا گنج بخش ؒ نے کشف المحجوب میں حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی دل کو جسم سے سات ہزار سال پہلے پیدا فرمایا اور مقامِ قرب میں رکھا اور جانوں کو دلوں سے سات ہزار سال پہلے پیدا فرما کر درجۂ وصل میں رکھ کر ہر روز تین سو ساٹھ باران پر اپنے جمال کا ظہور فرمایا اور انہیں تین سو ساٹھ بار اپنی نظر سے سرفراز کیا۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے کلمۂ محبت اسے سنایا اور تین سو ساٹھ لطیفۂ انس اس پر ظاہر اور منکشف کیے حتیٰ کے کائنات پر نگاہ کر کے فیصلہ کیا کہ انسان سے زیادہ اور کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کے

ساتھ تعلق کی اہل نہیں۔اس قدر رجوع کرنے سے (انسانی) دلوں میں فخر اور غرور پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کا امتحان فرمایا اور سر کو جان میں قید کیا اور جان کو دل میں رکھا اسی طرح دل کو جسم میں رکھ کر اسے عقل سے مرکب کیا۔ پھر انبیاء کرام معبوث فرمائے اور اپنے احکام بھیجے تو ہر ایک اپنے اپنے مکان میں خدا کا متلاشی ہوا۔ حق تعالیٰ نے انہیں نماز کا حکم عطا فرمایا تا کہ انسان کا جسم نماز میں ہو اور دل محبت میں اور جان قربتِ الٰہی میں اور سر وصلِ الٰہی میں ہو۔ ایسی نماز ان لوگوں کو میسر ہوتی ہے جن کو روحانی نماز سیکھنے کا موقع کسی مرشدِ کامل سے حاصل ہو چکا ہو۔

ہم دیکھتے ہیں کہ عام آدمی کی نمازیں خاص بندوں کی نمازوں سے مختلف ہوتی ہیں۔ خاص الخاص بندگانِ الٰہی کی نماز کا حال تو سب سے جداگانہ ہوتا ہے، ایسی نماز تو ہر شخص کے روحانی مقام پر موقوف ہوتی ہے۔ ایک صحیح حدیث میں سرورِ دو عالم حضرت محمد ﷺ نے انکشاف فرمایا ہے کہ ایک شخص مسجد کی طرف جاتا ہے اور وہاں نماز ادا کرتا ہے مگر اس کی نماز مچھر کے پر کے برابر نہیں ہوتی آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک (اور شخص) مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھتا ہے تو اس کی نماز احد کے پہاڑ کے برابر ہوتی ہے بشرطیکہ وہ اس سے زیادہ عقلمند ہو۔ آپ ﷺ نے عقلمند کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ عقلمند وہ ہے جو لوگوں میں سے زیادہ حرام کاموں سے بچے اور نیک کاموں کا زیادہ آرزومند ہو خواہ وہ عمل اور نوافل میں ان سے کم ہی کیوں نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عقل کی تقسیم لوگوں میں بہت مختلف ہے۔ نیکیاں تو لوگوں کی برابر ہو سکتی ہے مگر عقل میں اتنا فرق ہوتا ہے جیسے کوہ احد اور ذرے میں۔ آپ ﷺ کا یہ فرمان اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ اہلِ علم اور اہلِ عقل کی عبادت دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں بہت بلند درجہ رکھتی ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں وہ تمام علوم شامل کر دیئے گئے ہیں جو نماز کو روحانی معیار پر لے جانے میں معاون ثابت ہوں اور نماز میں حقیقتِ نماز کا حسن اور نماز کی روح کو پیدا کر سکیں۔

نماز کے مسائل کو اس کتاب میں دانستہ طور پر شامل نہیں کیا گیا کیونکہ مسائل نماز پر لاتعداد کتب مرتب ہو چکی ہیں اور ان کو تلاش کرنا کوئی مشکل امر نہیں۔ نماز کے فضائل کو اس کتاب میں اس انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ نماز کی عام کتابوں میں روحانی اور تعمیر انسانیت کے مضامین اس قدر عمیق نظر سے پیش نہیں کئے جاتے۔ امید ہے کہ مذکورہ خصوصیات کی بناء پر یہ کتاب روحانی شاہراہ پر چلنے کے خواہشمند حضرت کے لئے دلچسپ، مخصوص اور جداگانہ انداز کی حامل پائی جائے گی اور ان کے روحانی، وِجدانی اور ایقانی جذبوں کی پرورش کرنے میں مدد دے گی۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ اس کتاب کے بعد دوسرے مسلمان بہن بھائیوں اور دوستوں کو اس کے مطالعہ کی دعوت دیں تا کہ زیادہ سے زیادہ مسلمان اس سے استفادہ حاصل کر سکیں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

دعوتِ فکر

اگر سُکھ چاہتے ہو تو خدا کو راضی کرلو

(از مصنف)

برادرانِ ملت! ہم اپنی زندگیوں کو دنیاوی وقار کے اعتبار سے بہتر بنانے کے لیے جو ذرائع اختیار کرتے ہیں وہ بالعموم خدا اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے منافی اور انسانیت سوز اصولوں پر مبنی ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم مال و منال کے ہوتے ہوئے بھی پریشان حال رہتے ہیں، ایسی جھوٹی شان، عزت اور وقار خدائے تبارک و تعالیٰ کے ہاں چنداں اہمیت نہیں رکھتی بلکہ اس کے حضور ایسے تمام کمالات مردود قرار پاتے ہیں۔ انسانی زندگی کی کامیابی اس میں نہیں کہ صرف دنیا کے عیش اور آرام حاصل کر لیے جائیں بلکہ کامیاب زندگی کا راز خدا اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنا ہے۔

اگر چہ یہ دنیا ہم سے ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے مال و دولت کو حاصل کرنے کا تقاضہ کرتی ہے لیکن اِس سے یہ مراد نہیں کہ ہم یہ مال و دولت ہر جائز اور ناجائز طریقے سے حاصل کرنے لگیں۔ مالِ دنیا حلال ذرائع سے بھی اتنا ہی کمایا جا سکتا ہے جتنا کہ حرام طریقوں سے کمالیا جاتا ہے یہ اس لیے کہ روزی تو اسی قدر ملتی ہے جو لکھ دی گئی ہے۔ یہ دنیا مصائب کا گھر ہے اور ان مصائب کے ذریعہ ہماری آزمائش بھی کی جارہی ہے دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کا صحیح اور واحد حل یہی ہے کہ ہم اپنا تعلق اس خدا سے استوار کرلیں جو اپنی کائنات کے تمام خزانوں کو لوگوں کے لیے اپنے مخصوص اور وضع کردہ اصولوں کے مطابق تقسیم کرتا ہے۔ جب خدائے تعالیٰ اپنے نافرمانوں اور کافروں کو بھی دنیا میں رزق سے فراغت بخشتا ہے تو پھر وہ اپنے فرماں بردار مسلمان بندوں کو اپنی کرم بخشیوں سے کیوں محروم کرے گا؟

قرآن مجید میں ہے کہ رزق اور اس کے علاوہ ہر چیز آسمان سے نازل ہوتی ہے لہٰذا اس رزق کے حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آسمانوں کے مالک سے اپنا تعلق قائم کرلیا جائے۔ اس کو آزما کر دیکھو تو سہی کہ رزق کے دروازے تم پر کس طرح کھول دیئے جاتے ہیں؟ بالکل اسی طرح جس طرح اس نے تم سے پہلے لوگوں پر ان دروازوں کو کھولا، یاد رکھو کہ خدائے تعالیٰ اپنے وعدوں سے انحراف نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کا رزق ایک مقدار اور ایک قانونِ اکتساب کے مطابق مقرر کیا ہے لیکن اپنے فرماں بردار بندوں کے لیے رزق کی فراخی کے علاوہ دنیا اور آخرت کو بھی مسخر کر دیتا ہے۔ صرف رزق کی کشادگی اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی خوبی کی حامل نہیں۔ یاد رکھیں کہ مشکلات حرام کمائی سے حل ہو ہی نہیں سکتیں کیونکہ حرام تو تکالیف اور بے چینیوں

میں اضافہ کرتا ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ اگر آپ درج ذیل مشوروں پر عمل کریں تو انشاءاللہ آپ کی تمام مشکلات اور مصائب منجانب اللہ بہتر طریقے سے حل ہو جائیں گے اور ساتھ ہی برکاتِ الٰہی آپ پر جلوہ فگن ہونے لگیں گیں۔

روزی میں برکت

اگر تنگیٔ معاش کی شکایت ہو تو درج ذیل وظائف کو اپنا معمول بنالیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ فراغتِ رزق آپ کو تھوڑے عرصہ میں ہی میسر نہ ہو جائے۔

۱۔ ملائکہ کی وہ تسبیح جس کی برکت سے روزی دی جاتی ہے وہ فجر کی نماز کے بعد سورج نکلنے سے پہلے (ورنہ بعد میں) ایک سو بار روزانہ پڑھیں وہ تسبیح یہ ہے "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ"

۲۔ تنگیٔ رزق اور ہر مصیبت سے نجات کے لیے "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ" کثرت سے پڑھیں۔

۳۔ تنگیٔ معاش اور مقامات میں بلندی کے لیے حسب ذیل درود شریف کم از کم سو بار سے تین سو بار ہر روز پڑھیں" اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ"

۴۔ حضرت شفیق بلخیؒ نے پانچ چیزیں ہمارے لیے تلاش کی ہیں۔

i- روزی چاشت کی نماز میں ii- قبر کا نور تہجد کی نماز میں iii- منکر نکیر کے سوال کا جواب قرأت میں iv- پل صراط کا پار ہونا روزہ اور صدقہ میں v- قیامت کے دن عرش کا سایہ خلوت میں۔

۵۔ فراخیٔ رزق کیلئے حضرت توکل شاہؒ نے روزانہ ساڑھے تین ہزار مرتبہ "اَللّٰہُ الصَّمَدُ" (اول و آخر ایک تسبیح درود شریف) پڑھنے کا وظیفہ بہت آزمودہ ہونا قرار دیا ہے۔

۶۔ استغفار کے درج ذیل بیان میں دیکھیں کہ کثرتِ استغفار سے وقار، عزت، دولت اور رزق میں برکت ہوتی ہے اور اس کے پڑھنے سے ہر مشکل دور ہو جاتی ہے۔

۷۔ اپنے نام کے حروفِ ابجد کے برابر دو جلالی اور جمالی اسمائے الٰہی منتخب کر کے ان اسماء کا روزانہ ورد کیا جائے، اس ورد سے آپ کے تمام مصائب دور ہو جائیں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں بہترین اثرات مرتب ہوں گے۔ مثلاً صحت، کمائی، تعلقات عامہ وغیرہ۔

کثرتِ استغفار سے ہر مصیبت رد اور مراد پوری ہوتی ہے

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آج کے مسلمان یہ نہیں جانتے کہ کثرتِ استغفار (کم از کم سات سو بار روزانہ) سے ان کے لیے وقار، عزت، دولت، اولاد اور ہر مراد غرضیکہ دین و دنیا کی ہر نعمت ملنے کا وعدہ قرآن میں کیا گیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ کچھ لوگ حضرت حسن بصریؒ کے پاس اپنی مشکلات کے حل کے لیے آئے تو آپ نے سب کو کثرت استغفار کا حکم دیا جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا یہ استغفار ہر مشکل کا حل ہے تو

آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے پاس سے کچھ نہیں کہا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا تجویز کردہ نسخہ ہے جو "سورہ ھود اور نوح" میں ارشاد ہوا ہے۔

مشکلات کے رفع ہونے کے علاوہ استغفار پڑھنے سے انسانوں پر شیاطین کے حملے ناکام بنا دیئے جاتے ہیں اور لوگ ہر قسم کے شر اور فساد سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ ابلیس نے خود اس بات کا اقرار کیا ہے کہ استغفار نے تو میری کمر ہی توڑ دی ہے۔ جو شخص استغفار کو کم از کم ۷۰۰ بار یا زیادہ پڑھے تو انشاء اللہ بہت جلد اس کی مشکلات حل ہو جائیں گی۔ کوئی مشکل آئے تو ہزاروں کے حساب سے درج ذیل استغفار (اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے) پڑھیں اور معمول کا ورد (۷۰۰) بار بند نہ کریں۔

۱۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ (۱۰۰ سے ۷۰۰ بار)

۲۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ یَا غَفُوْرُ یَا غَفُوْرُ یَا غَفُوْرُ (۱۰۰ سے ۷۰۰ بار)

حاجات درود کے ذریعے پوری کی جاتی ہیں

درود، رسول اللہ ﷺ کا ذکر مبارک کرنے کا نام ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت شرف عطا فرمایا ہے اور اس کو وہی مقام عطا فرمایا جو نام اپنی عبادت کے لئے دیا یعنی "صلوٰۃ" اس ذکر کی بزرگی اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ میں خود محمد ﷺ پر درود بھیجتا ہوں میرے فرشتے بھی یہی عمل کرتے ہیں لہٰذا اے ایمان والو! تم بھی آپ ﷺ پر درود بھیج کر یہی شرف حاصل کرو۔ جب یہ آیت (الاحزاب: ۵۶) نازل ہوئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ جب بھی اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کسی انعام سے نوازتا ہے تو آپ ﷺ کے طفیل ہم نیازمندوں کو بھی ہمیشہ اس میں ضرور شامل کرتا ہے (مگر اس آیت میں ہم پر درود نہیں بھیجا گیا)۔ اس پر سورہ الاحزاب کی آیت ۴۳ نازل ہوئی اور فرمایا "ھُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُهٗ" (اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے تم مومنوں پر بھی درود بھیجتے ہیں)۔

جب یہ کہا جائے کہ خدا تعالیٰ درود پڑھتا ہے تو اس سے مراد حضور ﷺ کی ثنا اور بزرگی بیان کرنا ہے فرشتوں کے درود پڑھنے سے مراد آپ ﷺ کیلئے نزولِ رحمت اور بزرگی میں اضافہ کے لئے درخواست ہے اور مومنوں کے درود پڑھنے سے مراد آپ ﷺ کیلئے برکتوں میں زیادتی کی طلب ہے۔ (ابو العالیہ تابعی) حلیمیؒ نے کہا کہ درود سے مراد یہ ہے کہ اے الٰہی حضور ﷺ کو ان کے ذکر کی بلندی کے ساتھ عظمت عطا فرما اور آپ ﷺ کی شریعت کو غلبہ اور آپ ﷺ کو مقامِ شفاعت اور مقامِ محمود عطا فرما۔ شیخ الدین عبد السلامؒ فرماتے ہیں کہ درود پڑھنا ہماری طرف سے حضور ﷺ کی سفارش یا شفاعت نہیں کیونکہ ہم جیسے امتی کسی حالت میں بھی اس قابل نہیں بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ الٰہی ہم حضور ﷺ کے احسانات جو ہم پر ہیں ان کا بدلہ ادا نہیں کر سکتے لہٰذا ان کی شان، عظمت اور کبریائی کے مطابق جو ان کو تیرے دربار میں حاصل ہے تو خود ہی ان پر رحمت، برکت اور

تعظیم نازل فرما۔ قاضی ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دراصل درود کا فائدہ اس کے بھیجنے والے کیلئے ہی ہے۔

حضرت اسماعیل شاہ المعروف بہ حضرت کرمانوالے فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک تو درود شریف ہی اسم اعظم ہے، فرمایا کہ درود شریف یہ سمجھ کر پڑھو کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ہیں اور دوسری طرف تمام مومنین اس طرح درود پڑھ رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے درمیان موجود ہیں آپؒ نے فرمایا کہ جو شخص روزانہ درود پاک پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دنیا و آخرت کے سب کام خود ہی آسان کر دیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ پتہ نہیں لوگ کس طرح بے خیالی سے درود پڑھتے ہیں؟ میں تو ایک مرتبہ ہی درود پاک پڑھ دوں تو جو کام چاہوں پایۂ تکمیل تک پہنچ جاتا ہے۔ درود شریف ایک ایسی عبادت ہے کہ اگر کسی کو شیخ کامل نہ ملے جو کہ اس کی تربیت کر سکے تو اسے چاہیے کہ درود شریف کو لازم کر لے اس سے طالب واصل بحق ہو جاتا ہے۔ کثرتِ درود شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور معیت سے سرفراز کرتا ہے۔ کچھ لوگ جو تیس ہزار مرتبہ روزانہ درود پڑھتے تھے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں زیارت نصیب ہوئی۔

کثرتِ درود سے باطن میں ایک نور پیدا ہو جاتا ہے جس سے منازلِ سلوک طے پاتے ہیں اور براہِ راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے فیضان و اعانت اور امداد حاصل ہوتی ہے یہ دائمی حضور کا ذریعہ بھی ہے اس کی تلاوت سے بیماریوں سے شفا، خوف و خطر اور بھوک کا جاتے رہنا، دشمنوں پر فتح، اسباب و احوال پر اور اولاد کی چار پشتوں تک برکت کا فائز ہونا، نیکوں سے محبت ہونا، حضور کا سلام با آواز لطیف آنا ثابت ہو چکا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھ پر ایک بار درود شریف پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے، دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اور دس گناہ معاف فرماتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب تک دعا کے اول و آخر میں درود شریف نہ پڑھا جائے تو دعا معلق رہتی ہے۔ جو کثرت سے درود پڑھے اسکی نسبت کو کوئی سلب نہیں کر سکتا، درود پڑھنے سے سلب شدہ فیض بھی واپس آ جاتا ہے۔ بندہ مقامِ عرفان میں کامل نہیں ہوتا جب تک درود نہ پڑھے، درود پڑھنے والے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت واجب ہو جاتی ہے اور خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے دنیا میں کوئی ایسا مقصد نہیں جو درود پڑھنے سے حاصل نہ ہو سکے۔ امراض کی شفاء، سختیوں کا کھلنا، دشمن پر فتح حاصل کرنا، صفائے قلب و روح درود پڑھنے سے حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام سے منقول ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیداری کی حالت میں سنا کہ درود شریف پڑھنے والے کا دل نفاق سے پاک ہو جاتا ہے اور اس کیلئے رحمت کے ستر دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ جمعہ کے دن جو سو بار درود شریف پڑھے قیامت کے دن اس کے ساتھ ایسا نور ہوگا جو تمام خلق میں تقسیم کیا جائے تو سب کیلئے کافی ہو۔ جو شخص اپنے وظائف کا سارا وقت درود شریف پر صرف کر دے اس کے تمام غم دور ہو جائیں گے، حاجتیں درود شریف کے سبب طلب کی جاتی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو ستر ہزار فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر آ جاتے ہیں اور صلوٰۃ بھیجتے رہتے ہیں جب

شام ہوجائے تو چلے جاتے ہیں اور دوسرا گروہ آجاتا ہے جو صبح تک درود پڑھتا رہتا ہے اور قیامت کے دن تک ان کا دوسری بار آنا ممکن نہیں۔ درج ذیل درود شریف پڑھنے سے روحانیت میں اضافہ، رزق میں برکت اور ہر مشکل کام کا آسان ہوجانا مجرب ہے۔

۱۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ ایک سو سے تین سو مرتبہ روزانہ پڑھا جائے۔

۲۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمْ ۵۰۰ مرتبہ روزانہ۔

۳۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ گیارہ سو مرتبہ روزانہ۔

انسان کی کامیابی فقط خدا کو خوش کرنے میں ہے

حرام مال جس قدر بھی کمالیا جائے اس کا انجام ہلاکت کے سوا کچھ نہیں۔ ایسے مال سے حاصل کردہ شان وشوکت اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی طرح بھی عزت اور وقار کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ عزت کا حصول صرف خدا کی خوشنودی سے وابستہ ہے، جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اسے دنیا میں آسودگی ملے اور آخرت میں نجات بھی حاصل کرے تو وہ حسب ذیل نکات پر غور کرے۔

۱۔ خدا کی مدد کرو تاکہ اس عوض میں اس کی مدد حاصل ہوسکے۔ خدا کی مدد اس بات میں پوشیدہ ہے کہ خود کو ٹھیک ٹھیک مسلمان بنانے کی کوشش کرو اور دوسرے مسلمانوں کا خدا کے دین کی طرف رجوع قائم کرو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ مل جاؤ جنہوں نے لوگوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے، یہ مدد مال خرچ کرنے سے ہی نہیں بلکہ تبلیغی اداروں کے ساتھ اپنا وقت صرف کرنے سے بھی میسر ہوا کرتی ہے۔ چند مخلص لوگ اگر اس مہم میں حصہ لیں تو ملک گیر اصلاح بعید نہیں، اگر حکومت اس کام میں ہماری امداد کرے تو بغیر کسی مشکل کے معمولی مال صرف کرنے سے ہی یہ مرحلہ بہت تیزی سے طے ہوسکتا ہے کاش حکومت ایسے مخلص لوگوں کو پہچان سکے تاکہ قومی معیار کو بلند کیا جاسکے۔

۲۔ حرام کاری، رشوت خوری، چور بازاری، ملاوٹ اور غلط کاریوں کو یکسر چھوڑ دیا جائے کیونکہ ایسا کرنے سے مال کم نہیں ہوگا بلکہ بڑھے گا۔

۳۔ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کا سہارا حاصل کیا جائے، یہ سہارا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ صحابہ کرام اسی سہارے سے دنیا بھر میں معزز ترین بن گئے تھے۔

۴۔ صوم وصلوٰۃ کی پابندی حاصل کریں، اس تحریر کے اواخر میں پابندئ صوم وصلوٰۃ آسانی سے حاصل کرنے کا طریقہ شامل کردیا گیا ہے اس سے مدد حاصل کریں۔

۵۔ دین کا ضروری علم حاصل کیا جائے جو شخص دین کا علم اس لئے حاصل کرتا ہے کہ وہ اس سے اسلام کو زندہ کرے گا تو قیامت کے دن اس کے درجے اور انبیاء کے درجے میں صرف ایک درجے کا فرق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو وحی کی کہ علم، دولت اور سلطنت میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کریں تو آپ علیہ السلام نے

علم کو ترجیح دی۔ لہٰذا اس علم کے سبب آپ علیہ السلام کو دولت بھی ملی اور سلطنت بھی مل گئی۔ افسوس ہے کہ ہم ان باتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں حالانکہ حقیقت یہی ہے۔

۶۔ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولیائے کرام کی محبت کو اپنایا جائے کیونکہ ان کے علاوہ اور کوئی چیز محبت کے قابل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کو جو وہ انسان کو عطا فرماتا ہے اگر اللہ کی راہ میں صرف کئے جائیں تو قرآن میں ان انعامات میں مزید اضافے کا وعدہ کیا گیا ہے چنانچہ حرام مال کی رغبت کی بجائے حلال ذرائع سے اپنے مال کو بڑھاتے رہو اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے حاصل کردہ نعمتوں کو قید کر لو۔

آپ سنور جائیں تو یقیناً قوم سنور جائے گی

قوم کی آبرو آپ کے ہاتھ میں ہے اور آپ ہی اس قوم کی آبرو کو بدل سکتے ہیں۔ قوموں کی رفعت صرف حکومت کے ہاتھ میں نہیں ہوا کرتی بلکہ قوم کا ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے۔ ہماری آبرو ہماری قوم وملت سے ہے اور ملت کی آبرو ہمارے کردار سے وابستہ ہے۔ جب کوئی قوم پستی کے گڑھے میں گر جائے تو وہ عمل کی قوت سے محروم ہو جاتی ہے۔ ایسی قوم عیش وعشرت کی زندگی کی دلدادہ بن جاتی ہے۔ اس وقت ہماری اکثریت جائز اور ناجائز طریقہ سے مال ودولت حاصل کرنے کے درپے ہے اور تقریباً ہر شخص قومی مفاد کی بجائے ذاتی مفاد کے حصول میں مصروف ہے، اس عیش کی ہوس نے قوم کی آبرو کو خاک میں ملا دیا ہے۔

مسلمانوں یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ تمہاری آبرو مال ودولت سے وابستہ نہیں ہے بلکہ مال ودولت تمہاری آبرو سے وابستہ ہیں۔ اگر آپ یہ راز سمجھ لیں کہ مسلمان کی آبرو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین پر چلنے، عرصۂ زندگی میں محنت اور مشقت برداشت کرنے، اپنے مقصد میں ایمانداری اور راست بازی کو اپنانے اور حرام مال سے بچتے رہنے میں مضمر ہے تو پوری کائنات میں آپ کا کوئی ہمسر نہیں ہو سکتا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو بندہ تھوڑی روزی پر راضی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی تھوڑی عبادت پر راضی ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرام میں سے کوئی بھی دولت سے مرعوب نہ ہوا مگر ہمیں فقر سے بڑھ کر کسی چیز سے نفرت نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اتنی بڑی سلطنت کے فرماں روا ہونے کے باوجود نہایت درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے، آپ نے جب حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے جمالِ فقر کو دیکھا تو خلافت سے دل بیزار ہو گیا۔

ہماری قومی ذلت حرام خوری کا نتیجہ ہے، جو قوم حلال رزق پر انحصار کرے اس کے نونہال نہایت ذہین، راست باز، سخت کوشش، راسخ العقیدہ اور چٹان کی طرح استقامت رکھتے ہیں۔ شاہین پاک روزی کی قوت سے چوٹیوں کو سر کر لیتا ہے۔ کاش غریب کو اپنے مقام کی خبر ہوتی، عجز کا جو مقام غریب کو ورثہ میں ملا ہے امیروں کو چالیس سالہ عبادت سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔ غریب آدمی کو امیروں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل کیا جائے گا، امیر شخص کا ایک تسبیح کے ساتھ پانچ سو دینار اللہ کی راہ میں دینے کے مقابلے میں غریب کی

صرف ایک تسبیح کا اجر اس سے کہیں زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ امیر لوگ قیامت کے دن اپنی امیری کے باعث منہ چھپاتے پھریں گے، ایسے مال و دولت کے حاصل کرنے سے کیا فائدہ جو غضبِ الٰہی کا موجب بنے، اگر آپ خدا کے دین پر عمل پیرا ہو جائیں اور غلط روش مثلاً رشوت اور حرام کو ترک کر دیں تو بہت جلد پوری قوم کی حالت بدل سکتی ہے۔ گویا قوم کی حالت کا بدلنا آپ کے عمل پر منحصر ہے، آپ آج تہیہ کر لیں تو چند ماہ میں ملک سنور جائے گا۔

نماز جاری کرنے کا آسان طریقہ

جو شخص نماز کی ادائیگی میں مداومت (ہمیشگی) چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ درجہ ذیل چار نکات کی طرف توجہ دے تو انشاء اللہ بہت جلد مستقل نمازی بن جائے گا۔ تفصیل کے لیے ہماری کتاب ''نشانِ منزل'' جلد اول کا مطالعہ فرمائیں۔

۱۔ نماز کی اہمیت معلوم کرنا: احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص نماز نہیں پڑھتا وہ کفر کے نزدیک پہنچ گیا اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔ بے نمازی کا ترکِ نماز کا نقصان اس قدر ہوتا ہے جیسے کہ اس کا سب کچھ لٹ گیا ہو، بے نمازی سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز سخت ناراضگی سے پیش آئے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نماز ترک نہ کرنا خواہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں، بے نمازی کے چہرے سے ایمان کی علامت ہٹالی جاتی ہے، اس کی عمر سے برکت اٹھ جاتی ہے، اس کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں، رزق میں بے برکتی اور زندگی مصائب اور آفات میں گزر جاتی ہے، قبر میں سخت عذاب ملتا ہے، اور مرتے وقت ذلت کی موت مرتا ہے۔ بے نمازی بالآخر ذلیل کر کے جہنم میں دھکیل دیا جاتا ہے۔ یہ سب باتیں نہایت واضح اور بالکل درست ہیں ان کی حقیقتوں کا مشاہدہ ہو چکا ہے چنانچہ نماز کوئی ایسی معمولی بات نہیں کہ دل میں آیا تو پڑھ لی نہیں تو نہ سہی! بلکہ نماز تو ایک ایسا فرض ہے کہ اس سے کسی حالت میں فرار ممکن نہیں، اس کے ترک سے دنیا اور آخرت دونوں میں نقصان ہی نقصان ہے۔

۲۔ نماز کی راہ میں شیطان کی رکاوٹوں سے بچنا: قرآن میں ہے کہ ابلیس نے خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا، اس نے اللہ تعالیٰ سے یہ بھی کہا کہ یہ خاکی انسان خدائے تعالیٰ کا خلیفہ بننے کے قابل نہیں۔ اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کے لیے کہ انسان خدا کا شکر گزار نہیں، ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے اس بات کی مہلت حاصل کر لی ہے کہ قیامت تک وہ لوگوں کو بہکاتا رہے گا اور ان کو نماز اور دیگر نیک کاموں سے ہٹاتا رہے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان بندوں میں سے جو میرے مخلص بندے ہوں گے ان پر ابلیس کا ذرہ برابر بھی زور نہیں چلے گا چنانچہ نماز کے لیے کسی رکاوٹ کو شیطان کی طرف سے دشمنی سمجھتے ہوئے اس کی رکاوٹ کو ٹھکرا دیں اور فوراً نماز کے لیے اٹھ بیٹھیں۔

۳۔ نمازوں کی حاضری کے اوقات میں اختصار: دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ جب نماز کے لیے آمادگی کا

اظہار کرتے ہیں تو عموماً لمبی لمبی نمازیں اور وظائف کرنے لگ جاتے ہیں لیکن دو تین دن کے بعد پھر سب کچھ چھوڑ بیٹھتے ہیں کیونکہ اس قدر طویل وقت کا نکالنا ان کی محدود ہمت کے لیے ایک مشکل امر نظر آتا ہے چنانچہ جب تک کوئی پکا نمازی نہ بن جائے اس وقت تک نمازوں میں صرف ہونے والے وقت میں اختصار قائم کرنا بہتر ہوتا ہے یعنی فرائض، واجبات اور سنت موکدہ ہی ادا کریں اس طرح عشاء کی نماز میں صرف چار فرض، دو سنت اور تین وتر ادا کریں۔ باقی نمازیں تو ویسے ہی چھوٹی ہیں جب نمازوں میں پختگی حاصل ہو جائے تو پھر بے شک اپنی نمازوں کے ساتھ سو نفل روزانہ ادا کریں۔ ابتداء میں نماز کے بعد وظائف بھی مختصر رکھیں تاکہ دل کو یہ محسوس ہو جائے کہ حقیقتاً نماز تو چند منٹوں کی ہی بات ہے اور اتنی مختصر نماز کے لیے دل چرانے کی کیا ضرورت ہے؟ اس طرح نمازی کو بوجھ محسوس نہ ہوگا۔ ویسے بھی نماز تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضری ہے جب اس کے دربار میں آ گئے تو حاضری ہوگئی البتہ جب خدا سے قرب ہو گیا تو پھر آپ کا دل ہر وقت اس کے دربار میں اٹکا رہے گا۔

۴۔ <u>کوئی نماز رہ جائے تو اس کی قضا ضرور ادا کرو:</u> جذبۂ شوق سے متاثر ہو کر جب کوئی بندہ کچھ عرصہ کے لیے نمازی بن جاتا ہے تو شیطان کسی نہ کسی عذر سے ایک یا دو نمازوں کو فوت کروانے میں کامیاب ہو جاتا ہے لیکن یاد رکھیں کہ جونہی کوئی نماز قضا ہو جائے تو اسی دن یا رات کو (یا دوسرے تیسرے دن) اس کی قضا ضرور ادا کر لیں کیونکہ اگر ایک نماز چھوٹ گئی تو دوسرے دن آپ دو اور پھر تین چار نمازیں چھوڑ دینے پر دلیر ہو جائیں گے۔ اس طرح آپ نمازوں کے ترک کرنے کے عادی ہو جائیں گے یہاں تک کہ ایک دن آپ سب کی سب نمازیں ترک کر دیں گے اور اگر آپ ترک شدہ ہر نماز کی قضا کرتے رہے تو دل میں یہی خیال رہے گا کہ میں نے ایک نماز ہی تو چھوڑی تھی اور اس کی بھی قضا کر لی ہے۔ اس حالت میں نمازوں کے ناغے نہیں ہوں گے اور انسان پکا نمازی بن جاتا ہے اگر خدانخواستہ کبھی صبح نو بجے آنکھ کھلے تو نماز کو ترک نہ کریں بلکہ سب سے پہلے اٹھ کر فجر کی قضا نماز ادا کریں اور پھر ناشتہ وغیرہ کریں، نمازوں کا ناغہ اگر نہ ہو تو کبھی بے نمازی ہونے کی نوبت نہیں آئے گی، یہی نمازوں پر استقامت حاصل کرنے کا راز ہے، فَافْهَمْ وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّآخِرًا۔

مصادر ومراجع قرآن وتفسیر قرآن

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	تاریخ وفات	مطبوعہ
۱۔	قرآن مجید			
۲۔	تفسیر الکبیر	امام فخر الدین	۶۰۴ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
۳۔	الدر المنثور	امام جلال الدین السیوطی	۹۱۱ھ	دار الفکر، بیروت
۴۔	اضواء البیان	محمد الامین بن محمد	۱۳۹۳ھ	// //
۵۔	تفسیر ابن کثیر	اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی	۷۷۴ھ	// //
۶۔	تفسیر طبری	محمد بن الجریر طبری	۳۱۰ھ	// //
۷۔	روح المعانی	شہاب الدین السید محمود آلوسی	۱۲۷۰ھ	دار احیاء التراث العربی
۸۔	تفسیر ضیاء القرآن	پیر محمد کرم شاہ	۱۴۱۹ھ	ضیاء القرآن
۹۔	تفسیر القرطبی	ابو عبداللہ القرطبی	۶۷۲ھ	دار الشعب، القاہرہ
۱۰۔	تفسیر روح البیان	محمد اسماعیل حقی	۱۱۳۷ھ	

مصادر ومراجع احادیث وشروعات حدیث

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	تاریخ وفات	مطبوعہ
۱۔	صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل البخاری	۲۵۶ھ	دار ابن کثیر، یمامہ
۲۔	صحیح مسلم	مسلم بن حجاج القشیری	۲۶۱ھ	دار احیاء التراث
۳۔	صحیح ابن حبان	محمد بن حبان التمیمی	۳۵۴ھ	مؤسسۃ الرسالہ
۴۔	سنن نسائی	احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳ھ	دار الکتب العلمیہ
۵۔	سنن ابو داؤد	سلیمان بن اشعث ابو داؤد	۲۷۵ھ	دار الفکر، بیروت
۶۔	سنن ابن ماجہ	ابو عبداللہ محمد بن یزید القزینی	۲۷۵ھ	// //
۷۔	سنن ترمذی	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی	۲۷۹ھ	دار احیاء التراث
۸۔	سنن الدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی	۲۵۵ھ	دار الکتب العلمیہ
۹۔	مصنف ابن ابی شیبہ	عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ	۲۳۵ھ	مکتبۃ الرشید
۱۰۔	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد طبرانی	۳۶۰ھ	دار الحرمین، القاہرہ
۱۱۔	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰ھ	مکتبۃ الزہرہ
۱۲۔	مسند ابی یعلیٰ	احمد بن علی التیمی	۳۰۷ھ	دار المامون دمشق
۱۳۔	مسند احمد بن حنبل	احمد بن حنبل	۲۴۱ھ	مؤسسۃ القرطبہ
۱۴۔	المطالب العالیہ	ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ	دار العاصمہ، السعودیہ

۱۵۔	اسنی المطالب	الشیخ محمد بن درویش	۱۲۷۷ھ	موسسۃ القرطبہ
۱۶۔	مسند الشہاب	محمد بن سلامیہ القضاعی	۴۵۴ھ	موسسۃ الرسالہ
۱۷۔	مسند ابن ابی شیبہ	ابوبکر محمد بن عبد اللہ بن ابی شیبہ	۴۳۲ھ	دار الوطن الریاض
۱۸۔	مجمع الزوائد	علی بن ابی بکر	۷۰۸ھ	دار الریان
۱۹۔	کنز العمال	علاؤ الدین علی المتقی	۵۷۹ھ	دار الکتب العلمیہ
۲۰۔	فتح الباری	احمد بن علی ابن حجر عسقلانی	۲۵۸ھ	دار المعرفہ بیروت
۲۱۔	الجامع الصغیر	امام جلال الدین سیوطی	۹۱۱ھ	// //
۲۲۔	شرح زرقانی	محمد بن عبد اللہ الباقی الزرقانی	۲۲۱۱ھ	دار الکتب العلمیہ
۲۳۔	فیض القدیر	عبد الرؤف مناوی	۲۲۸ھ	المکتبۃ التجاریہ
۲۴۔	مرقاۃ المفاتیح	علی بن سلطان القاری	۴۱۰۱ھ	دار الکتب العلمیہ
۲۵۔	حلیۃ الاولیاء	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ	۴۳۰ھ	دار الکتب العربی
۲۶۔	ایقاظ الھمم	ابن عجوبہ	۱۲۲۴ھ	القاھرہ
۲۷۔	الطبقات الکبریٰ	محمد بن سعید الزھری	۲۳۰ھ	دار الصادر
۲۸۔	کشف الخفاء	اسماعیل بن الجراحی	۱۱۶۲ھ	موسسۃ الرسالہ
۲۹۔	شرح الصدور	امام جلال الدین السیوطی	۹۱۱ھ	دار المعرفہ، لبنان
۳۰۔	مرأۃ الجنان	عبد اللہ بن محمد	۷۶۸ھ	دار الکتب الاسلامی
۳۱۔	احیاء العلوم	محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵ھ	دار الکتب المعرفہ
۳۲۔	موارد الظمآن	علی بن ابی بکر	۸۰۷ھ	بیروت

مصادر و مراجع تصوف

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	تاریخ وفات	مطبوعہ
۱	الزھد لابن مبارک	عبد اللہ بن مبارک	۱۸۱ھ	دار الکتب العلمیہ
۲	بستان العارفین	امام نووی	۶۷۰ھ	بیروت
۳	حلیۃ الاولیاء	ابو نعیم الاصبھانی	۴۳۰ھ	دار الکتب العربیہ
۴	معارج القبول	حافظ ابن احمد الحکمی	۱۳۷۷ھ	دار ابن قیم
۵	التعرف	محمد الکلاباذی	۳۸۰ھ	دار الکتب العلمیہ
۶	طبقات الصوفیہ	محمد بن الحسین الازدی	۴۱۲ھ	
۷	عوارف المعارف	شہاب الدین سہروردی	۶۳۲ھ	مدینہ پبلشنگ
۸	منصب امامت	اسماعیل دہلوی		مطبع فاروقی دہلی

۹	الاعتصام	ابواسحاق الشاطبی	۷۹۰ھ	المکتبۃ التجاریہ
۱۰	الموافقات	ابراہیم بن موسیٰ مالکی	۷۹۰ھ	
۱۱	اخبار المکین	احمد بن زہیر	۲۷۹ھ	دار الوطن الریاض
۱۲	کتاب الروح	ابن قیم	۷۵۱ھ	نفیس اکیڈمی
۱۳	رسالہ قشیریہ	عبدالکریم بن ہوازن	۴۶۵ھ	مکتبہ حسینیہ مردان
۱۴	تذکرۃ الاولیاء	فریدالدین عطار	۵۸۹ھ	اسلامی کتب خانہ
۱۵	مجموع الفتاوی	عبدالحلیم بن تیمیہ	۸۲۷ھ	
۱۶	الاداب الشرعیہ	محمد بن مفلح		موسسۃ الرسالہ
۱۷	الوافی بالوفیات	صلاح الدین خلیل		دار احیاء التراث
۱۸	خزینہ کرم	صوفی اللہ دتہ نقشبندی		
۱۹	کشف المحجوب	داتا گنج بخش علی ہجویریؒ	۴۷۰ھ	ضیاء القرآن پبلی کیشنز
۲۰	رسالہ قشیریہ	شیخ ابوالقاسم عبدالکریم قشیریؒ	۵۶۴ھ	مکتبہ حسینیہ مردان
۲۱	غنیۃ الطالبین	شیخ عبدالقادر جیلانیؒ	۱۶۵ھ	-
۲۲۔	سر دلبراں	محمد ذوقی		محفل ذوقیہ، کراچی
۲۳۔	تربیۃ العشاق	محمد ذوقی		محفل ذوقیہ، کراچی
۲۴۔	شرح منتہی الارادات	منصور بن یونس	۱۰۵۱ھ	عالم الکتب، بیروت

مصادر و مراجع سیرت، تاریخ ولغت

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	تاریخ وفات	مطبوعہ
۱	الخصائص الکبریٰ	امام جلال الدین سیوطی	۱۱۹ھ	// //
۲	مدارج النبوت	عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ	مدینہ پبلشنگ کراچی
۳	مہر منیر	پیر مہر علی شاہ	۱۳۵۶ھ	
۴	تاریخ بغداد	الخطیب بغدادی	۴۶۳ھ	// //
۵	السیرۃ النبویہ	عبدالملک	۲۱۳ھ	دار الجیل بیروت
۶	الریاض النضرہ	احمد بن عبداللہ الطبری	۴۹۶ھ	// //
۷	عون المعبود	شمس الحق	۱۳۲۹ھ	دار الکتب العلمیہ
۸	البدایہ والنہایہ	اسماعیل بن عمر	۷۷۴ھ	مکتبۃ المعارف
۹	تاریخ الخلفاء	عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی	۱۱۹ھ	// //
۰۱	المخصص	ابن سیدہ	۳۵۸ھ	المطبعۃ الامیریہ، مصر
۱۱	المفردات فی غریب القرآن	ابوالقاسم الحسین بن محمد	۵۰۲ھ	دار القلم، بیروت
۲۱	القاموس المحیط	محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۷۱۸ھ	// //
۳۱	لسان العرب	ابن منظور	۷۱۱ھ	دار صادر، بیروت
۴۱	تاج العروس	محمد مرتضیٰ الحسینی	۱۲۰۵ھ	// //

حوالہ جات (اشعار)

مولانا رومؒ اور علامہ اقبالؒ کے اشعار کے ریفرینس ذیل میں دیئے جا رہے ہیں۔ مولاناؒ کی مثنوی کا جلد نمبر اور شعر نمبر دیا گیا ہے مثال کے طور پر (۱:۱۴۱۰) کا مطلب مثنوی کی جلد نمبر ۱ اور شعر نمبر ۱۴۱۰ ہے۔ علامہ اقبالؒ کے اشعار میں کتاب کے نام کے پہلے حروف اور صفحہ نمبر دیا گیا ہے مثال کے طور پر (ض ک:۶۰۸) کا مطلب ضرب کلیم کا صفحہ نمبر ۶۰۸ بحوالہ کلیات اقبال مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز:

۱(ب د:۲۰۳)۲(ا ح:۱۳۳)۳(ب د:۲۲۵)۴(ب ج:۳۲۸)۵(ب د:۲۰۳)۶(ا ح:۶۴۷)۷(ا ح:۲۵۳)۸(ض ک:۶۰۸)۹
(ب ج:۳۵۱)۱۰(ب ج:۳۰۵)۱۱(ا ح:۶۵۸)۱۲(۲:۱۳۱۳)۱۳(ا ر:۴۱)۱۴(ا ح:۱۴۳) ۱۵(ب ج:۳۴۸)۱۶(ب د:۲۷۱)
۱۷(ب ج:۳۵۱)۱۸(ب د:۲۷۳)۱۹(ز ع:۱۹۶)۲۰(ب ج:۳۵۹)۲۱(ب ج:۳۳۳)۲۲(ب ج:۸۴۷)۲۳(ا ر:۱۲۹)
۲۴(ا ح:۹۴۳)۲۵(۳:۱۲۸۰)۲۶(ض ک:۵۳۳)۲۷(ض ک:۶۳۸)۲۸(پ م:۴۱)۲۹(ب ج:۳۹۰)۳۰(۶:۴۷۱۲)
۳۱(۶:۴۷۱۳)۳۲(۵:۳۳۴۴)۳۳(ا ر:۱۹)۳۴(پ م:۳۴۳)۳۵(ب ج:۳۳۷)۳۶(ج ن:۶۳۷)۳۷(ض ک:۶۰۶)
۳۸(ب د:۲۷۱)۳۹(ب ج:۳۵۱)۴۰(ب د:۲۷۲)۴۱(ب ج:۳۶۳)۴۲(ب د:۷۳)۴۳(ب د:۲۹۷)۴۴(ب د:۲۶۹)
۴۵(ز ع:۵۷۹)۴۶(پ م:۳۰۲) ۴۷ (ب د:۲۹۶)۴۸(ب ج:۳۱۶)۴۹(ب ج:۳۱۷)۵۰(ا ح:۹۲۳)۵۱(ج ن:۷۹۰)
۵۲ (ز ع:۵۸۶) ۵۳(ج ن:۶۵۰)۵۴(ز ع:۵۰۸)۵۵(ب ج:۳۵۵)۵۶(ا ح:۹۸۰)۵۷(ب ج:۳۲۶)۵۸(ا ح:۱۰۲۵)
۵۹(پ چ:۸۴۷)۶۰(ج ن:۷۹۱)۶۱(ب ج:۳۲۶)۶۲(ا ح:۶۵۵)۶۳(ا ر:۵۳) ۶۴(ض ک:۴۸۲،۴۸۳)۶۵(ب ج:۳۲۹)
۶۶(ض ک:۵۰۰)۶۷(۳:۱۳۰۷)۶۸(ج ن:۷۷۷)۶۹(ز ع:۵۶۲)۷۰(ز ع:۵۵۹)۷۱(پ م:۲۱۱)۷۲(ج ن:۹۷۰)
۷۳(ا ح:۹۹۴)۷۴(ز ع:۵۰۶)۷۵(ب د:۲۷۱)۷۶(ب د:۱۰۴)۷۷(ز ع:۵۶۷) ۷۸(پ چ ب:۸۰۴)۷۹(۱:۱۴۱۰)
۸۰(۲:۲۱۶۳)۸۱(۱:۳۰۰۵) ۸۲(ج ن:۷۱۰)۸۳(پ م:۳۴۴) ۸۴(پ م:۲۳۸)۸۵(پ م:۳۴۰)۸۶(پ م:۱۸۸)
۸۷ (ا ح:۹۸۶)۸۸(ب ج:۳۳۵)۸۹(ب د:۱۰۷)۹۰(ب د:۶۰)۹۱(ب ج:۳۵۰)۹۲(۱:۳۸۱)۹۳(۱:۱۹۸۶)
۹۴(ب د:۷۰)۹۵(۲:۳۶۶۷)۹۶(ض ک:۴۹۲)۹۷(ض ک:۴۹۲)۹۸(ج ن:۷۲۲) ۹۹(ج ن:۷۲۲)۱۰۰(پ م:۲۱۳)
۱۰۱(پ م:۳۴۳)۱۰۲(ب ج:۳۷۷)۱۰۳(ب ج:۳۳۵)۱۰۴(ج ن:۸۵۹)۱۰۵(ج ن:۷۸۸) ۱۰۶(ج ن:۷۸۸)
۱۰۷(ج ن:۷۸۹) (ا ح:۸۹۳)۱۰۹(پ چ:۸۴۳) ۱۱۰(پ چ:۸۴۳)۱۱۱(ج ن:۷۹۱)۱۱۲(ا ر:۱۲۵)۱۱۳(ب ج:۳۰۵)
۱۱۴(۱:۱)۱۱۵(ب د:۲۸۱)۱۱۶(ا ر:۶۲) ۱۱۷(ب ج:۳۴۳)۱۱۸(ب ج:۳۵۰)۱۱۹(ب ج:۳۴۴)۱۲۰(ب ج:۳۶۳)
۱۲۱(ض ک:۴۸۶)۱۲۲(ض ک:۶۲۱)۱۲۳(ب ج:۳۳۱)۱۲۴(ب ج:۳۳۹)۱۲۵(ب ج:۳۴۴)۱۲۶(ب ج:۳۸۰)
۱۲۷(ب ج:۳۲۹)۱۲۸(ض ک:۴۷۶)۱۲۹(ا ح:۸۹۳) ۱۳۰(ب ج:۳۵۵)۱۳۱(ب ج:۳۴۱)۱۳۲(ب ج:۳۳۱)
۱۳۳(ا ر:۴۱) ۱۳۴(ا ر:۳۳) ۱۳۵(ب د:۲۰۴)۱۳۶(ج ن:۷۶۹)۱۳۷(ب د:۲۰۴)۱۳۸(۳:۳۱۳۷) ۱۳۹(ب ج:۳۴۱)
۱۴۰(ب ج:۳۴۸)۱۴۱(ب ج:۳۳۷)۱۴۲(ب ج:۳۰۰)۱۴۳(ا ح:۹۴۹)۱۴۴(ا ر:۹۸) ۱۴۵(ب ج:۳۱۸)
۱۴۶(ا ر:۱۵۷)۱۴۷(ب د:۲۰۸)۱۴۸(ب ج:۳۲۶)۱۴۹(۱:۱۲۲۹)۱۵۰(ب ج:۳۴۱)۱۵۱(ض ک:۴۹۹)
۱۵۲(ب د:۲۴۵)۱۵۳(ض ک:۵۰۶)۱۵۴(ض ک:۵۴۵)۱۵۵(ب ج:۳۵۴)۱۵۶(ج ن:۷۹۰) ۱۵۷(ا ر:۱۱۹)
۱۵۸(ض ک:۵۴۷)۱۵۹(ب ج:۳۳۵)۱۶۰(ض ک:۵۹۱)۱۶۱(ض ک:۶۰۸)۱۶۲(پ چ:۸۴۹)۱۶۳(۱:۸۱۷)
۱۶۴(۳:۴۷۰۹)۱۶۵(ض ک:۵۲۶)۱۶۶(پ چ:۸۴۰)۱۶۷(ا ر:۴۱) ۱۶۸(ض ک:۵۷۱)۱۶۹(ض ک:۵۲۶)
۱۷۰(ا ح:۹۹۸) ۱۷۱ (ا ح:۱۰۰۵)۱۷۲(۱:۲۹۶۱)۱۷۳(ب ج:۳۲۶)۱۷۴(ب ج:۳۴۸)۱۷۵(ب ج:۳۴۸)
۱۷۶(ض ک:۴۹۳)۱۷۷(ض ک:۴۸۲)۱۷۸(ب ج:۳۴۸)۱۷۹(ب ج:۳۴۸)۱۸۰(ا ح:۲۷)۱۸۱(ب ج:۳۸۹)
۱۸۲(ب د:۲۷۸)۱۸۳(پ م:۲۷۶)۱۸۴(ب د:۷۶)۱۸۵(۱:۲۶۵۳)۱۸۶(۱:۲۶۵۵)۱۸۷(ض ک:۵۲۲)۱۸۸(ا ر:۴۱)
۱۸۹(ض ک:۵۹۳)۱۹۰(ض ک:۵۶۳)۱۹۱(ب ج:۳۰۵)۱۹۲(ض ک:۵۶۷)۱۹۳(ب ج:۳۸۹)۱۹۴(ب ج:۳۹۳)
۱۹۵(۶:۳۸۷۸) ۱۹۶(۶:۳۸۷۹)۱۹۷(۶:۳۸۸۰)۱۹۸(۶:۳۸۸۱)۱۹۹(ب ج:۳۳۱)۲۰۰(ب ج:۳۱۲)۲۰۱(۲:۱۳۴۸)
۲۰۲(۲:۱۳۴۹) ۲۰۳(۲:۱۳۵۰) ۲۰۴(۲:۱۳۵۱) ۲۰۵(۲:۱۳۵۳) ۲۰۶(۳:۴۴۸۰) ۲۰۷(۲:۱۳۴۳)
۲۰۸(۲:۱۳۴۴) ۲۰۹(۱:۳۴۱) ۲۱۰(۱:۲۷) ۲۱۱(۱:۳۰۱۰)۲۱۲(۱:۳۰۱۱) ۲۱۳ (۲:۱۲۱۳) ۲۱۴(ب ج:۳۹۵)
۲۱۵(ب ج:۳۱۹)۲۱۶(ب ج:۳۴۸)۲۱۷(ب ج:۳۵۸)۲۱۸(ب ج:۳۱۰)۲۱۹(ب ج:۳۲۵)۲۲۰(ب د:۲۹۹)
۲۲۱(پ م:۵۴۹)۲۲۲(۲:۱۳۲)۲۲۳(ج ن:۷۱۶،۷۱۷)۲۲۴(ا ح:۹۷۳)۲۲۵(ج ن:۷۱۷)۲۲۶(پ ج:۸۳۳)
۲۲۷(ب ج:۳۰۶)۲۲۸(ا ح:۸۹۷)۲۲۹(ا ر:۹۲)۲۳۰(ج ن:۶۶۵)۲۳۱(ج ن:۶۵۹)۲۳۲(ض ک:۵۲۲)
۲۳۳(ج ن:۶۷۵)۲۳۴(پ چ:۸۱۷)۲۳۵(پ چ:۸۱۸)۲۳۶(ض ک:۵۱۲)۲۳۷(ب ج:۳۸۹)۲۳۸(ج ن:۶۰۷)
۲۳۹(ج ن:۶۰۸)۲۴۰(ز ع:۶۶۱)۲۴۱(ز ع:۵۵۳)۲۴۲(ز ع:۵۵۴)۲۴۳(ز ع:۵۵۹)۲۴۴(ج ن:۶۶۲)
۲۴۵(ب ج:۳۹۹)۲۴۶(ب ج:۳۶۳)۲۴۷(ض ک:۵۰۵)۲۴۸(ب ج:۳۰۵)۲۴۹(۳:۲۹۲۳)۲۵۰(۳:۲۹۲۶)

۲۵۱(۲۹۲۷:۴) ۲۵۲(۱۸۶۳:۵) ۲۵۳(۱۸۶۶:۵) ۲۵۴(۱۸۷۳:۵) ۲۵۵(۱۸۷۹:۵) ۲۵۶(۲۱۰۹:۵) ۲۵۷(۲۱۱۱:۵)
۲۵۸(۲۱۳۳:۵) ۲۵۹(۳۵۵۳:۵) ۲۶۰(۱۱۳:۵) ۲۶۱(۳۵۱۱۳:۶) ۲۶۲(ض ک:۳۹۳) ۲۶۳(ب ج:۳۵۲)
۲۶۴(ب ج:۳۵۹) ۲۶۵(ب ج:۲۷۹) ۲۶۶(ا/ر:۳۲) ۲۶۷(ا/ر: ۹۵) ۲۶۸(ا/ر:۱۶۳) ۲۶۹(ا/ج:۹۳۱) ۲۷۰(ا/ج:۹۳۱)
۲۷۱(ض ک:۵۰۱) ۲۷۲(ب د:۲۲۲) ۲۷۳(ص ک:۵۳۷) ۲۷۴(پ ج:۳۱۲) ۲۷۵(ض ک:۳۶۸) ۲۷۶(ض ک:۶۳۶)
۲۷۷(ا ر:۱۲۸) ۲۷۸(ا ر:۱۲۷) ۲۷۹(پ م:۱۶۳) ۲۸۰(پ م:۲۱۵) ۲۸۱(ا ر:۱۳۳) ۲۸۲(ب د:۶۱) ۲۸۳(ا ج:۶۸۱)
۲۸۴(ب ج:۳۶۶) ۲۸۵(ب ج:۲۷۳) ۲۸۶(ب ج:۲۲۸) ۲۸۷(ب ج:۳۵۰) ۲۸۸(ض ک:۳۹۷) ۲۸۹(ج ن:۷۱۰)
۲۹۰(۲۲۲:۶) ۲۹۱(ب ج:۲۲۵) ۲۹۲(ب ج:۳۵۲) ۲۹۳(ض ک:۲۰۸) ۲۹۴(۲۷۷۸:۲) ۲۹۵(۳۶۳:۶)
۲۹۶(۱۳۲۶:۲) ۲۹۷(ب د:۱۵۹) ۲۹۸(ب د:۲۰۲) ۲۹۹(ض ک:۵۱۷) ۳۰۰(ج ن:۶۲۵) ۳۰۱(ا ج:۹۸۶)
۳۰۲(ا ر:۱۹) ۳۰۳(ا ج:۱۰۰۷) ۳۰۴(پ ج:۸۷۳) ۳۰۵(پ م:۳۱۸) ۳۰۶(پ م:۲۳۸) ۳۰۷(ا ج:۹۹۱)
۳۰۸(پ م:۲۲۲) ۳۰۹(ز ع:۵۴۹) ۳۱۰(ز ع:۵۵۰) ۳۱۱(ز ع:۵۵۱) ۳۱۲(ز ع:۳۸۵) ۳۱۳(ج ن:۹۲۳)
۳۱۴(۳۳۳۸:۳) ۳۱۵(۳۳۳۹:۳) ۳۱۶(۳۳۴۲:۳) ۳۱۷(ب ج:۳۵۲) ۳۱۸(ب ج:۲۲۶) ۳۱۹(ب ج:۲۲۲)
۳۲۰(ب ج:۲۴۸) ۳۲۱(ج ن:۵۹۸) ۳۲۲(ب ج:۲۰۹) ۳۲۳(ب ج:۲۰۶) ۳۲۴(ب ج:۲۲۱) ۳۲۵(ب ج:۳۳۹)
۳۲۶(ز ع:۳۱۰) ۳۲۷(ز ع:۵۵۹) ۳۲۸(ض ک:۴۹۶) ۳۲۹(ض ک:۵۲۰) ۳۳۰(ض ک:۶۳۵) ۳۳۱(ض ک:۵۹۰)
۳۳۲(۳۷۸۲:۲) ۳۳۳(۳۷۸۲:۲) ۳۳۴(۱۸۲۲:۱) ۳۳۵(۱۷۳۱:۱) ۳۳۶(۷۲۵:۳) ۳۳۷(۱۳۳۶:۲) ۳۳۸(ج ن:۶۱۳)
۳۳۹(۱۸۹:۳) ۳۴۰(۲۶۷۲:۲) ۳۴۱(۱۹۳:۳) ۳۴۲(۱۹۵:۳) ۳۴۳(۱۹۷:۳) ۳۴۴(۱۳۷۵:۶) ۳۴۵(۱۳۷۶:۶)
۳۴۶(۲۲۰۷:۲) ۳۴۷(۲۷۱۴:۳) ۳۴۸(۲۷۱۵:۳) ۳۴۹(۱۲۳۷:۲) ۳۵۰(۱۲۳۹:۲) ۳۵۱(۲۳۸۲:۲)
۳۵۲(۲۸۹۷:۲) ۳۵۳(۱۱۸۸:۵) ۳۵۴(۲۱۰۷:۳) ۳۵۵(۱۳۳:۵) ۳۵۶(۴۷۳:۵) ۳۵۷(ب د:۲۰۰)
۳۵۸(۳۰۵:۲) ۳۵۹(۳۱۰:۲) ۳۶۰(۳۱۲:۲) ۳۶۱(۳۱۳:۲) ۳۶۲(۳۱۶:۲) ۳۶۳(۳۱۹:۲) ۳۶۴(۳۲۲:۲)
۳۶۵(۳۳۳:۲) ۳۶۶(۳۳۳:۲) ۳۶۷(۳۳۳:۲) ۳۶۸(۱۶۷۹:۱) ۳۶۹(۲۱۱۱:۲) ۳۷۰(ج ن:۷۹۵) ۳۷۱(ب د:۲۰۸)
۳۷۲(ب د:۲۰۰) ۳۷۳(ب د:۲۶۹) ۳۷۴(ض ک:۴۹۳) ۳۷۵(ض ک:۵۴۶) ۳۷۶(ا ر:۳۲) ۳۷۷(ب د:۱۰۷)
۳۷۸(۴۷۳:۵) ۳۷۹(۱۳۵:۵) ۳۸۰(ب ج:۵۶) ۳۸۱(۴۲۱۷:۶) ۳۸۲(۴۲۱۹:۶) ۳۸۳(۴۲۲۰:۶) ۳۸۴(۴۲۲۲:۶)
۳۸۵(۹۸۲:۱) ۳۸۶(۴۲۳۹:۶) ۳۸۷(۴۲۳۷:۶) ۳۸۸(۱۷۹:۳) ۳۸۹(۱۸۱:۳) ۳۹۰(۱۸۲:۳) ۳۹۱(۱۸۸:۳)
۳۹۲(۲۲۲۳:۳) ۳۹۳(۵۳۸:۴) ۳۹۴(۵۳۹:۴) ۳۹۵(ض ک:۵۸۵) ۳۹۶(پ د:۱۲۳) ۳۹۷(ض ک:۵۹۳)
۳۹۸(ض ک:۵۶۲) ۳۹۹(ض ک:۵۰۱) ۴۰۰(ب ج:۳۱۵) ۴۰۱(ض ک:۶۲۷) ۴۰۲(ض ک:۶۲۸) ۴۰۳(ض ک:۵۲۶)
۴۰۴(ب د:۲۷۳) ۴۰۵(ض ک:۵۶۷) ۴۰۶(ب د:۷۱) ۴۰۷(ض ک:۵۰۶) ۴۰۸(ب ج:۱۵۱) ۴۰۹(ض ک:۱۰۹)
۴۱۰(ب ج:۳۷۸) ۴۱۱(ب ج:۳۵۳) ۴۱۲(ض ک:۵۰۰) ۴۱۳(ض ک:۵۰۱) ۴۱۴(ض ک:۵۲۲) ۴۱۵(۳۳۰۰:۳)
۴۱۶(۲۷۸۵:۶) ۴۱۷(۳۶۳۸:۶) ۴۱۸(۳۶۳۹:۶) ۴۱۹(۲۷۵۳:۳) ۴۲۰(ا ر:۶۳) ۴۲۱(ا/ر:۶۲) ۴۲۲(ب ج:۸۰۹)
۴۲۳(پ ج:۸۱۰) ۴۲۴(ج ن:۶۰۳) ۴۲۵(ز ع:۵۰۹)

ختمِ خواجگان

بروز جمعۃ المبارک بعد نمازِ عصر و قبل از مغرب پڑھیں

۱ بسم اللہ شریف	۱۰۰ بار	۲ درود شریف	۱۰۰ بار
۳ الحمد شریف	۱۰۰ بار	۴ سورہ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ	۷۹ بار
۵ سورہ الاخلاص	۱۰۰۰ بار	۶ الحمد شریف	۷ بار
۷ درود شریف	۱۰۰ بار		

۸ يَا قَاضِيَ الْحَاجَاتِ	(اے حاجات کا پوری کرنے والے)	۱۰۰ بار
۹ يَا شَافِيَ الْاَمْرَاضِ	(اے امراض سے شفا دینے والے)	۱۰۰ بار
۱۰ يَا كَافِيَ الْمُهِمَّاتِ	(اے مہمات کو پورا کرنے والے)	۱۰۰ بار
۱۱ يَا دَافِعَ الْبَلِيَّاتِ	(اے بلاؤں کو دور کرنے والے)	۱۰۰ بار
۱۲ يَا رَافِعَ الدَّرَجَاتِ	(اے درجات کو بلند کرنے والے)	۱۰۰ بار
۱۳ يَا حَلَّ الْمُشْكِلَاتِ	(اے مشکلات کو حل کرنے والے)	۱۰۰ بار
۱۴ يَا مُسَبِّبَ الْاَسْبَابِ	(اے اسباب پیدا کرنے والے)	۱۰۰ بار
۱۵ يَا مُفَتِّحَ الْاَبْوَابِ	(اے رزق و کشادگی کے) دروازے کھولنے والے)	۱۰۰ بار
۱۶ يَا غِيَاثَ الْمُسْتَغِيْثِيْنَ اَغِثْنَا	(اے مدد چاہنے والوں کی مدد کرنے والے ہماری مدد فرما)	۱۰۰ بار
۱۷ يَا وَاسِعَ الْمَغْفِرَاتِ	(اے بخششوں کی بڑی گنجائش والے)	۱۰۰ بار
۱۸ يَا مُنَزِّلَ الْبَرَكَاتِ	(اے برکتوں کو نازل کرنے والے)	۱۰۰ بار
۱۹ يَا مُجِيْبَ الدَّعْوَاتِ	(اے دعاؤں کو قبول کرنے والے)	۱۰۰ بار
۲۰ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ	(اے رحم کرنے والوں میں سے زیادہ رحم کرنے والے)	۱۰۰ بار
۲۱ درود شریف		۱۰۰ بار

ایصالِ ثواب برائے خواجگانِ نقشبندؒ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	خواجہ بایزید بسطامیؒ	خواجہ عارف ریوکریؒ
خواجہ بابا سماسیؒ	خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ	خواجہ سیّد امیر کلالؒ
خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ	خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ	خواجہ ابو یوسف ہمدانیؒ
خواجہ ابو منصور ماتریدیؒ	خواجہ عبداللطیف خان نقشبندیؒ	

شجرہ شریف

سلسلہ نقشبندیہ بہ مناسبتِ عبداللطیف خان نقشبندیؒ، خاکپائے آستانہ نیریاں شریف

یا الٰہی خستہ حالم رحم کُن برحالِ ما اِتقا دارم زِفضلت نیست جز تو والیِ ما

اِلتجا دارم بہ درگاہت بنامِ مصطفیٰؐ کاں بُود اَحمدؐ محمدؐ درصفات و در عطا

دستِ اُو گیرم کہ دستِ خویش اُو را گفتہ ای

زِیں سبب گفتہ نہ باشد دستِ اُو از تو جُدا

حضرت صدیقؓ و سلمان، قاسم و جعفر دِگر بایزید و خواجہ و بوالحسن خورشید فر

بو علی بحرِ عطا بُو یوسف ابر مکرمت عبد خالق عارف و محمود شاہ داد گر

بحرِ کرم را میتنی بابا سماسی و کلال نقشبند، عطار و چرخی عِشق را تیغ و سپَر

پس عبیدُ اللہ و زاہدؒ خواجہ درویش اَجل خواجہ اَمکنگی و باقی باللہ آمد خُوب تر

پس مجدد عروۃ الوثقٰی و شاہِ شاہ حُسین خواجہ عبدالباسط و شاہ عبدِ قادر دیدہ وَر

فغنوی محمود خواجہ اولیاء عبداللہ شاہ شاہ عنایت حافظ احمد والیانِ بحر و بر

فخرِ ہند عبد الصبور و گُل محمد شاہ غفور خلق را عبدالمجید عبدالعزیز آمزد گر

خواجہ سُلطان الملوک وآں نظام الدین شہ خواجہ قاسم ہادیٔ ہند و جہاں را راہبر

زہد کامل محی الدین شاہِ نیروی داد علاؤالدین جہانِ عشق را کامل نظر

یا الٰہی رحم کُن بر ما طفیل آں شہاں

لُطف فرما بر لطیف و دوستاں شام و سحر

پیر عبداللطیف خان نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

کی قرآن وحدیث اور آثارِ صالحین کی روشنی میں لکھی گئی معیاری کتب جن میں علامہ اقبال اور مولانا روم کے کلام کو یکجا کر کے امتِ مسلمہ کو درپیش چیلنجز کا روحانی اسلوب میں حل پیش کیا گیا ہے۔

سابق ڈائریکٹر محکمہ موسمیات

اوراق: 408 قیمت: 300 روپے
اپنی زندگی سنوارنے کے خواہشمند حضرات کے لیے دل کے معارف، اسرار و رموز، حضورِ قلب اور خشوع و خضوع کے حصول کے لئے مصنف کی دلنواز تصنیف جس میں مولانا رومؒ اور علامہ اقبالؒ کے کلام کا اس موضوع پر بخوبی احاطہ کیا گیا ہے

اوراق: 364 قیمت: 120 روپے
شاہین اپنی بلند پروازی، خودداری اور دلیری جیسی خوبیوں کے باعث پرندوں کی دنیا میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔ اسی لئے مصنفؒ نے علامہ اقبالؒ کے کلام کو یکجا کرتے ہوئے مسلمانوں کو شاہین کی صفات اپنانے کی ترغیب دلائی ہے۔

اوراق: 408 قیمت: 300 روپے
اپنی زندگی سنوارنے کے خواہشمند حضرات کے لیے دل کے معارف، اسرار و رموز، حضورِ قلب اور خشوع و خضوع کے حصول کے لئے مصنف کی دلنواز تصنیف جس میں مولانا رومؒ اور علامہ اقبالؒ کے کلام کا اس موضوع پر بخوبی احاطہ کیا گیا ہے

اوراق: 272 قیمت: 200 روپے
قرآن وحدیث کی روشنی میں بیعت و تصوف کی ضرورت و اہمیت کے مختلف زاویوں کو آشکار کرنے والی ایسی کتاب جس میں ضروری اصطلاحات تصوف شامل کر دی گئی ہیں۔ راہِ طریقت پر چلنے والوں کے لئے نصاب کی سی حیثیت رکھتی ہے۔

اوراق: 932 قیمت: 350 روپے
نماز کی اہمیت، اغراض و مقاصد، فضائل اور دیگر روحانی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے بعد حقیقتِ نماز یعنی معراج اور معرفتِ حقیقی تک رسائی کی راہوں کو عیاں کیا گیا ہے۔ آدابِ باطنی اور ظاہری تقاضوں کو پورا کرنے میں معاون کتاب۔

اوراق: 586 قیمت: 450 روپے
حقیقتِ انسان، نفس کا مفہوم، اہمیت، اقسام و مدارج، قلب، عقل اور روح پر نفس کے اثرات اور حقوقِ نفس، آفات نفس اور اس کے باریک خطرات کے بعد اس کی تہذیب اور تزکیہ کی راہوں کو بیان کیا ہے۔

اوراق: 716 قیمت: 385 روپے
علامہ اقبال کے فارسی اشعار کو تلاش کرنے اور فارسی سمجھنے کیلئے طلباء، علماء اور محققین کیلئے مفید کتاب ہے۔
(بحوالہ کلیاتِ اقبال مرتبہ غلام علی اینڈ سنز)

اوراق: 608 قیمت: 350 روپے
عوام کی فہم کے مطابق سنت، اسوہ حسنہ، اطاعت، اتباع اور محبتِ رسول ﷺ سے لے کر حجیت و اصولِ حدیث (اقسام، تاریخ، سند و متن) منکرین حدیث و سنت کے جوابات اور بدعت اور اس کی اقسام تک کے مضامین شامل ہیں۔

Sign Post of Salvation

نشانِ منزل کا انگریزی ترجمہ

اوراق: 264 قیمت: 350 روپے

اوراق: 313 قیمت: 157 روپے
ایمان کی تقویت کیلئے قرآنی، عقلی، سائنسی اور مشاہداتی دلائل اس طرح پیش کیے گئے ہیں کہ قاری کے لئے عمل میں حائل مشکلات کو رفع کرنا آسان ہو جائے۔ یہ مصنف کی شائع ہونے والی پہلی کتاب جو آج ہر گھر کی ضرورت ہے۔

اوراق: 1211 قیمت: 385 روپے
تصوف کی اصطلاحات و احوال اور روحانیت کے ۵۱ ابواب جن میں فقر و درویشی، رموزِ قلندری، طبقات سمٰوٰت اور حکمت و معرفتِ الٰہی جیسے موضوعات کو قرآن و احادیث و اقوالِ صالحین اور اقبالؒ کے کلام کے ساتھ دلچسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

اوراق: 752 قیمت: 400 روپے
حضرات جنیدؒ و بایزیدؒ کی پر کیف زندگیوں، مقالات، روحانی مدارج اور بلند پرواز احوال جو قارئین پر دور رس روحانی اثرات مرتب کرتے ہیں۔ مصنف کے مخصوص انداز میں لکھی گئی انتہائی دلچسپ تصنیف۔

اوراق: 260 قیمت: 250 روپے (نیشنل بک فاؤنڈیشن)
اللہ تعالیٰ پر یقین کے دلائل، انسان کی تخلیق کی غرض و غایت، عبادت گزاروں کو ملنے والے امتیازات نیز اسلام ہم سے کیا چاہتا ہے جیسے اہم موضوعات پر قلم کشائی کی گئی ہے۔ بے نمازیوں کو پابندِ نماز بنانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

اوراق: 579 قیمت: 350 روپے
مثنوی مولانا رومؒ کی برس ہا برس کی عرق ریزی کے بعد ایسے منتخب اشعار کی تشریح شامل کی ہے جو عشق و مستی سے لبریز اور زبان زدِ عام ہیں۔ مولاناؒ کو ایک مرشد روشن ضمیر کے طور پر پیش کر کے انہیں رفیق راہ بنانے کا سبق دیا۔

نشانِ منزل پبلی کیشنز

نادر آباد نمبر 2، بیدیاں روڈ، لاہور۔ فون: 03234878481، 37114939، 042-35709606
Web: www.nishanemanzal.com eMail: nishanemanzal@gmail.com